ماہنامہ

تجلّی

دیوبند

خدا کی راہ میں خرچ کرنا
دراصل خرچ کرنا نہیں بلکہ جمع کرنا ہے

ایڈیٹر: حسن احمد صدیقی
فاضل دیوبند
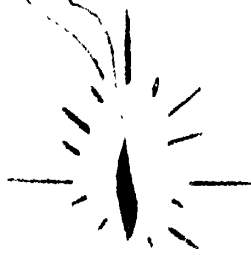
تاریکیوں میں اک چراغ

2/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

تجلی

دیوبند

ایڈیٹر: حسن احمد صدیقی (فاضل دیوبند)

سالانہ چندہ	۲۲/۰۰
ششماہی چندہ	۱۲/۰۰
فی کاپی	۲/۵۰
اس شمارہ کی قیمت	ڈھائی روپے

امریکہ، انگلینڈ، نائجیریا، کنیڈا، فرانس، انڈونیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ، بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ۔ افریقہ، سعودی عرب، بحرین، قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ بذریعہ ہوائی ڈاک دو پونڈ

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھیے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے اب یا منی آرڈر سے سالانہ چندہ ارسال کریں یا وی پی کی اجازت دیں۔ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر روانہ کر کے آپ وی پی آنے سے بچ جائیں گے۔

فہرست مضامین

مستقل

نقادات

دست

مولانا عامر عثمانی نور اللہ مرقدہ

ہم رنج و راحت کو صرف ظاہری طمطراق اور مال و دولت کے پیمانے سے ماپنے کے عادی ہوگئے ہیں، ہماری نگاہ میں وہ شخص جس کے پاس موٹر ہے، کوٹھی ہے، قیمتی ملبوسات اور سامان آرائش کی بہتات ہے اس شخص کے مقابلہ میں یقینی طور پر زیادہ راحت و آرائش میں ہے جسکے پاس یہ سب سامان نہیں ہے بلکہ وہ ٹوٹا پھوٹا مکان کرایہ پر لے کر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر بسر کر رہا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ فیصلہ ہر حال میں درست نہیں ہوتا۔ رنج و راحت کا تعلق دلوں کی کیفیات سے ہے، بارہا دیکھا گیا ہے کہ اول الذکر قسم کے لوگ فراوانی اسباب کے باوجود اتنی زیادہ مطمئن و مسرور زندگی نہیں گزارتے جتنی ثانی الذکر قسم کے لوگ گزار جاتے ہیں۔ ایک مزدور دن بھر محنت کرنے کے بعد بال بچوں کے درمیان بیٹھا ہوا اگر باسی دال روٹی ہنس ہنس کر کھا رہا ہے اور اسکے بچوں کے جسموں پر بہت گھٹیا کپڑے ہیں تو یقین سمجھئے کہ اکثر حالات میں وہ اس موٹر نشین سے زیادہ مطمئن و مسرور ہوتا ہے جو جاہ و دولت کی دوڑ میں اپنے کسی ہم پیشہ حریف سے پیچھے رہ گیا ہے اور آگے بڑھنے کی ادھیڑبن میں گرفتار ہے، نئی تہذیب کے مظاہر نے ہمیں بہت دھوکے میں ڈالا ہے، رات بھر کھلنے والے ایک کلب میں جگمگ کرتا ہوا ماحول، رونق و سرور، لذیذ مشروبات، خوش پوش مرد و زن کا ہجوم اور عیش و طرب کے مظاہر ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ جنت ہے اور یہاں داد عیش دینے والا ہر فرد بہترین لذت و راحت کی زندگی گزار رہا ہے لیکن ان اہل جنت کی بیرون جنت کی زندگی کا مطالعہ اگر کوئی کر سکے تو اسے پتہ چلیگا کہ انہیں کی اکثریت حد درجہ غیر متوازن حالات کا شکار ہے، نوع بہ نوع مسائل نے [illegible] ہوئے ہیں حقیقی احساس راحت و انبساط سے انکے ذہن و قلب [illegible] میں لیے بے چین رہتے ہیں، نوع بہ نوع ذہنی کلفتوں کے مارے لوگ [illegible] کی طرح آتے ہیں جو نشہ کے ذریعہ غم و آلام کی تلخی [illegible] مطمئن و مسرور وہ غریب اور غیر مہذب افراد ہیں جن کی زندگی بظاہر کشمکش حیات [illegible] چند سانس حقیقی اطمینان و مسرت کے بھی لے ہی لیتے ہیں۔

بعض قارئین کی رائے یہ ہے کہ تجلی کو آفسیٹ پر چھاپا جائے یہ رائے اس لیے جاندار محسوس ہوتی ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے کے بعد تجلی کا بروقت شائع ہو کر بروقت شائقین کی خدمت میں پہنچ جانا یقینی ہو گا۔ کام کی زیادتی اور دھیمے پریس بند ہو جانے کی وجہ سے دیوبند میں تو چھپائی کا عالم یہ ہو گیا ہے کہ تجلی بلا اقساط چھپتا ہے اور ایک ماہ سے قبل نہیں چھپ پاتا۔ ایک مہینہ کی مدت اس پریس میں لگتی ہے جس پریس میں تجلی مستقل چھپ رہا ہے اگر معاملہ مستقل کا نہ ہوتا تو شاید ایک شمارہ چھپنے میں تین تین ماہ کا وقت لگ جاتا یہ سمجھئے کہ لحاظ و مروت میں اتنی کم مدت لگتی ہے اگر لحاظ و مروت نہ ہوتا تو پھر خدا ہی حافظ تھا۔ دیوبندی طباعت کا معیار بھی دن بدن گرتا ہی جا رہا ہے۔ تین پریسوں سے لے دے کے ایک پریس ایسا ہے جس میں طباعت کا کام کچھ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے تجلی جیسے کثیر صفحات والے رسالہ کو ہر ماہ چھاپنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔

اس لیے بھی دل و دماغ کا اقتضاء یہ ہے کہ تجلی کو آفسیٹ پر چھاپا جائے، چھپائی بھی نکھر جائے گی اور پرچہ وقت پر شائع ہونے لگے گا لیکن ظاہر ہے کہ صرف ہماری اور بعض قارئین کی رائے کا اس قابل نہیں ہو سکتی کہ اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کر لیا جائے، اسی لیے ہم اپنے تمام قارئین سے مشورہ کر رہے ہیں کہ آیا کہ ہم تجلی کو آفسیٹ پر چھاپنے کا پروگرام بنائیں یا نہیں؟

یہ تو ظاہر ہے کہ تجلی آفسیٹ پر چھپے گا تو اس کی قیمت بڑھے گی لیکن ہم قارئین سے قیمت بڑھانے کے ساتھ ایک سہولت اور دیا چاہیں گے اور وہ یہ کہ ایک سال تک تجلی کے کچھ صفحات کم کر دیئے جائیں، تاکہ ادارہ آفسیٹ کے اخراجات برداشت کرنے کا متحمل ہو جائے۔ ایک سال کی مدت زیادہ کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ ایک سال کے بعد تجلی پھر اپنی صفحوں پر شائع ہونے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ سال بھر کے بعد صفحات میں اور مزید اضافہ کر دیا جائے۔

بہرکیف اس سلسلہ میں قارئین اپنی اپنی رائے سے نوازیں۔ اکثریت کی جو رائے ہو گی اس پر عمل کیا جائے گا۔

... ...

... ...

... ...

ادارہ

توجہ طلب

یہ ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہے کہ مذہب اسلام کو جتنا نقصان منافقین کے گروہ نے پہونچایا ہے اتنا نقصان کفار و مشرکین کی جماعتیں نہ پہونچا سکیں، جو بہ باطن بھی اسلام کی دشمن تھیں اور بہ ظاہر بھی۔ جو در پردہ بھی اسلام کی بنیاد کھوکھلی کرنے کی فکر میں لگی رہتی تھیں اور علی الاعلانیہ بھی۔

اور ایک اسلام ہی کیا دنیا کے ہر کاز اور ہر مشن کو ان عوامل سے نقصان اٹھانا ہی پڑتا ہے جن کے پیچھے دو رخی پالیسی کام کر رہی ہو، دو رخی پالیسی دوسرے الفاظ میں منافقت اور تیسرے الفاظ میں گندی سیاست بھی کہا جا سکتا ہے۔ اردو زبان کے سلسلہ میں کانگریس کا رویہ ہمیشہ منافقانہ رہا، یعنی اردو زبان کے سلسلہ میں کانگریس نے ہمیشہ اس دو رخی پالیسی پر عمل کیا جسے گندی سیاست اور بڑی ہوئی منافقت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت اردو کی دشمن رہی اور بظاہر اردو کی ہمنوا اندر اندر وہ اردو زبان کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مگن رہی لیکن ظاہر میں اس نے اردو کے چند بے جان اکیڈمیاں اور چند لیوں جیسے ادارے قائم کرکے یہ مفصل سا ثبوت فراہم کر دیا کہ میں اردو نواز ہوں اور اردو کی بقا چاہتی ہوں۔ پھر یہ بھی ہوا کہ کانگریس سیاسی طور پر مر گئی اور جنتا پارٹی کو اقتدار اپنے لینے میں ہاتھ پیر ہلانے کا موقعہ ملا۔

جنتا پارٹی اپنی ولادت کے پہلے ہی دن سے منافقت سے بیزار رہی، بالخصوص اردو زبان کے سلسلہ میں اس کا رویہ، ہمیشہ ہی کھلے کفر پر مشتمل رہا، وہ اپنی تمام تر کافرانہ اداؤں کے ساتھ برابر یہ کہتی رہی کہ اردو ترقی کی مستحق نہیں اردو مسلمانوں کی جماعت ہے، اردو بدیشی سرمایہ ہے۔ وغیرہ

اب وہ حضرات بکھر گئے جو اردو زبان سے دلی لگاؤ رکھتے تھے اور جن کی خواہش تھی کہ اردو کو اس کا جائز حق ملے، اور وہ دوسری زبانوں کی طرح نمایاں ہو۔ ان حضرات نے جنتا پارٹی کو بد اخلاق و بد لحاظ کہنے پر کمر باندھ لی۔ اور اس کانگریس کی ثنا خوانی پر کمر بستہ ہو گئے جو اردو کی دشمن ہوتے ہوئے منافقانہ پالیسی سے اردو پسند لوگوں کو مطمئن کر دیا کرتی تھی۔ حالانکہ تعریف کی مستحق کانگریس نہیں جنتا پارٹی ہی ہے اسلئے کہ کانگریس کی تیس سالہ منافقت اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکی البتہ جنتا پارٹی کا کفر مبین اردو زبان کے لئے مفید اور نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اردو پسند اور اردو نواز لوگ تہہ دل سے اردو زبان کا قد بلند کرنے کی جدوجہد کریں۔ جنتا پارٹی کے کفر نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو کو اردو والے ہی صحیح مقام دلا سکتے ہیں وہی اسے سرفراز کر سکتے ہیں، کوئی حکومت، کوئی گورنمنٹ اور دزیروں کی کوئی کھیپ اسے اس کا صحیح اور جائز مقام دلانے کی اہل نہیں ہے

اردو والے صرف مسلمان نہیں ہیں صرف ہندو نہیں، صرف سکھ و عیسائی نہیں بلکہ ہر قدم میں انگنت ایسے افراد موجود ہیں جن پر "ارباب اردو" کا اطلاق ہو سکتا ہے، ان سب کی جدوجہد اردو زبان کو سرکاری زبان بنا سکتی ہے لیکن اس وقت جب اس سلسلہ کے جہاد کی ابتدا ارباب اردو کے گھروں سے ہو کانگریس اور جنتا پارٹی کے دفتروں سے نہیں۔

حسن احمد صدیقی

بیرونِ دیوبند سے آئے ہوئے متاثرین جماعت نے بارہا ہم سے دریافت کیا ہے کہ جماعت اسلامی اور آر ایس ایس کے گٹھ جوڑ کی اصل وجہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصل وجہ سے تو ہم واقف نہیں تھے ہم تو صرف اتنا جانتے تھے کہ جماعت کے افراد اس سلسلہ میں مخلصِ محض ہیں اور وہ آر ایس ایس کی اسلام دشمنی کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے انھیں اپنا خیر خواہ تصور کر بیٹھے ہیں۔ اور اس تصور نے ان کے گوشۂ ذہن میں آر ایس ایس کے لئے اپنائیت کے ہزار گوشے پیدا کر دیئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارا یہ جواب مطمئن کن نہیں تھا لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو خوبصورت تاویلیں جماعت اسلامی کی طرف سے کی جا رہی وہ بجائے خود بھی سامعین کو ایک فی صد اطمینان عطا نہیں کرتیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی اور آر ایس ایس کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے بعض ارباب فہم قسم کے لوگ بڑی بدظنی کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ صورت حال جماعت اسلامی کے لئے کسی صورت مفید ثابت نہیں ہو سکتی لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اکثر افراد اس سلسلہ میں نہ کوئی معقول جواب دے پاتے ہیں اور نہ ہی اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حالِ آزادی نے انھیں "کفر و نفاق" کے سلسلہ میں جو خوش گمانی عطا کی ہے اس پر خود ان کا سارا لٹریچر محوِ حیرت ہے اور خود ان سے یہ سوال کرتا ہے کہ اسلام کش لوگوں کی لن ترانیوں سے متاثر ہو کر ان کے مکر و فریب سے غافل ہو جانا دانش مندی کی کونسی قسم ہے۔ یہ ایک مسلّم بات ہے کہ آر ایس ایس کی وکالت و حمایت کرنے کے باوجود جماعت اسلامی مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں آر ایس ایس کیطرف سے نرم گوشے پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے آر ایس ایس کے دامن پر وہ دھبّے آج بھی برقرار ہیں جو امیر جنسی سے پہلے نمایاں تھے۔ جماعت اسلامی کی منطق و فلسفہ نے ان دھبّوں میں کوئی کمی پیدا نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور ہو گیا ہے۔ کہ جماعت اسلامی سے عقیدت و انسیت رکھنے والے بعض حضرات ایک قسم کے تذبذب کا شکار ہو کر جماعت سے نہ سہی۔ لیکن بعض افراد جماعت کی عقل سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔

ایک مشکل یہ بھی ہے کہ جب تجلّی نے ان کی بعض خامیوں پر انگلی رکھی ہے تو بعض نے فرمایا ہے کہ تجلّی ہمارا "ذمہ دار آرگن" نہیں

وہ خواہ مخواہ ہماری طرفداری کرتا ہے اور خواہ مخواہ ہم پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ ڈھٹائی اسی کو کہتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ جماعت اسلامی انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہندوستان میں پیدا ہوئی۔ چند اشخاص کے سوا کوئی اس جماعت کا ہمنوا نہیں تھا۔ بالخصوص دیوبند میں دار العلوم کی وجہ سے کوئی ایک فرد بھی جماعت اسلامی کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت میں تجلّی نے جماعت اسلامی کا ساتھ دیا اور اس کی خاطر اپنوں اور بیگانوں سے مسلسل ایک جنگ لڑی اور جماعت اسلامی کو ایک بڑے حلقہ میں کسی قابل بنایا۔ آج اگر کچھ سرپھرے یہ کہتے نظر آئیں کہ تجلّی کا جماعت پر کوئی احسان نہیں اور تجلّی ہمارا آرگن نہیں تو اس سے صرف احسان فراموشی ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسدّعی قریب دلبید کے تمام حالات سے بے خبر ہے اور گزشتہ کسی بھی حقیقت واقفیت تک اس کی رسائی نہیں۔

خیر اس موضوع پر ہم تفصیلی گفتگو انشاء اللہ آئندہ کسی شمارہ میں کریں گے۔ اس وقت تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ آر ایس ایس سے تعلقات بڑھانے کے سلسلہ میں جو بے چینی عوام و خواص میں، پھیلی ہوئی ہے اس سے جماعت کے افراد اگر بے خبر ہیں تو یہ ان کی نااہلی ہے اور اگر وہ خبردار ہیں تو انھیں عوام و خواص کی بے چینی کو دفع کرنا چاہیئے۔ اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے موقف میں تبدیلی کریں اور آر ایس ایس سے بیزاری و برگشتگی کا صاف لفظوں میں اعلان کریں۔ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو جماعت اسلامی کے سلسلہ میں جو بدظنی اور بدگمانی جنم لے گی اس کی تمام تر ذمہ داری جماعت کے ان افراد کی گردن پر عائد ہوگی جو آر ایس ایس کو اسلامی تہذیب کا قاتل سمجھنے کے لئے تیار نہیں بلکہ انھیں اپنا کہنے اور اپنا سمجھنے پر بضد ہیں۔

ضروری اعلان

۱۔ عامر عثمانی نمبر کی تیسری قسط میں صفحہ ۸۳ پر جو آخری مرثیہ چھپا ہے۔ وہ جناب محمد اسرار الحق صاحب ایڈووکیٹ کا ہے غلطی سے اس پر کسی کا نام نہیں چھپ سکا تھا قارئین نوٹ کرلیں۔

۲۔ دسمبر کے شمارہ میں طاہر ظہیری کی غزل کے ساتھ کاتب نے جو ظلم کیا ہے اس کیلئے ادارہ بالخصوص معذرت کا خواستگار ہے ہم قارئین سے بھی معذرت طلب کرتے ہیں اور صاحب غزل سے بھی۔ اس غزل کے پہلے مصرعہ میں کا لفظ زائد ہے ایک جگہ مستقبل کو مستقل کر دیا گیا ہے، ایک جگہ کی بجائے گی کر دیا گیا ہے۔ ایک مصرعہ میں پردہ دار کی جگہ پردہ دل لکھ دیا گیا ہے۔ اس قسم کی فروگزاشتوں نے غزل کے حسن کو ختم کر دیا ہے، جو یقیناً باعث افسوس ہے۔

۳۔ دسمبر کے شمارے کے سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ اطلاع دی ہے کہ "رسالت محمدؐ" والے مضمون کی کاپی ڈبل جوڑ دی گئی ہے اور ایک کاپی کم کر دی گئی ہے بائنڈر کا یہ طریقہ بھی تکلیف دہ ہے اور ہم اس سلسلہ میں بھی معافی چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کو ایسے رسالے پہنچے ہیں وہ دوسرا رسالہ منگالیں۔

۔ ایک ضروری اطلاع قارئین کو یہ دینی ہے کہ دسمبر کے شمارہ میں۔ آفتاب ہدایت کی کرن والا مضمون پہلے برائے اشاعت تھا، پھر نکال دیا گیا لیکن پہلی کاپی "فہرست مضامین" چھپ چکی تھی۔ لہذا فہرست مضامین سے اسے خارج نہیں کیا جاسکا۔

منیجر تجلّی دیوبند، یوپی

ماہنامہ تجلی کے خاص نمبر

مندرجہ ذیل نمبر ختم

~~ڈاک نمبر ۷۴ء — خاص نمبر ۶۹ء~~

~~حاصلِ مطالعہ نمبر — ڈاک نمبر ۷۱ء~~

لہٰذا ان نمبروں کے لیئے ادارہ معذرت کا طلب گار ہے۔ اب مندرجہ ذیل نمبر ادارہ سے مل سکتے ہیں۔ لیکن ان پر رعایت ختم کردی گئی ہے۔

طلاق نمبر	۵/۰۰
نظریۂ ارتقاء نمبر	۲/۵۰
ایمان نمبر	۳/۰۰
سالنامہ نمبر ۷۱ء	۶/۰۰
تنقید نمبر	۲/۵۰
خاص نمبر ۶۳ء	۱/۵۰
مسلم پرسنل لاء نمبر	۲/۰۰
ڈاک نمبر ۷۳ء	۳/۰۰

(نوٹ) ڈاک خرچ نصف ادارہ برداشت کرے گا اور نصف منگانے والے کے ذمہ رہے گا۔

منیجر مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کہ نواہشات نفس کے بندے، یا دوسرے نظریات زندگی کے معتقد، کتاب آئین کو اس کے اصل [illegible] مدعا سے ہٹا کر اس کی غلط تعبیریں کرنے لگے۔

اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی تعلیم کے آغاز ہی میں توحید اور رسالت محمدیہ کے ساتھ قرآن پر ایمان لانے اور اس کو کلام الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنے کی دعوت دینا بھی کیوں ضروری تھا اور اس کی کیا اہمیت تھی اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے کہ جس وقت اس قرآن کو پیش کیا گیا تھا اس وقت اس کی حیثیت کیا بیان کی گئی تھی اور جو لوگ اس کتاب اللہ ماننے سے انکار کر رہے تھے ان کے سامنے کس قدر مضبوط دلائل کے ساتھ اس کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا تھا۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو لفظ بلفظ حضورؐ پر وحی کیا گیا ہے

یہ اولین بات تھی جسے پورے زور کے ساتھ قرآن میں اس قدر کثرت سے بیان کیا گیا کہ اس مضمون کی ساری آیات یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے یہ تعبیر کیا جا سکتا ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ ساری کتاب اس حیثیت ہی سے پیش کی گئی ہے کہ یہ خدا کی نازل کردہ وحی ہے مثال کے طور پر آیات ذیل ملاحظہ ہوں۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ

(المائدہ - ۴۸)

اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی ہے جو حق لیکر آئی ہے اور کتب الٰہیہ میں سے جو کچھ اس سے پہلے آیا ہوا موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کی ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

[illegible] یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق لیکر آئی ہے، بلکہ دو باتیں اور بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ [illegible] کی تصدیق کرتی ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کے اندر [illegible] اور صحیح صورت میں موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ان کتابوں کی [illegible] نگہبان ہے۔ یعنی اس نے ان تمام برحق تعلیمات کو لے کر اور [illegible] محفوظ کر دیا ہے جو ان میں پائی جاتی تھیں، اور جو خلاف حق باتیں ان کے اندر شامل کر دی گئی تھیں انہیں اس کتاب کی مدد سے چھانٹ کر الگ کیا جا سکتا ہے۔

وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

(بنی اسرائیل - ۱۰۵)

اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اے نبی ہم نے تم کو اس کے سوا کسی کام کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ جو مان لے اسے بشارت دیدو اور جو نہ مانے اسے ڈرا دو۔

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ

(الکہف - ۲۷)

اور اے محمد تمہارے رب کی جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھ کر سنا دو۔

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ

(الزمر - ۴۱)

(اے محمد) ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کے لئے حق کے ساتھ نازل کی ہے اب جو ہدایت قبول کرے گا اپنے ہی بھلے کیلئے کرے گا، اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا

(الشوریٰ - ۷)

اور اسی طرح اے محمد ہم نے تمہاری طرف عربی زبان کا قرآن وحی کیا تاکہ تم بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کر دو۔

تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (الاحقاف ۲)

اس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے ہے

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(ص - ۲۹)

یہ ایک کتاب ہے برکت والی جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ

(النمل - ۶)

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً تم یہ قرآن ایک حکیم و علیم ہستی کی طرف سے پا رہے ہو (یعنی اس ہستی کی طرف سے جو علم اور حکمت میں کامل ہے)۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

(الشعراء - ۱۹۲ تا ۱۹۵)

اور بلاشبہ یہ رب العلمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے لے کر ایک امانت دار روح[1] تمہارے قلب پر اتری ہے تاکہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم متنبہ کرنے والوں (خلق خدا کو خبردار کرنے والے انبیاء) میں سے ہو جاؤ صاف صاف عربی زبان میں۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

(القیمٰہ - ۱۶ تا ۱۹)

اے نبی، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کیلئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے، پس جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں تو اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

یہ آیات نہ صرف اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہ پوری کتاب قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے بلکہ آخری دو آیتیں اس باب میں قطعی صریح ہیں کہ اس کے محض معانی حضور پر القاء نہیں ہوتے تھے جنھیں آپ اپنے الفاظ میں ادا کرتے تھے بلکہ اس کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے تھے وہ اس کا رب العالمین کی طرف سے عربی زبان میں وحی کے ذریعہ ہونا، اسے آپ کے سامنے پڑھنا، آپ کا اسے جلدی جلدی یاد کرنے کی کوشش کرنا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ آپ یاد کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ جب پڑھا جا رہا ہو اس وقت اسے سنتے رہیں پھر اسے یاد کرا دینا، اسے پڑھوا دینا اور اس کا مطلب سمجھا دینا سب کچھ ہمارے ذمہ ہے یہ ساری باتیں اسی صورت میں بامعنی ہوتی ہیں جبکہ وحی کے الفاظ بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتے ہوں ورنہ قلب محمد پر محض معانی اور خیالات کا القاء ہونے کی صورت میں اس کے پڑھنے اور سننے اور یاد کرنے اور بزبان عربی اس کے نازل ہونے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرآن کا اتباع پر مامور تھے

قرآن میں اس بات کی بھی صاف صاف صراحت کر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے تابع امر تھے اس کی پیروی پر مامور تھے اور آپ کو اس میں کچھ گھٹانے یا بڑھانے یا کسی قسم کا رد و بدل کر دینے کا اختیار نہ تھا۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

(الاحزاب - ۲)

اور اے نبی پیروی کرو اس [illegible] جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے وحی کیا جا رہا ہے [illegible] ہو اللہ تعالیٰ اس سے [illegible] ہے۔

اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ

(الانعام - ۱۰۶)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] طرف تمہارے رب کی جانب سے وحی کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو [illegible] خدا نہیں ہے اور مشرکین سے بے [illegible] ہو جاؤ۔

---

[1] امانت دار روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو قرآن لے کر آتے تھے۔ یہاں ان کا نام لینے کے بجائے امانت دار روح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ خالص روح ہیں بلا شائبہ مادیت، اور ایسے امین ہیں کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے کلام [illegible] بالکل اسی طرح وہ بلا کم و کاست نبی تک پہنچا دیتے ہیں۔

[illegible] ہے جس تک اس کی رد و بدل نہیں ہو سکتا جو باتیں اس میں کہی گئی ہیں وہ پوری ہو کر رہنے والی ہیں۔ تمام دنیا مل کر بھی اسے باطل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ	اور حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن)
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	ایک زبردست کتاب ہے (باطل نہ
وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ	آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے
مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ	سے) اس ہستی کی نازل کردہ چیز ہے جو حکمت والی ہے اور اپنی ذات میں
(حٰم السجدہ - ۴۲)	آپ محمود ہے۔

"سامنے سے باطل کے نہ آ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پر براہ راست حملہ کر کے کوئی شخص اس کی کسی بات کو غلط اور کسی تعلیم کو باطل و فاسد کرنا چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا پیچھے سے نہ آ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں کبھی کوئی حقیقت و صداقت ایسی منکشف نہیں ہو سکتی جو قرآن کے پیش کردہ حقائق کے خلاف ہو، کوئی علم ایسا نہیں آ سکتا جو فی الواقع علم ہو اور قرآن کے بیان کردہ علم کی تردید کرتا ہو، کوئی تجربہ اور مشاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ ثابت کر دے کہ قرآن نے عقائد، اخلاق، قانون، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت اور سیاست مدن کے باب میں انسان کی جو رہنمائی کی ہے، وہ غلط ہے۔"

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ	عنقریب ہم انکو اپنی نشانیاں
وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ	آفاق میں بھی اور انکے اپنے نفس میں بھی
اَنَّهُ الْحَقُّ	دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات
(حٰم السجدہ - ۵۳)	کھل جائیگی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔

"اس کے مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ عنقریب اس قرآن کی دعوت دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا جائے گی اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس کی بدولت انسانی زندگی میں کیسا عظیم مذہبی و اخلاقی، ذہنی و فکری، تہذیبی و تمدنی اور سیاسی و معاشی انقلاب برپا ہوتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں آفاق ارض و سما اور خود انسان کے اپنے وجود کے بارے میں انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا قرآن کا برحق ہونا زیادہ کھلتا جائے گا۔"

قرآن کا انکار کفر ہے ایمان بالقرآن اسلامی دعوت کا اتنا ہی اہم جز ہے جتنا توحید اور رسالت پر ایمان۔ اس لئے کسی نبی کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لاؤ اور جو اس پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں جن لوگوں کو برسر ہدایت قرار دیا گیا ہے ان کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ	اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ	کتاب پر جو اے نبی تم پر نازل ہوئی ہے
قَبْلِكَ	اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔
(البقرہ - ۴)	
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ	ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں
شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ایمان
وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ	لانیوالوں کیلئے شفا اور رحمت ہے
اِلَّا خَسَارًا	اور ایمان نہ لانیوالے ظالموں کیلئے
(بنی اسرائیل - ۸۲)	خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔
وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ	اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔
(العنکبوت - ۴۷)	

کفار کا ردعمل اس حیثیت سے جب قرآن پیش کیا گیا تو کفار قریش اور عام مشرکین عرب کے لئے اس کو ماننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول ماننے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا۔ کیونکہ حضورؐ کو رسول مان کر وہ آپ کی اطاعت و پیروی قبول کر بھی لیتے تو وہ یہ امید کر سکتے تھے کہ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ یہ قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں گے۔ لیکن یہاں تو ایک کتاب بھی اس حیثیت سے پیش کی جا رہی تھی کہ اس کا لفظ لفظ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس کتاب کو مسلمان حرفاً حرفاً یاد کر رہے تھے۔ کیونکہ نمازوں میں اس کی تلاوت لازم تھی اور حضورؐ ہر وحی کے نزول کے بعد اسے لکھواتے بھی جا رہے تھے اس لئے اس کے بھی چھوٹنے کی وہ کوئی امید نہ کر سکتے تھے، اور وہ سمجھتے تھے کہ اسے اللہ کا کلام مان لینے کے بعد آپ کی زندگی مستقل طور پر ایک ضابطہ میں کس دی جائے گی، جس سے انحراف کے معنی خداوند عالم سے انحراف کے ہوں گے اس لئے انھوں نے قرآن کے کلام اللہ

ہونے سے انکار کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا پورا زور لگا دیا اور ہر ممکن تدبیر اس مقصد کے لیے استعمال کر ڈالی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز نہ چلنے پائے۔

تمام کتب الٰہیہ کا انکار

اس سلسلہ میں ان کا سب سے پہلا حربہ یہ تھا کہ سرے سے تمام کتب الٰہیہ کا انکار کردیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ　　اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن کو مانیں گے نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو۔

(سبا۔ ۳۱)

لیکن ان کی یہ بات خود اہل عرب میں کسی طرح نہ چل سکتی تھی حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کو تو وہ خود مانتے تھے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ تھے۔ چنانچہ قرآن میں دو جگہ ان کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل عرب کے نزدیک مسلّم تھے اگرچہ ان کا کوئی نسخہ ان کے پاس محفوظ نہ تھا۔[1] اس کے علاوہ عرب میں یہود و نصاریٰ بھی کثرت سے موجود تھے جو کتب الٰہیہ کو مانتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کفار عرب کو ان کی مدد کی ضرورت تھی اس لیے انھوں نے اپنے اس موقف پر زیادہ اصرار نہ کیا۔

حضورؐ پر قرآن کو خود تصنیف کر لینے کا الزام

پھر انھوں نے سب سے زیادہ زور اپنے اس الزام پر دیا کہ حضورؐ اس کو خود تصنیف کر کے اللہ کی طرف منسوب فرما رہے ہیں۔ اس کے بڑے مفصل جوابات قرآن میں دیئے گئے اور پرزور دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔　　اس کلام کی تنزیل بلا شبہ رب العالمین کی طرف سے ہے

(السجدہ۔ ۲)

قرآن مجید کی متعدد سورتیں اس طرح کے کسی نہ کسی تعارفی فقرہ سے شروع ہوتی ہیں جس سے مقصود آغاز کلام ہی میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ کلام کہاں سے آرہا ہے۔ یہ بظاہر اسی طرح کا ایک تمہیدی فقرہ ہے جیسے ریڈیو پر اعلان کرنے والا پروگرام کے آغاز میں کہتا ہے کہ ہم فلاں اسٹیشن سے بول رہے ہیں۔ لیکن ریڈیو کے اس معمولی سے اعلان کے برعکس قرآن مجید کی کسی سورت کا آغاز جب اس غیر معمولی اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ پیغام فرمانروائے کائنات کی طرف سے آرہا ہے تو یہ محض مصدر کلام کا بیان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس میں ایک بڑا دعویٰ، ایک عظیم چیلنج اور ایک سخت انذار بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ چھوٹتے ہی اتنی بڑی خبر دیتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے خداوند عالم کا کلام ہے۔ یہ اعلان فوراً ہی یہ بھاری سوال آدمی کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے کہ اس دعوے کو تسلیم کروں یا نہ کروں؟ تسلیم کرتا ہوں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے آگے سر اطاعت جھکا دینا ہوگا پھر میرے لیے اس کے مقابلے میں کوئی آزادی باقی نہیں رہ سکتی۔ تسلیم نہیں کرتا تو لامحالہ یہ خطرہ مول لیتا ہوں کہ اگر واقعی یہ خداوند عالم کا کلام ہے تو اسے رد کرنے کا نتیجہ مجھ کو ابدی شقاوت و بدبختی کی صورت میں دیکھنا پڑے گا۔ اس بنا پر یہ تمہیدی فقرہ مجرد اپنی اس غیر معمولی نوعیت ہی کی بنا پر آدمی کو مجبور کر دیتا ہے کہ چوکنا ہو کر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کلام کو سنے اور یہ فیصلہ کرے کہ اس کو کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے یا نہیں۔

یہاں صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے بلکہ مزید برآں پورے زور کے ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ "بیشک یہ خدا کی کتاب ہے، اس کے منزّل من اللہ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں ہے"۔ اس تاکیدی فقرے کو اگر نزول قرآن کے واقعاتی پس منظر اور خود قرآن کے اپنے سیاق میں دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر دعوے کے ساتھ دلیل بھی مضمر ہے اور یہ دلیل مکہ معظمہ کے ان باشندوں سے پوشیدہ نہ تھی جن کے سامنے یہ دعویٰ کیا جارہا تھا۔ اس کتاب کے پیش کرنے والے کی پوری زندگی ان کے سامنے تھی۔ کتاب پیش کرنے سے پہلے کی بھی اور اس کے بعد کی بھی۔ وہ جانتے تھے کہ جو شخص اس دعوے کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا ہے وہ ہماری قوم کا سب سے زیادہ راستباز، سنجیدہ اور

[1] یہ حوالے النجم، آیت ۳۶-۳۷ اور الاعلیٰ آیت ۱۹ میں موجود ہیں

پاک سیرت انسان ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے تک بھی کسی نے اس سے وہ باتیں نہ سنی تھیں، جو دعوائے نبوت کے بعد یکایک اس نے بیان کرنی شروع کر دیں۔ وہ اس کتاب کی زبان اور طرز بیان میں اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور طرز بیان میں نمایاں فرق پاتے تھے اور اس بات کو بداہتہً جانتے تھے کہ ایک ہی شخص کے طرز بیان استنے صریح فرق کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ وہ اس کتاب کے انتہائی معجزانہ ادب کو بھی دیکھ رہے تھے اور اہل زبان کی حیثیت سے خود جانتے تھے کہ ان کے سارے ادیب اور شاعر اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھے کہ ان کی قوم کے شاعروں، کاہنوں اور خطیبوں کے کلام میں اور اس کلام میں کتنا عظیم فرق ہے اور جو پاکیزہ مضامین اس کلام میں بیان کیے جا رہے ہیں وہ کتنے بلند پایہ ہیں۔ انھیں اس کتاب میں اور اس کے پیش کرنے والے کی دعوت میں کہیں دور دور بھی اس خود غرضی کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں نظر آتا تھا جس سے کسی جھوٹے مدعی کا کام اور کلام کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ وہ خوردبین لگا کر بھی اس امر کی نشاندہی نہیں کر سکتے تھے کہ نبوت کا یہ دعویٰ کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لئے یا اپنے خاندان کے لیے یا اپنی قوم اور قبیلے کے لیے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کام میں ان کی اپنی کیا غرض پوشیدہ ہے۔ پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اس دعوت کی طرف ان کی قوم کے افراد کیسے کھنچ رہے ہیں اور اس سے وابستہ ہو کر ان کی زندگیوں میں کتنا بڑا انقلاب واقع ہو رہا ہے یہ ساری باتیں مل جل کر خود دلیل دعویٰ بنی ہوئی تھیں اسی لیے اس پس منظر میں یہ کہنا بالکل کافی تھا کہ اس کتاب کا رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اس پر کسی دلیل کے اضافے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ	نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں بلکہ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ	یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ
مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ	تو متنبہ کرے ایک ایسی قوم کو جس
لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝	کے پاس تجھ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے
(السجدہ۔ ۳)	والا نہیں آیا۔ شاید کہ وہ ہدایت پائیں

اوپر کے تمہیدی فقرے کے بعد مشرکین مکہ کے پہلے اعتراض کو لیا جا رہا ہے جو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیا کرتے تھے یہ محض سوال و استفہام نہیں ہے بلکہ اس میں سخت تعجب کا انداز پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان ساری باتوں کے باوجود جن کی بنا پر اس کتاب کا منزل من اللہ ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کیا یہ لوگ ایسی صریح ہٹ دھرمی کی بات کہہ رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود تصنیف کر کے جھوٹ موٹ اللہ رب العالمین کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ اتنا لغو اور بے ہودہ الزام رکھتے ہوئے کوئی شرم ان کو نہیں آتی؟ انھیں کچھ محسوس نہیں ہوتا کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے کام اور کلام کو جانتے ہیں اور اس کتاب کو بھی سمجھتے ہیں وہ اس بے ہودہ الزام کو سن کر کیا رائے قائم کریں گے۔

جس طرح پہلی آیت میں لَا رَيْبَ فِيْهِ کہنا کافی سمجھا گیا تھا اور اس سے بڑھ کر کوئی استدلال قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے حق میں پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔ اسی طرح اب اس آیت میں بھی کفار مکہ کے الزام افترا پر صرف اتنی بات ہی کہنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ "یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے" اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر آیت ۲ کی تشریح میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کون کس ماحول میں کس شان کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ سامعین کے سامنے موجود تھا اور یہ کتاب بھی اپنی زبان اور اپنے ادب اور مضامین کے ساتھ سب کے سامنے تھی، اور اس کے اثرات و نتائج بھی مکہ کی اس سوسائٹی میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس صورت حال میں اس کتاب کا رب العالمین کی طرف سے آیا ہوا حق ہونا ایسا صریح امر واقعہ تھا جسے صرف قطعی طور پر بیان کر دینا ہی کفار کے الزام کی تردید کیلئے کافی تھا۔ اس پر کسی استدلال کی کوشش بات کو مضبوط کرنے کے بجائے الٹی اسے کمزور کرنے کی موجب ہوتی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دن کے وقت سورج چمک رہا ہو اور کوئی ڈھیٹ آدمی کہے کہ یہ اندھیری رات ہے اس کے جواب میں صرف یہ کہنا ہی کافی ہے کہ

...یں ہو جاتے بلکہ تمہارے درمیان ہی رہتے سہتے ہیں۔ تم ان زبان سے قرآن بھی سنتے ہو اور دوسری گفتگوئیں اور تقریریں بھی سنا کرتے ہو۔ قرآن کے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب بیان کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ ایک ہی انسان کے دو اس قدر مختلف طرز کلام کبھی ہو نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اسی زمانہ میں واضح نہیں تھا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں ان کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ عربی زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا اور جو جو تمہارے معبود ہیں ان کو مدد کیلئے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم انھیں معبود سمجھنے میں سچے ہو اب اگر وہ تمہارے معبود تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں پھر کیا تم اس امر حقیقی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہو؟

(ہود۔ ۳: ۱۴)

یہاں ایک ہی دلیل سے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور توحید کا ثبوت بھی استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اگر تمہارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر ہونا چاہیئے۔ لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ کہ میں نے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اسے خود تصنیف کیا ہے، صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ تم ایسی ایک کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر بار بار چیلنج دینے پر بھی تم سب مل کر اس کی نظیر ...... پیش نہیں کر سکتے۔ تو تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں بلکہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے۔

۲۔ پھر جب اس کتاب میں تمہارے معبودوں کی بھی کھلم کھلا مخالفت کی گئی ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تو ضروری ہے کہ تمہارے معبودوں کو بھی اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے، میرے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کتاب کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہیئے لیکن اگر وہ اس فیصلہ کی گھڑی میں بھی تمہاری مدد نہیں کرتے اور تمہارے اندر ایسی کوئی طاقت نہیں پھونکتے کہ تم اس کتاب کی نظیر تیار کر سکو۔ تو اس سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تم نے خواہ مخواہ ان کو معبود بنا رکھا ہے۔ ورنہ درحقیقت ان کے اندر کوئی قدرت اور کوئی شائبہ الوہیت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ معبود ہونے کے مستحق ہوں۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو ایک ہی سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لاؤ۔

(یونس۔ ۳۸)

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چیلنج محض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے تھا۔ اعجاز قرآن پر جس انداز سے بحثیں کی گئی ہیں، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونی کچھ عجیب بھی نہیں ہے۔ لیکن قرآن کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یکتائی و بے نظیری کے دعوے کی بنیاد محض اپنے لفظی محاسن پر رکھے، بلاشبہ قرآن اپنی زبان کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے۔ مگر وہ اصل چیز جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسانی دماغ ایسی کتاب تصنیف نہیں کر سکتا، اس کے مضامین اور اس کی تعلیمات ہیں۔ اس میں اعجاز کے جو جو پہلو ہیں اور جن وجوہ سے ان کا منجانب اللہ ہونا یقینی ہے اور انسان کا ایسی تصنیف پر قادر ہونا غیر ممکن ہے ان کو خود قرآن میں مختلف مواقع پر بیان کر دیا گیا ہے۔

- ۴ -

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَہٗ ج بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖٓ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۝ (الطور۔ ۳۳ تا ۳۴)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ایمان لانا نہیں چاہتے اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اس شان کا ایک کلام بنا لائیں۔

دوسرے الفاظ میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے جو لوگ، قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تصنیف کردہ کلام کہتے ہیں، خود ان کا دل یہ جانتا ہے کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے وہ لوگ بھی جو اہل زبان ہیں نہ صرف یہ کہ اسے سن کر صاف محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ انسانی کلام سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے، بلکہ ان میں سے جو شخص بھی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہے، وہ کبھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ واقعی یہ آپ ہی کا کلام ہے، پس صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ قرآن کو آپ کی تصنیف قرار دینے والے دراصل ایمان لانا نہیں چاہتے، اس لیے وہ طرح طرح کے جھوٹے بہانے گھڑ رہے ہیں جن میں سے ایک بہانہ یہ بھی ہے۔

اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ سرے سے انسانی کلام ہی نہیں ہے اور یہ بات انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسا کلام تصنیف کر سکے اگر تم اسے انسانی کلام کہتے ہو تو اس پائے کا کوئی کلام لاکر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ یہ چیلنج نہ صرف قریش کو بلکہ تمام دنیا کے منکرین کو سب سے پہلے اس آیت میں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکہ معظمہ میں اور پھر آخری بار مدینہ منورہ میں اسے دہرایا گیا۔ ملاحظہ ہو سورۂ یونس، آیت ۳۸۔ سورۂ ہود، ۱۳۔ سورۂ بنی اسرائیل، ۸۸ سورۂ البقرہ، ۲۳۔

مگر کوئی اس کا جواب دینے کی نہ اس وقت ہمت کر سکا نہ اس کے بعد آج تک کسی کی یہ جرأت ہوئی کہ قرآن کے مقابلہ میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔

بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا کسی شخص کے طرز میں بھی دوسرا کوئی شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ہومر، رومی، شیکسپیئر، گوئٹے، غالب، ٹیگور اور اقبال، سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اتار کر ان جیسا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ کہ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖ کا مطلب قرآن کے طرز بیان کے مطابق اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد طرز میں مماثلت نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پلے اور اس شان اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی ہی میں نہیں دنیا کی کسی زبان میں ان خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مدمقابل قرار پا سکے جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ ہے مختصراً چند بڑی بڑی خصوصیات ملاحظہ ہوں، جن کی بنا پر قرآن پہلے بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے۔

۱۔ جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے، پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے، جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے، موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین انداز بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار ادا ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایہ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی اول سے لیکر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی زبان داں آدمی اسے سن کر سر دھنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ چودہ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب عربی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار، جس کے قریب بھی اس زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی۔ یہی نہیں بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیارِ فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی طویل مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی صدیوں تک املا، انشار، محاورے، قواعد زبان اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو، لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے اس کا ادب آج بھی

میعاری ادب ہے اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی
ی ہے جو چودہ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی کیا دنیا کی
بان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے۔؟

یہ دنیا کی واحد کتاب ہے، جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی، اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصّے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی ہوئی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ چودہ برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے، وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبر کون ہے کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں اور وہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے، جس پر اس نے یہ پورا نظام قائم کیا ہے وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ اس کا فطری مقام ہے اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے، جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے۔ جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اور غلط راستے کون سے ہیں، جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے نظامِ کائنات کے ایک،

...... ایک گوشے سے انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی پوری تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے، اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں وہ اس کو بتایا جا رہا ہے۔ وہ صحیح راستہ کی صرف نشاندہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظامِ زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے، جس میں عقائد، اخلاق، تزکیۂ نفس عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے۔ اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا، کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن امور کی اس سے باز پرس ہوگی کیسی ناقابلِ انکار صورت میں اس کا پورا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی۔ جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے۔ جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغری، کبری جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا

براہِ راست علم رکھتا ہے اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہے، کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ نوعِ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمے تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنا پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصورِ کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبۂ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے الفاظ میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے، بلکہ چودہ برس سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟

۴۔ یہ کتاب پوری کی پوری بیک وقت لکھ کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریکِ اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا اور اس کے بعد ۲۳ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی ان کے حالات اور ان کی ضروریات کے مطابق [illegible] اجزاء اس تحریک کے رہنما کی زبان [illegible] کبھی طویل [illegible] اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزاء اس مکمل [illegible] صورت میں مرتب کر کے [illegible] سامنے رکھ دیئے گئے جسے "قرآن" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تحریک کے رہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور جملے اس کے طبع زاد نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انھیں خود اس رہنما کے طبع زاد قرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے سالہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلمِ اخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے، کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے، کبھی ایک برسرِ جنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک فاتح کی حیثیت سے، کبھی ایک شارع اور مقنن کی حیثیت سے، کبھی ایک قاضی اور جج کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں، وہ جمع ہو کر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر و عمل بنا دیں ان میں کہیں کوئی تناقض اور تضاد نہ پایا جائے، ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیل اور سلسلۂ کار فرما نظر آئے اس نے اول روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو آخری دم تک اسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال ایک ایسا ہمہ گیر نظام بناتا چلا جائے جس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے کامل مطابقت رکھتا ہو اور اس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحبِ بصیرت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اس کے محرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اس پر منکشف نہ تھا یا جسے بعد میں اس کو بدلنا پڑا۔ اس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلاقی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

۵۔ جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور جملے جاری ہوئے تھے وہ [illegible] ایک گوشے سے نکل کر صرف ان کو سنانے کے لیے [illegible] آتا تھا اور انھیں سنانے کے بعد پھر چلا جاتا تھا وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے [illegible] زندگی بسر کر چکا تھا اور اس کے بعد بھی [illegible] زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اسی معاشرے میں رہتا تھا۔ اس [illegible] گفتگو اور تقریروں کی زبان اور طرزِ بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے۔ احادیث میں ان کا بڑا حصہ اب بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی داں لوگ [illegible] خود بھی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ اس رہنما کا اپنا طرز کیا تھا۔ اس کے ہم زبان لوگ [illegible] بھی صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عربی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں [illegible]

تَرْتِيْلًا وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (الفرقان۔ ۳۲-۳۳)

ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور اسی غرض کے لیئے ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزار کی شکل دی ہے اور اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات یا عجیب سوال لے کر آئے اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دیدیا اور بہترین طریقے سے بات کھولدی۔

یہ کفار مکہ کا بڑا دل پسند اعتراض تھا جسے وہ اپنے نزدیک نہایت زوردار اعتراض سمجھ کر بار بار دہرلتے تھے۔ مگر قرآن میں اس کے مدلل جوابات دیکر اس کا بھی پوری طرح قلع قمع کر دیا گیا۔ انکے سوال کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ شخص خود سوچ سوچ کر، یا کسی سے پوچھ پوچھ کر اور کتابوں سے نقل کر کر کے یہ مضامین نہیں لا رہا ہے، بلکہ یہ واقعی خدا کی کتاب ہے، تو پوری اکٹھی ایک ہی وقت کیوں نہیں آجاتی؟ خدا تو جانتا ہے کہ پوری بات کیا ہے، جو وہ فرمانا چاہتا ہے۔ وہ نازل کرنے والا ہوتا تو سب کچھ بیک وقت فرما دیتا۔ یہ جو سوچ سوچ کر کبھی کچھ مضمون لایا جاتا ہے اور کبھی کچھ یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ وحی اوپر سے نہیں آتی، یہیں کہیں سے حاصل کی جاتی ہے یا خود گھڑ گھڑ کر لائی جاتی ہے۔

اس کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی بہت سی حکمتیں بیان کردی گئی ہیں

۱۔ ایسا اس لیئے کیا جا رہا ہے کہ وہ لفظ بلفظ حافظہ میں محفوظ ہو سکے۔ کیونکہ اس تبلیغ و اشاعت تحریری صورت میں نہیں بلکہ ایک ان پڑھ نبی کے ذریعہ ان پڑھ سامعین کے سامنے زبانی تقریر کی شکل میں ہو رہی ہے

۲۔ تاکہ اس کی تعلیمات اچھی طرح ذہن نشین ہو سکیں۔ اس غرض کے لیئے ٹھہر ٹھہر کر تھوڑی تھوڑی بات کہنا اور ایک ہی بات کو مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے بیان کرنا زیادہ مفید ہے۔

۳۔ تاکہ اس کے بتائے ہوئے طریق زندگی پر دل جمتا جائے اس غرض کے لیئے احکام و ہدایات بتدریج نازل کرنا مبنی برحکمت ہے، ورنہ اگر سارا قانون اور پورا نظام حیات بیک وقت بیان کر کے اسے قائم کرنے کا حکم دیدیا جائے تو ہوش پراگندہ ہو جائیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ ہر حکم اگر مناسب موقع پر دیا جائے تو اس کی حکمت اور روح زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ تمام احکام دفعہ وار مرتب کر کے بیک وقت دیدیئے جائیں۔

۴۔ تاکہ تحریک اسلامی کے دوران میں، جب کہ حق اور باطل کی مسلسل کشمکش چل رہی ہو، نبی اور اس کے پیروؤں کی ہمت بندھائی جاتی رہے اس لیئے خدا کی طرف سے بار بار، وقتاً فوقتاً، موقع بموقع پیغام آنا زیادہ کارگر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ بس ایک دفعہ ایک لمبا چوڑا ہدایت نامہ دیکر انھیں عمر بھر کے لیئے دنیا بھر کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرنے کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ پہلی صورت میں آدمی محسوس کرتا ہے کہ جس خدا نے اسے اس کام پر مامور کیا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہے، اس کے کام سے دلچسپی لے رہا ہے اس کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے، اس کی مشکلات میں رہنمائی کر رہا ہے اور ہر ضرورت کے موقع پر اسے شرف باریابی و مخاطبت عطا فرما کر اس کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ کرتا رہتا ہے۔ یہ چیز حوصلہ بڑھانے والی اور عزم کو مضبوط رکھنے والی ہے، دوسری صورت میں آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بس وہ ایک طوفان کی موجیں۔

آخر میں نزول قرآن میں تدریج کا طریقہ اختیار کرنے کی ایک اور حکمت بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی شان نزول یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ "ہدایت" کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کرنا چاہتا ہے اور اس کی اشاعت کے لیئے اس نے نبی کو ایجنٹ بنایا ہے۔ بات اگر یہ ہوتی تو یہ مطالبہ بجا ہوتا کہ پوری کتاب تصنیف کر کے بیک وقت ایجنٹ کے حوالے کر دی جائے لیکن دراصل اس کی شان نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر اور جاہلیت اور فسق کے مقابلہ میں ایمان و اسلام اور اطاعت تقویٰ کی ایک تحریک برپا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیئے اس نے ایک نبی کو داعی و قائد بنا کر اٹھایا ہے۔ اس تحریک کے دوران میں اگر ایک طرف قائد اور اس کے پیروؤں کو حسب ضرورت تعلیم اور ہدایات دینا اس نے اپنے ذمہ لیا ہے تو دوسری طرف یہ کام بھی اپنے ذمہ رکھا ہے کہ مخالفین جب کبھی کوئی اعتراض یا شبہ یا الجھن، پیش کریں اسے وہ صاف کر دے اور جب بھی وہ کسی بات کو غلط معنی پہنائیں وہ اس کی صحیح تشریح و تفسیر کر دے۔ ان مختلف ضروریات کیلیئے

جو تقریریں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں ان کے مجموعے کا نام قرآن ہے اور یہ کتاب آئین یا کتاب اخلاق و فلسفہ نہیں بلکہ کتاب تحریک ہے۔ جس کے معرض وجود میں آنے کی صحیح فطری صورت یہی ہے کہ تحریک کے اول لحظۂ آغاز کے ساتھ شروع ہو۔ اور آخری لمحات تک جیسے جیسے تحریک چلتی رہے۔ یہ بھی ساتھ ساتھ حسب موقعہ و ضرورت نازل ہوتی رہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ٥ (النحل۔ ۱۰۱ تا ۱۰۲)	جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں ان سے کہو کہ اسے روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرمانبرداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انھیں فلاح و سعادت کی خوشخبری دے۔

ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بھیجنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں اور بارہا ایک ہی معاملہ میں چند سال کے وقفوں سے یکے بعد دیگرے دو، دو تین تین حکم بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً شراب کا معاملہ یا زنا کی سزا کا معاملہ لیکن ہم کو یہ معنی لینے میں اس بناء پر تأمل ہے کہ سورۂ نحل کی آیت مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اس دور میں تدریج فی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آئی تھی اس لئے ہم یہاں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے مختلف مقامات پر کبھی ایک مضمون کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے اور کبھی وہی مضمون سمجھانے کے لئے دوسری مثال سے کام لیا گیا ہے۔ ایک ہی قصہ بارہا [illegible] دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

ایک معاملہ کا کبھی ایک پہلو پیش کیا گیا ہے اور کبھی اس معاملہ کا دوسرا پہلو سامنے لایا گیا ہے۔ ایک بات کے لئے کبھی ایک دلیل پیش کی گئی ہے اور کبھی دوسری دلیل۔ ایک بات ایک وقت میں مجمل طور پر کہی گئی ہے اور دوسرے وقت میں مفصل۔ یہی چیز تھی جسے کفار مکہ اس بات کی دلیل ٹھہراتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، معاذ اللہ، یہ قرآن خود تصنیف کرتے ہیں ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس کلام کا منبع علم الٰہی ہوتا تو پوری بات بیک وقت کہدی جاتی۔ اللہ کسی انسان کی طرح ناقص العلم نہیں ہے۔ کہ سوچ سوچ کر بات کرے، رفتہ رفتہ معلومات حاصل کرتا رہے اور ایک بات ٹھیک بیٹھی نظر نہ آئے تو دوسرے طریقے سے بات کرے۔ یہ تو انسانی علم کی کمزوریاں ہیں جو تمہارے اس کلام میں نظر آرہی ہیں۔

اس کے جواب میں پہلے بیان کیا گیا کہ اس کتاب کو اللہ کی طرف سے "روح القدس" لے کر آرہا ہے "روح القدس" کا لفظی ترجمہ "پاک روح" یا "پاکیزگی کی روح" ہے اور اصطلاحاً یہ لقب حضرت جبرئیل کو دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ سورۂ شعراء میں انہی کے لئے روح الامین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی امانت دار روح، یہاں وحی لانے والے فرشتے کا نام لینے کے بجائے اس کا لقب استعمال کرنے سے سامعین کو اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ اس کلام کو ایک ایسی روح لے کر آرہی ہے جو بشری کمزوریوں اور نقائص پاک ہے وہ نہ خائن ہے کہ اللہ کچھ بھیجے اور وہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر کے کچھ اور بنادے نہ کذاب و مفتری ہے کہ خود کوئی بات گھڑ کے اللہ کے نام سے بیان کردے۔ نہ بدنیت ہے کہ اپنی کسی نفسانی غرض کی بناء پر دھوکے اور فریب سے کام لے وہ سراسر ایک مقدس و مطہر روح ہے جو اللہ کا کلام پوری امانت کے ساتھ لاکر پہنچاتی ہے۔

پھر کہا گیا کہ اس کے بتدریج اس کلام کو لے کر آنے اور بیک وقت سب کچھ نہ لے آنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے علم و دانش میں کوئی نقص ہے۔ جیسا کہ تم نے اپنی نادانی سے سمجھا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی قوت فہم اور قوت اخذ میں نقص ہے جس کے سبب سے وہ بیک وقت ساری بات کو نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک وقت کی سمجھی ہوئی بات میں پختہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ روح القدس اس کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے لائے

کبھی اجمال سے کام لے اور کبھی اسی بات کی تفصیل بتلائے۔ کبھی ایک طریقہ سے بات سمجھائے اور کبھی دوسرے طریقے سے کبھی ایک پیرایۂ بیان اختیار کرے اور کبھی دوسرا اور ایک ہی بات کو بار بار طریقے طریقے سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے۔ تاکہ مختلف قابلیتوں اور استعداد کے طالبین حق ایمان لاسکیں اور ایمان لانے کے بعد علم و یقین اور فہم و ادراک میں پختہ ہوسکیں۔

اس تدریج کی دوسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ جو لوگ ایمان لاکر فرمانبرداری کی راہ چل رہے ہیں۔ ان کو دعوت اسلامی کے کام میں اور زندگی کی پیش آمدہ مسائل میں جس موقع پر جس قسم کی ہدایات درکار ہوں وہ بروقت دیدی جائیں۔ ظاہر ہے کہ نہ انھیں قبل از وقت بھیجنا مناسب ہوسکتا ہے، اور نہ بیک وقت ساری ہدایات دیدینا مفید ہے۔

تیسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ فرمانبرداری کو جن مزاحمتوں اور مخالفتوں سے سابقہ پیش آرہا ہے اور جس جس طرح انھیں ستایا اور تنگ کیا جارہا ہے اور دعوت اسلامی کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ ستادہ ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے وہ بار بار اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی جاتی رہے اور ان کو آخری نتائج کی کامیابی کا یقین دلایا جاتا رہے تاکہ وہ پرامید رہیں اور دل شکستہ نہ ہونے پائیں۔

یہ الزام کہ کچھ دوسرے لوگ قرآن تصنیف کرکے حضورؐ کو دے جاتے ہیں

پچھلے الزام کے بالکل برعکس کفار مکہ ایک دوسرا الزام یہ لگاتے تھے کہ حضورؐ کو اس قرآن کے تصنیف کرنے میں کچھ دوسرے لوگ مدد دے رہے ہیں اور پرانے زمانے کی لکھی ہوئی چیزیں نقل کرکرا کر آپؐ ان سے سنا کرتے ہیں اور یہ کام شب و روز ہو رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (الفرقان ۴ تا ۶)

جن لوگوں نے (نبی کی بات) ماننے سے انکار کردیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کروا تا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ (اے محمدؐ) ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین و آسمان کے بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ شخص خود تو ان پڑھ ہے، مطالعہ کرکے نئی معلومات حاصل نہیں کرسکتا۔ پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا۔ چالیس برس کی عمر تک ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ جانتا تھا، جو آج اس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اب آخر یہ معلومات آ کہاں سے رہی ہیں؟ لامحالہ ان کا سرچشمہ کچھ اگلے لوگوں کی کتابیں ہیں، جن کے اقتباسات راتوں کو چپکے چپکے ترجمہ اور نقل کرائے جاتے ہیں، انھیں کسی سے یہ شخص پڑھوا کر سنتا ہے اور پھر انھیں یاد کرکے ہمیں دن کو سناتا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ چند آدمیوں کے نام بھی لیتے تھے جو اہل کتاب میں سے تھے، پڑھے لکھے تھے، اور مکہ میں رہتے تھے۔ ایک عداس تھا جو حویطب بن عبدالعزیٰ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ دوسرا یسار تھا جو علاء بن الحضرمی کا آزاد کردہ غلام تھا، اور تیسرا جبر عامر بن ربیعہ کا آزاد کردہ غلام۔

بظاہر یہ بڑا وزنی اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ وحی کے دعوے کو رد کرنے کے لئے نبی کے ماخذ علم کی نشاندہی کر دینے سے بڑھ کر وزنی اعتراض اور کیا ہوسکتا ہے۔ مگر آدمی پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ ایسے زبردست اعتراض کے جواب میں کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی گئی کہ تم صداقت پر ظلم کر رہے ہو، صریح بے انصافی کی بات کہہ رہے ہو، سخت جھوٹ کا طوفان اٹھا رہے ہو، یہ تو اس خدا کا کلام ہے جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شدید مخالفت کے ماحول میں جب ایسا زوردار اعتراض پیش کیا گیا تو اسے یوں حقارت کے ساتھ کیوں رد کر دیا گیا؟ اور خود مخالفین نے اس کا صاف صاف مفصل جواب کیوں نہ مانگا؟ انھوں نے کیوں نہ کہا

سید العلماء

حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب (طاب ثراہ)

جانے والے کبھی نہیں آتے ✻ جانے والوں کی یاد آتی ہے

حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب کی رحلت سے
وضع کے صاحب وقار علما کی صف ایک اور خلا پیدا ہو گیا ہے
ت میاں صاحب مرحوم اس صف کے عالم ربانی تھے جو صف تیزی
الی ہو رہی ہے اور جو خلا ایسے حضرات کے درمیان سے ہٹ جانے
پیدا ہو رہا ہے بہت دور تک اس کے پُر ہونے کا کوئی سر و سامان
ہے۔ اس لیے سوائے حسرت و یاس کے ایسے مواقع پر کوئی دوسرا
نہیں ابھرتا

ہزاروں غم تھے، لیکن ان جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

مولانا مرحوم عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب
اللہ سرہٗ) کے بڑے صاحبزادے تھے، اور آپ کی علمی، اور
نی امانتوں کے امین، اور آپ کی شان جلال و جمال کی زندہ تصویر
۔۔ کہنے والے بجا طور پر کہتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر بے ساختہ حضرت میاں
ب (قدس اللہ سرہٗ) کی یاد آتی تھی آپ کی پوری زندگی جس یکسوئی
ت پسندی اور عالمانہ شان استغنا کے ساتھ گزری ہے۔ اس کی
یں فی زمانہ تو کم از کم بہت ہی نادر ہیں۔ تقریباً ۴۵ برس آپ نے
لعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، لیکن اس پورے طویل
کی شہادت یہ ہے کہ کبھی آپ نے ارباب دار العلوم سے کسی منصب
اہش نہیں کی اور صرف یہی نہیں بلکہ کبھی اگر کوئی منصب آپ کو پیش کیا
تو حتی الامکان اپنی فطری تواضع کی بنا پر دامن کش ہونے کی سعی کی

حسب ضرورت آپ نے دار العلوم کے لیے نیابت اہتمام کے فرائض بھی انجام دیئے، اور نظامت تعلیمات کی مسند کو بھی رونق بخشی، وقتاً فوقتاً اور شعبہ جات کے بھی نگراں اور ناظم رہے۔ مگر جہاں بھی رہے آپ کی معاملہ فہمی، شان انتظام اور عالمانہ وقار کی بدولت آپ کا امتیاز سب کے لیے وجہ احترام ہی رہا۔ غیر جانبداری، بے لوث شفقت و ترحم آپ کی بلند شخصیت کے وہ جوہر تھے، جو ہر موقعہ پر آپ کو معظم و مکرم بنائے رکھتے تھے۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہر شخص کے ساتھ آپ کا برتاؤ پورے رکھ رکھاؤ اکرام اور انکسار کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص دل کی پوری گہرائی کے ساتھ آپ کا احترام کرتا تھا، نظر پڑتے ہی عزت و احترام کا بے ساختہ داعیہ دل میں پیدا ہوتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ اسلاف کرام کی اس منہ بولتی تصویر کو جی بھر کے دیکھ بھی لیا جائے اور ظاہر و باطن کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ اس کی عقیدت و محبت کو دل میں جگہ بھی دی جائے۔

آج کے دور میں کسی شخص کا گروہ بندی کی سیاست سے الگ رہنا بہت مشکل امر ہے، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کسی نہ کسی جماعت سے اس کی وابستگی ضرور ہوتی ہے۔ اور یہ وابستگی اس کو ایک طبقہ کے لوگوں میں معتبر اور دوسرے طبقہ میں غیر معتبر ٹھہرا دیتی ہے، یہ آج کی ایسی صورت حال ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہر جگہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے ہے بھی بہت مشکل۔ جب کہ پانی اور ہوا کی طرح سیاست آج زندگی میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن حضرت میاں صاحبؒ کا یہ امتیاز خصوصیت بھی قابل ذکر

کبھی اجمال سے کام لے اور کبھی اسی بات کی تفصیل بتلائے — کبھی ایک طریقے سے بات سمجھائے اور کبھی دوسرے طریقے سے کبھی ایک پیرایۂ بیان اختیار کرے اور کبھی دوسرا اور ایک ہی بات کو بار بار طریقے طریقے سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے۔ تاکہ مختلف قابلیتوں اور استعدادوں کے طالبین حق ایمان لاسکیں اور ایمان لانے کے بعد علم و یقین اور فہم و ادراک میں پختہ ہوسکیں۔

اس تدریج کی دوسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ جو لوگ ایمان لاکر فرمانبرداری کی راہ چل رہے ہیں۔ ان کو دعوت اسلامی کے کام میں اور زندگی کی پیش آمدہ مسائل میں جس موقع پر جس قسم کی ہدایات درکار ہوں وہ بروقت دی جائیں۔ ظاہر ہے کہ نہ انھیں قبل از وقت بھیجنا مناسب ہو سکتا ہے، اور نہ بیک وقت ساری ہدایات دیدینا مفید ہے۔

تیسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ دریاں بردار کی کوجن منحوتوں اور مخالفتوں سے سابقہ پیش آرہا ہے اور جس جس طرح انھیں ستایا اور تنگ کیا جا رہا ہے اور دعوت اسلامی کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ ستادہ ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے وہ بار بار اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی جاتی رہے اور ان کو آخری کامیابی کا یقین دلایا جاتا رہے تاکہ وہ پراُمید رہیں اور دل شکستہ نہ ہونے پائیں۔

یہ الزام کہ کچھ دوسرے لوگ قرآن تصنیف کر کے حضورؐ کو دے رہے ہیں

پچھلے الزام کے بالکل برعکس کفار مکہ ایک دوسرا الزام یہ لگاتے تھے کہ حضورؐ کو اس قرآن کے تصنیف کرنے میں کچھ دوسرے لوگ مدد دے رہے ہیں اور پرانے زمانے کی لکھی ہوئی چیزیں نقل کرواکر آپؐ ان سے سنا کرتے ہیں اور یہ کام شب و روز ہو رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(الفرقان ۴ تا ۶)

جن لوگوں نے (نبی کی بات) ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کرواتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں (اے محمدؐ) ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین و آسمان کے بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ شخص خود تو ان پڑھ ہے، مطالعہ کر کے نئی معلومات حاصل کر نہیں سکتا۔ پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا۔ چالیس برس کی عمر تک ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ جانتا تھا، جو آج اس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اب آخر یہ معلومات آ کہاں سے رہی ہیں؟ لامحالہ ان کا سرچشمہ کچھ اگلے لوگوں کی کتابیں ہیں، جن کے اقتباسات راتوں کو چپکے چپکے ترجمہ اور نقل کرائے جاتے ہیں، انھیں کسی سے یہ شخص پڑھوا کر سنتا ہے اور پھر انھیں یاد کر کے ہمیں دن کو سناتا ہے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ چند آدمیوں کے نام بھی لیتے تھے جو اہل کتاب میں سے تھے، پڑھے لکھے تھے۔ اور مکہ میں رہتے تھے، ایک عدّاس تھا جو حُوَیطِب بن عبدالعزیٰ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ دوسرا یسار تھا جو علاء بن الحضرمی کا آزاد کردہ غلام تھا، اور تیسرا جَبر عامر بن ربیعہ کا آزاد کردہ غلام۔

بظاہر یہ بڑا وزنی اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ وحی کے دعوے کو رد کرنے کے لیے نبی کے ماخذ علم کی نشاندہی کر دینے سے بڑھ کر وزنی اعتراض اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر آدمی پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ ایسے زبردست اعتراض کے جواب میں کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی گئی کہ تم صداقت پر ظلم کر رہے ہو صریح بے انصافی کی بات کہہ رہے ہو، سخت جھوٹ کا طوفان اٹھا رہے ہو یہ تو اس خدا کا کلام ہے جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شدید مخالفت کے ماحول میں جب ایسا زوردار اعتراض پیش کیا گیا تو اسے یوں حقارت کے ساتھ کیوں رد کر دیا گیا؟ اور خود مخالفین نے اس کا صاف صاف مفصل جواب کیوں نہ مانگا؟ انھوں نے کیوں نہ کہا

سید العلماء

حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب (طاب ثراہٗ)

جانے والے کبھی نہیں آتے ✻ جانے والوں کی یاد آتی ہے

حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب کی رحلت سے پرانی وضع کے صاحب وقار علما کی صف ایک اور خلا پیدا ہو گیا ہے حضرت میاں صاحب مرحوم اس صف کے عالم ربانی تھے جو بصد تیزی سے خالی ہو رہی ہے اور جو خلا ایسے حضرات کے درمیان سے ہٹ جانے سے پیدا ہو رہا ہے بہت دور تک اس کے پُر ہونے کا کوئی سرو سامان نہیں ہے۔ اس لیے سوائے حسرت دیاس کے ایسے مواقع پر کوئی دوسرا جذبہ نہیں ابھرتا

ہزاروں غم تھے، لیکن ان جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

مولانا مرحوم عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب (قدس اللہ سرہٗ) کے بڑے صاحبزادے تھے، اور آپ کی علمی، اور روحانی امانتوں کے امین، اور آپ کی شان جلال وجمال کی زندہ تصویر تھے۔ کہنے والے بجا طور پر کہتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر بے ساختہ حضرت میاں صاحب (قدس اللہ سرہٗ) کی یاد آتی تھی آپ کی پوری زندگی جس یکسوئی قناعت پسندی اور عالمانہ شان استغنا کے ساتھ گزری ہے۔ اس کی مثالیں فی زمانہ تو کم از کم بہت ہی نادر ہیں۔ تقریباً ۴۵ برس آپ نے دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، لیکن اس پورے طویل دور کی شہادت یہ ہے کہ کبھی آپ نے ارباب دار العلوم سے کسی منصب کی خواہش نہیں کی اور صرف یہی نہیں بلکہ کبھی اگر کوئی منصب آپ کو پیش کیا گیا تو حتی الامکان اپنی فطری تواضع کی بنا پر دامن کش ہونے کی سعی کی حسب ضرورت آپ نے دار العلوم کے لیے نیابت اہتمام کے فرائض بھی انجام دیئے، اور نظامت تعلیمات کی مسند کو بھی رونق بخشی، وقتاً فوقتاً اور شعبہ جات کے بھی نگران اور ناظم رہے۔ مگر جہاں بھی رہے آپ کی معاملہ فہمی، شان انتظام اور عالمانہ وقار کی بدولت آپ کا امتیاز سب کے لیے وجہ احترام ہی رہا۔ غیر جانبداری، بے لوثی شفقت و رحم آپ کی بلند شخصیت کے وہ جوہر تھے، جو ہر موقعہ پر آپ کو معظم و مکرم بنائے رکھتے تھے۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہر شخص کے ساتھ آپ کا برتاؤ پورے رکھ رکھاؤ اکرام اور انکسار کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص دل کی پوری گہرائی کے ساتھ آپ کا احترام کرتا تھا، نظر پڑتے ہی عزت و احترام کا بے ساختہ داعیہ دل میں پیدا ہوتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ اسلاف کرام کی اس منہ بولتی تصویر کو جی بھر کے دیکھ بھی لیا جائے اور ظاہر و باطن کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ اس کی عقیدت و محبت کو دل میں جگہ بھی دی جائے۔

آج کے دور میں کسی شخص کا گروہ بندی کی سیاست سے الگ رہنا بہت مشکل امر ہے، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کسی نہ کسی جماعت سے اس کی وابستگی ضرور ہوتی ہے۔ اور یہ وابستگی اس کو ایک طبقہ کے لوگوں میں معتبر اور دوسرے طبقہ میں غیر معتبر ٹھہرا دیتی ہے، یہ آج کی ایسی صورت حال ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہر جگہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے ہے بھی بہت مشکل۔ جب کہ پانی اور ہوا کی طرح سیاست آج زندگی میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن حضرت میاں صاحبؒ کا یہ امتیاز خصوصی بھی قابل ذکر

ہے کہ آپ پوری زندگی اس قسم کے تعلقات سے قطعاً کنارہ کش رہے۔ سب سے یکساں تعلق، سب سے یکساں برتاؤ ہمیشہ آپ کا معمول رہا۔ نتیجہ یہ کہ کسی بھی جماعت یا گروہ کا کوئی آدمی ہو آپ کا پورا احترام کرتا تھا اور کوئی بھی آپکو اپنا مخالف نہیں سمجھتا سب کے ساتھ آپکے مساوی حسن سلوک کی بنا پر سب آپکو اپنا ہمدرد اور خیرخواہ ہی سمجھتے تھے اور اسی کا قدرتی نتیجہ یہ بھی تھا کہ آپ اپنی رائے اور اپنے فیصلہ میں کسی بیجا ترمیم کو قبول نہیں کرتے تھے اور نہ ضابطہ کیخلاف کسی سفارش مانتے تھے آپکے اس مزاج کا عام طور پر لوگوں کو علم تھا، اسلیئے کوئی شخص ایسی ہمت بھی نہیں کرتا تھا کہ کوئی غلط بات کہہ کر آپ سے اسکی قبولیت کی امید رکھے آپکو خداتعالیٰ نے فطری رعب اور عالمانہ وجاہت بھی عطا فرمائی تھی آپکے سامنے بات کرنیکی ہر ایک کی جرارت نہیں ہوتی تھی، اگر ذرا غور کیا جائے یہ بھی نتیجہ اسی کا تھا کہ آپ اپنے کام میں کامل مستعدی کیساتھ کسی سے کسی ادنیٰ منفعت کا کوئی لالچ اپنی طبیعت میں رکھتے تھے، درس و تدریس کے باب میں آپکا شمار کامل الاستعداد ماہر فن اساتذہ کی صف میں ہوتا تھا اور اپنی بعض خوبیوں میں تو آپ انفرادی شان رکھتے تھے، بہت سادہ انداز اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں مختصر مگر جامع تقریر سبق میں فرماتے تھے، اسطرح کہ کتاب کا مفہوم پوری طرح ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ کتاب مشکل یا آسان، چھوٹی ہو یا بڑی، مگر طالب علم کیلیئے اس کے مسائل کا سہل ہو جانا آپکے درس کی نمایاں خصوصیت تھی۔ ہدایہ، نور الانوار وغیرہ آپکے یہاں ہوتیں تو طلباء ادھر ادھر سے نام کٹا کر آپکے یہاں نام لکھاتے اور آپکے یہاں کتاب اپنے تمام کرمالہ وعلیہ کیساتھ اسطرح تمام ہوتی کہ اسکا حق ادا ہو جاتا سبق کے دوران کسی طالب العلم کی توجہ کتاب سے ہٹی ہوئی ہے، یا کشادہ گریبان یا انگریزی بال رکھے ہوئے آگیا ہے اس پر فوراً نکیر فرماتے، ڈانٹتے مگر اس سب میں جذبہ تربیت و شفقت کا ہی ہوتا، کسی کیلیئے عناد و تنفر کا کوئی رنگ اسمیں نہیں ہوتا۔ دوران تقریر کبھی کبھی لطائف و ظرائف سے بھی محظوظ فرماتے تاکہ طلبہ میں نشاط طبع باقی رہے اور سبق میں اکتاہٹ یا بددلی پیدا نہ ہوسکے۔

مجھے حضرت مرحوم کے ہدایہ کے سبق میں پورے سال تک حاضری کی سعادت میسر آئی ہے، پچیس چھبیس سال پرانی بات ہے مگر آجتک لوح ذہن پر آپکے دلپذیر اور دلنشیں طرز بیان اور درس کی کیفیت اسطرح محفوظ ہے کہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ہدایہ کے مشکل سے مشکل مسئلہ کو مطلب خیز ترجمہ سے اسطرح حل فرما دیتے تھے کہ کم از کم میں تو اسکو مہارت فن کیساتھ ساتھ کرامت بھی کہونگا اور کتنے ہی اساتذہ تھے جنکے درس میں جی لگتا تھا مگر مولانا مرحوم کے یہاں ایک عالمانہ وقار اور ناصحانہ شان کیساتھ خورد نوازی کی شان تھی جو بڑی نرالی تھی۔

حضرت کے یہاں شان جلال زیادہ تھی مگر اسی کیساتھ شفقت کا پہلو بھی آپکے یہاں بہت نمایاں تھا، یہ بات مشہور تھی کہ امتحان میں حضرت کی کاپی فیل نہیں کرتی، کسی کو کتاب سے ذرا بھی مناسبت ہوتی تو حضرت کی شفقت سے وہ محروم نہیں رہتا تھا، لیکن سبق ہو یا امتحان اگر کسی طالب العلم نے کوئی غلط حرکت کی کسی ناشائستگی کا ارتکاب کیا تو پھر آپکی شان جلال اس طالب علم کی تنبیہ افادیت کیلیئے گوشمالی کی حدوں کو بھی چھو لیتی تھی۔

لباس، رفتار، گفتار، سلوک اور برتاؤ سب میں آپکے یہاں ایک قسم کی سادگی آمیز شان، بزرگانہ انداز اور مشفقانہ طرز پایا جاتا تھا، سردیوں کے موسم میں بطور خاص جب سبز رومال باندھے چشمہ لگائے کشمشی رنگ کی یا سبز رنگ کی عبا زیب تن کیئے ہاتھ میں چھڑی لیئے مدرسہ تشریف لیجاتے یا واپس آتے تو دیکھنے والوں کی نگاہیں عقیدت و محبت کیساتھ آپکی طرف اٹھ جاتیں اور دیکھنے والے محسوس کرتے کہ ہم ایک عالم ربانی کو دیکھ رہے ہیں۔ علماء دیوبند کی وضع اور وقار کی جو بات تھی وہ مولانائے مرحوم کے یہاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

ہر علم و فن کی کتابیں آپنے پڑھائیں مگر فقہ سے آپکو خصوصی مناسبت اور اس میدان میں آپکو درجۂ اختصاص حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ ہدایہ جیسی مشہور کتاب آپکے یہاں بڑے اہتمام اور بڑی شان سے ہوتی تھی اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس باب میں آپکی انفرادیت مسلم تھی، آپ استاد الاساتذہ تھے، مگر اپنے شاگردوں اور چھوٹوں سے گفتگو فرماتے تو اپنی بڑائی یا بزرگی کا قطعاً کوئی اظہار نہ ہونے دیتے تھے۔ تواضع، انکسار اور لہجہ کا دھیما پن مخاطب کو متاثر بھی کرتا اور بات کرنیکا حوصلہ بھی بخشتا تھا

۱۳۱۶ھ آپکا سن پیدائش ہے، دارالعلوم دیوبند میں آپنے از اول تا آخر تعلیم حاصل کی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ، مولانا اعزاز علی صاحبؒ، مولانا عبد السمیع صاحبؒ، مولانا غلام رسول صاحبؒ وغیرہ آپکے خصوصی اساتذہ رہے۔ دورۂ حدیث آپنے ۱۳۴۲ھ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ سے پڑھا۔ فراغت کے فوراً بعد دارالعلوم میں مدرس ہو گئے ایک سال آپنے اعزازی خدمات انجام دیں ۱۳۴۳ھ میں۔ باقاعدہ عربی مدرس کی حیثیت سے آپکا تقرر کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی طویل علمی خدمت کے دوران ہزاروں طلبہ نے آپ سے۔ بقیہ بر صفحہ

چند مفید اور قابلِ مطالعہ کتابیں

حدیثِ دفاع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی سیاست فوجی قیادت، فنِ سپہ گری اور عسکری زندگی کے مفصل حالات۔ اثر خامہ، جنرل محمد اکبر خاں، مجلد ۱۲/۰۰

مکتوباتِ حضرت علیؓ

حضرت علیؓ کے چیدہ نسخہ خطوط مع سلیس اردو ترجمہ مکتوبات کے تاریخی حوالے، اشارات و تلمیحات کی فٹ نوٹ میں وضاحت اور موصوف کی مکمل سوانح حیات، مترجم و مرتب، حکیم نبی احمد خاں رامپوری۔ قیمت مجلد ۱۰/۰۰

صراطِ مستقیم

اہل سنت والجماعت کے عقائد قبر، قیامت، صور، میزان، اور پل صراط کے ہولناک واقعات، نیز قرآن کریم کی چند اہم سورتوں کی قابل قدر تفسیر۔ مولانا صوفی عابد میاں صاحب کی یہ کتاب ہر اعتبار سے اصلاحِ اخلاق، اعمال کیلئے مشعل ہدایت ہے۔ مجلد ۶/۰۰

تصوف کی حقیقت

راہِ سلوک کے بڑے سالکوں نے سلوک کس طرح مرتب کیا یہ تاریخ حکمت کا ایک مستقل باب ہے جسکو امام الائمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے رسالہ "ہمعات" میں مفصل و مدلل طریقہ پر بیان فرمایا ہے۔ مترجم پروفیسر محمد [illegible] قیمت مجلد ۶/۰۰

سیرتِ ختم الرسل

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی بیش بہا علمی کاوش ایک ایسا آئینہ جس میں رسولِ خدا کی شخصیت اور ذہنی جدوجہد کیساتھ خدوخال واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ [illegible]ت ۴/۰۰

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ

حضور [illegible] اللہ علیہ وسلم کی [illegible]وت و تحریک کے ایک اہم سنگ میل کی روداد، اس [illegible] کی نظریہ حرب دفاعی کمتر لگا ہے، اصول، فن اور عمل کے لحاظ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔ مصنف، ڈاکٹر محمد [illegible]، قیمت ۳/۵۰

جنت اور دوزخ

اچھے اور برے اعمال جزا و سزا گناہ اور ثواب کا علمی اور روحانی تجزیہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جنت اور دوزخ کی حقیقت۔ قیمت ۲/-

مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں

دنیائے اسلام کے عظیم مفکر اور صحافی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے دو نایاب اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ۔ قیمت ۱/۷۵

صدائے جمہور

محمد فاروق جوہر کی نظموں اور قطعات کا مجموعہ جو صحیح اور جائز وطنیت کا مبلغ بھی اور نظامِ حکومت پر پرخلوص اور دردمندانہ طنز بھی ہے۔ قیمت ۱/۵۰

شیر شاہ سوری

جس نے اپنے پانچ سالہ مختصر دورِ حکومت میں ہند کے عوام کو اپنی انتظامی قابلیت، انصاف اور خدمتِ خلق کا قائل کر دیا۔ مکمل سوانح اور مفصل حالات۔ قیمت ۱/۵۰

ٹیپو سلطان

تاریخ کی سب سے بڑی سازش جسکی وجہ سے ہند کی آخری تلوار ٹوٹ گئی اور آخری حصار مسمار کر دیا گیا۔ دردناک کتاب جسکو پڑھ کر آنسو آجاتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰

محمد بن قاسمؒ

سرزمینِ ہند پر اسلام کا داعی اول جسنے اپنے دشمنوں کو ذہنی شکست دے کر اپنا بنا لیا تھا۔ قیمت ۱/۵۰

طارق ابن زیاد

پہلے مسلمان جرنیل جنہوں نے اسپین فتح کیا اور اسلام کا مبارک قدم یورپ کی سرزمین پر پہونچایا۔ قیمت ۱/۵۰

مکتبہ تجلّی دیوبند (یوپی)

کوئی صرف ایک بیوقوف ہی سرسری طور پر نظر انداز کر سکتا ہے

قرآن کی دعوت کو روکنے کیلئے کفار کی تدبیریں

ان سب حربوں میں ناکام ہونے کے بعد ان کا آخری حربہ یہ تھا کہ کھلم کھلا ہٹ دھرمی پر اتر آئیں۔ قرآن کو دعوت کو زبردستی روکنے کی کوشش کریں، اور جب قرآن، سنایا جانے لگے تو خوب شور مچائیں اور ہر طرف سے اس کا مذاق اڑانے اور اس پر آوازے کسنے کے لیے ٹوٹ پڑیں۔ قرآن کریم میں ان کی یہ سب حرکات ایک ایک کرکے بیان کر دی گئیں۔ جن سے ہر معقول آدمی کو معلوم ہوگیا کہ کفار کے پاس اب دلیل کے جواب میں دلیل نہیں ہے، بلکہ اس میدان میں شکست کھا کر اب وہ زور، زبردستی اور بے ہودگی سے حق کی آواز کو دبانے پر اتر آئے ہیں۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ۔

(حم السجدہ۔ ۵)

اور انھوں نے کہہ دیا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، یعنی ہمارے دلوں تک اس کے پہنچنے کا کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ ہمارے کانوں گرانی ہے یعنی ہم اسے نہیں سنتے اور ہمارے تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے۔ یعنی جدائی پڑ گئی ہے، پس تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کر رہے ہیں، یعنی تیری مخالفت میں سرگرم ہیں۔

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

(القلم۔ ۵۱ تا ۵۲)

جب یہ کافر لوگ کلام نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ اپنی غضبناک نظروں سے تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہے، حالانکہ یہ تو سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ

(حم السجدہ۔ ۲۶)

اور یہ منکرین حق کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو، شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ

(المعارج۔ ۳۶ تا ۳۷)

پس اے نبی! کیا بات ہے کہ یہ منکرین دائیں اور بائیں سے تمہاری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں؟

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور تلاوت قرآن کی آواز سن کر مذاق اڑانے اور آوازے کسنے کے لیے چاروں طرف سے دوڑ پڑتے تھے۔

قرآنی مراسلاتی کورس

بذریعہ خط و کتابت ترجمۂ قرآن سیکھئے

کم وقت، کم خرچ، اور کم محنت کے ساتھ کامیاب اور آسان تعلیم

قرآن کریم کے الفاظ صرف تین ہزار بنتے ہیں جو بار بار آنیکی بناء پر اسی ہزار شمار کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے ان تین ہزار بنیادی الفاظ میں بہت سے الفاظ اردو زبان میں کسی نہ کسی شکل میں بولے یا لکھے جاتے ہیں۔ اوسطاً ہر پارہ میں پچاس ساٹھ نئے لفظ آتے ہیں جن کا یاد کرنا مشکل نہیں ہے۔ بلاشبہ روزانہ آدھے گھنٹے کا وقت اگر آپ اس کام کے لیے فارغ کرلیں، تو انشاء اللہ ایک قلیل مدت میں آپ، قرآن کا ترجمہ سمجھنے پر قادر ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآنی کورس چار عنوانات پر مشتمل ہے (۱) قرآنی لغات (۲) قرآنی احکام (۳) قرآنی قواعد (۴) تفسیر پارہ عم۔

خط و کتابت کا طریقہ:۔ ابتدائی اسباق اور لٹریچر مع فیس داخلہ بذریعہ وی پی مبلغ ۵/- طلب فرمائیں اس کے بعد ہر وی پی ماہانہ ۴/۵۰ روپے ہوگی کل آٹھ قسطوں میں یہ مفید قرآنی نصاب مکمل ہو جائیگا، اسطرح بڑی آسانی کے ساتھ آپ اپنے بچوں، بچیوں کو قرآن فہمی کی دولت سے بخوبی فیضیاب کر سکیں گے خود ممبر بنیئے اور دوسروں کو ممبر بنا کر قرآنی خدمات انجام دیجئے۔ ۸ کورس تیار ہیں

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بچاؤ!

قرآن کریم کی ہلا دینے والی للکار

اور ساتویں صدی کے "امام نوویؒ" کی دلدوز پکار

مجموعۂ حدیث "ریاض الصالحین" مترجم اردو

شارح مسلم امام وقت علامہ نوویؒ کی بے نظیر تالیف۔ ترغیب و ترتیب اور اصلاح ترتیب سے متعلق چار سو سے زائد آیات قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیث نبوی کا مجموعہ۔ الحاد و فساد کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن و سکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب۔ کسی دل گداز واعظ کے پر تاثیر وعظ کی طرح دلنشیں۔ مقدس و متبرک الفاظ احادیث۔ خلوص و للٰہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح۔ دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسولؐ سے لبریز کر دینے والا انداز بیان۔ الحاد و دہریت اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کیلئے آج ہی اسکا مطالعہ فرمائیں۔ دو جلدوں پر مشتمل سائز ۲۰×۳۰ مجلد دیدہ زیب جلد اول صفحات [illegible] قیمت ۳۰ روپے، جلد دوم صفحات ۵۰۰، ۳۰/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ دونوں جلدیں ایک ساتھ منگانے والے حضرات کو ۶ روپے کی ... ۵۵/- کا وی پی ارسال ہوگا۔ اس مبارک مجموعۂ حدیث کی اشاعت میں تعاون بہم فرما دیں ثواب کا مصداق ہونگے۔ آج ہی ایک عدد لکھکر طلب فرمائیں۔

ادارۂ درس قرآن کا ایک جدید سلسلہ۔ تاریخ کا بیش بہا شاہکار

علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی نہایت دلچسپ اور مستند تالیف

تاریخ الخلفاء (اردو)

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ جو یوم وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹۰۰ھ تک تقریباً نو سو سالہ مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ۔ تاریخ خلفاء راشدین (مدینہ منورہ) خلفاء بنو امیہ (دمشق) خلفاء بنو امیہ (اسپین) خلفاء بنو عباس (بغداد) خلفاء بنو عباس (قاہرہ) عبیدی خلفاء (افریقہ) فاطمی خلفاء مصر کی مکمل تاریخ اس اہم اور مستند کتاب میں موجود ہے۔ تاریخ اسلام کے شاندار دور کی پوری تاریخ اور اسی دور کے تمام حوادث و واقعات اور تمدنی حالات کا مجموعہ جسکے مطالعہ سے گمر گشتہ اسلامی جذبات، نوجوانوں میں اعمال صالحہ اور بچوں میں خالدؓ و طارقؒ کی اسپرٹ پیدا ہوگی۔ تاریخ الخلفاء... صفحات پر مشتمل ہے جسکو ادارہ چار حصوں میں شائع کر رہا ہے۔ "پیش پروگرام"۔ یہ عظیم تاریخ چار حصوں پر مشتمل ہوگی۔ ہدیہ فی حصہ دس روپے ممبران کیلئے محصول ڈاک بذمہ ادارہ، ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھ دیجئے آپکو ہر تیسرے ماہ دس روپے کی وی پی ارسال ہوگی جسکا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا، ایک عظیم اور مکمل اسلامی تاریخ کی اشاعت میں ادارہ کیساتھ تعاون فرمائیے۔ خود ممبر بنیئے، دوسروں کو ممبر بنائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قرآنی جواہر پارے

جو امت محمدیہ کیلئے مینارۂ نور اور سرمایۂ سعادت ہیں

چودہ برس کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباسؓ اردو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی وہ اہم اور تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے۔ قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے۔ ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں۔ اردو زبان میں یہ مادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کیساتھ پہلی مرتبہ کیجا کی گئی ہے۔ ترتیب: متن قرآن پاک۔ ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ۔ صحابی رسولؐ کی مقدس تفسیر۔ آیات قرآنی کا دل نشین شان نزول جامع اور اثر انگیز عنوانات۔ طریق اشاعت:۔ ہر ماہ میں ایک پارہ شائع ہوگا ہدیہ فی پارہ ۴/- ممبران کیلئے محصول ڈاک بذمہ ادارہ، ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھیے آپکو ہر دوسرے ماہ چار روپے کی وی پی ارسال ہوگی، پانچ پارے کی مجلد دیدہ زیب ۲۵/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ ایک عظیم صحابی رسولؐ کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمائیے۔

خود ممبر بنیئے دوسروں کو ممبر بنائیے

کہ ہمارے اعتراض کو محض ظلم اور جبر سے کر بات ٹالی جا رہی ہے پھر نئے نئے مسلمان ہونے والوں کے دلوں میں اس اعتراض سے کوئی شک کیوں نہ پیدا ہوا؟

اس کا جواب مکہ ہی کے اس ماحول پر تھوڑا سا غور کرنے سے مل جاتا ہے جس میں یہ اعتراض کیا گیا تھا۔

پہلی بات یہ ہے کہ مکہ کے وہ ظالم سردار جو اس وقت ایک ایک مسلمان کو مارتے، کوٹتے اور تنگ کرتے پھر رہے تھے ان کے لیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی کہ جن لوگوں پر وہ الزام لگا رہے تھے کہ یہ پرانی پرانی کتابوں کے ترجمے کر کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں۔ ان کے گھروں پر اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر چھاپہ مار کر وہ سارا ذخیرہ برآمد کر لیتے جو ان کے زعم میں اس کام کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا اور اسے عوام کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔ بلکہ وہ عین اس وقت چھاپہ مار سکتے تھے جب یہ کام ہو رہا ہو، مگر انھوں نے ایک دن بھی یہ اقدام کر کے اپنے الزام کا ثبوت پیش نہ کیا۔

پھر جن لوگوں کے نام وہ اس سلسلے میں پیش کرتے تھے، وہ شہر مکہ ہی کے رہنے والے تھے اور ان کی قابلیتیں کسی سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ کوئی صاحب عقل آدمی یہ باور نہیں کر سکتا تھا کہ قرآن جس شان کا کلام ہے، اس کے تصنیف کرنے میں یہ لوگ کسی درجے میں بھی حصہ دار ہو سکتے ہیں۔

مزید برآں یہ لوگ دراصل چند دشمن اسلام سرداروں کے آزاد کردہ غلام تھے اور عرب کی قبائلی زندگی میں ایک غلام آزاد ہو کر بھی اپنے سابق مالک کی سرپرستی کے بغیر جی نہیں سکتا تھا، اب یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کمزور لوگ اپنے سرپرستوں کی ناراضی مول لے کر ظلم و ستم کے اس خوفناک ماحول میں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاذ اللہ نبوت کی اس "سازش" میں شریک ہونے کی ہمت کر سکتے تھے؟

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور آپ سے وہی گہری عقیدت رکھتے تھے جو دوسرے صحابۂ کرامؓ کو آپ سے تھی۔ اسی ایمان کی بدولت وہ بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کون یہ باور کر سکتا تھا کہ جو لوگ خود قرآن کے تصنیف کرنے میں حصہ لے رہے ہوں وہ اس بہادر اس کے پیش کرنے والے نبی پر ایمان لائیں اور اس کی عقیدت کے جرم میں ظلم و ستم برداشت کریں؟

کفار کی ہٹ دھرمی کا ایک ہے نمونہ

اپنے پر الزام اور اعتراض کا معقول جواب پا کر کفار کی ہٹ دھرمی نے ایک نرالی صورت اختیار کی، اور وہ یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو ہم اس وقت مانتے جب یہ کسی ایسی زبان میں فر فر قرآن سناتے جس سے یہ واقف نہیں ہیں۔ قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا	اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے
لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ	تو یہ لوگ کہتے کہ کیوں نہ اس کی آیات
ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ	کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب بات
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ	ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی۔ ان
وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ	سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے
وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ	لیے تو ہدایت اور شفا ہے، مگر جو لوگ
اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ	ایمان نہیں لاتے ان کے لیے یہ کانوں
مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝	کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے، ان
	کا حال تو ایسا ہے جیسے ان کو دور
(حٰمٓ السجدہ۔ ۴۴)	سے پکارا جا رہا ہو۔

یہ اس ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ کفار کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب ہیں، عربی ان کی مادری زبان ہے۔ وہ اگر عربی قرآن پیش کرتے ہیں تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کلام انھوں نے خود نہیں گھڑ لیا ہے بلکہ ان پر خدا نے نازل کیا ہے۔ ان کے اس کلام کو خدا کا نازل کیا ہوا کلام تو اس وقت مانا جا سکتا تھا جب یہ کسی ایسی زبان میں یکایک دھواں دھار تقریر کرنا شروع کر دیتے جسے یہ نہیں جانتے۔ مثلاً فارسی یا رومی یا یونانی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب ان کی اپنی زبان میں قرآن بھیجا گیا ہے، جسے یہ سمجھ سکیں تو ان کو یہ اعتراض ہے کہ عرب کے ذریعے عربوں کے لیے عربی زبان میں یہ کلام کیوں نازل کیا گیا؟ لیکن اگر کسی دوسری زبان میں یہ بھیجا جاتا تو اس وقت یہی لوگ یہ اعتراض کرتے کہ معاملہ بھی خوب ہے عرب قوم میں ایک عرب کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے مگر کلام اس پر ایسی زبان میں نازل کیا گیا ہے جسے نہ رسول سمجھتا ہے نہ قوم۔

اس طرح ان کے اس لغو اعتراض کو رد کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا

بلکہ انہیں یہ بھی سمجھایا گیا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے جو اس نے تمہاری اپنی زبان میں ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جسے تم ہر طرح سمجھ سکتے ہو اور یہ جان سکتے ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اس سے منہ موڑ کر تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞

(حم السجدہ۔ ۲ تا ۴)

یہ خدائے رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے، ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں بشارت دینے والا، ڈرا دینے والا مگر ان لوگوں میں اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔

اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کلام خدا کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔ یعنی تم جب تک چاہو یہ رٹ لگاتے رہو کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تصنیف کر رہے ہیں۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کلام کا نزول خداوند عالم کی طرف سے ہے۔ مزید برآں یہ ارشاد فرما کر مخاطبین کو اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ تم اگر اس کلام کو سن کر چیں بجبیں ہوتے ہو تو تمہارا یہ غصہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں، بلکہ خدا کے خلاف ہے۔ اگر اسے رد کرتے ہو تو ایک انسان کی بات نہیں بلکہ خدا کی بات رد کرتے ہو اور اگر اس سے بے رخی برتتے ہو تو ایک انسان سے نہیں بلکہ خدا سے منہ موڑتے ہو۔

دوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ اس کا نازل کرنے والا وہ خدا ہے جو اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان رحمٰن اور رحیم ہے۔ نازل کرنے والے خدا کی دوسری صفات کے بجائے اس کی صفت رحمت کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے اپنی رحیمی کے اقتضاء سے یہ کلام نازل کیا ہے۔ اس سے مخاطبین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اس کلام سے اگر کوئی بے رخی برتتا ہے یا اسے رد کرتا ہے یا اس پر چیں بجبیں ہوتا ہے تو در حقیقت اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے۔ یہ تو ایک نعمت عظمیٰ ہے جو خدا نے سراسر اپنی رحمت کی بناء پر انسانوں کی رہنمائی اور فلاح و سعادت کے لیے نازل کیا ہے۔ خدا اگر انسان سے بے رخی

[illegible] پھینک دیتا اور پھر پرواہ کرتا کہ یہ کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں۔ لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ پیدا کرنے اور روزی دینے کے ساتھ ان کی زندگی سنوارنے کے لیے علم کی روشنی دکھانا بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اسی بناء پر یہ کلام وہ اپنے ایک بندے پر نازل کر رہا ہے۔ اب اس شخص سے بڑھ کر ناشکرا اور آپ اپنا دشمن کون ہوگا۔ جو اس رحمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے الٹا اس سے لڑنے کے لیے دوڑے۔

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اس کتاب کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اس میں کوئی بات گنجلک اور پیچیدہ نہیں ہے، کہ کوئی شخص اس بناء پر اسے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر سکے کہ اس کی سمجھ میں اس کتاب کے مضامین آتے ہی نہیں ہیں، اس میں تو صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا صحیح عقائد کون سے ہیں اور غلط عقائد کون سے۔ اچھے اخلاق کیا ہیں اور برے اخلاق کیا۔ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ کس طریقے کی پیروی میں انسان کی بھلائی ہے اور کس طریقے کو اختیار کرنے میں اس کا اپنا خسارہ ہے ایسی صاف اور کھلی ہوئی ہدایت کو اگر کوئی شخص رد کرتا ہے، یا اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ کوئی معذرت پیش نہیں کر سکتا اس کے اس رویے کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خود برسر غلط رہنا چاہتا ہے۔

چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ عربی زبان کا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کسی غیر زبان میں آتا تو اہل عرب یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہم اس زبان ہی سے نابلد ہیں جس میں خدا نے اپنی کتاب بھیجی ہے۔ لیکن یہ تو ان کی اپنی زبان میں ہے اسے نہ سمجھ سکنے کا بہانا یہ نہیں بنا سکتے۔

پانچویں بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں۔ یعنی اس سے فائدہ صرف دانا لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں نادان لوگوں کے لیے یہ اسی طرح بے فائدہ ہے، جس طرح ایک قیمتی ہیرا اس شخص کے لیے بے فائدہ ہے جو ہیرے اور پتھر کا فرق نہ جانتا ہو۔

چھٹی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب بشارت دینے والی اور ڈرا دینے والی ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ محض ایک تخیل، ایک فلسفہ اور ایک نمونۂ انشاء پیش کرتی ہو۔ جسے ماننے یا نہ ماننے کا کچھ حاصل نہ ہو بلکہ یہ ہانک پکارے تمام دنیا کو خبردار کر رہی ہے کہ اسے ماننے کے نتائج نہایت شاندار اور نہ ماننے کے نتائج انتہائی ہولناک ہیں۔ ایسی کتاب

تجلّی کی ڈاک

کافی خطوط جمع ہو گئے تھے اس مرتبہ تمام سوالات حذف کر کے جوابات دیئے جا رہے ہیں تاکہ کچھ تو تلافی ہو سکے علاوہ ازیں جن خطوں کے ساتھ جواب کے ٹکٹ وغیرہ موصول نہیں ہوئے ہیں اور اس دفعہ بھی وہ ترتیب میں نہیں آسکے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ انھیں تلف کر دیا گیا اگر ایسے خطوں کا جواب طلب کرنا ضروری ہی ہو تو دوبارہ رابطہ قائم کیا جائے۔ (ایڈیٹر)

انبیاء کی حیاتِ قبر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض قابلِ اعتماد روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کے بعد بھی ایک قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ لیکن اپنی جستجو کی حد تک ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ انبیاء کی حیات بعد الوفات کی نوعیت و کیفیت کیا ہوتی ہے۔

اس بارے میں بعض نادان قسم کے لوگوں نے عجیب عجیب افسانے بھی گھڑ لیے ہیں، جن کا حقیقت و صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت کی حد تک یہ تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ انبیاء کو قبر میں بھی ایک گونہ زندگی حاصل رہتی ہے لیکن ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انبیاء اپنی قبروں میں کس انداز میں زندہ ہیں اور کون کون سے افعال کرتے ہیں۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں عوام کو بالکل نہیں الجھنا چاہیے۔ ایسے مسائل میں علماء اور خطباء کے مابین تبادلۂ خیال ہمیشہ ہوتا رہا ہے، آج بھی ہو تو نقصان وہ بات نہیں ہے لیکن جب سے ایسے نازک مسائل میں نادان اور جاہل قسم کے لوگ مباحثے اور مجادلے کرنے لگے ہیں تب سے ایک محسوس ہونے والا نقصان اسلام کو برابر پہونچ رہا ہے۔ اللہ کرے ہمارے عوام کو اس بات کی توفیق بخشے کہ وہ نازک مسائل کے پیچھے پڑ جانے کو جزوِ زندگی نہ بنائیں۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

چھ ماہ بعد و[illegible]ت کا مسئلہ

اگر عورت نے اقرار نہیں کیا اور کوئی ایسی شہادت اور ثبوت موجود نہیں ہے جس سے عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو اس کے حمل سے پیدا ہونے والے بچہ کو ولد الزنا قرار دینا غلط ہوگا۔ اس لئے کہ چھ ماہ کے بعد بچہ کی ولادت ایسی بات نہیں جسے ناممکن کہا جاسکے۔

تعویز گنڈوں کا جواز

اللہ اور اس کے رسول کے ماسوا کسی کو اس بات کا حق نہیں پہونچتا کہ وہ کسی شئی کو حرام قرار دیدے۔ جب اللہ کے رسول نے تعویز گنڈوں اور جھاڑ پھونک کو بعض شرائط کے ساتھ جائز بتلایا ہے، تو ہماری کیا مجال کہ ہم ان چیزوں کو ناجائز کہنے کی رٹ لگائیں۔

بلاشبہ تعویز گنڈوں کے سلسلہ میں بعض حضرات حدود قیود سے ماوراء ہو کر غلو کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں اور اسطرح وہ ایک جائز کام کو اپنی حرکات سے ناجائز بنا دیتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کے رویّہ کی وجہ سے تعویز گنڈوں میں فی نفسہٖ کوئی قباحت پیدا نہیں ہوسکتی۔

آخر دنیا کا کونسا ایسا جائز مشغلہ ہے جسے یار لوگ اپنے بعض کرتوت کی بناء پر حرام نہ بنا لیتے ہوں، تجارت، صنعت، مزدوری، ڈاکٹری، ملازمت، ہر ایک جائز پیشہ غلط طریقہ کار کی وجہ سے غلط اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

دنیا میں تعویز گنڈے کرنے والے ایسے بھی بڑی تعداد موجود ہیں کہ جو قیود و شرائط کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے ہیں اور [illegible] نیک نیتی بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے، اگر بعض یا اکثر لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہوں کہ تعویز گنڈوں کے سلسلہ میں کھلی [illegible] اور [illegible] کا مظاہرہ کرنے میں مبتلا ہوں تو ان کی [illegible] اور [illegible] حرکات کی وجہ سے تعویز گنڈوں کو اور تعویز گنڈوں کے ذریعہ حاصل شدہ اجرت کو ناجائز کہنا غلط ہوگا۔

[illegible]ت [illegible] نکاح

حالت حمل میں نکاح بلاشبہ صحیح ہوجاتا ہے، یہانتک کہ اگر کسی اور کا ہو اور نکاح کوئی اور کرے تو بھی نکاح درست ہوجائے گا۔ البتہ دوسرے شخص کو یہ احتیاط کرنی پڑے گی کہ وہ منکوحہ سے صحبت نہ کرے۔ دراصل شریعت دو نطفوں کے التباس کو گوارا نہیں کرسکتی کہ اس سے نسب کے ثبوت میں دشواری اور الجھن پیدا ہوسکتی ہے کہ آیا ہونے والا بچہ فی الواقع کس شخص کا ہے۔

اگر وہی شخص عورت سے نکاح کرے جس کے زنا سے عورت حاملہ ہوئی تھی تو ظاہر ہے کہ اس شخص کا صحبت کرنا مولود کے نسب میں تردد و اشتباہ پیدا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اسے صحبت کرنے کی کلی اجازت حاصل ہوگی

یہ واضح رہے کہ حاملہ عورت سے نکاح کرنیوالے دوسرے مرد کو از راہ احتیاط صحبت سے باز رکھا جاتا ہے اگر یہ شخص اس احتیاط کو نظر انداز کرکے منکوحہ سے مباشرت کرنے کی ٹھان لے تو یہ گناہگار اور نافرمان تو ضرور کہلائے گا لیکن اس کا مباشرت کرنا نکاح پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

تصویر والے رسائل کی تجارت

ایسے رسائل کی خرید و فروخت بلاشبہ ناجائز ہے جس میں ذی روح کی تصاویر پابندی کے ساتھ شائع ہوتی ہوں۔ اگر تصاویر فحش اور عریاں ہوں تو پھر تجارت جو کہ نتیجۃً اور بھی ضرر رساں ہوگی۔ لہٰذا یہ گناہ در گناہ کہلائے گی

زوال کے وقت نکاح خوانی

زوال کے وقت عبادات کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ نکاح اگرچہ عبادت نہیں ہوتا لیکن احتیاط اور معقولیت کا تقاضہ یہ ہے کہ زوال کے وقت نکاح پڑھانے سے احتراز کیا جائے اور وقت مکروہ کے گذر جانے کا انتظار کیا جائے۔

قادیانی پر مہربانی

قادیانیوں کو کافر تصور نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی تمام غیر قادیانیوں کو کافر سمجھتا ہے اس لیے کہ قادیانی ان تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو ان کے خود ساختہ نبی کی نبوت کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یقین کر لیجیے کہ قادیانیوں پر رحم کھانا اور ان کے ساتھ نرمی و مہربانی کا مظاہرہ کرنا تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کے مترادف ہے۔

مسلمانوں کا دل دکھانا اور تین دن تک بول چال چھوڑنا

دل دکھانا بلاشبہ گناہ کی بات ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی جواز موجود نہ ہو۔ اگر جواز موجود ہوگا تو پھر دل دکھانا غلط اور ناجائز نہیں ہوگا مثلاً اگر آپ نے کسی سود خور کو سخت الفاظ میں یہ نصیحت کی کہ وہ سود خوری سے باز آجائے ورنہ قیامت کے میدان میں اس پر یہ گزرے گی اس بات سے اسے صدمہ پہنچتا ہے، اس کا دل دکھتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ آپ اس سلسلہ میں مطلق گناہگار نہیں ہو سکتے، برائیوں سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس فرض کو ادا کرتے وقت اگر لوگوں کو صدمہ پہونچے اور ان کے دل کو ٹھیس لگے اس کا کوئی گناہ نصیحت و فہمائش کرنے والوں کی گردن پر عائد نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور پھر کئی کئی دن بول چال بند رکھنا بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند نہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے پسند ناپسند کا لحاظ نہیں کرتے اور آپسی جھگڑوں کی وجہ سے ہفتوں اور مہینوں ایک دوسرے سے برگشتہ رہتے ہیں وہ یقیناً نافرمان کہلانے اور سمجھے جانے کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگوں کی عبادات کا بے جان ہو جانا امر محقق ہے مگر یہ معاملہ بھی مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ فرض کر لیں کہ آپ نے کسی کم تولنے والے دکاندار کو یا اپنے کسی بے ایمان رشتہ دار کو نصیحت کی کہ وہ اپنے کرتوت سے باز آجائے، وہ بد مزاج قسم کا ہو تو یہ بات سن کر وہ بگڑ جاتا ہے اور آپ سے بول چال بند کر دیتا ہے۔ آپ قطعاً اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ اس کی خوشامد کرتے پھریں اور خود کو مجرم سمجھنے لگیں آپ کے [illegible] بول چال بند کر رکھی [illegible] اس کو ختم کرانا یا آپ بات کرنے میں پہل کریں [illegible]

سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو معاملات اور ذاتی اغراض کی وجہ سے مسلمانوں [illegible] سے قطع تعلق کر لینا [illegible] تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ [illegible] کہ کسی مفاد و غرض کی بنا پر کسی [illegible] کے اندر اندر صلح کر لینا ضروری ہے۔ لیکن اگر ناراضگی دینی امور سے تعلق رکھتی ہے تو پھر صلح کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص کھلے عام فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ آپ اسے تنبیہ کرتے ہیں آپ کی تنبیہ سے اس کا دل ٹوٹتا ہے، وہ ناراض ہو جاتا ہے تو آپ کو کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا دل ٹوٹے تو ٹوٹنے دیجیے اور وہ بولنا بند کر دے، تو آپ اس کی بھی پرواہ مت کیجیے۔ اس لیے کہ اگر برائیوں پر ٹوکنے کی وجہ سے جو دل شکنی ہوتی ہے اس کا لحاظ بھی کیا جانے لگے تو پھر تمام پیغمبران خدا بھی مجرم قرار پائیں گے اس لیے کہ انھوں نے جب توحید کی تبلیغ کی ہے کافروں اور مشرکوں کی دل شکنی ہو کر رہی ہے۔ بس اہم بات یہ ہے کہ اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے کسی کو تکلیف دینے سے بچیے اور اگر دین کی خاطر کسی کو تکلیف پہونچتی ہے تو اس کی قطعاً پرواہ نہ کیجیے۔

غیر مسلم کی نماز جنازہ

کسی غیر مسلم کی میت پر جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ نماز جنازہ دعاء مغفرت ہے۔ اور کافر و مشرک کے حق میں دعاء مغفرت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی اصول و آئین سے بے پرواہ ہو کر کسی غیر مسلم کی نماز جنازہ پڑھ ڈالے تو اس کا کوئی فائدہ میت کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلموں کے حق میں مغفرت کی ہزار دعائیں مانگتے رہیے سب کی سب بیکار جائیں گی۔

مرحوم اور رحمۃ اللہ

ہمارے نزدیک مرحوم اور رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی فرق نہیں ہے

[illegible] لڑکوں کے نزدیک ان دونوں [illegible] میں فرق ہے۔ وجہ فرق ان [illegible] سے معلوم کیجئے اور اس سلسلے میں کوئی معقول دلیل ان سے طلب [illegible]۔

جہیز اور مہر کی حد

جہیز اور مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی البتہ یہ دونوں ریا و نمود کی حدوں میں داخل نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک شخص اگر دکھاوے کے لئے کم سے کم بھی جہیز دے گا تو بھی گناہگار ہوگا اور اگر دوسرا شخص زیادہ سے زیادہ جہیز اپنی بیٹی کے آرام و آسائش کی نیت سے دے تو کوئی قباحت کی بات نہیں۔ جہیز لڑکی والے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں۔ اور مہر لڑکے والے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ باندھ سکتے ہیں۔ بس افسوسناک بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جہیز اور مہر کے سلسلہ میں لڑکی اور لڑکے والے اپنی حیثیتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور یہی چیز ناجائز بھی ہے اور دونوں کے حق میں ضرر رساں بھی۔ شریعت نے جہیز اور مہر کے باب میں کوئی حد مقرر نہیں کی — ایک فرد اپنی بیٹی کو پچاس ہزار کا جہیز دے سکتا ہے اور دوسرا فرد اپنے بیٹے کا مہر پچاس ہزار بھی مقرر کرا سکتا ہے — اگر ان دونوں کی حیثیت ایسی ہی کی ہو — جہیز اور مہر لڑکی اور لڑکے والوں کے مناسب حال ہونے چاہئیں — شریعت کوئی پابندی عائد نہیں کرتی — ان امور کی مخالفت ضرور کرتی ہے، جو صرف جھوٹی شان دکھانے کی غرض سے عمل میں آرہی ہوں۔

کنویں میں چوہے کا مرنا

اگر کنویں میں چوہا گرنے کے بعد مر جائے تو فقہ کی رو سے مردہ چوہے کو نکالنے کے بعد پچیس ڈول پانی نکال کر پھینک دینا چاہئے۔ اگر تیس ڈول نکال دیئے جائیں تو اور بھی بہتر ہے — اس مسئلہ کو ہدایہ کی پہلی جلد میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ وان ماتت فارة نزح منها عشرون

[illegible] یعنی اگر [illegible] سے بیس ڈول تک نکال دیئے جائیں [illegible] کنواں پاک و صاف ہو جاتا ہے — لیکن اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ تیس ڈول پانی نکال کر پھینک دیا جائے۔

مردہ پیدا ہونے والے بچے کی نماز جنازہ

جو بچہ مردہ پیدا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے بس غسل دیا جائے — اور ایک پاک صاف کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو نام سے پکارنا

مرد اگر اپنی بیوی کو اس کے نام سے پکارے تو کوئی حرج نہیں — البتہ بیوی کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کا نام لے اور اسے اس کے نام سے مخاطب کرے، یہ بدتہذیبی بھی آجکل تہذیب میں داخل ہے — کہ عورتیں اپنے شوہروں کو اپنا دوست سمجھتی ہیں اور بے تکلف ان کے سامنے ان کا نام لیتی ہیں۔

قبرستان میں دکانوں کی تعمیر

قبرستان اگر اتنا پرانا ہو گیا ہو کہ وہاں قبریں بس برائے نام موجود ہوں — نئی تدفین کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا ہو۔ اور پرانی قبریں بھی ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو چکی ہوں تو اس کی زمین میں دکانیں وغیرہ تعمیر کر کے کسی مسجد کے نام وقف کر دیتے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں — ان دکانوں کی آمدنی مسجد کے لئے بھی جائز ہوگی — اور ہر دینی ادارہ کے لئے بھی — لیکن قبرستان نئی قبروں سے آباد ہو۔ قبریں وہاں مسلسل بنتی رہتی ہوں تو پھر ایسے قبرستان کو مسمار کرنا درست نہیں ہوگا — قبرستان سے گزرنا اس انداز میں کہ قبروں پر ٹھوکر دے کے [illegible] کی بات نہیں — جوتوں سمیت قبرستان میں جایا جا سکتا ہے۔ عام راستہ ہو جانا ہے — البتہ قبرستان سے گزرتے ہوئے اپنی موت کا تصور کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے

رہن کے پتھروں کو مسجد وغیرہ کی تعمیر میں کھپانا جائز نہیں ہو سکتا۔

آپ کے تینوں سوالوں کے جواب ایک ہی عنوان کے تحت دیئے گئے ہیں۔

نسبندی امام کے پیچھے نماز کا مسئلہ

اس سلسلہ میں کسی قابل اعتماد ادارہ سے رابطہ قائم کیجئے۔ دارالعلوم دیوبند سے یا امارت شرعیہ بہار سے رجوع کریں تو بہتر ہے۔ ویسے ہماری ناقص رائے ہے کہ جس امام نے نس بندی اپنی مرضی سے کرائی ہو۔ اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر صحیح ہوگی تو بلا کراہیت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ نس بندی یا تنگی رزق کے خوف سے کرائی گئی ہو یا حکومت وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یا کسی طمع و لالچ کی بنا پر۔ یہ تینوں ہی صورتیں ناجائز ہوں گی، اور ایسی صورتوں کو اپنانے والا بہر حال فاسق کہلائیگا اور فاسق کے پیچھے نماز بلا کراہت درست نہیں ہوتی

مسجد کے صحن میں پلنگ بچھانا

مسجد کے صحن میں پلنگ بچھانے کو ہم ناجائز اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے علم میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس کا سہارا لیکر اسے ناجائز یا بدعت کہا جا سکے۔ البتہ یہ حرکت گستاخی اور بے ادبی پر ضرور محمول کی جائے گی۔

مسجد میں کھانیکا مسئلہ

مسجد میں کھانا اور سونا، یہ دونوں چیزیں خلاف ادب ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں بوقت افطار کھانے کی جو گنجائش نکلتی ہے اسے کسی دلیل کا سہارا لے کر جائز قرار دے بھی دیا جائے تو بھی اس انداز کو جائز باور کرانے کے سلسلے کوئی دلیل ہاتھ نہیں آتی، جو مسجدوں میں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔ اس انداز خاص میں شور مچا مچا کر افطاریاں کھانا [illegible] اس سے مسجد کی بے ادبی تو [illegible] ہوتی ہے [illegible] کیا جائے

[illegible] ہوئے سنجیدہ اور بااثر ہر قسم کے لوگ اس اکل و شرب میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اور اسی انداز خاص ہی جس کو ہم نے غیر درست بتایا ہے۔

خصی جانور کی قربانی

خصی جانور کی قربانی بلاشبہ جائز ہے۔

سائل سے مجیب کی استدعا ہے کہ وہ اس قسم کے مسائل کے لئے بہشتی زیور گھر میں رکھیں۔

تعاون علی معصیت

اہل بدعت کے مدارس کو چندہ دینا تعاون علی المعصیت کے ضمن میں آتا ہے اس لئے کہ اہل بدعت کے مدارس میں قرآن و حدیث کی آڑ لیکر جو زہر امت مسلمہ کو پلایا جا رہا ہے اس کا نقصان علماء اور غیر علماء سب ہی کسی سے چھپے نہیں۔ معاملہ صرف بدعات و خرافات کا ہوتا تو صبر کے گھونٹ پی لیے جاتے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اہل بدعت، بدعات و توہمات کی دیواریں پھلانگ کر کفر و شرک کی حدود تک پہنچ چکے ہیں اور وہ اپنے طلبائے علم کو جو تعلیم دے رہے ہیں وہ عقیدہ کی رو سے انتہائی مہلک اور انسانیت کی رو سے انتہائی خوفناک ہے۔ اللہ کے ماسوا کسی بھی ذات کو، خواہ وہ ذات ولی کی ہو یا نبی کی، مختار کل اور حاجت روا سمجھ لینا یقیناً شرک اور خلاف عقیدہ ہے اور قابل اعتماد علماء پر کفر کے فتوے لگانا اور ان کے بارے میں جو منہ میں آئے بک دینا سو فیصد شرمناک اور گھناؤنا ہے

اہل بدعت کے مدارس کو چندہ دینے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی ان کے مشن کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اور کسی بھی خراب مشن کو فروغ دینا ہر صاحب عقیدہ عالم کے نزدیک گناہوں میں تعاون کرنے کے مثل ہے

مال حرام سے خریدے ہوئے تحائف

سود خور اور رشوت لینے والے حضرات سے کہہ دیجئے،

کے لوگوں کے لئے بھی۔ ان دونوں شکلوں میں فرق ہے۔ وجہ فرق ان ہی سے معلوم کیجئے اور اس سلسلے میں کوئی معقول دلیل ان سے طلب کیجئے۔

جہیز اور مہر کی حد

جہیز اور مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی البتہ یہ دونوں ریاکاری و نمود کی حدوں میں داخل نہیں ہونا چاہئیں۔ ایک شخص اگر دکھاوے کے لئے اپنے بس سے زیادہ جہیز دے گا تو بھی گنہگار ہوگا اور اگر دوسرا شخص زیادہ سے زیادہ جہیز اپنی بیٹی کے آرام و آسائش کی نیت سے دے تو کوئی قباحت کی بات نہیں۔ جہیز لڑکی والے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں۔ اور مہر لڑکے والے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ باندھ سکتے ہیں۔ بس افسوسناک بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جہیز اور مہر کے سلسلہ میں لڑکی اور لڑکے والے اپنی حیثیتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور یہی چیز ناجائز ہے [illegible] دونوں کے حق میں ضرر رساں بھی۔ شریعت نے جہیز اور مہر کے باب میں کوئی حد مقرر نہیں کی۔ ایک فرد اپنی بیٹی کو پچاس ہزار کا جہیز دے سکتا ہے اور دوسرا فرد اپنے بیٹے کا مہر پچاس ہزار بھی مقرر کرا سکتا ہے۔ اگر ان دونوں کی حیثیت اتنی ہی کی ہو۔ جہیز اور مہر لڑکی اور لڑکے والوں کے مناسب حال ہونا چاہئے۔ شریعت کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ ہاں ان امور کی مخالفت ضرور کرتی ہے، جو صرف جھوٹی شان دکھانے کی غرض سے عمل میں آرہی ہوں۔

کنویں میں چوہے کا مرنا

اگر کنویں میں چوہا گرنے کے بعد مر جائے تو فقہ کی رو سے مردہ چوہے کو نکالنے کے بعد پچیس ڈول پانی نکال کر پھینک دینا چاہئے۔ اگر تیس ڈول نکال دیے جائیں تو اور بھی بہتر ہے۔ اسی مسئلہ کو ہدایہ کی پہلی جلد میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ [illegible]

[illegible] خلاصہ یہ ہے۔ یعنی اگر کنویں میں چوہا مر جائے تو بیس سے تیس ڈول تک نکال دیے جائیں۔ کیونکہ بیس ڈول نکالنے سے کنواں پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اولیٰ افضل یہ ہے کہ تیس ڈول پانی نکال کر پھینک دیا جائے۔

مردہ پیدا ہونے والے بچے کی نماز جنازہ

جو بچہ مردہ پیدا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے بس غسل دیا جائے۔ اور ایک پاک صاف، کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

بیوی کا شوہر کو نام سے پکارنا

مرد اگر اپنی بیوی کو اس کے نام سے پکارے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ بیوی کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کا نام لے اور اسے اس کے نام سے مخاطب کرے، یہ بدتہذیبی بھی آجکل تہذیب میں داخل ہے۔ کہ عورتیں اپنے شوہروں کو اپنا دوست سمجھتی ہیں اور بے تکلف انکے سیل منشان کا نام لیتی ہیں۔

قبرستان میں دوکانوں کی تعمیر

قبرستان اگر اتنا پرانا ہو گیا ہو کہ وہاں قبریں بس برائے نام موجود ہوں۔ نئی تدفین کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا ہو۔ اور پرانی قبریں بھی ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو چکی ہوں تو اس کی زمین میں دوکانیں وغیرہ تعمیر کر کے کسی مسجد کے نام وقف کر دیتے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ ان دوکانوں کی آمدنی مسجد کے لئے بھی جائز ہوگی۔ اور ہر دینی ادارہ کے لئے بھی۔ لیکن قبرستان نئی قبروں سے آباد ہو۔ قبریں وہاں مسلسل بنتی رہتی ہوں تو پھر ایسے قبرستان کو مسمار کرنا درست نہیں ہوگا۔ قبرستان سے گزرنا اس انداز میں کہ قبروں پر ٹھوکر دے کے گزرا جائے اچھی بات نہیں۔ جوتوں سمیت قبرستان میں چلا جا سکتا ہے۔ عام راستہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ قبرستان سے گزرتے ہوئے اپنی موت کا تصور کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

قربانی کی کھالوں کو مسجد وغیرہ کی تعمیر میں کھپانا جائز نہیں ہو سکتا۔

آپ کے تینوں سوالوں کے جواب ایک ہی عنوان کے تحت دیئے گئے ہیں۔

نسبندی امام کے پیچھے نماز کا مسئلہ

اس سلسلہ میں کسی قابل اعتماد ادارہ سے رابطہ قائم کیجئے۔ دار العلوم دیوبند سے۔ یا امارت شرعیہ بہار سے رجوع کریں تو بہتر ہے۔ ویسے ہماری ناقص رائے ہے کہ جب امام نے نسبندی اپنی مرضی سے کرائی ہو۔ اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر صحیح ہوگی تو بلا کراہیت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ نسبندی یا تنگی رزق کے خوف سے کرائی گئی ہو۔ یا حکومت وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ یا کسی طمع ولالچ کی بنا پر۔ یہ تینوں ہی صورتیں ناجائز ہوں گی۔ اور ایسی صورتوں کو اپنانے والا بہر حال فاسق کہلائیگا اور فاسق کے پیچھے نماز بلا کراہیت درست نہیں ہوتی۔

مسجد کے صحن میں پلنگ بچھانا

مسجد کے صحن میں پلنگ بچھانے کو ہم ناجائز اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے علم میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس کا سہارا لیکر اسے ناجائز یا مکروہ کہا جا سکے۔ البتہ یہ حرکت گستاخی اور بے ادبی پر ضرور محمول کی جائے گی۔

مسجد میں کھانیکا مسئلہ

مسجد میں کھانا اور سونا یہ دونوں چیزیں خلاف ادب ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں بوقت افطار کھانے کی جو گنجائش نکلتی ہے اسے کسی دلیل کا سہارا لے کر جائز قرار دے بھی دیا جائے تو کھانے کا اس انداز کو جائز باور کرانے کے لئے کوئی دلیل ہاتھ نہیں آتی، جو مسجدوں میں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔ اس انداز خاص میں شور مچا مچا کر افطاریاں کھانا سنت ہا مستحب ہے اس سے مسجد کی بے ادبی تو ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے

جیسے بڑے سنجیدہ اور ارباب فہم قسم کے لوگ اس عمل در شرب میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اور اسی انداز خاص کو ہم نے غیر درست بتایا ہے۔

خصی جانور کی قربانی

خصی جانور کی قربانی بلاشبہ جائز ہے۔

سائل سے مجیب کی استدعا ہے کہ وہ اس قسم کے مسائل کے لئے بہشتی زیور گھر میں رکھیں۔

تعاون علی معصیت

اہل بدعت کے مدارس کو چندہ دینا تعاون علی المعصیت کے ضمن میں آتا ہے اس لیے کہ اہل بدعت کے مدارس میں قرآن وحدیث کی آڑ لیکر جو زہر امت مسلمہ کو پلایا جا رہا ہے اسکا نقصان علماء اور غیر علماء سب ہی کو سوس کر رہے ہیں۔ معاملہ صرف بدعات وخرافات کا ہوتا تو صبر کے گھونٹ پئے جا سکتے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اہل بدعت، بدعات و ترہات کی دیواریں پھلانگ کر کفر وشرک کی حدود تک پہنچ گئے ہیں اور وہ اپنے طلبائے علم کو جو تعلیم دے رہے ہیں وہ عقیدہ کی رو سے انتہائی مہلک اور انسانیت کی رو سے انتہائی خوفناک ہے۔ اللہ کے ماسوا کسی بھی ذات کو، خواہ وہ ذات ولی کی ہو یا نبی کی، مختار کل اور حاجت روا سمجھ لینا یقیناً شرک اور خلاف عقیدہ ہے اور قابل اعتماد علماء پر کفر کے فتوے لگانا اور ان کے بارے میں جو منہ میں آئے بک دینا سو فیصد شرمناک اور تکلیف دہ ہے

اہل بدعت کے مدارس کو چندہ دینے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی ان کے مشن کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اور کسی بھی خراب مشن کو فروغ دینا ہر صاحب عقیدہ عالم کے نزدیک گناہوں میں تعاون کرنے کے مثل ہے

مال حرام سے خریدے ہوئے تحائف

سود خور اور رشوت لینے والے حضرات سے کہ دیجئے،

ہوئے تحائف کو قبول نہیں کرنا چاہیئے اور اگر مصلحتاً قبول کرہی لیا جائے تو انھیں ضائع کر دینا چاہیئے۔ ان کو استعمال میں لانا از روئے شرع حرام ہوگا۔

سماعتِ خطبہ کے بغیر نمازِ جمعہ

خطبۂ اولیٰ اور خطبۂ ثانیہ نہ ملنے کی بات کو چھوڑیئے، اگر مقتدی کی ایک رکعت بھی نکل جائے اور صرف ایک رکعت میں وہ شامل ہوسکے تو بھی اس کی نمازِ جمعہ ادا ہو جاتی ہے اور پھر نمازِ ظہر کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تصویر والی اشیاء کی خرید و فروخت

تصویر اور تصویر کشی کی حرمت میں کسی کو بھی کوئی اشکال نہیں لیکن ذخیرۂ روایات میں ایسی کوئی روایت نظر نہیں آتی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ باتصویر چیزوں کا خریدنا اور بیچنا بھی اسی طرح ممنوع ہے جس طرح تصویروں کا بنانا اور رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

کمالِ تقویٰ اور کمالِ احتیاط تو یہی ہے کہ آدمی ایسی چیزوں کی تجارت نہ کرے جن پر تصویریں بنی ہوں، تاہم ایسی چیزوں کی تجارت کو ناجائز کہنا مبالغہ ہوگا۔

عورت اگر ناک میں لونگ پہنے

بعض اربابِ احتیاط نے اسے مکروہ قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لونگ کا پہننا بلا کراہیت جائز ہے

مرد کیلئے بال صفا پوڈر کا استعمال

جی ہاں عوام میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ زیرِ ناف کے بال صاف کرنے کی غرض سے مردوں کے لیے ان لیڈ پوڈروں کا استعمال ناجائز ہے جو اس سلسلہ میں مشہور معروف ہیں۔ مردوں کے لیے استرے کا استعمال طبی اعتبار سے مفید ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ پوڈروں اور دیگر دواں کا استعمال مردوں کے لیے غیر مفید ثابت ہوتا ہو۔ لیکن شرعی اعتبار سے اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے

مصنوعی دانت بنوانا

مصنوعی دانت عموماً طور پر ضرورت کے لیے بنوائے جاتے ہیں اس لیے کہ اگر منہ میں دانت نہ ہوں تو آدمی کو مختلف قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاہم اگر زینت ہی کی نیت سے دانت بنوائے جائیں یا بدنما دانتوں کو توڑ کر دوسرے دانت لگوائے جائیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ کسی خراب نیت سے مصنوعی دانتوں کا استعمال یقیناً حرام ہوگا۔ مثلاً کوئی عورت اپنے بےضرورت دانتوں کو ختم کرا کے نئے دانت محض اس لیے فٹ کرا لے کہ لوگوں کو مرغوب محسوس ہوں اور لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو دانت فی نفسہ اس عورت کے حق میں حرام قرار پائیں گے، زینت و خوش نمائی کی غرض سے بھی مصنوعی دانتوں کا بنوانا کوئی حرج نہیں رکھتا۔

ضرورت کیلئے عورت کا بازار جانا

کسی خاص ضرورت کے لیے عورتوں کے بازار جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ان کے گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو، مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کا بازار جانا اور خود خرید و فروخت کرنا یقیناً معیوب ہے۔ لیکن اگر کسی گھر کے مرد بازار جانے کے عادی نہ ہوں یا اس درجہ تھکے ہوں کہ ہاتھ پاؤں ہلانا ان کی فطرت کے خلاف ہو یا اس درجہ مصروف رہتے ہوں کہ ان کے لیے گھریلو خرید و فروخت کے لیے وقت نکل ہی نہ پاتا ہو تو پھر مردوں کے ہوتے ہوئے بھی عورتیں بازار جا سکتی ہیں اور خود خرید و فروخت کر سکتی ہیں بشرطیکہ پردہ وغیرہ کے اہتمام میں ان سے کوئی کوتاہی سرزد نہ ہو۔ البتہ موجودہ زمانہ میں عورتوں نے معمولی معمولی ضرورتوں کے لیے بازار دوڑنے کو جو جزوِ زندگی بنا لیا ہے اس سے ہمیں قطعاً کوئی اتفاق نہیں ہے [illegible] غیر اسلامی [illegible] ایسی عورتوں کو

ضرورت سے نہیں دیتے کی [illegible] اور بوڑھی [illegible] سے نکل پڑتی ہیں اور بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں۔

رفع یدین کا مسئلہ

احناف نے رفع یدین کو ناجائز کبھی نہیں کہا۔ غیر ضروری کہا ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کہ رفع یدین کی کوئی ضرورت نہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک رفع یدین ضروری ہے اس لئے ہمیں ان سے کوئی شکوہ نہیں، وہ رفع یدین کریں اور ہزار بار کریں ہمارا کیا گھستا ہے۔ لیکن جب ترک رفع یدین کرنے والوں پر الفاظ کے بم برساتے ہیں تو ہمیں زبان کھولنی پڑتی ہے اور پھر دلائل کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنا ہی پڑتا ہے کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہو چکا [illegible] اب رفع یدین کی کوئی ضرورت نہیں۔

اصحاب بدعت کی بکواس

مولانا عامر عثمانی کو برا بھلا کہنا معمولی بات ہے بریلوی حضرات نے تو مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے جلیل القدر علماء کو بھی نہیں بخشا۔ انہیں بھی بازاری گالیاں دی ہیں اور انہیں بھی کافر قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اگر کوئی بریلوی قسم کا آدمی مولانا عامر عثمانی پر لفظوں کے کیچڑ ڈھیلے اچھالتا ہے اور انہیں معاذ اللہ کہتا ہے کہ قرآن کی توہین و تذلیل کرتا ہے تو اس سے آپ کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا عامر عثمانی جیسے حضرات کا مقام واہیات باتوں سے نہ کبھی گھٹا ہے اور نہ کبھی گھٹے گا۔

بقیہ: مسجد سے میخانے تک

کس بدنصیب عورت کو نصیب ہے، لیکن تم ہو کہ مجھ سے مطمئن نہیں۔ ثبوت کے لئے تمہاری ایک درجن سہیلیاں گواہ۔

وہ بگڑ گئی۔ اس نے جلے بھنے لہجہ میں کہا۔ دوسری شادی کر لیجئے، پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ کتنے ہو، نچلے پڑ آ گئے

برداشت کر لیتی ہوں، جو اکی کوئی دوسری بیوی برداشت نہیں کر سکتی۔

خیر بربادعلی کی زوجہ کو میں تعویذ دوں گا۔ پھر ان شوہر اسی طرح رام ہو جائیں گے جس طرح تم نے مجھے رام کر رکھا ہے۔

بس رحم کیجئے۔ آپ نے صغیرا کو تعویذ دیا تھا تعویذ کے بعد ان کے جھگڑے اتنے بڑھے کر اب مقدمہ بازی تک نوبت پہونچی ہوئی ہے۔

میرے تعویذوں کا یہی تو کمال ہے۔ انشاء اللہ ہفتے میں مسز بربادعلی کو نفرت کا تعویذ دوں گا جو قلابازی کھا کر محبت کا اثر کرے گا۔ پھر وہ کھیتوں میں مغل اعظم کے گانے گاتے پھریں گے۔ نقۃ دالسلام۔ میں یہ کہہ کر بیت الخلاء میں گھس گیا۔

بقیہ: سائل ومسائل

اور ہم ممیوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ گولڈنگ لکھتا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں اسمتھ کو منفتہ کی لاش ملی جس کی پٹیاں جب کھولی گئیں تو سب حاضرین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسکے جسم پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی جو کسی اور ممی کے جسم پر نہیں پائی گئی۔ گولڈنگ مزید یہ بات بھی لکھتا ہے کہ یہ فرعون بحیرات مرّہ (BITTER LAKES) میں غرق ہوا تھا جو اس زمانے میں بحر احمر سے ملی ہوئی تھیں۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ جزیرہ نما سینا کے مغربی ساحل پر ایک پہاڑی ہے جسے مقامی لوگ جبل فرعون کہتے ہیں۔ اس پہاڑی کے نیچے ایک غار میں نہایت گرم پانی کا چشمہ ہے جسے لوگ حمام فرعون کہتے ہیں اور سینہ بسینہ منتقل ہونیوالی روایات کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ اسی جگہ فرعون کی لاش ملی تھی۔

میں ان معلومات سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بحیرات مرّہ میں ڈوبنے کے بعد اس کی لاش کے پھول کر سطح سمندر میں تیرنے اور حمام فرعون تک پہنچنے میں کافی وقت لگا ہوگا جسکے دوران میں اسکے گوشت پوست میں سمندری پانی کا نمک جذب ہوگیا ہوگا یہ نمک اسکی لاش کو حنوط کرتے وقت خارج نہیں کیا جاسکتا تھا تین ہزار برس کے دوران میں یہ رفتہ رفتہ اسکے جسم سے خارج ہو کر ایک تہہ کی صورت میں جم گیا اور جب پٹیاں کھولی گئیں تو نمک اس پر جما ہوا پایا گیا۔

بڑے حضرت احمد رضا خاں صاحب کی بازی گری

چلتے چلتے "بڑے حضرت" کی ایک فن کاری بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ عربی زبان میں۔ اَخٌ کے معنی ہیں۔ بھائی یہ لفظ واحد ہے جمع کے لیے عموماً اِخْوَانٌ، اِخْوَۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم نفسیانیت مجدد بدعات محدثات، قرآن کی معنوی تحریفات کے علمبردار، احمد رضا خاں صاحب بریلوی عرف (بڑے حضرت) نے سورۂ شعراء وغیرہ کی آیات میں اَخُوْھُمْ اور اَخَاھُمْ کا ترجمہ "ہم قوم" کیا ہے (یہ آیات ہم پیچھے ایک مقام پر درج کر آئے ہیں) بلاشبہ لفظ "ہم قوم" سے آیات کے مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا لیکن "بھائی" کے لفظ کی جگہ "ہم قوم" کا لفظ فٹ کرنا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ جب انہی خاں صاحب نے سورۂ اعراف کی آیات ۶۵، ۷۳، ۸۵ میں لفظ اَخَاھُمْ کا ترجمہ "برادری" کیا ہے۔ یقیناً لفظ برادری "ہم قوم" ہی کا مرادف ہے لیکن خانہ کا برادر اور دار دو کا بھائی کیا دو مختلف چیزیں ہیں؟ پھر کیوں نہ سیدھا سادھا لفظ بھائی ہی کے ترجمے کے اندر استعمال کر لیا گیا؟ یہ بھلا ہم کیسے کہدیں کہ اتنے بڑے "حضرت" کے دل میں کوئی چور بھی رہا ہوگا۔

قرآن اور یہ علمی خوانچہ فروش

قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ جو شخص ایمان بالغیب رکھتا ہو عملاً قیام صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرتا ہو تمام کتب سماویہ کے منزل من اللہ ہونے اور وقوع آخرت کا یقین رکھتا ہو، وہ متقین میں سے ہے اور ہدایت و فلاح یافتہ جماعت کے افراد میں اس کا شمار ہوگا (سورۂ بقرہ آیات ۲۔۳۔۴۔۵)

گویا اللہ کے نزدیک ہر وہ شخص مومن ہے جو ایمان باللہ وما جاء من عند اللہ کے اعتقاد و عمل کا حامل ہے اگر کوئی بدترین قسم کا دشمن اسلام بھی ایمان و عمل کے مطلوبہ معیار پر پورا اتر جائے تو اس کی زندگی کا تمام کفر و شرک مٹ جائیگا لیکن خدا کی پناہ کہ یہ بے قیمت اور بے وزن قسم کے علمی خوانچہ فروش جن کی نظر فی الحقیقت اسلامی عقائد و اعمال پر نہیں بلکہ شکم اور ہضم، روٹی بوٹی حلوے اور پراٹھے، جیب اور تجوری پر ہے چیختے اور چلاتے پھرتے ہیں کہ فلاں کافر ہے اور فلاں بدعقیدہ اور فلاں وہابی ہے اور فلاں گمراہ اور محض اس بنیاد پر کہ ان میں کا ہر فلاں اور فلاں ان شکم پرستوں کے گھڑے ہوئے خرافی اعمال و عقائد پر ان سے اتفاق نہیں کرتا۔

تفصیلات جاننے کیلئے

اسلام اور کفر کی حقیقت کا مطالعہ کیجئے

ردِّ بدعت پر ایک شاندار تصنیف۔

جسے ارشاد اللہ قاسمی (فاضل دیوبند) نے قلم بند کیا۔ اور مکتبہ تجلّی نے شائع کیا۔ قیمت مجلد ۶/۰۰

محمد اشفاق حسین

تلاوت قرآن کا حقیقی مقصد

قرآن کی عظمت اور اہمیت

قرآن مجید دین اسلام کا اولین ماخذ، علم وحکمت کا اہم ترین سرچشمہ، حصولِ ہدایت، نصیحت، مغفرت اور حصولِ جنت کا سب سے بڑا ذریعہ۔ حق وباطل کی کسوٹی، محکم اور حجت شرعی ہے۔ قرآن کے بغیر اسلام، مسلمان، ایمان، مکارم، اخلاق، ہدایت، صراط مستقیم ۔ دنیاوی امن وسلامتی اور اخروی فلاح وکامیابی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا! مسلمانوں کی فرقہ بندیوں، اختلافات، افراط وتفریط اور انتشار وپراگندگی کا حل اسی قرآن میں موجود ہے۔ قرآن مجید ایک علمی عقلی، اور استدلالی کتاب ہے۔ جو اپنے پیغام، بنیادی عقائد مدد تصورات، احکامات اور تعلیمات کے بارے میں ہر سطح اور درجہ کے ذہن وفکر کے انسان کو مطمئن کر سکتی ہے یہ وہ عظیم ترین کتاب ہے جو مسلمانوں کے گروہ اور فرقہ میں عزیز ہے۔ اس کی عظمت، قدرت اور علمیت میں کسی کو کوئی کلام اور اعتراض نہیں! چنانچہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق وباطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ (البقرہ۔ ۱۸۵)

”اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے اور وہ) ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیئے ہے جو ایمان لاتے ہیں“ (اعراف۔ ۵۲)

”اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی) باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے لیئے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے۔ (النحل۔ ۸۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں رونما ہونے والے فتنوں اور گمراہیوں کا ذکر کیا۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! ان فتنوں سے کس طرح نجات ملے گی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ”کتاب اللہ (قرآن) سے“ (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کی پیروی کرے گا وہ نہ تو دنیا میں بے راہ ہوگا اور نہ آخرت میں اس کے حصے میں محرومی آئے گی پھر انھوں نے یہ آیت فمن اتبع ۔ الخ۔ پڑھی (جس کے معنی یہ ہیں کہ) کہ جو شخص میرے ہدایت نامہ، یعنی قرآن کی پیروی کرے گا وہ نہ تو دنیا میں بھٹکے گا اور نہ آخرت میں، بدبختی سے دوچار ہوگا“ (مشکوٰۃ)

امام ابن تیمیہؒ قرآن کی عظمت اور وقعت کے بارے میں

رقم طراز ہیں۔

"قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے، وہی ذکرِ حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔ اس میں نہ خواہش کچھ پیدا کر سکتی ہے اور نہ زبان شک میں ڈال سکتی ہے۔ بار بار دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوتا اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ علماء کو اس سے کبھی سیری نہیں ہو سکتی جو کوئی اس کے بموجب کہتا ہے، صحیح کہتا ہے جو کوئی اس پر چلتا ہے، اجر پاتا ہے، جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، عدل برتتا ہے، جو کوئی اس طرف بلاتا ہے، صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو کوئی سرکشی سے اسے چھوڑتا ہے۔ خدا اسے ہلاک کر ڈالتا ہے اور جو کوئی اس سے روگردانی کر کے ہدایت چاہتا ہے، خدا اسے گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے۔ (اصول تفسیر)

تدبرِ قرآن سے گریز کا انجام

لیکن قرآن اتنی عظمت، اہمیت اور وقعت کے باوجود ہم مسلمانوں کے ہاتھوں اس پر جو مختلف النوع مظالم ڈھائے اور اس کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں وہ ایک ایسی داستان دل خراش ہے جو مسلمانوں کے فکری و عملی افراط و تفریط، دین و دنیا کی ذلت اور پستی کی زبان حال سے سنی جا سکتی ہے! پہلے تو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو قرآن کو چھوتی تک نہیں۔ وہ قرآن کی ناظرہ تلاوت کے بھی موقف میں نہیں اور جو مسلمان ایصال ثواب کی مجلسوں میں اور خود اپنے اجر و ثواب اور خیر و برکت کے لئے تلاوت کرتے اور خصوصیات کے ساتھ رمضان المبارک میں قرآن کے ختم پر ختم کرتے چلے جاتے ہیں، اس قرآن خوانی پر نہ "مطلوبہ تلاوت" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ نہ اس قرآن خوانی سے وہ چیز حاصل ہو سکتی ہے، جو تلاوت قرآن کے حکم کی اصل غرض اور مقصد ہے اور نہ ایسی بے روح تلاوت کا وہ اجر و ثواب حاصل ہو سکتا ہے، جو قاری قرآن کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ قرآن تو بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان کی اس قرآن خوانی میں اخلاص، محبت اور محنت سبھی کچھ موجود ہے۔ لیکن مقصد حکم مفقود ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں، جس سے اس کا مقصد حقیقی حاصل نہ ہو! مروجہ روایتی انداز کی قرآن خوانی میں جو وقت اور توانائی صرف کی جاتی ہے اگر اس کا دسواں حصہ بھی عقل و فکر کے ساتھ صحیح خطوط پر استعمال میں لایا جائے تو عامۃ المسلمین کے علم و فکر اور عمل کی دنیا کچھ اور ہو جائے گا

قرآن کے بارے میں ایک مغالطہ

عامۃ المسلمین کو قرآنی علم، فہم اور تدبر سے دور رکھنے، تراجم اور تفاسیر کے ذریعہ حصول ہدایت میں سدِ راہ بننے، عوام اور قرآن کے درمیان حائل اور مداخلت بے جا کے مرتکب ہونے میں گمراہ علماء و مشائخ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن بہت مشکل اور پیچیدہ کتاب ہے۔ عوام کو قرآن کا ترجمہ نہیں پڑھنا چاہیئے، جس سے وہ گمراہ ہو جائیں گے قرآن عوام کے پڑھنے اور سمجھنے کی چیز نہیں، یہ تو علماء و خواص کے لئے ہے۔ قرآن کو بغیر استاد کے پڑھنا گویا گمراہی کے گڑھے میں گرنا ہے، ہاں ناظرہ اور بے سوچے سمجھے جتنی چاہے قرآن خوانی کر لو!

درحقیقت یہ علمائے سوء عامۃ المسلمین کو فہم قرآن اور قرآنی علم و ہدایت سے دور، ظلمتوں کی تاریکیوں میں رکھ کر اپنا الّو سیدھا کرنا اور اپنی اندھی تقلید و ذہنی غلامی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا قرآن سے قریب ہونا علمائے سوء کے لئے خطرہ کی بات ہے۔ وہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہیں کہ اگر عوام قرآن کا تھوڑے سے غور و فکر کے ساتھ صرف ترجمہ ہی پڑھنے لگیں تو ان کے دام فریب سے نکل جائیں گے۔ ان کے فکر و عمل کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی اور ان کے نام نہاد عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت اولیاء کے ڈھول کا پول کھل جائیگا ہزاروں عرسوں کا سارا کاروبار ماند اور پیری، مریدی کی دوکان ٹھپ ہو کر رہ جائے گی اور عوام میں ان کی ہوا اکھڑ جائے گی! عوام کا قرآن سے صحیح معنوں میں ربط و تعلق پیدا ہونا، گویا علمائے سوء و مشائخ کے بڑے بڑے لوندوں اور ان کی جھوٹی عظمت، عزت اور وقعت اور ان کے خود ساختہ فکر و عمل پر گویا لات پڑنا ہے۔ اسی لئے وہ عوام کو قرآن سے اور قرآن کو عوام سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ملک بھر میں ہزاروں چھوٹے بڑے اعراس ہوتے ہیں کئی کئی روز تک عرس کے پروگرام

بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں۔ جن میں بیسیوں مراسم ادا کیے جاتے ہیں رات رات بھر قوالی ہوتی ہے۔ لیکن قرآن کو پڑھنے اور سمجھانے کے لیے چند منٹوں کا بھی پروگرام نہیں ہوتا۔ !

قرآن آسان ہے

قرآن ایک علم، ہدایت اور نصیحت کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:۔

"تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے۔ اس میں تمہارا ذکر ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟" (انبیاء ۱۰)

یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جو علیم اور حکیم ہے۔ اور جو انسانی جبلت اور فطرت کا نہ صرف جاننے والا بلکہ خود بنانے والا ہے۔ انسان کی ہدایت کے لیے ایک ایسی کتاب بھیجے جو مشکل اور پیچیدہ ہو اور جس سے علم اور ہدایت کا حاصل کرنا آسان نہیں بلکہ دشوار اور ناممکن ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک عام فہم کتاب ہے جس سے علم اور ہدایت کا حاصل کرنا انسان کے لیے آسان ہے، اس میں شک نہیں کہ قرآن میں بعض ایسے مقامات ضرور ہیں جو مشکل اور دشوار ہیں۔ لیکن پہلے تو ان کی تعداد بہت کم اور برائے نام ہے دوسرے یہ کہ ان کا اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات اور اساسی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان آیتوں میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن پر ہدایت و ضلالت اور گرفت و نجات کا مدار ہے۔ !

قرآن مجید میں اسلام کے تمام اہم اور بنیادی عقائد، احکام اور تعلیمات۔ جیسے۔ توحید، رسالت، اور آخرت، کفر و شرک و نفاق کی حقیقت، مومن اور مشرک، اہل جنت اور اہل دوزخ کا فرق، مسلمانوں کے فرائض اور ذمہ داریاں، نزول قرآن، اور بعثت انبیاء کے اغراض و مقاصد اور ان کی بنیادی دعوت و پیغام مختلف عبادتوں کی غرض و غایت، ان کے اثرات اور فضائل مومنین اور مجرمین کا فرق اور ان کے صفات اور خصوصیات، گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے احوال و کوائف، ان پر ثواب و عذاب کے اسباب، وعظ و تذکیر، تقویٰ و تزکیہ نفس کے طریقے، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی یاد دہانی کی باتیں، قیامت اور میدان حشر کے ہولناک و لرزہ خیز واقعات، آسان اور دلنشیں اور اثرانگیز انداز میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا انسان بھی پڑھ کر بخوبی سمجھ سکتا ہے اور علم، ہدایت اور نصیحت حاصل کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی فاضل دیوبند وصدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وضاحت فرماتے ہیں۔

"قرآن کے سہل ہونے کے معنی یہی ہے کہ اس کی تعلیمات آسان ہیں وہ جن حقائق کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے وہ فلسفہ کے مسائل و مباحث کی طرح پیچیدہ نہیں بلکہ ہر ایک بہ واضح تعبیر ان پر عمل کرنا بھی دشوار نہیں کیونکہ قرآن کی راہ اصل فطرت کی راہ ہے اور اس کی دعوت وہی ہے جس کی طرف ہر انسان کی فطرت سلیمہ دعوت دیتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو، والدین اور اعزا و اقربا کے ساتھ احسان و کرم کا معاملہ کرو، شراب نہ پیو، زنا سے بچو، وعدہ پورا کرو، بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ۔ یہ وہ احکام ہیں جن کو ایک عربی داں جس طرح سمجھ سکتا ہے، ایک غیر عربی داں بھی اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے۔" (فہم قرآن۔ ۱۷)

اللہ کے فضل سے قرآن پر اردو، ہندی، انگریزی وغیرہ زبانوں میں اتنا کام ہو چکا ہے کہ معمولی صلاحیت اور قابلیت کا انسان جو ان زبانوں سے واقف ہے، تھوڑی سی کوشش اور توجہ سے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کرسکتا ہے۔ !

خود قرآن کی شہادت

قرآنی تعلیمات، ہدایت، احکامات، اور مسائل عقل اور فطرت کے عین مطابق ہیں اس سے مافوق اور بالاتر نہیں قرآن میں جگہ جگہ اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ قرآن آسان ہے۔ عام فہم اور سیدھے سادے انداز میں اتارا گیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور لاگ لپیٹ نہیں، چنانچہ سورہ بقرہ میں نکاح، طلاق، اور وصیت وغیرہ کے قوانین بتلانے کے بعد جو کہ عموماً مشکل سمجھے جاتے ہیں، فرمایا جا رہا ہے۔

"اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہیں صاف صاف بتاتا ہے"

اس سلسلہ کی مزید آیات ملاحظہ ہوں:۔

"ہم نے کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی

...بیں اتاری ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے ذریعے سیدھا سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (النور)

یہی وجہ ہے کہ بہت سے کفار اور مشرکین عرب دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں قرآن کی آیتیں سن سن کر متاثر ہوئے اور فوری اسلام لے آئے نہ ان کے سامنے قرآنی آیات کی کسی معلم اور مرشد نے تشریح و توضیح فرمائی تھی اور نہ ہی ان کے نام نہاد باطنی اسرار و رموز سمجھائے گئے تھے۔ کفار اور مشرکین جو اُمّی، جاہل اور اجڈ تھے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے کھلے اور چھپے قرآن کی اثر انگیز تلاوت سنتے تو جھوم جھوم جاتے۔ ان کی آنکھیں قرآن کی تعلیمات، اندازِ بیان، اور پُر اثر علمی، عقلی اور استدلالی حقائق اور تصورات سے اشکبار ہو جاتیں اور پتھر جیسے سخت دل بھی موم ہو جاتے۔ قرآن آسان اور عام فہم ہونے کے سلسلے میں چند مزید آیات ملاحظہ ہوں۔ سورۂ کہف میں ہے۔

" سب تعریف خدا ہی کو ہے۔ جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی بھی اور ٹیڑھ نہ رکھی " (کہف۔ ۱)

" اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا۔ تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے ؟ " (قمر۔ ۱۷)

غرض کہ ان متعدد آیات سے یہ بات قطعی غلط قرار پائی ہے کہ قرآن مشکل اور پیچیدہ کتاب ہے۔ ہم قرآنی علوم و معارف کے لئے کسی استاد و معلم کی ضرورت اور اہمیت کے بھی منکر نہیں۔ لیکن بات میں مبالغہ آرائی نہ ہونی چاہئے کہ قرآن پڑھنے سے عوام گمراہ ہو جاتے ہیں! اور پھر استاد کی ضرورت اتنی لازمی اور ضروری بھی نہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی معلم سے ربط و تعلق نہ پیدا کر سکے تو اسے از خود قرآن سمجھنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے اس سلسلہ میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

" اللہ اور رسول کے کلام کو اصل رکھیے اور اسی کو سند پکڑیئے۔ اور جو قصہ بزرگوں کا یا کلام مولویوں کا جو موافق ہو سو قبول کیجئے اور جو موافق نہ ہو ان کی سند نہ پکڑے اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام بہت مشکل ہے اس کو سمجھنے کے لیے بڑا عالم چاہئے۔ ہم میں اتنی صلاحیت کہاں کہ خدا اور رسول کا کلام سمجھیں سو یہ بات بہت غلط ہے۔ (تقویت الایمان)

غرض کہ قرآن پڑھنے سے عوام الناس گمراہ نہیں ہوتے بلکہ انہیں قرآن کا علم، ہدایت اور نصیحت کی بیش بہا دولت کا علم و احساس اور شعور حاصل ہوتا ہے اور دل و دماغ پر اس کے ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ غفلت کے پردے ہٹتے ہیں اور انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ !

تدبر کے بغیر تلاوت کی مذمت

فکر و تدبر کے بغیر محض ناظرہ

روایتی اور رسمی تلاوت کی قرآن اور حدیث میں کافی مذمت اور مخالفت کی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی احادیث ہیں۔

" ایک مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کس طرح ختم ہو جائے گا، جبکہ ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ بھی تو " توراۃ اور انجیل " پڑھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود دونوں کتب آسمانی کے اندر جو کچھ تعلیمات ہیں اس سے بے خبر رہتے ہیں " (مشکوٰۃ)

توراۃ اور انجیل عبرانی زبان میں تھیں اور اس زبان کو جاننے والے اہلِ کتاب کے صرف علماء و مشائخ تھے اور عوام ان کتابوں کو اس طرح بے سمجھے ناظرہ پڑھا کرتے تھے جیسے عامۃ المسلمین۔ ناظرہ قرآن خوانی کرتے ہیں، یا جیسے اہلِ ہنود کی مذہبی کتابیں سنسکرت زبان میں ہے جسے برہمن ہی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں اور عام ہندو اپنے مذہبی کتابوں کو نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں بلکہ صرف برکتاً برہمنوں سے پڑھوا کر سن لیتے ہیں۔ جو گمراہیاں اور مذہبی کتابوں سے دوریاں غیر اقوام میں موجود ہیں۔ یہی فتنے آج بڑی سرعت سے مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں۔ بلکہ پھیل گئے ہیں۔ !

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ اس امت میں جو لوگ پیدا ہوں گے ان کی نماز کے سامنے تم اپنی نماز کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا یعنی وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ اس کے علم و ہدایت کو اخذ اور حاصل

وہ (قرآن) پڑھیں گے مگر وہ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔

"عنقریب ایک ایسا زمانہ لوگوں پر آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن کا صرف اسم (یعنی اس کی تلاوت بلا سمجھے بوجھے) اور رسماً یا کی جائے گی، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہدایت اور (حقیقی معنوں میں) یاد الٰہی سے خالی ہوں گی"۔ (بیہقی)

مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث کے مطابق، آخر زمانے میں لوگ قرآن کی تجوید میں مبالغہ آرائی سے کام لیں گے، وہ خوش الحانی اور الفاظ کے نوک و پلک اور بناؤ سنوار کا بہت زیادہ اہتمام کریں گے، لیکن انہیں قرآنی علم و عرفان اور ہدایت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ ایک اور حدیث میں ایسے مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جو اگرچہ کہ قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھیں گے لیکن اس میں غور و فکر کی وجہ سے ان کا عقیدہ و عمل کتاب اللہ کے مطابق ہوگا!

غرض کہ قرآن حکیم کا محض رسماً اور ناظرہ پڑھ لینا، اجنبی اور نامانوس الفاظ اور اوراق پر سے نظروں کا گزار دینا اور دل و دماغ کو کام میں لائے بغیر صرف ہونٹوں کو حرکت دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ ایسی غذا کا کھانا جس سے نہ خون بنتا ہو اور نہ جس کے استعمال سے جسم کو حرارت قوت اور توانائی حاصل ہوتی ہو۔

سفر، منزل اور ٹھکانے پر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو موٹر میں گھومتا اور سفر کرتا ہی رہے لیکن منزلِ مقصود تک نہ پہنچ پائے۔ بالکل یہی حال ناظرہ تلاوت کرنے والوں کا ہے۔ جو تلاوت کے حکم پر عمل تو کر رہے ہیں لیکن انھیں اس کا مقصد اور روح حاصل نہیں۔ !

قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نہ صرف قرآن میں بلکہ آثار کائنات کا — یہ دقت پر سورج اور چاند کے طلوع و غروب ہونے اور اپنے اپنے مقررہ راستوں پر سفر طے کرنے، یہ بلند اور بے کراں آسمان، سمندروں، دریاؤں اور پہاڑوں اور ان کے اندر کی مخلوقات اور مختلف اقسام کے بدلتے موسموں، خود انسان کی اپنی ساخت وغیرہ پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے ظاہر ہے کہ قرآن جو ایک علمی کتاب ہے غور و فکر کی سب سے زیادہ متقاضی ہے۔ !

قرآن مجید کی بار بار اور بہ کثرت تلاوت کا حکم اس لئے دیا گیا اور ہر لفظ پر دس نیکیوں کے اجر و ثواب کا مژدہ اس لئے سنایا گیا کہ مسلمان قرآن کا بہ کثرت مطالعہ کریں۔ جس حدیث میں قرآن کے ہر لفظ پر دس نیکیوں کے اجر و ثواب کی بشارت دی گئی اس کے مخاطب وہ حضرات تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ جو قرآن کو پڑھ کر اور سن کر بخوبی سمجھ سکتے اور اس سے علم اور ہدایت حاصل کر سکتے تھے حضورؐ کے بعض ارشادات ایسے ہیں جن کا مفہوم اور مدعا، زمان و مکان، احوال اور افراد کی رعایت کے ساتھ مخصوص اور محدود ہے ایسے ارشادات کو بہ طور اصول اور کلیّہ کے ہر دور اور ہر قوم کے افراد پر چسپاں کرنا اور ارشاد نبویؐ کے منشا اور مقصود سے صرف نظر کر لینا کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا۔ !

تلاوت کی روح اور اصل مقصد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اہل علم ہی خدا سے ڈرتے ہیں" (فاطر۔ ۲۸)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں تم میں سب سے زیادہ عالم باللہ ہوں اور سب سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہوں"
(بخاری)

قرآن دینی اور اخروی علم کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے اور یہ علم صرف قرآن کے شعوری مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے

نزول قرآن کا اولین اور اہم ترین مقصد انسان کے علم، فکر، عقائد، اعمال اور اس کی ساری زندگی کی اصلاح کرنا ہے کسی بات پر انسان اسی وقت عمل کر سکتا ہے جب کہ وہ اس کے علم و احساس میں آئے اور دل میں اتر جائے۔ قرآن کی تلاوت کے یہی دو مقاصد ہو سکتے ہیں۔ جس کے بعد انسان عمل پر مجبور اور آمادہ ہوگا۔ نہ صرف قرآن ایک نری علمی اور معلوماتی کتاب ہے بلکہ وہ انسان کے دل و دماغ اور اس کے جذبات اور احساسات کو جھنجھوڑتی اور جگاتی ہے قرآن اسی لئے نازل ہوا کہ انسان اسے پڑھے، سمجھے۔ اس کی آیات اس کے پیش کردہ علم، نظریۂ حیات، اور نظام زندگی پر غور و تدبر کرے

اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نازل کیا گیا اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اسے بار بار غور و فکر سے پڑھنے، سمجھنے اور اسے دل و دماغ میں اتارنے کی تاکید کی گئی اور اس سلسلہ میں ترغیب و تحریص پیدا کی گئی اس کے فضائل و برکات بیان کئے گئے اور اس کے اجر و ثواب کا مژدہ سنایا گیا کہ ایک شخص جس قدر غور و فکر کے ساتھ قرآن کا جتنا زیادہ مطالعہ کرے گا اس لحاظ سے اس کے علم و معارف کو اپنے دل و دماغ میں جذب کر کے اپنے اعضاء و جوارح سے عمل کر سکے گا۔

دنیا میں جو کتابیں لکھی اور چھاپی جاتی ہیں ان کا مقصد کسی علمی و فکری موضوع پر انسانی معلومات میں اضافہ کرنا اس کے دماغی فکری اور عملی قوتوں کو ایک خاص سمت پر موڑنا ہوتا ہے، مثلاً سوشلزم اور کمیونزم یا مغربی تہذیب و تمدن کے موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے انسان کی فکر کا ایک خاص انداز بنتا اور اس کی عملی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور جتنی زیادہ مرتبہ وہ غور و فکر کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کرے گا، ان کا مقصد، پیغام اور مدعا اچھی طرح ذہن نشین ہوگا، وہ نہ صرف اس کے مطابق عمل کر سکیگا بلکہ دوسروں کو بھی سمجھانے، ترغیب دینے، ہمنوا بنانے اور اس سلسلہ میں کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے قابل ہوگا اور یہی حال قرآن مجید کا ہے قرآن مجید کا جو جتنا زیادہ شعوری اور عمیق مطالعہ کرے گا وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فیض خود بھی حاصل کر سکے گا اور دوسروں کو بھی اس کی برکتوں سے مالا مال کرے گا۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کتاب کے مضامین مشکل ہوں اور سمجھ میں نہ آ سکیں تو کسی قابل شخص سے وہ کتاب پڑھی اور اس کے اور اس کے مشکل مقامات سمجھے جاتے ہیں۔ اجنبی و نامانوس زبان میں ہونے کی صورت میں یا تو وہ زبان سیکھی جاتی ہے یا اس کا ترجمہ پڑھا جاتا ہے۔ یا ایسے شخص سے اس کے مضامین اور مندرجات سمجھے جاتے ہیں جو اس کی زبان سے واقف ہو، لیکن قرآن ہی وہ واحد مظلوم کتاب ہے جو ان عقلی فطری اور ناانصافی پر مبنی باتوں اور اپنے جائز حقوق سے محروم ہے حالانکہ قرآن ہی دنیا کی وہ واحد علمی، عقلی اور فکری کتاب ہے جو بار بار غور و تدبر سے پڑھنے اور سمجھنے کی متقاضی ہے۔ اب ہم یہاں وہ آیات، احادیث اور آثار صحابہ پیش کرتے ہیں جن میں قرآن کو غور و تدبر سے پڑھنے کی ہدایت اور تاکید کی گئی اور اس کے فضائل و برکات بیان کئے گئے ہیں۔

آیات قرآنی

سورۂ یوسف میں ارشاد الٰہی ہے۔

"ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم عقل سے اسے سمجھو۔ (آیت ۲)۔

یعنی نزول قرآن اور اس کی تلاوت کا اولین مقصد اس کا سمجھنا ہے اور انسان اسی بات پر عمل کر سکتا ہے جو اس کے علم میں ہو اور وہ سمجھ میں آئے اور کسی بات کو انسان اپنی مادری زبان اور اس زبان میں سمجھ سکتا ہے جس سے وہ واقف ہو!

سورہ نساء میں ہے۔

"کیا تم قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے؟ (آیت ۸۲)

سورہ ص میں ہے۔

"ہم نے قرآن کو اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور اہل فہم اس سے نصیحت حاصل کریں" (آیت ۲۹)

یہ غور و فکر اور قرآن سے علم و نصیحت کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم اسے اپنی زبان میں بھی پڑھیں، سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔!

سورہ بقرہ میں ارشاد الٰہی ہے۔

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے رہیں جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے۔ (آیت ۱۲۱)

سورۂ زمر میں ہے۔

"جو لوگ اللہ کی باتوں کو غور سے سنتے اور ان اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت بخشی، ہے اور یہی لوگ ہیں جو صاحب عقل ہیں" (آیت ۱۸)۔

"جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر (یعنی قرآن کی قرأت تلاوت) سے متاثر نہیں ہوتے سو ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں" (آیت ۲۲)

انسان کسی کتاب کے مضامین سے اسی وقت متاثر

ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ اسے سمجھ سکے، جو بات سمجھ میں نہ آئے اس سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا!

سورۂ ق میں ارشاد الٰہی ہے۔

"در حقیقت اس میں نصیحت ہے، ہر اس شخص کے لئے جو دل سے متوجہ اور ہمہ تن گوش ہو"

سورۂ زمر میں ہے۔

"اللہ نے بہت عمدہ کلام نازل فرمایا۔ جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور خنفی) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف، متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے" (آیت ۲۳)

"ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالےٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ (آیتیں) انکے ایمان اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں" (انفعال۔ ۲)

لیکن کیا آج جو ناظرہ رسمی اور روایتی انداز کی قرآن خوانی جاری ہے اس سے مذکورہ اغراض و مقاصد، اثرات و نتائج اور فضائل و برکات کا حصول ممکن ہے؟ یہاں تو عالم یہ ہے۔ کہ قرآن کے ختم پر ختم ہوتے ہیں، لیکن قلب تک سے مس نہیں ہوتا ایسی تلاوت جس سے انسان کے علم، فکر اور نفس پر کوئی اثر نہ ہو، وہ مطلوبہ تلاوت نہیں ہو سکتی۔!

احادیث اور آثار صحابہ

ارشاد نبوی ہے۔

"شب وروز قرآن کی تلاوت کرو، جیسا کہ تلاوت کا حق ہے" (بیہقی)

قرآن کا معنی و مفہوم کے ساتھ غور و فکر سے مطالعہ کرنا گویا اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے!

حضرت مولانا منظور نعمانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں بلکہ انھیں چاہیئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں، رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کیا کریں۔ اس کی مدد سے اس کے پیغام ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں اس کو مزہ لے لے کر پڑھیں اس کے احکام، اس کی ہدایت، اس کے قصص اور نصائح پر غور و فکر کیا کریں اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری امید ہے

(معارف الحدیث، جلد ۵ ص ۱۸۱)

ایک اور ارشاد نبوی ہے۔

"جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے، ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اس پر غور و فکر کرنا تاکہ تم کامیاب ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث ہے:

"سن لو! اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہیں اور نہ اس قرآن خوانی سے کوئی بھلائی ہے جس میں تدبر نہیں" (بحوالہ کلام نبوت ص ۱۳۶)

مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے کم مدت میں ختم قرآن سے منع فرمایا۔ اس لئے کہ تیزی سے تلاوت فکر و تدبر کا موقع نہیں دیتی۔ اور قرآن میں تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کا حکم موجود ہی ہے۔!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کے بعد جو دعا پڑھا کرتے تھے وہ بھی اس سلسلہ میں فکر انگیز اور قابل غور ہے

"اے اللہ! میری زبان تیری کتاب سے جو کچھ پڑھے مجھے توفیق دے کہ میں اس میں غور و فکر کروں۔ اے اللہ! تو مجھے اس کی سمجھ دے، مجھے اس کے مفہوم و معانی کی معرفت عطا فرما۔ اور اس کے عجائبات کو پانے کی نظر عطا کر اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے تو توفیق دے کہ میں اس پر عمل کرتا رہوں۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔!" (ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں "القارعہ" اور "القدر" جیسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ "البقرہ" اور "آل عمران" جیسی بڑی سورتیں فر فر پڑھ جاؤ اور کچھ نہ سمجھو" (بحوالہ فضائل القرآن)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں:

"تم تین مواقع پر اپنے قلب کا جائزہ لو۔ قرآن سننے کے وقت۔ ذکر کی مجلسوں میں اور تنہائی کے اوقات میں اگر ان

تینوں موقعوں پر اپنے پہلو میں دل نہ پاؤ تو اللہ سے درخواست کرو کہ وہ تمہیں دل مرحمت فرما دے اس لئے کہ تمہارے پاس دل نہیں ہے۔" (بحوالہ زاد راہ)

علماء حق کی تصریحات

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ارشاد فرماتے

قرآن پڑھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس سے خوف خدا پیدا ہو آدمی نصیحت پکڑے اور اس کے دلائل قصوں اور مثالوں سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ کے وعدوں کا امیدوار بنے۔

(غنیۃ الطالبین)

حضرت امام غزالیؒ وضاحت فرماتے ہیں۔

" اپنے آپ کو قرآن کے ختموں کی گنتی پر فریفتہ نہ کرو بلکہ ایک آیت کا سوچ کر پڑھنا ساری رات میں دو ختم کرنے سے بہتر ہے۔ (بحوالہ مقدمۃ القرآن)

امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں۔

" اور بات عقل میں کیسے آسکتی ہے۔ جب تک سمجھی نہ جائے پھر معلوم ہے کہ ہر گفتگو اسی لیے ہوتی ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں نہ کہ محض الفاظ سن لیے جائیں اور قرآن کا مطالعہ تو بدرجہ اولیٰ فہم و تدبر کا متقاضی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کسی فن کی کتاب پڑھیں، مثلاً طب کی یا حساب کی اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جب تمام کتابوں کا یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ہو جاتا ہے! وہ کتاب جو مسلمانوں کے لیے اصلی بچاؤ ہے، جس میں ان کی نجات و سعادت ہے جس سے ان کے دین و دنیا کا قیام ہے۔ (اصول تفسیر)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں۔

قرآن مجید کے نزول کا اصلی مقصد انسانوں کی تہذیب تربیت اور ان کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی اصلاح ہے

(الفوز الکبیر)

جس تلاوت سے یہ اغراض و مقاصد اور فوائد حاصل نہ ہوں ظاہر ہے کہ وہ سطحی، لغو اور فضول ہی ہوگی۔ بے سمجھے تلاوت ایسا ڈھانچہ ہے جس میں روح نہ ہو۔!

" مدیر "الحسنات"، مولانا عبدالحئی نے بھی اس سلسلہ میں [illegible] بات فرمائی ہے۔

" تلاوت کے متعلق یہ جان لینا چاہیئے کہ اگر قرآن کے الفاظ منہ سے نکلتے رہیں لیکن ان الفاظ کا کوئی اثر دل پر نہ ہو تو ایسی تلاوت سے کفر کے قانون سے مقابلہ کے لیے طاقت تو کیا پیدا ہوگی، اس سے تو اتنا سہارا بھی نہ ملے گا کہ آدمی خود ایمان پر قائم رہ سکے۔ بات یہی ہے کہ اگر قرآن کی تلاوت کے بعد آدمی کا ذہن نہ بدلے اس کے سوچنے کے انداز میں تبدیلی نہ پیدا ہو اور اس کے اخلاق و کردار میں آپ کوئی فرق محسوس نہ کریں، بلکہ قرآن پڑھ کر بھی آدمی وہ سب کچھ کرتا رہے جس سے قرآن منع کرتا ہے، اور ان راہوں پر قدم نہ بڑھائے جن پر چلنے کے لیے قرآن دعوت دیتا ہے تو ایسی تلاوت مومن کی تلاوت نہیں ہے اور نہ قرآن ایسی تلاوت کا حکم دے رہا ہے۔ قرآن کوئی منتر یا ٹوٹکے کی چیز نہیں ہے کہ ادھر آپ زبان سے الفاظ نکالیں اور ادھر ان کا اثر پڑنے لگے۔

(سالنامہ الحسنات ۱۹۷۳ء)

ایک اور بزرگ نے شعوری تلاوت کے بارے میں بہت خوب وضاحت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں۔

تلاوت قرآن یا قرارت زبان سے زیادہ دماغ کا اور پھر دماغ سے زیادہ قلب کا فعل ہے۔ اسی لیے نماز خشوع و حضور قلبی سے پڑھنے کا حکم ہے۔ الفاظ سے زیادہ معنی کی قرارت ہونی چاہیئے۔ زبان سے تو قرارت ہو رہی ہو لیکن قلب و دماغ سراپا گوش، ہوش بنے۔ ان کے معنوں اور تقاضوں کو سن رہے ہوں گے، دل میں ان پر عمل کا جذبہ ہو۔ احکام الٰہی تازہ ہوں۔ احکام اور مرضیات الٰہی کی مکمل اور مخلصانہ پیروی کے عہد کی تجدید ہے۔" (اصلاح معاشرہ)

چند مزید قابل غور باتیں

مروجہ بے شعور قرآن کے بارے میں

چند مزید غور طلب امور یہ ہیں کہ ہر کتاب کا مطالعہ اس کے مضامین سے واقف ہونے اور اس کے پیش کردہ علم کے حصول کیلئے کیا جاتا ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے معلوم کریں ایک انسان جب کوئی نئی کتاب شروع سے آخر تک پڑھ کر ختم کرتا ہے

قرآن سے علم میں چند مزید نئی باتوں کا اضافہ ہوتا ہے وہ ان باتوں سے واقف ہو جاتا ہے، جن وہ کتاب کے مطالعہ سے قبل ناواقف تھا۔ لیکن مسلمان کی اہم ترین اور عزیز ترین کتاب "القرآن الحکیم" ایک دو نہیں، بیسیوں بار ختم کرتے ہیں لیکن اس کے حقیقی فیوض و برکات، اس کے چشمہ علوم و معارف سے پھر بھی محروم ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ مطالعہ جہالت کو دور اور علم میں اضافہ کرتا ہے! صرف انجانے اور اجنبی الفاظ پر سے نظروں کا گزار دینا۔ حق تلاوت کو پورا نہیں کر سکتا۔ آج مسلمان قرآن خوان تو ہیں لیکن قرآن داں نہیں۔ حالانکہ قرآن خوانی کے لازمی اور فطری نتیجہ کے طور پر انھیں قرآں داں ہو نا چاہیے۔ اور پھر قرآن دانی مطلوب ہے نہ کہ مجرد قرآن خوانی سو مرتبہ ناظرہ تلاوت سے قرآن کا ایک حکم، ایک علمی نکتہ معلوم نہیں ہو سکتا اور نہ قلب پر رتی برابر بھی کوئی اثر مرتب ہو سکتا ہے برخلاف اس کے اگر ایک بار قرآن کا ترجمہ غور و فکر سے پڑھا جائے تو کم از کم سو قرآنی باتوں کا علم حاصل ہو سکتا اور دل کی دنیا میں ایک عظیم اسلامی انقلاب رونما ہو سکتا ہے!

ترجمہ کی ایک جھلک کا کرشمہ

ایک صاحب کا ــ برسوں سے یہ معمول تھا کہ وہ رمضان المبارک میں تین چار بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ لیکن وہی ناظرہ اور بے شعوری تلاوت۔ اور فقیر کو بڑی سختی سے جھڑک دیتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے سائل کو بڑی نرمی سے ٹال دیا اور خود ہی کہنے لگے کہ آج مجھے سورۂ ماعون کا ـــــ یوں ہی غیر ارادی طور پر ترجمہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اب تک میں اس بات سے واقف نہ تھا کہ سائل کو جھڑکنا اور سختی سے انکار کرنا بھی کوئی گناہ ہے اور ترجمہ پڑھنے کے بعد اسکے علم کا احساس ہوا، جس کے نتیجہ کے طور پر اب میں سائل سے نرمی کے ساتھ معذرت چاہتا ہوں۔! یہ ہے قرآن کے ترجمہ کی ایک ہلکی سی جھلک کا ادنیٰ سا کرشمہ۔ جس سے ایک بات کا علم ہوا، اور اس پر عمل کا موقعہ اور توفیق حاصل ہوئی۔ غور کیا جائے کہ اگر پورا قرآن، مستند ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا جائے تو کیا عالم ہوگا۔؟

تلاوت کا ثواب

میری ان گزارشات ـ کا مطلب یہ نہیں کہ ناظرہ تلاوت کا سرے سے کوئی اجر و ثواب ہی نہیں ملتا۔ بلکہ ہمارے یہاں مطلوب یہ معیاری اور شعوری تلاوت کی ضرورت اور اہمیت کی وضاحت کی ہے۔ لیکن اس سے تلاوت کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے جس سے قاری کے علم، احساس اور عمل میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن "الفاظ" اور "معانی" دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ وہ حضرات جو قرآن کے معنی و مفہوم عربی میں نہیں سمجھ سکتے، بلکہ اپنی زبان میں کسی نہ کسی ذریعہ اور طریقے سے اس کا علم و فہم حاصل کرتے اور اس کے فکری و عملی تقاضوں پر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے حضرات کا نہ صرف ناظرہ تلاوت کرنا بلکہ قرآن پر صرف عقیدت اور محبت کی نظر ڈالنا بھی باعث اجر و ثواب ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا منظور نعمانی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

" اس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی و مفہوم سمجھ کر ہی ہو، کیونکہ " الٓمٓ "، اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنیٰ و مفہوم سمجھے بغیر کی جاتی ہے۔ اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ (واللہ اعلم)

(معارف الحدیث جلد ۵، ص ۸۳)

ایک حدیث ہے۔

قرآن کا ماہر، قرآن کے لکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث کی شرح میں مولانا مودودی رقم طراز ہیں۔

"...... بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ محض قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ۔ اگر آدمی اس کو سمجھ کر نہ پڑھے۔ لیکن یہ خیال کرنا درست نہیں قرآن مجید کے محض پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ ایک ایسا آدمی ہے جو بے چارہ بہت ہی دیہاتی قسم کا ہے اس کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں کھلی ہے وہ بڑی مشکل سے اٹک اٹک کر قرآن مجید پڑھ رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے دوہرا اجر ہے، ایک اجر قرآن پڑھنے کا اور دوسرا قرآن مجید پڑھنے کے لیے محنت

کرنے کا۔ (فضائل القرآن، ص ۱۶)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی مزید لکھتے ہیں کہ قرآن مجید اجنبی زبان میں ہونے کے باوجود ایک انسان اٹکتے ہوئے، اس کی تلاوت محض اس لئے کرتا ہے کہ اسے اس کے ساتھ غیر معمولی عقیدت، محبت اور جذباتی لگاؤ ہے۔ یہ محض کلام الٰہی کا اعجاز، تاثیر اور کشش ہے ورنہ کوئی انسان کسی ایسی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتا جسے وہ سمجھ نہ سکتا ہو۔

آخر وہ وضاحت کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں نہ لینا چاہیئے کہ ایسے آدمی کو قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے — یہ کوشش تو اسے لازماً کرنی چاہیئے۔ لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو اس کا پڑھنا فضول اور بے فائدہ ہے تو یہ بات غلط ہے۔ یقیناً قرآن مجید بے سمجھے پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔ (فضائل القرآن)

بقیہ:۔ مولانا سید اختر حسین میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کسب فیض کیا جو ملک اور بیرون ملک دینی خدمات معروف ہیں ان میں بہت سے وہ مشاہیر ارباب فضل و کمال بھی ہیں جنکا علمی دنیا میں نمایاں مقام ہے۔ اور یہ سب حضرات کے لئے رفع درجات کا سبب بن رہے ہیں۔ انشاء اللہ ان حضرات کے ذریعہ آپکا علمی فیض آج بھی جاری ہے آپکے وجود ظاہری کے سامنے سے ہٹ جانے سے آپکا روحانی اور معنوی فیض منقطع نہیں ہوا ہے اور یہی چیز پسماندگان کے لئے وجہ تسکین ہے۔ تقریباً تیرہ، چودہ ماہ سے آپ شدید بیمار تھے، اتنی طویل بیماری کے دور میں جو تکلیف آپ نے اٹھائی یقین ہے وہ بھی آپ کے لئے اضافہ حسنات ہی بنی ہوگی، انشاء اللہ۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جبکہ آپکی عمر ۸۱ برس کا طویل فاصلہ طے کر رہی تھی آپنے وفات پائی۔ سننے والوں نے اس خبر کو حسرت و غم کیساتھ سنا اور حکم ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کر دیئے گئے۔ متعلقین و متوسلین کے ایک جم غفیر نے آپکو آپکے آبائی قبرستان میں حضرت میاں جی منے شاہ کے پائنتی آسودۂ رحمت کیا رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ آپکی وفات سے ایک دور اور ایک تاریخ کا خاتمہ ہو گیا دینی اور علمی حلقوں میں بہت دیر محسوس کیا جائیگا ایک خلا پیدا ہو گیا وضعداری اور علمی وقار کی ایک تصویر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی دینی اور علمی

نسبت ... بہت ... ہے نہیں ہے اور افسانہ ہوگیا بلا شبہ علامہ ... نے اور ... سے کوئی حل نہیں پھر تازمانے کی گردش میں کوئی فرق نہیں آتا کوئی کام کسی کے بغیر نہیں رکتا مگر سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ جانیوالوں کی اس بھیڑ میں بعض لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ انکے ساتھ ایک "دنیا" رخصت ہو جاتی ہے، مولانا مرحوم کے ساتھ بھی بہت سی خصوصیات زیر زمین چلی گئی ہیں اب ان خصوصیات کو نگاہیں ترسینگی۔ ان سطور کو ختم کرتے ہوئے آپکی وفات کیوقت پیش آنیوالے دو واقعات کا ذکر بہت مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے آپکی عند اللہ مقبولیت کا بھی اندازہ ہوگا اور خاتمہ بالایمان کی بشارت بھی اسکو کہہ سکیں گے۔ ہر دو واقعات کے راوی آپکے قریبی عزیز ہیں جو اور معتبر ہیں اور جن کی روایت پر بلا تکلف اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انتقال سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے آپکے ایک عزیز تیمار دار جو آپکے پاس موجود تھے انھوں نے اچانک تیز قسم کی خوشبو کا احساس کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں یہ میرا وہم نہ ہو گھر کے دوسرے افراد کو اس طرف متوجہ کیا اس پر گھر کے متعدد افراد نے بھی اس کی شہادت دی کہ یہ کوئی وہم نہیں ہے بلکہ واقعی نہایت خوشگوار قسم کی پر اسرار خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی ہے کچھ دیر تک خوشبو محسوس کی جاتی رہی جبکہ وہاں آس پاس کسی قسم کی کوئی خوشبو موجود نہیں تھی اسکی توجیہ سوائے اسکے کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ملائکۃ الرحمت کی آمد تھی جو ایک مومن صالح کے استقبال اور اسکے اعزاز و اکرام کے طور پر وہ جلو میں خوشبوؤں کیساتھ ہوئی تھی

دوسری روایت یہ ہے کہ جب آپکا انتقال ہو چکا اور تمام آس پاس موجود افراد کو یقین ہو گیا کہ روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے تو دیکھا گیا کہ انتقال کے بعد تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک آپکی زبان کلمہ کیلئے اسی طرح حرکت کر رہی تھی جسطرح کلمہ کی تلقین کے وقت متحرک تھی اس واقعہ کو بھی کئی اصحاب نے دیکھا اور اچھی طرح دیکھا یہ واقعات ظاہر بینوں کیلئے ممکن ہے تعجب خیز ہوں لیکن صاحب بصیرت لوگ جانتے ہیں کہ جو اصحاب تعلق مع اللہ کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ انکے ساتھ بعض خصوصیات کا حامل ہوتا ہے بہت سے اولیاء کرام کیساتھ اس قسم کے واقعات کا پیش آنا تو اتر تاریخ کے صفحات میں منقول ہے، حضرت میاں صاحبؒ جو نسبتی اعتبار سے سید تھے اور پوری عمر علم دین کی خدمت میں مشغول رہے اور ایک طویل عرصہ پورے اخلاص، دیانت، بے نیازی اور عالمانہ استغنا کیساتھ گزار دیا ایسے مخلص خادم دین کیساتھ اگر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے خصوصی فضل کا معاملہ فرمایا تو اس میں حیرت کی کیا گنجائش ہے؟ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

سعدی کی زبان میں یہ کہتے ہوئے ان سطور کو ختم کرتا ہوں۔

خدایا بر آں تربت نامدار
بہ فضلت کہ باران رحمت ببار

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

رسائل ومسائل

۱۔ کیا معاشی وجوہ سے منعِ حمل صحیح ہے؟

سوال:— عرض یہ ہے کہ میں اپنے ایک عزیز کے دو اعتراضات کا تسلی بخش طور پر نہ دے سکا۔ از راہ کرم رہنمائی فرمائیں، اعتراضات یہ تھا۔

۱۔ "مولانا نے قرآن مجید کی آیت۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۳۱) کی تفسیر میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ اور اس آیت کی تفسیر میں اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لحاظ سے مفہوم نکالا ہے۔ کیونکہ آیت میں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور قتل اسی کو کیا جا سکتا ہے جس میں جان ہو، جب کہ جان اس جرثومے میں اسی وقت پڑتی ہے جب رحم مادر میں دو مخالف جرثوموں کا ملاپ واقع ہوتا ہے اور ایک جاندار شئے وجود میں آتی ہے۔ چونکہ اکثر ضبطِ نسل کو روکنے کے طریقے عام طور پر مذکورہ ملاپ سے پہلے ہی عمل میں آجاتے ہیں، لہٰذا اس چیز کا قتل کیا معنیٰ جس کا وجود یا جاندار ہی نہ ہو۔"

۲۔ "ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے مخالفین نے، اس نظریئے کی مخالفت محض اس تصور اور عقیدے کی بنا پر کی ہے کہ انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اگرچہ یہ عقیدہ درست سہی۔ لیکن آپ کے پاس اس بات کو جاننے کا کونسا مستند ذریعہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی ساخت و بناوٹ وہی ہوگی جو کہ موجودہ انسان کی ہے ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس شکل

۲۔ کیا حضرت آدمؑ کے جسم کی ساخت موجودہ انسان جیسی تھی؟

میں پیدا کیا وہ ڈارون کے نظریہ کے مطابق ہی ہو یعنی اس وقت کا انسان CELLULAR صرف فرق اتنا ہی ہو کہ آپ سے آپ وجود میں نہ آیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہو اور بتدریج ترقی کرتا ہوا موجودہ انسان کی شکل کو پہنچا ہو۔"

جواب:— آپ نے اپنے عزیز کے جو اعتراضات پیش کیے ہیں، ان کا جواب درج ذیل ہے۔

۱— آپ کے عزیز نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳۱ کو بغور نہیں پڑھا بلکہ جو خیالات ان کے ذہن میں پہلے سے جمے ہوئے تھے انہیں کی بنیاد پر آیت سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اس میں صرف قتلِ اولاد سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ اس آیت میں قتل اولاد کو بڑی خطا قرار دینے کے ساتھ اس کے محرک، یعنی خوف افلاس، کو بھی غلط قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ الفاظ کہہ کر کہ "ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی" اس امر کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ خوف افلاس، جو قتل اولاد کا محرک بنتا ہے دراصل خدا کی رزاقی پر عدم اعتماد ہے، ورنہ یہ اعتماد موجود ہو تو نہ افلاس کا خوف تمہیں لاحق ہوگا اور نہ تم اولاد کو قتل کرو گے۔ اسی بات کی تشریح میں نے اپنے حاشیہ میں کی ہے جس پر غور کرنے کی زحمت آپ کے ان عزیز نے نہیں اٹھائی۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ حمل کو روکنا قتل اولاد ہے بلکہ کہا یہ گیا ہے کہ جو خوف افلاس سے پہلے قتل اولاد کا اور اسقاطِ حمل

[illegible] کا محرک ہوتا تھا، ویسے ہی اب ضبطِ ولادت کی تحریک کا محرک بنا ہوا ہے [illegible] معاشی ذرائع کی تنگی کے اندیشے سے افزائشِ نسل کا سلسلہ روک دینا بھی اس آیت کی رو سے غلط ہے۔

۲۔ آپ کے عزیز مجھے معاف کریں اگر میں یہ کہوں کہ وہ قرآن سے زیادہ ڈارون کے معتقد ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے تخلیقِ آدم کے متعلق قرآن کے تمام بیانات کو نظر انداز کر کے ڈارون کی رائے کے مطابق حضرت آدمؑ کا وَاحِدُ الْخَلِیَّۃِ سَالِمَۃ (UNI . CELLULAR . MOLECULE) ہونا اور اوہ مہربانی صحیح قرار دینے سے احتراز کرتے ہوئے صرف "ممکن" ٹھہرایا ہے، اور مجھ سے سوال کیا ہے کہ آخر تمہارے پاس یہ جاننے کا کونسا مستند ذریعہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے جسم کی ساخت ویسی ہی تھی، جیسی موجودہ انسان کی ہے؟ میرا جواب یہ ہے کہ اگر صاحب موصوف کے نزدیک قرآن مجید علم کا کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے تو ان سے بحث لاحاصل ہے، کیونکہ محض عقلی حیثیت سے آدمؑ کے جسم کی ساخت کا موجودہ انسان کی ساخت جیسا ہونا بھی اسی طرح "ممکن" ہے جس طرح اس کا وَاحِدُ الْخَلِیَّۃِ سَالِمَۃ ہونا "ممکن" ہے۔ امکان میں جب دونوں برابر ہیں اور کسی ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی "مستند ذریعہ علم" نہیں ہے تو خواہ مخواہ بحث میں وقت کیوں ضائع کیا جائے؟ لیکن اگر وہ قرآن کو علم کا مستند ذریعہ مانتے ہوں تو تھوڑی سی زحمت اٹھا کر سورۂ بقرہ، آیات ۳۰ تا ۳۹، سورۂ اعراف، آیات ۱۱ تا ۲۵، سورۂ حجر، آیات ۲۶ تا ۴۲، سورہ بنی اسرائیل آیات ۶۱ تا ۶۵، اور سورۂ طٰہٰ، آیات ۱۱۵ تا ۱۲۳۔ بغور پڑھیں اور ڈارون کے نظریے کو نگاہ میں رکھ کر پڑھیں، کیا ان کی عقل یہ تصور کر سکتی ہے کہ قرآن کی ان آیات میں جو کچھ حضرت آدمؑ کے متعلق بیان کیا گیا ہے وہ ایک واحد الخلیہ سالمے پر راست آتا ہے۔؟

اس کے ساتھ میں ایک بات اور بھی آپ کے عزیز سے کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر وہ قرآن کو علم کا مستند ذریعہ نہ سمجھتے ہوں، تو ان کی اپنے ضمیر اور اپنے اخلاق اور اپنے معاشرے کے ساتھ اس سے بڑی کوئی بے انصافی نہیں ہو سکتی کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پیش کریں، ایک راست باز انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ سچے دل سے تو اسلام کا قائل [illegible] نہ ہو، اس کے صاف صاف انکار و انحراف کرنے کے بجائے [illegible] مسلمانوں میں شامل رہ کر مسلسل فریب دہی کا ارتکاب کرتا رہے۔

کیا کافر عملِ صالح پر اجر کا مستحق ہے

سوال: گزارش ہے کہ اس بندۂ عاجز کے ایک مخلص دوست جو دینی خیال کے آدمی ہیں، اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص بھی اپنے رب کی رضا کے لئے کوئی نیک عمل کرے، مثلاً مظلوم کی حمایت، غریب کی امداد، مسافر کی خدمت، کسی بیمار کی تیمار داری، تو وہ اپنے رب کے ہاں ضرور اجر پائے گا، آخرت کی اجارہ داری مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ اللہ رب العالمین ہے، صرف مسلمانوں کا خدا نہیں۔ ان کا گمان ہے کہ ہر مذہب کا پیرو، مثلاً عیسائی، ہندو، بدھ وغیرہ اگر خالص نیت سے نیکی کرے، یعنی ریاکاری مقصود نہ ہو تو وہ آخرت میں جزا پائے گا۔ میں ان سے متفق نہیں، اور قرآن مجید کی بعض آیات کا حوالہ دیتا ہوں کہ ایمان لانا بھی قبولیتِ عمل کے شرط ہے۔ مثلاً سورۂ نحل، ۹۷۔ سورۂ طٰہٰ، ۱۲۔ سورۂ انبیاء ۹۴۔ مگر وہ مطمئن نہیں ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں، انھوں نے جواب دیا علماء عموماً انتہا پسند ہیں۔ پھر وہ آپ کے متعلق کہنے لگے کہ مولانا مودودی صاحب، متوازن ذہن کے عالم ہیں اور ان کی سوچ انتہا پسندانہ نہیں، آپ اس مسئلہ کا فیصلہ ان سے پوچھ دیجئے۔ چنانچہ یہ عریضہ ارسالِ خدمت ہے۔ وضاحت کے لئے ایک اور بات لکھنے کی اجازت چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اگر ایک فاسق مسلمان نیکی کرے تو وہ قبول، اور وہی نیکی یا اس سے بہتر نیکی اگر ایک غیر مسلم کرے تو وہ مسترد۔ اللہ ایسا جانبدار نہیں ہو سکتا، یہ اس کی شانِ بندہ پروری کے خلاف ہے۔

جواب: آپ کے دوست اگر اس مسئلے کا جواب قرآن سے چاہتے ہیں تو وہ اس باب میں بالکل صریح ہے کہ کافر کے اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے، وہ محض اپنے کفر کی بنا پر عذابِ جہنم کا مستحق ہے۔ آپ نے سورۂ نحل، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیاء کی جو آیات ان کو سنائی ہیں، وہ اگر انھیں مطمئن نہیں کر سکیں تو ان سے زیادہ صریح اور مفصل آیات قرآن میں موجود ہیں جو پوری وضاحت کے ساتھ یہ بتاتی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کی آیات اور معاد آخرت پر ایمان میں سے کسی

ایک پر ایمان نہ لانے والے کافر ہیں اور آخرت میں ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء آیات ۱۵۰، ۱۵۱ ملاحظہ فرمائیے جن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا.

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب سچے کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔"

اس ارشاد کی رو سے خدا اور رسولوں کو نہ ماننا یا خدا کو ماننا اور رسولوں کو نہ ماننا، یا رسولوں میں سے کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا ان میں سے ہر ایک قطعی کفر ہے، اور کفر کی سزا (عمل سے قطع نظر) رسوا کن عذاب ہے۔

پھر سورۂ انعام، آیت ۱۳۰، دیکھئے اس سے پہلے کی آیات میں شیاطین اور ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہمیشگی کے عذاب کا فیصلہ سنانے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ جن و انس سے خطاب کر کے فرمائے گا۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ.

"کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول خود تم میں سے جو سناتے تھے تم کو میری آیات اور ڈراتے تھے تم کو یہ دن دیکھنے سے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور انھوں نے آخر کار خود [illegible] دی کہ ہم کافر تھے۔"

[illegible] رسولوں کی بات نہ ماننے اور ان کی پیش کردہ آیات الٰہی پر ایمان نہ لانے اور آخرت کو تسلیم نہ کرنے والے لوگوں کو کافر قرار دیا گیا ہے اور انہی کے [illegible] کے عذاب جہنم کا [illegible] ٹھہرایا ہے، بلا لحاظ اس کے ان کے عمل کیسے تھے اور کیسے نہ تھے۔

یہی بات سورۂ زمر آیات ۷۱، ۷۲، میں فرمائی گئی ہے اس میں ارشاد ہوا ہے کہ جب کافر جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے تو ان کے لئے جہنم کے دروازے کھول دئیے جائیں گے، اور اس کے کارندے (فرشتے) ان سے پوچھیں گے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ. قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا.

"کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول خود تم میں سے، جو سناتے تھے تم کو تمہارے رب کی آیات اور ڈراتے تھے تم کو یہ دن دیکھنے سے؟ وہ کہیں گے ہاں، مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر چسپاں ہو گیا۔ کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کیلئے۔"

یہاں بھی ان لوگوں کو کافر قرار دیا گیا ہے جنھوں نے دنیا میں رسولوں اور ان کی پیش کردہ آیات اور آخرت پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا انہی لوگوں کے حق میں ہمیشگی کے عذاب جہنم کا فیصلہ سنایا گیا ہے، اس امر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ کفر کے سوا ان کے کچھ اور گناہ تھے یا نہ تھے جن کی بناء پر وہ عذاب جہنم کے مستحق ہوتے یا نہ ہوتے۔

اس کے بعد سورۂ ملک کی آیات ۸ تا ۱۱ دیکھئے جن میں صرف انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے انکار کو عذاب جہنم کا موجب قرار دیا گیا ہے۔

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ. قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ.

"جب بھی کوئی انبوہ اس میں (یعنی جہنم میں) ڈالا جائے گا اس کے کارندے ان لوگوں سے پوچھیں گے، کیا خبردار کرنے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں، ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کچھ نازل نہیں کیا ہے، تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔"

ان آیات کو دیکھنے کے بعد کیا کوئی شخص جو قرآن پر ایمان،

رکھتا ہو، یہ ماننے سے انکار کرسکتا ہے کہ کفر بجائے خود انسان کے جہنمی ہونے کا مستقل سبب ہے اور کفر کے ساتھ کوئی نیک عمل بھی اس کو جہنم سے نہیں بچا سکتی، البتہ فرق اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے ہے کہ اس دارالعذاب کے دروازے بہت سے ہیں. اچھے کام کرنے والا کافر کسی اور دروازے سے داخل ہوگا، اور برے کام کرنے والے کفار اپنے برے اعمال کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہونگے بالفاظِ دیگر کسی کے لیے عذاب ہلکا ہوگا اور کسی کے لیے سخت اور کسی کے لیے سخت سے سخت، اعمال صرف عذاب کے خفیف یا شدید ہونے کے موجب تو بن سکتے ہیں لیکن جہنم میں جانے سے کوئی کافر نہیں بچ سکتا، کیونکہ کفر خدا سے بغاوت ہے اور باغی کے لیے اللہ نے اپنی جنت نہیں بنائی ہے۔

رہے مومن تو وہ دو قسم کے ہوسکتے ہیں، ایک وہ جو ایمان کے ساتھ بحیثیت مجموعی صالح ہوں، ان کے اگر کچھ قصور ہوں بھی تو وہ توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں، دنیا کے مصائب، امراض، تکالیف بھی ان کا کفارہ بن سکتی ہیں، شفاعت بھی ان کے حق میں نافع ہوسکتی ہے اور اللہ اپنے فضل و کرم سے بھی ان کی مغفرت فرما سکتا ہے. دوسرے قسم کے مومن وہ ہیں جو ایمان رکھنے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں وہ باغی نہیں بلکہ مجرم ہیں ان کے لیے اگر کوئی چیز بھی بخشش کی موجب نہ بن سکتی ہو تو انہیں بغاوت کی نہیں بلکہ جرم یا جرائم کی سزا دی جائے گی، دنیا کے قوانین بھی باغی اور مجرم کو ایک سطح پر نہیں رکھتے. پھر آپ احکم الحاکمین سے یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ دونوں کو ایک سطح پر رکھے گا؟۔

شہدار کی حیات برزخ

سوال:- سورۂ البقرہ آیت ۱۵۴، حاشیہ ۱۵۵ تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۲۶، میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہنے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے روح جہاد سرد پڑتی ہے، اسی نوٹ میں آگے چل کر یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ انھیں مردہ کہنا حقیقت واقعہ کے بھی خلاف ہے. لیکن پورے نوٹ کو پڑھنے سے پہلے جو تاثر پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روح جہاد کے سرد نہ ہونے کی غرض سے انھیں مردہ نہ کہنا چاہیئے۔

۳:- سورۂ المومن آیت ۶۱ تا ۷۵ تک کا ترجمہ جلد دوم میں صفحہ ۲۸۴ سے ۲۸۷ تک چلتا ہے. قرآن کا متن جو تفہیم القرآن میں شائع ہوا ہے اس میں صفحہ ۲۸۷ پر یُسۡحَبُوۡنَ کا لفظ آتا ہے، لیکن اس کا ترجمہ صفحہ ۲۸۳ پر ہی کردیا گیا ہے. اکثر پڑھنے والوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس لفظ کا ترجمہ نہیں ہوا ہے، چونکہ اصل لفظ اور ترجمہ میں چار صفحات کا فاصلہ ہے اس لیے پڑھنے کا ذہن الجھ جاتا ہے۔

۴:- سورۂ یٰسین، آیت ۲۶، حاشیہ ۲۳، تفہیم القرآن، جلد چہارم میں مرد مومن کی شہادت کے بعد اس کے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے نوٹ میں کہا گیا ہے کہ حیات برزخ کو ثابت کرنے والی آیات میں سے یہ آیت بھی ایک ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عالم برزخ میں روح جسم کے بغیر زندہ رہتی ہے کلام کرتی ہے اور کلام سنتی ہے، خوشی اور غم محسوس کرتی ہے اور اہل دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں. اس پر اکثر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقام میں تو ایک شہید کی حالت کا ذکر ہے اور شہید کی زندگی بعد موت کا ذکر قرآن میں سورۃ البقرہ آیت ۱۵۴ اور دیگر مقامات میں بھی ہے، لیکن تفہیم کے اس حاشیے میں ایک شہید کے حالات کو بھی عام وفات یافتہ انسانوں پر کیوں منطبق کیا گیا ہے۔؟

جواب:- سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۴ کے جس نوٹ کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اس میں "مردہ نہ کہو" کی جو توجیہ میں نے کی ہے اس سے مقصود حیاتِ شہدار و صالحین کے متعلق لوگوں کے اس خیال کی اصلاح ہے کہ وہ زندہ اس معنیٰ میں ہیں کہ ہماری دعائیں سنتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مردہ کہنے سے جس بنا پر روکا ہے اور ان کی حیات کا اثبات کیا ہے وہ کفار و منافقین کی ان باتوں کو رد کرنے کے لیے ہے جو وہ لَوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا اور لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا کہہ کہہ کر اہل ایمان میں بزدلی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے. ورنہ خود قرآن ہی میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ شہادت جسمانی موت تو ضرور ہے وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ، مگر حقیقت میں یہ حیات جاودانی ہے (بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ) اس معنیٰ میں میں نے بھی انھیں مردہ کہنے کو حقیقت واقعہ کے خلاف قرار دیا ہے. کیونکہ ان کے لیے حیاتِ برزخ اور حیات اخروی ثابت ہے

سورہ مومنون کی آیات ۷۵ تا ... کے ترجمے میں آپ نے جس تقدیم و تاخیر کی طرف توجہ دلائی ہے اس کے متعلق بعد کے ایڈیشنوں میں

حاشیہ ۵۰ الف میں وضاحت کردی گئی ہے کہ اردو زبان کی رعایت سے آیت ۶۱ کا ترجمہ پہلے کردیا گیا ہے اور آیات ۵۷ تا ۶۰ کا ترجمہ بعد میں درج کیا گیا ہے۔

سورہ مومنون کے حاشیہ ۲۳ کو اگر آپ سورۂ بقرہ کے حاشیہ ۱۵۵ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۸ کے ساتھ پڑھیں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ شہداء کی حیات اصل میں برزخی حیات ہی ہے ورنہ جسم و روح کی علیحدگی کے اعتبار سے جس طرح دوسرے لوگوں پر موت وارد ہوتی ہے اسی طرح شہداء پر بھی وارد ہوتی ہے اسی لئے ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیوہ کا نکاح ثانی جائز ہے لیکن انکو مردہ کہنے سے جس بناء پر منع کیا گیا ہے وہ اوپر میں بیان کرچکا ہوں۔

ایک صریح جھوٹ

سوال:- کراچی سے شائع ہونے والے ایک ادبی ماہنامہ "افکار" دسمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں ریاض صدیقی صاحب کا ایک مضمون بہ عنوان "قائد اعظم" ایک عہد ساز شخصیت، شائع ہوا ہے اس مضمون کی آخری سطور میں صاحب مضمون نے "جماعت اسلامی اور قائد اعظم" کے ذیلی عنوان سے لکھا ہے:۔

قائد اعظم نے ۱۹۳۹ء میں راجہ صاحب محمود آباد اور قمر الدین کو اختیار دیا تھا کہ وہ مولانا مودودی اور علامہ عنایت اللہ مشرقی کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دیں۔ مسلم لیگ کا جلسہ ہونے والا تھا، قمر الدین نے اس مسئلے پر مولانا مودودی سے رابطہ قائم کیا، مولانا مودودی نے مسلم لیگ کے جلسہ میں شرکت اس شرط پر منظور کرلی کہ قائد اعظم اپنے دستخطوں سے ان کے نام دعوت نامہ جاری کریں، اس وقت تک مسلم لیگ میں رسمی دعوت ناموں کے اجراء کا طریقہ رائج نہیں تھا۔ تاہم قمر الدین فوراً دہلی گئے اور کسی نہ کسی طرح مطلوبہ دعوت نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، مولانا مودودی دعوت نامہ کے باوجود مسلم لیگ کے جلسہ میں شریک نہیں ہوئے اور قدرے تلخی کے ساتھ معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں کسی نام نہاد جماعت سے تعلق قائم کرنا پسند نہیں کرتا جو اسلام کی نمائندہ جماعت نہ ہو مسلم لیگ میں شرکت کرنے والے محض نام کے مسلمان ہیں اور میں اس بے معنی سیاسی ہنگامے سے متعلق ہوکر اپنی شخصیت کو کھونا نہیں چاہتا

افکار، کراچی، شمارہ دسمبر ۱۹۷۶ء ص، ۲۲۰، ۲۲۱ پر شائع ہوا ہے۔

ایک ایسا شخص جو آپ کے فکر اسلامی اور تحریک اسلامی سے متاثر ہو کر آپ کی شخصیت سے دلی تعلق رکھتا ہے اور آپکے افکار اور شخصیت پر اپنے طور پر قلمی کام بھی کر رہا ہے، استدعا کرتا ہے کہ ان امور کی وضاحت کرکے ممنون فرمائیں۔

۱۔ کیا واقعی ایسا دعوت نامہ طلب کیا گیا؟

۲۔ کیا مذکورہ دعوت نامہ مہیا کردیا گیا؟

۳۔ دعوت نامہ مہیا ہونے کی صورت میں کیا واقعی تلخی کے ساتھ معذرت کا اظہار کیا گیا؟

جواب:- آپ کے مفصل سوال کا نہایت مختصر جواب یہ ہے کہ ماہنامہ افکار کراچی کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس کا ایک لفظ بھی سچ نہیں ہے۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ کس جرارت کے ساتھ جھوٹ لکھتے اور پھیلاتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کوئی آخرت بھی ہے، جہاں جاکر انھیں اپنی ان افتراء پردازیوں کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

کیا حنفیوں کے مقدمات کا کسی دوسری فقہ پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

سوال:- اگر حنفی اور شافعی نقطۂ نظر کے درمیان اختلاف ہو تو کیا ضروری ہے کہ حنفیوں کے معاملے میں صرف حنفی نقطۂ نظر ہی قبول کیا جائے؟ اور خاص کر جبکہ عدالت اس رائے پر پہونچے کہ شافعی نقطۂ نظر زیادہ وزن دار ہے؟

جواب:- اس سوال کے دو پہلو ہیں، ایک اصولی دوسرا عملی۔

اصولی حیثیت سے اگر قاضی کسی مسئلے کی تحقیق کرکے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس خاص مسئلے میں حنفی مذہب کی بہ نسبت شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب کے دلائل کتاب وسنت کی رو سے زیادہ مضبوط ہیں تو وہ نہ صرف اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہے بلکہ راجح مذہب کو چھوڑ کر مرجوح مذہب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن عملی حیثیت سے اس میں چند در چند مشکلات ہیں۔

اول تو ہمارے ملک میں دوسرے مذاہب کی مبسوط کتابیں

نہیں ملتیں، جن سے ان کے دلائل پوری طرح معلوم کیے جاسکیں اور ایک مسئلے سے تعلق رکھنے والے تمام وہ جزئیات سامنے آجائیں، جنھیں کسی دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ احادیث اور ان کی شرحوں اور اسماء الرجال کا پورا ذخیرہ کسی عدالت کی لائبریری، یا کسی پبلک لائبریری یا کسی یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود نہیں ہے۔ تاکہ ایک مذہب کی فقہی کتابیں جن روایات کے حوالے دیتی ہیں ان کے درست یا نادرست ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے اصل ماخذ سے رجوع کیا جاسکے۔

تیسری مشکل یہ ہے کہ فقہ و حدیث کی تمام کتابیں عربی زبان میں ہیں اور ہمارے ملک کے حکامِ عدالت اور وکلاء، خواہ وہ عربی زبان سے بحیثیت زبان بخوبی واقف ہوں، انھوں نے اس خاص زبان کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ جو فقہ، اصول فقہ، حدیث اور اصول حدیث میں استعمال ہوتی ہے، ان مضامین کی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے محض عربی زبان کا علم کافی نہیں ہے، بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے لاء کالجوں میں اسلامی قانون کی کما حقہٗ تعلیم کا اب تک کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

آخری مشکل یہ ہے کہ اگر کوئی عدالت عالیہ تحقیق کا حق ادا کر کے حنفی مذہب کے بجائے کسی دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کردے تو یہ ماتحت عدالتوں کے لیے ایک اصولی نظیر بن جائے گی اور اجتہادی اہلیت کے بغیر دوسرے مذاہب فقہ کے مطابق فیصلے کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہمارے ملک کی عام آبادی حنفی ہے اور یہاں کے علماء اسی مذہب سے واقف ہیں بلکہ اس مذہب کی پیروی کے سخت پابند ہیں، اس لیے نیم پختہ علم کی بناء پر جب چھوٹی عدالتوں سے حنفی فقہ کے خلاف فیصلے صادر ہونے لگیں گے تو اس پر ہنگامہ برپا ہو جائیگا۔

ان تمام باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے میں یہ مشورہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،

غرق ہونے والے فرعون کی لاش

سوال: — اگر تھوڑی سی فراغت ہو تو از راہ کرم فالیوم ننجیک ببدنک لتکون (یونس، آیت ۹۲) کے سلسلے میں میری ایک دو الجھن دور فرمائیے۔ علامہ جوہری طنطاوی مصری اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ بحرِ احمر میں ڈوبنے والے فرعون کی لاش ۱۹۰۰ء میں مل گئی تھی۔ اور مفتش نے کئی شواہد کی بناء پر اعلان کیا تھا کہ لاش اسی فرعون کی ہے لیکن علامہ نے ان شواہد کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے صرف ایک شہادت یعنی سمندری نمک کا ذکر فرمایا ہے جو فرعون کے بدن پر پایا گیا تھا۔

اگر آپ کو باقی شہادتوں کا علم ہو یا کوئی ایسی کتاب معلوم ہو جس میں ان شواہد کا ذکر ہو تو از راہِ کرم مطلع فرمائیں۔

آپ نے فرعون کے جسم پر سمندری نمک کا ذکر فرمایا ہے۔ کیا اس کی ممی حنوط شدہ نہیں تھی؟ اگر تھی تو سمندری نمک کیسے باقی رہ گیا تھا۔؟

کیا یہ نعش کسی ہرم سے ملی تھی یا معمولی قبر سے؟ اور یہ مقام کہاں ہے؟ قاہرہ سے کس طرف ہے اور کتنا دور ہے؟

جواب: — غرق شدہ فرعون کے بارے میں زیادہ تر معلومات مجھے LOUIS . GOLPING کے سفرنامے IN THE STEPS OF . MOSES . THE . LAWGIVER سے حاصل ہوئی ہیں اس نے اپنے تحقیقاتی سفرنامے میں لکھا ہے کہ فرعون رعمسیس دوم دراصل وہ فرعون تھا جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور بنی اسرائیل پر جس کے مظالم مشہور و معروف ہیں اسی لیے اس کو PHARAOH . OF . PERSECUTION کہا جاتا ہے اور جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے اور جو بحرِ احمر میں غرق ہوا۔ وہ رعمسیس کا بیٹا MENEPTAH تھا — (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس کا نام MERNEPTAH لکھا گیا ہے) گولڈنگ کی کتاب اور برٹانیکا کے مضمون EGYPT دونوں میں لکھا ہے کہ تھیبس THEBES میں اس کے MORTUARY . TEMPLE سے ایک ستون ۱۸۹۶ء میں FLINDERS . PETRIE کو ملا تھا جس پر اس نے اپنے عہد کے کارنامے گنائے تھے۔ اسی ستون میں پہلی مرتبہ مصر میں اسرائیل کے وجود کی تاریخی شہادت ملی برٹانیکا کے مضمون MUMMY میں ذکر ہے کہ ۱۹۰۶ء میں انگریز ماہر علم التشریح — SIR . GRAFTON . ELLIOT . SMITH نے ممیوں کو کھول کھول کر ان کے حنوط کی تحقیق شروع کی تھی۔ باقی صفحہ [illegible]

مولانا عامر عثمانی مرحوم

اس درجہ پائمال نہ ہوتے جفا سے ہم
لوٹے گئے سیاستِ مہر و وفا سے ہم

باقی ہی کیا رہا ہے تجھے مانگنے کے بعد
بس اک دعا میں چھوٹ گئے ہر دعا سے ہم

یہ کیا کہا جنوں ہے محبت کی انتہا
اے بے خبر چلے ہیں اسی ابتدا سے ہم

مانا کہ دل کو تیرے نہ ملنے کا غم رہا
صد شکر بچ گئے طلبِ ماسوا سے ہم

کیا ربط ہے کہ فرقِ مراتب کے باوجود
بے آسرا سے آپ ہیں بے آسرا سے ہم

جس آستاں کو ہم سے ملیں لاکھ عظمتیں
واحسرتا اسی پہ کھڑے ہیں گدا سے ہم

اللہ نے رقیب کو رضوان بنا دیا
آغوش خلد میں بھی رہے بے مزا سے ہم

ڈالی تھی اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ
برسوں رہے خود اپنے لیے لاپتہ سے ہم

رحمت کے لعل ولب پہ پسینہ سا آگیا
گرداب معصیت سے ہٹے تھم ذرا سے ہم

عامر وفا کے قصۂ رنگیں پہ خاک ڈال
بے طرح بدگمان ہیں نامِ وفا سے ہم

غزل — طاہر تلہری

سورج کی طرح اپنے ہی محور میں قید ہوں — صدیوں سے روشنی کے سمندر میں قید ہوں

سر سے گزرتی جاتی ہیں لمحوں کی آندھیاں — میں ہوں کہ ماہ و سال کے چکر میں قید ہوں

کیا کیا نہ سوچتا ہوں فردلکے باب میں — حالانکہ جانتا ہوں مقدر میں قید ہوں

شاید مرا وجود تھا اک حصۂ زمیں — میں خاک ہو کے بھی اسی چکر میں قید ہوں

چاہوں تو کائنات کے خرمن کو پھونک دوں — تم کیا سمجھ رہے ہو کہ پتھر میں قید ہوں

کبتک نہ آؤں زیست کی یکسانیت سے تنگ — روزِ ازل سے ایک ہی پیکر میں قید ہوں

طاہر میں اک جزیرے کی مانند آج بھی
تشنہ دہن ہوں گو کہ سمندر میں قید ہوں

غزل — طاہر تلہری

گوہرِ شعر کوئی ڈھونڈ نکالا جائے — آج پھر فکر کے دریا کو کھنگالا جائے

اس کڑی دھوپ کو سر سے مرے ٹالا جائے — رات آئے کہ نہ آئے یہ اجالا جائے

دوستو میں گلِ تحسین کے لائق نہ سہی — کم سے کم سنگِ ملامت ہی اچھالا جائے

مٹھیاں کھول کے چل جھاڑ کے دامن کو گزر — مجھ کو ڈر ہے تو کہیں مار نہ ڈالا جائے

مجھ کو آواز دو یا خود کو پکارو طاہر
اس کو پردے سے بہر طور نکالا جائے

مسجد سے میخانے تک

جس طرح برسات کے موسم میں مینڈک، سردیوں میں عاشق اور الیکشن کے زمانے میں نیتاؤں کی بھرمار ہوتی ہے، اسی طرح آجکل پیٹ پرست، دسترخوان پسند خودساختہ پیر، عورت اور ہم جنس نواز مولوی اور قوالی و رقص پسند صوفی جو دراصل صوفی کم اور ٹونی زیادہ ہوتے ہیں قریہ قریہ گاؤں گاؤں کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے نظر آتے ہیں ان کے رینگنے کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ کوئی قسمت کا مارا ان سے مرید ہو کر اپنی آخرت بھی داؤ پر لگا دے اور دنیا بھی لٹا دے اس وحدہٗ لاشریک مقصد کے لئے خدا کی یہ عجیب و غریب مخلوق جو غریب کم اور عجیب زیادہ ہوتی ہے طرح طرح کے حربے استعمال کرتی ہے

کوئی جن بھوت اتارنے کا اسپیشلسٹ بن بیٹھا تو کسی نے تعویذ گنڈے اور سنت پسندی کا ڈھونگ رچایا کسی نے کوئی مزار اپنے نام الاٹ کرا ڈالا تو کسی نے یوں ہی جھانسے اور جھوٹے دے دے کر اپنے احمق مریدوں کے ذریعے اپنی جعلی کرامتوں کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کسی نے گیروے رنگ کا لباس زیب تن کر کے رنگ برنگے پتھروں کی مالا گلے میں ڈالی اور پیتل کی بانسری بغل میں دبا کر نکل کھڑے ہوئے کسی بڑے شکار کے پیچھے من العصر الی الشھر، ارے دور کیوں جائیے خود میرے پڑوس میں ایک ایسے ہی صاحب نیچے کے بزرگ ایک قبر کو اس طرح آباد کئے ہوئے ہیں کہ ہر صاحب عقل دیکھے اور دیکھتا ہی رہے۔ انکا قدرتی نام تو نور الہدیٰ ہے مگر عوام و خواص میں صوفی بدبدا شتے کے نام سے مشہور ہیں۔ قد کوتاہ، رنگ سیاہ بر سیاہ، جسم فربہ اور گولائی لئے ہوئے اور پیٹ کی جگہ ایک عظیم الشان گنبد نما توند، پیشانی تنگ و ترنگ، سر کے بال اتنے کثیر کہ اگر ٹوپی گر جائے تو بھیوں کے تنبو دکعبہ محسوس ہوں ۔ مونچھیں اتنی گھنی کہ پہلی نظر ڈالنے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے کہ ہونٹوں کے دونوں سائڈ پر دو ابابیل بیٹھی ہوں ڈاڑھی برگد کی جٹاؤں کی طرح دراز، عریض اور ہر قسم کی تراش و خراش سے بے نیاز اپنی مرضی کی آپ مالک۔ آزاد ہندوستان میں اپنی آزادی کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے جدھر جی چاہتا ہے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ داڑھی کے نام پر جھاڑ نما بالوں کا ایک ایسا سلسلہ چہرے پر قائم ہے کہ جسے دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ذرا داڑھی بچا کر شیخ جی بیڑی کو سلگانا
کہیں ایسا نہ ہو جھپٹ چراغ طور ہو جائے

بہرحال آپ بزعم خود پہنچے ہوئے بزرگ صاحب کرامت صوفی ہیں، اور بے شمار مریدوں کی قسمت کے

باشرکہ جب تک یہ مریدوں سے قوالی کی محفل جمتی
ہے، مقبوضہ مزار پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ حاجت
مندوں اور مریدوں کا جمگھٹ لگتا ہے اور صوفی بدھو
کی جیب کی آبادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب تک یہ سلسلہ
کاروبار مندہ چلتا ہے تو طویل دورے کا پروگرام
بنایا جاتا ہے اور ہر مرید کے دولت کدے پر بہ نفسِ
نفیس پہنچ کر اس کے ایمان پر جمی ہوئی گرد و غبار کو صاف
کرتے ہیں۔ اسی دوران اگر چند نئے مرید ہاتھ لگ
جائیں اسے تحفیوں کے دام خیال کیا جاتا ہے۔

جہاں تک علم کی تحصیل کا سوال ہے تو صوفی بدھو صاحب
اسے سراسر گمراہی قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے
دلائل خاصے مضبوط ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں، اے میاں
شیطان ملعون کو دیکھو وہ کتنا بڑا عالم و فاضل اور عبادت
گزار تھا اسے معلم الملکوت ہونے کا شرف حاصل تھا، اور
زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا کہ جہاں اس کے علم
اور اس کی عبادت کے چرچے نہ ہوں، مگر اپنے علم کی وجہ
سے بہک گیا اور بارگاہ خداوندی سے اس طرح مردود
ہو کر نکال دیا گیا ہے جس طرح پارسال ہم نے جمن علی کو
اس کی بیوی سمیت اپنی مجلس خاص سے گیٹ آؤٹ کر دیا
تھا۔ جنت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی، توبہ کے
دروازے اس کے لیے بند کر دیے گئے، برباد ہو گیا
اور یہ سب علم اور غرور علم کی وجہ سے ہوا۔ شیطان کی بات
چھوڑیے انسانوں میں مولوی کلب الدین بہت بڑی
مثال ہیں، اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، سنا
ہے کہ صحاح ستہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر حفظ پڑھ
لیا کرتے تھے۔ فقہ کی تمام کتابیں اور ان میں درج شدہ
مسائل کے حوالجات انھیں ازبر یاد تھے۔ چڑیوں کی الف
لیلیٰ عربی زبان میں سناتے تھے اور خوب سناتے تھے
لیکن انجام یہ ہوا کہ قادیانی ہو کر مرے اور ایک پادری
نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی

اس قسم کے دلائل پیش کر کے وہ اپنے مریدوں سے
یہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے علم حاصل کرنے سے بچو
ہر گمراہی کی کلید یہ ہے علم کی وجہ سے قادیان اور دیوبند جیسے
گمراہ شہروں نے جنم لیا ہے

صوفی بدھو میں سب سے بڑی خرابی اور بقول بدھو ملی
قلندر کے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اختلاف نام کی
کوئی چیز برداشت نہیں کر سکتے۔ بس ان کی ہاں میں ہاں ملاتے
رہیے۔ وہ سیر کو کہیں تو اس کی تائید میں سوا سیر کہتے
جائیے تو ہر طرح عافیت رہے گی، ورنہ نقض وضو کا خطرہ
یقینی۔

اگر میری کبھی ان سے بحث ہو جاتی ہے تو جھٹ
سے گریپ کا ایک یعنی وہابیت کا فتویٰ کھینچ مارتے ہیں۔ کبھی
کبھی بات زیادہ بگڑ جاتی ہے اور وہ مجھے مشرک قرار
دینے کے لیے اپنی ہر صلاحیت تباہ کر ڈالتے ہیں۔ کل
ہی کی سنیے۔ وہ تڑکے ہی غریب خانہ پر آ دھمکے اور
اپنی نسوانی آواز میں انھوں نے علیک سلیک کی، میں نے
پوچھا حضرت صبح ہی صبح کیوں زحمت گوارہ کی، کیا کسی خواب
کی تعبیر معلوم کرنی ہے۔

تم کیا تعبیر بتاؤ گے۔ خاک۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ بندہ نکٹے شاہ جی
کے طفیل میں اس دور کا سب سے بڑا معبّر ہے۔

بکواس کرتے ہو، چھ ماہ قبل ایک خواب تمھیں سنایا
تھا آج تک تمھیں اس کی تعبیر نصیب نہ ہو سکی۔

خواب بھلا کیا تھا؟

ہم نے دیکھا تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور سوا ہزار
فرشتوں کی موجودگی میں ہم تقریر کر رہے ہیں، حوریں
اردگرد کھڑی ہماری تقریر کو ٹیپ کر رہی ہیں اور ایک
چودہ سالہ غلام، اگالدان لیے ہوئے مستقل ہمارے سامنے
کھڑا ہے اور بلا آداب محبت وہ آداب اطاعت
کو ملحوظ رکھے ہوئے تھے

یہ خواب، تو حقیقت کے روپ کبھی کا ڈھل چکا میں
نے ملا علی قاری [illegible] فرمایا۔

کیا مطلب — وہ صبح سے سہ پہر گر
ہے۔

خواب کی تعبیر یہ تھی کہ آپ پر وہ مقدمہ دائر ہونا تھا جس کا تصفیہ پچھلے ہی سال ہوا ہے۔

پاگل ہو گئے ہو — اس مقدمہ کا اس خواب سے کیا جوڑ۔

یاد رکھیے، کسی مسلّم معبر سے اس انداز میں گفتگو کبھی مت کیجیے گا ورنہ خشیت بگڑ جائے گی۔

تم باتیں الٹی سیدھی کرتے ہو — بالکل ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ والی۔

حضرت — جو تعبیر میں نے بیان کی ہے، خواب سے اس کا جوڑ یوں لگے گا کہ آپ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دیکھے وہ انبیاء نہیں تھے تسبیح کے وہ دانے تھے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ بطور وظیفہ پڑھے گئے تاکہ آپ کو مقدمہ میں کامیابی نصیب ہو اور وہ سوا ہزار فرشتے نہیں، آپکے وہ مرید تھے جو دوران مقدمہ آپ کے ارد گرد منڈلاتے رہے — جنت کی حوریں آپ کی اہلیہ اور دو جوان سالیاں تھیں جو ہر پیشی پر عدالت میں آپ کے دائیں بائیں رہیں — چودہ سالہ غلمان وہ حوالدار تھا جس نے آپ کو چند گھنٹوں کے لیے بڑے گھر کی سیر کرائی تھی اور اس کے ہاتھ میں اگالدان وہ ہتھکڑیاں تھیں جو......

زبان بند کرو — دہابڑ کہیں کے — تمہیں معلوم نہیں کہ اس نجّا کا کیا حشر ہوا۔ مودودی ہو کر مرا پہلے اچھا خاصا ہندو تھا اور بخشش کے امکانات تھے۔ اب گیا ستائیسویں طبقہ میں۔

چھوڑیے! یہ بتائیے کہ آپ اس وقت نازل کیوں ہوئے۔ عرس کی اطلاع دینی ہے کیا۔

انھوں نے اپنی آزاد داڑھی پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے کہا۔

جی ہاں — حضرت مصافحہ شاہ اور ان کے ملحقہ بھائی میاں معانقے شاہ کے دو عظیم الشان عرس ہونیوالے ہیں۔ مجھے خصوصی مہمان کی حیثیت سے بلایا گیا ہے۔ دونوں جگہ کے سجادے تشریف لائے تھے۔ خواب میں معانقے اور مصافحے صاحبان بھی اصرار کر گئے ہیں کہ شرکت ضرور کروں — مگر اب لاغر ہو گیا ہوں، کہاں تک عرسوں میں شرکت کی جائے۔ مریدوں کی تعداد بھی اب تیس ہزار تک پہونچ چکی ہے — حاجت مندوں کا ایک میلہ ہر وقت گھر کے گرد اکٹھا رہتا ہے۔ یہی آوازیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں میاں تعویذ دیجیے بچی علیل ہے، میاں تعویذ دیجیے مدت سے مقدمہ چل رہا ہے، میاں تعویذ دیجیے بیوی راضی ہو جائے غرض کہ خلقت ہے کہ ٹوٹی پڑتی ہے اور میاں ملّا صاحب اگر مخلوق کو فائدہ نہ ہوتا تو کیوں میری چوکھٹ پر آکر اپنی ناکیں گھساکر... مگر مصیبت تو یہ ہے کہ ان حاجت مندوں کی نوے فیصد آبادی اولاد کی خواہش مند ہوتی ہے۔ جسے دیکھیے یہی کہتا چلا آ رہا ہے کہ حضرت میرے اولاد نہیں ہوتی ہے کوئی تعویذ دیجیے کہ اولاد کا سلسلہ بند ہو جائے ورنہ ایک تو ٹھیک ہی پڑے۔ یہ نادان لوگ یہ بھی نہیں سوچتے کہ آجکل اولاد کے تعویذ دینا اور دعائیں کرنا کس قدر خطرناک ہے اگر خدانخواستہ حکومت کے علم میں آگیا تو میسا میں بند کر دیگی اور فرمائے گی اے حکیم القرآن ہم تو آبادی پر کنٹرول کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہیں کہ تعویذ دیکر ہمارے پروگرام کو چوپٹ کیے دیئے رہے ہیں۔

حضرت! میں نے جو پنچ کھولی — آپ کو تو یہ تک خبر نہیں کہ نس بندی کا گروہ اور مذموم پروگرام تو کانگریس نے چلایا تھا، اسی نے ظلم و جبر کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے تھے۔ اور اب ظلم و جبر کا وہ دور داستان پارینہ بن چکا ہے۔ عوام نے کانگریس کی میت کو اتنی گہری قبر میں اتار دیا ہے کہ اب آسمان سیاست پر اس کا ابھرنا محال تر محال ہے اب تو جنتا پارٹی کی حکومت ہے۔ اس حکومت میں بچوں کے موسلا دھار برسنے پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ لہٰذا آپ ایسے تعویذ ایجاد کر دیجیے کہ بچے عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے بھی ہونے لگیں اور مسلمانوں کی آبادی دن دونی رات چوگنی

بھولے کے جنتا گورنمنٹ بہرحال غنیمت ہے۔

ارے جھنڈو یار۔ کیا بک بک کرتے ہو، جنتا سے تو کانگریس لاکھ درجہ بہتر تھی۔

کمال کرتے ہیں آپ بھی صوفی صاحب! ایک ایسی ظالم جابر حکومت کی ثنا کر رہے ہیں جس نے اپنے تیس سالہ دور میں ہزاروں فسادات کرائے، مسلمانوں کی املاک تباہ کیں مذہبی اداروں کو ڈھایا، عورتوں کی بے آبروئی کی، لاکھوں سہاگ اجاڑے، بوڑھوں اور بیماروں کو زندہ درگور کیا کانگریس کو کبھی اپنے کسی فرض کا احساس نہیں ہوا اور ایمرجنسی میں تو اس کے دماغ کی رگیں بالکل ہی سکڑ کر رہ گئیں تھیں اس نے تنظیم اور ڈسپلن کے نام پر ایسی ایسی حماقتیں کیں اور ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ ہر ایک نانی کو اپنی نانی یاد آگئی۔

خیر یہ باتیں تو سب درست ہیں۔ صوفی بدھو نے اعتراف کیا مگر جنتا سے میری نہیں بن سکتی۔

آخر آپ کو جنتا سے خدا واسطے کا بیر کیوں ہے، ایسی مقدس جماعت تو کسی قبرستان تک میں موجود نہیں ہے۔

وہ خالص واعظانہ انداز میں بولے۔ سب سے بڑی خرابی تو اس میں یہی ہے کہ اس نے تمام ممنوعہ جماعتوں سے پابندی اٹھالی ہے اور ان کے بدکردار رہنماؤں کو آزاد کردیا ہے۔ آر ایس ایس اور آنند مارگ وغیرہ سے پابندی اٹھالینا افسوسناک نہیں ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی جیسی غلط سلط جماعتوں کو بھی رہا کردیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر سے جو نقصان امت مسلمہ کو پہونچ رہا ہے، اس سے ہر سنّی پریشان ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنتا حکومت کا مودودیوں سے کوئی خاص رشتہ ہے۔ اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ جماعت اسلامی والے آر ایس ایس سے تعلقات بڑھا رہے ہیں۔

تو اس میں کیا حرج ہے۔ تعلقات بڑھیں گے، تو آر ایس ایس کو مسلمانوں کے بارے میں سوچنے کا موقعہ ملے گا ممکن ہے کہ مسلمانوں کے قریب آکر وہ اپنے نقطۂ نظر میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ میاں یہی تو تشویشناک بات ہے کہ جماعت اسلامی کے قریب ہوکر آر ایس ایس والوں نے اپنے نقطۂ نظر میں تبدیلی کرلی اور وہ بھی مودودی ہوگئے تو پھر اس دنیا میں کون صحیح العقیدہ رہے گا۔ تو کیا آپ کے نزدیک آر ایس ایس کے لوگ جماعت اسلامی کے افراد سے بہتر ہیں۔

یقیناً آر ایس ایس والوں نے صحابۂ کرام پر کیچڑ کبھی نہیں اچھالی، انھوں نے کبھی کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی کہ جس کا نام خلافت و ملوکیت ہو۔

اس نوعیت وکیفیت کی چند باتیں کرکے وہ چلے گئے انکے جانیکے بعد اہلیہ نے انتہائی عالمانہ انداز میں پوچھا۔

کیوں جی آپکے ملنے والوں میں کوئی سمجھدار بھی ہے یا بس سارے یونہی ہیں

بردبار علی سمجھدار تھے لیکن رات انھوں نے اپنے گھر کے کیواڑ ہی توڑ ڈالے۔

کیا مصیبت آگئی تھی اہلیہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

رات وہ دیر سے گھر پہونچے تھے اور ان کی خانم اس وقت خوابوں سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ دروازہ نہیں کھلا تو بردبار علی صاحب نے خوابوں میں سیکھی ہوئی باکسنگ کا سہارا لیکر مار کی جولانات تو کیواڑ بس شہید ہوتے ہوتے رہ گئے۔

غلطی بردبار علی صاحب ہی کی ہے۔

وہ کیوں؟ میں نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں ایک دن انکے یہاں گئی تھی تو شہناز مجھ سے بھی انکی بے پروائیوں کا رونا رو رہی تھیں، کہہ رہی تھیں۔

بھابی! میں تا بہت دن یونہی بیٹھے گزار دوں، اتنا ہوا مگر یہ کھانے کو دوڑے اور انھیں میری پرواہ ہی نہیں گھر میں آنے جانیکا کوئی وقت ہی مقرر نہیں، جب دل چاہا آگئے جب دل چاہا چلے گئے۔

تم نے وجہ پوچھی؟ میں نے بیڑی جلاتے ہوئے کہا۔

وجہ ہی کیا! اگر مرد کو تعلق نہ ہو، بے چاری کہہ رہی تھیں کہ انھیں تو میری کبھی ہوئی نہیں، ہمیشہ ہی سے ایسے ہیں۔

اب عورتوں کی زبان کا کیا بھروسہ ہے تو تم ہی ایسی ہو کہ جتنا کرواتی ہی گالیاں سنو! اب بھلا مجھ سے اچھا شوہر بائی [illegible]

چند مفید اور قابل مطالعہ کتابیں

اسلام اور کفر کی حقیقت	۶/۰۰	شیر شاہ سوری	۱/۵۰	ورق ورق روشن	۳۰/۰۰
بلاغ المبین	۶/۵۰	ٹیپو سلطان	۱/۵۰	فیوضِ یزدانی	۲۵/۰۰
فتوح الغیب	۶/۰۰	محمد ابن قاسم	۱/۵۰	تیسیر القرآن اول	۳/۰۰
شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰	طارق ابن زیاد	۱/۵۰	کلید تیسیر القرآن اول	۱/۰۰
ردِ تصوف	۵/۵۰	داتا گنج بخشؒ	۱/۵۰	سیکولرزم جمہوریت اور اسلام	۳/۰۰
آدابِ زیارتِ قبور	۰۰/۸۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا کا انکار کیوں	۱/۲۰
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا ہے	۱/۲۰
بیمۂ زندگی	۰۰/۸۰	مہاتما بدھ	۱/۵۰	کیا خدا کی ضرورت نہیں	۱/۲۰
اپنی اصلاح آپ	۰۰/۶۰	جہانگیرؒ	۱/۲۰	ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
تقلید کیا ہے	۰۰/۸۰	نور جہاں	۱/۲۰	خدا پرستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
اسلامی نظام ہی کیوں	۰۰/۶۰	زرتشت	۱/۲۰	دعوتِ حق غیر مسلموں میں	۱/۲۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے	۳/۰۰	خالد ابن ولید	۲/۵۰	بچوں کیلئے اقبال کی نظمیں	۴/۰۰
قرآن و حدیث	۴/۰۰	توضیح البیان	۱/۵۰	سیرتِ رسالت مآب	۴۰/۰۰
تلاشِ راہِ حق	۴/۵۰	سکھ اور جنگ آزادی	۴/۰۰	مخزنِ معلومات	۲۰/۰۰
کثرتِ آبادی کا علاج	۰۰/۶۵	مولانا عبید اللہ سندھی	۷/۰۰	اصلاحِ انقلاب	۱۶/۰۰
قافلۂ سخت جاں	۸/۵۰	درسِ عبرت	-/۷۵	ولیِ کامل	۶/۵۰
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ	۰۰/۲۵	گلدستۂ حدیث	۲/۵۰	حیاتِ امامِ اعظمؒ	۱۰/۰۰
مولانا مودودی سے ملئے	۱۰/۵۰	مختصر احکامِ حج	۲/۰۰	تذکرہ مولانا محمد یوسف	۹/۰۰
مولانا مودودی اسّی علماء کی نظر میں	۳/۰۰	راہِ حق کے دو مسافر	۲/۰۰	تفسیر رشیدی	۳/۰۰
حدیث دفاع	۱۲/۰۰	داعیٔ اعظمؐ	۵/۰۰	مخدوم صابر کلیری	۳/۰۰
مکتوباتِ علیؑ	۱۰/۰۰	چٹکتی کلیاں	۰/۷۵	اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰/۰۰
صراطِ مستقیم	۶/۰۰	شہ سوار	۲/۰۰	قصص الانبیاء	۹/۰۰
تصوف کی حقیقت	۶/۰۰	اسلامی معاشرہ	۷/۰۰	حضرت حسن رضؓ	۳/۰۰
سیرتِ ختم الرسلؐ	۴/۰۰	خطباتِ حنفیہ	۱۰/۵۰	حضرت حسین رضؓ	۳/۰۰
عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ	۳/۵۰	خطباتِ غوثِ اعظم	۱۰/۵۰	تعلیم ہدایت	۶/۰۰
جنت اور دوزخ	۲/۰۰	حیاتِ طیبہ	۵/۰۰	قبر کیا کہتی ہے	۴/۵۰
مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۵۰	کتاب الصوم	۱/۵۰	ترجمہ کافی اور روایت	۲۵/۰۰
مسلکِ جمہور	۱/۵۰	اسلامی فقہ مکمل	۲۵/۰۰	فریبِ تمدن	۱۰/۰۰

کتاب	قیمت
محفلِ ابرار	۲۵/۰۰
مومن اور مطالعۂ مومن	۳۶/۰۰
تاریخ محمودی	۱۰/۰۰
صحائفِ معرفت	۸/۵۰
رمضان کیا ہے	۲/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/۰۰
طبِ روحانی	۵/۰۰
شریعت اور تصوف اول	۸/۰۰
" " دوم	۵/۰۰
ذکرِ الٰہی	۲/۰۰
ذکرِ النبی	۲/۰۰
صراطِ مستقیم	۱۰/۰۰
مقبول نماز، مجلد رنگین	۱۰/۰۰
قبر کا عالم	-/۸۰
کیا انگلش تعلیم سب سے زیادہ ضروری ہے	
حیاتِ جاوید	۱۵/۰۰
توحید و معرفت	۱۵/۹۵
اورنگ زیب اور شیواجی	۹/۰۰
دیوان حالی مع شرح	۲۰/۰۰
یادِ اقبال	۶/۰۰
اقبال اور تصوف	۷/۵۰
مقاماتِ اقبال	۱۰/۵۰
عرفانِ اقبال	۱۰/۰۰
ذکرِ اقبال	۱۲/۵۰
دلی سے اقبال تک	۹/۰۰
پیامِ اقبال	۱۰/۰۰
کلیاتِ اقبال	۱۲/۵۰
ترقی پسند ادب	۶/۰۰
میر امن سے عبدالحق تک	۲۶/۰۰
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء	۱۲/۵۰
اردو کی تین مثنویاں	۶/۰۰

کتاب	قیمت
یادگارِ غالب	۴/۵۰
داستانِ زبانِ اردو	۷/۵۰
آپ تقریر کیسے کریں مکمل	۳/۵۰
[illegible]	[illegible]
وسیلہ کی حقیقت	۹/۵۰
سیرت خلفائے راشدین	۵/۰۰
تجرید بخاری شریف	۴۳/۰۰
ترمذی شریف اردو	۲۵/۰۰
مشکوٰۃ شریف اردو	۳۰/۰۰
مسلم شریف	۱۶/۰۰
موطا امام مالک اردو	۱۰/۰۰
انتخاب صحاح ستہ اردو	۸/۰۰
شیطان کی سوانح عمری	۱۲/۵۰
جنات کے پراسرار حالات	
آسمانی سفرنامہ	
غیبی آواز	۴/۵۰
خواجہ غریب نواز	۴/۵۰
روحِ تصوف	۴/۰۰
نقاد اللغات	۱۰/۰۰
فتاویٰ آستانہ کامل	۹/۰۰
واقعات الصالحین	۳/۵۰
تاریخ اسلام	۱۵/۵۰
بہادر شاہ کی کنیز	۳/۰۰
دارا شکوہ کی رقاصہ	۳/۰۰
فرعون کا معاشقہ	۳/۰۰
اسپین کا مرد مجاہد	۳/۰۰
صحبت با اولیا	۷/۵۰
مکتوبات خواجہ معصوم	۷/۰۰
طریق القلندر	۱/۵۰
طہارت	۱/۲۵
حضرت ابوبکرؓ	۵/۰۰

کتاب	قیمت
حضرت عمر فاروقؓ	۱/۵۰
حضرت عثمانؓ	۰۰/۸۵
حضرت علیؓ	۰۰/۷۵
مقدمہ شعر و شاعری	۴/۵۰
رحمتِ عالم	۴/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے	۴/۰۰
داڑھی اور انبیاء کی سنتیں	۲/۷۰
مبادیات فقہ	۱/۵۰
الفوز الکبیر	۱۵/۰۰
حرمت مصاہرت	۱/۵۰
حیات امام ابو داؤد	۲/۲۵
میلادِ اکبر	۱/۵۰
نقشِ سلیمانی	۱۴/۰۰
اکسیر ہدایت	۴۲/۰۰
نافع الخلائق	۴۰/۰۰
کنز الحسین	۲/۰۰
میزان الطب	۴/۰۰
اعجازِ رقم	۳/۲۵
حرزِ سلیمانی	۱۱/۰۰
بیاضِ یعقوبی	۱۰/۰۰
تعلیم الاسلام اردو	۳/۵۰
" " ہندی	۴/۵۰
شاہنامۂ اسلام مکمل	۱۰/۰۰
مکتوبات امام ربانی	۹۷/۲۵
ترکی حور	۵/۷۵
اجتہاد اور تقلید	۳/۰۰
شانِ رسالت	۳/۲۵
خاتم النبیین	۲/۵۰
فلسفۂ نماز	۳/۰۰
نظریۂ حکومت کامل	۶/۵۰
علمِ غیب	۳/۰۰

مکتبہ تجلی دیوبند یوپی

جناب مولانا عتیق احمد بستوی فاضل دیوبند

کھرے کھوٹے

نئے پھول

مرتب :- مجیب بستوی۔
کتابت و طباعت :- متوسط
کاغذ :- معمولی
صفحات :- ۴۸
قیمت :- دو روپے
ناشر :- انجمن افکار ادب، سمریاواں، بستی، (یو پی)

اس کتاب کے اندر مجیب صاحب نے چوالیس جدید شعراء کا تعارف کرایا ہے، ہر صفحہ کے اندر چند تعارفی سطریں ہیں، اور بطور نمونۂ کلام شاعر کی ایک غزل درج ہے۔ چند شعراء کو چھوڑ کر بقیہ سب کے سب ادبی دنیا میں غیر متعارف ہیں۔ ان شعراء کو نئے پھول کے بجائے ننھی کلیاں کہنا زیادہ موزوں ہوتا۔

نقد و تبصرہ سے پہلے ہم اس بات کا اعتراف کر لینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مجیب صاحب نے یہ کتاب مرتب کر کے بہت بڑے کام کا آغاز کیا ہے۔ اردو زبان کے اندر مشہور شاعروں کے اوپر کتابوں کا انبار ہے غالب، اقبال وغیرہ پر لکھی ہوئی کتابوں کی لمبی چوڑی فہرست ہے لیکن غیر مشہور اور گمنام شاعروں پر کتابیں کم ملنا مشکل ہے۔ دوسرے الفاظ میں جدید ادب کا ایک المیہ یہ ہے کہ بہت لوگوں نے مخالفتوں، اور تنقیدوں کے باوجود سینہ سپر ہو کر ادب میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ ان کی آؤ بھگت کی جائے۔ مگر نو وارد اور نومشق، شعراء جن کے اندر بڑی اچھی صلاحیتیں ہیں، ان کی پذیرائی کرنے کے بجائے ان کو دھکے دیے جائیں اور ان کو عصر ادب سے خارج سمجھا جائے۔

تاریخ کی طرح ادبی دنیا بھی بے انصافی سے پاک نہیں ہے۔ ایسا بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض ابھرتے ہوئے باصلاحیت شعراء جن کے اندر غالب و اقبال بننے کی صلاحیت تھی، ناقدری کا شکار ہو گئے، ادبی حلقوں نے ان کی پذیرائی نہیں کی اور ان کی شاعرانہ صلاحیتیں دب دبا کر رہ گئیں۔ اس کے برخلاف ادبی حلقوں نے بعض ادنیٰ درجے کے شاعروں کو ان کی صلاحیتوں سے بلند تر مقام دیا اور خوا مخواہ انھیں اڑا لے گئے۔ اس موقع پر علامہ عثمانی مرحوم کے دو اشعار درج کرنا مناسب ہوگا۔

> کتنے شاہیں بسیرے کو ترسا کیے باغ پر چھا گئے کتنے زاغ و زغن
> کتنے اہلِ دنیا دار پر چڑھ گئے کتنے اہلِ ہوس بن گئے ذو فنن

> صرف شہر سیاست کا ماتم نہیں، ہر نگر ہر ڈگر ایک سا حال ہے
> کتنی قبروں پہ چڑھتی رہیں چادریں کتنے لاشے پڑے رہ گئے بے کفن

اساتذۂ ادب کے لیے ضروری ہے کہ نئے ابھرتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کا گہری نگاہ سے جائزہ لیں اور جن نوجوانوں کے اندر ترقی کرنے کی صلاحیت دیکھیں ان کی بڑھ چڑھ کے ہمت افزائی کریں۔ ادبی حلقوں میں ان کی پذیرائی کریں تاکہ ادب

کے جسم میں تازہ خون دوڑ جائے اور نوجوانوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اردو ادب کو تیز گامی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف پہنچایا جاسکے، اس نقطۂ نظر سے مجیب صاحب کی یہ پیشکش لائق صد تحسین ہے۔

صفحات کی کمی کی وجہ سے مجیب صاحب نے ہر شاعر کی صرف ایک غزل یا نظم درج کی ہے۔ حالانکہ محض ایک غزل دیکھ کر کسی شاعر کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس سلسلہ میں بسا اوقات انتخاب کرنے والے کا ذہن ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مرتب کسی اونچے شاعر کی گھٹیا نظم درج کردے یا کسی ادنیٰ شاعر کی سب غیر معیاری غزلوں کو چھوڑ کر اس کے چند عمدہ اشعار درج کردے۔ ایسی صورت میں تبصرہ نگار اگر خلاف واقعہ تبصرہ کر جائے تو اس کی ذمہ داری زیادہ تر انتخاب کرنے والے پر عائد ہوتی ہے

اس کتاب کے اندر ڈاکٹر سلام سندیلوی، اختر بستوی، جوہر اعظمی، کمال جعفری، حیرت بستوی، فرید عباسی، لیاقت حسین تررر ریاض غازی پوری، شاہد آفاقی، ظاکر قادر آبادی کی غزلیں مجموعی طور پر بہت پسند آئیں چند پسندیدہ اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ذہن میں شیخ و برہمن کے بھرو پیار کا رنگ
ماند پڑ جائے گا خود فتنۂ بیدار کا رنگ

خود بخود پیچ و خم راہ پہ چھا جاتا ہے
شوق منزل تو کبھی جذبۂ بیدار کا رنگ

سحر اعظمی

ڈس کے بے صدھ ہو گئیں دل کو ہوس کی ناگنیں
زہر بے لطفی کا باقی رہ گیا جذبات میں

مجھ کو جس دشمن کی تھی باہر کی دنیا میں تلاش
پالیا میں نے اسے آخر خود اپنی ذات میں

اختر بستوی

ان سرخ آندھیوں کی سیہی رہ گزر تو ہے
دیر و حرم میں پھر بھی کوئی جاگتا نہیں

مجنوں کے جذب شوق نے چمکا دیا ہے
لیلیٰ کو ورنہ آج کوئی جانتا نہیں

جوہر اعظمی

وہ گھڑی ان کے پہلو میں جو کٹ گئی
رشک صد ہستیٔ جاوداں ہوگئی

تھی بہار جوانی بڑے کام کی
آہ انمول شے رائیگاں ہوگئی

گرمیٔ عشق سے کوئی جب تپ گیا
آگ اس کے لئے گلستاں ہوگئی

حیرت بستوی

جوانی تھی کیا رت سہانی سہانی
تخیل میں رنگیں اشاروں سے کھیلے

شب ہجر میں جب نہیں کوئی آیا
تو ہم شوق سے چاند تاروں سے کھیلے

شرر

تنقیدی نظر سے کتاب کا مطالعہ کرتے وقت جو باتیں ہمیں کھٹکی ہیں ان کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

مجیب صاحب کی تعارفی سطریں اگرچہ مختصر ہونے کے باوجود عمدہ ہیں لیکن لغزش سے پاک نہیں ہیں۔

نثار ہاشمی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں "کلام کا رنگ نیا اور کیفیت کے اعتبار سے مؤثر ہے" میں نے نثار صاحب کی غزل کا غور سے مطالعہ کیا، مگر اس میں کوئی نیا پن محسوس نہیں ہوا غزل کا پہلا شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور اس میں نیا پن تلاش کیجئے

نگاہِ ناز کا اپنی شکار ہونے دو
یہ ابتدا ہے محبت کی پیار ہونے دو

اگر نثار صاحب کے کلام میں واقعتہً نیا پن ہے تو مجیب صاحب کو کوئی ایسی غزل درج کرنی چاہیئے تھی، جس کے اندر نیا پن نمایاں ہو۔

معصوم رشقی کے تعارف میں ہے۔ "وہ اردو کلام میں شگفتگی اور دور جدید کا ترنم بنگال کے جادو کی طرح سحر آفریں ہے" اس جملہ کا آسان ترجمہ یہ ہے "جس طرح بنگال کا جادو سحر آفریں ہے۔ اسی طرح معصوم صاحب کا کلام بھی اپنی شگفتگی اور ترنم کی وجہ سے سحر آفریں ہے" اب مجیب صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ جادو کی جادو آفرینی کوئی بامعنی چیز ہے، یا مہمل۔

ڈاکٹر ناشاد کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں "انداز نگارش میں بلا کا سحر ہے۔" حالانکہ سحر مذکر ہے، مونث نہیں، "جگر بستوی کے تعارف میں ہے" وہ انگریزی الفاظ سے یا ہندوستانی الفاظ جمع ہے واحد نہیں۔ ص ۲۷ پر ہے "شریف صاحب اسم باسمہ، یعنی پیکر شرافت ہیں" صحیح لفظ اسم بامسمیٰ ہے، اسم باسمہ نہیں۔ ص ۳۸ کی تعارفی سطروں میں ہے "طالب علمی ہی کے زمانے سے ہی شعر و ادب کا ذوق رہا۔" اس جملہ کے اندر "سے" بھی زائد ہے۔

تعارفی سطروں پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد اب غزلوں کی طرف آئیے ان کے اندر انسانی کمزوریوں کے نمونے ملیں گے۔

نثار ہاشمی کا شعر ہے ؎

کرو نہ رشک اے زاہد گنہ پہ ہم میری
خدا رحیم خطا بے شمار ہونے دو

پہلے مصرعہ کے اندر میری کے بجائے میرے ہونا چاہیئے کیونکہ گناہ مذکر ہے۔ ممکن ہے کاتب نے غلطی سے میری لکھ دیا ہو۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی غزل کا ایک شعر ہے ؎

قبضۂ بے جا کی بنیاد پہ جھگڑا اٹھا
شبنم و شاخ کی تکرار نے سونے نہ دیا

پہلے مصرعہ میں بیجا بھنچ کے رہ گیا ہے۔ اگر بیجا کو ٹھیک سے پڑھا جائے تو مصرعہ لمبا ہو جائے گا۔ بیجا کی الف کو نہ پڑھنے کی صورت میں وزن درست ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بڑی خامی نہیں ہے لیکن سلام سندیلوی کی شان سے فروتر ضرور ہے۔

رشید قمر لکھنوی کا شعر ہے ؎

ناز فرمائیے بے کانہ نگاہی پہ مگر
بات رہ جاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے
فکرِ تکمیلِ تمنا تو کوئی بات نہیں
دلِ مخلص کی دعاؤں کا اثر جاتا ہے

دونوں شعروں کے مصرعوں کے درمیان کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی باریک ربط ہو، جو ہمارے دماغ سے بلند ہو۔

کامل فتحپوری کا شعر ہے ؎

ہم کہ بہت بدنام ہوئے ہیں اپنوں میں بیگانوں میں
ذکر ہمارا پا گئے یار و اب دنیا کے افسانوں میں

دوسرے مصرعہ میں کچھ تبدیلی کر لی جائے تو شعر حسب درست ہو گا ؎

ذکر ہمارا پاؤ گے لیکن دنیا کے افسانوں میں

اختر بستوی کہتے ہیں ؎

نور کی موجیں ہیں یوں احساس کے ظلمات میں
جیسے جمنا میں دیئے تیریں اندھیری رات میں
اب تو اے اختر یہی گفتار کی معراج ہے
سیکڑوں معانی چھپے ہوں ایک مہمل بات میں

پہلے شعر کے اندر "احساس کے ظلمات" کے بجائے "احساس کی ظلمات" ہونا چاہیئے، کیونکہ ظلمت مؤنث ہے مذکر نہیں۔

اختر صاحب دور حاضر کے اچھے اور منجھے ہوئے شاعر ہیں ان سے ایسی صریح غلطی بعید معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ کاتب صاحب کی کرم فرمائی ہو۔

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں، معانی، مانی کی صورت استعمال کیا گیا ہے۔ معانی کو مانی پڑھنا اور لکھنا شعری ضرورت کی وجہ سے درست مان لیا جائے، تب بھی اس سے شاعر کی قدرت کلام پر حرف ضرور آتا ہے۔

دل صینی کا ایک شعر ہے ؎

یہ سوچتا ہوں تجھے نذر کیا کروں آخر
رگِ حیات میں باقی مرے لہو بھی نہیں

رگ مؤنث ہے اس کی مناسبت سے مرے کے بجائے مری ہونا چاہیئے۔

مولانا نذیر قاسمی نے اپنی غزل کے ایک شعر میں فیض تعشق کا استعمال کیا ہے۔ اس دور میں تعشق متروک اور نامانوس ہے۔ اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے شعر کی قدر و قیمت فنی اعتبار سے بہت کم ہو جاتی ہے۔

حامد صاحب کے دو شعر ہیں ؎

سونا سونا ہر ایک روپ کا گاؤں
من کا جوگی بھلا رکے کس ٹھاؤں
روز دیتا ہے اک نیا چہرہ
روز میں بھولتا ہوں اپنا ناؤں

ٹھاؤں اور ناؤں وغیرہ مقامی الفاظ ہیں، اردو کے ٹکسالی ادب میں ان کا استعمال نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو چیز اور

اور دوسرے ملک کی زبانوں میں بہت سے ایسے الفاظ اور ترکیبیں الفاظ ہیں جن کا اردو میں ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اردو کے اندر ان کے ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن اس بارے میں بالکل آزادی بھی اردو کے اندر انارکی پیدا کر سکتی ہے اس کی شیرینی اور لطافت کو ختم کر سکتی ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ معتبر ادیبوں اور شاعروں کی کیٹی یہ کام انجام دے۔ ہر کس و ناکس کی جدت طرازی کو تسلیم کرنا زبان کے لیے مضر ہے۔

اسلام مظفر نگری کا شعر ہے ؎

لہو سے اپنے زمیں ہم کو سینچا ہے
مرا ہی نظم گلستاں پہ اختیار نہیں

اگر پہلا مصرعہ اس طرح ہوتا تو زیادہ عمدہ ہوتا ع

لہو سے میں نے زمیں چمن کو سینچا ہے

کیونکہ دوسرے مصرعہ کا "مرا ہی" اسی کا تقاضا کرتا ہے۔
تارا شنکر ناشاد کہتے ہیں ؎

تم نے جب کر لیا کنارا
اب دنیا میں کون ہمارا

شعر کا پہلا مصرعہ غزل کی بحر سے خارج ہے۔ اگر اس طرح ہوتا تو وزن ٹھیک ہو جاتا ع

تم نے ہم سے کیا کنارا

جگر بسوی کا ایک مصرعہ ہے۔ ع

چلو اٹھ کر چلیں اب میکدے میں دل کی سکون خاطر

سکون مذکر ہے۔ لہٰذا "دل کے سکون" ہونا چاہیے۔ "دل کی سکون" کھلی ہوئی غلطی ہے۔

قیوم راهی کا شعر ہے ؎

ز ہے قسمت تری چشم کرم ہے
موافق اب تو اپنے دل کا غم ہے

پہلے مصرعہ کے اندر "تری" کے بجائے "تیری" ہونا چاہیے تب وزن صحیح ہوگا۔

نثار گورکھپوری کی غزل کا شعر ہے ؎

ہم بلا نوشوں پہ اک نظر کرم ہو ساقیا
ورنہ یہ آباد ہوگا تیرا میخانہ نہیں

[illegible]

کہا ... کے ساتھ اس کا ... کیا گیا ہے۔ جیسے کسی بچہ کو اس کے خاندان سے دور پھینک دیا گیا ہو اور وہ نالہ و فریاد کر رہا ہو۔
مجیب صاحب کہتے ہیں ؎

ہاں ہم نے مجیب اپنا جگر خون کیا ہے
یہ کہ کوئی میرا ہی خون میری غزل ہے

دوسرے مصرعہ کے اندر "کوئی" بہت غیر متعلق ہے۔ مجیب صاحب غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جس مفہوم کو وہ ادا کرنا چاہتے ہیں "کوئی" اس کے خلاف مفہوم پیدا کرتا ہے۔
ان غزلوں کے پہلو بہ پہلو گھٹیا اشعار بھی نظر آتے ہیں جن کو صرف تک بندی کہا جا سکتا ہے۔

بلا تبصرہ چند اشعار درج ہیں۔

آپ کے غم کی قسم آپ کا غم ہے مجھ کو
ہو سکے تو مری مشکل کو بھی آساں کیجئے

آپ کے حسن کی تعریف کروں کیا آگے
اب مرا عشق کو آرام کا ساماں کیجئے

اوج پر جسم بہاراں ہے ابھی رہنے دو
حسن پر شام شبستاں ہے ابھی رہنے دو
رنگ پر بزم غزالاں ہے ابھی رہنے دو
ہر طرف جشن چراغاں ہے ابھی رہنے دو

تحفۂ عید رمضان

املا ـــــ مولانا نسیم احمد فاروقی، مظاہری بجنوری۔

صفحات	۲۴
کتابت	غیر معیاری
طباعت	غنیمت
کاغذ	گھٹیا
قیمت	۱۲ روپے

ناشر: مکتبۂ نسیمیہ، مرکز تبلیغ، سرائے ترین، مراد آباد (یوپی)

مولانا نسیم احمد فاروقی، مغربی یوپی کے جانے پہچانے عالم دین

اور ایک مشہور دینی درسگاہ کے حدیث و تفسیر کے استاد ہیں۔

مولانا کی زندگی اس لحاظ سے قابل رشک ہے کہ وہ بے پناہ تدریسی مصروفیات کے باوجود سال میں چھوٹی بڑی دو چار اصلاحی، کتابیں منظر عام پر لانے سے نہیں چوکتے۔ زیر دست کتاب "تحفۂ عید رمضان" اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے عید الفطر سے متعلق تمام مسائل و فضائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز مروجہ غیر شرعی و جاہلانہ رسوم کی مدلل اور کتاب و سنت کی روشنی میں تردید کی ہے۔

"عید الفطر کی لفظی و معنوی تحقیق"، "عید اسلامی اور فطرت انسانی" عیدین کا آغاز، قمری تاریخ اور اس کی اہمیت، قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت کے زیر عنوان مضامین بہر لحاظ قیمتی اور پر مغز ہیں، اور اپنے خالق کی عالی فکری و تبحر علمی کا آئینہ داری کرتے ہیں — انھوں نے کتاب میں جگہ جگہ اپنے نیز مختلف شعراء کے بر محل اشعار بھی درج کیے ہیں، جس سے ان کے غیر معمولی ذوق شعری کا پتہ چلتا ہے۔

مثلاً ص۔ ۶۸، بر حکیم مشرق، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار "غرۂ شوال! یا ہلال عید" کے عنوان سے زینت کتاب ہیں۔

غرۂ شوال! اے نور نگاہِ روزہ دار
آکہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے

سرگزشت ملت بیضا کا تو آئینہ ہے
اے مہ نو! ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے

اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
رہرو درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر
اے تہی ساغر ہماری آج ناداری بھی دیکھ

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بت کدہ میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو
اور جو بے آبرو تھے ان کی خودداری بھی دیکھ

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا
اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

ساز عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن
اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صورت آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
شورش امروز میں محو سرود دوش رہ

ص ۸۵ پر "جشن عید" کے عنوان سے ملک کے نامور صاحب طرز شاعر علامہ شہباز صدیقی امروہوی کی ایک نظم زیب قرطاس ہے۔ جس کے چند شعر یہ ہیں۔

چھائی ہے عیش کی ہر سمت گھٹا عید کے روز
فرحت افزا ہے زمانے کی فضا عید کے روز

فرض روزوں کا ادا کر کے ہیں مومن شاداں
سجدۂ شکر کریں کیوں نہ ادا عید کے روز

باغ امت میں، مواخات و مساوات کا گل
ہر برس پاتا ہے کیا نشو و نما عید کے روز

عید گاہوں میں ہے جو سجدہ گزاروں کا ہجوم
حضرات حق میں ہیں سب ناصیہ سا عید کے روز

چونکہ تبصرہ نگار اور مولانا موصوف کے درمیان ایک تعلق بھی ہے اور وقتاً فوقتاً موصوف اپنے کرم ہائے بے پایاں سے نوازتے بھی رہتے ہیں، بایں سبب مناسب ہوگا کہ "دوست صادق آنست کہ دوست را بر معائب او ملامت گرداند" کے تحت

کتاب کی بعض علمی، فنی اور کتابتی خامیوں کی بھی نشاندہی کردیجائے تاکہ اگلا اڈیشن مزید اصلاح و تصحیح کے بعد منظر عام پر لایا جائے۔

کتاب کے سرورق پر یہ شعر درج ہے جو کہ قطعی بے محل ہے۔

پیشِ خدمت ہے کتاب لاجواب
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

اگر یہ شعر کسی مناظرانہ کتاب کے سرورق پر درج ہوتا تو کسی حد تک اس تضمینی شعر کا برمحل ہونا قرین صواب ہوتا۔ بصورت موجودہ اس شعر کو بے محل ہی کہا جائے گا۔

پوری کتاب میں مولانا کی شعری تخلیقات میں جہاں بھی لفظ "لے" بلا وہ بحر کے لحاظ سے "ر ا" ہے جب کہ یہ روا نہیں ہے ص ۷، پر مولانا نے یوں تحریر فرمایا ہے۔ کہ مسرّتوں کے فوارے ابل رہے ہیں، خوشیوں کے چشمے اچھل رہے ہیں، اسے اس طرح لکھنا چاہیئے تھا۔

مسرّتوں کے فوارے اچھل رہے ہیں
خوشیوں کے چشمے ابل رہے ہیں

سرود و کیف کا ساماں کرو کہ عید آئی ہے
دلوں کے درد کا درماں کرو کہ عید آئی ہے ص ۸۔

دونوں ہی مصرعوں میں "کہ، کو" کے پڑھنے سے وزن درست ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کی آواز "کِ" کی ہونی چاہیئے

صبح کو چل دیئے سب بارگاہِ ناز کی جانب ص ۹، لفظ صُبح، نہیں "صُبُح" ہے۔

تراویح اور روزوں کی مشقت رنگ لائی ہے ص [illegible]
"تراویح" کی "ح" گرگئی۔

ص ۳۱ پر درج شدہ نظم "چاہتے" جیسی ردیف ہونے کی وجہ سے پوری کی پوری نظم بحر سے خارج ہوگئی۔ یعنی "چہیتے" پڑھنے سے وزن پورا ہوتا ہے، اور یہ سراسر غلط ہے۔ اگلے اڈیشن میں نظم قطعی نہ شامل کی جائے۔

خوشی کے زمزمے گاؤ کہ عید آئی ہے
محبت کے نغمے سناؤ کہ عید آئی ہے ص ۳۷

اس شعر کا دوسرا مصرعہ ناموزوں ہے۔ یہ مصرعہ یوں بھی ہوسکتا تھا۔

طرب کے نغمے سناؤ کہ عید آئی ہے

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شئی کی حقیقت کو نہ پہونچے وہ نظر کیا ہے ص ۴۷

اس مشہور شعر کے دوسرے مصرعہ میں "نظر کیا" کے بعد "ہے" کا اضافہ کرکے، کاتب صاحب نے مصرعہ ناموزوں کردیا

انھیں کاتب موصوف نے، ص ۱۸۸، پر شائع شدہ تبصرہ نگار کی ہی ایک مختصر سی نظم میں دو جگہ "لفظ" سبب" چھوڑ کر پوری نظم کی ریڑھ مار کر رکھدی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان مذکورہ معائب و نقائص سے کتاب کی افادیت اور قدر و قیمت میں کسی بھی قسم کا فرق نہیں واقع ہوتا

تبصرہ نگار کی رائے میں اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اردو زبان میں آج تک نہیں شائع ہوئی۔

یقینی طور پر یہ کتاب اس قابل ہے کہ دوست و احباب کو عید کے پرمسرت موقعہ پر تحفہ کے طور پر پیش کی جائے۔

نوٹ :- یہ کتاب مکتبہ تجلّی دیوبند سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تابش آمری

رختِ سفر

مجموعۂ کلام جناب ثاقب نعمانی۔

صفحات	۴۴
کتابت	عمدہ
طباعت	معیاری
کاغذ	گوارہ
قیمت	۲/۲۵

ناشر :- اکیڈیمی آف اسلامک کلچر، پوسٹ محمدیہ، ضلع پورنیہ، بہار

جناب ثاقب نعمانی، صوبۂ بہار کے ایک کہنہ مشق و بزرگ، شاعر ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "رختِ سفر" ان کی غزلوں اور معیاری

نظموں کا مجموعہ [illegible] ہے۔ "رغبتِ سفر" کے مطالعہ سے ان کے غیر معمولی فنی ادراک، علمی بصیرت اور گیرائی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

چلا ہوں جانبِ منزل تہی دست
فقط نامِ خدا رغبتِ سفر ہے

کتنا حسین ہے یہ شعر۔ سچ پوچھیے تو اسی ایک شعر سے ہی شاعر کے ذہنی میلان و رجحانِ طبع کا سراغ لگ جاتا ہے۔

اگرچہ ہمیں ان سے ملاقات کا شرف نہیں حاصل رہا ہے، تاہم مطالعہ کلام سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ ان شعراء میں سے نہیں ہیں جن کی شاعری کا انحصار حسن و عشق کی داستانوں اور گل و بلبل کی افسانہ طرازیوں پر ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی شاعری میں مقصدیت، ملت کا درد اور انسان [illegible] دوستی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں بادہ خانہ اقبالؒ، انھوں نے حکیم مشرق علامہ اقبالؒ کے اندازِ فکر کو اپنا زاویۂ نگاہ قرار دیا ہے۔ ان کی پوری شاعری پر اقبال ہی رنگ سخن غالب ہے۔ ثاقب صاحب آج نہیں تو کل، اور کل نہیں تو پرسوں اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے لیکن اسلامی اور تعمیری ادب میں ان کا نام تادیر باقی رہے گا۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ عہد حاضر کے مردہ پرست و نام نہاد ترقی پسندی کے دور میں انھیں وہ مقام نہیں حاصل ہو سکا جس کے وہ یقینی طور پر مستحق ہیں لیکن مستقبل کا انصاف پسند نقاد انھیں عزت و قدر کی نظروں سے دیکھے گا۔ اور ان کا باقی ماندہ ادبی ذخیرہ اگلی نسلوں کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

"رغبت سفر" میں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ٥، معیارِ زندگی، حقائقِ زندگی، شعاعِ امید، چاند سے، وجود آدم اور نورِ ایمان کے زیرِ عنوان نظمیں، ان بلند فکری و تبحرِ علمی کی آئینہ داری کرتی ہیں۔

تفصیل کا موقعہ نہیں ہے نمونہ کے طور پر ہم چند شعر نقل کرنے پہ اکتفا کریں گے۔ جس سے انشاء اللہ ان کی شاعرانہ عظمت و مفکرانہ مقام کا اندازہ باذوق قارئین کو بسہولت ہو جائے گا۔

تری گردن نہ جھکی حیف حضورِ حق میں
درِ باطل پہ رگڑتا ہے شب و روز جبیں
اے شکم بندہ فقط تجھ کو ہے جوع الارض
تھی شہنشاہِ دو عالم کی غذا نانِ جویں

جواں ارادے ہیں جھکتے دلیل کبریائی ہے ساری دنیا
جنھیں نے یہ لگا یہ ہو تو اس کا حامی خدا نہیں ہے
تو اے اسیر مجاز آ جا رہ حقیقت پہ گامزن ہو
تری خودی میں ابھی تو ہم کو سراغِ منزل چھپا ہے

... ...

سجودِ حق میں گرے جب احد احد کہہ کر
صنم کدے میں اذاں جب پکار دی میں نے

یہ شعر خالص اسلامی اندازِ فکر کے ہیں، اور ان میں اقبال کی روح افکار کارفرما پائی جاتی ہے۔

مجھے سجدوں نے ایسی سربلندی بخش دی یا رب
درِ اغیار پر جھکنے کو پیشانی نہیں جاتی
تری صورت، تری سیرت تماشا گاہ عالم تھی
مگر اے غیرتِ امت آج پہچانی نہیں جاتی

... ...

اگر دامانِ رحمت میں کوئی ان کو نہ چن لیتا
ٹپک کر نوکِ مژگاں سے یہ دُردانے بکھر جاتے

ان اشعار پر تبصرہ نگار کو فخر مشرق علامہ شفیق جونپوریؒ یاد آ گئے۔

بچھڑے ہیں اک زمانے سے یارانِ میکدہ
پھر اہتمامِ بادہ و جام و سبو کریں

✻

زمانہ منتظر ہے دیر سے ایک فردِ کامل کا
جو روحِ حریت بیدار کر دے نوجوانوں میں

✻

تو خلیفۂ زمیں ہے تجھے سروری ہے زیبا
ترے ترکش میں نہیں ہے رہ و رسم کا خزانہ

اس حقیقی اور واجبی تعریف و تحسین کے بعد ہم حق تبصرہ ادا کرنے کی غرض سے کتاب کے بعض کتابتی، فنی نیز دیگر نوع کے نقائص کی طرف بھی اشارہ کریں گے اور امید کریں گے کہ "رغبتِ سفر" کا اگلا ایڈیشن ان نقائص سے پاک و منزہ کرنے کے بعد منظرِ عام پر آئے گا۔

ص، ۳، پر ایک مضحکہ خیز بات دیکھنے میں آئی، وہ یہ کہ اس مختصر اور

صرف ۱۱۳ صفحات مجموعۂ کلام کی اشاعت کے سلسلے میں مصنف نے ان سات افراد کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا ہے۔ جنھوں نے ترتیب، طباعت اور اشاعت میں ان کی مدد کی ہے۔ ص ۲۔ ۱۰ پر "مجلس ادارت" کے عنوان کے تحت چند افراد کے نام دیئے گئے ہیں۔ اب تک ہمیں صرف اخباروں اور رسالوں میں مجلس ادارت یا مجلس تحریر دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر اس مختصر سی کتاب میں یہ چیز پہلی بار دیکھنے کو ملی۔ اگر مجلس ادارت کی جگہ مجلس ترتیب کر دیتے، تو بات کسی حد تک درست ہو سکتی تھی۔ مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مختصر سی کتاب کے لیے یہ بات پھر بھی مضحکہ خیز ہی رہتی۔ ص ۱۱۲ پر یہ رباعی "شانِ رسول" کے عنوان سے درج ہے۔

اے کہ در شانِ تو گفت ایزد پاک
لولاک لما خلقتُ الافلاک

بر ادائے ثنا چہ دم زند ثاقب
بے بال و پر است شعور و ادراک

"لولاک لما خلقت الافلاک" والی روایت من گھڑت اور غیر مستند ہے۔ ارشادات خداوندی میں اس کا کسی بھی صورت میں موجود نہیں ہے۔ مولانا ثاقب صاحب جیسے ثقہ اہل علم کو ایسی من گھڑت روایات کو جامۂ نظم پہنانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ایک سے زائد مقام پر مولانا نے "یاں" "واں" اور "مگر" کا استعمال کیا ہے۔ یہ الفاظ غیر فصیح ہیں اور متروک ہو چکے ہیں۔

بعد عزت وہاں تک رحمۃ العالمین پہنچے
[illegible] پر آج تک بھی فکر انسانی نہیں جاتی

[illegible] دوسرا مصرعہ سست ہے۔ اس میں لفظ "جاتی" محض ردیف کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہاں "جاتی" کا نہیں بلکہ "گی" کا محل تھا۔

یزید کی حکومت تھی چند دن تن پر
مگر حسینؑ دلوں پر ہے حکمراں اب تک

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ثاقب نعمانی جیسا پڑھا لکھا شاعر بھی "شیعی" پروپیگنڈوں سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ مناسب [illegible] موصوف اس سلسلے میں مزید [illegible] کی وضاحت فرمائیں۔

حسرت نم لب کوثر جو روا رکھتے ہیں
تہہ دوزخ وہ سبھی شوق پیا کرتے ہیں

اس شعر کو سمجھنے کی حد تک ہم اپنی جہالت و [illegible] کا اعتراف کرتے ہیں۔ (رباعی)

نقش باطل کو زمانے سے مٹا سکتا ہے
رہبر کو در ایزد پہ جھکا سکتا ہے
ترے بازو میں تو وہ اسد الٰہی ہے
ایک عالم کو اشاروں پہ نچا سکتا ہے

ہمارا خیال ہے کہ ترتیب کے وقت اگر پورے مجموعۂ کلام پر ناقدانہ نظر ڈال لی گئی ہوتی تو یہ چار مصرعے ہرگز شامل نہ کیے جاتے۔ پہلا اور سب سے بڑا نقص اس میں یہ ہے کہ یہ اشعار رباعی کی بحر میں ہیں بلکہ یہ بصورت موجودہ اسے قطعہ ہی کہا جا سکتا ہے جس کی بحر فاعلاتن، فعلاتن، فعلاتن، فعلن ہے۔ اور یہ بحر رباعی کی نہیں ہے۔ دوسرے میں لفظ "تو" اور "وہ" سے ایک لفظ زائد ہے ورنہ مصرعہ خارج از بحر ہو جائے گا۔ چوتھے مصرعے میں "نچا سکتا ہے" کا ٹکڑا بھی [illegible] نظر ہے۔

اگر اگلے ایڈیشن میں ثاقب صاحب کے تالیفات ادب سے [illegible] کثیف جھلیاں نکل گئیں تو [illegible] یہ مجموعۂ کلام اسلامی ادب کی دنیا میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگا۔

حاصل تبصرہ یہ ہے کہ مولانا ثاقب نعمانی کا زیر دست مجموعۂ کلام "رخت سفر" بہ حالت موجودہ بھی اس لائق ہے کہ اسے شہر کی ہر لائبریری اور کتب خانہ کی زینت بنایا جائے۔

سچ پوچھیے تو ثاقب صاحب نے "رخت سفر" شائع کر کے اردو ادب کو کچھ دیا ہے۔ اور اردو ادب نے اس مجموعۂ کلام "رخت سفر" سے کچھ حاصل کیا ہے۔ ہم اس وقت کے منتظر ہیں جب ثاقب صاحب کو وہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ جس کا وہ پوری طرح مستحق نظر آتے ہیں۔

تابش مادری

* * *
* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرِ حق کی ۲۹ ویں منزل

اور

انتیسویں منزل کا چوتھا اقدام!

فی شمارہ ——— ڈھائی روپے

اس شمارہ کی قیمت ——— تین روپے

عمومی زرتعاون ——— تیرہ روپے

"	ایک سال کے لئے ———	چوبیس ۲۴ روپے
"	دو سال کے لئے ———	بیالیس ۴۲ روپے
"	تین سال کے لئے ———	ساٹھ ۶۰ روپے
"	چار سال کے لئے ———	چھتر ۷۵ روپے
	پانچ سال کے لئے ———	نوّے ۹۰ روپے

خصوصی زرتعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ.

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سال بھر کیلئے ازراہِ تعاون جو رقم ارسال کی تھی اسکی مدت ختم ہو چکی ہے. تجلی کو اگر آپ نے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کیلئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس ۲۴ روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنے کی اجازت دیں مدمنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رجسٹریشن اطلاع کردیں ورنہ آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی پی کر دیں گے امید ہے وی پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

(مطبوعہ محبوب پریس دیوبند)

فروری ۔ مارچ ۔ اپریل ۸۶ء

تجلیات

علاوہ ازیں الطاف حسین قریشی کا لکھا ہوا ایک خصوصی [illegible]
تارک ٹِل اور مولانا یوسف امیر جماعت کا خطاب بھی اس شمارہ میں ملاحظہ [illegible]

نقادِ اعظم
مولانا
عامر
عثمانی
توسل اللہ مرقدہ

مستقل

دستک

کرامتوں کا قصہ کہانی کے طور پر سننا ایسا ہی ہے جیسے آپ طلسم ہوش رُبا یا کسی تحیر خیز ناول کا مطالعہ فرمانے لگیں۔

کرامتیں اللہ نے اولیاء کو صرف اس لئے دی ہیں کہ انھیں دیکھ کر لوگ نیک عمل پر مائل ہوں اور اپنا کردار سنواریں۔ لیکن جو لوگ ان کرامتوں سے نیک عمل کی تحریک اور عزم حاصل کرنے کے بجائے صرف لطف ولذت اور ایک مجہول قسم کا گداز حاصل کرتے ہیں ان کی مثال ان نشہ بازوں کی سی ہے جو افیم یا شراب کی چُسکیاں لیکر سرور میں گم ہوجاتے ہیں۔ خدا بچائے یہ گیارھویں شریف اور میلاد خوانیاں، یہ لایعنی کرامتوں کی داستان سرائیاں، یہ اولیاء اللہ کی شان میں زبانی جمع خرچ کے انبار، یہ رسمی قرآن خوانیاں اور راگل و شرر کے جشن، یہ سب دینِ قبوری کے اجزاء وعناصر ہیں اور دینِ قبوری کی حیثیت مارفیا کے انجکشن کی سی ہے جس کے بعد آدمی حقیقی اسلام اور اس کے مقدم ترین تقاضوں سے غافل ہوجاتا ہے۔

(از تجلی نومبر و دسمبر ۶۳ء)

احوالِ واقعی

ادارہ

آنے والے خطوں کی اکثریت نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تجلی کے قارئین کو یہ بات گوارہ نہیں کہ رسالہ کے صفحات میں کمی کی جائے۔ لہٰذا ہم تجلی کے صفحات گھٹا کر اپنے قارئین کی دل شکنی نہیں کر سکتے اس مہینہ سے تجلی کے صفحات میں کمی نہ کر کے سالانہ چندہ میں زیادہ نہیں صرف دو روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ایک شمارہ کی قیمت فی الحال ڈھائی روپے ہی رہے گی۔

اس شمارہ کی قیمت صفحات زیادہ ہونے کی وجہ سے تین روپے کر دی گئی ہے۔ قارئین دیکھ رہے ہیں کہ یہ شمارہ تین مہینے کی اشاعتوں پر مشتمل ہے۔

دو مہینے کا مشترکہ شمارہ بھی جب قارئین کو گراں گذرتا ہے تو تین مہینے کے شمارہ کو دیکھ کر جتنی بھی ناگواری اور شکایت ہو کم ہے۔ لیکن اظہار ناگواری سے پہلے یہ بات سن لیجئے کہ اب دو ماہی یا سہ ماہی رسالوں سے مستقل خریداروں کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جنوری ۸۴ء سے ہم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہم مستقل خریداروں کو ایک سال کے چندے میں بارہ شمارہ پیش کریں گے۔ مثلاً جن حضرات نے جنوری ۸۴ء میں سالانہ زرتعاون روانہ کیا ہے ان کی مدت خریداری جو دسمبر ۸۴ء میں ختم ہونے کی بجائے اس ماہ ختم ہو گی جس ماہ ان کی خدمت میں بارہواں شمارہ پیش کر دیا جائے گا۔ اس طرح ظاہر ہے کہ ہمارے قارئین اس نقصان سے بچ جائیں گے جو دو ماہی شمارے شائع ہونے کی وجہ سے انھیں برسہا برس سے پہونچ رہا ہے

ماہنامہ تجلی کے مدیر حسن احمد صدیقی ۵ر اپریل ۸۴ء کو رسالہ کے سلسلہ میں ایک طویل دورے پر جا چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل شہروں میں ان کا قیام متوقع ہے:-

سورت۔ احمد آباد۔ بمبئی۔ بیل گام۔ ہبلی۔ شیموگہ۔ مدراس۔ بنگلور۔ میسور۔ حیدر آباد۔ کلکتہ۔ لکھنؤ وغیرہ

ان شہروں کے وہ باشندگان جو مدیر تجلی سے ملاقات کرنے کے خواہش مند ہوں ادارہ تجلی سے رجوع کریں اور اپنا مکمل پتہ تحریر کریں۔ ان شہروں کے درمیان جو شہر اور بستیاں واقع ہیں ان میں بھی قیام کرنے اور تجلی کے سلسلہ میں جد و جہد کرنے کا ارادہ ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مدیر تجلی کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔

توجہ طلب

ادارہ

اخبار الدعوۃ کے مقالہ نگار میاں سعد الحرمین نے حکومت سعودی عرب کو یہ ناپاک اور مہمل مشورہ دیا ہے کہ گنبد خضری (روضۂ اقدس) کو مسجد نبوی سے الگ کر دیا جائے۔

موصوف مقالہ نگار نے یہ احمقانہ دعوی کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ایک فتنہ ہے جسے نیست و نابود کر دینا چاہئے۔

حیرت ناک بات یہ نہیں کہ سعد الحرمین نے یہ احمقانہ دعوی کر کے اپنے پاگل اور ایمان و اسلام سے محروم ہونے کا ثبوت دیا۔ اس لئے سعد الحرمین جیسے پاگلوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔

اسلام اور اتباع اسلام کے بارے میں اس قسم کی ہفوات زنی ہر دور میں ہوتی رہی ہے، بلکہ قابلِ تأسف بات یہ ہے کہ حکومتِ عرب نے اس احمقانہ مشورہ کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے جب کہ حکومتِ عرب کا یہ فرض تھا کہ وہ ایسی خطرناک سازش کرنے والے کو چوراہے پر سزائے موت دیکر آئندہ کے لئے ایسے فتنے پھیلانے والوں کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر دے۔

آہ! کیسا برا وقت آگیا ہے کہ خیر البشر رحمۃ للعالمین کی قبر مبارک کو فتنہ کہنے والے دندنا رہے ہیں اور انھیں کوئی جہنم رسید کرنے والا نہیں وہ لوگ بھی خاموش ہیں جنھوں نے شاہ فیصل کے قاتل کو نقد سزائے موت دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ہم نے ستر کے معاملہ اسلامی قانون کی لاج رکھ لی ہے۔

ہندوستان کے کئی شہروں میں مسلمانوں نے حکومت عرب سے احتجاج کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سعد الحرمین کو عبرتناک سزا دیکر اسلام سے تعلق رکھنے کا ثبوت فراہم کرے ۔ دیکھتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو جیسے سفاک مجرم اور ان گنت انسانوں کے قاتل کی حمایت کرنے والے لوگ اس سلسلہ میں کوئی اقدام کرتے ہیں یا نہیں۔

اگر اہل عرب نے سعد الحرمین کیلئے عبرت ناک سزا تجویز کر کے اس پر عمل نہ کیا اور اخبار الدعوۃ پر ایک گندے مضمون چھاپنے کی باز پرس نہیں کی تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ اہل عرب کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا بھی تعلق نہیں جتنا انھیں ذوالفقار علی بھٹو سے ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو جس نے ان گنت انسانوں سے جینے کا حق محض اس لئے چھین لیا تھا کہ وہ اس کی دھاندلیوں اور مذہب اسلام کے خلاف اس کی سازشوں سے متفق نہیں تھے۔

٭ ٭ ٭

(بقیہ آغاز سخن از صفحہ)

ماحول کو اپنی باہوں میں جکڑ لیا تھا۔

کتنا پر درد و پر اثر تھا وہ منظر جب دس لاکھ سے زیادہ انسان تڑپتے ہوئے دل اور تھرتھراتی ہوئی آواز میں اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے پروردگار عالم سے اس کی رحمت و مغفرت کی بھیک مانگ رہے تھے۔ دس لاکھ انسانوں کے بیس لاکھ لرزتے اور کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ سبھی قلوب ایک خاص انداز میں دھڑک رہے تھے۔ سبھی روحیں ایک ہی انداز میں مضطرب و بے کل تھیں اور بیس لاکھ آنکھوں سے وہ پانی جاری تھا جو ندامت اور شرمندگی کے سرچشموں سے پھوٹتا ہے۔

مولانا محمد عمر پالن پوری کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ آج بھی گودھرا کی سرزمین میں گونج رہے ہیں۔ انھوں نے انتہائی پر یقین لہجہ میں فرمایا تھا:

"علماء بم تیار کرتے ہیں اور ہمارا کام صرف ان بموں کو پھینکنا ہے۔"

کتنی پر اعتماد قرین حقیقت بات ہے اور کس درجہ بے تکلفی اور بے نیازی کے ساتھ مولانا عمر صاحب نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ ہتھیار علماء ہی بناتے ہیں ہمارا کام تو صرف ان ہتھیاروں کا استعمال کر کے اسلام کی اشاعت کرنی ہے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھ لیجئے کہ کھانا تو علماء حق ہی پکاتے ہیں۔ ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا لگا دیں۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے پچاس فیصد افراد اس حقیقت سے عملاً راہ فرار اختیار کئے ہوئے ہیں جس حقیقت کا اعتراف ان کے ایک معتمد نے غیر مبہم الفاظ میں کر لیا ہے۔

تبلیغی جماعت کے پچاس فیصد ممبران کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے کام کے ماسوا کسی بھی کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی نگاہوں میں علماء کی کوئی وقعت نہیں۔ مدارس کی کوئی حیثیت نہیں اور ان کتابوں کا کوئی مقام نہیں جن کے لکھنے والے از راہ خدمت اسلام ان سے کبھی

اور رکھ دیا۔ ان باتوں نے اور ان جیسی چند اور باتوں نے فہیم و سنجیدہ مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے بد ظن کر دیا ہے اور اس کے بارے میں غلط رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغی جماعت میں ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جو دوسروں پر اپنا تسلط جمانے کی فکر میں نہیں رہتے بلکہ تمام تر مصلحتوں اور انسانی مزاج کی تمام نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا کام کرتے ہیں۔ علماء کا احترام کرتے ہیں۔ مدارس و مکاتب کی قدر ان کے دل میں موجود ہے۔ ہر خادم دین سے انھیں عقیدت ہے اور ہر عبادت گزار مسلمان ان کی نظروں میں محبوب ہے۔ لیکن ایسے اشخاص کی تعداد پچاس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ پچاس فیصد افراد غلط روش اختیار کئے ہوئے ہیں جو بہرا عتبار ان کے لئے اور ان کی جماعت کے لئے ضرر رساں ہے۔ ایسے افراد کے لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنی خصلتوں کو بدلیں اور ہر خادم دین سے اسطرح محبت کریں جسطرح وہ ان حضرات سے کرتے ہیں جو ان کے شانہ بشانہ تبلیغی جماعت میں کام کر رہے ہیں۔ تبلیغی جماعت میں چلے دینے والے حضرات سے محبت و عقیدت اور دیگر طریقوں سے دین اسلام کی خدمت کرنے والے حضرات سے اظہار بیزاری ذی علم اور ذی فہم حضرات کے دل و دماغ میں یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ شاید اسلام اور تبلیغی جماعت دو الگ الگ مذہب ہیں۔ اگر یہ تاثر غلط ہے اور یقیناً غلط ہے تو پھر ہمارے تبلیغی بھائی ان حضرات سے محبت و عقیدت کا اظہار کیوں نہیں کرتے جو اپنے انداز میں اسی اسلام کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں جس کی خدمت کیلئے تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی ہے۔ ہمارے تبلیغی بھائی یہ بات اپنے ذہن میں اتار لیں کہ تبلیغی جماعت اسلام کی خدمت کا ایک ذریعہ ہے جو فی نفسہ اسلام نہیں۔ اور اسلام کی خدمت کا کوئی ایک ذریعہ مقرر نہیں ہے بلکہ مختلف ذرائع ہیں جن سے اسلام کی خدمت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ کسی ایک ہی ذریعہ کو معتبر و مقبول سمجھ لینا اسلامی طرز فکر نہیں۔ غیر اسلامی ذہن سے جو تنگدلی اور تنگ نظری پیدا ہوتی ہے جبکہ ہمارا اسلام تنگدلی اور تنگ

آغازِ سخن

۱۱، ۱۲، ۱۳ مارچ کو گجرات کے شہر گودھرا میں تبلیغی جماعت کا جو اجتماع ہوا ہے اس سے وہ لوگ بھی متأثر ہوئے جو تبلیغی جماعت سے برہنہ اور فحش قسم کی دشمنی رکھتے ہیں اور وہ لوگ بھی متأثر ہوئے جنھیں تبلیغی جماعت سے وہ اختلاف ہے جو نہ صرف جائز ہے بلکہ جسے خیر البشر اور فخر کائنات نے اپنی امت کے حق میں رحمت قرار دیا ہے۔

تجلی کے قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہم نے تبلیغی جماعت کی مخالفت کو کسی دور میں بھی نہیں کی۔ کسی دور میں کبھی ہم نے اس پر تنقید و تنقیص کے پتھر نہیں اچھالے۔ کسی دور میں کبھی ہم انھیں ایمان کا ڈاکو کہنے اور قیود ِ شریعت کے متوالوں کی طرح منھ چڑانے کے خبط میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ہم ذلیل قسم کی مخالفت اور عریاں حمق و حماقتوں کا مظاہرہ کرتے بھی کیوں جبکہ ہم اس بات سے ناواقف نہیں تھے کہ تبلیغی جماعت جس کام میں منہمک ہے وہ دین ہی کا کام ہے۔ وہ بھی اسی اسلام کی بے لوث خدمت ہے جس اسلام کی عالمِ ہم تجلی کے صفحات سیاہ کرتے رہے ہیں اور انشاء اللہ اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک ہماری انگلیوں میں قلم پکڑنے کی صلاحیت باقی رہے گی۔

جہاں تک جزوی اختلاف کا مسئلہ ہے تو اس سے ہمیں انکار نہیں کہ ہم نے وقتاً فوقتاً تبلیغی جماعت کے بعض جزئیات کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ اس موضوع پر ہم نے جب کبھی قلم اٹھایا ہے، یہ سوچ کر اٹھایا ہے کہ شاید تبلیغی جماعت کے افراد کو ہماری آواز پر لبیک کہنے کی توفیق نصیب ہو جائے اور اس طرح تبلیغی جماعت کے چہرے پر ابھرے ہوئے وہ داغ کالعدم ہو جائیں جنھیں اربابِ فہم ایک مدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

ہم نے تبلیغی جماعت سے اختلاف کا اظہار کرنے اور اس کے بعض طور طریقوں پر مخلصانہ اعتراض کرتے وقت کھلے لفظوں میں ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تبلیغی جماعت دینِ اسلام کی جو خدمت انجام دے رہی ہے وہ کسی اور اسلامی جماعت کے بس کا کام نہیں۔ دیہاتوں ریگستانوں اور پہاڑوں کے دامنوں تک پہنچ کر حق کی آواز پہنچا دینا اتنا سہل نہیں ہے کہ جسے ہر گروہ اور ہر جماعت سنبھالے۔ قابلِ تعریف ہے تبلیغی جماعت کہ اس نے سنگلاخ اور خارزار، اور دلوں میں پہنچ کر اسلام کی روشنی کو فروغ بخشا اور اس طرح وہ مہم سر کر لی جسے لٹریچر اور کتابیں سرانجام نہیں دے سکتی تھیں۔

گودھرے کے اجتماع کے بارے میں جو تفصیلات

ہماری نظر سے گذریں تو دل و دماغ متاثر و متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگرچہ بریلوی حضرات کا عالم تو آج بھی یہ ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کو گمراہ اور گمراہ کن سمجھنے کی دیوانگی میں مبتلا ہیں۔ گو دھرے کے عظیم اور عالمی اجتماع سے بھی انھوں نے کوئی تاثر نہیں لیا۔ یہ لوگ آج بھی تبلیغی جماعت کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنے کل تھے انھیں آج بھی تبلیغی جماعت کے خیر خواہوں سے اتنا ہی عناد ہے جتنا ماضی میں تھا۔ دراصل اس کی ایک وجہ ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی نظروں سے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں گذری تو انھوں نے اسے قابلِ التفات نہیں سمجھا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔

اور کسی قوم کی مخاصمت تمہیں اس بات پر مجبور نہ کر دے کہ تم ناانصافی پر اتر جاؤ۔ (ہر حال میں) انصاف کرو یہی بات قرین تقویٰ ہے۔ (مائدہ)

کتنے صریح اور کھلے انداز میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی جماعت اور کسی گروہ سے اختلاف اور اظہارِ اختلاف کرتے ہوئے تم حدِ انصاف سے تجاوز مت کرو اور اگر تم ایسا کروگے تو یہ بات تقویٰ سے بعید تر ہوگی۔

بہرحال ہمیں تو بڑی مسرت ہوئی جب گودھرے کے اجتماع کی تفصیلات سننے کو ملیں۔

اس اجتماع میں دس لاکھ، ایک روایت کے مطابق بارہ لاکھ اور بقول بی۔ بی۔ سی لندن کے پندرہ لاکھ مندوبین نے شرکت کی۔

مندوبین کے قیام کے لئے بڑے بڑے خیمے لگائے گئے تھے۔ ان میں کا سب سے بڑا خیمہ پانچسو سات میٹر کی لمبائی چوڑائی میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ خیمہ ایک اندازے کے مطابق اٹھارہ ہزار آٹھ سو میٹر کپڑے سے تیار ہوا تھا۔ اور اس میں کئی سو بلیاں کھپ گئی تھیں۔

اس خیمہ میں بیک وقت ایک لاکھ چھیتر ہزار چار سو افراد نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔ باقی اور چھوٹے خیموں کی تعداد بیس سے کم نہیں تھی۔ اجتماع گاہ میں کھانے کے جو ہوٹل موجود تھے انھیں اپنے گاہکوں پر بھرپور اعتماد تھا ہوٹلوں میں کوئی نگراں مقرر نہیں تھا۔ لوگ اپنی مرضی سے کھانا کھاکر ایمانداری سے بل چکارہے تھے اور سب کو اس بات کا احساس تھا کہ خدا حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہے پان فروش حضرات ازراہِ اخلاص پان بیس پیسے کی بجائے صرف دس پیسے میں فروخت کررہے تھے۔ اسی طرح کھانے اور چائے وغیرہ کے ریٹ بھی کافی گھٹا دیے گئے تھے اس کے باوجود کسی تاجر کو کوئی نقصان اٹھانا نہیں پڑا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اجتماع گاہ میں جو ساڑھے تین سو بیگہ زمین میں پھیلا ہوا تھا کوئی کتا دکھائی نہیں دیا کوئی عورت بھی نظر نہیں پڑی اور کسی سپاہی کی زیارت بھی نہیں ہوئی۔ پولیس کی وہاں ضرورت پڑتی بھی کیوں وہاں تو جو حضرات آئے تھے انھیں دنیا کے قانون اور پولیس کی لاٹھیوں سے زیادہ خدا کا خوف تھا اور اس خوف کی موجودگی میں ان سے جرائم کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی۔ اور جہاں وقوعِ جرائم کا اندیشہ نہ ہو وہاں پولیس جاکر کرتی بھی کیا؟۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جلسہ گاہ میں اس بات کی سخت پابندی عائد کردی گئی تھی کہ کوئی صاحب فوٹو اتارنے کی زحمت گوارہ نہ کریں۔ چنانچہ کسی اخباری نمائندے نے فوٹو کھینچنے کی گستاخی نہیں کی۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جنھیں بطورِ خاص ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں اصل اور اہم چیز ہمارے نزدیک یہ تھی کہ ذکر و اذکار اور وعظ و تقریر کے دوران مسلسل سکوت چھایا رہا۔ ایک عجیب طرح کی کیفیت تھی جس نے سارے ماحول کو نورانی بناکر رکھ دیا تھا۔ ایک عجیب قسم کا کیف تھا جو احساسات کی دنیا میں اپنا جادو بکھیر رہا تھا۔ اور یہ سکینت و کیف اس بات کی علامت تھے کہ فضلِ ایزدی اجتماع کے اردگرد موجود تھا ــــ اور اس کی رحمتوں نے سارے ہی (باقی بر صفحہ ــــ)

مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حق یار

وسیلہ کی باتیں

اسلامی تصورات وعقائد اور اصول واقدار کی سب سے جامع، اہم ترین اور بنیادی کتاب، کتاب اللہ میں جگہ جگہ انسانوں کو تلقین کی گئی ہے۔ اور تلقین کرنے والا، خود اللہ ہے کہ ہم سے مانگو، ہم سے مدد چاہو، ہمارے سامنے گڑگڑاؤ، ہم تمہاری دعا سنیں گے۔ کسی مخفی سے مخفی تہہ خانے میں بغیر زبان ہلائے صرف دل ہی دل میں جو دعا مانگو گے وہ بھی ہم تک حرف بہ حرف اپنے تمام جذباتی کیف وکم کے ساتھ پہنچے گی اور ہم اسے لائق توجہ سمجھیں گے

مشہور ترین آیت ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي	(اور اے محمدؐ) جب میرے
عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ	بندے میرے بارے میں
أُجِيبُ دَعْوَةَ	پوچھیں، تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ	تو قریب ہوں، دعا مانگنے والے
	کی دعا قبول کرتا ہوں جب کہ وہ

(بقرہ، آیت ۱۸۶) مجھ سے دعا مانگتا ہے۔

کتنا اہم موقعہ تھا کہ اگر کسی صالح اور بزرگ ہستی کے توسل اور واسطے سے دعا مانگنا۔ بلاتوسل دعا مانگنے کے مقابلہ میں ذرا بھی انفع اور اولیٰ ہوتا تو اللہ تعالےٰ یہیں ارشاد فرما دیتے کہ اے پیغمبر بندوں سے کہہ دو کہ دعا تو میں ویسے ہی سب کی سنتا ہوں لیکن زیادہ مسموع اور محبوب دعائیں وہ ہوں گی جن میں میرا ایک بندہ کسی اور بزرگ تر ہستی کے وسیلے اور صدقے سے کچھ مانگے لیکن اشارۃً وکنایۃً میں بھی ایسا کہا گیا۔ اور قرآن کے دوسرے مقامات پر، جہاں جہاں اس نوع کا مضمون بیان ہوا ہے وہاں بھی کسی ایک جگہ بھی ایسی کوئی ترغیب وتلقین نہیں پائی جاتی۔

تو عقل حیران ہے کہ کونسی نص ہے، جس کی بنیاد پر یہ طے کر لیا گیا ہے کہ بزرگوں کے توسل اور توسط سے دعا کرنا زیادہ موجب خیر وبرکت ہے۔ قرآن کے بعد حدیث رسول کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کہیں یہ ہدایت نہیں ملتی۔ حالانکہ قرآن کے اجمال کی تفصیل وتبیین تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فریضۂ رسالت تھا۔ ایک ایسے نفع بخش اور محمود ومستحسن طریقہ کو وہ ضرور بیان فرماتے۔ اگر واقعی وہ اسی درجہ میں ہوتا جس درجہ میں ہمارے صوفیائے کرام، اور مشائخ عظام باور کراتے ہیں۔

حدیث میں یوں تو بے شمار مقامات پر باری تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب وتاکید کی گئی ہے لیکن یہاں ہم

...طویل حدیث قدسی کا بڑا حصہ نقل کرتے ہیں۔ جو
... اللہ علیہ وسلم نے مشہور زاہد صحابی حضرت ابوذر
... کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ اس میں
وسیلہ کا ذکر ہے۔ اس خصوصیت سے ہم اسے لے
رہے ہیں۔ امام احمد ابن حنبل اسے اپنی مسند میں نقل کرتے
ہیں ازراہ اختصار متن چھوڑ کر صرف ترجمہ پیش خدمت ہے

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد کیا! اے
میرے بندو! تم میں سے کون ہے۔ جو
گنہگار نہیں۔ الا یہ کہ میں ہی جسے محفوظ رکھوں
لہٰذا تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی
معافی کا التماس برابر مجھ سے کرتا رہے میں
تمہیں معافی دوں گا۔ تم میں سے جو بھی
صاحب قدرت جانتا ہے اور اس نے
میری قدرت کے وسیلہ سے اپنی خطاؤں
کی مغفرت طلب کی میں نے اس کی
خطائیں معاف فرما دیں

اے میرے بندو! سمجھ لو کہ تم سب
راہ سے بھٹکے ہوئے ہو الا وہ جسے میں
راستہ دکھاؤں۔ لہٰذا تم سب مجھ سے ہی
ہدایت کی طلب اور گزارش کرو۔

تم سب فقیر و محتاج ہو الا وہ جسے میں
غنی کر دوں۔ تمہیں چاہیئے کہ مجھ سے ہی اپنی
غذا ہی مانگو اور خوب سمجھ لو کہ اگر تمہارے
سب اگلے پچھلے زندہ، مردہ بھلے برے
جمع ہو کر مجھ سے مانگ لیں اور میں انھیں پورا
کر دوں تو اس سے میرے خزانے میں
مطلق کمی نہیں ہوگی۔ یہ بس ایسا ہی ہوگا جیسے
کوئی سمندر میں ایک سوئی ڈبوتا ہے۔ اور
نکال لیتا ہے اور یہ اس لیے کہ بلاشبہ
میں ہی مغفرت بخشنے والا صاحب
عظمت و بالادست اور غالب ہوں
مجھ جا سے کرتا ہوں
میرا کچھ دینا فقط میرا حکم کر دینا ہے
جس بات کا بھی ارادہ کر لیتا ہوں اس
کے بارے میں کہتا ہوں ہو جا وہ ہو جاتی
ہے

آپ دیکھ رہے ہیں کہ وسیلہ کی بھی تعلیم دی تو اپنی ہی
قدرت کے وسیلہ کی دی۔ اگر کسی ولی، پیغمبر یا کسی اور معظم
شخص کے وسیلے سے کی ہوئی دعا اللہ کو پسند ہوتی تو کیا عقل و
قیاس کا صریح تقاضہ نہ تھا کہ اس خاص محل میں تو اس کا
ذکر آ ہی جاتا۔ یہ حدیث خاص دعا ہی سے متعلق ہے۔ اور
قطعی ہے۔ اس میں اگر وسیلے کے لیے اپنی قدرت کو،
مخصوص فرما دیا تو آخر ہمارے بہت سے بزرگوں نے
کس دلیل کی بنا پر یہ رائے قائم کر لی کہ اللہ کے حضور
کی گئی دعاؤں میں بحق فلاں اور بطفیل فلاں اور بواسطہ
فلاں کا اضافہ مفید ثابت ہوگا۔

عقل انسانوں کے احوال پر قیاس کرتے ہوئے
وسیلے اور سفارش کے جتنے امکانات تراشتی ہے۔ ان
سب کا سد باب قرآن نے اللہ تعالےٰ کی وہ صفات
واضح کر کے فرما دیا ہے۔ جن سے انسان خالی ہیں۔ اللہ دلوں
کے احوال جاننے والا ہے۔ اس کے سوا کسی میں یہ استعداد
نہیں۔ اللہ تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے کسی درمیانی
وسیلے کی احتیاج نہیں، جب کہ بہت سے انسان ایسے
ہوتے ہیں جن تک سفارش اور وسیلے کے بغیر پہونچ نہیں
ہوتی۔ نہ اپنی معروضات ان تک براہ راست پہونچائی
جا سکتی ہیں۔ غرض قرآن و حدیث دونوں اس ترغیب و تلقین
سے خالی ہیں کہ کوئی بندہ اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے
بطور سفارش کسی بزرگ کا نام لے۔

دوسری پریشانی یہ ہے کہ وفات پا کر قبروں میں دفن
ہو جانے والے اولیاء اللہ اور صالحین کے بارے میں یہ
عقیدہ آخر کس سرچشمے اور حدیث علم وغیرہ سے نکالا گیا

ہے کہ اب بھی زندہ انسانوں کی کوئی مدد کر سکتے ہیں اب بھی انھیں امور دنیا میں کوئی دخل ہے، اب بھی ان سے ظاہراً کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

امور غائب میں سے جتنے امور کا جاننا اللہ کے نزدیک بندوں کے لیے ضروری تھا۔ انھیں اس نے یا تو براہ راست قرآن میں بیان فرما دیا۔ یا پھر اپنے آخری پیغمبر کے کردار و گفتار سے اس کی نشان دہی کر دی۔ یہ بات کہ اصحاب قبور زندہ انسانوں کے کام آ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امور غائب ہی میں سے ہے جسے حواس خمسہ کے ذریعہ دائرۂ ادراک میں نہیں لایا جا سکتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی محکم و صریح آیت یا کوئی واضح المراد صحیح و قوی اس امر غائب کی توضیح نہیں کرتی جن آیات و احادیث کو اس باب میں مستدل بنایا جاتا ہے وہ عموماً متشابہات کے قبیل سے ہیں۔ لہٰذا ان سے اخذ کردہ مطالب و تصورات کو کسی طرح بھی قطعیت کا درجہ حاصل نہیں۔ پھر یہ اعتراض بھی اپنی جگہ جوں کا توں باقی رہتا ہے کہ ایسی ہمہ گیر مفید اور مخفی حقیقت کو آخر صریح لفظوں میں کیوں نہ بیان کیا گیا، جب کہ تمام ضروری اور اہم امور میں اللہ و رسول کا طرز عمل وضاحت و صراحت کا ہے۔ مرحوم بزرگوں سے کسی بھی نوع کی مدد ملنا اگر زندوں کے لیے ممکن تھا تو اس راز کو قرآن و حدیث میں خوب ہی کھول کر بیان کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ تو ہر عہد اور ہر مقام میں ہر ہر مسلمان کے فائدہ کی چیز تھی۔ مگر ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی۔ بس کچھ مشائخ و صوفیاء کے ارشادات ہیں۔ یا پھر تخمین و قیاس کے ایسے زاویے جن کی تصدیق سے شریعت خاموش ہے۔ اگر دلیل صریح و قوی کے بغیر صرف ارباب طریقت کے حسن ظن پر مان لیا جائے کہ اصحاب قبور زندوں کو مدد دینے اور فیض پہونچانے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ تب بھی ذہنی اضطراب کی تشفی نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد سوالات سر اٹھاتے ہیں۔

مثلاً قبر پر حاضر ہو کر باآواز بلند صاحب قبر سے عرض معروض کی جائے یا بغیر آواز کے دل ہی دل میں۔ اگر دل ہی دل میں یا بالکل زیر لب بلا آواز عرض و معروض صاحب قبر بزرگ کے علم میں آ سکتی ہے تو پھر قرآن کی ان آیات اور حضور کے ان ارشادات کی کیا تاویل ہو گی جن میں تاکید و اصرار کے ساتھ یہ یقین دلایا گیا ہے کہ عالم الغیب و الشہادۃ صرف اللہ ہی ہے۔ علماء اور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ یہ وصف خاص اللہ کے سوا کسی میں نہیں۔ یہ الگ بات ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنی تکوینی مصلحتوں کے تحت بعض امور غیب اور اسرار باطن کا تھوڑا سا علم وقتی طور پر اپنے کسی بندے کو دیدے۔ مگر بنیادی عقیدہ اور اصول قطعی یہی ہے کہ اس طرح کی مستقل صلاحیت اور ایسا اختیار انبیاء علیہم السلام تک کو حاصل نہیں چہ جائے کہ غیر انبیا کو۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اصحاب قبور خاموش فریادوں اور بے آواز گذارشوں کو بھی سن لیتے ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کے لیے مستقلاً صلاحیت غیب دانی فرض کر لی گئی ہے۔ جب جس کا جی چاہے قبر پر مراقب ہو اور صاحب قبر اس کی واردات قلبی اور زبان بے زبانی پر مطلع ہو جائیں۔ اور اگر دعویٰ یہ ہے کہ ان تک معروضات پہونچانے کے لیے آواز ضروری ہے تو پھر بھی قرآن کی آیت ہمیں ٹوکتی ہے کہ **وما انت بمسمع من فی القبور** اے پیغمبر تم ان کو اپنی بات نہیں سنا سکتے جو قبر میں سو جائے۔ بیشک اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ ان اللہ یسمع من یشاء۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا سکتا ہے۔ اور کس مومن کو اس میں کلام ہے کہ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے جب مقتولین بدر کو خطاب فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انھوں نے سنا۔ لیکن ظاہر ہے کہ استثنائی صورت تھی

دریا پھٹ کر خشک راستہ دیدے۔ یہ حضرت موسیٰ کے معاملہ میں ہو چکا ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ اصول فطرت بدل گیا کہ پیدل چل کر دریا کو پار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بعض خاص مواقع پر کسی مردے کو اللہ کا کچھ سنوا دینا اس اصول فطرت کو نہیں بدلتا جسے قرآن کی وما انت والی آیت واضح کر رہی ہے۔ لہٰذا کسی خاص واقعہ میں تو ثبوت قوی مل جانے

[illegible] سکتا ہے۔ لیکن اس کے [illegible] کہ ہر بزرگ آدمی مرنے کے بعد زندوں کی آوازیں سن سکنے کی پوزیشن میں ہو بہت مشکل ہے۔ پھر بدر کے مقتولین تو ابھی ایسی حالت میں ہوئے تھے کہ انھوں نے حضور کا ارشاد سنا۔ بزرگوں کے معاملہ میں یہ طے کر لیا گیا ہے کہ انھیں مرے خواہ صد ہا سال گزر چکے ہوں مگر یہ امتداد زمانہ ان کی صلاحیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ یہ اور بھی زیادہ محتاج ثبوت ہے۔

سننے کی بحث کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ سماعت کے علاوہ جو صلاحیتیں ان میں مان لی گئی ہیں۔ مثلاً مدد کو پہونچنا، فیض بخشنا، خدا کی بارگاہ میں فوری طور پر سفارشی بننا ان کا ثبوت آخر کہاں سے ملا۔ یہ سارے اسرار نہانی آخر کس منبع علم وخبر سے حاصل کیے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث تو ان کی صراحت نہیں کرتے

(جنوری، فروری ۷۳ء)

عامیانہ تصوف نے ہمیں کیا دیا

ہمارے قلب میں صوفیاء ومشائخ کا بڑا احترام ہے اور ہم کشف وکرامات پر یقین رکھتے ہیں، لیکن جس الجھن کا حل ہمارے ناقص فہم میں آج تک نہیں آسکا ہے کہ اسلام کے [illegible] اور شوکت وسطوت کا جو پہلو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اسوہ وکردار اور خیالات میں ابھرا ہوا نظر آتا ہے، اس کا نام ونشان تک تصوف علم وعمل میں نظر نہیں آتا۔ تصوف نے ایک ایسے خانقاہی نظام کی تشکیل کی ہے جو طبل جنگ کے شور اور بے نیام تلواروں کی جھنکار اور ضرب وحرب کی ہنگامہ آرائیوں سے یکسر نا آشنا ہے یہ تصوف ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ تم مجاہدات میں مستغرق رہو اور اس کی پرواہ مت کرو کہ معاشرہ میں قانون کس کا چلتا ہے، بالادست کون ہے، کاروبار حیات کی زمام کس کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ یہ سبق اگر حضور اور ان کے صحابہ کا ہوتا تو تاریخ کچھ اور ہوتی اور اسلام سرزمین حجاز کی چہار دیواری میں گھٹ کر رہ گیا ہوتا۔ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ [illegible] رسول نے پہلے اپنی بستی میں اسلام کا تخت اقتدار بچھایا پھر پورے حجاز پر اس کو پھیلایا، پھر پھیلا کر سارا عرب کو اپنے دائرے میں سمیٹتا چلا گیا، پھر جانثاروں کو حکم ملا کہ جاؤ ایران وروم کے حاکموں سے کہو یا اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر تلوار نکال کر میدان میں کود پڑیں۔

اگر دین یہی تھا تو تصوف وطریقت کی آئیڈیالوجی نے کیوں اسے اپنے اندر سے اس طرح نکال پھینکا جیسے دودھ سے مکھی نکال دی جاتی ہے؟ ہے کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا جواب دے

(از تجلی جھنگ، فروری ۷۳ء)

خدا کسی کا رشتہ دار نہیں ہے

ہم دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شاہ عبدالقادر اور فلاں فلاں مرحوم بزرگوں کو مدد کے لیے پکارنا اللہ کے نزدیک درست ہو تو پھر بے شمار بت پرست بھی ضرور بخشے جائیں گے۔ کیونکہ وہ بعینہ ان پتھروں کو پرماتما اور ایشور نہیں سمجھتے بلکہ انھیں بعض بزرگوں کی ایک تصوراتی شبیہ خیال کرتے ہیں اور ان کا شرک اس سے مختلف نہیں ہے جس کی بحث چل رہی ہے۔ یاد رہے کہ خدا کی رشتہ داری کسی سے نہیں۔ کافر ومشرک بھی اسی طرح اللہ کے بندے ہیں جس طرح مومن ومسلم مسلمان اگر یہ عقیدہ رکھ کر توحید کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا کہ جو انسان [illegible] برس پہلے مر چکے وہ دراصل زندہ ہیں اور زندہ ہی نہیں بلکہ صاحب قوت وقدرت بھی ہیں، تو کوئی اللہ کا بندہ یہ عقیدہ رکھ کر دائرہ توحید سے خارج کیسے ہو سکتا ہے کہ رام اور کرشن اور فلاں فلاں لنگ ہماری پکاریں سنتے اور ہماری مدد کرتے ہیں۔ رام اور کرشن جیسی ہستیوں کے سلسلے میں ایسی مضبوط تاریخی شہادتیں موجود نہیں ہیں جن کی بنا پر ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ کیسے درجہ اور کس نوعیت کے حضرات تھے۔ ان کی تعلیمات کیا تھیں، ان کا پورا اسوہ کیا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ یہ صالحین میں ہوں۔ یہ بھی

تحقیق ہے کہ اللہ نے ان میں سے کسی کو نبوت سے سرفراز کیا ہو اور بعد میں ناقلین نے ان کی تعلیمات میں تحریف کر دی ہو۔ بہرحال ان کی شبیہ بنا کر جو لوگ ان سے دعائیں کرتے ہیں ان کی آخر کیا خطا ہے۔ اگر شاہ عبدالقادرؒ وغیرہ سے غائبانہ دعائیں کرنا عین توحید ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ وہی کام ہم مسلمان کریں تو جنت میں جائیں اور دوسری قومیں کریں تو جہنم میں داخل ہوں اس خوش فہمی سے پہلی فرصت میں توبہ کر لی چاہیئے۔

(از تجلی جولائی اگست ۱۹۷۳ء)

بزرگان دین معیار دین نہیں

تجلی میں پچاسوں بار بہ دلائل واضح کر دیا گیا ہے کہ معیار حجت اللہ اور رسول ہیں۔ دین قرآن و سنت کی تعلیمات میں منحصر ہے۔ شیوخ و اقطاب کی یہ حیثیت ہرگز نہیں کہ ان کی ہر بات لازماً مان ہی لی جائے۔ مرزا جان جاںؒ ہوں، مجدد الف ثانیؒ ہوں، شاہ معین الدینؒ ہوں یا کسی بھی دور کے کوئی بزرگ ہوں، ان کی تعظیم و تکریم سر آنکھوں پر لیکن یہ حکم اللہ اور رسولؐ نے کبھی نہیں دیا کہ بجائے قرآن و حدیث کے ان حضرات کی آراء کو عقائد کا مبنیٰ اور مصدر بنا لو۔ آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ یا مجدد الف ثانی رح یا مرزا جان جاں وغیرہم کید شیطان کی دسترس سے بلند ہیں۔ لیکن ہم نے تو قرآن میں پڑھا ہے

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے
پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے
تو شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں
پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا
پھر پکی کر دیتا ہے اپنی باتیں۔

کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اولیاء اقطاب تو کجا، انبیاء و رسل بھی شیطان کی دراندازی سے بالاتر نہیں ہیں ان کے خیالات میں بھی شیطان نے اپنے وسوسے اور وا ہی خیالات ملائے ہیں۔ لیکن وہ چونکہ منصب رسالت پر فائز تھے اور انھیں شیطان کی دراندازی سے محفوظ رکھنا مقصد بعثت کے لئے ضروری تھا اس لئے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے شیطانی آمیزش کو مٹا دیا اور وہی تعلیمات انھوں نے انسانوں کے سامنے پیش کیں، جو عین حق تھیں اور گمراہی کی آمیزش سے پاک تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ انبیاء و رسل کے علاوہ کسی انسان کو اللہ کی یہ سند حاصل نہیں۔

بڑے سے بڑا بزرگ بھی حضورؐ کا امتی ہی ہے نہ کہ بجائے خود پیغمبر۔ ہرگز ضروری نہیں کہ کسی بزرگ ہستی کے فکر و خیال کی بعض غلطیاں اللہ تعالیٰ اس طرح مٹائے جس طرح پیغمبروں کی مٹاتا رہا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو انبیاء میں اور بعد کے صلحاء و اتقیا میں فرق ہی کیا رہ جاتا۔ جاہل ہے وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ فلاں بزرگ کو تو کسی معاملہ میں بہکایا ہی نہ جا سکتا تھا۔ ایسا غلط عقیدہ امت میں کسی مستند عالم کا نہیں رہا ہے۔ یہ فریب جہالت ہے اور بس۔

ایک نکتہ پر اور غور کر لیں، جس طرح ہمارے اور آپ کے کچھ بزرگ ہیں۔ اسی طرح ان دوسرے حلقوں کے بھی کچھ بزرگ ہیں، جن سے ہیں اور آپ کو اختلاف ہے۔ اگر ان دوسرے حلقہ والوں کا کوئی دعویٰ اس بنیاد پر قبول نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی نسبت ان کے کسی بزرگ کی طرف ہے تو آخر ہمارے ہی کسی بزرگ کا مجرد قول دوسروں کے لئے واجب القبول کیسے ہو سکتا ہے۔

ٹھیک ہے آپ کو اگر قبوری رسوم میں مضائقہ نظر نہیں آتا تو کون آپ کو روک سکتا ہے، جو لوگ قبروں پر سجدے تک کر گزرتے ہیں ان کے پاس بھی اپنے مشائخ کے اقوال نظائر ہیں لہٰذا قرآن و سنت کی بات تو بس بطور تکلف رہ گئی اصل مطاع اور مقتدیٰ مشائخ اور اقطاب ٹھہرے۔ یہی اگر اسلام ہے یہ اسلام آپ کو مبارک، ہمارا اسلام صرف وہ ہے جو اللہ اور رسول کی تعلیمات اور اجماع امت سے ثابت ہے

(از تجلی جولائی، اگست ۱۹۷۳ء)

وظائف یا شیطانی کرشمے

دین کی بنیاد اللہ اور رسول کے ارشادات ہیں اور ان ارشادات کی روشنی میں اونچے درجے کے علماء فقہاء جو بنیادی اصول و عقائد طے کر گئے ہیں ان کے خلاف کسی کا بھی قول معتبر نہیں ہے۔ اگر بعد کا کوئی عالم اور صوفی ایسا قول نقل کرتا ہے تو ممکن حد تک اس قول کی ایسی تاویل کی جائیگی جو بنیادی اصول و عقائد سے مطابقت رکھتی ہو اور اگر تاویل کی گنجائش نہ نکلے تو اسے سہو اور غلطی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ کسی ایک یا دو چار مشائخ کی کسی رائے کو غلط قرار دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس رائے کو صحیح قرار دیا جائے، جسے سینکڑوں علماء و مشائخ نے قرآن و حدیث پر پورا غور کر کے اختیار فرمایا ہے۔

علامہ انور شاہؒ کا حال زندگی میں یہ تھا کہ جب ان سے کوئی فتویٰ دریافت کرتا تو باوجود اپنی شان علمی کے صاف کہدیتے کہ بھائی فتویٰ دینا میرا منصب نہیں ہے فتویٰ جا کر مفتی صاحب سے پوچھو

یا رسول اللہ اور شیئاً للہ کے بارے میں مفتیان کرام کے صریح فتاویٰ موجود ہیں۔ یا رسول اللہ کے بارے میں یہ توسع بھی ہے کہ اگر کوئی شخص محض شاعرانہ طور پر ایسا کہے تو مجرم نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ شاعری میں غائب محبوب کو حاضر تصور کر کے خطاب کا رواج عام ہے اور رواج کے پیچھے یہ ذہنیت نہیں ہے کہ محبوب واقعی سامنے آموجود ہوا ہے لیکن یا عبد القادر شیئاً للہ ـ یا ای فلاں شیئاً للہ میں تو کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہ الفاظ شاعرانہ خطاب نہیں ہو سکتے بلکہ صریحاً امداد طلبی کے الفاظ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان الفاظ کو ادا کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے الفاظ صدہا سال پہلے گزرے ہوئے شاہ عبد القادر جیلانیؒ سن بھی رہے ہیں اور مدد پر بھی پوری طرح قادر ہیں۔ یہ دونوں ہی عقیدے شرک کی آمیزش سے خالی نہیں جہاں تک شاہ جیلانیؒ کے جسم کا تعلق ہے، وہ ہڈیاں گندیں زمین میں دفن ہو چکا، روح یقیناً وہاں جا چکی ہوگی جہاں اللہ نے روح کے قیام کا انتظام فرمایا ہے پھر کون ہے جو کشمیر یا حیدر آباد یا بریلی میں آپ کے من گھڑت نعرے اور درخواست کو سن رہا ہے۔ اللہ کے آخری رسولؐ تک کی یہ شان نہیں ہے کہ تم جہاں سے چاہو انہیں پکارو وہ فوراً سن لیں گے۔ پھر آخر ان سے بڑا اور صاحب کمال کون پیدا ہو گیا ہے جو زیر زمین دفن ہو جانے کے باوجود زندوں کی پکاریں سنتا اور بخشش و عطا کے دریا بہاتا ہے۔

ایک دم لغو، نامعقول اور قرآن و حدیث سے ٹکرانے والا وہم جن لوگوں نے بھی یا شیئاً للہ جیسے وظائف، ایجاد کیئے ہیں وہ علم و زہد کے اعتبار سے کتنے ہی مشہور ہوں مگر ان کی خطائے فکری قابل تقلید نہیں مانی جا سکتی۔

(از تجلی اپریل و مئی ۷۶ء)

کرائے کا ایصال ثواب

جو معاوضہ لے کر قرآن پڑھتے ہیں انھیں ثواب ہی کہاں ملتا ہے جو وہ مرحوم کو بخش سکیں۔ تلاوت قرآن پر اجرت جائز نہیں۔ دنیا رنگ رنگیلی ہے، شیطان اس سے بھی زیادہ رنگ رنگیلا ہے۔ اس کا کام کیسے چلے۔ اگر دنیا میں احمقوں کی کثرت نہ ہو۔ جو لوگ اپنی سادہ لوحی سے ایسے ایصال ثواب میں گرفتار ہیں ان سے کہد یجیئے کہ اللہ کے بندو! جتنے پیسے تم حافظ صاحب کو دے رہے ہو اتنے ہی پیسے کسی مفلس، بے کس، محتاج مرد یا عورت کو صدقہ کر دو کہیں زیادہ ثواب مل جائے گا۔ پھر یہ ثواب مرحوم کو بخش دینا یہاں تو تم محض بے وقوف بن رہے ہو اور مرحوم تک کچھ نہیں پہنچ رہا ہے۔

از تجلی مئی ۷۶ء

یہ بھی ضرور پڑھیئے

آپ خوب جانتے ہیں کہ اسلام کے تہواروں اور دیگر مذاہب کے تہواروں میں کتنا عظیم فرق ہے دیگر مذہب کے تہوار بالعموم انسان کے خود ساختہ اور بہت سطحی مفادات

کی آسودگی کرنے والے ہیں۔ ان کو منانے میں انسان محض اپنے طرز فکر اپنے مزعمات اور اپنے نفس سے کام لیتا ہے اس کے برخلاف اسلام کے تہوار، خدائے جل شانہ کے عطا کردہ ہیں اس خدا کے جو انسان کی فطرت کا خالق اس کے ذات صدور سے واقف اور ہر چھوٹے بڑے عمل کے تمام تر اثرات و نتائج کا عالم ہے جس کا معیار تعلیم سطحیت سے بری ماقفیت اور گہرائی کا حامل ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ "عید الاضحیٰ" منانے کا جو معیار اللہ جل شانہٗ کو مطلوب ہو سکتا ہے کیا اس پر آپ کسی درجہ میں پورے اترتے ہیں۔ یہ تو آپ نے قرآن کی زبان سے سن ہی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور کھال مطلوب نہیں، بلکہ وہ نیت وہ جذبہ وہ عقیدہ مطلوب ہے جو قربانی پر ابھارتا ہے۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ جس عظیم قربانی کی یادگار میں یہ "تہوار" آپ کو دیا گیا وہ کسی جانور کی قربانی نہ تھی ایک جلیل القدر انسان کے ہاتھوں سے ایک جلیل القدر انسان کی قربانی تھی۔ ایک باپ کے ہاتھوں سے ایک چہیتے بیٹے کی قربانی تھی۔ ایک ایسی آزمائشی قربانی تھی جس میں کامیابی کا تمام تر دار و مدار اس بات پر تھا کہ اللہ کا بندہ اللہ کی اطاعت کے بالمقابل اپنے جان و مال اپنی اولاد کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔

ایسی ولولہ انگیز تاریخی قربانی کی یادگار مناتے ہوئے اگر منانے والے صرف ظاہری رسوم کی پابندی کرلیں۔ صرف نماز عید اور گوشت خوری کو کافی سمجھ لیں یا زیادہ سے زیادہ کچھ روپیہ خیرات کردیں یا ڈبل جانور ذبح کرلیں اور ان کے دلوں میں قربانی ایثار، اطاعت، بندگی، جاں نثاری و جاں سپاری کا کوئی جذبہ نہ ہو یا ہو تو محدود، بے تہہ، سرد۔ تو ایمانداری سے فیصلہ کیجئے کہ کیا اللہ کا مطلوب پورا ہو گیا؟ کیا یادگار منا لی گئی؟ کیا بندہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا؟

خدا ہمارے حال پر رحم کرے، اجتماعی و انفرادی زندگی میں ہمارا جو کچھ کردار ہے وہ مجموعی طور پر ہمارے جذبات و اعتقادات کا مکمل آئینہ ہے۔ ہم آپس میں تنگ دل، جنگ جو، قہار، تخریب پسند اور ہرزہ کار ہیں۔ حالانکہ اگر ہمارے اندر کسی بھی درجہ میں وہ جذبہ، وہ یقین، وہ شعور زندہ ہوتا جو اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے پر ابھارتا ہے۔ جو ایک باپ کے ہاتھ سے اپنے جگر گوشہ کے حلقوم پر چھری چلوا دیتا ہے جو باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ کے بالمقابل تلوار سونت لینے پر آمادہ کر دیتا ہے تو بالیقین اس کی پرچھائیاں ہمارے تمام اعمال میں نظر آتیں۔ ہم ان بھائیوں کے ساتھ جنکو اللہ کے دین نے ہمارا بھائی بنایا ہے۔ تنگدلی اور بے مہری کا برتاؤ نہ کرتے۔ ہم ان ساتھیوں کے ساتھ جو اسلام کے صراط مستقیم پر ہمارے پہلو بہ پہلو ایک ہی منزل کی طرف گامزن ہیں خود غرضی اور کج روی سے پیش نہ آتے۔ ہمارا کوئی بھی جذبہ، کوئی بھی اعتقاد جس طرح اعمال کے گوشے گوشے میں کار فرما ہوتا ہے اسی طرح جذبۂ ایثار و قربانی بھی تمام اعمال میں کار فرما نظر آتا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمان بڑی زبردست قربانی دے رہا ہے۔ فرقہ پرستی کے سیلاب سے لڑ رہا ہے، دشمنان اسلام کے نرغہ میں دامن مذہب تھامے ہوئے ہے مظلومیت، بربادی اور صبر و تسلیم کی ایک مستقل تاریخ بنا رہا ہے

اس کا جواب بہت سادہ اور مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ یہ محض فریب خیال ہے، تلبیس ہے، تاویل ہے۔ بھارت کی فرقہ پرستی کے دیو استبداد پر ہزاروں جانیں، ہزاروں عصمتیں، بے اندازہ مال اور امن و طمانیت قربان کر دینے اور قربان کرتے رہنے کے باوجود اس قربانی کا قربانی مطلوب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اضطرار اور جبر ہے، وہ اختیار و اقدام ہے، یہ مجبوری و بےبسی ہے، وہ سپردگی و شجاعت، یہ ذلت ہے، وہ عزت، یہ پستی ہے وہ عروج۔ یہ کمزوری ہے، وہ طاقت۔ یہ قہر درویش بجان درویش ہے وہ

دولت عشق کے عوض دولت دو جہاں نہ لوں!

یہ موت ہے وہ زندگی۔ یہ درماندگی ہے وہ آسودگی، یہ عذاب ہے وہ آزمائش۔ یہ قہر الٰہی ہے وہ اکرام و انعام۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام ہی قربان ہونے والوں کے سینے حقیقی قربانی کے جذبے سے بالکل خالی رہے ہے۔ اللہ قلوب کا حال جاننے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مظلوم حقیقتاً جذبۂ اطاعت اور مرضی الٰہی کی تسلیم کے احساس سے مالا مال رہے ہوں لیکن دریا میں قطرے کی

کی بہار میں ذرہ کی کیا کمی سے بے غالب ترین اکثریت کا جو حال رہا ہے اور آج تک ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ خدا کی راہ میں جان و آبرو اور مال و اولاد تو کجا ہم اپنی مستعار زندگی کے کچھ اوقات ان بے کلفت احکام کی تعمیل میں بھی صرف نہیں کر سکتے جو مومن کامل کیلئے ابجد کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی خواہشات اور کام و دہن کے مرغوبات ان عبادات کیلئے بھی تج نہیں سکتے جو جذبۂ پرستش کی ابتدائی علامات کہی جا سکتی ہیں۔ ہمیں خدا کی کارسازی اسلام کی برکت، قرآن کی لازوال صداقتوں پر محض رسمی، رواجی سطحی ایمان ہے۔ ہمارے شعور کی گہرائیاں، ہمارے احساس کی وسعتیں ہمارے جذبات کے خزانے، ہمارے فکر و تخیل کے کارخانے اس مستحکم ایمان اور محکم یقین سے محروم ہیں، جو راہ حق پر جان و مال کی اختیاری، قربانی پر بطیب خاطر بخوشی، برغبت و رضا آگے بڑھاتا ہے۔ جو قربانی پیش کرتے ہوئے دل میں ذرا سی جھجک، ذرا سی گھٹن اور ذرا سا تامل اور جمود نہیں رہنے دیتا۔

فاعتبروا! غور کرو، سوچو، شرماؤ احساس ندامت سے پانی پانی ہو جاؤ! تم وہ خوش نصیب جنھیں قرآن جیسی متاع بیش بہا دی گئی، قرآن کی ناقدری کی سزا میں گرفتار ہو گئے۔ تم وہ جن کے باپ دادا میں عمر جیسا بطل جلیل، صدیق جیسا انسان عظیم اور عثمان غنی اور ابوذر و خالد و حمزہ و بلال جیسے ایثار پیشہ خدا پرست ہو گزرے اپنی روش سے ہٹ کر ہلاکت و فلاکت کا شکار ہو گئے۔ تم وہ جسے خدا نے محمد جیسا پیغمبر دے کر اپنی خلقت کے کمال پر آخری مہر ثبت کر دی جسے "احسن تقویم" میں پیدا کیا گیا۔ جسے دین قیم دیا گیا جسے "امت وسطاً" بنایا گیا۔ ہاں تم عطاؤ احسان کی ناشکری میں، بے حسی میں، اندھے پن میں، ذلت و بربادی کی زنجیروں سے باندھ دیئے گئے ہو۔

تم! رسول آخر الزماں کے غلامو! قرآن کے حاملو! رسول اور قرآن سے بغاوت کر کے شاد کام نہیں رہ سکتے۔ تم اسباب و وسائل پر تکیہ کر کے خدا فراموشی سے دین و دنیا میں کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور اگر دنیا میں کچھ حاصل کر بھی لیا تو سمجھ لو دنیا کی ہر نعمت آخرت کے ایک عذاب الیم کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کا ہر عیش نار جہنم کی تپش و سوزش کا پیغام

بخت آفریں ہے۔ مسلمان کو خدا فراموشی کے ساتھ عیب کی دنیا ملی ہے کچھ لو بڑی ہلاکت، بڑا خسران، بڑی خسرانی بھگتی ہے تم اگر دنیا ہی کو مقصد و منزل بنا کر چلنے ہے تو اس سے بہتر ہے کہ اللہ اور رسول سے کھلا انکار کر دو کافر بن جاؤ۔ خدا کی عادت ہے کہ اہل کفر کو بالعموم عیش دنیا وی سے فراخدلی کے ساتھ نوازتا ہے اور یہ عادت عقل و منطق کے اعتبار سے نہایت منصفانہ اور معتدل ہے۔ کیونکہ کفر کے بعد جب آخرت میں کوئی حصۂ راحت نہیں رہا تو چند روزہ زندگی میں تھوڑے مزے مل جائیں۔

ہمارا وعظ تمہارے لئے شاید بدمزگی کا باعث ہوگا تم کہو گے کہ یہ رونا تو ہم مدت سے سنتے چلے آئے ہیں یہ فرسودہ باتیں ہیں۔ یاد رکھو دنیا۔ تمہاری عقل و سائنس کی دنیا، تمہاری تہذیب و تمدن کی دنیا، تمہاری نفس و شکم کی دنیا کتنی ہی جدت پرست بن جائے لیکن تمہاری نجات و حیات کا واحد راستہ وہی پرانا اسلام، پرانا قرآن رہے گا، پرانا خدا جس سے تم عملاً فرار اختیار کئے ہوئے ہو۔ جسے تم فرسودہ بتاتے ہو۔ نئے عزموں، نئے نظریوں، نئے نظاموں کی چمک دمک پر اپنی بصیرت و بصارت قربان کر کے تم نامرادی و خسران کے سوا کچھ نہ پا سکو گے۔ تمہیں پرانے وعظ، پرانی فریادیں، پرانے نغمے ہی سننے ہوں گے اور "آدھا تیتر، آدھا بٹیر" کی زندگی بدلنی ہوگی۔ تمہیں اپنی عملی منافقت اور دو رنگی زندگی بدلنی ہوگی۔ تمہیں اپنا سراپا اندر اور باہر سے پوری طرح بدلنا ہوگا۔

نہ بدلو گے تو مٹ جاؤ گے اے مذہب فراموشو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

دعوت اسلامی کا جو تھا نکتہ یہ تھا کہ لوگ آخرت پر ایمان لائیں، یہ ایک محض مختصر سا نکتہ نہ تھا بلکہ اس میں بہت سی اہم حقیقتیں شامل تھیں جنھیں تسلیم کرنے کا مجموعی نام ایمان بالآخرۃ تھا۔

اول یہ کہ دنیا میں انسان غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے، کہ یہاں جو کچھ بھی چاہے کرتا رہے کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہوگا۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے جس میں انسان آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے اور جو کچھ بھی وہ یہاں کرتا ہے اس کی جواب دہی اسے اللہ تعالےٰ کے سامنے کرنی ہوگی۔

دوم یہ کہ اس جواب دہی کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نوعِ انسانی کو دنیا میں کام کرنے کے لئے جتنی مہلت دینے کا اللہ فیصلہ فرما چکا ہے، اس کے ختم ہونے پر قیامت برپا ہوگی، جس میں یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظامِ عالم قائم کیا جائے گا اور ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے تھے وہ سب بیک وقت زندہ کر کے اس نئے عالم میں اٹھائے جائیں گے۔ یہ دوسری زندگی دنیا کی موجودہ زندگی کی طرح عارضی نہیں بلکہ ابدی ہوگی، موت اس میں کبھی نہ آئے گی۔

سوم یہ کہ اس وقت تمام اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور وہاں ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں ان اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی جو اس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کئے ہوں گے۔

چہارم یہ کہ دنیا میں انسان جو کچھ بھی کر رہا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کو خود براہِ راست جانتا ہے مگر عدل کی تمام شرائط پوری کرنے کے لئے وہ اس کا مکمل اور بالکل صحیح نامۂ اعمال تیار کرا رہا ہے۔ بے شمار شہادتیں اس کے ایک ایک قول و فعل کے لئے فراہم کر رہا ہے، خواہ وہ اس نے علانیہ کیا ہو یا چھپ کر، بلکہ جس نیت اور جس ارادے سے اس نے کوئی بات کی یا کہی ہے، اور جو جو خیالات اس نے اپنے دل میں رکھے ہیں، ان سب کا ثبوت بھی وہ محفوظ کرتا جا رہا ہے، پھر اس بات کے گواہ اس نے تیار کر رکھے ہیں کہ انسان کو حق اور باطل کا فرق سمجھنے اور غلط راستوں کے درمیان سیدھا راستہ بتلانے کے لئے اس کی طرف سے پورا انتظام کر دیا گیا تھا۔ یہ سب شہادتیں اللہ کی عدالت میں اس شان سے پیش ہوں گی کہ انسان ان کا انکار نہ کر سکے گا۔

پنجم یہ کہ اللہ کی عدالت میں کوئی رشوت، بے جا سفارش، اور خلافِ حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ نہ کسی دوسرے پر ڈالا جائیگا اور نہ کوئی عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب شخص اپنے عزیز و قریب کا بوجھ اپنے اوپر لے گا۔ جن واقعی یا خیالی ہستیوں کو آدمی اپنا ولی و ناصر سمجھتا ہے، وہ اس کے کوئی کام نہیں آئیں گی۔ انسان وہاں تن تنہا بالکل بے یار و مددگار کھڑا ہوا اپنے کارنامۂ حیات کا حساب آپ دے رہا ہوگا اور فیصلہ بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

ششم یہ کہ فیصلے کا مدار کلیۃً اس بات پر ہوگا کہ انسان نے دنیا

میں انبیاء کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اس کے مطابق اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کی یا نہیں، اور آخرت میں اپنی جواب دہی کے احساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کی یا اسے بھول کر سب کچھ دنیا ہی کے لئے کرتا رہا۔ پہلی صورت میں اس کے لئے جنت ہے اور دوسری صورت میں جہنم۔

یہ آخرت کا عقیدہ اسلامی دعوت کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا توحید، رسالت اور قرآن کو کلام الٰہی ماننے کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ اسلام جس طرز فکر و عمل کی طرف بلاتا ہے اور جس راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، اس پر ایک قدم بھی انسان نہیں چل سکتا۔ جب تک دنیا کو امتحان گاہ اور اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ نہ سمجھ لے۔ اور جب تک اس کے دماغ سے یہ خیال نکل نہ جائے کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، جس میں ظاہر ہونے والے نتائج ہی خیر و شر کا اصل معیار ہیں اور وہ سچے دل سے یہ بات نہ مان لے کہ اصلی اور ابدی زندگی وہ ہے جو موت کے بعد آنے والی ہے اور خیر و شر کا حقیقی معیار یہ ہے کہ کس راہ پر چل کر آدمی اس دوسری زندگی میں کامیاب ہوگا اور کس پر چل کر برا انجام دیکھے گا۔ یہ عقیدہ نہ ہو تو آدمی سرے سے توحید و رسالت اور ایمان بالقرآن کی دعوت کو قابل اعتنا ہی نہ سمجھے گا، اور اگر کسی وجہ سے اس کو مان بھی لے تو خدا کی بندگی، رسول کی اطاعت اور قرآن کی پیروی میں ہرگز سنجیدہ نہ ہوگا، اس لئے کہ جب آدمی یہ سمجھتا ہو کہ آخر کار مر کر مٹی میں مل جانا ہے اور اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے جس میں خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی پیروی کرنے کی جزا اور نہ کرنے کی سزا ملنے والی ہو تو وہ کبھی ایمانداری کے ساتھ اپنے آپ کو اس ضابطہ میں بند ھوا دینے کے لئے تیار نہ ہوگا جس میں اسلام اس کو باندھنا چاہتا ہے۔ بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جس سے دنیا میں کچھ فائدہ، کچھ لطف، اور کچھ لذت حاصل ہو اور ہر اس طریقے سے اجتناب کرے گا جس کی بدولت وہ حیات دنیا کے فائدوں اور لذتوں سے محروم ہوتا ہو یا نقصانات، اور تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہو۔

قریش کا آخرت کو بعید از عقل و ناممکن سمجھنا

اس عقیدے کی یہی اہمیت تھی جس کی وجہ سے قریش اور مشرکین عرب کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیش کیا تو وہ سب سے زیادہ اسی پر چیں بجبیں ہوئے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر ہم اس کو مان لیں تو ہماری ساری آزادیاں ختم ہو جائیں گی۔ ہم تنہائی میں بھی جہاں ہمیں کوئی دیکھنے والا نہ ہو، کوئی ایسا فعل جسے خدا اور رسول اور قرآن نے حرام کیا ہے، نہ کر سکیں گے۔ ہم جہاں کوئی ناجائز فائدہ یا لطف یا لذت حاصل کرنے پر پوری طرح قادر ہوں گے وہاں بھی یہ عقیدہ ہمارے ہاتھ باندھ کر رکھ دے گا۔ یہ تو ایک غیر محسوس سپاہی ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ لگا دے گا جو کسی حالت میں بھی ہم کو من مانی نہ کرنے دے گا اسی بنا پر وہ پوری قوت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو گئے اور انھوں نے بڑے زور و شور سے لوگوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بات تو قطعی خلاف عقل ہے، بعید از امکان، سراسر دیوانگی بلکہ محض قابل مضحکہ ہے۔

قرآن مجید میں ان کے ان خیالات کو جگہ جگہ نقل کر کے بڑے معقول دلائل کے ساتھ سب سے پہلے آخرت کا امکان ثابت کیا گیا۔ کیونکہ بعد کی کوئی بات انسان کے ذہن میں اتر نہیں سکتی تھی، جب تک پہلے آخرت کو ممکن ثابت کر کے اس کے عدم امکان کے واہمہ کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔

منکرین آخرت کے خیالات

کفار میں سے ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا کہ ہم گمان کی حد تک تو سمجھتے ہیں کہ شاید آخرت ہو مگر ہمیں اس کا یقین نہیں ہے۔ اس گروہ کا ذکر صرف ایک جگہ قرآن میں آیا ہے، ورنہ ہر جگہ قطعی انکار کرنے والوں ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کے لوگ بہت کم پائے جاتے تھے۔

پہلے گروہ کا ذکر احوال آخرت کے بیان میں صرف اس جگہ آیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ۔ (الجاثیہ۔ ۳۲)	اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے، ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، یقین ہم کو نہیں ہے۔"

بہ ظاہر ان دونوں گروہوں میں اس لحاظ سے بڑا فرق ہے، کہ ایک آخرت کا بالکل منکر ہے اور دوسرا اس کے ممکن ہونے کا گمان رکھتا ہے لیکن نتیجہ اور انجام کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ آخرت کے انکار اور اس پر یقین نہ ہونے کے اخلاقی نتائج بالکل ایک جیسے ہیں. کوئی شخص خواہ آخرت کو نہ مانتا ہو یا اس کا صرف گمان رکھتا ہو اور یقین نہ رکھتا ہو، دونوں صورتوں میں لازماً وہ خدا کے سامنے اپنی جواب دہی کے احساس سے خالی ہوگا اور یہ عدم احساس اس کو لازماً فکر و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا کرکے رہے گا۔ صرف آخرت کا یقین ہی دنیا میں آدمی کے رویے کو درست رکھ سکتا ہے۔ یہ اگر نہ ہو تو شک اور انکار دونوں اسے ایک ہی طرح کی غیر ذمہ دارانہ روش پر ڈال دیتے ہیں اور چونکہ یہی غیر ذمہ دارانہ روش آخرت کی بدانجامی کا اصل سبب ہے، اس لیے دوزخ میں جانے سے نہ انکار کرنے والا بچ سکتا ہے، نہ یقین نہ رکھنے والا۔

اس ایک مقام کو چھوڑ کر باقی تمام مقامات پر قرآن میں آخرت کا کھلا کھلا انکار کرنے والوں کے اقوال نقل کیے گئے ہیں،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ.

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو" درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں اور جب ہماری واضح آیات، جو آخرت پر دلالت کرتی ہیں، انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہوتی کہ اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔

(الجاثیہ، ۲۴ تا ۲۵)

یعنی کوئی ذریعہ علم ایسا نہیں ہے جس سے ان کو تحقیق یہ معلوم ہو گیا ہو کہ اس زندگی کے بعد انسان کے لیے کوئی دوسری زندگی نہیں ہے اور یہ بات بھی انہیں معلوم ہو گئی ہو کہ انسان کی روح کسی خدا کے حکم سے قبض نہیں کی جاتی بلکہ آدمی محض گردش ایام سے مر کر فنا ہو جاتا ہے

منکرین آخرت یہ باتیں کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان کی بناء پر کرتے ہیں علمی حیثیت سے اگر وہ بات کریں تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ بس یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں لیکن یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ اسی طریقہ پر علمی طریقہ پر وہ یہ جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آدمی کی روح خدا کے حکم سے نکالی نہیں جاتی ہے بلکہ وہ محض اس طرح مر کر ختم ہو جاتا ہے جیسے ایک گھڑی چلتے چلتے رک جائے زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کہہ سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ فی الواقع کیا صورت پیش آتی ہے اب سوال یہ ہے کہ جب انسانی ذرائع علم کی حد تک زندگی بعد موت کے ہونے یا نہ ہونے اور قبض روح واقع ہونے یا گردش ایام سے آپ ہی آپ مر جانے کا یکساں احتمال ہے، تو آخر کیا وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ امکان آخرت کے احتمال کو چھوڑ کر قطعی طور پر انکار آخرت کے حق میں فیصلہ کر ڈالتے ہیں؟ کیا اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ ہے، کہ دراصل مسئلے کا آخری فیصلہ وہ دلیل کی بنا پر بلکہ اپنی خواہشات کی بناء پر کرتے ہیں؟ چونکہ ان کا دل یہ نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہو اور موت کی حقیقت نیستی اور عدم نہیں بلکہ خدا کی طرف سے قبض روح ہو اس لیے وہ اپنے دل کی مانگ کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور دوسری بات کا انکار کر دیتے ہیں۔

قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

یہ کہتے ہیں "کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہم کو پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ہم نے بھی یہ وعدے بہت سنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں، یہ محض افسانہ ہائے پارینہ ہیں۔

(المومنون ۸۲ تا ۸۳)

وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ

اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے

(الرعد۔ ۵) یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے۔

یعنی ان کا آخرت سے انکار اور اسے بعید از امکان سمجھنا دراصل خدا سے اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے، یہ صرف اتنا ہی نہیں کہتے کہ ہمارا مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہے کہ معاذ اللہ وہ خدا عاجز و درماندہ اور نادان و بے خبر ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ

منکرین لوگوں سے کہتے ہیں ہم بتائیں تمہیں ایسا شخص جو خبر دیتا ہے کہ تمہارے جسم کا ذرہ ذرہ منتشر ہو چکا ہوگا اس وقت تم نئے سرے سے پیدا کر دیئے جاؤ گے؟ نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون لاحق ہے۔

(سبا ۷ تا ۸)

قریش کے سردار قطعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہہ دینے کی ہمت نہ رکھتے تھے، کیونکہ پوری قوم آپ کو صادق القول جانتی تھی اور کبھی ساری عمر کسی نے آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہ سنی تھی۔ اس لیے وہ لوگوں کے سامنے اپنا الزام اس شکل میں پیش کرتے تھے کہ یہ شخص جب زندگی کے بعد موت جیسی انہونی بات زبان سے نکالتا ہے، تو لامحالہ اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا یا تو معاذ اللہ یہ شخص جان بوجھ کر ایک جھوٹی بات کہہ رہا ہے، یا پھر یہ مجنون ہے۔ لیکن یہ مجنون والی بات بھی اتنی ہی بے سر و پا تھی جتنی جھوٹ والی بات اس لیے کوئی عقل کا اندھا ایک کمال درجہ کے عاقل و فہیم آدمی کو مجنون مان سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ بات کے جواب میں کسی استدلال کی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور کلام صرف ان کے اس اچنبھے پر کیا جو زندگی بعد موت کے امکان پر وہ ظاہر کرتے تھے۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ

یہ لوگ کہتے ہیں مرکیا واقعی ہم پلٹا کر پھر واپس لائیں گے؟ کیا جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہونگے؟ کہنے لگے، یہ واپسی تو پھر خسارے کی ہوگی۔

(النزعٰت، ۱۰ تا ۱۲)

یعنی جب ان کو جواب دیا گیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا تو وہ مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یار د اگر واقعی ہمیں پلٹ کر دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس آنا پڑا تو ہم مارے گئے، اس کے بعد تو پھر ہماری خیر نہیں۔

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ

اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کے پنجر بن کر رہ جائیں گے، تو پھر اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ (اے نبیؐ) ان لوگوں سے کہو یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔

(الواقعہ ۴۷ تا ۵۰)

امکان آخرت کے دلائل

منکرین آخرت اپنے انکار کے حق میں جو کچھ کہتے تھے اس کو نقل کر کے قرآن مجید میں جگہ جگہ وہ دلائل دیئے گئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آخرت کا آنا قطعی طور پر ممکن ہے، اور اسے ممکن سمجھنا نہیں بلکہ غیر ممکن سمجھنا خلاف عقل ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے ایک بوند سے پیدا کیا ہے اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے، کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا، جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا، اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔

(یٰس، ۷۷ تا ۷۹)

یعنی وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ ہم نے بے جان مادہ سے وہ ابتدائی جرثومہ حیات پیدا کیا جو اس کا ذریعہ تخلیق بنا اور پھر اس جرثومے کو پرورش کر کے اسے یہاں تک بڑھا لائے کہ آج وہ ہمارے سامنے

باتیں چھانٹنے کے قابل ہوا ہے۔ وہ ہمیں بھی عام مخلوقات کی طرح عاجز سمجھ رہا ہے۔ وہ اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ جس طرح انسان مردے کو زندہ نہیں کر سکتا، اسی طرح ہم بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لیے پوچھتا ہے کہ "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" ابن عباسؓ، قتادہؒ اور سعید بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ اس موقعہ پر کفار مکہ میں سے ایک شخص قبرستان سے کسی مردے کی ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آگیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے توڑ کر اور اس کے منتشر اجزاء ہوا میں اڑا کر آپؐ سے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کہتے ہو کہ مردے زندہ کر کے پھر اٹھائے جائیں گے، اب آپ بتاؤ، "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" اس کا مختصر اور بلیغ ترین جواب یہ دیا گیا کہ وہی جس نے، اسے پہلے پیدا کیا تھا۔

وَقَالُوٓا أَءِذَا كُنَّا عِظَٰمًا وَرُفَٰتًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِى صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ ٱلَّذِى فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰٓ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِۦ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝

(بنی اسرائیل ۴۹ تا ۵۲)

وہ کہتے ہیں "جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائیں گے؟" ان سے کہو، "تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے ذہن میں قبول حیات سے بعید تر ہو پھر بھی تم اٹھ کر رہو گے۔" وہ ضرور پوچھیں گے، "کون ہے وہ جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹا کر لائے گا؟" جواب میں کہو، "وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا۔" وہ (مذاق اڑانے کے انداز میں) سر ہلا ہلا کر پوچھیں گے، "اچھا، تو یہ ہوگا کب؟" تم کہو، "کیا عجب کہ وہ وقت قریب ہی آلگا ہو، جس روز وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کے جواب میں نکل آؤ گے اور تمہارا گمان اس وقت یہ ہوگا کہ ہم بس تھوڑی ہی دیر اس حالت میں پڑے رہے ہیں۔"

یعنی دنیا میں مرنے کے وقت سے لے کر قیامت میں اٹھنے کے وقت تک کی مدت تم کو چند گھنٹوں سے زیادہ محسوس نہ ہوگی تم اس وقت یہ سمجھو گے کہ ہم ذرا دیر سوئے پڑے تھے کہ یکایک اس شور محشر نے ہمیں جگا اٹھایا۔

وَيَقُولُ ٱلْإِنسَٰنُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ ٱلْإِنسَٰنُ أَنَّا خَلَقْنَٰهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝

(مریم۔ ۶۶ تا ۶۷)

انسان کہتا ہے کہ واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لیا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں رہا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب وہ کچھ بھی نہ تھا!۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّنَ ٱلْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِى ٱلْأَرْحَامِ مَا نَشَآءُ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَتَرَى ٱلْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا ٱلْمَآءَ ٱهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنۢبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيجٍ ۝

(الحج۔ ۵)

لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے، جو شکل والی ہوتی ہے اور بے شکل بھی، یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں، ہم جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچہ کی صورت میں نکال لاتے ہیں، پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہونچو اور تم میں کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے، اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگنی شروع کر دی

مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ہر انسان ان مادّوں سے پیدا کیا جاتا ہے جو سب کے سب زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس تخلیق کی ابتدا نطفہ سے ہوتی ہے، یا یہ کہ نوع انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہ راست مٹی سے بنائے گئے تھے، اور پھر آگے نسل انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا، جیسا کہ سورۂ سجدہ میں فرمایا گیا۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (آیات ۷، ۸)

انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک ست سے چلائی جو حقیر پانی کی شکل میں نکلتا ہے۔

دونوں صورتوں میں یہ بہرحال ثابت ہے کہ زندہ انسان کی تخلیق بےجان مادّوں کو جمع کرکے کی گئی ہے اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد ان مختلف اطوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے استقرار حمل کے بعد بچہ ماں کے پیٹ میں گزرتا ہے، ان کی وہ تفصیلات بیان نہیں کی گئیں جو آجکل صرف طاقتور خوردبین ہی سے نظر آتی ہیں بلکہ ان بڑے بڑے نمایاں تغیرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اس زمانے کے عام بدو بھی واقف تھے، یعنی نطفہ قرار پانے کے بعد ابتداءً جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا سا ہوتا ہے، پھر وہ گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہوتا ہے جس میں پہلے شکل، صورت، کچھ نہیں ہوتی اور آگے چلکر انسانی شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے، اسقاط کی مختلف حالتوں میں چونکہ تخلیق انسانی کے یہ سب مراحل لوگوں کے مشاہدے میں آتے تھے اس لیے انہی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اس سوال کا جواب انسان کے اپنے فہم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ جو خدا انسان کو اس طرح پیدا کرتا ہے، اور پروان چڑھاتا ہے اس کے لیے آخر اسے دوبارہ پیدا کرنا کیوں ناممکن ہو؟

وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۝ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ۔ (السجدہ۔ ۱۰، ۱۱)

اور یہ لوگ کہتے ہیں "جب ہم مٹی میں رل مل چکے ہونگے، تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کیے جائینگے" اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں، ان سے کہو، موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا کا پورا اپنے قبضہ میں لے لیگا اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹا لائے جاؤ گے۔

پہلے فقرے اور آخری فقرے کے درمیان پوری ایک داستان کی داستان ہے جسے سامع ذہن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کفار کا جو اعتراض پہلے فقرے میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ اتنا مہمل تھا کہ اس کی تردید کی حاجت محسوس نہیں کی گئی۔ اس کا محض نقل کرنا ہی اس کی لغویت ظاہر کرنے کے لیے کافی سمجھا گیا، اس لیے ان کا اعتراض جن دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ وہ دونوں ہی سراسر غیر معقول ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں رل مل گئے ہونگے"، آخر کیا معنی رکھتا ہے "ہم" جس چیز کا نام ہے وہ کب مٹی میں رلتی ملتی ہے؟ مٹی میں تو صرف وہ جسم ملتا ہے جس سے "ہم" نکل چکا ہوتا ہے۔ اس جسم کا نام "ہم" نہیں ہے۔ زندگی کی حالت میں جب اس جسم کے اعضاء کاٹے جاتے ہیں تو عضو پر عضو کٹتا چلا جاتا ہے۔ مگر "ہم" پورا کا پورا اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ اس کا کوئی جز بھی کسی کٹے ہوئے عضو کے ساتھ نہیں جاتا، اور جب یہ "ہم" کسی جسم میں سے نکل جاتا ہے۔ تو پھر پورا جسم موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر اس "ہم" کے کسی ادنیٰ شائبے تک کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو ایک عاشق جان نثار اپنے معشوق کے مردہ جسم کو لے جا کر دفن کر دیتا ہے کیونکہ معشوق اس جسم سے نکل چکا ہوتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو نہیں بلکہ اس خالی جسم کو دفن کرتا ہے جس میں کبھی اس کا معشوق رہتا تھا۔ پس معترضین کے اعتراض کا پہلا مقدمہ ہی بے بنیاد ہے۔ رہا اس کا دوسرا جز کہ "کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟" تو یہ انکار و تعجب کے انداز کا سوال سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا اگر معترضین نے بات کرنے سے پہلے اس "ہم" اور اس کے پیدا کیے جانے کے مفہوم پر ایک لمحہ کے لیے بھی کچھ غور کر لیا ہوتا اس "ہم" کی موجودہ پیدائش اس کے سوا کیا ہے کہ کہیں سے کوئلہ اور کہیں سے لوہا اور کہیں سے چونا اور اسی طرح کے دوسرے اجزاء جمع ہوئے اور اس کالبد خاکی میں یہ "ہم" براجمان ہو گیا۔ پھر اس کی موت کے بعد کیا ہوتا ہے اس کالبد خاکی میں سے جب "ہم" نکل جاتا ہے تو اس کا مکان تعمیر کرنے کے لیے جو اجزاء زمین کے مختلف حصوں سے فراہم کیے گئے تھے وہ سب اسی زمین میں واپس چلے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس نے

پہلے اس " ہم " کو یہ مکان بنا کر دیا تھا کیا وہ دوبارہ اسی سر و سامان سے وہی مکان بنا کر اسے از سر نو اس میں نہیں بسا سکتا؟ یہ چیز جب پہلے ممکن تھی اور ممکن کیا معنی، واقعہ کی صورت میں رونما ہو بھی چکی ہے، تو دوبارہ اس کے ممکن ہونے اور واقعہ بننے میں آخر کیا امر مانع ہے یہ باتیں ایسی ہیں جنھیں ذرا سی عقل آدمی استعمال کرے تو خود ہی سمجھ سکتا ہے، لیکن وہ اپنی عقل کو اس رخ پر کیوں جانے نہیں دیتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے حیات بعد الموت اور آخرت پر اس طرح کے لایعنی اعتراضات جڑتا ہے؟ بیچ کی ساری بحث چھوڑ کر اللہ تعالیٰ دوسرے فقرے میں اسی سوال کا جواب دیتا ہے کہ " دراصل یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں " یعنی اصل بات یہ نہیں ہے کہ دوبارہ پیدائش کوئی بڑی ہی انوکھی اور بعید از امکان بات ہے جو ان کی سمجھ میں نہ آسکتی ہو بلکہ دراصل جو چیز انھیں یہ بات سمجھنے سے روکتی ہے وہ ان کی یہ خواہش ہے کہ ہم زمین میں چھوٹے پھریں اور دل کھول کر گناہ کریں اور پھر بالکل SCOT . FREE یہاں سے نکل جائیں، پھر ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو، پھر اپنے کرتوتوں کا کوئی حساب ہمیں نہ دینا پڑے۔

اس کے بعد بتایا ہے کہ تمہارا اور " ہم " جس مکان میں رہتا ہے وہ تو ضرور مٹی میں رل مل جائے گا، مگر خود یہ " ہم " مٹی میں نہ ملے گا بلکہ اس کی مہلت عمل ختم ہوتے ہی خدا کا فرشتۂ موت آئے گا اور اسے جسم سے نکال کر سمو چا اپنے قبضے میں لے لے گا، اس کا کوئی ادنیٰ سا جز بھی جسم کے ساتھ مٹی میں نہ جا سکے گا۔ وہ پورا کا پورا احراست CUSTODY میں لے لیا جائے گا اور اپنے رب کے حضور پیش کر دیا جائے گا۔

اس مختصر سی آیت میں بہت سے حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے۔

۱۔ اس میں تصریح ہے کہ موت کچھ یونہی نہیں آجاتی کہ ایک گھڑی چل رہی تھی، کوک ختم ہوئی اور وہ چلتے چلتے یکایک بند ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو آکر روح کو ٹھیک اسی طرح باقاعدہ وصول کرتا ہے جس طرح ایک سرکاری قرق امین (OFFICIAL . RECIEVER) کسی چیز کو اپنے قبضے میں لیتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیلات جو بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر موت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور روح کو جسم سے نکالنے اور اس کو قبضے میں لینے کی بہت سی مختلف النوع خدمات انجام دیتا ہے۔ نیز یہ کہ اس عملے کا برتاؤ مجرم روح کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے اور مومن صالح روح کے ساتھ کچھ اور۔ ان تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نساء، آیت ۹۷) الانعام ۹۳) النحل ۲۸، الواقعہ ۸۳ تا ۹۴)

۲۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ قرآن کے الفاظ " موت کا فرشتہ تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا " اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ کوئی معدوم چیز قبضے میں نہیں لی جاتی قبضہ میں لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مقبوضہ چیز قابض کے پاس رہے

۳۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت جو چیز قبضے میں لیجاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی کی زندگی BIOLOGICAL . LIFE نہیں بلکہ اس کی وہ خودی، اس کی وہ انا EGO ہے جو " میں " اور " ہم " اور " تم " کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ انا دنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پوری کی پوری، جوں کی توں، (INTACT) نکال لی جاتی ہے، بغیر اس کے کہ اس کے اوصاف میں کوئی کمی بیشی ہو اور یہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹائی جاتی ہے اس کو آخرت میں نیا جنم اور نیا جسم دیا جائے گا، اسی پر مقدمہ قائم کیا جائے گا، اسی سے حساب لیا جائے گا۔ اور اسی کو جزا و سزا دیکھنی ہوگی

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ	پھر ذرا ان سے پوچھو، ان کی
خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا	پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان
خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ	چیزوں کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں
لَّازِبٍ۔	ان کو تو ہم نے لیس دار گارے
(الصّٰفّٰت - ۱۱)	سے پیدا کیا ہے۔

یہ کفار مکہ کے اس شبہ کا جواب ہے جو وہ آخرت کے بارے میں پیش کرتے تھے۔ ان خیال یہ تھا کہ آخرت ممکن نہیں ہے، کیونکہ مرے ہوئے انسانوں کا دوبارہ پیدا ہونا محال ہے۔ اس کے جواب میں امکان آخرت کے دلائل پیش کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ان کے سامنے یہ سوال رکھتا ہے کہ اگر تمہارے نزدیک مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا بڑا سخت کام ہے، جس، کی

قدرت تمہارے خیال میں ہم کو حاصل نہیں ہے، تو بتاؤ کہ یہ زمین آسمان اور یہ بے شمار اشیاء جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی آسان کام ہے؟ آخر تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے کہ جس خدا کے لئے یہ عظیم کائنات پیدا کرنا مشکل نہ تھا اور جو خود تم کو ایک دفعہ پیدا کر چکا ہے، اس کے متعلق تم یہ سمجھتے ہو، کہ تمہاری دوبارہ تخلیق سے وہ عاجز ہے۔ پھر فرمایا جاتا ہے۔ کہ انسان کوئی عجیب چیز تو نہیں ہے، مٹی سے بنایا گیا ہے، اور پھر اسی مٹی سے بنایا جا سکتا ہے، اس کا سارا مادہ، میں وجود ہی سے حاصل ہوتا ہے جس نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے۔ وہ غذا سے بنتا ہے اور استقرار حمل کے وقت سے مرتے دم تک اس کی پوری ہستی جن اجزاء سے مرکب ہوتی ہے وہ سب بھی غذا ہی سے فراہم ہوتے ہیں۔ یہ غذا خواہ حیوانی ہو یا نباتی آخر کار اس کا ماخذ وہ مٹی ہے جو پانی کے ساتھ مل کر اس قابل ہوتی ہے۔ کہ انسان کی خوراک کے لئے غلے اور ترکاریاں اور پھل نکالے اور ان حیوانات کو پرورش کرے جن کا دودھ اور گوشت انسان کھاتا ہے۔ پس بنائے استدلال یہ ہے کہ یہ مٹی اگر حیات قبول کرنے کے لائق نہ تھی تو تم آج کیسے زندہ موجود ہو؟ اور اگر اس میں زندگی پیدا کیے جانے کا آج امکان ہے، جیسا کہ تمہارا موجود ہونا خود اس کے امکان کو صریح طور پر ثابت کر رہا ہے تو کل دوبارہ اسی مٹی سے تمہاری پیدائش کیوں ممکن نہ ہوگی؟

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○	آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی بہ نسبت زیادہ بڑا کام ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

(المومن - ۵۷)

یہ کفار کے اس خیال کا جواب ہے کہ انسان کا مر کر دوبارہ جی اٹھنا غیر ممکن ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ درحقیقت نادان ہیں۔ اگر عقل سے کام لیں تو ان کے لئے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہ ہو کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات بنائی ہے، اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی دشوار کام نہیں ہو سکتا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا	کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی جس کو اللہ نے بنایا ہے؟

(النّٰزعٰت - ۲۷)

تخلیق سے مراد انسانوں کی دوبارہ تخلیق ہے اور آسمان سے مراد وہ پورا عالم بالا ہے جس میں بے شمار تارے اور سیارے بے حد و حساب شمسی نظام اور ان گنت کہکشاں پائے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کوئی بڑا ہی امر محال سمجھتے ہو اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے، کہ جب ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی ہوں گی، اس حالت میں ہمارے پراگندہ اجزاء جسم پھر سے جمع کر دیئے جائیں اور ان میں جان ڈال دی جائے کبھی اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ سخت کام ہے یا تمہیں ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد دوبارہ اسی شکل میں پیدا کر دینا؟ جس خدا کے لیے وہ کوئی مشکل کام نہ تھا اس کے لیے آخر یہ کیوں ایسا مشکل کام ہے کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے؟

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ○ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○	اور کہتے ہیں، یہ تو صریح جادو ہے، بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جب ہم مر چکے ہوں اور مٹی بن جائیں اور ہڈیوں کا پنجرہ رہ جائیں اس وقت ہم پھر زندہ کر کے اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے وقتوں کے آباد اجداد بھی اٹھائے جائیں گے؟ ان سے کہو ہاں اور تم خدا کے مقابلے میں، بے بس ہو بس ایک ہی جھڑکی ہوگی اور یکایک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جا رہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے اس وقت یہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو یوم الجزا ہے۔

(الصّٰفّٰت - ۱۵ تا ۲۰)

ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ تو عالم طلسمات کی باتیں ہیں۔ کوئی جادو کی دنیا ہے جس کا یہ شخص ذکر کر رہا ہے، جس میں مردے اٹھیں گے، عدالت ہوگی جنت بسائی جائے گی، اور دوزخ کے عذاب ہوں گے۔ یا ان کے

قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص دل جلوں کی سی باتیں کر رہا ہے (۳) کہ یہ باتیں ہی اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے بھلا چنگا آدمی یہ باتیں کرنے لگا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا اور تم اپنے خالق کے آگے بے بس ہو، وہ جو کچھ بھی تمہیں بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔ جب اس نے چاہا اس کے ایک اشارے پر تم وجود میں آگئے، جب وہ چاہے گا اس کے ایک اشارے پر تم مر جاؤ گے اور پھر جس وقت بھی وہ چاہے گا اس کا ایک اشارہ تمہیں اٹھا کھڑا کرے گا اس کام کا وقت جب آئے گا تو دوبارہ برپا کر دینا کوئی بڑا لمبا چوڑا کام نہ ہوگا بس ایک ہی جھڑکی سوتوں کو جگانے کے لیے کافی ہوگی۔ "جھڑکی" کا لفظ یہاں بہت معنی خیز ہے۔ اس سے بعث بعد الموت کا کچھ ایسا نقشہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جو انسان مرے تھے وہ گویا سوئے پڑے تھے یکایک کوئی ڈانٹ کر کہتا ہے "اٹھ جاؤ" اور بس آن کی آن میں سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝

یہ لوگ آخرت کو نہیں مانتے تو کیا اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟

(الغاشیہ، ۱۷ تا ۲۰)

یعنی اگر یہ لوگ آخرت کی باتیں سن کر کہتے ہیں کہ آخر یہ سب کچھ، کیسے ہو سکتا ہے تو کیا خود اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نظر ڈال کر انھوں نے کبھی نہ سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ یہ آسمان کیسے بلند ہو گیا؟ یہ پہاڑ کیسے قائم ہو گئے؟ یہ زمین کیسے بچھ گئی؟ یہ ساری چیزیں اگر بن سکتی تھیں اور بنی ہوئی ان کے سامنے موجود ہیں تو قیامت کیوں نہیں آسکتی؟ آخرت میں ایک دوسری دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ دوزخ اور جنت کیوں نہیں ہو سکتیں؟ یہ تو ایک بے عقل اور بے فکر آدمی کا کام ہے کہ دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی جن چیزوں کو اس نے موجود پایا ہے ان کے متعلق تو وہ یہ سمجھ لے کہ ان کا وجود میں آنا تو ممکن ہے، کیونکہ وہ وجود میں آئی ہوئی ہیں، مگر جو چیزیں اس کے مشاہدے اور تجربہ میں ابھی نہیں آئی ہیں، ان کے بارے میں وہ بے تکلف یہ فیصلہ صادر کر دے کہ ان کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس کے دماغ میں عقل ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ جو کچھ موجود ہے، یہ آخر کیسے وجود میں آگیا؟ یہ اونٹ ٹھیک ان خصوصیات کے مطابق کیسے بن گئے جن خصوصیات کے جانوروں کی عرب کے صحرا میں رہنے والے انسانوں کو ضرورت تھی؟ یہ آسمان کیسے بن گیا جس کی فضا میں سانس لینے کے لیے ہوا بھری ہوئی ہے، جس کے بادل بارشیں لے کر آتے ہیں جس کا سورج دن کی روشنی اور گرمی فراہم کرتا ہے، جس کے چاند اور تارے رات کو چمکتے ہیں؟ یہ زمین کیسے بچھ گئی، جس پر انسان رہتا بستا ہے، جس کی پیداوار سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں، جس کے چشموں اور کنوؤں پر اس کی زندگی کا انحصار ہے؟ یہ پہاڑ زمین کی سطح پر کیسے ابھر آئے جو رنگ رنگ کی مٹی اور پتھر اور معدنیات لیے ہوئے جمے کھڑے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ کسی قادرِ مطلق صانعِ حکیم کی کاریگری کے بغیر ہو گیا ہے؟ کوئی سوچنے اور سمجھنے والا دماغ اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔ وہ اگر ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ ان میں سے ہر چیز ناممکن تھی، اگر کسی زبردست قدرت اور حکمت والے نے اسے ممکن نہ بنایا ہوتا، اور جب ایک قادر کی قدرت سے دنیا کی ان چیزوں کا بننا ممکن ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن چیزوں کے آئندہ وجود میں آنے کی خبر دی جا رہی ہے ان کو بعید از امکان سمجھا جائے۔

أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۝

کیا انسان حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو رحمِ مادر میں ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کیے، پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر دے؟

(القیمہ۔ ۴۰)

یہ حیات بعد موت کے امکان کی دلیل ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کر کے پورا انسان بنا دینے تک کا سارا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے، ان کے لیے تو فی الحقیقت اس دلیل کا کوئی جواب ہے ہی نہیں، کیونکہ وہ خواہ کتنی ہی ڈھٹائی برتیں ان کی عقل

یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔ رہے وہ لوگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں وہ اگر ہٹ دھرمی پر تلے ہوئے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہ ہے کہ آغاز آفرینش سے آج تک دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش مسلسل اس تناسب سے ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کہ کبھی کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں اور آئندہ اس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے؟ کیا یہ بھی اتفاق ہی ہوئے چلا جا رہا ہے اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لئے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم ہونا چاہئے کہ وہ اٹھ کر بے تکلف ایک روز یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن اور نیویارک ماسکو اور پیکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے ہیں

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ (الطارق۔ ۵ تا ۸)

پھر انسان ذرا یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہ خالق اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

یعنی انسان ذرا اپنی ہستی پر غور کرے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے کون ہے جو باپ کے جسم سے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے کسی ایک جرثومے اور ماں کے اندر سے مہینوں اور برسوں تک نکلتے رہنے والے بیضوں میں سے کسی ایک بیضے کا انتخاب کر کے، ایک وقت دونوں کو جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرار حمل واقع ہو جاتا ہے؟ پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد سے ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ نشو و نما دیکر اسے اس حد تک پہنچاتا ہے کہ وہ ایک زندہ بچے کی شکل میں پیدا ہو؟ پھر کون ہے جو رحم مادر ہی میں اس کے جسم کی ساخت اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کا تناسب قائم کرتا ہے؟ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت، اس کی مسلسل نگہبانی کرتا رہتا ہے؟ اسے بیماریوں سے بچاتا ہے، حادثات سے بچاتا ہے، طرح طرح کی آفات سے بچاتا ہے، اس کے لیے زندگی کے اتنے ذرائع بہم پہنچاتا ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے ہر قدم پر دنیا میں باقی رہنے کے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن میں سے اکثر کا اسے شعور تک نہیں ہوتا کجا کہ وہ انہیں خود فراہم کرنے پر قادر ہو کیا یہ سب کچھ ایک خدا کی تدبیر اور نگرانی کے بغیر ہو رہا ہے؟ اگر کوئی صاحب عقل آدمی اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ جس طرح وہ انسان کو وجود میں لاتا ہے اور استقرار حمل کے وقت سے مرتے دم تک اس کی نگہبانی کرتا ہے۔ یہی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹا کر پھر وجود میں لا سکتا ہے۔ اگر وہ پہلی چیز پر قادر تھا اور اسی قدرت کی بدولت انسان اس وقت دنیا میں زندہ موجود ہے، تو آخر کیا معقول دلیل یہ گمان کرنے کے لئے پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ دوسری چیز پر وہ قادر نہیں ہے۔ اس قدرت کا انکار کرنے کے لئے آدمی کو سرے سے اس بات ہی کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے اور جو شخص اس کا انکار کر سکتا ہے اس سے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز اس کے دماغ کی خرابی اس سے یہ دعویٰ بھی کرا دے کہ دنیا کی تمام کتابیں ایک حادثہ کے طور پر چھپ گئی ہیں دنیا کے تمام شہر ایک حادثہ کے طور پر بن گئے ہیں، اور زمین پر کوئی اتفاقی حادثہ ایسا ہو گیا تھا جس سے تمام کارخانے بن کر خود بخود چلنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے باقی رہنا ان تمام کاموں سے بدرجہا زیادہ پیچیدہ عمل ہے جو انسان کے ہاتھوں دنیا میں ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں اتنا بڑا پیچیدہ عمل اس حکمت اور تناسب اور تنظیم کے ساتھ اگر اتفاقی حادثہ کے طور پر ہزاروں، لاکھوں برس تک ایک تسلسل کے ساتھ ہو سکتا ہو، تو پھر کونسی چیز ہے جسے ایک دماغی مریض حادثہ نہ کہہ سکے۔؟

بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا

بلکہ ان لوگوں کو تعجب اس بات پر ہوا کہ ایک خبردار کرنے والا خود انہی میں سے ان کے پاس آگیا۔ پھر منکرین کہنے لگے "یہ تو عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر جائیں گے، اور

مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ۔
(ق ۔ ۲ تا ۴)

خاک ہو جائیں گے، تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بعید ہے" حالانکہ زمین ان کے جسم میں سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔

ان لوگوں کو پہلا تعجب تو اس بات تھا کہ انہی کی جنس اور قوم کے ایک فرد نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں خدا کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے کے لیئے آیا ہوں، اس کے بعد مزید تعجب انہیں اس پر ہوا کہ وہ شخص انہیں جس چیز سے خبردار کر رہا تھا، وہ یہ تھی کہ تمام انسان مرنے کے بعد از سر نو زندہ کیئے جائیں گے اور ان سب کو اکٹھا کر کے، اللہ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، اور وہاں ان کے اعمال کا محاسبہ کرنے کے بعد جزا اور سزا دیجائے گی۔ اس پر فرمایا گیا کہ یہ بات اگر ان لوگوں کی عقل میں نہیں سماتی تو یہ ان کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بھی تنگ ہو جائے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بیشمار انسانوں کے اجزائے جسم جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ہر جز جس شکل میں جہاں بھی ہے اللہ تعالےٰ براہ راست اس کو جانتا ہے اور مزید برآں اس کا پورا ریکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے جس وقت اللہ کا حکم ہوگا، اسی وقت آناً فاناً اس کے فرشتے اس ریکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرہ کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنا دیں گے جن میں رہ کر انھوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔

یہ آیت بھی من جملہ ان آیات میں سے ہے جن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ آخرت کی زندگی نہ صرف یہ کہ ویسی ہی جسمانی زندگی ہوگی جیسی اس دنیا میں ہے بلکہ جسم بھی ہر شخص کا وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا۔ اگر حقیقت یہ نہ ہوتی تو کفار کی بات کے جواب میں یہ کہنا بالکل بے معنی تھا کہ زمین تمہارے جسم میں سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ذرہ ذرہ کا ریکارڈ موجود ہے۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ۔
(ق ۔ ۱۵)

تو کیا پہلی بار کی تخلیق سے ہم عاجز تھے؟ مگر ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ آخرت کے حق میں عقلی استدلال ہے۔ جو شخص خدا کا منکر نہ ہو اور حماقت کی اس حد تک نہ پہنچ گیا ہو کہ اس منظم کائنات اور اس کے اندر انسان کی پیدائش کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے لگے اس کے لیئے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ خدا ہی نے ہمیں اور اس پوری کائنات کو بنایا ہے، اب یہ امر واقعہ کہ ہم اس دنیا میں موجود ہیں، اور زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، آپ ہی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ خدا ہمیں اور اس کائنات کو پیدا کرنے سے عاجز نہ تھا اس کے بعد اگر کوئی کہتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے بعد وہی خدا ایک دوسرا نظام عالم نہ بنا سکے گا۔ اور موت کے بعد وہ ہمیں پھر پیدا نہ کر سکے گا تو محض وہ ایک خلاف عقل بات کہتا ہے۔ خدا عاجز ہوتا تو پہلے ہی پیدا نہ کر سکتا۔ جب وہ پہلے پیدا کر چکا ہے اور اسی تخلیق کی بدولت ہم خود وجود میں آئے بیٹھے ہیں تو یہ فرض کر لینے کے لیئے آخر کیا معقول بنیاد ہو سکتی ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو توڑ کر پھر بنا دینے سے وہ عاجز ہو جائے گا۔

آخرت کے وجوب کے دلائل

قرآن صرف اس پر اکتفا نہیں کرتا کہ آخرت کو ممکن ثابت کرے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ آخرت کا برپا ہونا ضروری ہے، عقل چاہتی ہے، انصاف چاہتا ہے، اخلاق کے تقاضے چاہتے ہیں کہ آخرت ہو اور اس میں انسان کے تمام ان اعمال کا محاسبہ کیا جائے جو اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے مرتے دم تک کیئے اور اپنے پیچھے اپنے ان اعمال کے ایسے اچھے یا برے اثرات چھوڑ گیا ہو جو بعد میں مدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں کو متاثر کرتے رہے۔ یہ محاسبہ نہ ہو اور اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا نہ ہو تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا کی یہ دنیا انصاف سے خالی ہے۔ اور انسان کو یہاں عقل و شعور دیکر اخلاق کے خیر و شر کی تمیز دے کر اور بے شمار اشیاء اور دوسرے انسانوں پر اختیارات دیکر فضول اور بے معنی ہی پیدا کر دیا گیا ہے، جہاں تک دنیا کی موجودہ زندگی کا تعلق

ہے اس میں نہ پورا محاسبہ ممکن ہے نہ پورا انصاف اور نہ پوری جزا سزا۔ اس لیے لازماً ایک دوسرا عالم برپا ہونا چاہیے جس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک وجود میں آنے والے تمام انسانوں کو بیک وقت جمع کیا جائے، تمام کھلے اور چھپے اعمال کا اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا محاسبہ کر کے ایک ایک شخص کی ذمہ داری متعین کی جائے اور اس میں زندگی محدود نہ ہو بلکہ ابدی ہو تاکہ جو شخص جتنی سزا کا مستحق ہے وہ پوری بھگت سکے اور جتنے انعام و اکرام کا مستحق ہے وہ اسے پورا دیا جا سکے۔

اس مضمون کو قرآن میں بڑی تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا، تاکہ کفار کے پاس انکار آخرت کے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی	کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔؟
(القیٰمۃ۔ ۳۶)	

عربی زبان میں اِبِلٌ سُدًی اس اونٹ کو کہتے ہیں جو یونہی چھوٹا پھر رہا ہو۔ جدھر چاہے چرتا پھرے، کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہ ہو، اسی معنی میں ہم شتر بے مہار کا لفظ بولتے ہیں۔ پس آیت کا، مطلب یہ ہے کہ کیا انسان نے اپنے آپ کو شترِ بے مہار سمجھ رکھا ہے کہ اس کے خالق نے اسے زمین میں غیر ذمہ دار بنا کر چھوڑ دیا ہو؟ کوئی فرض اس پر عائد نہ ہو؟ کوئی چیز اس کے لیے ممنوع نہ ہو؟ اور کوئی ایسا وقت آنے والا نہ ہو جب اس سے اس کے اعمال کی بازپرس کی جائے؟ یہی بات، ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں کبھی ہماری طرف پلٹ کر آنا نہیں ہے؟"

ان دونوں مقامات پر زندگی بعد موت کے واجب ہونے کی دلیل سوال کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔ سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا واقعی تم نے اپنے آپ کو جانور سمجھ رکھا ہے؟ کیا تمہیں اپنے اور جانور میں یہ کھلا فرق نظر نہیں آتا کہ وہ بے اختیار ہے اور تم با اختیار۔ اس کے افعال میں اخلاقی حسن و قبح کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور تمہارے افعال میں یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے؟ پھر تم نے اپنے متعلق یہ کیسے سمجھ لیا کہ جس طرح جانور غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ ہیں اسی طرح تم بھی ہو؟ جانور کے دوبارہ زندہ کر کے نہ اٹھائے جانے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے صرف اپنی جبلت کے گئے بندھے تقاضے پورے کیے ہیں۔ اپنی عقل سے کام لے کر کوئی فلسفہ تصنیف نہیں کیا، کوئی مذہب ایجاد نہیں کیا، کسی کو معبود نہیں بنایا نہ خود کسی کا معبود بنا، کوئی کام ایسا نہیں کیا جسے نیک یا بد کہا جا سکے، کوئی اچھی یا بری سنت جاری نہیں کی جس کے اثرات نسل در نسل چلتے رہیں اور وہ ان پر کسی اجر یا سزا کا مستحق ہو۔ لہٰذا وہ اگر مر کر فنا ہو جائے تو یہ سمجھ میں آنے کے قابل بات ہے، کیونکہ اس پر اپنے کسی عمل کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی، جس کی بازپرس کے لیے، اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی کوئی حاجت ہو لیکن تم حیات بعد موت سے کیسے معاف کیے جا سکتے ہو، جب کہ عین اپنی موت کے وقت تک تم ایسے اخلاقی افعال کرتے رہتے ہو جن کے نیک یا بد ہونے اور جزا و سزا کے مستوجب ہونے کا تمہاری عقل خود حکم لگاتی ہے؟ جس آدمی نے کسی بے گناہ کو قتل کیا وہ فوراً ہی کسی حادثے کا شکار ہو گیا۔ کیا تمہارے نزدیک اس کو بلوہ (SCOT . FREE) چھوٹ جانا چاہیے اور اس ظلم کا بدلا اسے کبھی نہ ملنا چاہیے؟ جو آدمی دنیا میں کسی ایسے فساد کا بیج بو گیا جس کا خمیازہ اس کے بعد صدیوں تک انسانی نسلیں بھگتی رہیں، کیا واقعی تمہاری عقل اس بات پر مطمئن ہے کہ اسے بھی کسی بھنگے یا ٹڈے کی طرح مر کر فنا ہو جانا چاہیے اور کبھی اٹھ کر اپنے ان کرتوتوں کی جواب دہی نہیں کرنی چاہیے جن کی بدولت ہزاروں لاکھوں انسانوں کی زندگیاں خراب ہوئیں؟ جس آدمی نے عمر بھر حق و انصاف اور خیر و فلاح کے لیے اپنی جان لڑائی اور جیتے جی مصیبتیں ہی بھگتتا رہا کیا تمہارے خیال میں وہ بھی حشرات الارض ہی کی قسم کی کوئی مخلوق ہے جسے اپنے اس عمل کی جزا پانے کا کوئی حق نہیں ہے۔؟

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ	نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے روز کی، اور، نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی
(القیٰمۃ۔ ۱ تا ۲)	

یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، میں قسم کھاتا ہوں قیامت اور ملامت کرنے والے نفس کی کہ وہ ضرور آئے گی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے، قیامت کے دن اور ملامت کرنے

والے نفس کی قسم جس بات پر کھائی ہے، اسے بیان نہیں کیا ہے کیونکہ بعد کا فقرہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے۔ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان مرنے کے بعد دوبارہ ضرور پیدا کرے گا اور وہ ایسا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات پر ان دو چیزوں کی قسم کس مناسبت سے کھائی گئی ہے؟

جہاں تک روز قیامت کا تعلق ہے، اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا آنا یقینی ہے، پوری کائنات کا نظام اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ یہ نظام ازلی ہے۔ نہ ابدی اس کی نوعیت ہی خود یہ بتا رہی ہے کہ یہ نہ ہمیشہ سے تھا اور نہ ہمیشہ باقی رہ سکتا ہے۔ انسان کی عقل پہلے بھی اس گمان بے اصل کے لئے کوئی مضبوط دلیل نہ پاتی تھی کہ یہ ہر آن بدلنے والی دنیا کبھی قدیم اور غیر فانی بھی ہو سکتی ہے لیکن جتنا جتنا اس دنیا کے متعلق انسان کا علم بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ یہ امر خود انسان کے نزدیک بھی یقینی ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس ہنگامۂ ہست و بود کی ایک ابتدا ہے جس سے پہلے یہ نہ تھا اور لازماً اس کی ایک انتہا بھی ہے جس کے بعد یہ نہ رہیگا اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع پر خود قیامت ہی کی قسم کھائی ہے اور یہ ایسی ہی قسم ہے جیسے ہم کسی شکی انسان کو، جو اپنے موجود ہونے ہی میں شک کر رہا ہو، خطاب کر کے کہیں کہ تمہاری جان کی قسم تم موجود ہو۔ یعنی تمہارا وجود خود تمہارے موجود ہونے پر شاہد ہے۔

لیکن روز قیامت کی قسم صرف اس امر کی دلیل ہے کہ ایک دن یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ اس کے بعد پھر انسان دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور وہ اپنے کئے کا اچھا یا برا نتیجہ دیکھے گا، تو اس کیلئے دوسری قسم نفس لوامہ کی کھائی گئی ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا موجود نہیں ہے جو اپنے اندر ضمیر نام کی ایک چیز نہ رکھتا ہو۔ اس ضمیر میں لازماً بھلائی اور برائی کا ایک احساس پایا جاتا ہے اور چاہے انسان کتنا ہی بگڑا ہوا ہو اس کا ضمیر اسے کوئی برائی کرنے اور کوئی بھلائی نہ کرنے پر ضرور ٹوکتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس نے بھلائی اور برائی کا جو معیار بھی قرار دے رکھا ہو وہ بجائے خود صحیح ہو یا غلط۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ انسان نرا حیوان نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی وجود ہے، اس کے اندر فطری طور پر بھلائی اور برائی کی تمیز پائی جاتی ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھے اور برے افعال کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور جس برائی کا ارتکاب اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو اس پر اگر وہ اپنے ضمیر کی ملامتوں کو دبا کر خوش بھی ہو لے تو اس کے برعکس صورت میں جب کہ اسی برائی کا ارتکاب کسی دوسرے نے اس کے ساتھ کیا ہو اس کا دل اندر سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس زیادتی کا مرتکب ضرور سزا کا مستحق ہونا چاہئے۔ اب اگر انسان کے وجود میں کیونکہ فطرت کا یہ تقاضہ کہ اپنے جن اچھے اور برے اعمال کا انسان ذمہ دار ہے ان کی جزا یا سزا اس کو ضرور ملنی چاہئے۔ زندگی بعد موت کے سوا کسی دوسری صورت میں پورا نہیں ہو سکتا، کوئی صاحب عقل آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرنے کے بعد اگر آدمی معدوم ہو جائے تو اس کی بہت سی بھلائیاں ایسی ہیں جن کے اجر سے وہ لازماً محروم ہو کر رہ جائے گا، اور اس کی بہت سی برائیاں ایسی ہیں جن کی منصفانہ سزا پانے سے وہ ضرور بچ نکلے گا۔ اس لئے جب تک آدمی اس بیہودہ بات کا قائل نہ ہو کہ عقل رکھنے والا انسان ایک غیر معقول نظام کائنات میں پیدا ہو گیا ہے اور اخلاقی احساسات رکھنے والا انسان ایک ایسی دنیا میں جنم لے بیٹھا ہے جو بنیادی طور پر اپنے پورے نظام میں اخلاق کا کوئی وجود ہی نہیں رکھتی، اس وقت، وہ حیات بعد موت کا انکار نہیں کر سکتا اسی طرح تناسخ یا آواگون کا فلسفہ بھی فطرت کے اس مطالبے کا جواب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر، انسان اپنے اخلاقی اعمال کی سزا یا جزا پانے کے لئے پھر اسی دنیا میں جنم لیتا چلا جائے تو ہر جنم میں وہ پھر کچھ مزید اخلاقی اعمال کرتا چلا جائے گا جن سے نئے سرے سے جزا و سزا کے متقاضی ہوں گے اور اس لا متناہی سلسلے میں بجائے اس کے کہ اس کا حساب کبھی چک سکے، الٹا اس کا حساب بڑھتا جائے گا اس لئے فطرت کا یہ تقاضا صرف اسی صورت میں پورا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی صرف ایک ہی زندگی ہو، اور پھر پوری نوع انسانی کا خاتمہ ہو جانے کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں انسان کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حساب کر کے اسے پوری جزا اور سزا دی جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ — ہم نے اس آسمان اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ

(صٓ ، ۲۷ ، ۲۸)

اور اس کو جو ان کے درمیان ہے فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کیا ہے اور ایسے کافروں کے لئے بربادی ہے جہنم کی آگ سے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں، اور ان کو جو زمین فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں۔

یعنی اس کائنات کو ہم نے محض کھیل کے طور پر پیدا نہیں کر دیا ہے کہ اس میں کوئی حکمت نہ ہو کوئی غرض اور مقصد نہ ہو، کوئی عدل اور انصاف نہ ہو اور کسی اچھے یا برے فعل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو، اس ارشاد سے مقصود یہ حقیقت سامعین کے ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان یہاں شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ نہ یہ دنیا اندھیر نگری ہے کہ یہاں جس کا جو جی چاہے کرتا رہے اور اس سے کوئی باز پرس نہ ہو۔ جو شخص جزا و سزا کا قائل نہیں ہے اور اپنی جگہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ نیک و بد سب آخر کار مر کر مٹی ہو جائیں گے، کسی سے کوئی محاسبہ نہ ہوگا، نہ کسی کو بھلائی یا برائی کا کوئی بدلہ ملے گا، وہ دراصل دنیا کو ایک کھلونا اور اس کے بنانے والے کو کھلنڈرا سمجھتا ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ خالق کائنات نے دنیا بنا کر اور اس میں انسان کو پیدا کر کے ایک فعل عبث کا ارتکاب کیا ہے، مگر کیا فی الحقیقت تمہارے نزدیک یہ بات معقول ہے کہ نیک اور بد دونوں کا آخر کار یکساں ہو جائیں؟ کیا یہ تصور تمہارے لئے اطمینان بخش ہے کہ کسی نیک انسان کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ اور کسی بد آدمی کو اس کی بدی کا کوئی بدلہ نہ ملے؟ ظاہر بات ہے کہ اگر آخرت نہ ہو اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی محاسبہ نہ ہو اور انسانی افعال کی کوئی جزا و سزا نہ ہو تو اس سے اللہ کی حکمت اور اس کے عدل دونوں کی نفی ہو جاتی ہے اور کائنات کا پورا نظام ایک اندھا نظام بن کر رہ جاتا ہے، اس مفروضے پر تو دنیا میں بھلائی کے لئے کوئی محرک اور برائی سے روکنے کے لئے کوئی مانع سرے سے باقی ہی نہیں رہ جاتا۔ خدا کی خدائی اگر معاذ اللہ ایسی ہی اندھیر نگری ہو تو پھر وہ شخص بے وقوف ہے جو اس زمین پر تکلیفیں اٹھا کر خود صالح زندگی بسر کرتا ہے اور خلق خدا کی اصلاح کے لئے کام کرتا ہے اور وہ شخص عقل مند ہے جو سازگار مواقع پا کر ہر طرح کی زیادتیوں سے فائدے سمیٹتا اور ہر قسم کے فسق و فجور سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

(التغابن۔ ۷)

منکرین نے بڑے دعوے سے کہا کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ ان سے کہو "نہیں، میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بڑا آسان ہے۔

اگرچہ کسی منکر آخرت کے پاس نہ پہلے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا نہ آج ہے۔ نہ کبھی ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ لیکن ان نادانوں نے ہمیشہ بڑے زور کے ساتھ یہی دعویٰ کیا ہے، حالانکہ قطعیت کے ساتھ آخرت کا انکار کر دینے کے لئے نہ کوئی عقلی بنیاد موجود ہے نہ علمی بنیاد۔

ان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ تم ہماری قسم کھا کر کہو کہ تم لوگ ضرور اٹھائے جاؤ گے اور ضرور تمہیں یہ بتایا جائے گا کہ تم دنیا میں کیا کر کے آئے ہو۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے کہ اپنے رب کی قسم کھا کر لوگوں سے کہو کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ پہلے سورۂ یونس میں فرمایا۔

"وہ پوچھتے ہیں کیا واقعی یہ حق ہے؟ کہو، میرے رب کی قسم یہ یقیناً حق ہے۔ اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے ظہور میں آنے سے روک دو" آیت، ۵۳) پھر سورۂ سبا میں فرمایا

"منکرین کہتے ہیں کہ کیا بات ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آ رہی ہے! کہو، قسم ہے میرے رب کی وہ تم پر آ کر رہے گی، (آیت ۳)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک منکر آخرت کے لئے آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ اسے آخرت کے آنے کی خبر قسم کھا کر دیں یا بغیر قسم کھائے دیں؟ وہ جب اس چیز کو نہیں مانتا تو محض

اس بنا پر کیسے مان لے کہ آپ قسم کھا کر اس سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اپنے ذاتی علم اور تجربے کی بنا پر یہ بات خوب جانتے تھے کہ آپ کی زبان سے عمر بھر کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں نکلی ہے، اس لئے چاہے زبان سے وہ آپ کے خلاف کیسے بہتان گھڑتے رہے ہوں اور اپنے دلوں میں وہ یہ تصور تک نہ کر سکتے تھے کہ ایسا سچا انسان کبھی خدا کی قسم کھا کر وہ بات کہہ سکتا ہے جس کے برحق ہونے کا اسے کامل یقین نہ ہو، دوسرے یہ کہ آپ محض آخرت کا عقیدہ ہی بیان نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے لئے نہایت معقول دلائل بھی پیش فرما رہے تھے۔ مگر جو چیز نبی اور غیر نبی کے درمیان فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک غیر نبی آخرت کے حق کے جو مضبوط سے مضبوط دلائل دے سکتا ہے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے نہ ہونے کی نسبت اس کا ہونا معقول تر اور اغلب تسلیم کر لیا جائے۔ اس کے برعکس نبی کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالاتر ہے اس کی اصل حیثیت یہ نہیں ہے کہ عقل و استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ آخرت ہونی چاہئے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ آخرت ہوگی اور یقین سے کہتا ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گی اس لئے ایک نبی ہی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہے ایک فلسفی اپنے کسی قول پر بھی قسم نہیں کھا سکتا اور آخرت پر ایمان ایک نبی کے بیان ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ فلسفی کا استدلال اپنے اندر یہ قوت نہیں رکھتا کہ دوسرا شخص تو درکنار، فلسفی خود بھی اپنی دلیل کی بنا پر اسے اپنا ایمانی عقیدہ بنا سکے، فلسفی اگر واقعی صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ "ہونا چاہئے"، سے آگے نہیں بڑھ سکتا، "ہے اور یقینا ہے"، کہنا صرف ایک نبی کا کام ہے۔

پھر قسم کھا کر صرف یہی نہیں کہا گیا کہ مرنے کے بعد تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ اس وقت ضرور تمہیں یہ بتایا جائے گا، کہ دنیا میں تم کیا کر کے آئے ہو۔ یہ وہ اصل مقصد ہے جس کے لئے بنی آدم کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اسی میں اس سوال کا جواب بھی آگیا، ایسا کرنے کی آخر ضرورت کیا ہے، اس برحق کائنات میں جس مخلوق کو کفر و ایمان میں سے کسی ایک راہ کے اختیار کرنے کی آزادی گئی ہو اور جسے اس دنیا میں بہت سی چیزوں پر تصرف کا اقتدار بھی عطا کیا گیا" ہو، اور جس نے کفر یا ایمان کی راہ اختیار کر کے عمر بھر اپنے اقتدار کو صحیح یا غلط طریقے سے استعمال کر کے بہت سی بھلائیاں یا بہت سی برائیاں خود اپنی ذمہ داری پر کی ہو۔ اس کے بارے میں یہ تصور کرنا انتہائی غیر معقول ہے کہ یہ سب کچھ جب وہ کر چکے تو آخر کار بھلائی اور برے کی برائی دونوں بے نتیجہ رہیں اور سرے سے کوئی وقت ایسا آئے ہی نہیں جب اس مخلوق کے اعمال کی جانچ پڑتال ہو۔ جو شخص ایسی غیر معقول بات کہتا ہے وہ لامحالہ دو حماقتوں میں سے ایک حماقت کا ارتکاب کرتا ہے۔ یا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ کائنات ہے تو مبنی بر حکمت مگر یہاں انسان جیسی با اختیار مخلوق کو غیر ذمہ دار بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک الل ٹپ بنی ہوئی کائنات ہے جسے بنانے میں سرے سے کسی حکیم کی حکمت کار فرما نہیں ہے۔ پہلی صورت میں وہ ایک متناقض بات کہتا ہے، کیونکہ مبنی بر حکمت کائنات میں ایک با اختیار مخلوق کا غیر ذمہ دار ہونا صریحاً خلاف عدل و حکمت ہے اور دوسری صورت میں وہ اس بات کی کوئی معقول توجیہ نہیں کر سکتا کہ ایک الل ٹپ بنی ہوئی بے حکمت کائنات میں انسان جیسی ذی عقل مخلوق کا وجود میں آنا آخر کیسے ممکن ہوا؟ اور اس کے ذہن میں عدل و انصاف کا تصور کہاں سے آگیا؟ بے عقلی سے عقل کی پیدائش اور بے عدلی سے عدل کا تصور برآمد ہو جانا ایک ایسی بات ہے جس کا قائل یا تو ایک ہٹ دھرم آدمی ہو سکتا ہے یا پھر وہ جو بہت زیادہ فلسفہ بگھارتے بگھارتے دماغی مریض ہو چکا ہو۔

پھر یہ فرمانا کہ ایسا کرنا اللہ کے لئے آسان ہے یہ آخرت کی دوسری دلیل ہے، پہلی دلیل آخرت کے ضروری ہونے کی تھی، اور یہ دلیل اس کے ممکن ہونے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس خدا کے لئے کائنات کا اتنا بڑا نظام بنا دینا دشوار نہ تھا اور جس کے لئے اس دنیا میں انسانوں کو پیدا کرنا دشوار نہیں ہے، اس کے لئے یہ بات آخر کیوں دشوار ہوگی کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کر کے اپنے سامنے حاضر کرے اور ان کا حساب لے؟

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۙ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى

یہ لوگ، کہتے ہیں "ہماری پہلی موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے اگر

وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ۝ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ.

تم سچے ہو تو اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو۔" یہ بہتر ہیں یا تُبّع[1] کی قوم اور اس سے پہلے کے لوگ؟ ہم نے ان کو اس بنا پر تباہ کیا کہ وہ مجرم ہو گئے تھے۔ یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اب سب کے اٹھائے جانے کے لیے طے شدہ وقت فیصلے کا دن ہے۔

(الدخان۔ ۳۴ تا ۴۰)

کفار کا کہنا یہ تھا کہ پہلی دفعہ جب ہم مریں گے تو بس فنا ہو جائیں گے اس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں ہے "پہلی موت" کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد کوئی دوسری موت بھی ہو۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا تو اس قول کے صادق ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کے بعد لازماً دوسرا بچہ ہو، بلکہ صرف یہ کافی ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی بچہ نہ ہوا ہو، اس لیے کفار "پہلی موت" کا لفظ اس معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے کہ اس کے بعد دوسری کوئی زندگی اور پھر کوئی دوسری موت ہو، بلکہ وہ پہلی موت کو جو اس دنیا میں آتی ہے ایک ہی اور آخری موت سمجھتے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہم نے کبھی مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ جی اٹھتے نہیں دیکھا ہے، اس لیے ہم یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہوگی۔ تم لوگ اگر دعویٰ کرتے ہو کہ دوسری زندگی ہوگی تو ہمارے اجداد کو قبروں سے اٹھا لاؤ تاکہ ہمیں زندگی بعد موت کا یقین آ جائے۔ یہ کام تم نے نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ تمہارا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ یہ گویا ان کے نزدیک حیات بعد الموت کی تردید میں بڑی پختہ دلیل تھی۔ حالانکہ سراسر بوداتھی۔ آخر ان سے یہ کہا کس نے تھا کہ مرنے والے دوبارہ زندہ ہو کر اسی دنیا میں واپس آئیں گے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی مسلمان نے یہ دعویٰ کب کیا تھا کہ ہم مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں؟

ان کے اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ یہ تُبّع اور اس سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں سے کچھ بہتر تو نہیں ہیں ان کو ہم نے ان کے جرائم ہی کی وجہ سے تو ہلاک کیا تھا۔ اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ انکار آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص، گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی اخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے بھی اختیار کیا ہے وہ آخرکار تباہ ہو کر رہی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم اور اس سے پہلے سبا اور قوم فرعون۔ اور دوسری قوموں کو حاصل رہی ہے۔ مگر یہ مادی خوشحالی اور دنیوی شان و شوکت اخلاقی زوال کے نتائج سے ان کو کب بچا سکتی تھی کہ یہ اپنی ذرا سی پونجی اور اپنے ذرائع و وسائل کے بل بوتے پر ان سے بچ جائیں گے

ان کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی حیات بعد الموت اور آخرت کی جزا و سزا کا منکر ہے وہ دراصل اس کارخانۂ عالم کو کھلونا اور اس کے خالق کو نادان بچہ سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ انسان دنیا میں ہر طرح کے ہنگامے برپا کر کے ایک روز بس یونہی مٹی میں رل مل جائے گا اور اس کے کسی اچھے یا برے کام کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ حالانکہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کی نہیں بلکہ ایک خالق حکیم کی بنائی ہوئی ہے، اور کسی حکیم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ فعل عبث کا ارتکاب کرے گا۔ انکار آخرت کے جواب میں یہ استدلال قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔

رہا ان کا یہ مطالبہ کہ "اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو" اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ زندگی بعد موت کوئی تماشہ تو نہیں ہے کہ جہاں کوئی اس سے انکار کرے، فوراً ایک مردہ قبرستان سے اٹھا کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے۔ اس کے لیے تو رب العالمین نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ جب تمام اولین و آخرین کو وہ دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت میں جمع کرے گا اور ان کے مقدمات کا فیصلہ صادر فرمائے گا۔ تم مانو چاہے نہ مانو۔ یہ کام بہرحال اپنے وقت مقرر پر ہی ہوگا تم مانو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے۔ کیونکہ اس طرح قبل از وقت خبردار ہو کر اس عدالت سے کامیاب نکلنے کی تیاری کر سکو گے۔ نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے، کیونکہ اپنی ساری عمر اس غلط فہمی میں کھپا دو گے کہ برائی اور بھلائی جو کچھ بھی ہے بس اسی دنیا کی زندگی تک ہے۔ مرنے کے بعد

[1] تُبّع قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ ۱۱۵ قبل مسیح میں ان کو یمن پر اقتدار حاصل ہوا اور ۳۰۰ء تک یہ وہاں حکمراں رہے۔

پھر کوئی عدالت نہیں ہوتی ہے جس میں ہمارے اچھے یا برے اعمال کا کوئی مستقل نتیجہ نکلتا ہو۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم انھیں اور ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے بہت برے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں۔ اللہ نے تو آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لئے کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

(الجاثیہ۔ ۲۱، ۲۲)

یہ آخرت کے برحق ہونے پر اخلاقی استدلال ہے۔ اخلاق میں خیر و شر اور اعمال میں نیکی و بدی کے فرق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اچھے اور برے لوگوں کا انجام یکساں نہ ہو۔ اچھوں کو ان کی اچھائی کا اچھا بدلہ ملے، اور برے اپنی برائی کا بدلہ پائیں۔ یہ بات اگر نہ ہو اور نیکی و بدی کا نتیجہ ایک ہی جیسا ہو، تو سرے سے اخلاق میں خوبی و زشتی کی تمیز ہی بے معنی ہو جاتی ہے اور خدا پر بے انصافی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں بدی کی راہ چلتے ہیں وہ تو ضرور یہ چاہتے ہیں کہ کوئی جزا و سزا نہ ہو، کیونکہ یہ تصور ہی ان کے عیش کو منغص کر دینے والا ہے۔ لیکن خداوند عالم کی حکمت اور اس کے عدل سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ نیک و بد سے ایک جیسا معاملہ کرے اور کچھ نہ دیکھے کہ مومن صالح نے دنیا میں کس طرح زندگی بسر کی ہے اور کافر و فاسق یہاں کیا گل کھلاتا رہا ہے۔ ایک شخص عمر بھر اپنے اوپر اخلاق کی پابندیاں لگائے رہا، حق والوں کے حق ادا کرتا رہا، ناجائز فائدوں اور لذتوں سے اپنے آپ کو محروم کئے رہا اور حق و صداقت کی خاطر طرح طرح کے نقصانات برداشت کرتا رہا۔ دوسرے شخص نے اپنی خواہشات ہر ممکن طریقے سے پوری کیں۔ نہ خدا کا حق پہچانا، اور نہ بندوں کے حقوق پر دست درازی کرنے سے باز آیا۔ جس طرح سے بھی اپنے لئے فائدے اور لذتیں سمیٹ سکتا تھا، سمیٹتا چلا گیا۔ کیا خدا سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ان دونوں قسم کے آدمیوں کی زندگی کے اس فرق کو وہ نظر انداز کر دے گا؟ مرتے دم تک جن کا جینا یکساں نہیں رہا ہے، موت کے بعد اگر ان کا انجام یکساں ہو تو خدا کی خدائی میں اس سے بڑھ کر اور کیا بے انصافی ہو سکتی ہے؟

پھر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کھیل کے طور پر نہیں کی ہے، بلکہ یہ ایک بامقصد حکیمانہ نظام ہے۔ اس نظام میں یہ بات بالکل ناقابل تصور ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات اور ذرائع و وسائل کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے جن لوگوں نے اچھا کارنامہ انجام دیا ہو اور انھیں غلط طریقے سے استعمال کر کے جن دوسرے لوگوں نے ظلم و فساد برپا کیا ہو یہ دونوں قسم کے انسان آخرکار مر کر مٹی ہو جائیں اور اس موت کے بعد کوئی دوسری زندگی نہ ہو جس میں انصاف کے مطابق ان کے اچھے اور برے اعمال کا کوئی اچھا یا برا نتیجہ نکلے۔ اگر ایسا ہو تو یہ کائنات ایک کھلنڈرے کا کھلونا ہوگی، نہ کہ ایک حکیم کا بنایا ہوا بامقصد نظام۔

آخرت کا انکار دراصل وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشات نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدۂ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں، پھر جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگی نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بروز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں ہوتی جس کے ارتکاب سے وہ باز رہ جائیں، کسی کا حق مارنے میں انھیں تامل نہیں ہوتا کسی ظلم اور زیادتی کا موقع پا جانے کے بعد ان سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سے صرف اس لئے رک جائیں گے کہ حق و انصاف کا کوئی احترام ان کے دلوں میں ہے۔ جن واقعات کو دیکھ کر کوئی انسان عبرت حاصل کر سکتا ہے، وہی ان کی آنکھوں کے سامنے بھی آتے ہیں، مگر وہ ان سے الٹا یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں اور ہمیں یہی کچھ کرنا چاہئے کوئی کلمۂ نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتا۔ جو دلیل بھی کسی انسان کو برائی سے روکنے کے لئے مفید ہو سکتی ہے وہ ان کے دل کو اپیل نہیں کرتی بلکہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ساری دلیلیں اپنی اس بے قید آزادی کے حق میں نکالتے چلے جاتے ہیں اور ان کے دل و دماغ کسی اچھی فکر کے بجائے شب و روز اپنی

اغراض و مقاصد کو کس طریقے سے پورا کرنے کی ادھیڑبن ہی میں لگے رہتے ہیں۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ عقیدۂ آخرت کا انکار انسانی اخلاق کے لیے تباہ کن ہے۔ آدمی کو آدمیت کے دائرے میں اگر کوئی چیز رکھ سکتی ہے، تو وہ صرف یہ احساس ہے کہ ہم غیر ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ہمیں خدا کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس احساس سے خالی ہو جانے کے بعد کوئی شخص بڑے سے بڑا عالم بھی ہو تو وہ جانوروں سے بدتر رویہ اختیار کیے بغیر نہیں رہتا۔

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝

(القلم۔ ۳۵ تا ۴۱)

کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، تم کیسے حکم لگاتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے، جس میں تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے ضرور وہاں وہی کچھ ہے جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو؟ یا پھر کیا تمہارے لیے روزِ قیامت تک ہم پر کچھ عہد و پیمان ثابت ہیں کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جس کا تم حکم لگاؤ؟ ان سے پوچھو تم میں سے کون اس کا ضامن ہے؟ یا پھر کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں جنھوں نے اس کا ذمہ لیا ہے؟ یہ بات ہے تو لائیں اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں۔

مکہ کے سردار مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم کو جو نعمتیں دنیا میں مل رہی ہیں یہ ہمارے مقبولِ خدا ہونے کی علامت ہیں اور تم جس بدحالی میں مبتلا ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم خدا کے مغضوب ہو لہٰذا اگر کوئی آخرت بھی ہوئی جیسا تم کہتے ہو تو وہاں بھی ہم مزے کریں گے اور عذاب تم پر ہوگا نہ کہ ہم پر۔ اس پر فرمایا گیا، کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ خدا فرماں بردار اور مجرم میں تمیز نہ کرے تمہاری سمجھ میں آخر کیسے یہ بات آتی ہے کہ کائنات کا خالق کوئی اندھا راجہ ہے جو یہ نہ دیکھے گا کہ کن لوگوں نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی اور برے کاموں سے پرہیز کیا، اور کون لوگ تھے جو اس سے بے خوف ہو کر ہر طرح کے گناہ اور جرائم اور ظلم و ستم کرتے رہے؟ تم نے ایمان لانے والوں کی خستہ حالی اور اپنی خوشحالی تو دیکھ لی مگر اپنے اور ان کے اخلاق و اعمال کا فرق نہیں دیکھا اور بے تکلف حکم لگا دیا کہ خدا کے ہاں فرماں برداروں کے ساتھ تو مجرموں کا سا معاملہ کیا جائے گا اور تم جیسے مجرموں کو جنت عطا کر دی جائے گی۔ یہ حکم آخر تم نے کس بناء پر لگایا ہے؟ کیا تمہارے پاس خدا کی کوئی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہو؟ یا خدا سے تمہارا کوئی عہد و پیمان ہو گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تم میں سے کون آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اللہ سے تمہارے لیے ایسا کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے؟ اور اگر تمہارے معبودوں میں سے کسی نے یہ کہا ہے تو بلاؤ ان کو اور پوچھو کہ ان میں سے کس نے خدا سے یہ وعدہ لے لیا ہے، غرض تم اپنے حق میں جو حکم لگا رہے ہو اس کے لیے سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ خدا کی کسی کتاب میں بھی تم یہ لکھا ہوا نہیں دکھا سکتے، تم میں سے کوئی یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کہ اس نے خدا سے ایسا کوئی عہد لے لیا ہے اور جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں سے بھی کسی سے تم یہ شہادت نہیں دلوا سکتے کہ خدا کے ہاں تمہیں جنت دلوا دینے کا وہ ذمہ لیتا ہے پھر یہ غلط فہمی آخر تمہیں کہاں سے لاحق ہو گئی؟

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

(التکویر۔ ۸ تا ۹)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی ہے؟

اس آیت کے انداز میں ایسی شدید غضبناکی پائی جاتی ہے جس سے زیادہ سخت غضبناکی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابلِ نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا؟ بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری کس قصور میں ماری گئی؟ اور وہ اپنی داستان سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا اور کس طرح اسے دفن کر دیا۔ اس کے علاوہ اس مختصر سی آیت میں دو بہت بڑے مضمون اہمیت دیے گئے ہیں

(باقی بر صفحہ ۶۰)

درس قرآن

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

قوم، نسل، رنگ اور تین اصولی حقیقتیں

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو...... در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے

(الحجرات۔ ۱۳)

اس آیت میں پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے س عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر ساد کی موجب بنی رہی ہے۔ یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن ور قومیت کا تعصب، قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے۔ جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ تفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بنا ایک ماندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے۔ اور کہیں ایک جغرافی خطے میں یا ایک خاص رنگ والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہو جانا۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے، وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو کہ ان کے ساتھ، غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو۔ بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔ مذہب ایجاد کئے گئے ہیں، قوانین بنائے گئے ہیں، اخلاقی اصول وضع کئے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے۔ یہودیوں نے اسی بنا پر بنی اسرائیل کو خدا کی چیدہ مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبے کو اسرائیلیوں سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں ورن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی۔ اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے اور شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے ان کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج بیسویں صدی ہی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھ سکتا ہے۔

یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا۔ اس کی تہہ میں بھی یہی تصور کارفرما ہے۔ کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کے حدود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان، مال اور آبرو ان پر مباح ہے۔ اور انھیں حق پہنچتا ہے کہ ان کو لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑے تو صفحۂ ہستی سے مٹادیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لئے جس طرح درندہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس کی بدترین مثالیں زمانہ قریب کی لڑائیوں میں دیکھی جا چکی ہیں اور دیکھی جارہی ہیں۔ بالخصوص کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفۂ نسلیت اور نارڈک نسل کی برتری

کا تصور پچھلی جنگ عظیم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے انھیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی بہ آسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے۔ جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالے نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔

"ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے اور تمہاری آج جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلۂ تخلیق میں کسی جگہ بھی اس تفرقے اور اونچ نیچ کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعم باطل میں تم مبتلا ہو۔ ایک ہی خدا تمہارا خالق ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کو مختلف خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ ایک ہی مادۂ تخلیق سے تم بنے ہو۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ انسان پاک یا بڑھیا مادے سے بنے ہوں اور کچھ دوسرے انسان کسی ناپاک یا گھٹیا مادے سے بن گئے ہوں۔ ایک ہی طریقہ سے تم پیدا ہوئے ہو۔ یہ بھی نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کے طریق پیدائش الگ الگ ہوں اور ایک ہی ماں باپ کی تم اولاد ہو۔ یہ بھی نہیں ہوا ہے کہ ابتدائی انسانی جوڑے بہت سے رہے ہوں جن سے دنیا کے مختلف خطوں کی آبادیاں الگ الگ پیدا ہوئی ہوں

دوسرے یہ کہ اپنی نسل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرز بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہو جانے تھے اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعید تر ہی ہونا تھا۔ مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا ہرگز یہ نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ اور نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح حاصل ہو۔

خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی تھی۔ اسی طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے۔ مگر یہ محض شیطانی جہالت تھی کہ جس چیز کو اللہ تعالے کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارف کا ذریعہ بنایا تھا اسے تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنا لیا گیا اور پھر نوبت ظلم اور عدوان تک پہنچا دی گئی۔

تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں کیونکہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے، اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں، باپ تک پہنچتا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کا خاص ملک یا برادری و قوم میں پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس میں اس کے اپنے ارادہ انتخاب اور اس کی اپنی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے، کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہو۔ اصل چیز جس کی بنا پر ایک شخص کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے۔ اور جس کا حال اس کے برعکس ہو وہ بہرحال ایک کمتر درجے کا انسان ہے۔ چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہو یا مغرب میں۔

(تفہیم القرآن)

چند مفید اور قابل مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۶/۰۰	صدائے مجبور	۱/۵۰	کتاب التوحید	۷/۵۰
بلاغ المبین	۶/۵۰	شیر شاہ سوری	۱/۵۰	اسلامی فقہ مکمل	۲۵/۰۰
فتوح الغیب	۶/۰۰	ٹیپو سلطان	۱/۵۰	ورق ورق روشنی	۳۰/۰۰
شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰	محمد ابن قاسم	۱/۵۰	فیوض یزدانی	۲۵/۰۰
روح تصوف	۵/۵۰	طارق ابن زیاد	۱/۵۰	تیسیر القرآن اول	۳/۰۰
آداب زیارت قبور	۰/۸۰	داتا گنج بخش	۱/۵۰	کلید تیسیر القرآن اول	۱/۰۰
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	سیکولر جمہوریت اور اسلام	۳/۰۰
بیمۂ زندگی	۰/۶۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا کا انکار کیوں	۱/۲۰
اپنی اصلاح آپ	۰/۶۰	مہاتما بدھ	۱/۵۰	خدا ہے	۱/۲۰
تقلید کیا ہے	۰/۸۰	جہانگیر	۱/۲۰	کیا خدا کی ضرورت نہیں	۱/۲۰
اسلامی نظام ہی کیوں	۰/۶۰	نور جہاں	۱/۲۰	ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے	۳/۰۰	زرتشت	۱/۲۰	خدا کی ہستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
قرآن و حدیث	۴/۰۰	خالد ابن ولید	۲/۵۰	دعوت حق غیر مسلموں میں	۱/۲۰
تلاش راہ حق	۴/۵۰	توضیح البیان	۱/۵۰	بچوں کے لیے اقبال کی نظمیں	۰/۴۰
کثرت آبادی کا علاج	۰/۶۵	سکھ اور جنگ آزادی	۴/۰۰	تفسیر رسالت مآب	۳۰/۰۰
قافلہ سخت جاں	۸/۵۰	مولانا عبید اللہ سندھی	۷/۰۰	مخزن معلومات	۲۰/۰۰
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	۰/۳۵	درس عبرت	۰/۷۵	اصلاح انقلاب	۱۲/۰۰
مولانا مودودی سے ملیے	۱۰/۵۰	گلدستۂ حدیث	۲/۵۰	ولی کامل	۶/۵۰
مولانا مودودی اسّی علماء کی نظر میں	۳/۰۰	مختصر احکام حج	۲/۰۰	حیات امام اعظمؒ	۱۰/۰۰
حدیث، دفاع	۱۲/۰۰	راہِ حق کے دو مسافر	۲/۰۰	تذکرہ مولانا محمد یوسف	۹/۰۰
مکتوبات حضرت علیؓ	۱۰/۰۰	داعیٔ اعظمؒ	۵/۰۰	تفسیر رشیدی	۳/۰۰
صراط مستقیم	۶/۰۰	چٹکتی کلیاں	۱۵/۰۰	مخدوم صابر کلیری	۳/۰۰
تصوف کی حقیقت	۶/۰۰	شہ سوار	۲/۰۰	اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰/۰۰
سیرت ختم الرسل	۳/۰۰	اسلامی معاشرہ	۷/۰۰	قصص الانبیاء	۶/۰۰
عہدِ نبوی کے میدان جنگ	۳/۵۰	خطباتِ حنفیہ	۱۰/۵۰	حضرت حسنؓ	۳/۰۰
جنت اور دوزخ	۲/۰۰	خطبات غوث اعظم	۱۰/۵۰	حضرت حسینؓ	۳/۰۰
مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۷۵	حیاتِ طیبہ	۵/۰۰	تعلیم ہدایت	۹/۰۰

ترجمہ کا فن اور روایت	۲۵/..	اردو کی تین مثنویاں	۶/..	حضرت ابوبکرؓ	۷۵/-
فریب تمدن	۱۰/..	یادگار غالب	۴/۵۰	حضرت عمر فاروقؓ	۱/۵۰
صحیفۂ ابرار	۲۵/..	داستان زبان اردو	۷/۵۰	حضرت عثمانؓ	../۷۵
مومن اور مطالعہ مومن	۳۶/..	آپ تقریر کیسے کریں؟ مکمل	۳/۵۰	حضرت علیؓ	../۷۵
تاریخ محمودی	۱۰/..	التوحید	۴/..	مقدمہ شعر و شاعری	۳/۵۰
صحائف معرفت	۸/۵۰	وسیلہ کی حقیقت	۹/۵۰	رحمت عالم	۳/۵۰
رمضان کیا ہے؟	۳/۵۰	سیر خلفاء راشدین	۵/..	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	۳/..
بدعت کی باتیں	۱/..	تجرید بخاری شریف	۱۴/..	ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	۲/۷۰
طب روحانی	۵/..	ترمذی شریف اردو	۲۵/..	عبادات نفقہ	۱/۵۰
شریعت اور تصوف اول	۸/..	مشکوٰۃ شریف اردو	۳۳/..	العون الکبیر	۱۵/-
〃 〃 دوم	۵/..	مسلم شریف	۱۸/..	حیات امام ابوداؤد	۲/۲۵
ذکر الٰہی	۲/..	موطا امام مالکؒ اردو	۱۰/..	میلاد اکبر	۲/۵۰
ذکر النبی	۲/..	انتخاب صحاح ستہ اردو	۸/..	نقش سلیمانی	۱۰/..
صراط مستقیم	۱۰/..	شیطان کی سوانح عمری	۴/۵۰	اکسیر ہدایت	۴۲/..
مقبول نماز مترجم۔ مجلد رنگین	۱/..	جنات کے پراسرار حالات	۴/۵۰	نافع الخلائق	۲۰/..
قبر کا عالم	../۸۰	آسمانی سفرنامہ	۴/۵۰	کنز الحسین	۱۰/-
کیا تبلیغ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے	۱/..	غیبی آواز	۳/۵۰	میزان الطب	۱۲/..
حیات جاوید	۱۵/-	خواجہ غریب نواز	۳/۵۰	اعجاز قسم	۳/۲۵
توحید و معرفت	۱۵/۹۵	روح تصوف	۴/..	حرز سلیمانی	۱۱/..
اورنگ زیب اور شیکھر جی	۹/..	نقش اللغات	۱۰/..	بیاض یعقوبی	۱۰/..
دیوان حالی معہ شرح	۲۰/..	فتاویٰ آستانہ مکمل	۹/..	تعلیم الاسلام اردو	۳/۵۰
یاد اقبال	۶/..	واقعات الصالحین	۴/۵۰	〃 〃 ہندی	۳/۵۰
اقبال اور تصوف	۷/۵۰	تاریخ اسلام	۱۵/۵۰	شاہنامۂ اسلام مکمل	۱۰/..
مقامات اقبال	۱۰/۵۰	بہادر شاہ کی کنیز	۳/..	مکتوبات امام ربانی	۹۷/۲۵
عرفان اقبال	۱۰/..	دارا شکوہ کی رقاصہ	۳/-	شرعی پردہ	۳/..
ذکر اقبال	۱۲/۵۰	فرعون کا معاشقہ	۳/..	اسلام کا اخلاقی نظام	۵/۷۵
دلی سے اقبال تک	۹/..	اسپین کا مرد مجاہد	۳/..	التشبہ فی الاسلام	۱۰/..
پیام اقبال	۱۰/..	صحبت با اولیاء	۷/۵۰	اجتہاد اور تقلید	۴/..
کلیات اقبال	۱۲/۵۰	مکتوبات خواجہ معصوم	۷/..	شان رسالت	۳/۲۵
ترقی پسند ادب	۶/..	طریق القلندر	۱/۵۰	خاتم النبیین	۲/۵۰
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء	۱۲/۵۰	طہارت	۱/۲۵	مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)	

اپیل

ضروری اعلان

فروری و مارچ اور ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۰ء کے شمارے درکار ہیں، پانچ گنی قیمت پر ادارہ خریدنے کیلئے تیار ہے جن صاحب کے پاس ہوں مطلع فرمائیں۔ —— منیجر تجلی دیوبند، یوپی

ماہنامہ تجلّی کے خاص نمبروں میں سے

مندرجہ ذیل نمبر ختم

~~ڈاک نمبر ۷۴ء — خاص نمبر ۶۹ء~~

~~خلافت و ملوکیت نمبر — حاصل مطالعہ نمبر~~

~~ڈاک نمبر ۶۳ء — تنقید نمبر ۶۵ء~~

لہٰذا ان نمبروں کیلئے ادارہ معذرت کا طلب گار ہے — اب مندرجہ ذیل ادارہ سے مل سکتے ہیں۔ لیکن ان پر رعایت ختم کر دی گئی ہے۔

طلاق نمبر	۵/۰۰	نظریۂ ارتقاء نمبر	۲/۵۰
ایمان نمبر	۳/۰۰	سالنامہ ۷۱ء	۶/۰۰
تنقید نمبر	۲/۵۰	خاص نمبر ۶۳ء	۱/۵۰
مسلم پرسنل لاء نمبر	۲/۰۰	ڈاک نمبر ۷۳ء	۲/۰۰

نوٹ

ڈاک خرچ نصف ادارہ برداشت کرے گا اور نصف منگانے والے کے ذمہ رہے گا۔

منیجر مکتبہ تجلّی دیوبند، یوپی،

تجلی کی ڈاک

کم علمی کے نتائج

سوال :- از :- اسمٰعیل بی اے، بی ایڈ۔ جلگاؤں مہاراشٹر،

ایک بار جزیرہ فجی کے چند عالم ہمارے ادارہ
. آئے ہوئے تھے۔ بڑی اچھی اردو بول رہے تھے، ہمارے
پل صاحب سے وہ بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ میں وہاں
یا۔ بحث کا موضوع دین اور دنیا کا تعلق تھا۔ ہمارے پرنسپل
حب کہہ رہے تھے کہ دین کے ساتھ ساتھ دنیوی علم بھی
وری ہے۔ لیکن فجی کے عالم صاحب ماننے کو تیار نہیں تھے
ان گنت احادیث نقل کرتے جا رہے تھے۔
میں نے دونوں کو ذرا رکنے کے لیے کہا وہ رک گئے تو
. نے فجی کے عالم صاحب سے پوچھا۔ "دین کے معنی کیا
تے ہیں؟
وہ جواب نہ دے سکے
ان کے ساتھ مقامی مذہبی لوگ آئے ہوئے تھے سب
لر کہنے لگے۔
"اس طرح بیچ میں بولنا نہیں چاہیئے" اس لیے کہ میرے
ل کا جواب ان کے پاس نہیں تھا
اس واقعہ کو نقل کرنے کی وجہ صرف اتنی کہ دھڑا دھڑ احادیث
دینے والا۔ پوری طرح مذہبی عالم نظر آنے والا ایک ادنیٰ سے
ال کا جواب نہ دے سکا۔

لوگ چھلکے کو دیکھتے ہیں، مغز تک پہنچنے کی کوشش
نہیں کرتے۔
ایسے درجنوں واقعات سے واسطہ پڑتا ہے"
نمازوں سے متعلق بھی یہی حال ہے جس پر استفسار کا
طالب ہوں۔
حضرت محمدؐ کو معراج میں نمازوں کا حکم ہوا یا تحفہ ملا کہیے
اور یہ تحفہ پانچ وقت کی نماز کا ہے۔ کیا خدا تعالےٰ نے
ہر وقت کی نماز کا وقت، تعین کر دیا تھا؟ یا یہ حضورؐ کی
تشریح ہے کہ فلاں فلاں وقت اور اتنی رکعت نماز پڑھی جائے؟
اور یقیناً اللہ تعالےٰ نے اس نماز کا نام "فرض نماز" نہیں
رکھا ہوگا۔ وہ صرف نماز ہے، اس کی عبادت ہے۔ یہ
اس لیے لکھ رہا ہوں کہ نمازیں فرض بھی ہیں، سنت بھی ہیں
نوافل و تراویح بھی ہیں۔ جب کہ ہر نماز کا طریقہ تقریباً یکساں
ہے خدا نے جتنی رکعت نماز کا حکم دیا وہ ہم لوگ فرض سے
نماز کی قسم کا نام نہیں۔ اور ہم لوگوں کو تو نماز کی نیتوں میں
فرض، سنت، نفل۔ ان الفاظ کی ادائے گی کی تعلیم دی جاتی
ہے۔
میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ جب نماز کے لئے ہم
کھڑے ہو گئے تو سمجھو ہم نے نیت کر لی۔ نیت کو الفاظ میں
ادا کرنے کی کیا ضرورت؟ اگر نیت الفاظ میں کرنا ضروری
ہی ہوتا ہو تو ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت محمدؐ نماز کی نیت

کن الفاظ میں ادا کرتے تھے۔ ہمارے پیغمبر کے قول و فعل کا مجموعہ ہمارے پاس ہے اس میں ان کے نماز کی نیت کے الفاظ میں محفوظ ہوں گے۔ کیا آپ اس پر تبصرہ فرمائیں گے؟

نمازوں کی قسمیں نہیں ہو سکتیں۔ نماز صرف نماز ہے خدا کی عبادت ہے۔ ورنہ وہ تو یوں ہوا کہ پہلے نے بید یہ (پرساد) چڑھایا۔ پھر اکشتا (چاول) چڑھائے۔ پھر دکشنا دی۔

ہمارے پیغمبر کے اعمال کے مطابق ہم اعمال کریں تو وہ سنّت کی پیروی ہوئی۔ اگر یہ تعریف غلط ہے، تو آپ درست فرما دیجئے۔ البتہ میرا مفہوم صحیح ہوگا۔ اب اسلام کی وحدت پرستی کے مطابق پہلے خدا کا حکم بعد میں پیغمبرؐ کا حکم ہونا چاہیئے۔ اور جب ہمارے علاقہ کے رواج کے مطابق میں نے فجر کی سنّت نماز کو اوّلیت نہ دی تو مجھے بگڑا ہوا بہکا ہوا سمجھا جانے لگا۔ اس لیے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ صرف خدا کی حکم دی ہوئی نماز ہی پڑھا کروں۔ اگر محمدؐ کی سنّت بھی پڑھتا رہوں تو ایک بندے کی بھی اطاعت ہو جانے کا ڈر ہے صرف فرض پڑھتے رہنے سے سنّت کے آگے پیچھے ہونے کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔

اب نماز میں ہم پہلے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر کوئی اور آیتیں، کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ یا ہمارے پیغمبر کا اپنا بتایا ہوا طریقہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے؟ اس سے تعلق رکھنے والی معتبر احادیث نقل کریں۔

پھر قعدے میں درود شریف پڑھنے کی بات، درود شریف کا مطلب و ترجمہ دیکھا تو یہ خیال ستانے لگا کہ خدا کا برگزیدہ بندہ، پیارا بندہ، مغفور و مرحوم اعلےٰ مرتبت کے لئے مزید دعاؤں کی کیا ضرورت، کیا وہ ہماری دعاؤں کی محتاج ہیں؟ اس لیے یہ خیال آیا کہ شاید یہ کسی عالم کا ڈھکوسلہ ہوگا۔ ہمارے پیغمبر کا حکم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پیغمبر کو خود ستائش کی عادت تو نہیں تھی۔ ان کا ہر کام خدا کی منشاء و مرضی کے مطابق ہوتا تھا اور وہ اپنی ذات کی فکر نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ کیوں کر یہ کہنے لگے کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا، اس کی میں سفارش کروں گا (ممکن ہے الفاظ غلط استعمال ہوئے ہوں، اس حدیث میں)

از راہِ مہربانی درود نماز میں پڑھنا اور نماز کے علاوہ پڑھنے سے تعلق رکھنے والی مدلل باتیں لکھیئے۔

جواب

یہ سن کر حیرت ہوئی کہ فجی کے عالم صاحب دین کے معنی نہ بتا سکے۔ حالانکہ یہ لفظ ایسا مشکل نہیں کہ جس کے معنی و مطلب بتانے میں ایک عالم و فاضل آدمی کو کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑے، تاہم یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ اگر کوئی عالم لفظ دین یا اس جیسے کسی آسان لفظ کا مطلب نہ بتا سکے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شخص عالم ہے ہی نہیں۔

عالم اسے نہیں کہتے کہ جو تمام مسائل اور تمام لغات سے واقف ہو، بلکہ عالم کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو ضروریات دین اور ضروریات لغت سے عوام کے مقابلے میں زیادہ، واقفیت رکھتا ہو اور اسے مسائل و احکام کے ماخذ کا پتہ ہو۔

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رکھیئے کہ عالم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ احکام و مسائل کے تمام کلیات و جزئیات ہر وقت اپنے دماغ میں مستحضر رکھے اور جیسے ہی اس سے کسی کل اور جز کے بارے میں کوئی بات دریافت کی جائے جھٹ سے وہ جواب دینے پر مجبور ہو۔ تمام کلیات و جزئیات ہر وقت نہ کسی عالم کے ذہن میں مستحضر رہتے ہیں، اور نہ ہی کسی عالم کو اس بات کا پابند کیا جا سکتا ہے کہ جب بھی اس سے کوئی بات معلوم کی جائے وہ فوراً جواب دے۔

آپ اگر کسی بڑے عالم سے وضو کے نواقض اور نماز کے واجبات دریافت کرنے لگیں اور یہ چیزیں بالاتفاق اس کے حافظہ سے محو ہوں وہ جواب نہ دے سکے یا سوچ سوچ کر جواب دے رہا ہو تو آپ کا یہ شور مچانا غلط ہوگا کہ وہ سرے سے عالم ہی نہیں۔ عالم ہوتا تو آپ کے ہر سوال کا جواب دیتا اور برجستہ دیتا۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ آج کل بعض غیر مولوی لوگ مولویوں کا بھیس بدل کر عوام کا بے وقوف بنا رہے ہیں

ایسے لوگ نرے جاہل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی عیاری و مکاری سے عوام کو چکمہ دے کر خود کو عالم باور کرا دیتے ہیں اور ان کی دوکان چل پڑتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بتایا جائے کہ ایسے فریب کار اور دغاباز لوگ کس شعبۂ حیات میں موجود نہیں ہیں، کیا ڈاکٹروں میں دھاندلی باز نہیں ہوتے؟ کیا وکیلوں میں مکار و عیار لوگ موجود نہیں ہیں؟ کیا ماسٹروں میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے کہ جن کی قابلیت و استعداد برائے نام اور برائے اسکول ہی ہوتی ہے لیکن وہ خود کو سیاست اور چالاکی کے عقل کل ثابت کر دیتے ہیں۔ نفی اور انکار کا کوئی سوال ہی نہیں، اس لئے کہ اس کائنات کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں نخریبی، دھوکے باز اور چلتے پرزے قسم کے لوگ موجود نہ ہوں۔ ہر جگہ ہر شعبہ میں ایسے افراد موجود ہیں کہ جو کچھ بھی نہیں ہوتے لیکن اپنے آپ کو بہت کچھ باور کرا دیتے ہیں اور عوام کا دل کھول کر اُلّو بناتے ہیں۔ مگر کوئی ان کا امتحان لینے والا نہیں۔ کوئی ان پر انگلی اٹھانے والا نہیں۔ کیا آپ نے کبھی کسی ڈاکٹر کا امتحان لینے کی سعی کی ہے۔ یا آپ نے کبھی کسی وکیل کو مختلف باتوں میں الجھا کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ دعوتی وکیل ہے بھی یا نہیں۔ یا صرف علمائے دین ہی آپ کے نزدیک ایسے ہیں کہ جن کا امتحان لیا جائے اور امتحان کے بغیر کسی عالم کو عالم نہ سمجھا جائے۔

یہ بھی بےچارے مولویوں کی بدنصیبی ہے کہ ایک آدھ بات نہ بتانے پر ان کی علمیت و قابلیت عام حالات میں مشکوک ہو جاتی ہے اور خاص حالات میں ناقابل اعتبار جب کہ غیر مولوی لوگ ہزار ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی دندناتے ہی رہتے ہیں اور قدم قدم پر اوندھے منہ گرنے کے بعد بھی عوام کی نظروں میں ان کی قابلیت ناقابل اعتبار نہیں ہوتی۔ فجی کے عالم صاحب نے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ان گنت احادیث نقل کیں تو آپ ان کی علمیت و قابلیت سے متاثر نہ ہوئے اور وہ صرف ایک لفظ کا ترجمہ نہ بتا سکے تو آپ کے دل میں بدظنی بیٹھ گئی اور محض اتنی سی بات سے آپ نے ایک مغز کو چھلکا تصور کر لیا۔

کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ فجی کے عالم صاحب محض اس لئے خاموش ہو گئے ہوں کہ آپ کا سوال انتہائی ناقص اور مہمل تھا

اگر کسی اعلیٰ درجے کے پروفیسر کی قابلیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس سے یہ سوال کر لیا جائے کہ بتاؤ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔ تو پروفیسر صاحب کو لاجواب ہی ہو جانا چاہیئے۔ اگر وہ فی الواقعہ پروفیسر ہیں۔

پرنسپل اور موصوف عالم صاحب کے درمیان جو بحث چل رہی تھی، اس میں کس کی بات صحیح تھی اور کس کی غلط اس بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا، جب تک تمام بحث کی تفصیل حرف بہ حرف ہمارے سامنے نہ ہو۔ فجی کے عالم صاحب کا منشاء بحث اگر یہ تھا کہ دنیاوی علوم کی تحصیل کسی بھی حد تک جائز نہیں، تو بلاشبہ وہ غلطی پر تھے۔ لیکن اگر ان کا مقصد یہ رہا ہو کہ دنیاوی تعلیم صرف ضروری حد تک حاصل کر لی چاہیئے، اور ان اسکولوں اور کالجوں سے احتراز کرنا چاہیئے جہاں حیا، غیرت اور اسلامی قدر کا قتل عام ہو رہا ہے اور جہاں تعلیم کے نام پر جہالت اور تہذیب کے نام پر بدتہذیبی کا درس عام دیا جا رہا ہے تو ان کی بات کو غلط قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں ہم کیا عرض کریں۔ جب ہمیں بحث کے کل اور جز کا صحیح معنوں میں علم ہی نہیں۔

آیئے اب ان مشکلوں کو حل کرنے کی کوشش کریں جن کا آپ نے اظہار کیا ہے اور جو آپ کے لئے وجہ پریشانی بنی ہوئی ہیں اور آگے چل کر وجہ گمراہی بھی بن سکتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ذہن رسول کی حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکا اس لئے بعض الجھنیں آپ کے دل و دماغ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر رسول کی صحیح پوزیشن کا آپ کو علم ہوتا تو اس قسم کی باتیں آپ کے قلم سے نہیں نکل سکتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی رکعتوں کا تعین خود کیا ہے یا یہ حضورؐ کی حرکت ہے اسی طرح آگے چل کر آپ نے یہ لکھا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی جو دوسری آیات پڑھی جاتی ہیں ان کے پڑھنے کا حکم منجانب اللہ ہوا ہے، یا یہ بھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا بنایا ہوا طریقہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں اور ایسے اعتراضات اسی شخص کے قلم سے خارج ہو سکتے ہیں جو رسول کو شارع کا مقام دینے کے لئے تیار نہ ہو۔ آپ کے بارے میں ہم یہ تصور تو

نہیں کر سکتے کہ آپ کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حقیقت سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ زیر نظر مکتوب میں آپ نے نیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ہمیں تو یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کی نیت کس طرح باندھتے تھے۔ گویا کہ آپ کو یہ بات تسلیم ہے کہ نماز کی نیت جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باندھی ہے وہی طریقہ درست اور قابل اختیار ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولؐ کو اتنی حیثیت تو آپ دیتے ہی ہیں کہ مختلف فیہ مسائل میں رسول اللہ کا جو بھی طریقہ ہو بس اسے اپنا یا جائے باقی تمام طریقوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود جو کچھ ناقص اور مہمل باتیں آپ کے قلم سے نکل گئی ہیں اس کی بس دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام سے پوری طرح واقف نہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دین کے بارے میں جو کچھ تھوڑی سی بہت اور کچی پکی معلومات آپ نے حاصل کی ہیں وہ ایسے اسکولوں اور یونیورسٹیوں سے حاصل کی تھیں جہاں دینی تعلیم کے نام پر غیر پختہ باتیں آدمی کے ذہن کی گہرائی میں اتار دی جاتی ہیں جو عقیدہ کے حق میں یقیناً زہر ہلاہل ثابت ہوتی تھیں۔

اگر دین کے بارے میں آپ کی معلومات ٹھوس اور مکمل ہوتیں یا اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کو آخری درجہ کی واقفیت حاصل ہوتی تو آپ یہ فرمانے کی جسارت بالکل بالکل نہیں کر سکتے تھے کہ میں اب صرف خدا ہی کی حکم کردہ نماز ادا کیا کروں گا۔ محمدؐ کی سنت ادا نہیں کروں گا، ورنہ ایک بندے کی اطاعت کرنے کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔ ایسی ناقص بات آپ کے قلم سے اس لئے بھی سرزد ہو گئی ہے کہ آپ بہ وجہ قلت علم اتباع اور بندگی میں فرق محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ اتباع اور بندگی کے مابین زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ مقصد زندگی یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور عبادت جس طریقہ اور جس ڈھنگ سے کی جاتی ہے وہ اتباع کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو جامع مسجد جاکر نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے اور وہ حکم کی تعمیل میں جامع مسجد کی طرف چل پڑے تو جامع مسجد پہنچکر نماز کی ادائیگی تو اس کا اصل مقصد ٹھیرے گا لیکن اگر وہ بغیر بھٹکے مسجد تک پہونچنے کے لئے کسی ایسے شخص کے پیچھے پیچھے چلنے لگے جو اسی منزل تک جانے والا ہو تو یہ پیچھے پیچھے چلنا اتباع کہلائے گا۔ ہم سب کا مقصد حیات تو یہ ہے کہ ہم خالق اکبر کی عبادت کریں۔ لیکن چونکہ ہم از خود خالق اکبر کی صحیح معنوں میں پرستش نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں خالق اکبر ہی کی طرف سے آئے ہوئے رسول کی اتباع کرنی ہی پڑے گی۔ رسول کی اتباع کے بغیر ہم صراط ہدایت پر دو قدم بھی نہیں چل سکتے اور نہ ہی رسول کا تتبع کئے بغیر ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسی راہ راہِ حق ہے اور کونسی راہ راہِ ضلالت۔

آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی وہاں وہاں انبیاء و رسول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کو بھی فروری قرار دیا گیا ہے۔ گویا کہ ایمان کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اللہ کی ربوبیت کا اقرار و اعتراف کرنے والا شخص رسول کی بعثت و رسالت پر ایمان نہ لائے۔ رسالت و نبوت کا منکر انسان مومن نہیں ہو سکتا، خواہ وہ اللہ کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی الوہیت و ربوبیت کا شدت سے قائل ہو۔ بطور ثبوت دسیوں ایسی آیات نقل کی جا سکتی ہیں جن میں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ نبی اور رسول پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے، لیکن فی الوقت ہم چند مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔	اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر، اس کی کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکیں اور جس شخص نے نافرمانی کی اللہ کی اللہ کے رسول کی اور جس نے انکار کیا اس کے فرشتوں کا یوم آخرت کا تو وہ گمراہی میں جا پڑا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر اور انھوں نے رسولوں کے مابین کوئی تفریق نہ کی تو وہ ہی لوگ ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ عنقریب اجر و ثواب سے نوازے گا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

مومن تو بس وہی ہیں کہ جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

ان چند آیات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ایک مسلمان کے لئے جس طرح اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے رسولوں پر اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اور علاوہ ازیں ان تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جن پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً۔ ملائکہ حیات بعد الممات، یوم حساب، وغیرہ وغیرہ: ان میں سے اگر کسی ایک چیز کا بھی انکار کردیا جائے اور انکار تو درکنار اگر ان میں سے کسی ایک چیز کے بارے میں تردد و اعتراض کی پرچھائیاں سطحِ ذہن پر ابھر آئیں تو آدمی کا ایمان حبط ہو کر رہ جاتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص اللہ کی الوہیت پر ایمانِ کامل رکھتا ہو۔ اسے یقین ہو کہ اللہ ایک ہے اور وہ ہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے اسے اس بات کا یقین بھی ہو کہ جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں مبعوث ہوتے رہے ہیں وہ سب ہی برحق اور اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ نیز اسے اس بات کا ایقان بھی میسر ہو کہ مرنے کے بعد انسان کو پھر زندہ ہونا ہے اور اللہ کے روبرو اپنی تمام زندگی کے افعال و اعمال کا حساب دینا ہے۔ لیکن اسے اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان نہ ہو۔ اس کا تصور یہ ہو کہ انجیل، زبور، تورات اور قرآن حکیم جیسی کتابیں لوگوں نے خود ہی گھڑ لی ہیں، یہ کتابیں براہِ راست اللہ کی جانب سے نازل نہیں ہوئی ہیں تو ایسا شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا جو تمام چیزوں پر تو دل کی گہرائی سے ایمان لے آئے لیکن کسی رسول کی رسالت پر اسے شک یا اعتراض ہو۔ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ قطعی طور پر یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل و دماغ میں یہ وثوق جاگزیں ہو کہ تمام انبیاء مخلوقات کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے منجانب اللہ آتے رہے ہیں اور یہ سب اس لائق ہیں کہ ان کی توثیق کی جائے اور انھیں مذہب و انسانیت کا پیشوا مانا جائے۔ کلمہ طیبہ کے وہ چند الفاظ کہ جنھیں تہہ دل سے پڑھتے ہی آدمی کفر کی دنیا سے اسلام کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے ان میں بھی اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اگر امتِ مسلمہ کے لئے رسول کی رسالت پر ایمان لانا مجملاً لازم نہ ہوتا تو لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اقرار کرلینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس تفصیل سے اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ ایک مسلمان کے لئے جس طرح اللہ پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح اس کے فرستادہ نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ لیکن منقولہ آیات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا رسول اور نبی کی حیثیت ہوتی کیا ہے، کیا نبی اور رسول پر صرف ایمان ہی لانا کافی ہے یا ایمان لانے کے بعد کوئی اور چیز بھی ضروری ہے۔ قرآن حکیم کے احکامات کا سرسری سا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات متبین ہوجاتی ہے کہ رسول پر صرف ایمان ہی لے آنا کافی نہیں ہے، بلکہ ایمان لانے کے بعد اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح خداوند قدوس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب و ضروری ہے۔ رسول کا حکم خدا کے حکم کے برابر ہے۔ رسول کے حکم سے سرتابی کا کھلا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے حکم سے سرتابی کر رہا ہے۔ قرآن حکیم میں ایسی آیات بھی کافی تعداد میں موجود ہیں کہ جن سے اطاعتِ رسول کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے

اور ان کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ اکمالِ ایمان اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی جائے بطور نمونہ ہم چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ (آلِ عمران - ۳۲)
اے محمد! کہدیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پس جو اس فرمان سے منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔
اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مومن ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ۔
اے ایمان والو اللہ کے حکم کی فرمانبرداری اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔
اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان دونوں کے احکام سے منہ نہ موڑو حالانکہ تم سنتے رہتے ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔
اے ایمان والو اللہ اور رسول کا کہنا مانو اور ان حضرات کا بھی کہنا مانو جو صاحب امر ہوں۔ اور اگر تمہارا کوئی جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا
کسی مومن مرد اور عورت کو اس بات کا حق نہیں کہ جب اللہ اور رسول اسے کسی معاملے میں کوئی کام دے دیں تو وہ اپنا کوئی اختیار باقی رکھیں، اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔
اے محمد! کہد یجئے، کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد کسی مسلمان کے لیئے یہ بات قرینِ ایمان نہیں ہوسکتی کہ وہ اطاعت رسول کی اہمیت و ضرورت کا انکار کر بیٹھے۔ یہ آیات آخری حد تک یہ بات، ثابت کردیتی ہیں کہ رسول کی اطاعت دین کا نصف حصہ ہے قرآن حکیم میں درج شدہ احکامات کو ماننے والے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ رسول کے احکام و اوامر کے سامنے بھی سر تسلیم خم کردے اور رسول اللہ کی تمام سنتوں کو اس طرح قابل احترام سمجھیں جس طرح وہ قرآن حکیم کی آیتوں کو قابل احترام سمجھتا ہے رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اللہ کی اطاعت سے روگردانی کر رہا ہے۔ اس لیئے کہ قرآن حکیم میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔ آیت کریمہ کے الفاظ یہ ہیں مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اطاعتِ رسول کو اطاعت خداوندی پر محمول کیا گیا ہے۔ یعنی اطاعتِ خداوندی کو اطاعت رسول قرار نہیں دیا گیا، یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے گا اسے رسول کا مطیع بھی سمجھا جائے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جو رسول کا مطیع ہوگا وہ اللہ کا اطاعت گزار تصور کیا جائے گا اتنی بڑی بات بلا وجہ نہیں کہدی گئی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے، کہ اللہ نے قرآن حکیم کے ذریعہ جو جو احکامات اپنے بندوں کے لیئے نازل کیئے ہیں انھیں صحیح معنوں میں رسولِ خدا کے سوا کوئی دوسرا سمجھ ہی نہیں سکتا ان احکامات پر عمل کرنا بھی اسی وقت ممکن تھا جب کوئی ان احکام کی گہرائی تک پہونچے، اور احکام نازل کرنے والے کی منشار کو سمجھنے کی اہلیت اس میں موجود ہو اور یہ اہلیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں ہوسکتی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی خاص روشنی سے ہر حکم

کی علت بھی سمجھ لی اور پھر آپ نے اللہ ہی کی دی ہوئی سوجھ بوجھ سے عمل کی ایسی صورت گری کی کہ احکام بجالانے والے بآسانی ان پر عمل پیرا ہوسکیں گے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمل کرنے کا طریقہ نہ بتاتے تو دنیا کے سارے مسلمانوں کے لیے ایک الجھن پیدا ہوجاتی اور قرانی احکامات یا تو مضحکہ بن کر رہ جاتے یا کھلونا۔ یعنی یا تو لوگ احکام کا مذاق اڑاتے یا احکام بجالانے کے لیے من مانی کرنے پر مجبور ہوتے۔ مثلاً قران حکیم میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن نماز قائم کرنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا، نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے۔ رکوع اور سجدوں میں کیا پڑھنا چاہیئے، کس نماز میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیئے، وغیرہ جیسی تفصیلات ہمیں احادیث ہی میں مل سکتی ہیں۔ اگر ہم رسول اللہ کی بتائی ہوئی نماز کو درست خیال نہ کریں تو پھر سوچیئے کہ نماز کس طرح قائم کی جائے گی اور نماز پڑھنے کا کونسا طریقہ ایسا نکالا جائیگا جسے سب ہی بآسانی اپنا سکیں۔ پھر اگر ہر شخص کو نماز کا طریقہ تجویز کرنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ جو کھلواڑ ہوگا، اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ زید چیت لیٹ کر اللہ کا ذکر کرنے کو اقامتِ صلوٰۃ سے تعبیر کرے گا۔ بکر کھڑے ہو کر تسبیحات پڑھنے کو اقامتِ صلوٰۃ کا نام دے گا۔ محمود کی رائے یہ ہوگی کہ سجدہ کی صورت اختیار کر کے اس میں قرآن کی تلاوت کرنا اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ خالد یہ دعویٰ کرے گا کہ تنہائی میں بیٹھ کر قبلہ رو ہوجانے کا نام اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ غرض کہ جتنے اذہان ہوں گے، اتنے ہی نماز کے طریقے گھڑ لیئے جائیں گے اور نماز ایک اچھی خاصی گیند بن کر رہ جائے گی جسے جس طرف چاہا لڑھکا دیا۔ لہٰذا عقل عامہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ جن احکامات کی تفصیل قرآن حکیم میں بیان نہیں کی گئی ہے ان کی تفصیل اور ان کے معنیٰ خود اختراع کرنے کی بجائے، ہمیں رسولِ خدا کی سنت کو دیکھنا چاہیئے کہ انھوں نے اللہ کے احکام کی تعمیل کس طرح کی اور مبہم الفاظ کا کیا مطلب بیان کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کون گستاخ مسلمان کر سکتا ہے کہ انھوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کی صورت گری بس اٹکل پچو ہی سے کر ڈالی۔ جو اللہ کی منشار کے خلاف ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ حق تعالےٰ اقامتِ صلوٰۃ کا طریقہ تجویز کرتے تو یہی طریقہ تجویز کرتے جو ہمیں رسول اللہ نے بتایا ہے۔ اس لیئے کہ حق تعالےٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی روشنی عطا کی تھی جس کے ذریعہ آپ اللہ کے مقصد و منشاء کو سمجھ لیا کرتے تھے۔ آنحضورؐ پر صرف قرآن ہی نازل نہیں ہوا بلکہ آپ کو بطورِ خاص وہ حکمت اور سوجھ بوجھ بھی عطا ہوئی جو نبی اور رسول کے سوا کسی کو عطا نہیں کی جاتی۔ قران حکیم میں ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :-

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔	اے نبیؐ ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔

اس آیت میں غور کرنے کی چیز " بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ " ہے جس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہوا کہ وہ چیز جو اللہ نے تمہیں دکھائی۔ لیکن اس کا محاوراتی ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خاص روشنی اور وہ مخصوص تدبر جو اللہ نے تمہیں عطا کیا۔ یعنی تم پر قرآن اس غرض سے نازل کیا گیا کہ تم اللہ کی بخشی ہوئی خاص صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے مابین فیصلہ کرو اور اس کتاب کے مطابق فیصلہ کرو اس آیت سے یہ حقیقت بالکل برہنہ ہوجاتی ہے کہ اللہ کی کتاب کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، بلکہ اس کتاب کو پہلے رسول سمجھے گا کیونکہ اللہ نے اسے خاص قسم کی سوجھ بوجھ اور خاص نوع کا تعقل عطا کیا ہے پھر وہ لوگوں کے مابین فیصلے کرے گا اور انھیں اللہ کے احکامات و مرضیات سے روشناس کرائے گا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حق اور ہدایت دو چیزوں میں مضمر ہے۔ قرآن اور تدبرِ رسول۔ قرآن ہو لیکن تدبرِ رسول نہ ہو تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تدبرِ رسول تو ہو لیکن قرآن نہ ہو تو بھی بات نہیں بن سکے گی۔ انسان فلاح و کامرانی سے اسی وقت ہمکنار ہوسکتا ہے جب اس کے پاس قرآن کی روشنی بھی ہو اور فکرِ رسول کا سرمایہ بھی۔ فکرِ رسول اور سنتِ رسول سے آنکھیں بند کر لینے والے لوگ قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور اگر انھوں نے کسی طرح قرآن کو سمجھ لیا تو یہ بات مسلّم ہے کہ روحِ قرآن تک ان کی رسائی نہیں

ہوسکتی، ورنہ قرآن تک تو صرف فکر رسول کی پرواز ہی پہونچ سکتی ہے۔ اور پھر فکر رسول کی بدولت ہی ساری دنیا کو اصل قرآن سے روشناس ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔

قرآن میں ایک جگہ یوں فرمایا گیا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی، اور وہ علم دیا جس سے تم نا واقف تھے۔ (النساء)

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن ہی نازل نہیں کیا بلکہ بہت سی اشیاء کا علم بھی بخشا۔ اور حکمت و فراست بھی عطا کی۔ یہ وہی حکمت و فراست ہے جسے بصیرت۔ اور روشنی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس روشنی اور بصیرت کی وجہ سے رسول میں ایک خاص صلاحیت پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ ان باتوں کی گہرائی تک آنِ واحد میں پہونچ جاتے تھے کہ جن کی گہرائی تک دوسرے لوگ غور و خوض اور فکر و تدبّر کے باوجود بھی نہیں پہونچ پاتے۔

یہ بصیرت دراصل لازمۂ نبوت تھی اور اس لازمۂ نبوت کا یہ فیض تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی راہِ حق پر گامزن رہے اور دوسروں کے لئے ایسے خطوط واضح کرتے رہے کہ جن کے خلافِ حق ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر رسول کو بصیرت اس لئے عطا کی جاتی ہے کہ وہ کتاب اللہ کا اصل منشاء سمجھ کر لوگوں کو سمجھا سکے اور حقوقِ بندگی اور معاملاتِ زندگی میں لوگوں کی صحیح طور پر رہنمائی کر سکے۔

اگر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن دیکر دنیا میں مبعوث کر دیا جاتا، انھیں نہ بصیرت دی جاتی، نہ بعض اشیاء کا علم غیب۔ تو پھر آنحضورؐ کے دنیا میں آنے کا منشاء ہی فوت ہو جاتا۔ رسول کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا جاتا کہ وہ اللہ کی کتاب لوگوں کے حوالے کر کے چلتا بنے بلکہ اسے دنیا میں اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ بصیرت و حکمت کا سہارا لے کر اس کتاب میں درج شدہ احکام پر عمل کرنے کے طریقے بتائے اور نزول کتاب کا مقصد واضح کرے۔

اگر کتاب اللہ کو اربابِ دنیا خود ہی سمجھ لیا کرتے۔ تو پھر اللہ تعالے کو رسول بھیجنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ ہوا یہ کرتا کہ کتاب مکمل کسی پہاڑ پر اتار دی جایا کرتی، جسے لوگ اٹھا لایا کرتے اور آپس میں تقسیم کر لیا کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آسمان سے جب بھی کوئی کتاب نازل کی گئی اس کیساتھ کوئی پیغمبر بھی بھیجا گیا تاکہ وہ کتاب میں لکھی ہوئی باتوں کو دلوں کی گہرائی میں اتار سکے اور ان الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کر کے، بتا سکے جنھیں عام لوگ معمّہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے کرتے۔ یا کھینچ تان کر اگر معنی پہناتے تو غلط معنی پہناتے جس کی وجہ سے احکامات کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا۔

احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ واقعہ پڑھنے کو ملتا ہے، کہ جب روزے کے بارے میں یہ آیت اتری وَحَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ (کھاتے پیتے رہو یہاں تک سفید دھاگا تمہیں کالے دھاگے میں صاف الگ دکھائی دینے لگے۔ تو عدی ابن حاتمؓ نے دو دھاگے ایک کالا اور ایک سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک اتنی روشنی نہ ہو جاتی کہ یہ ایک دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگیں اس وقت تک وہ سحری کھاتے رہتے تھے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ مسکرائے اور آپ نے عدی ابن حاتمؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں اس کے بعد آپؐ نے وضاحت کی کہ کالے اور سفید دھاگے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔

اب ذرا سوچئے کہ قرآن حکیم کے الفاظ کی تشریح اگر آنحضور نہ فرماتے تو پھر کتنی الجھنیں پیدا ہو جاتیں ہر شخص اپنے علم و فہم کے اعتبار سے قرآنی الفاظ کو من بھاتے مفہوم کا لباس پہنا لیا کرتا۔ اور اکثر لوگ قرآن کے الفاظ کے اسی طرح غلط معنی متعین کیا کرتے جس طرح عدی ابن حاتمؓ نے مذکورہ آیت کا غلط مطلب نکالا تھا۔

بہر حال یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن کو براہ راست نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے ہم صفت

رسول اور احادیث رسول کے محتاج ہیں۔ امام شاطبیؒ نے فرمایا ہے:-

فکانت السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب۔	گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے معنی کے لئے تفسیر و شرح کا درجہ رکھتی ہے۔

(الموافقات: ج۴، ص۱۰)

امام اوزاعیؒ نے فرمایا تھا کہ الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب، یعنی کتاب اللہ کو سنت رسول کی زیادہ ضرورت ہے بہ نسبت اس بات کے کہ سنت رسول کتاب اللہ کی ضرورت محسوس کرے۔

امام شاطبیؒ نے امام اوزاعیؒ کے مذکورہ جملہ کی شرح ان الفاظ میں کی۔

لان الکتاب یکون محتملاً لامرین فاکثر فتاتی السنة بتعیین احدھما فیرجع السنة۔	اس لئے کہ قرآن کی آیات میں کبھی دو معنوں کا اور کبھی دو سے زیادہ کا احتمال ہوتا ہے۔ حدیث رسول ان میں سے کسی ایک کو متعین کردیتی ہے اور پھر یہ، وہی قرآن کی مراد تسلیم کی جاتی ہے

(الموافقات: ج۴، ص۱۰)

حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ علیك بالسنة فانھا شارحة للقرآن وموضحة لہ — تم پر سنت کی پیروی لازمی ہے کیونکہ وہ قرآن حکیم کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔

ان حقائق سے اندازہ ہوا کہ اللہ کی کتاب کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک آدمی رسول اللہ پر ایمان لانے کے بعد ان کی سنت کو برحق اور ان کی اطاعت کو ضروری نہ سمجھے۔ رسول کی سنتیں درحقیقت قرآن کی زندہ تشریحات ہیں جن سے بال برابر انحراف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قرآن سے منحرف ہو رہا ہے۔

لگے ہاتھوں یہ بات بھی پلہ باندھ لیجئے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم صرف شارح ہی نہیں تھے بلکہ شارع بھی۔ شارح اور شارع میں کافی فرق ہوتا ہے، شارح صرف ترجمانی کرتا ہے

لئے اس بات کا استحقاق نہیں ہوتا کہ وہ احکام و مسائل میں کچھ ترمیم و تنسیخ کرنے میں اناقہ و اضافہ کر سکے۔ جب کہ شارع کو اس بات کا اختیار حاصل رہتا ہے کہ وہ جس کام کو برا سمجھے اسے از خود ناجائز قرار دیدے، اور جسے اچھا سمجھے اس کی تحسین کردے اس سے قطع نظر کہ اس کام کا ذکر کتاب اللہ کے متن میں موجود ہے یا نہیں۔

قرآن حکیم کی آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تشریعی اختیارات حاصل تھے انھیں مختلف معاملات میں تحکیم و فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ وہ جس چیز کو حلال قرار دیدیا کرتے تھے وہ حلال ہی متصور کی جاتی تھی۔ اور جسے حرام کہہ دیا کرتے تھے اسے منجملہ حرام ہی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ	وہ (رسول) انھیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور وہ ان سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے، جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

(الاعراف)

اس آیت کے الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ یہ الفاظ بجائے خود اور بزبان خود یہ باور کرا دیتے ہیں کہ آنحضورؐ کو منجانب اللہ تشریعی اختیارات عطا کئے گئے تھے اور آپ کو مختلف معاملات میں تحکیم و تحدید اور تحلیل و تحریم کا حق حاصل تھا۔ یعنی جس چیز کو آنحضورؐ نے غلط قرار دیا ہے وہ اسی طرح غلط ہے۔ جس طرح وہ اشیاء غلط ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں غلط اور ناجائز بتایا ہے۔ اللہ اور رسول کے فرمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیزیں حرام اور اللہ کی حلال کردہ چیزیں حلال ہیں، بالکل اسی طرح رسول کی حرام کردہ چیزیں حرام اور اس کی حلال کردہ چیزیں حلال سمجھی جائیں گی۔

سورۂ حشر میں رسول کی تشریعی حیثیت کو دوسرے انداز

میں واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا۔

وَمَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	جو کچھ رسول تمہیں دے لے لیلو اور جس سے وہ تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

اللہ کا فرمان سمجھتے ہوئے اس آیت کو پڑھنے کے بعد کون ناسمجھ یہ کہنے کی جسارت کرے گا کہ ہم تو صرف انھیں چیزوں کو حرام سمجھیں گے، جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور اس کی جائز کردہ چیزوں کو جائز سمجھنے اور ماننے کے لیے ہم تیار نہیں۔

ان تفصیلات کا مقصد و ماحصل یہ ہے کہ آپ اپنی اس ذہنیت کو بدلیے کہ قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے اسے تو مان لیا جائے اور احادیث میں رسول نے جو فرمایا ہے، اسے نظرانداز کر دیا جائے۔ یہ ذہنیت بڑی خطرناک اور بڑی مہلک ہے۔ ایسی ذہنیت ایمان و عقیدہ کو ملیامیٹ و نابود کر سکتی ہے ایمان و اسلام خدا اور رسول کی مشترک اطاعت کو کہا جاتا ہے خدا کی اطاعت کرنے والے اگر رسول کی اطاعت کو کوئی اہمیت نہ دیں گے تو وہ مومن نہیں کہلا سکتے۔ اور ان کی اطاعت اطاعت نہیں نفس پرستی ٹھہرے گی۔ سنتِ رسول، ایمان و اسلام کا نصف حصہ ہے۔ سنتِ رسول کو نظرانداز کرنے کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایمان ابھی ناقص اور ناپختہ ہے۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں فرمایا تھا کہ :-

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔	میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری سنت رسول اللہ ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہم سب دونوں کی پیروی لازم ہے ان میں سے اگر کسی ایک کو بھی ترک کر دیا جائے گا تو پھر ضلالت و گمراہی سے دامن بچانا ممکن نہیں ہوگا۔ کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ہاتھ سے قرآن کو تھام لیا جائے، اور دوسرے ہاتھ سے سنتِ رسول کو۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ آگے چل کر کچھ لوگ ایسے ابھریں گے جن کا دعویٰ ہوگا کہ ہم قرآن کے متوالے ہیں اور قرآن کے ہوتے ہوئے رسول کی کسی سنت سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ایسے لوگوں کی گندی ذہنیت کا قلع قمع کرنے کے لیے آنحضور نے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا۔

الا انی اوتیت القرآن ومثله معه الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وانما حرم رسول اللّٰه کما حرم اللّٰه۔	جان رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی۔ خبردار ایسا نہ ہو کوئی پیٹ بھرا ہوا شخص اپنی مسند پر بیٹھا کہنے لگے کہ تم پر بس قرآن کی ہی پیروی لازم ہے۔ جو کچھ اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ۔ اس کو حرام سمجھو۔ حالانکہ جو کچھ خدا کا رسول حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا۔

قرون اولیٰ میں بھی بعض حضرات قرآن کے مقابلے میں حدیث کو کمتر تصور کرتے تھے اگر اربابِ فکر اس تصور کے پرخچے نہ اڑاتے تو دین بڑا کورا رہ جاتا اور بہت نقصان پہنچ جاتا۔ امام بیہقی رح نے اپنی سند سے شبیب بن نضالۃ المکی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ عمران بن حصین رض نے چند لوگوں کے سامنے شفاعت بیان کیا ایک شخص بولا، اے ابوالجنید تم ہمارے سامنے وہ حدیثیں بیان کرتے ہو جن کی اصل ہم کو قرآن میں نہیں ملتی۔ عمران یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور آپ نے اس شخص سے فرمایا! تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں!

" فرمایا" تم نے قرآن میں کہیں یہ پڑھا ہے کہ عشار کی فرض رکعتیں چار، مغرب کی تین، فجر کی دو، ظہر اور عصر کی چار چار ہیں ہو لا نہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا کیا ان سب رکعتوں کا علم تم نے ہم سے حاصل نہیں کیا اور کیا ہم نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سیکھا ہے۔ پھر عمران بن حصینؓ نے سوال کیا۔ کیا تمہیں قرآن میں کوئی ایسی آیت ملی ہے جس میں بتایا گیا ہو کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ کی اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ، اور اتنے دراہم میں ایک درہم زکوٰۃ کا ادا کرنا ہوگا۔ اس شخص نے کہا کہ نہیں۔ آپ بولے کہ کیا زکوٰۃ کی ان تمام مقادیر اور نصاب کا علم تم نے ہم سے اور ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سیکھا۔ اس کے بعد عمران نے فرمایا۔ " قرآن مجید میں ہے کہ۔ " وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ " تو کیا قرآن نے تم کو یہ بھی بتایا ہے کہ سات طواف کیا کرو اور اس سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت ادا کیا کرو۔ " پھر فرمایا " کہ کیا تم نے قرآن میں یہ بھی دیکھا ہے۔

لا جلب و لا جنب و لا شغار فی الاسلام — اسلام میں نہ جلب ہے، نہ جنب ہے اور نہ ہی شغار ہے[1]

" پھر فرمایا " کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ قرآن خود ہی کہتا ہے کہ: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ اس تقریر کے بعد عمرانؓ بولے، یہ اسلامی احکام جو عبادات و معاملات سے متعلق ہیں۔ سب کے سب ہم نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے لیے ہیں، اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں علم نہیں، حالانکہ تم قرآن مجید کی تلاوت برابر کرتے ہو۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرنِ اولی میں بھی بعض لوگ قرآن کے بمقابلہ حدیث اور سنتِ رسول کو اہمیت نہ دینے کی غلطی میں مبتلا تھے، لیکن خدا رحمتیں نازل کرے صحابہ کرام پر کہ انھوں نے اس خراب ذہنیت کا ستو بار ہا کیا اور دلائل و براہین سے یہ واضح کر دیا کہ سنتِ رسول اللہ بھی کتاب اللہ ہی جیسا درجہ رکھتی ہے۔ بلکہ کتاب اللہ سے کچھ زیادہ اس لیے کہ کتاب اللہ کو براہ راست رسول کے ماسوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے امت کے لیے سنتِ رسول پر نظر رکھنا زیادہ ضروری ہے بہ نسبت کتاب اللہ پر نظر رکھنے کے

آپ کے ذہن میں یہ اشکال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن کی آیات اور رسولؐ اللہ کی احادیث کو ایک درجہ دینا کیسے درست ہوگا، جب کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کے بقول ایک بشر ہی تھے۔ تو محترم اس بات کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کی بشریت میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن جس وقت آنحضورؐ ایک پیغمبر کی حیثیت سے بات کرتے تھے اور دین کے سلسلہ میں اپنی رائے دیا کرتے تھے، تو ان کی ہر بات اور ان کی ہر رائے سو فیصدی اس لائق ہوتی تھی کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ احادیث رسول، درحقیقت قرآن ہی کا ایک جز ہیں۔ اس لیے کہ آنحضورؐ نے اللہ کی مرضی و منشا کے بغیر کبھی دین کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولی۔ قرآن خود اس بات پر شاہد ہے۔ وہ کہتا ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔ — آنحضورؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے، بلکہ وہ نازل شدہ وحی ہوتی ہے۔

(النجم)

اور یہی وجہ ہے کہ علمار امت نے وحی کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ وحی متلو، اور وحی غیر متلو۔ قرآن حکیم کو وحی متلو سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ارشادات رسول کو غیر متلو سے۔ اگر وحی غیر متلو کا انکار کر دیا جائے، تو قرآن حکیم کی بعض آیات مضحکہ خیز نہیں تو عجوبہ فرور بن کر رہ جائیں گی۔ مثلاً قرآن حکیم کی ایک آیت ہے

[1] زکوٰۃ کی اصلاح میں جلب اور جنب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ کے مواشیوں اور زکوٰۃ کی رقم کے لیے مجبور کرے، اور شغار کے معنی یہ ہیں کہ اپنی بیٹی کا دوسرے کے بیٹے سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اپنی بیٹی اس کے بیٹے سے بیاہ دے۔ یہ دونوں ہی باتیں ممنوع ہیں۔ (تفہیم قرآن، ص ۸۳)

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ	جس قبلہ پر تم تھے اسے تو ہم نے قبلہ محض اس لئے مقرر کیا تھا کہ تاکہ ہم جان لیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

(البقرہ ع)

اس آیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قبلۂ اول بیت المقدس کو اللہ ہی نے قبلہ بنانے کا حکم دیا تھا اور حکم محض اس لئے دیا تھا کہ وہ اس بات کا امتحان لے سکے کہ کون اس کے رسول کا فرمانبردار ہے، اور کون نافرمان۔ سارا قرآن ٹٹول ڈالئے کہیں سے کوئی ایسی آیت ہاتھ نہیں لگے گی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی تاکید منجانب اللہ ہوئی تھی۔ اگر کوئی ایسی آیت قرآن میں موجود نہیں ہے، اور فی الواقع موجود نہیں ہے، تو پھر حاصل اس کے سوا اور کیا نکلے گا۔

کہ بعض ہدایتیں وحی متلو کے ذریعہ سے نہیں، وحی غیر متلو کے توسط نازل کی گئی تھیں۔

یا مثلاً سورۂ تحریم کی یہ آیت ملاحظہ کیجئے۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ	جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے راز میں ایک بات کہی پھر جب اس بیوی نے اس کی خبر دوسروں کو کردی تو اللہ نے نبی پر اس کو ظاہر کر دیا، نبی نے اس کا کچھ حصہ جتا دیا اور کچھ حصہ سے درگذر کیا۔ پس جب نبی نے اس بیوی کو اس کی خبر کی تو بیوی نے حیرت زدہ ہو کر کہا؛ آپ کو کس نے مطلع کیا۔ نبی نے جواب دیا مجھے مطلع کیا ہے خدائے علیم و خبیر نے۔

قرآن کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک سطر دیکھ جائیے کہیں بھی اس بات کا سراغ نہیں لگ سکے گا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع کب دی گئی تھی کہ ان کی فلاں بیوی نے ان کا فلاں راز افشا کر دیا ہے۔ غور و فکر کے بعد بجز اس کے نتیجہ کچھ بھی برآمد نہیں ہو سکے گا کہ آنحضور پر ایسی وحی بھی برابر نازل ہوتی رہتی تھی جس کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے اور اسی کو وحی غیر متلو سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رح نے فرمایا ہے کہ:۔

السنة ایضاً تنزل علیہ بالوحی کما ینزل بالقرآن الا انها لا یتلی کما یتلی القرآن۔	سنت بھی آپ پر وحی کے ذریعہ اتری، جس طرح کے قرآن نازل ہوا بس فرق اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور سنت وحدیث غیر متلو۔

(کلام نبوت)

امام حازمی ناسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں۔

السنة کان ینزل بها جبرئیل ولیعلمها رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نعنی التنزیل ما قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا کان ذالک باسناد ثبت عنہ۔	حضرت جبرئیل حدیث لے کر اترتے تھے اور آنحضرتؐ کو سکھاتے تھے پس رسول اللہ کا ہر وہ فرمان یا ہر وہ حدیث جو با سند و معتبر وہ بھی تنزیل میں داخل ہے۔

(ایضاً)

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارشادات جو صحیح اور قابل اعتماد سندوں سے ہم تک پہونچے ہیں، وہ سب وحی کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کا احترام ہمیں اس طرح کرنا چاہیئے، جس طرح ہم قرآن کے متن کا احترام کرتے ہیں، نیز آنحضورؐ کی حلال کردہ چیزوں کو جائز اور آپ کی حرام کردہ چیزوں کو اسی طرح ممنوع تصور کرنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ہم حرام اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک مسلّم اور یقینی بات ہے کہ دین و مذہب

کے معاملے میں آنحضورؐ نے کبھی اپنی مرضی سے زبان نہیں کھولی بلکہ جب اور جو کچھ فرمایا، اللہ کی نازل کردہ ہدایت و وحی کے بعد فرمایا۔ لہٰذا ایک صحیح العقیدہ شخص یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ آنحضورؐ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ جو رہنمائی کی ہے، اس میں غلطی اور لغزش کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے تو اس موضوع پر باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں فرمایا ہے کہ جب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات دریافت کی جاتی جس کے بارے میں آپ کو کچھ واقفیت نہ ہو تو آپ صاف صاف فرمادیتے کہ مجھے معلوم نہیں، یا آپ خاموش رہتے یہاں تک وحی نازل ہو جاتی۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ خاموش رہے یہاں تک کہ آیت نازل ہوتی۔ اور آپ نے بتایا کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

یہ روایت امام بخاریؒ نے نقل کی ہے اس سلسلہ کی ایک اور روایت بخاری میں موجود ہے، جس کے راوی جابرؓ ابن عبداللہ ہیں۔ انھوں نے بیان کیا ہے، کہ میں بیمار ہوا تو میرے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میری عیادت کیلئے تشریف لائے، دونوں پیدل ہی تشریف لائے تھے جس وقت وہ پہنچے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا پانی چھڑکنے سے میں ہوش میں آیا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں کس طرح اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ کروں، تو آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ خاموش ہی رہے یہاں تک کہ میراث کی آیت نازل ہوگئی۔

ان روایات صحیحہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ آنحضورؐ نے احکام و مسائل کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ درحقیقت اللہ ہی کا فرمودہ ہے اور اس پر "وحی الٰہی" کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن یہ کیا فرودسی ہے کہ امتِ مسلمہ کے اربوں، کھربوں انسانوں نے جن روایات کو صحیح اور قابل اعتماد جانا ہے۔ انھیں آپ بھی درست اور معتمد مان لیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ان روایات پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوں، اور آپ کا دعویٰ اب بھی یہی ہو کہ قرآن و حدیث میں فرق ہے۔ قرآن، حدیث کے مقابلے میں قابل اعتماد اور قابل حجت ہے۔ چلئے آپ کے دعویٰ کو درست ہی سمجھ لیا جائے۔ تو بھی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ناقابل اتباع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آپ کا دعویٰ صحیح مان لینے کے بعد بھی، یعنی ارشاداتِ رسول کو "وحی" نہ ماننے کے باوجود بھی بات جوں کی توں رہے گی، اور اس طرح بھی ثابت یہی ہوگا کہ نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کی ادائے گی کے سلسلے میں جو طریقے آنحضورؐ نے تجویز کیئے ہیں وہ سب کے سب صحیح ہیں ان میں خطاء و غلطی کا سرِ مو امکان نہیں ہے۔ اگر خدا نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اسی طرح جملہ فرائض و احکام کی ادائیگی کا طریقہ بتاتا تو بجز اس کے کچھ نہ ہوتا کہ وہ آنحضورؐ کی ثابت شدہ سنتوں کو اپنے الفاظ میں نقل کر دے۔ آپ نظر کی گہرائی کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کرکے دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اگر محمد مصطفےٰ سے زندگی میں کبھی کوئی معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چوک بھی ہوئی ہے تو باری تعالیٰ نے فوراً ہی انھیں متنبہ کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ بعض ازواج مطہرات کو خوش کرنے کے لئے آپ نے شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا تھا۔ لیکن باری تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ — اے نبی جس چیز کو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اسے اپنی بیویوں کی رضا جوئی کے لئے کیوں حرام کرتے ہو؟

اسی طرح کی ایک مثال اور پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ جب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ نے اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے حضرت زید کو طلاق سے روکنے کی کوشش کی باوجود اس بات کے کہ حق تعالےٰ انھیں اس بات کا اشارہ

کر چکے تھے، کہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیں گے اور طلاق کے بعد زینبؓ آپ کے ازواج میں شامل ہو جائیں گی، دراصل آپ لوگوں کے الزامات لگانے سے خائف تھے، آپ کو اندیشہ تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد جب وہ میرے نکاح میں آئیں گی تو لوگ کیچڑ اچھالیں گے۔ کہ دیکھو محمدؐ نے کس طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی رچالی ہے۔ دراصل دورِ جاہلیت میں منہ بولے "پالک" کی بیوی سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح آج بھی ہندو مت میں لے پالک کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کے برابر قیاس کیا جاتا ہے اور اس سے مطلقہ یا بیوہ ہونے کے بعد نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔ بہرحال آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ زینبؓ ان کے نکاح میں داخل ہوں گی، لیکن آپ الزام واتہام سے بچنے کے لئے زیدؓ کو اس بات کی تاکید کرتے ہے کہ وہ زینبؓ کو طلاق دینے سے گریز کریں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ۔

اے نبیؐ! یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا تھا اور جس پر تم نے بھی احسان کیا تھا، کہہ رہے تھے اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اسے طلاق نہ دو اور اللہ سے ڈرو دراصل تم اپنے جی میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ کھولنے والا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس قسم کی اور بھی کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں، جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی سہو ہوا تو فوراً ہی بذریعہ وحی تنبیہ کر دی گئی۔ اور اس طرح آپ کو اس سے رجوع کرلینے کا موقعہ مل گیا۔ یہ آیات پیش کرنیکا مقصد یہ تھا کہ جب اس معمولی چوک پر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کر دیا جاتا تھا۔ جو اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتی تھی

تو ان غلطیوں کو مشیت کیسے گوارہ کرسکتی تھی، جو عام احکام ومسائل سے تعلق رکھتی تھیں اور جن کی وجہ سے پوری قوم گمراہی کی دلدل میں پھنس سکتی تھی۔ نماز پڑھنے کا طریقہ نماز کی رکعات کا تعین۔ زکوٰۃ میں نصاب کی حد، وغیرہ جیسی چیزوں میں اگر رسولِ خدا سے کوئی غلطی ہوتی تو اسی وقت انھیں مطلع کیا جاتا۔ جس طرح معمولی اور محدود قسم کے سہو پر انھیں مطلع کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ ان سے رجوع کرلیں اور ان کی عصمت برقرار رہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے سہو کی وجہ سے امت کسی مستقلاً غلط راہ وروی میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ سنتِ رسول کے مستند ومعتمد ہونے پر ایک عقلی دلیل اور بھی پیش کی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں بذریعہ وحی یہ اعلان کر دیا گیا کہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (آج ہم نے تم پر تمہارے دین کو مکمل کر دیا) اور اس طرح ہم نے تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔

اس آیت میں دِينَكُمْ کا لفظ بجائے خود یہ شہادت دیتا ہے کہ حق تعالےٰ کے نزدیک دین صرف مجموعۂ قرآن کا نام نہیں، اگر صرف مجموعۂ قرآن ہی مکمل دین ہوتا تو پھر دِينَكُمْ کا لفظ استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ سیدھے سادے لفظوں میں یوں فرمایا جاتا۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ كِتَابَكُمْ یا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ قُرْآنَكُمْ۔ آج ہم نے تم پر تمہارا قرآن مکمل کر دیا۔ کتاب اور قرآن کے بجائے لفظ دین کا استعمال ایک لطیف سا اشارہ ہے، اس بات کی طرف کہ دین مجموعۂ قرآن کو نہیں کہتے بلکہ دین کہا جاتا ہے اس مذہب کو جو قرآن اور سنتِ رسول سے مستنبط ہو۔ اگر لفظ دین سے قرآن اور کتاب ہی مراد لے لی جائے تو پھر حق تعالےٰ کا یہ دعویٰ کہ آج دین مکمل کر دیا گیا۔ اربابِ فکر کے لئے سوالیہ نشان بن کر رہ جائے گا اور دل ودماغ کی سطح پر یہ اشکالات کلبلانے لگیں گے کہ کیسی تکمیل ہے جس میں ہر مسئلہ اور ہر پہلو ادھورا اور تشنہ محسوس ہوتا ہے۔

قرآن میں جابجا نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن نماز قائم کرنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا کہ آیا نماز قائم کس طرح ہوتی

ہے۔ کہ بیت اللہ میں طواف کی تاکید کی گئی۔ لیکن یہ وضاحت، پورے قرآن میں کہیں نہیں کی گئی۔ کہ طواف میں کتنے چکر کاٹے جائیں اور ابتدا کہاں سے ہو۔

قرآن حکیم ہی میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ چور خواہ عورت ہو یا مرد، لیکن کسی پارہ اور کسی سورت میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ ہاتھ کونسا کاٹا جائے کتنی مقدار میں کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے

مطلقہ عورتوں کے بارے میں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ تین "قروء" تک انتظار کریں اور اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہیں لیکن اس کی صراحت پورے قرآن میں کہیں نظر نہیں آتی کہ "قروء" سے مراد کیا چیز ہے۔ طہر یا حیض

"ربوٰا" کو حرام کردیا گیا، لیکن یہ تشریح نہیں کی کہ ربوا سے کیا چیز مراد لی گئی ہے۔ وغیرہ۔

ان ادھوری اور وضاحت طلب باتوں کی موجودگی میں یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل کردیا ہے۔ آخر یہ کیسی تکمیل اور کیسا اکمال ہے کہ ہر مسئلہ ادھورا اور تشریح و ترجمانی کا محتاج ہے

محترم اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم دین صرف قرآن کو نہ سمجھیں بلکہ قرآن و حدیث کے مشترکہ مجموعہ کو دین تصور کرلیں اس کے بعد کوئی اشکال اور تردد باقی نہیں رہتا۔ احادیث اور سنّتِ رسول کو دین ہی کا ایک حصہ تصور کر لینے کے بعد حق تعالےٰ کا یہ دعویٰ برحق اور مبنی صداقت لگنے لگتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا، اور سنت رسول نے نماز قائم کرنے کا طریقہ بتادیا۔ اس طرح بات مکمل ہوگئی۔ حق تعالےٰ نے فرمایا کہ طلاق شدہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قروء کی وضاحت کردی کہ قروء سے مراد حیض ہے اور اس طرح ایک تشریح طلب بات رنگِ وضاحت سے ملوّن ہوگئی۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔ کہ

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

قرآن میں کہیں اس بات کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ تیمم سے صرف وضو ہی کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے یا غسل کی بھی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، لیکن حدیث رسول ؐ نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ تیمم صرف وضو ہی کا نہیں بلکہ غسل کا قائم مقام بھی ہوسکتا ہے۔ پانی مہیا نہ ہو یا پانی تو موجود ہو لیکن آدمی بیمار ہو یا آدمی بیمار نہ ہو لیکن نہانے سے بیمار ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو، تو ایسی صورتوں میں، غسل کے بجائے تیمم پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ اگر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم وضاحت نہ کرتے تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ تیمم وضو ہی کی نہیں غسل کی نیابت بھی کرسکتا ہے۔

قرآن میں اس بات کی وضاحت بھی نظر نہیں آتی کہ وضو اور غسل کے تیمم میں کوئی فرق کیا جائے گا یا نہیں قرآن میں تو بس یہ فرمایا گیا ہے فامسحوا بوجوھکم وایدیکم مسح کرلو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کا۔ چونکہ اس میں کسی قسم کی وضاحت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا بعض صحابۂ کرام غلط فہمی میں مبتلا ہونے پر مجبور ہوئے اور وہ انھوں نے یہ تصور کیا کہ غسل کا تیمم وضو کے تیمم کے مقابلہ میں تھوڑا تفصیلی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کو دوران سفر میں غسل کی حاجت درپیش ہوئی، اور پانی ندارد تھا۔ آپ نے کپڑے اتار کر مٹی میں لوٹنا شروع کردیا۔ یہ اطلاع جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ملی تو پھر اس وقت آپؐ نے اس بات کی وضاحت کی۔ کہ وضو اور غسل کا تیمم ایک طرح ہوتا ہے دونوں کے مابین اجمال و تفصیل کا کوئی فرق باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنن اور ان کی احادیث ....

کو ناقابل اعتماد قرار دے دیا جائے تو پھر تیمم جیسے اَنگنت مبہم مسائل پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ یہاں آکر عقل عامہ یہ کہنے پر مجبور ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو دین کا نصف حصہ سمجھنا ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر دین اسلام کے بارے میں مکمل ہونے کا دعویٰ غلط

ہی ہو گا تکمیل دین کا دعویٰ تو اس وقت درست ہو سکتا ہے جب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنن اور ان کے اقوال طیبہ کو قرآن کے قائم مقام سمجھا جائے۔

یہ مفروضہ ہم نے اس لئے کی ہے کہ اگر ہم آپکے کسی سوال کا جواب دیتے وقت بطور استشہاد حدیث رسول پیش کریں تو آپ کے لئے یہ کہہ کر منحرف ہونے کا موقعہ نہ رہے کہ میں تو دین و شریعت کے معاملہ صرف قرآن کو معتبر سمجھتا ہوں۔ سنت و حدیث کو نہیں۔

آئیے اب آپ کے سوالوں پر بھی ایک نظر ڈال لیں آپ نے اوقات نماز کے بارے میں یہ معلوم کیا ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کردہ ہیں یا آنحضورؐ نے از خود ان کا تقرر فرمایا ہے۔ اس قسم کی الٹی سیدھی الجھنیں آپ کے دل و دماغ میں اس لئے بھی پیدا ہوتی ہیں کہ قرآن حکیم کے ترجمہ و تفسیر دیکھنے کی آپ نے کبھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اگر آپ نے قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی ہوتی تو پھر اس استفسار کی نوبت نہیں آسکتی تھی کہ نماز کے اوقات آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ ہیں یا خود اللہ تعالےٰ نے ان کا تعین کیا ہے

ذرا قرآن اٹھا کر پندرہواں سپارہ کھولئے وہاں آپکو یہ آیت نظر آئے گی۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ

نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور فجر کے وقت قرآن پڑھو

اس آیت سے اتنی بات مترشح ہو جاتی ہے کہ ایک نماز تو علی الصبح پڑھنی چاہیئے اور باقی نمازیں زوال کے بعد سے رات کے تاریک ہو جانے تک ادا کر لینی چاہیئے جس میں ظہر، عصر، اور مغرب و عشاء سب نمازیں آجاتی ہیں۔

قرآن الفجر کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرآن پڑھا جائے۔ گویا اس سے مراد یہ ہے کہ صبح کو نماز پڑھی جائے اور اس میں بالخصوص قراءت لمبی کی جائے۔

اس آیت کے علاوہ قرآن میں اور دوسری آیات ایسی موجود ہیں جن میں نمازوں کے اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے مثلاً فرمایا گیا۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ‏۔

پس تسبیح کرو تم اللہ کی جب کہ تم شام کرتے ہو، پھر اس وقت جبکہ تم صبح کرتے ہو اور تعریف اسی کے لئے ہے۔ آسمان اور زمینوں میں (اور تسبیح کرو) تیسرے پہر اور اس وقت جب کہ تم پر دوپہر کا وقت آتا ہے۔

(سورۂ روم)

اس آیت میں نماز کے چار اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فجر، مغرب، عصر، اور ظہر۔

پہلی آیت میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف یہ بات سمجھانے پر اکتفا کیا گیا تھا کہ ایک نماز تو صبح کو ادا کی جائے اور بقیہ چار نمازیں زوال کے بعد سے رات کے تاریک ہو جانے تک ادا کر لی جائیں۔ لیکن اس آیت میں ان باتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ زوال کے بعد وہ کونسے اوقات ہیں جن میں نماز ادا کی جانی چاہیئے۔ اس آیت میں عشاء کے وقت کا ذکر نہیں ہے۔ عشاء کی نماز کا ذکر دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ‌ؕ

نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات گزر جانے پر۔

(سورۂ ہود)

دن کی دو حدیں ہوتی ہیں۔ ایک حد تو وہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے، یعنی صبح کا وقت۔ اور ایک حد وہ ہے جب سورج ڈھلنا شروع ہوتا ہے، یعنی زوال کا وقت۔ اس آیت میں دن کے دونوں کناروں سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اولاً تو نماز صبح کو پڑھی جائے۔ اور پھر زوال کے فوراً بعد۔ اور پھر رات کا کچھ حصہ گزر جانے پر یعنی عشاء کے وقت۔ اس آیت میں عصر اور مغرب کی نمازوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو آیتیں ہم نے نقل کی ہیں ان میں عصر اور مغرب کا ذکر قدرے صراحت کیساتھ موجود تھا ایسے بعض حضرات کا کہنا یہ بھی ہے کہ شروع میں صرف تین ہی نمازیں

فرض تھیں، فجر، ظہر اور عشاء۔ اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی

لیجئے! اب آپ ایک ایسی آیت ملاحظہ کیجئے جس میں نماز کے پانچوں وقت کا اشارہ موجود ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	اللہ کی تسبیح کرو سورج نکلنے اور
قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ	اس کے غروب ہونے سے
غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ	پہلے اور رات کے کچھ حصوں
اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ	میں اور ان کے کناروں پر
النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ	

سورۂ طٰہٰ

سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کا وقت ہوتا ہے سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ دن کے کناروں پر فجر اور ظہر کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں، وقت فجر کو اس آیت میں بالتکرار بیان کیا گیا ہے۔ رات کے حصوں میں دو نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ ایک مغرب اور دوسری عشاء۔

محترم یہ ہیں وہ آیات جن کے ہوتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ نماز کے اوقات منجانب اللہ متعین نہیں ہوئے، بلکہ آنحضور نے خود ہی ان کا اختراع کر لیا ہے۔ اگر ان اوقات کی نشاندہی قرآن میں موجود نہ ہوتی تب بھی ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم ان اوقات میں نماز پڑھنے کو ضروری سمجھیں، جن اوقات میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی نمازیں ادا کی ہیں۔ آخر یہ کیسے مان لیا جاتا کہ پیغمبر خدا اپنی نبوت کے ۲۳ سالوں میں غلط اوقات میں نمازیں ادا کرتا رہا۔ اور خدا نے کوئی تنبیہ نہیں کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضور نے شریعت کے سلسلہ میں جب کوئی راہ متعین کی ہے وہ خداداد تدبر و فراست اور پیغمبرانہ بصیرت کی وجہ سے درست ہی ثابت ہوئی ہے۔ اور کتنے ہی معاملات میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے افعال کی توثیق خدا کرتا رہا ہے، اور جہاں اللہ تعالےٰ خاموش ہو گئے ہیں، یعنی حضور کے کسی فعل کی بذریعہ وحی نہ توثیق کی گئی اور نہ ہی انھیں متنبہ کیا گیا، تو وہاں اللہ تعالےٰ کی خاموشی

بجائے خود اس بات کی علامت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ لیا ہے، وہ درست اور ان کی امت کے لئے قابل تقلید ہے بہر حال اوقات نماز کے سلسلہ میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مختلف انداز میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ لیل و نہار کی فلاں فلاں ساعتوں میں نماز قائم کی جائے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ان اوقات میں نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روش پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا انھوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان ہی، اوقات میں نماز پڑھ کر یہ بتلا دیا کہ اقامت نماز کے سلسلہ میں آپ کا طریقہ بالکل درست اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ چنانچہ ترمذی میں عبد اللہ ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

> جبرئیلؑ نے دو مرتبہ مجھ کو...... بیت اللہ کے قریب نماز پڑھائی۔ پہلے دن ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جب کہ سورج ابھی ڈھلا ہی تھا اور سایہ ایک جوتی کے تسمہ سے زیادہ دراز نہ تھا، پھر عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے اپنے قد کے برابر تھا۔ پھر مغرب کی نماز ٹھیک اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھائی اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، دوسرے دن انھوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دوگنا ہو گیا اور مغرب کی نماز اس وقت جب کہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے پر اور فجر کی نماز

اچھی طرح روشنی پھیل جانے پر۔ پھر جبرئیل ؑ
نے پلٹ کر مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ یہی اوقات
انبیاء کے نماز پڑھنے کے ہیں۔

اب کسی کے لیے اعتراض و انکار کرنے کی گنجائش نہیں قرآن حکیم کی منقولہ آیات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد کوئی مسلمان یہ کہنے کی جسارت کیسے کرسکتا ہے کہ نماز کے اوقات آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے متعین کر لیے ہیں اور ان کا ثبوت قرآن میں موجود نہیں ہے۔ اوقات نماز کے سلسلے میں قرآن سے دلائل پیش کرنے کے بعد اور پچھلی گفتگو میں یہ ثابت کر دینے کے بعد کہ از روئے شرع حدیث رسول اور سنّتِ رسول کی حیثیت فرمانِ خداوندی سے کسی درجہ کم نہیں ہے، اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ آپ کے باقی سوالوں کے سلسلے میں قرآن حکیم ہی سے دلائل پیش کیے جائیں۔ اگر آپ اب بھی یہی چاہیں گے کہ مسائل شرعیہ کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے صرف قرآن ہی کا متن پیش کیا جائے تو پھر آپ کو سمجھانا ہمارے اختیار سے بالاتر ہوگا۔ ویسے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اب آپ بالکل مطمئن ہو چکے ہوں گے اور آپ کے ذہن کی گہرائی میں یہ بات اتر چکی ہوگی کہ امور شرعیہ میں حدیث رسول بھی بالکل اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن کریم کی آیات حجت کہلاتی ہیں۔ لہٰذا تعداد رکعات کے بارے میں ہمارا بس یہی کہہ دینا کافی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح نمازیں ادا کی ہیں جس طرح ہم نے اپنے بزرگوں اور رہنماؤں کو پڑھتے دیکھا ہے۔ فجر میں دو رکعت نماز کا پڑھنا فرض ہے۔ ظہر میں چار رکعت۔ عصر میں چار رکعت مغرب میں تین اور عشاء میں چار رکعات کا پڑھنا منجملہ فرائض ہے۔ عشاء میں تین رکعات وتر کا پڑھنا واجب۔ فرض اور واجب میں بہت معمولی فرق ہوتا ہے۔ عملاً دونوں ایک ہی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ دونوں کے ترک سے فسق اور انکار کر لینے سے کفر لازم آجاتا ہے۔

باقی نماز دو فرائض کے آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں، وہ سنتیں اور نفلیں کہلاتی ہیں۔ سنتیں بھی دو طرح کی ہوتی ہیں، موکدہ اور غیر موکدہ۔ موکدہ سنتیں وہ کہلاتی ہیں، جنھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھا ہو اور دوسروں کو پڑھنے کی تاکید کی ہو ان سنتوں کو غیر موکدہ کہا جاتا ہے کہ جنھیں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی پڑھا ہے

فجر کی نماز سے پہلے، ظہر کی نماز سے پہلے، ظہر کی نماز کے بعد، مغرب کی نماز کے بعد، عشاء کی نماز کے بعد جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں، یہ سب موکدہ ہیں ان میں کسی ایک وقت کی سنّت بغیر کسی عذر کے چھوڑ دینا، گناہ ہے۔ بعض سنتیں وہ ہیں جنھیں پڑھنے پر ثواب ملتا ہے، نہ پڑھنے پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔ یہ وہی سنتیں ہیں جنھیں غیر موکدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور عشاء کے فرضوں سے پہلے جو چار رکعات پڑھی جاتی ہیں، یہ غیر موکدہ ہیں۔ ان کا مستقل پڑھنا ضروری نہیں تاہم سنّت رسول کا لحاظ کرتے ہوئے کبھی کبھی ضرور پڑھ لینی چاہیں رہا نفلوں کا معاملہ تو نفلوں کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔ نفلیں آپ ہر نماز کے بعد ماسوا عصر اور فجر کے، جتنی ہمت اور توفیق ہو پڑھیے۔ ہزار بھی پڑھ لیجیے تو کوئی پابندی نہیں بنماز کے بعد کی بھی کوئی قید نہیں۔ اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ کسی بھی وقت نفلیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ جتنی پڑھی جائیں گی اتنا ثواب مل جائے گا لیکن مستحب یہ ہے کہ ظہر کے فرض اور سنتوں سے فراغت کے بعد دو مغرب کے بعد دو عشاء کی نماز کے بعد چار دو وتروں سے قبل اور دو وتروں کے بعد پڑھی جائیں۔ انکے علاوہ کچھ اور نفلیں اور سنتیں ہیں جن کا پڑھنا ثواب اور خدائے ذوالجلال کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اور نہ پڑھنے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا

ہمیں حیرت ہے کہ یہ بات آپ نے کیا سمجھ کر کہہ دی کہ نماز تو بس نماز ہی ہے۔ اس میں فرض و سنت اور نفل وغیرہ نفل کی تفریق کیوں؟ آپ کے اس جملہ سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آپ فرض و سنّت اور نفل کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ آپ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ فرض کسے کہتے ہیں، سنّت کسے کہتے ہیں اور نفل کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔ فرض و سنّت کے سلسلے میں ناواقفیت کی وجہ ہی سے یہ بات بھی آپ کے ذہن میں ابھری ہے کہ نماز تو صرف اللہ کے لیے پڑھنی چاہیئے نہ کہ

رسول وغیرہ کے لیے۔

میرے قابل احترام بھائی نماز تو صرف اللہ ہی کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا کوئی صاحب ایمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تمام عبادتیں اللہ ہی کے لیے کی جاتی ہیں تمام نمازوں کی نیت بایں الفاظ باندھی جاتی ہے کہ یہ نماز اللہ کے لیے پڑھ رہے ہیں۔ فرض و سنت میں فرق بس یہ ہے کہ نماز اللہ تعالےٰ کے حکم کی وجہ سے نفل وغیرہ سنت رسول ہونے کی بنا پر اور اللہ کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ اس بات کو ایک سیدھی سادی مثال کے ذریعہ یوں سمجھئے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ روزانہ اس کے کمرے میں جھاڑو لگایا کرے لڑکی فرماں بردار تھی اس نے تعمیلاً اپنے باپ کے کمرے میں صفائی کرنی شروع کردی اور اسے روز مرّہ کا معمول بنالیا، پھر اسے خیال ہوا کہ کمرے میں صفائی کرنے کے ساتھ ساتھ برآمدے میں بھی جھاڑو دے دینی چاہیئے اس لئے کہ اس کی والدہ کا یہ معمول تھا کہ جب کمرے میں صفائی کرتی تھیں تو معاً برآمدے میں بھی جھاڑو لگایا کرتی تھیں لڑکی کو اس بات کا احساس بھی تھا کہ اس کے والد اس کی والدہ کو بہت چاہتے تھے اور اپنے ہر اس بچہ کو محبت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، جو ان کی بیوی کی خصوصیات اپنانے کی کوشش کرے۔ گویا کہ لڑکی کو برآمدے میں صفائی کردینے کے تین فائدے محسوس ہوئے اولاً برآمدہ صاف ہوگیا، ثانیاً والدہ کی تقلید ہوگئی، ثالثاً والدہ کی تقلید کی وجہ سے والد کی مزید خوشنودی اور محبت حاصل ہوگی۔

پھر لڑکی کو اس بات کا خیال ہوا کہ چونکہ صفائی میرے والد کو انتہائی مرغوب و محبوب ہے لہٰذا کمرے اور برآمدے کے ساتھ ساتھ صحن بھی صاف کردینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے کبھی کبھی صحن میں جھاڑو لگادینے کو اپنا معمول بنالیا۔ اب زید نام کے کسی شخص نے اس لڑکی پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے باپ نے تو صرف کمرہ صاف کرنے کا حکم دیا تھا برآمدہ وغیرہ کی صفائی کرکے تم کیوں اپنا وقت ضائع کررہی ہو تو آپ ہی بتائیے کہ کیا زید کا یہ اعتراض کرنا درست ہے کہ تم حکم سے زائد پر عمل کرکے ایک طرح کی نافرمانی میں مبتلا ہوکر اپنے وقت کا ایضاع کررہی ہو؟ ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے تو پھر آپ کا یہ اعتراض کیسے درست تسلیم کرلیا جائے گا کہ نماز تو بس نماز ہے۔ اسے مختلف قسموں میں کیوں منقسم کردیا گیا ہے۔

فرض نماز اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ اللہ کا حکم ہے سنتیں اس لیے پڑھی جاتی ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کو پڑھنے کے عادی تھے، نفلیں پڑھنے کا اہتمام اس لئے کیا جاتا ہے کہ جب پروردگار کو نماز کا عمل انتہائی پسند ہے تو پھر کیوں یہ عمل زندگی میں زیادہ سے زیادہ کیا جائے، اور کیوں نہ زیادہ سے زیادہ اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اقسام نماز پر جس قسم کا اعتراض آپ نے جھاڑ دیا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات تو عبادات کی جملہ قسموں پر عائد کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً۔ انفاق فی سبیل اللہ ہی کو لیجیے اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔ فرض تو یہ ہے کہ اگر صاحب استطاعت ہو تو، سال میں ایک بار اپنے سرمائے کا چالیسواں حصّہ اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔ لیکن اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے فی سبیل اللہ مختلف انداز میں اپنا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے اور اس کی ترغیب و تلقین، قرآن و احادیث میں موجود ہے گویا کہ اگر کوئی صاحب نصاب شخص اپنے کل سرمائے کا چالیسواں حصّہ بطور زکوٰۃ نکال دے اور پھر سال بھر تک کوئی پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے تو وہ گناہگار کہلانے کا مستحق نہیں۔ فرض کی ادائے گی وہ کرہی چکا ہے۔ لیکن اگر کوئی مزید خوشنودی رب حاصل کرنے کی غرض سے صدقہ و خیرات، بیواؤں اور یتیموں کی مدد، اسلامی اداروں کی معاونت، اڑوس پڑوس پر اپنا روپیہ صرف کرنے کو اپنا معمول بنالے تو اسے یقیناً ثواب ملے گا۔ اور پروردگار کی مزید خوشنودی حاصل ہوگی۔ تو آپ یہاں یہ اعتراض کیوں نہیں کرتے کہ زکوٰۃ تو بس زکوٰۃ ہی ہے۔ اس کی یہ قسمیں کیوں کہ یہ زکوٰۃ ہے، یہ فطرہ ہے، یہ صدقہ ہے اور یہ خیرات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے اس

سلسلے میں غور و فکر کرنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی ہے ورنہ اس قسم کا لچر اعتراض کہ جس کے لفظ لفظ سے ناواقفیت و نادانی کی بو آرہی ہو، آپ کے قلم سے خارج نہیں ہو سکتا تھا فجر کی سنتوں کے سلسلہ میں جو رویہ آپنے اختیار کیا ہے، وہ بھی غلط اور غیر محمود ہے۔ اگر آپ کو فجر کی سنتوں کے مقام اور ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تو آپ وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے جس حرکت کا مظاہرہ آپ کر چکے ہیں۔ فجر کی سنتیں کس قدر اہم ہیں اس کا اندازہ صرف ایک روایت ہی سے ہوجاتا ہے جسے امام مسلم نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔

قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ فجر کی دو سنتیں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

ایک روایت میں ان کی اہمیت کو دلوں میں اتارنے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ فجر کی سنتیں تم ضرور پڑھو چاہے تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ دشمن کے گھوڑے تمہیں روند ڈالیں گے ایسی اہم سنتوں کو آپنے محض ضد بازی کی وجہ سے ترک کر دیا ہے جو یقیناً گناہ اور خسارہ کی بات ہے۔

فجر کی سنتوں کا فرض سے پہلے ہی پڑھنا مسنون ہے اسی لئے آپ کے علاقہ کے لوگ صراط مستقیم پر گامزن ہیں البتہ آپنے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر کے اپنی نادانی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ خدا آپ کی اصلاح فرمائے

درود کے بارے میں آپنے جو کچھ اظہار خیال فرمایا ہے اسے پڑھ کر حیرت ہوئی۔ خدا ہی جانے آپ کیسے پیر دستگیر ہیں آپکو یہ تک معلوم نہیں کہ دعا اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے میں فرق ہے۔ درود شریف کو خود ستائش پر محمول کرنا فقدان علم کی علامت ہے اپنی تعریف اس وقت ہوتی جب حضورؐ یہ فرماتے کہ میں ایسا ہوں اور میں نے فلاں فلاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ میرا یہ مقام ہے اور میرا یہ مرتبہ ہے۔ اگر آپ ایسا فرماتے تو بھی غلط اور خلاف حقیقت نہ ہوتا آپ خدا کے بعد سب سے زیادہ عظیم ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی زبان سے کبھی اپنی تعریف نہیں کی، اپنی عظمت و رفعت کو کبھی اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ درود تو ایک قسم کی دعا ہے اور دعا کی ضرورت نبی اور غیر نبی بھی محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے حضور نے درود کی تاکید کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو درود نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کا فائدہ درود بھیجنے والے کو بھی ہوتا ہے۔ درود کے الفاظ یہی تو ہیں۔ اے اللہ محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور محمدؐ کی اولاد پر رحمت فرما، جس طرح تونے ابراہیمؑ پر اور ان کی اولاد پر اپنا کرم فرمایا تھا۔ اولاد سے مراد آنحضورؐ کے اہل خانہ نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ ہے۔ تمام مسلمان حضورؐ کی معنوی اولاد ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضورؐ نے جس دعا کی تلقین و تاکید کی ہے اس کا فائدہ صرف حضورؐ ہی کو پہونچتا ہے۔

بس جواب کافی طویل ہوگیا اس شعر پر ہم قلم کو روک لیتے ہیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

جاہلانہ باتیں۔

سوال ۲۸ ازعبدالسلام۔ مظفرپور۔

یہاں پیری مریدی کے سلسلے میں یہ بات بہت زور شور سے پھیلائی جارہی ہے کہ بلا کسی پیر سے بیعت کرائے اگر کوئی شخص مرجائے تو اس کی مغفرت نہیں ہوسکتی اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس حلقہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ، امام غزالیؒ، اور مولانا ذکریا صاحب نے اپنی کتابوں میں ایسی باتیں لکھی ہیں۔ جب ان لوگوں سے مطالبہ کیا گیا کہ کس کتاب میں ان بزرگوں نے یہ باتیں لکھی ہیں آپ لوگ ثبوت پیش کیجئے تو وہ صرف

زبانی بیان دے کر کنارے ہو جاتے ہیں۔ اب براہِ کرم آپ بتائیں کہ پیری مریدی کے سلسلے میں اصولی طور پر شریعت کا کیا حکم ہے اور مذکورہ بالا بزرگوں کا کوئی قول اگر اس کی تائید میں ہے تو اسکی کیا حقیقت ہے۔

جوابؔ ۲:۔

نفس کی اصلاح اور ایمان میں پختگی پیدا کرنے کے لیے پیری، مریدی کا سلسلہ یقیناً مفید ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ شرعی حدبندیوں سے متجاوز نہ ہو۔

لیکن کسی بھی شخص کا یہ فرمانا کہ پیری مریدی منجملہ فرائض ہے اور جو شخص کسی پیر سے بیعت ہوئے بغیر مر جائے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مولانا ذکریا اور امام غزالی جیسے حضرات ایسی غلطیات زبان سے نہیں نکال سکتے کہ بیعت کے بغیر مسلمانوں کی مغفرت ہو ہی نہیں سکتی۔

اور اگر فی الواقعہ مذکورہ بزرگوں نے ایسا فرمایا ہے تو اسے قابل التفات تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ایسی باتوں کو قابل التفات تصور کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ جیسے لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو یقیناً کسی بزرگ سے بیعت نہیں تھے اور اسی طرح وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کیا ایسے لوگ بیعت نہ ہونے کی پاداش میں جہنمی قرار پائیں گے۔ لاحول ولا قوۃ۔ پیری مریدی کے اندھے عاشقوں کو زبان کھولتے وقت یہ سوچ لینا چاہیئے کہ ان کی بکواس کی زد میں کیسے کیسے جلیل القدر لوگ آجاتے ہیں۔

زنا کا کفارہ

سوال ۳:۔ از محمد شریف، وزیر آباد

کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ ایک عرصہ تک زنا کرتا رہے۔ پھر اس عورت سے نکاح کر لے تو کیا وہ زنا کے وبال سے بچ سکتا ہے۔ اگر نہیں تو اس کو اس گناہ کا کفارہ کس طرح ادا کرنا چاہیئے۔ قرآن اور حدیث کی رو سے جواب مرحمت فرمائیں۔

جوابؔ ۳:۔

مرد اور عورت دونوں اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہیں اور آئندہ زنا جیسے بھیانک جرم کے قریب نہ جانے کا پختہ عہد کریں۔ اس سے بڑا کفارہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنی پچھلی خطاؤں کو ترک کر کے ہمیشہ کے لیے ان کے قریب نہ جانیکا تہیہ کر لے۔

اسلامی قانون کا نفاذ ہو تو ایسے لوگوں کو اسلامی عدالتوں سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ جس طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں ہوتا تھا کہ بھول ہو جانے پر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلیفۂ وقت سے رجوع کرتے تھے اور دنیا کی سزا کو آخرت کی سزا پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

زنا یقیناً ایک بھیانک اور مہلک گناہ ہے خواہ زندگی میں ایک ہی مرتبہ سرزد ہوا ہو۔ ایسے گناہ کا ارتکاب بار بار اور پے در پے کرنا تو اور بھی تباہ کن ہے۔ اللہ ایسی غلطی کرنے والوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کے لیے اس سے احتراز کرنے کی توفیق بخشے۔

نماز کے ساتھ کھلواڑ

سوال ۴:۔ ایضاً

یہاں پر لوگ اکثر مساجد میں جب ہم نماز کیلئے جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بغیر ہاتھ باندھے ہوئے نماز پڑھتے ہیں اور سر بھی کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور نماز اتنی جلدی پڑھتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں۔ سورہ فاتحہ بھی شاید پوری طرح ہم نہیں پڑھ پاتے وہ لوگ رکوع اور سجود سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ کیا اس طرح نماز صحیح ادا ہوتی ہے۔

جوابؑ :-

لادب کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نماز ٹوپی اوڑھ کر پڑھی جائے۔ لیکن اگر کچھ لوگوں کے نزدیک ادب ضروری نہ ہو تو خیر نماز تو بغیر ٹوپی کے بھی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن ہاتھ باندھے بغیر نماز پڑھنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان ہی سے معلوم کرنا چاہیئے کہ انھوں نے کن لوگوں کا مسلک اپنا رکھا ہے۔

جلدی جلدی نماز پڑھنا نماز کے ساتھ مذاق اور کھلواڑ کرنے کے مترادف ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاحب نے اس طرح نماز ادا کی تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ تم نماز پھر پڑھو ابھی تمہاری نماز نہیں ہوئی اور اس کے بعد آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ پھر صراحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک ایک رکن کو اچھی طرح اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے

جو لوگ انسرٹ نماز پڑھتے یعنی کسی بھی رکن کو کما حقہٗ ادا نہیں کر پاتے۔ ان کی نماز خدا قبول کرلے تو اس کا فضل ہوگا ورنہ از راہ قانون ایسے لوگوں کی نمازیں کھوٹی اور بے قیمت ہی ہوتی ہیں۔

ایک عظیم فتنہ

سوال ۵ :- از حافظ محمد علاؤ الدین، غازی پور

میں آپ کی توجہ اس فتنہ انگیز خبر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اردو بلٹز، ۴ر مارچ ۸۳ء کی اشاعت میں میری نظر سے گزری بلیٹز نے یہ خبر روزنامہ "جنگ" لندن مورخہ ۱۸ر فروری کے حوالے سے دی ہے کہ سعودی اخبار "الدعوۃ" کے مقالہ نگار سعد الحرمین نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ گنبد خضرا کو مسجد نبوی سے الگ کرکے ڈھک دیا جائے یا مسمار کر دیا جائے اور قبر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو چھپا کر دیا جائے۔ کیونکہ مقالہ نگار کے زعم باطل میں روضۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے پہلو میں فتنہ ہے۔

مقالہ نگار اس تجویز پر حکومت سعودی عربیہ کا کیا ردِّ عمل ہوا، یہ معلوم نہ ہو سکا۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنی رائے صائب سے مطلع کریں کہ آیا یہ تجویز سنت و شریعت کی روشنی میں غلط یا فتنہ انگیز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ تجویز غلط یا فتنہ انگیز ہے تو آپ اپنے تازہ جریدہ تجلی کے توسط سے مسلمانان عالم اور خصوصاً مسلمانان ہند کو ہموار کریں کہ وہ حکومت ہند کے ذریعہ سعودی عربیہ پر زور ڈالیں کہ الدعوۃ کے مقالہ نگار سعد الحرمین کو ایسی سزا دے کہ آئندہ کوئی شخص ایسی مذموم حرکت کا مرتکب نہ ہو سکے امید ہے کہ آپ اپنے تجلی کے ڈاک سے مسلمانان ہند کو آگاہ کریں گے۔

جوابؑ

یہ اندوہناک خبر تو ہم بھی پڑھ چکے ہیں اور ہمیں بھی یہ خبر پڑھ کر اتنی ہی اذیت پہونچی ہے جتنی آپ کو یا اور دوسرے مسلمانوں کو پہونچی ہوگی۔ یہ بات تو ہے ہی افسوسناک کہ مسلمانوں میں اب ایسے لوگ بھی پیدا ہونے لگے ہیں کہ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کو فتنہ تصور کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ

لیکن اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ عربوں میں سے کسی نے بھی شری سعد الحرمین کے ناپاک مقالہ پر کوئی احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی ابھی تک مقالہ نگار سے کوئی باز پرس کی گئی۔

اگر سعد الحرمین جیسے لوگوں کو مرتد اور قاتل اسلام سمجھ کر سزائے موت کا مستحق نہیں سمجھا گیا تو پھر آئندہ کیلیے اس سے زیادہ خراب گندی باتیں سننے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

کافر اگر اسے کہتے ہیں کہ جس کے سر پر سینگ ہوں تو ابھی دنیا میں کوئی کافر پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اگر وہ ہر شخص کہلانے کا مستحق ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ کی توہین کا مرتکب ہو تو پھر سعد الحرمین جیسے لوگوں کو مسلمان کس خوش فہمی کی بنیاد پر سمجھ لیا جائے۔

کفار و مشرکین اسلام کے حق میں خطرناک نہیں ہیں لیکن ایسے لوگ یقیناً اسلام کے حق میں خطرناک ثابت ہوں گے جو مسلمانی ناموں کی وجہ سے مسلمان سمجھے جاتے ہیں حالانکہ وہ اسلام کے جانی دشمن ہیں۔

آج تک کوئی مسلمان یہ گستاخی نہ کر سکا کہ وہ روضۂ رسولؐ کو فتنہ قرار دے اور ڈنکے کی چوٹ قرار دے۔ یہ شرف سعد الحرمین کے ہی حصہ میں آیا ہے اور اس طرح انھوں نے روضۂ اقدس کے خلاف زہر اگل کے اپنی بدبختی پر خود ہی مہر ثبت کر دی ہے۔ ایسے شخص کو اگر جرم کے مطابق کوئی ہیبت ناک سزا نہ دی گئی تو ہمیں آئندہ اسطرح کی اور بھی باتیں سن لے کے لیے خود کو تیار رکھنا چاہیئے۔

دعوت ولیمہ

سوال نمبر ۶: سید شوکت جعفری۔ کانپور

یہاں ایک صاحب جماعت اسلامی کے رکن ہیں انھوں نے ۹ بجے صبح نکاح کیا اور فوراً ہی ولیمہ کھلا دیا دلہن کی رخصتی رات میں ہوئی۔ اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مسئلہ بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ دعوتی کارڈ جن لوگوں نے پڑھا سب اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے اگر ایسا حدیث سے ثابت ہے تو لوگ دو چار دن پہلے بھی دعوت ولیمہ کر سکتے ہیں کیا ضروری ہے کہ شب عروسی کے بعد دعوت ولیمہ کیا جائے۔ مہربانی فرما کر جلد مفصل جواب دیجیے۔

جواب ۶:

مسنون اور مشہور و معروف طریقہ یہی ہے کہ شب زفاف گزر جانے کے بعد ولیمہ کی دعوت کیجائے خدا جانے کہ کس دلیل کی بنیاد پر شب زفاف سے پہلے ہی ولیمہ رچا لیا گیا ہے۔ یہ بات تو جماعت اسلامی کے رکن ہی سے معلوم کرنی تھی اور ان ہی سے اس کی دلیل طلب کرنی چاہیئے تھی۔

جماعت اسلامی کے لوگ اس سلسلے میں تھوڑے سے آزاد خیال ہیں۔ وہ روایات و اقدار کی پابندی قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ان کا یہ طرز عمل جماعت اسلامی کو بدنام کر رہا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شب عروسی سے پہلے انھوں نے جو دعوت کی تھی وہ ولیمہ کی نیت سے نہ کی ہو، بلکہ یونہی کر دی ہو اور ولیمہ اگلے ہی دن ہوا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ولیمہ کسی بھاری مجبوری کی وجہ سے پہلے ہی کر دیا گیا ہو، مجبوری میں تو بہر حال بہت سے ناجائز افعال بھی جائز ہو جاتے ہیں، مسنون اور غیر مسنون کی تو بات ہی کیا یہ تحقیق کرنا تو آپ ہی کا کام ہے کہ شب عروسی سے پہلے ہی ولیمہ کی دعوت کسی مجبوری اور مصلحت کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اگر کوئی خاص وجہ نہیں تھی تو پھر ان کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ جس پر انھیں متنبہ کرنا ہی چاہیئے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

وہی پرانی رٹ

سوال نمبر ۷: سید مصطفےٰ حسن، کانپور

الف — لڑکیوں کو کتنی تعلیم ضروری ہے شرعی حیثیت سے ڈاکٹر، انجنیر بنانا یا اس کی پڑھائی پڑھوانا کیسا ہے؟

ب — عورتوں، لڑکیوں سے آفس، دفتر میں کام کروانا کیسا ہے؟

ج — سیلس گرل، کلرک، پروفیسر شپ پر عورتوں کا فائز

ہونا کیسا ہے؟

یہ بھی موضوع بحث ہے کہ اسلام نے عورتوں، مردوں کو برابری کے حقوق دیئے ہیں۔ لہٰذا تعلیم اور نوکری کے معاملہ میں بھی درجہ برابر ہے۔ کٹھ ملا قسم کے مسلمان اسکو نہیں مانتے ہیں وہ مذہب اسلام کو دقیانوس بنانے پر تلے ہیں آج کا زمانہ قدم سے قدم ملا کے چلنے کا نام ہے۔ اسلام کہیں سے بھی مانع نہیں ہے کہ عورتوں کو صرف چہار دیواری کے اندر رہنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر مسلم ممالک جیسے پاکستان مصر وغیرہ۔

جواب

ہمارے نزدیک تو لڑکیوں کیلئے بس اتنی تعلیم کافی ہے کہ وہ دین کے مسائل سے واقف ہوجائیں اور خط وکتابت بآسانی کرسکیں نیز اگر کہیں تبلیغ کرنی پڑجائے تو انھیں اتنا علم اور اتنی معلومات حاصل ہو کہ وہ دوسری مسمات کے اذہان وقلوب میں اسلام کی حقانیت اور اسکے احکام واوامر کی اہمیت اتار سکیں... لڑکیونکو انگریزی تعلیم دلانا انھیں ڈاکٹر بنانا، انجنیر بنانا غلط ہے اور اس نیت وارادہ کیساتھ پڑھانا بھی غلط ہے کہ وہ فاضل ہوکر سرکاری اور نیم سرکاری دفتروں میں ملازمت کرتی پھریں.... موجودہ زمانہ میں جو مخلوط تعلیم رائج ہے اس سے شریعت ایک فیصد بھی اتفاق نہیں کرسکتی۔ اگر بحسن اتفاق کسی ملک یا کسی شہر میں ایسے اسکول موجود ہوں جہاں لڑکیونکو درس دینے کیلئے عورتوں کا انتظام ہویا اگر مرد ہی درس ہی دیتے ہوں اور پردہ کا سخت اہتمام ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر لڑکیاں ایسے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرکے ڈاکٹر اور انجنیر بن جائیں اور ایسے دفاتر میں ملازمت کرلینا بھی قباحت نہیں رکھتا جہاں مردوں کے شانہ بشانہ اور مردوں کے روبرو کام کرنیکی نوبت نہ آتی ہو... اگر اس قسم کے اسکول اور یونیورسٹیاں موجود نہیں ہیں جہاں پردہ کا معقول بندوبست ہو اور ایسے دفاتر موجود نہیں ہیں جہاں عورتیں ہی کام کرتی ہوں اور مردوں کا دخول وہاں ممنوع ہو تو پھر انگریزی تعلیم اور تعلیم کے بعد ملازمت عورت کے حق میں مضر اور زہر ہلاہل ہی ثابت ہوگی.... آپ کٹھ ملا انہی لوگونکو سمجھتے ہونگے جو قرآن وحدیث اور اسلامی شریعت میں تحریف و تلبیس کرنیکے خوگر نہیں اور وہ مولوی آپکے نزدیک معاملہ فہم اور محسن تہذیب ہونگے جنکا علم مغربی تمدن کے آگے جھٹ سے رکوع کرلیتا ہے اور وہ فوراً قینچی اٹھاکر مذہبی حدود میں کانٹ چھانٹ شروع کردیتے ہیں۔ جہانتک برابری اور مساوات کا معاملہ ہے تو محترم یہ بات اپنے پلّہ باندھ لیجئے کہ مرد اور عورتمیں اسوقت تک مساوات نہیں ہوسکتی جبتک مردونکو ہر ماہ "ماہواری" کے مرحلے سے نہ گزرنا پڑے اور جبتک انکے سینوں پر پستان نہ اگ آئیں۔ کیا مساوات پسند مرد اس بات کیلئے تیار ہیں کہ انکی جسمانی ساخت میں بھی نمایاں تبدیلی ہوجائے ورنہ بہ اعتبار عورتونکے ہم پلّہ محسوس ہونے لگیں یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیئے ہیں۔ فلہٰذا مرد اور عورت زندگی کے ہر اسٹیج پر ایکدوسرے سے پیوست نظر آئیں ایسی احمقانہ بات اپنی زبان سے وہی خارج کرسکتا ہے کہ جو اسلام کی الف بے سے نابلد ہو۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ قرآن اور کتاب اور حدیث کا وہ کونسا صفحہ ہے جہاں مرد اور عورت بہ اعتبار "مساوی" قرار دیکر یہ اعلان کردیا ہو کہ جاؤ اب تم زندگی کے ہر شعبہ میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آنا اور ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کرنا۔ اسلام نے بلاضرورت عورتونکو گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کی ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے گھروں میں جمی رہو اور ایام جاہلیت کی طرح بن سنور کے گھروں سے نہ نکلو مرد وعورت کے اختلاط کا اسلام سخت مخالف ہے اور آپ فرمارہے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں عورت مرد کو قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیئے۔ ایام جاہلیت کے مرد عورت کو ذلیل خیال کرتے تھے اسے معمولی معمولی غلطیوں پر نذر آتش کردیا کرتے تھے اسکے ساتھ وہ سلوک کیا کرتے تھے جو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا اسے زندہ درگور کردیا کرتے تھے اسلام نے ان ظالمانہ حرکات کی مخالفت کی اور یہ فرمایا کہ بحیثیت انسان عورت مرد سے کسی درجہ کم نہیں وہ کوئی حیوان نہیں کہ اسکے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک کیا جائے وہ انسان ہے اور انسانوں کی طرح حساس ہے۔ اس بات کو ربڑ کیطرح کھینچ کر یہ ثابت کرنا کہ اسلام نے مرد وعورت دونونکو زندگی کے ہر میدان میں ساتھ ساتھ چلنے کی اجازت دی رکھی ہے ایسی جہالت ہے کہ جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ مرد اور عورت کے اختلاط نے جو فتنے پھیلائے ہیں بے حیائی اور بدچلنی جو آگ گھر گھر پھونک رہی ہے اسکو کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود قدم سے قدم ملا کر چلنے کی خواہش کرنا اور مولویوں پر یہ زور ڈالنا کہ وہ اس سلسلے میں جواز کی راہیں پیدا کریں۔ اگر مالیخولیا نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ اسلام کہتا ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا اور ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم جن سوراخوں سے ہر روز ڈسے جارہے ہیں ان سوراخوں میں انگلیاں دینا ہمارا فرض عین بنا ہوا ہے۔ جو علماء حساس اور غیرت پسند ہیں وہ کسی کی بہو بیٹی کو شوکیس کا کھلونا بننے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

(باقی برصفحہ ۶۸)

مترجم عبدالحلیم فلاحی

اسلام کی راہِ اعتدال

سورۂ جمعہ کے آخری رکوع میں انتہائی جامع اور بلیغ انداز میں اسلام کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ مومنوں سے فرماتا ہے "اے ایمان والو جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو خرید و فروخت اور زندگی کی ساری سرگرمیوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف لپکو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہوتے، اور جب نماز ختم ہو جائے۔ تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کا رزق تلاش کرو اور اللہ کی یاد کرو توقع ہے تم کامیاب رہو گے"

جب ہم ان آیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر اسلام کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی بلند خصوصیت کو نمایاں کیا گیا ہے، جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام نے جتنی اہمیت عبادات کو دی ہے، اتنی مادی امور کو بھی دی ہے۔ اس نے مادیت کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نماز سے پہلے خرید و فروخت کا ذکر ہے جو بالکلیہ دنیاداری اور مادیت سے متعلق ہے، پھر نماز اور توجہ الی اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور نماز ختم ہونے کے بعد مسجد میں بیٹھے رہنے کا نہیں بلکہ زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا رزق تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

اس لئے ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نہ تو روحانیت اور مادیت کے درمیان فرق کرتا ہے اور نہ عبادت کے ساتھ حصول رزق کی جد و جہد کو غیر روحانی فعل قرار دیتا ہے، بلکہ دنیا اور دین کے درمیان اعتدال و توازن کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کی بہت سی عبادات ایسی ہیں جو سنسان، جنگلوں، اور بیابانوں میں رہ کر ادا ہی نہیں کی جا سکتی ہیں اسلام دنیا کے ہنگاموں سے دور خانقاہوں اور غاروں میں گوشہ نشینی کی اجازت نہیں دیتا ہے، بلکہ وہ اپنے ماننے والوں کو دنیا کے ہنگاموں کے بیچ لا کھڑا کرتا ہے، اور اسی میں حصول فلاح کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام عبادت کے ان تصورات کی نفی کرتا ہے، جو توراۃ و انجیل میں بیان کیے گئے ہیں۔ یا دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ انھیں غلط تصورات کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی متوازن تعلیمات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

قرآن حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ — وہی ہے وہ اللہ جس نے اپنے

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۝ رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ رسول اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔

اسلام سے پہلے دنیا میں مختلف قسم کے رسم و رواج اور عبادات کے طریقے رائج تھے۔ ان میں کچھ تو قدیم آسمانی کتابوں کی محرّف تعلیمات تھیں، اور بعض بدعات اور خرافات تھیں جو عبادات کے نام پر گھڑ لی گئی تھیں۔ بعض مذاہب نے رسم و رواج اور مظاہر میں مبالغہ اس قدر کیا کہ روح و اخلاص کا جنازہ نکال دیا اور ان کے محض ظاہرداری اصل دین بن گئی اور بعض دوسرے مذاہب نے انتہا پسندی اور تشدد کی راہ اختیار کی۔ حتیٰ کہ وہ تشدد پسندی، خود انھیں کے لئے اصرار و اغلال بن گئی، اور بعض نے رخصتوں میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ عبادت کو کھیل تماشہ بنا کر رکھ دیا۔ ان تمام مذاہب میں دنیا کے سلسلے میں عجیب طرح کی تعلیمات ہم کو ملتی ہیں۔ کوئی دنیا میں انہماک کی تعلیم دیتا ہے، تو کوئی ترک دنیا اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ دونوں تعلیمات تورات اور انجیل کا حصہ ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ذرا ان کی تعلیمات کے کچھ اقتباسات دیکھتے چلیں۔

توراۃ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں روحانیت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا ہے، اور آخرت کے تصور سے بالکل خالی نظر آتی ہے۔ صرف وعدہ وعید کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن ان کا تعلق بھی صرف اسی دنیا کی حد تک ہے۔ اس کے برعکس مادی رجحان پوری توراۃ میں غالب نظر آتا ہے اور اسی کی ترغیب اور ذکر سے پوری توراۃ بھری پڑی ہے زرخیزی، صحت، دولت و ثروت، درازی عمر اور ان کے علاوہ دوسری دنیوی نعمتوں کو انعام خداوندی قرار دیا گیا ہے۔ اور قحط، موت، مرض۔ وبا اور فقر و فاقہ کو سزا اور عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباسات سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے۔

"اپنے آباء و اجداد کا احترام کرو، لمبی عمر پاؤ گے" جب تم میری اطاعت کروگے، اور میری وصیت کا لحاظ کروگے۔ تو میں وقت سے پانی برساؤں گا، اور زمین اپنے پھلوں کو نکالے گی۔

دوسری طرف انجیل کی تمام تعلیمات کا زور اس بات پر ہے کہ کثافتوں سے بھری دنیا، روح کے لئے سراسر عذاب ہے۔ اور اس کو بزولت ذات و حقارت کا مسکن قرار دیا گیا ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی اور رہبانیت کی بڑی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، بلکہ اسی کو دین و تقویٰ کی معراج بتایا گیا ہے۔ اور اس کا انعام آسمانی بادشاہت قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

"آسمان کی بادشاہی (جنت) میں کوئی مالدار نہیں داخل ہوگا، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے" ایک مرتبہ عیسیٰؑ نے ایک نوجوان سے فرمایا۔ "اگر تم کامل مومن بننا چاہتے ہو تو جاؤ اپنی جائیداد بیچ ڈالو۔ اور اپنی دولت فقراء میں تقسیم کردو۔ پھر آ کر میری پیروی کرو"۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا۔ "تم کھانے پینے کی چیزیں نہ تلاش کرو۔ اس لئے کہ یہ غیر مومن لوگوں کا کام ہے"۔

انجیل کی ان تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس دنیا میں انسان کے لئے کوئی مقصد نہیں ہے۔ بلکہ یہ دنیا انسان کے لئے قید خانہ ہے۔ اور جسم روح کے لئے قفس ہے۔ اور دینداری۔ اور دنیاداری ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اس کے ماننے والے دنیا کی ذمہ داریوں اور اس کے تعلقات سے باہر نجات کی کوئی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک مادیت، روحانیت کے منافی ہے۔ بلکہ روحانی ارتقاء کے لئے مادی انحطاط یا مادیات سے بے تعلقی ناگزیر ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ توراۃ و انجیل، افراط و تفریط کی راہ دکھاتی ہیں۔ توراۃ صرف دنیا اور اس کے زخارف کے جمع کرنے پر زور دیتی ہے اور آخرت کا کوئی نام و نشان اس میں نہیں ملتا۔ اور انجیل نے دنیا اور اس کی نعمتوں کی اس قدر تحقیر و تذلیل کی ہے کہ اپنے پیروؤں کو اس کی آلودگیوں سے دور

جنگلوں میں جا بٹھاتی ہے۔

لیکن اس کے برعکس قرآنی تعلیمات اور شرائع میں ہمیں انتہائی اعتدال و توازن نظر آتا ہے۔ اور یہی اس کی تعلیمات، اور دوسری کتب سماوی کی تعلیمات کے درمیان جوہری و امتیازی فرق ہے اس نے انسانی زندگی کے جس شعبہ سے متعلق جو ہدایت دی ہے، اس میں روحِ اعتدال کو پوری طرح باقی رکھا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی اعتدال اور توازن ایک دائمی اور ابدی شریعت کے شایانِ شان بھی ہے جو ہر خطے اور طبقے کے لیے آئی ہو، اور جس کو ہر دور میں انسان کی رہنمائی کرنی ہو۔ قرآن میں روحانیت اور مادیت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں کو اہمیت دیتا ہے۔ بلکہ دنیا کو آخرت کی کامیابی کا زینہ قرار دیتا ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں سے ترکِ دنیا اور رہبانیت کا مطالبہ نہیں کرتا ہے، بلکہ اسے عیسائیوں کی بدعت قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں ایسی عبادت کوئی وزن اور اہمیت نہیں رکھتی ہے جو جنگلوں اور بیابانوں میں ادا کی جاتی ہے۔ اس نے کبھی اپنے پیروؤں سے یہ نہیں کہا کہ تمہارا دنیا میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کے لیے، ایک متعین حصہ ہے۔ چاہے کوئی مومن ہو یا کافر۔

قرآن مسلمانوں سے کہتا ہے، کہ اس دنیا کو کام میں لاؤ اور اسے آباد کرو، اور اس کے اندر جد و جہد کرکے حلال اور پاکیزہ رزق حاصل کرو۔ جیسا کہ "سورہ ملک میں ہے"

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ

زمین کے شانوں پر چلو پھرو اور اس کے رزق کو کھاؤ۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اس دنیا سے فائدہ اٹھائے مگر دنیا کی نعمتیں اسے خدا کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ وہ مادیت کے جال میں پھنس کر روح کی اصلاح سے بے فکر نہ ہو جائے۔ اس دنیا کی دلچسپیاں اسے آخرت کے حقائق سے غافل نہ کر دیں اس لیے کہ اگر وہ خدا اور آخرت کو بھول گیا تو بہت ممکن ہے کہ وہ خود اپنے مقصدِ وجود کو بھی فراموش کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو۔ اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے آنے والی زندگی کے لیے کیا بھیجا ہے۔ بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ پس وہ خود اپنے آپ کو بھول گئے۔ یہی لوگ در اصل بدکردار ہیں سورہ حشر" یہ آیت بتاتی ہے کہ خدا فراموشی کا نتیجہ، خود فراموشی ہے۔ جب انسان خدا کو بھول جاتا ہے تو وہ یقیناً اپنی حیثیت اور مقام و مرتبہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا اور دنیا کی ظلمتوں میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا حال ہوا

اسلام کے نزدیک سب سے بڑی عبادت، بلکہ اصل عبادت یہ ہے کہ آدمی زندگی کے سارے معاملات میں خدائی ضابطوں اور اصولوں کی پابندی کرے، اور ہر وقت خدا اور آخرت کے تصور کو ذہن و دماغ کا نگہبان بنائے رکھے۔ اس کو ہر لحظہ تازہ رکھے ایک سکنڈ کے لیے بھی اس تصور کو فراموش نہ ہونے دے اس کے بعد وہ انسان کو دنیا کے اندر ہر طرح کی سعی و جد و جہد کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

جو مسلمان مسجدوں میں اذان سن کر فوراً حاضر ہوتے ہیں وہ درویش اور گوشہ نشین راہب نہیں ہوتے ہیں بلکہ قرآن کے الفاظ میں" وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی ہیں۔ وہ دنیا میں رہ کر بھی اس دن کی ہولناکیوں سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس دن آنکھیں اور دل بدل جائیں گے"۔ یہ لوگ ایسے ہیں جو دنیوی کاروبار میں لگے رہنے کے باوجود حقوق اللہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رہتے۔ اور یہی طرزِ عمل مطلوب اور اللہ و رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں غلو کو سختی سے ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ ازواجِ مطہرات کے یہاں آپ کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے آئے۔ اور انھوں نے یہاں جو کچھ سنا اس کو تھوڑا کر کے دیکھا کہ آپ ہمیشہ رکوع و سجود میں مصروف رہتے ہوں گے۔ راتیں قیام اور

دن صیام میں گزارتے ہوں گے، نہ سوتے اور نہ آرام کرتے ہوں گے، اور نہ بیویوں سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ لیکن جب انھیں آپؐ کی عبادت کا حال بتایا گیا تو ان لوگوں نے اسے کم سمجھا، اور کہنے لگے۔ ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقابلہ ہے۔ آپ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے دور رہوں گا۔ اتنے حضورؐ باہر تشریف لائے۔ اور انتہائی سخت لہجے میں فرمایا کہ تم ہی لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ یاد رکھو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم لوگوں سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں نماز پڑھتا ہوں اور راتوں کو سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں، اور عورتوں سے تعلقات بھی رکھتا ہوں۔ یاد رکھو! جس شخص نے میری سنّت سے انحراف کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ العیاذ باللہ اس طرح آپ نے انھیں اسلامی زندگی کا صحیح تصور دیا، اور اسلام کی حقیقت انھیں سمجھائی، اور واضح کیا کہ اسلام میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ یہ معتدل اور متوازن طریقہ زندگی ہے۔ اور یہی دین فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

بقیہ: آخرت پر ایمان لانیکی دعوت

جو الفاظ میں بیان کئے بغیر خود بخود اس کے گھونٹی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جاہلیت نے ان کو اخلاقی پستی کی کس انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ درگور کرتے ہیں۔ پھر بھی انھیں اصرار ہے کہ اپنی جاہلیت پر قائم رہیں گے اور اس اصلاح کو قبول نہ کریں گے، جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے بگڑے ہوئے معاشرے میں کرنا چاہتے ہیں

دوسرے یہ کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے۔ جس لڑکی زندہ دفن کر دیا گیا ہے۔ آخر اس کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہیئے اور جن ظالموں نے یہ ظلم کیا آخر کبھی تو وہ وقت آنا چاہیئے، جب ان سے اس بے دردانہ ظلم کی باز پرس کی جائے۔ دفن ہونے والی لڑکی کی فریاد دنیا میں تو کوئی سننے والا نہ تھا۔ جاہلیت کے معاشرے میں اس فعل کو بالکل جائز کر رکھا گیا تھا۔ نہ ماں باپ کو اس پر شرم آتی تھی، نہ خاندان میں کوئی ان کو ملامت کرنے والا تھا، نہ معاشرے میں کوئی اس پر گرفت کرنے والا تھا۔ پھر کیا خدا کی خدائی میں یہ ظلم عظیم بالکل ہی بے داد رہ جانا چاہیئے۔؟

بقیہ: تجلّی کی ڈاک

وہ جانتے ہیں کہ عورت بس اس وقت تک محفوظ ہے جب تک وہ اپنے گھر کی چہار دیواری میں مقید ہے اور جب وہ اپنے گھر سے نکل کر ادھر ادھر ہو جاتی ہے تو وہ خطرات میں گھر جاتی ہے شیاطین اس کا تعاقب کرتے ہیں، اس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اس کو غلط راہوں پر ڈالکر اسے معاشرہ کا ناسور بنانا چاہتے ہیں۔

بجائے اس کے کہ ایسے علماء کی قدر کی جائے جو ہماری بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس کا احساس رکھتے ہوں۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم انھیں دقیانوس کہتے ہیں، کٹھ ملا کہتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا ان پر الزامات لگاتے ہیں۔

مولویوں کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کسی شخص کو زبردستی اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیں، وہ صرف بے پردگی اور آزادی کی قباحتیں بیان کر کے اسلامی شریعت کا مزاج عوام کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ عوام مولویوں کی نصیحتوں پر کان دھریں۔ عوام اگر اپنی ماں بہنوں اور بہو بیٹیوں کو ملازمت کی کرسیوں پر بٹھا کر یا انھیں غیر مردوں کے روبرو کھڑا کر کے مطمئن ہوں تو کسی مولوی کی مجال نہیں جو دم مار سکے۔

لیکن یہ بات تو قرین شرافت نہیں کہ آدمی عورتوں کو میدان مساوات میں دھکیلتے ہوئے اس بات پر زور دے۔ باقی بر صفحہ ۱۰۲

نوٹ

محترم شمس نوید صاحب عثمانی علمی دنیا کی معروف شخصیت ہیں۔ آپ تقریباً چار پانچ سال سے ایک نہایت اہم اور اعلیٰ موضوع پر ہندی میں کام کر رہے ہیں اور یہ اہم اور اعلیٰ موضوع ہے ہندومت اور اسلام کی مشترکہ بنیادیں تلاش کرنا۔ اب چونکہ ہمارا دینی اور علمی طبقہ زیادہ تر اردو داں ہی ہے اس لئے ہم نے محترم عثمانی صاحب کے ہندی زبان میں مطبوعہ کام کو اردو میں پیش کرنے کی جرأت کی ہے تاکہ محترم شمس نوید صاحب کی ان عظیم خدمات سے نہ صرف ہمارے اردو داں حضرات واقف ہو سکیں بلکہ اگر کہیں تنقید کی گنجائش ہے تو اس پر بھی کھل کر اظہار خیال کیا جا سکے اس لئے کہ انسان غلطی سے پاک نہیں ہے محترم عثمانی صاحب سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر کوئی ایسی بات ہے تو آگے بڑھنے سے پہلے اس کی اصلاح ضروری ہے۔

محترم شمس نوید صاحب نے اپنے اس مضمون میں وحدت مذہب کی جو بنیاد تلاش کی ہے اس کی کیا اہمیت اور حیثیت ہے ناظرین تجلی کی رائے اس ذیل میں یقیناً کافی اہمیت کی حامل ہوگی ——— (ص) اقبال (ترتیب: [illegible] محلہ روڈ رامپور یوپی)

آدم، منو اور برہما

سناتن عالمی مذہب کی سہ انسانی بنیاد؟

ایک طرف ہماری دنیا علم و سائنس کی ترقی کے باعث بڑی تیزی کے ساتھ سمٹ کر ایک گھر کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ تو دوسری جانب اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اس دنیا کے انسان مسلم اور کافر، مذہب اور لامذہب، دو گروہ ہیں۔ اس دنیا کی تقسیم اور بٹوارہ بھی کرتے جا رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں دنیا ایک ہو رہی ہے اور انسانیت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ اور انسان کے جسم کے دو ٹکڑے ہونے کا مطلب ہے ...... دونوں کی یعنی موت! جسم کا جو حصہ کاٹا جائے گا، ختم ہو جائے گا اور باقی جسم کی قوت و توانائی تباہ و برباد ہوتی چلی جائے گی۔ جہاں انسانیت منظم طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی جا رہی ہو وہاں اس کا نتیجہ موت کی شکل میں ہی برآمد ہوگا، کسی اچھے مقام کی صورت میں نہیں۔ مبارک باد کی مستحق ہے وہ زمین جو علم و سائنس کی ترقی کے باعث ایک ہو رہی ہے۔ لیکن بڑی باعث شرم ہے یہ بات انسان کے لئے کہ وہ بتدریج دو حصوں میں تقسیم ہوتا جا رہا ہے۔ ہائے! یہ دنیا کا خوش کن ملن، اور اس ملن اور اتحاد کے وقت انسانیت کی تقسیم کا دل خراش دھماکہ! یہ دھماکہ کتنا تکلیف دہ اور

اذیت ناک حادثہ ہے — جیسے خاص شادی کے پُرمسرت لمحوں میں دولہا کو موت آجائے۔ جوہری بم کا دھماکہ تو صرف ہیروشیما، اور ناگاساکی دو جزیروں تک ہی محدود تھا۔ لیکن اس دھماکہ نے ساری دنیا کو ہلا مارا ہے۔

ہے کوئی جو اس خاموش طوفان کے تباہ کن سیلاب کا رخ موڑ سکے؟ — شاید بھارت ہی رفتہ رفتہ اس عظیم کام کی تکمیل کی اہلیت خدا کے فضل و کرم سے اپنے اندر پیدا کرتا جا رہا ہے — بھارت جو جانتا ہے کہ ایک ملک کے دو حصے ہو جانے میں کس قدر درد ہے۔ وہی اس درد کا احساس کرے تو ایک دیس نہیں، ساری دنیا کا آستک (مذہبی) اور ناستک (لامذہب)، دو حصوں میں بٹوارہ کیسا تکلیف دہ اور کیسا افسوسناک ہے۔؟

اور اس دھماکہ کی خاص ضرب بھی بھارت پر پڑتی ہے، یا عرب پر — سناتن ہندومت پر پڑتی ہے۔ یا اسلام پر — اس لئے کہ اگر بھارت نے تاریخ میں یہ ثابت کر دکھایا — کہ ساری دنیا کے تمام مذاہب ایک خطۂ زمین پر صدیوں تک زندہ رہ سکتے ہیں — تو عرب نے اسی تاریخ میں یہ حقیقت عیاں کر دکھائی ہے کہ ایک خدا کی عبادت کا احساس بیدار ہو جائے۔ تو اسی خدا کے گھر — "برہم تیرتھ" خانہ کعبہ میں سارے مذہب سمٹ کر ایک مذہب بن سکتے ہیں — اور ایک "برہم تیرتھ" میں ساری اقوام عالم اپنا گھر اپنا وطن چھوڑ کر خدا کی عبادت کے لئے ہر سال حج کے موقعہ پر جمع ہو سکتی ہیں اور ہر روز پانچ بار خدا کی عبادت کے وقت اپنے اپنے وطن میں اسی "برہم تیرتھ" کی جانب اپنا منہ کر سکتی ہیں — اور عالمی دھماکہ کی خاص ضرب ہندومت اور اسلام پر اس لئے پڑ سکتی ہے کہ دونوں کا ہی یہ بڑا اونچا دعویٰ ہے کہ یہی دونوں تمام سلسلہ مذہب کی ابتداء اور انتہا ہیں اور اس وجہ سے تمام دنیا میں سارے مذہبی جذبات و احساسات کا بنیادی تعلق — ان دونوں سے ہی ہے۔

ہندومت کا بہت قدیم اور بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ انسانی ارتقاء اور علم الٰہی کی ابتداء ہمارے یہاں سے ہوئی ہے اور اسی باعث ہندومت کا فرض ہے کہ ساری دنیا کو فلاح یاب کرے — اور بے دینی کے طوفان میں دین کی ڈوبتی کشتی کو اصل اور سناتن دھرم کے ساحل پر لگائے۔

اسلام کا بنیادی دعویٰ ہے کہ حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نبی آخر الزماں، آخری زمانہ، کل جُگ میں وہ آخری اوتار ہیں جو انسان ہیں اور قیامت تک کے لئے جن کا لایا ہوا مذہب اسلام تمام انسانوں کی فلاح یابی کا ضامن ہے۔

اگر یہ دونوں مذہب اپنے ان اہم دعوؤں میں سچے ہیں تو آفاقی مذہب یقینی طور پر سناتن آفاقی مذہب کا سلسلہ منقطع نہیں بلکہ جُڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں مذاہب کو کسی نہ کسی طرح اپنی اصل بنیاد پر ایک ہونا چاہئیے اور بے لاگ سچائی کے ذریعہ اس اصل دین کی تحقیق کرنا بھی لازمی ہے۔ چاہے اس اصل بنیاد کی حقیقت کو زمانہ کے الٹ پھیر میں شیطانی طاقت نے کتنا ہی بے حقیقت اور بے وزن کیوں نہ بنا دیا ہو اور چاہے یہ حقیقت آج کے انسان کی تیز نگاہی سے کتنی ہی اوجھل کیوں نہ ہو گئی ہو — لیکن جیسے ہی وہ اصل اور خالص صورت سامنے آئے گی۔ یہ دونوں عظیم مذاہب فوراً ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ کہ یہ دونوں اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ایک ہی ہیں — اس دن ہندو اور مسلمان پکار اٹھیں گے کہ اصل سناتن ہندو دھرم قدیم اسلام ہی تھا۔ اور اسلام ہندومت کا ہی جدید اور آخری ایڈیشن ہے۔ جس کو مذاہب میں پھیلی ہوئی برائیوں سے پاک کر کے اس دنیا کے مالک، برہم (خدا) لاشریک نے ہندومت کے ہی آخری اوتار، کلکی اوتار، اور دوسری زبان میں آخری رشی "نراشنس" کے ذریعہ سارے عالم کی بھلائی کے لئے بھیجا ہے۔ جیسے ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے جی نے اپنی دو تحقیقی کتابوں — کلکی اوتار اور "محمد صاحب"، اور نراشنس اور آخری رشی"، میں ثابت کیا ہے — کہ سنسکرت میں "نراشنس" محمد کا ہم معنیٰ لفظ ہے۔

یہ دونوں مذہبوں کا عظیم ملاپ جس کی سنہری کرنیں زمانہ کے انقلابی افق پر چمکنا شروع ہو گئی ہیں۔ اسی کا کچھ انقلابی خواب ہمارے ایک نہایت معروف دینی بزرگ جناب دویکانند نے آج سے بیاسی سال قبل اس طرح دیکھا تھا۔

"ہماری مادر ارض کی بھلائی اس میں ہے کہ اس کے دونوں مذہب (ہندو اور اسلام) مل کر ایک ہو جائیں۔ ویدک ذہن اور اسلامی جسم کے امتزاج سے جو مذہب قائم ہوگا۔ وہی بھارت ورش کی امید ہے"

یہ ہیں وہ تاریخی الفاظ جو جناب وویکانندجی جیسے پرجلال، دوراندیش اور مجسم ایثار ہندو نے اپنے ایک خط میں تحریر کیے تھے۔ جیسا کہ گیان پنڈت پتریکا ۸ مارچ ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں ان کے صد سالہ یوم پیدائش کے موقعہ پر شائع ہونے والے ایک بہت ہی اہم مضمون میں مشہور و معروف مصنف اور مذہبی مفکر جناب رام دھاری سنگھ دنکر جی نے لکھا ہے۔ اور دنکر جی نے یہ بھی لکھا ہے کہ پیش گوئی کی خصوصی قوت وویکانندجی میں اس لیے تھی کہ وہ دنیا سے اچھی طرح واقف تھے۔

آہ! کیسا مخلص تھا وہ وویکانند کہ جس کی مذہبی فکر کا یہ انداز تھا۔

نریندر ناتھ (سوامی وویکانند) کو ایک طرف بلا کر شری رام کرشن پرم ہنس نے کہا "میں تمہیں مطلوبہ کمال (کرامات) دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں بہت سے بڑے بڑے مذہبی کام انجام دینا ہیں۔ تمہیں اس کی ضرورت ہوگی! تو لو لوگے؟ ایک عجیب انداز سے نریندر ناتھ نے پوچھا "کیا اس سے مجھے دینی مفاد حاصل ہوگا؟ — پرم ہنس نے کہا "نہیں۔ دینی مفاد تو اس سے حاصل نہیں ہوگا۔ نریندر ناتھ نے غیر جذباتی انداز میں کہا جن طاقتوں سے مجھے دینی مفاد حاصل نہ ہو کر صرف شہرت ہی حاصل ہو، ان کی مجھے ضرورت نہیں ہے"

(نوہنیت ڈائجسٹ۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ نمبر ۳۸)

اخلاص اور نورانیت نے اس چہرہ کو کیسا منور کر دیا ہوگا، جس کے منہ سے ایسے بے غرضانہ الفاظ نکلے ہوں گے جن طاقتوں سے مجھے دینی مفاد حاصل نہ ہو کر صرف شہرت ہی حاصل ہو ان کی مجھے ضرورت نہیں ہے" میں اگر اس وقت موجود ہوتا تو شدت جذبات میں اسلام کی جانب سے اس ویدانتی چہرہ کو چوم لینا اپنا مذہبی فریضہ تصور کرتا۔

اگرچہ اصل اور خالص اسلام کو وہ ایکو برہم دوتیہ ناستی "(ایک خدا دوسرا کوئی نہیں) وحدانیت تو پورے طور پر قبول ہے۔ لیکن ویدانت اور مسلمان صوفیوں کی طرح اس کے کوئی ایسے معنی قبول نہیں ہیں کہ کائنات خود خدا بن جائے، پجاری نہ رہے صرف پوجا پانے والا بن جائے۔ شری وویکانندجی اس فرق سے ضرور واقف ہوں گے۔ لیکن وہ اسی طرح اس سچائی — اس حیرت انگیز سچائی سے بھی ناواقف نہیں ہوں گے۔ کہ مذہب ہی سچی محبت کی ایک ایسی عجیب و غریب دنیا ہے جس کی حقیقی کوششوں کا نشانہ سچی محبت ہے اور امتیاز کا اصول بھی دل میں فرق لانے والا نہیں۔ اسی باعث انھوں نے یہ امید سارے بھارت ورش کی جانب سے کی اور ان جیسے انسان کو اس کا حق بھی تھا کہ

"ہماری مادر ارض کی بھلائی اس میں ہے کہ اس کے دونوں مذہب (ہندو اور اسلام) مل کر ایک ہو جائیں — ویدانتی ذہن اور اسلامی جسم کے امتزاج سے جو مذہب وجود میں آئیگا وہی بھارت ورش کا مستقبل ہے۔"

کیسا تھا وہ حال جہاں سے انھوں نے مستقبل کی آرزو کی اور یہ آرزو اگر وجود میں آجائے تو ساری دنیا اور اس کے سارے مذاہب ایک ہو جائیں، اس لیے کہ ہندو مت اور اسلام — (اگر یہ دونوں اپنے بنیادی دعووں میں سچے ہیں) اس دنیا میں مذہبی سلسلہ کی ابتداء اور انتہا ہیں مذہب کے دونوں سرے ایک ہوتے ہی تمام مذاہب، ایک ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہندو مت تمام مذاہب کی ابتداء ہے اور اسلام ان کا آخر ہے — اور باقی تمام مذہب ان دونوں کے درمیان ہیں۔

شری وویکانندجی کے ان الفاظ سے نیا دور وجود میں آجاتا اگر وہ ہمیں یہ بھی بتا سکتے کہ ہندو مت کی روح اسلام کے جسم میں کون اور کیسے اس طرح داخل کرے کہ اس اتحاد کے لیے ان دونوں مذاہب کے اپنے اپنے جسم اور روح کا جدا ہونا ضروری نہ ہو اور جسم و روح کے آپس میں جدا ہونے کا نام موت ہے — تو کیا ہندو اور مسلمان نئے مذہب کی تعمیر

کے لیے، کسی بھی طرح اس کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ کہ ہندو دھرم اور اسلام کے جسم اور جان کے تعلق کو ختم کر کے ایک کے جسم میں دوسرے کی روح کو داخل کر دیا جائے؟۔ لیکن اب کون یہ بتائے؟ وہ تاریخی الفاظ بولنے والا تو خاموش ہو چکا ہے۔

یکبارگی اس موڑ پر میرے دل کو کسی کی آواز سنائی دی — کیا یہ اسی برہم (خدا) کی آواز تھی جو نہ جانے کتنے دو دیکانند پیدا کرتا اور مارتا ہے۔

وحدت کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں کو ملا کر ایک بنایا جائے۔ تو اس ملاپ کی راہ میں دشواریوں کا سوچ رہا ہے۔ لیکن ایک وحدت اس سے بھی خوبصورت یہ ہو سکتی ہے کہ ان دونوں مذہبوں کی اصل بنیاد ایک ہی رہی ہو اور یہ دوئی والی صورت حال اصل نہ ہو — خدا بے نیاز ہے — ہندو دھرم اور اسلام کی وحدت ہی میں بھارت کی بھلائی ہے۔ تب یہ ایک نہایت اہم ضرورت ہوئی اور — ایشور ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ ضرورت تو پیدا کر دے، لیکن اس کی تکمیل کا سامان پیدا نہ کرے۔ نہیں! — وہ تو نوزائیدہ بچے کو بعد میں پیدا کرتا ہے، اس کی غذا اور لباس پہلے پیدا کر دیتا ہے۔

پھر ایک روز ایسا حیرت انگیز خیال آیا۔ جس نے ان دونوں ہی کو نہیں۔ سارے عالم کے مذاہب کی وحدت کا فردوسی دروازہ میری تمناؤں پر وا کر دیا اور یہ تھا خیالات کی جگہ ان مفکرین (اشخاص) کی تلاش جو ان دونوں ہی کو نہیں ساری دنیا کے بڑے مذاہب میں یکساں طور سے تمام انسانوں کو ایک خون اور ایک خدا کی دوہری بنیاد پر عالمی وحدت کے لیے آدم (پہلا مرد) (نوح و آدم ثانی) اور حضرت ابراہیمؑ نام کے تین انسانوں کو پیش کرتے ہیں — اگر ہندو دھرم میں آدم، منو، اور برہما۔ مندرجہ بالا تینوں ناموں کے بھارتی نام ہیں تو ہندو دھرم کو عالمی مذہب کے قیام کی سب انسانی بنیاد مل گئی جو ایک طرف خون کی وحدت کی بنیاد پر ابتدائی مرد پہلے اور دوسرے تک ساری انسانیت کو پہچاننے والا ہے — تب دوسری طرف ان تینوں خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ایک ہی اصل علم الٰہی کو اور ایک ہی خدا کو حاصل کرا دینے والا ہے۔

بقیہ:- تجلی کی ڈاک

کہ دنیا کے سارے مرد اپنی عورتوں سے پابندیاں ہٹالیں اور انھیں دفاتر کے سپرد کر دیں تاکہ معاشرہ کے گوشہ گوشہ میں مساوات کی بانسری بجنے لگے۔ ہر شخص کو اپنی عورتوں کے سلسلہ میں اختیار ہے کہ وہ انھیں بے غیرت بنائے یا باغیرت۔ کسی کو انگشت نمائی کرنیکا کوئی حق نہیں اور کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ اپنے خاص طرزِ عمل کے لیے کھلونا بنائے۔ اور پھر بھی ھمر کے اس کیسانہ کھلواڑ کہے، مسلم ممالک کے طرزِ عمل کو بطور ثبوت پیش کرنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی علاج کا مخالف طبیب کے گھر میں پھیلی ہوئی بیماری کو دیکھ کر چیخ اٹھے کہ جب معالجین کے گھر میں بھی بیماریاں موجود ہیں، تو علاج کی کوئی حیثیت نہیں اور بیماریاں اس قابل ہیں کہ انھیں گلے کا ہار بنایا جائے۔

مسلم ممالک کی بدبختی ہے کہ وہ اسلامی قدروں سے راہ انحراف اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ کوئی شخص اگر اس بدبختی کا حصہ دار بننا چاہتا ہے تو ضرور ان کی تقلید کرے۔ لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ مسلم ممالک کی بے راہ روی کو دلیل بنا کر اپنے گھر کی عورتوں کو تہذیب کے دوزخ میں جھونک دیں کہ جاؤ تم بھی بازاروں اور محفلوں کی زینت بنو اور غیر مردوں کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کر کے مساوات اور برابری کا درس عام دیتی پھرو۔ ورنہ تم اور تمہارا مذہب دقیانوس کہلائے گا۔

قطعہ

اکبر الٰہ آبادی

بے پردہ کل جو آئی نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

از: چودھری رحمت الٰہی

قیم جماعت اسلامی پاکستان

جماعت اسلامی کی رودادِ جہاد

یعنی

۷۷-۱۹۷۶ء میں

عرصہ زیرِ رپورٹ کا بیشتر حصہ حسب سابق بھٹو شاہی دور کی بندشوں اور جبر و استبداد کے تحت گذرا ہے اس میں سے سال ۱۹۷۶ء تو سابقہ چار سالوں سے اس کے سوا مختلف نہیں تھا۔ کہ استبدادی حربے اور ان کے خلاف بے زاری دونوں اپنے عروج پر تھیں۔ البتہ ۱۹۷۷ء فیصلہ کن معرکے اور بھٹو شاہی کے خاتمے کا سال ثابت ہوا۔ ان دونوں سالوں میں جماعت اسلامی نے بھرپور جدوجہد کی ہے۔

رابطہ عوام کا جو کام معمول کے مطابق ہو رہا تھا ۱۹۷۶ء کے آغاز سے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا گیا۔ چونکہ آمریت کے خلاف فیصلہ کن جنگ صوبہ پنجاب میں لڑی جانی تھی اس لیے پنجاب میں رابطہ عوام کی وسیع مہم شروع کی گئی۔ مولانا جان محمد عباسی نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان، جماعت کے پارلیمانی قائد پروفیسر غفور احمد اور قیم جماعت، چودھری رحمت الٰہی صاحب نے ۲۷ جنوری سے دورۂ پنجاب شروع کیا جو ۶ فروری تک جاری رہا۔ دورہ حسب ذیل مقامات کا ہوا۔

راولپنڈی، گوجرانوالہ، سرگودھا، بھاگٹانوالہ، کوٹ مومن بھلوال، آدھی کوٹ، قائد آباد، جوہر آباد، دھریمہ، سلانوالی، چنیوٹ فیض آباد، ٹھٹھیاں، جڑانوالہ، سمندری، ماموں کانجن، چیچہ وطنی، ساہیوال قبولہ، پاکپتن، عارف والا، ملکہ ہانس، دیپالپور، اوکاڑہ، رینالہ خورد، چک ۳/1R، چک نمبر ۷، منڈی صادق گنج، منچن آباد، بہاول نگر، چشتیاں — ڈھرانوالہ، ہارون آباد، اور فورٹ عباس۔

دفعہ ۱۴۴ کی پابندیوں کی بنا پر تقریباً تمام پروگرام چار دیواری، یا مساجد کے اندر رکھے گئے تھے، لیکن "عوامی حکومت" کے لیے یہ محدود پروگرام بھی ناقابل برداشت تھے، اس لیے جگہ جگہ اسٹیج سے لاؤڈ سپیکر اٹھا لینے، مساجد کو تالا لگانے یا اس کا محاصرہ کرکے لوگوں کو شرکت سے روکنے اور منتظمین کو دھمکانے سے ان کی گرفتاری اور ان پر مقدمات بنانے تک کی کاروائیاں ہوتی رہیں، ان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود عوام اور خواص نے بڑی تعداد میں ان پروگراموں میں شرکت کی ان مقامات میں سے جس جگہ بارروم تھے، وہاں بار ایسوسی ایشن سے بھی خطاب کیا گیا۔ اس دورے میں بڑے شہر کم اور قصبات، دیہات کی تعداد زیادہ تھی جس کے نتیجے میں پنجاب کی دیہاتی آبادی سے براہ راست رابطہ پیدا

[illegible] ہر اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔ اور اس کے نتیجے میں پنجاب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آمریت کے خلاف ایک بیداری اور بیزاری کی لہر اٹھی۔

پنجاب کے اس دورے کے بعد بھی رابطہ عوام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ امیر جماعت میاں طفیل محمد صاحب، نائب امیر جماعت مولانا عباسی صاحب اور پارلیمانی لیڈر پروفیسر غفور صاحب وقتاً فوقتاً مختلف مقامات کا دورہ کرتے رہے۔ اس طرح پنجاب کے تمام اضلاع اور دیگر مقامات تک جماعت اور اس کی آواز موثر طور پہنچ گئی۔

اسی طرح صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کے بھی قریب قریب تمام اضلاع کا دورہ مرکزی رہنماؤں نے کیا۔ صوبہ بلوچستان کا بھی وسیع دورہ نائب امیر مولانا عباسی، نائب قیم اسلم سلیمی صاحب اور امیر جماعت اسلامی صوبہ سرحد قاضی حسین احمد پر مشتمل ٹیم نے کیا۔ ان مرکزی دوروں کے علاوہ صوبائی امراء اور صوبوں کے دیگر ذمہ دار حضرات بھی پوری طرح متحرک رہے، اور سال بھر تمام پابندیوں کے باوجود بڑے پیمانے پر رابطہ عوام کا کام ہوا جس سے جماعت کے اثرات میں نمایاں اضافہ ہوا۔

نائب امیر کا تقرر

جماعت کے کام اور اثرات کی توسیع کے ساتھ نائب امیر کے تقرر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ محترم امیر جماعت کی آنکھوں کی تکلیف اور صحت کی کمزوری نے اس میں اضافہ کر دیا چنانچہ [illegible] اور ۱۶ جنوری [illegible] کے اجلاس مجلس عاملہ کے دوران مجلس کے مشورے سے امیر جماعت نے جان محمد عباسی امیر صوبہ سندھ کو جماعت اسلامی پاکستان کا نائب امیر مقرر فرمایا۔ اس تقرر سے جماعت کے کام کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔ اور محترم عباسی صاحب نے پورے ملک میں وسیع پیمانے پر دورے کیے۔

قیم جماعت کے تنظیمی دورے

قیم جماعت نے [illegible] پروگراموں اور سیاسی مصروفیات کے [illegible] ۲۳ [illegible] تک صوبہ سندھ کے [illegible]

[illegible] کے [illegible] اضلاع کا دورہ کیا۔ [illegible] اضلاع میں ضلعی مجلس شوریٰ کے ارکان تحصیلوں اور تھانوں کے ناظم [illegible] نیز اکثر و بیشتر اضلاع میں اجتماعات ارکان منعقد کیے گئے۔ اس دورے میں اضلاع کے تنظیمی امور، ارکان جماعت کی اخلاقی اور تحریکی کیفیت، مقامی جماعتوں کے نظم اور معاملات کا جائزہ لیا گیا اور ضروری ہدایات کی گئیں۔

صوبہ بلوچستان کے مختلف اضلاع کا تنظیمی جائزہ نائب قیم نے ماہ مئی ۱۹۷۶ء میں نائب امیر کے ہمراہ اپنے دورہ [illegible] بلوچستان میں لیا۔ صوبہ پنجاب کے صرف چند اضلاع کا تنظیمی دورہ ۱۹۷۶ء کے دوران کیا جا سکا اور اس کے بعد ۱۹۷۷ء کے حالات واقعات نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

صوبہ سندھ کے تنظیمی دورے کے دوران لاڑکانہ میں دفتر جماعت کے اندر ضلع کے کارکنان جماعت سے قیم صاحب [illegible] کے دوران لاٹھی بردار پولیس کی بھاری تعداد نے مداخلت کر کے اس خالص تنظیمی اجتماع کو منتشر کر دیا اور رات گئے تک دفتر کے باہر پہرہ بٹھا دیا۔ تاکہ کوئی دفتر میں داخل نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ وہاں قیام پذیر دو نوجوانوں کو بھی اپنی قیام گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی اس تمام کاروائی کے لیے ان کے پاس تحریری حکم تو درکنار کوئی زبانی ہدایت بھی اس کے سوا نہ تھی کہ یہ وزیراعظم کا شہر ہے یہاں کوئی احتجاج نہیں ہو سکتا۔

مہم نفاذ شریعت۔

روز اول سے جماعت اسلامی کا نصب العین اسلامی نظام کا قیام ہے اور اس کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و محور اقامت دین ہی رہا ہے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے حالات کے مطابق پروگرام کی تشکیل اور اس میں رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ گزشتہ دو تین سال سے اس مقصد کے لیے رائے عامہ کو تیار اور منظم کرنے کے لیے جماعت نفاذ شریعت کا مطالبہ کر رہی تھی اور اسی مطالبے کو رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ مہم کی شکل دی جا رہی تھی۔ اس سلسلہ میں سال ۱۹۷۶ء کے دوران [illegible] نفاذ شریعت [illegible] [illegible] ۱۹ [illegible] [illegible]

[illegible] کے دوران اس نعرے کو ملک کے کونے کونے میں پہنچانے اور مقبول بنانے کے لیے بھرپور اور وسیع مہم چلائی گئی۔ لٹریچر کی تقسیم، پوسٹر، چٹھیاں، دیواروں، شاہراہوں اور ٹرکوں پر لکھائی، بیجز، (STICKERS) اسٹیکرز، کانفرنسوں، جلسوں، مظاہروں، اخبارات میں مضامین، قراردادوں، محضرناموں۔ غرض ہر طریقے سے کام لیکر اسے زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچایا گیا۔ اس طرح یہ مطالبہ فضا میں رچ بس گیا۔ ہر طرف سے اس کی صدا بلند ہوئی اور در و دیوار اس کے علمبردار بن گئے۔ دوسرے عشرہ نفاذ شریعت کے اختتام پر ۱۴ ر نومبر ۱۹۷۶ء کو پشاور میں ایک عظیم الشان شریعت کانفرنس ہوئی۔ یہ کانفرنس جناح پارک میں رکھی گئی تھی۔ انتظامیہ نے اخراجات دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن وزیر اعظم بھٹو کے دورہ سرحد کے بعد انتظامیہ نے بے بسی کا اظہار کیا اور بالآخر یہ کانفرنس وسیع و عریض مسجد مہابت خان میں ہوئی۔ مسجد اور آس پاس کی گلیاں اور سڑکیں انسانوں سے بھر گئیں اور پورا پشاور شہر اس مطالبے سے گونج اٹھا۔ اس مہم کے ذریعے سال ۱۹۷۶ء کے دوران میں جو کام ہوا اس کے اعداد و شمار موصول شدہ رپورٹوں کے مطابق حسب ذیل ہیں۔

رپورٹ عشرہ نفاذ شریعت

۱۹ ر تا ۲۸ ر مارچ ۱۹۷۶ء اور ۵ ر تا ۱۴ ر نومبر ۱۹۷۶ء

	پنجاب	سندھ	سرحد	کل تعداد
تبلیغی کیمپ	۴۳	۰	۰	۴۳
تبلیغی وفود	۳۷۹۴	۰	۶۳۶	۴۴۳۰
کارکن تبلیغی کیمپ	۱۴۳۰	۰	۱۶۲۵	۳۰۵۵
طلبا تبلیغی کیمپ	۲۲۰۳	۰	۰	۲۲۰۳
ملاقاتیں	۲۲۳۵۸۴	۷۸۳۷۷	۱۳۱۴۵	۳۲۲۶۱۰۶
پوسٹر	۵۷۸۴۹	۵۰۰۰	۱۰۷۰۰	۷۳۵۴۹
چٹھیاں	۲۹۴۶۶۶	۴۹۲۰۰	۲۰۰۰۰۰	۵۴۳۸۶۶
پمفلٹ	۸۱۱۹۰	۹۴۹۰۰	۱۳۵۵۰	۱۸۹۶۴۰
دو ورقہ	۸۱۳۷۶۸	۲۰۰۰	۶۶۱۵۰	۸۸۱۹۱۸
[illegible]	۱۰۲۸۴۵	[illegible]	۲۰۰۰۰۰	۷۹۰۷۴۵
[illegible]	۸۷	۵۷۷	۰	۶۶۴
سٹیکر	۲۵۰۳۳	۱۵۰۰۰	۱۲۰۰	۴۱۲۳۳
بورڈ	۲۰	۰	۰	۲۰
محضرنامہ	۴۹۰۰	۹۰۰۰۰	۰	۱۰۴۹۰۰
دستخط	۱۴۳۸۹۳	۰	۰	۱۰۴۹۰۰
قراردادیں	۴۱۵۸	۱۳۳۵	۱۳۰۱	۶۷۹۴
نعرات	۱۷۷۷۳	۰	۰	۱۷۷۷۳
ہینڈبل	۲۲۲۵۱	۴۰	۱۳۵۵	۲۳۶۴۶
تقریریں	۹۳۹	۰	۱۲۹	۱۰۶۸
شریعت کانفرنس	۲	۵	۰	۷
اضافہ متفقین	۷۶۸۳	۱۵۷۰	۵۴۴۳	۱۴۶۹۶
کارنر میٹنگ	۵۰۵۷	۰	۱۹۵۵	۷۰۱۲
جلسے	۰	۵۳۱	۰	۵۳۱
جلوس خاموش مظاہرے	۱۲	۱۷	۳	۳۲
مساجد میں خطبات	۲۰۱۲	۰	۲۱۶۰	۴۱۷۲
بڑے اجتماعات	۱۳۰۱	۳۳۳	۷۳	۱۴۰۷
مختلف طبقوں کے اجتماعات	۱۴۰	۱۲۵	۰	۲۶۵
مذاکرات	۴۶۰	۰	۰	۴۶۰
دعوتی خطوط	۱۱۳۸	۰	۰	۱۱۳۸
مراسلات	۱۵۷	۰	۲۵	۱۸۲
چارٹ	۰	۱۲۸۰۰	۰	۱۲۸۰۰
معززین کے نام خطوط	۰	۳۷۵۰۰	۰	۳۷۵۰۰
ائمہ کرام کے نام	۰	۳۱۲۰	۹۵۲۴	۱۲۶۴۴
کارکنوں کے نام	۰	۵۰۰۰	۰	۵۰۰۰

پوسٹ کارڈ ٹائپ شدہ

بنام صدر وزیر اعظم [illegible]	۰	۴۰۰۰۰	۰	۴۰۰۰۰
[illegible]	۰	۱۰۰۰۰	۰	۱۰۰۰۰
[illegible]	۰	۴۰۰۰	۰	۴۰۰۰
[illegible]	۰	۱۰۰۰	۰	۱۰۰۰
[illegible] چندہ	۰	۳۷۵۰ کتابچے	۰	۳۷۵۰

اس کام کے لیے بڑے وسیع اور خوش آئند اثرات مرتب ہوئے

اور ۱۹۷۷ء کی عوامی [illegible] کے دوران نظام مصطفےٰ کے مطالبے کو جو ہمہ گیر مقبولیت عام ہوا اور جس کے لیے پوری قوم یک زبان ہو گئی۔ وقتی محرکات و اسباب کے علاوہ تحریک اسلامی کی ۳۵ سالہ صبر آزما جد و جہد اور جماعت کی اس مہم کو بڑا دخل ہے۔

مراکش کے مسلمان نوجوانوں کی حمایت۔

ماہ جنوری ۱۹۷۶ء کے پہلے ہفتے میں جمعیت اصلاح اجتماعی کویت نے یہ اطلاع دی کہ مراکش میں عیسائی تنظیموں کی کوششوں اور اثر سے وہاں کی ایک مسلمان نوجوانوں کی تنظیم پر زیادتی کی جارہی ہے اور ان کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں۔ اس کاروائی کے خلاف جماعت کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا۔ امیر جماعت نے شاہ حسین ثانی بادشاہ مراکش کے نام برقیہ ارسال کیا جس میں اس کاروائی پر احتجاج کیا اور نوجوانوں کی رہائی کی اپیل کی۔ اسی طرح ملک کے متعدد بڑے شہروں سے اسی قسم کے تار بھیجے گئے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے نامور قانون داں جناب خالد اسحاق کی سربراہی میں وکلاء کی ایک ٹیم تیار کی گئی جس نے گرفتار شدہ نوجوانوں کے قانونی دفاع کے لیے اپنی خدمات پیش کیں وکلاء نے مراکش جا کر مقدمات کی پیروی کرنے کی اجازت مانگی گئی نیز ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بھی ان اسیران کے مسئلے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

مراکش میں تیار ہونیوالی فلم کیخلاف احتجاج۔

یہ اطلاع ملنے پر کہ مراکش میں ایک فلم محمد الرسول اللہ بنائی جا رہی ہے۔ امیر جماعت نے ایک اخباری بیان کے ذریعے اس پر احتجاج کیا اور اپیل کی کہ پورے ملک میں اس پر احتجاج کیا جائے۔ چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۷۶ء بروز جمعہ پورے ملک میں اجتماعات جمعہ میں اس فلم کے خلاف قراردادیں پاس کی گئیں۔ نیز متعدد مقامات سے اس بارے میں احتجاجی برقیے سفیر مراکش کے نام ارسال کیے گئے۔ امیر جماعت نے حکومت پاکستان سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ اس مسئلے میں مداخلت کر کے اس فلم کو رکوانے کی کوشش کرے۔ اور جو حصہ تیار ہو چکا ہے اسے تلف کرا دیا جائے۔

سعودی طلبہ کے وفد مرکز جماعت میں۔

منصورہ میں جماعت کا نیا مرکز بننے کے بعد نہ صرف مرکزی دفاتر [illegible] اور مختلف قسم کے اجتماعات میں آسانی پیدا ہو گئی ہے [illegible] غیر ملکی مہمانوں کو ٹھہرانے کے قابل ہو گئے ہیں اس سہولت سے [illegible] بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہے۔ سال ۱۹۷۶ء کے آغاز میں معلوم ہوا تھا کہ سعودی عرب سے طلبہ کے ایک دو وفود پاکستان کی سیاحت کے لیے آرہے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد مرکز جماعت نے انھیں دعوت دی کہ وہ لاہور میں منصورہ میں قیام کریں۔ چنانچہ پہلا وفد جو کلیۃ الشریعۃ، جامعہ اسلامیہ امام محمد بن سعود ریاض کے ۲۱ طلبہ اور دو اساتذہ پر مشتمل تھا۔ ۷ فروری ۱۹۷۶ کو لاہور پہنچا۔ ہوائی اڈے پر نعیم، امیر صوبہ پنجاب اور امیر شہر لاہور نے دیگر رفقاء کے ہمراہ ان کا استقبال کیا اور انھیں منصورہ لاکر ٹھہرایا۔ اس وفد نے ۱۳ فروری تک منصورہ میں قیام کیا۔ اس دوران میں انھوں نے بانی جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے اچھرہ میں ملاقات کی۔ لاہور شہر کی جماعت نے ان کے اعزاز میں عصرانہ دیا اور مرکز جماعت میں انھیں ایک عشائیہ دیا گیا، جس میں ایک سو کے قریب علماء اور مشائخ نے شرکت فرمائی۔ ان پروگراموں میں ان طلبہ اور ان کے اساتذہ نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پاکستان کی کھل کر تعریف کی اور کہا کہ ہم سعودی عرب میں مولانا مودودی کی فکر سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

دوسرا وفد جس میں ریاض یونیورسٹی کے ۴۹ طالب علم اور ۶ اساتذہ شامل تھے۔ ۲۷ فروری ۱۹۷۶ء کو لاہور پہنچا۔ حکومت پاکستان نے سعودی عرب کے کلچرل اتاشی پر دباؤ ڈالا کہ اس وفد کو منصورہ میں نہ ٹھہرنے دیا جائے۔ لیکن وفد کے اساتذہ اور طلبہ نے اس کے باوجود منصورہ میں قیام کا فیصلہ کیا۔ یہ وفد یکم مارچ ۱۹۷۶ء تک جماعت کا مہمان رہا۔ اس دوران میں اس نے شہر کے تاریخی مقامات کی سیر اور دوسری مصروفیات کے علاوہ ان کے اعزاز میں جماعت نے عشائیہ دیا اور انھوں نے بھی جماعت کے مرکزی عملہ اور جماعت لاہور کے چیدہ چیدہ حضرات کو ہوٹل فلیٹیز میں عشائیہ دیا۔ ان کی ایک تقریب پنجاب یونیورسٹی میں ہوئی اور انھوں نے مولانا محترم سے بھی ملاقات کی۔ اس وفد نے بھی مختلف تقریبات میں اسی طرح کے خیالات و جذبات کا اظہار کیا جیسا کہ پہلے وفد نے کیا تھا۔

ان وفود کی آمد اور منصورہ میں قیام سے جماعت کا سعودی عرب کے مختلف حلقوں میں اچھا تعارف ہوا جس سے انشاء اللہ مستقبل میں

حکومت پاکستان کی طلب کردہ سیرت کانفرنس

مسٹر بھٹو کی حکومت اسلام کی نمائش کے لیے جو اقدامات کرتی اور گنواتی رہی ہے، ان میں ایک سیرت کانفرنس ہے۔ سیرت پر یہ کانفرنس ۶، تا ۸، مارچ ۱۹۷۶ء کو لاہور میں بلائی گئی۔ دیگر مسلمان علماء اور مفکرین کو بلانے کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی کو بھی اپنا وفد بھیجنے کی دعوت دی گئی۔ رابطہ کے امام حرم کی قیادت میں اپنا وفد بھیجا۔ اور اس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی شامل کیا۔ مولانا محترم اپنی خرابی صحت کی بنا پر کانفرنس میں باقاعدہ شرکت سے معذور تھے تاہم انھوں نے امام حرم کی آمد کی اطلاع پر انھیں تار دیا۔ اور گزارش کی کہ وہ اور وفد کے تیسرے رکن شیخ عبدالغفور عطار ان کے ہاں تشریف لائیں۔ تاکہ رابطہ عالم اسلامی کی کانگریس کی نمائندگی کے بارے میں مشورہ کر لیا جائے۔ امام حرم نے ایک صاحب کے ذریعہ پیغام بھیج کر رات دس بجے آنے کا وقت طے کیا، لیکن حکومت نے انھیں مولانا مودودی کے پاس آنے سے روک دیا۔ مولانا جان محمد عباسی قائمقام امیر جماعت نے حکومت پاکستان کی اس ناروا کارروائی کی مذمت کی۔ اس پر حکومت کے قوم کو مغالطہ دینے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے، لیکن وہ اس حقیقت کو چھپانے میں ناکام رہی کہ حکومت نے امام حرم کو مولانا محترم سے نہیں ملنے دیا، اس سے اندرون ملک بدنامی کے علاوہ کانگریس کے شرکاء میں بھی حکومت کی اس حرکت کو سخت ناپسند کیا گیا۔

کانگریس کے دیگر مندوبین کو بھی مولانا مودودی کے پاس اچھرہ اور مرکز جماعت میں منصورہ آنے سے روک گیا۔ لیکن اس کے باوجود خاصی بڑی تعداد میں یہ حضرات دونوں جگہ تشریف لائے۔ منصورہ تشریف لانے والوں میں حسب ذیل حضرات شامل ہیں۔

شیخ خالد — مفتی اعظم لبنان

جناب حسن اقصائی — وزیر مملکت برائے مذہبی امور، ترکی و نائب صدر ملی سلامت پارٹی۔

جناب محمد ابوصبائی — وزیر اوقاف شمالی یمن۔

یوسف ہاشم الرفاعی — سابق وزیر کویت۔

پروفیسر ابوبکر القادری — مدیر النہضۃ الاسلامیہ۔ ایڈیٹر مجلۃ الایمان۔ مراکش۔

جناب عبدالہادی، المنعون — رباط۔

جناب ابراہیم، القریسی — اسلامک مشن، تھائی لینڈ

ڈاکٹر محمد ناصر — سابق وزیر اعظم انڈونیشیا۔

شیخ عبداللہ ابراہیم، المفرج — وزیر قانون کویت۔

جناب محمد فیصل — ڈائرکٹر مذہبی امور، کویت۔

شیخ عبدالغفور عطار — سعودی عرب رکن وفد رابطہ عالم اسلامی۔

ڈاکٹر محمد عبدالرؤف — ڈائرکٹر اسلامک سنٹر واشنگٹن۔

جناب عبدالرحمن ولائتی — مدیر البلاغ، کویت

ڈاکٹر ابراہیم الغیث — ڈائرکٹر مذہبی امور، ابوظہبی۔

جناب کمال القارزی — سربراہ محکمہ اوقاف، تیونس۔

پروفیسر تہامی نقرہ — پروفیسر قیروان یونیورسٹی، تیونس۔

جناب محمد حسین دھل — سربراہ اسلامک مشن، مارشیش۔

جناب عبدالرزاق الہاشم — کویت۔

جناب حسن التل — ایڈیٹر اللواء، اردن۔

محترم امیر جماعت کا ایک ہفتہ پہلے آنکھ کا آپریشن ہوا تھا اس کے باوجود امیر جماعت نے بعض مندوبین کے اعزاز میں عصرانہ دیا جس میں متعدد حضرات شریک ہوئے۔ جناب محمد حسین دھل نے منصورہ میں ایک اجتماع سے خطاب بھی کیا جس میں مارشیش میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات بیان فرمائے۔

بین الاقوامی اسلامی کانفرنس لندن میں امیر جماعت کی شرکت۔

برطانیہ اور مغربی یورپ کے مختلف مقامات میں مسلمانوں کی قابل لحاظ تعداد جمع ہو چکی ہے، اور ہر ملک میں ان کی تنظیمیں قائم ہیں ۱۹۷۵ء میں ان مسلم تنظیموں نے مل کر اسلامک کونسل آف یورپ قائم کی تھی۔ اس کونسل نے یورپ میں اسلام متعارف کرانے کے لیے لندن میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا انتظام کیا۔ جو ۳ تا ۱۲ اپریل کو لندن میں منعقد ہوئی اس کانفرنس میں تمام دنیا سے نامور مسلمان علماء اور مفکرین کو دعوت دی گئی تھی۔ جنھوں نے مغربی معاشرے کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے اسلام مختلف

چونکہ ان پر کوئی مقالہ پیش نہیں کیے تھے جو امیر جماعت کی جماعت جناب خلیل حامدی اور چودھری غلام جیلانی سیکرٹری ایشیا سے لیے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی کانفرنس میں مدعو تھے لیکن وہ اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر تشریف نہ لا سکے۔ البتہ انھوں نے اپنا مقالہ "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے" بھجوا دیا تھا جسے بزبان انگریزی پروفیسر غلام اعظم صاحب نے پڑھ کر سنایا۔

کانفرنس کا افتتاحی اجلاس لندن کے سب سے بڑے البرٹ وکٹوریہ ہال میں ہوا۔ ہال جو کبھی شاذ و نادر ہی بھرتا ہے۔ نہ صرف کھچا کھچ بھر گیا بلکہ ہزاروں شائقین کو داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے مایوس لوٹنا پڑا۔ افتتاحی خطاب شہزادہ محمد الفیصل فرزند ارجمند شاہ فیصل مرحوم و مغفور نے فرمایا۔ افتتاحی اجلاس میں محترم امیر جماعت نے بھی تقریر فرمائی۔ امیر جماعت اگرچہ ایک تقریر تیار کر کے لے گئے تھے۔ لیکن وہاں کے ماحول اور موقعہ کے لحاظ سے اسے چھوڑ کر ارتجالاً بولے اور خوب بولے۔ امیر جماعت کی تقریر سب سے زیادہ پسند کی گئی اور حاضرین نے خوب داد دی۔

کانفرنس کے باقی تمام اجلاس کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ ہال میں منعقد ہوئے۔ اور وہاں بھی جگہ کی قلت کی شکایت رہی۔ آخری اجلاس جس کا موضوع انسانیت کا مستقبل اور اسلام تھا۔ اس کی صدارت محترم امیر جماعت نے فرمائی۔ اس کانفرنس نے یورپ بالخصوص برطانیہ کے مسلمانوں کو ایک نیا شعور اور ولولہ تازہ بخشا۔ اور یورپ میں اسلام کو صحیح انداز میں متعارف کرانے کی راہ ہموار کی۔ اس کانفرنس میں، جماعت کے لیے اطمینان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ہمارے محترم رفیق پروفیسر خورشید احمد صاحب نے ہر مرحلے پر نمایاں کردار ادا کیا۔

امیر جماعت نے کانفرنس میں شرکت کے علاوہ، لیوٹن بلہم، اور برمنگھم میں مسلمانوں کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔

امیر جماعت کی عالمی انتظامی کونسل برائے مساجد کے اجلاس میں شرکت

محترم میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان، ستمبر ۱۹۷۵ء میں مسجد کانفرنس کو مکرمہ میں شرکت فرما چکے تھے۔ اس [illegible] دنیا بھر میں مساجد کی تعمیر [illegible] [illegible] لانے کی خاطر ایک اعلیٰ سطحی کونسل [illegible] محترم امیر جماعت اس کونسل کے بنیادی ارکان میں شامل تھے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۷۶ء سے اس کونسل کا اجلاس مکہ مکرمہ میں بلایا گیا تھا چنانچہ امیر جماعت اور خلیل حامدی صاحب اسلامی کانفرنس لندن سے فارغ ہوتے ہی مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچ کر کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اجلاس کا افتتاح گورنر مکہ نے کیا۔ اور شاہ خالد نے کونسل کے نام اپنے پیغام میں کونسل کے فیصلوں پر عملدرآمد کے سلسلے میں مکمل تعاون کا وعدہ فرمایا۔ ۱۹ اپریل کو کونسل کے ارکان شاہ خالد کی دعوت پر ریاض گئے۔ اور شاہ سے ملاقات کی۔ محترم میاں صاحب نے کونسل کی مالیاتی کمیٹی کے اجلاسوں کی صدارت کی۔ کونسل نے یہ بھی طے کیا کہ اسلامی دستور کا ایک مسودہ تیار کر کے تمام مسلمان حکومتوں کو بھیجا جائے۔

کونسل کے اجلاس میں شرکت کے علاوہ امیر جماعت نے مکہ اور طائف میں پاکستانیوں کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ نیز شاہ خالد، ولی عہد شہزادہ فہد اور امیر عبداللہ سے ملاقاتیں کیں۔

قیم جماعت کا دورۂ یورپ

بین الاقوامی اسلامی کانفرنس سے فارغ ہو کر قیم جماعت اور چودھری غلام جیلانی صاحب نے برطانیہ کے بعض شہروں اور مغربی یورپ کے متعدد ممالک کا دورہ کیا۔ قیم جماعت نے سٹریٹ فورڈ اور لندن میں مختلف تحریکی اداروں کے دیکھے، اور بعض اجتماعات سے خطاب کیا۔ نیز لندن میں یو کے اسلامک مشن کے سالانہ اجتماع میں تقریر کی اور شرکاء کے سوالوں کے جوابات دیئے اور مشن کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی۔

برطانیہ کے بعد قیم جماعت اور چودھری غلام جیلانی صاحب کوپن ہیگن (ڈنمارک) اوسلو (ناروے) برلن (جرمنی) میلان، روم، قاہرہ اور دوبئی ہو کر پاکستان واپس آ گئے۔ ان میں سے کوپن ہیگن، اوسلو، میلان اور دوبئی میں جماعت کے حلقے کام کر رہے ہیں۔ قیم جماعت نے ان کے اجلاسوں کے شرکت کے علاوہ عام اجتماعات سے خطاب کیا۔ میلان اور قاہرہ میں بعض احباب سے نیز شیخ الازہر سے ملاقات کی اور روم

میں عرب نوجوانوں کے ایک حلقہ میں ان کے سوالات کے جواب دیئے۔

دیگر جماعتی رہنماؤں کے بیرون ملک دورے

۱۹۷۶ء کے اوائل میں امیر جماعت اور قیم جماعت کے بیرون ملک سفر کے علاوہ سید منور حسین صاحب، جناب نعیم صدیقی صاحب اور مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب نے بھی بعض ممالک کا دورہ کیا۔ سید منور حسین صاحب نے ستمبر اور اکتوبر ۱۹۷۶ء میں امریکہ کینیڈا، برطانیہ اور سعودی عرب کا تقریباً ڈیڑھ ماہ تک دورہ کیا انھوں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی دعوت پر امریکہ اور کینیڈا میں مختلف مقامات پر مسلمانوں کے اجتماعات سے خطاب کیا۔ امریکہ سے وہ برطانیہ گئے۔ اور وہاں بعض شہروں میں تقریریں کیں جس کے بعد انھوں نے ریاض ہونے والی مسلم یوتھ کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔

جناب نعیم صاحب نے ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء میں برطانیہ کے متعدد شہروں میں مسلمانوں کے اجتماعات سے خطاب کیا اور مختلف تقریبات میں شرکت فرمائی۔ مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب نے اواخر اکتوبر ۱۹۷۶ء میں ریاض میں فقہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ نیز کویت اور سعودی عرب کے بعض شہروں میں پاکستانیوں کے اجتماعات سے خطاب کیا۔

وکلاء کنونشن

پاکستان میں آمریت کے خلاف جدوجہد میں وکلاء کا کردار نمایاں رہا ہے۔ اس کے پیش نظر جماعت نے وکلا کا ایک کنونشن بلانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ قانون دان طبقہ کی آواز کو بنیادی حقوق کی بحالی، قانون کی بالادستی اور اسلامی قانون کے نفاذ کے حق میں مجتمع کر کے مؤثر طریق پر کام میں لایا جائے۔ یہ کنونشن یکم اور ۲ مئی ۱۹۷۶ء کو مرکز جماعت منصورہ لاہور میں منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں ملک کے ہر حصہ سے وکلاء نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مختلف اجلاسوں کی حاضری چار اور پانچ سو کے درمیان رہی۔ عام وکلاء کے علاوہ ملک کے نامور وکلاء بھی شریک ہوئے اور کنونشن میں تقاریر کیں۔ ان میں جسٹس بی زیڈ کیکاؤس، جسٹس بشیر الدین، جناب اے کے بروہی، جناب خالد اسحاق، جناب ایم انور مرحوم، سید ایس ایم ظفر، جناب عامر رضا خان، جناب نعیم قریشی، جناب سردار بہادر خان، شیخ خضر حیات، رانا عبدالرحیم، جناب ریاض الحسن گیلانی اور چودھری محمد اسماعیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

کنونشن سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، میاں طفیل محمد، پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب زادہ صفی اللہ اور چودھری محمود احمد کنوینر وکلاء کنونشن نے بھی خطاب فرمایا۔ کنونشن نے عدلیہ کو آزاد کرنے، دستور کی چوتھی ترمیم واپس لینے، قرآن و سنت کے منافی قوانین منسوخ کرنے اور اسلامی قوانین نافذ کرنے، اسلام کے نظام معیشت کو جاری کرنے اور امتناعی نظر بندی کو ختم کرنے کی قراردادیں منظور کیں۔

کنونشن میں وکلاء کی ان کمیٹیوں کا مسئلہ بھی رکھا گیا جو جناب خالد اسحاق کی نگرانی میں قانون کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے کچھ عرصہ پہلے بنائی گئی تھیں اور کنونشن کے مشورہ سے ان میں مزید قانون دان شامل کیے گئے۔ نیز ان کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا ان کمیٹیوں کے نام یہ ہیں۔

۱ــــ دستور کمیٹی۔
۲ــــ کمیٹی برائے قوانین جرائم۔
۳ــــ کمیٹی برائے قوانین اراضی۔
۴ــــ کمیٹی برائے قوانین اجرت۔
۵ــــ کمیٹی برائے قوانین تجارت۔
۶ــــ محصولات کمیٹی۔

اسی کنونشن کے ذریعہ ایک طرف نفاذ شریعت مہم کو خاطر خواہ تقویت حاصل ہوئی۔ اور دوسری طرف وکلاء اور قانون دان حلقہ میں جماعت کے اثرات میں اضافہ ہوا۔

فرقہ بیراج کیخلاف احتجاج

۱۲ مئی ۱۹۷۶ء سے استنبول ترکی میں منعقد ہونے والی، مسلم ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس کے نام ایک تار میں بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امیر جماعت

میاں طفیل محمد نے کانفرنس کو بھارت کے بنگلہ دیش کے خلاف جارحانہ رویہ کی طرف متوجہ کیا۔ اور فرخا بیراج کے مسئلہ، اور بھارت کے سرحدی حملوں کے سلسلہ میں بنگلہ دیش کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ امیر جماعت نے ایک مفصل اخباری بیان میں اس مسئلہ کا جائزہ لیا اور بھارتی ظلم کی مذمت کی۔ نیز قوم سے اپیل کی کہ ۱۴ مئی کو اس مسئلہ پر احتجاج کریں۔ چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء کو راولپنڈی لاہور، پشاور، ملتان، کراچی اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں اس مسئلہ پر اجتماعات ہوئے۔ جن میں تقریریں کی گئیں اور قرار دادیں پاس کی گئیں۔ احتجاج کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

رپورٹ حقوق نسواں کمیٹی۔

بھٹو حکومت ایک طرف قوم کے اسلامی جذبے کا استحصال کے لیے اپنی اسلامی خدمات گنواتی تھیں تو دوسری طرف ایک منصوبے کے تحت ایسے اقدامات کرتی تھی جس سے اسلام کی صورت مسخ اور اس کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے۔ ان کارروائیوں میں سے ایک کارروائی حقوق نسواں کے نام پر اٹارنی جنرل کی سربراہی میں ایک کمیٹی کا قیام تھا جس کا کوئی ممبر شاذ ہی اسلامی تعلیمات کا علم رکھنے والا تھا اس کے برعکس یہ اکثر وبیشتر مغرب زدہ خواتین اور مردوں پر مشتمل تھی اس کمیٹی کی پہلی رپورٹ جولائی ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آئی اس رپورٹ میں جو سفارشات کی گئی تھیں۔ وہ اسلامی احکام سے کھلا انحراف تھا۔

محترم ملک غلام علی صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن کے اشارات میں اس رپورٹ کا مفصل تجزیہ کیا۔ اور اس پر زوردار مدلل تنقید کی۔ دوسری طرف اس رپورٹ کے خلاف جماعت نے اپنے اور متحدہ جمہوری محاذ کے پلیٹ فارم سے آواز اٹھائی۔ ملک بھر میں اس پر احتجاج کیا گیا۔ اجتماعات اور مساجد میں قرار دادیں پاس کی گئیں اور رپورٹ کو واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا جس کے نتیجہ میں حکومت نے رپورٹ کو سرد خانے میں ڈال دیا۔

مرکزی تربیت گاہ۔

ایک عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مرکز میں تربیت کا کوئی انتظام ہو۔ اس سلسلہ میں جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس نے تین قسم کی تربیت کا انتظام کرنے کی سفارش کی تھی۔

ایک جماعت کے عہدیداروں کے لیے۔

دوسرے عام کارکنوں کے لیے۔ اور

تیسرے مستقل تربیتی نظام۔

ان میں سے پہلی تربیت گاہ یکم تا ۱۱ر جولائی ۱۹۷۶ء مرکز جماعت میں لگی گئی تھی، جس میں امرائے اضلاع کو شریک کیا گیا تھا بعض اضلاع سے امیر ضلع کے علاوہ بھی ایک آدھ عہدیدار خصوصی اجازت سے شریک ہوئے۔ شرکاء کی کل حاضری ۵۳ تھی۔ اگرچہ لاہور میں یہ موسم اتنا لمبے پروگرام کے لیے موزوں نہیں تھا تاہم یہ تربیت گاہ ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ اس میں جماعت کے حلقے سے باہر کے بعض اہل علم کو بھی لیکچرز کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

بیرون ملک کام کی تنظیم۔

پاکستان سے باہر دوسرے ممالک میں بہت عرصہ سے تحریک سے وابستہ حضرات دعوتی کام کر رہے ہیں۔ اور ہر ملک میں وہاں کے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی ادارہ تنظیم یا حلقہ قائم ہے۔ لیکن ان حلقوں کی رہنمائی اور نگرانی کا کوئی انتظام اس کے سوا نہیں تھا کہ جب کبھی مرکز سے کوئی ذمہ دار باہر دورے پر جاتا تو وہ ان مقامات پر موجود حلقوں کا بھی جائزہ لے لیتا۔ باہر کے کام کو بہتر طور پر منظم و مربوط بنانے کے لیے ۲۲ر تا ۲۴ر جولائی ۱۹۷۶ء مرکز جماعت میں ایک مجلس مشاورت بلائی گئی جس میں بیرون ملک سے پروفیسر خورشید احمد صاحب (انگلستان) راؤ محمد اختر صاحب (سعودی عرب) خرم جاہ مراد صاحب (سعودی عرب) اور انیس احمد صاحب (امریکہ) نے شرکت کی۔ کچھ وقت کے لیے امریکہ کے عتیق الرحمٰن صاحب اور ڈاکٹر عاصم حسین صاحب بھی شریک رہے پاکستان سے محترم امیر جماعت اور قیم جماعت کے علاوہ مولانا جان محمد عباسی صاحب۔ پروفیسر غفور احمد صاحب، چودھری محمد اسلم سلیمی صاحب، عبدالحمید خان صاحب، قاضی حسین احمد صاحب، نقی حسین صاحب، ملک غلام علی صاحب اور چودھری [illegible] صاحب نے شرکت کی۔

بیرونِ ملک کام کا جائزہ لینے کے بعد اسے تین منطقوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کے لیے ایک زون (علاقہ) مقرر کیا گیا۔ اس طرح امریکہ اور کینیڈا کے لیے امین احمد صاحب، برطانیہ، یورپ اور غربی ایشیا کے لیے، پروفیسر خورشید احمد صاحب۔ اور مشرقِ افریقہ اور مشرقِ اوسط کے لیے ڈاکٹر محمد اختر صاحب کو ذمہ دار بنایا گیا تاکہ وہ اپنے منطقہ کے کام کی رہنمائی اور نگرانی کریں اور مرکز کو اس سے باخبر رکھیں۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ ہر سال اس قسم کے مشاورت کا اہتمام کیا جائے۔ تاکہ اس کام میں پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ لیکر باہمی مرکز کی رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

سیلاب اور جماعت کی امدادی مہم۔

۱۹۷۶ء میں مسلسل اور شدید بارشوں کی وجہ سے پاکستان کے چاروں صوبے ماہ اگست ۷۶ء میں سیلاب سے متاثر ہوئے ہزاروں مکانات گر گئے سینکڑوں دیہات زیرِ آب آگئے۔ یا پانی میں گھر گئے۔ کئی جگہ ریلوے لائین بہہ گئی۔ اور ہزاروں ایکڑ کھڑی فصلیں برباد ہوگئیں۔ غرض یہ کہ خاصے بڑے پیمانے پر مالی نقصان ہوا۔ اور بہت سارے اضلاع میں قیمتی جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ جماعت اسلامی نے اپنی روایات کے مطابق فوری طور پر امدادی مہم شروع کردی ۳ اگست کو محترم امیر جماعت نے قوم سے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لیے اپیل کی اور جماعت کے کارکنوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے امدادی کام کو باقی کاموں پر اولیت دیں۔ چنانچہ پورے ملک میں جماعت کی امدادی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ متاثر اضلاع میں امدادی کیمپ قائم کیے گئے اور غیر متاثرہ اضلاع میں امدادی سامان اور نقد رقم جمع کرنے کی مہم چلی گئی۔

امیر جماعت نے چودھری غلام جیلانی صاحب کو امدادی کام کا نگرانِ اعلیٰ مقرر فرمایا۔ امیر جماعت، قیم جماعت، نائب امیر اور چاروں صوبوں کے امرائے جماعت نے متاثرہ علاقوں اور جماعت کے امدادی کیمپوں کا دورہ کیا اور متاثرہ لوگوں سے اظہارِ ہمدردی کیا اور جماعت کے امدادی کاموں کا جائزہ لیا۔ چاروں صوبوں میں جماعت کے ساٹھ سے زائد امدادی مراکز ڈیڑھ دو ماہ تک کام کرتے رہے اس مہم میں جو کام انجام پایا اس کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں

رپورٹ سیلاب زدگان ۱۹۷۶ء

	پنجاب	سندھ	کل تعداد
نقد رقم	۲۱۲۵۲۳	۱۹۰۰۰	۲۳۱۵۲۳
گندم	۱۲۸ من	۰	۱۲۸ من
آٹا	۴۷۸ من	۱۷۰ من	۶۴۸ من
چاول	۲۵ من	۲۳۷ من	۲۶۲ من
بھنے چنے	۱۶ من	۰	۱۶ من
دال	۲۰-۱۵ من	۲۰-۲ من	۱۸ من
چائے	۱۷½ پونڈ	۰	۱۷½ پونڈ
گڑ	۳۰-۴ من	۱۹ من	۳۰-۲۳ من
بناسپتی گھی	۱۵ پونڈ	۴۲۰ پونڈ	۴۳۵ پونڈ
گوشت	۳۰ سیر	۰	۳۰ سیر
نمک	۲ من	۲ من	۴ من
پیاز	۲ من	۰	۲ من
اچار	۳ ٹین	۰	۳ ٹین
مکئی	۲۰-۱ من	۰	۲۰-۱ من
چٹائیے کے شامیانے	۱۲	۰	۱۲
ماچس	۹½ گرس	۴۲-۵ گرس	۸-۱۴ گرس
صابن	۳۰-۳ من	۴۲-۱۵ من	۱۴-۱۹ من
نیا کپڑا	۹۸۴۰ گز	۲۴۰ گز	۱۰۰۸۰ گز
پرانے کپڑے	۳۲۸۸	۵۰۰	۳۷۸۸
کوٹ	۵۰	۰	۵۰
قمیص چادریں	۲۱	۰	۲۱
لحاف	۱	۰	۱
قائم شفاخانے	۳۰	۰	۳۰
عارضی شفاخانے	۵۹	۳	۶۲
تعداد مریضان	۲۷۷۰۷۵	۳۸۳۸۷	۳۱۵۴۶۲
خشک دودھ	۰	۴۰۰ پونڈ	۴۰۰ پونڈ

اس مصیبت میں حکمران جماعت نے نمائشی طور پر کچھ کیمپ

دیوار بنا کر گھیراؤ کر دیا تھا۔ ان اجتماعات میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ یوم محمد بن قاسم اور یوم دفاع کو سرکاری سطح پر منانے کا اعلان و اہتمام کرے۔

دیر میں فوجی کاروائی۔

اول ستمبر ۷۶ء دیر کے قبائل نے جنگلات کے گزارہ کے مسئلہ پر ایک احتجاجی اجتماع کیا جس پر بھٹو حکومت نے ملیشیا کے ذریعہ فائرنگ کرائی اس سے قبائل میں اشتعال پیدا ہوا اور وہ دور دراز علاقے سے نکل آئے جس کی وجہ سے کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔ دیر سے جماعت اسلامی کے قومی اسمبلی کے رکن صاحبزادہ صفی اللہ صاحب صوبائی اسمبلی کے رکن ڈاکٹر یعقوب خان صاحب اور جماعت کے دیگر رہنماؤں نے بیچ بچاؤ اور معاملات کو سلجھانے کی تگ و دو کی ، قریب تھا کہ معاملہ سلجھ جاتا اور اس کے پُرامن حل کی صورت پیدا ہو جاتی لیکن انتظامیہ اور صوبائی حکومت کی کم حوصلگی اور بھٹو صاحب کے جذبۂ انتقام نے معاملہ بگاڑ دیا۔ ڈاکٹر یعقوب صاحب کو گرفتار کر لیا گیا اور ۱۰ ستمبر سے وہاں باقاعدہ فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا فوج کی بہت بھاری جمعیت اور ٹینک اور توپیں اس طرح استعمال کی گئیں جیسے دشمن افواج کے خلاف استعمال کی جا رہی ہوں۔ اس آپریشن کے نتیجہ میں تقریباً تین صد پاکستانی ہلاک ہوئے اور بے شمار مکانات کو نقصان پہنچا۔ بالآخر صاحبزادہ صفی اللہ صاحب کی کوششوں سے جن کے اپنے گاؤں پر گولہ باری کی گئی تھی مقامی فوجی کمانڈروں کو صحیح صورتحال سے آگاہی ہوئی۔ قاضی حسین احمد صاحب امیر صوبہ سرحد نے لاہور میں قیم جماعت کے ساتھ اور راولپنڈی اور پشاور میں تنہا پریس کانفرنس سے خطاب کر کے صحیح حالات ملک و قوم کے سامنے پیش کئے اور فوج کو اپنے ہی عوام کے خلاف استعمال کرنے کی مذمت کی۔

جماعت کے ذمہ داران نے متاثرہ خاندانوں سے اظہار ہمدردی کے ساتھ ساتھ ممکن حد تک ان کی مالی معاونت کی۔ اور حالات کے سدھار کے لیے انتظامیہ سے گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر کار نومبر ۱۹۷۶ء میں ایک جرگہ میں، جس میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون سی نے بھی شرکت کی۔ مقامی قبائل اور فوج کے مابین مصالحت ہو گئی۔

فقہ اسلامی کانفرنس۔

امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے زیر اہتمام اکتوبر ۱۹۷۶ء میں فقہ اسلامی کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں عالم اسلام کے علماء، مفکرین اور قانون دانوں کو دعوت دی گئی تھی تاکہ اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پڑھے جائیں اور ان کے بارے میں پائی جانے والی یا پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے اس کانفرنس میں محترم امیر جماعت اور ملک غلام علی صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن حکومت نے تمام کوششوں کے باوجود لیت و لعل سے کام لے کر یہ کوشش کی، امیر جماعت اور ان کے رفقاء کانفرنس میں نہ جا سکیں گزشتہ سال بھی حکومت نے امیر جماعت کو حج پر جانے سے روک دیا تھا جس کے خلاف متعدد اسلامی ملکوں کے زعماء نے احتجاج کیا تھا۔ لیکن اس کے علی الرغم اس سال پھر وہی روش اختیار کی گئی جب اس غیر معقول رویہ پر شور مچا اور براہ راست وزیراعظم سے یہ دریافت کیا گیا کہ وہ اس طرز عمل کی نتائج کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں یا نہیں تو بالکل آخری وقت میں امیر جماعت کو جانے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ امیر جماعت اور ملک صاحب جب ریاض پہنچے تو کانفرنس ختم ہو چکی تھی اس لیے وہ اس میں تو شرکت نہ کر سکے البتہ کانفرنس کے اکثر شرکاء چونکہ ابھی واپس نہیں گئے تھے اس لیے ان سے ملاقاتیں ہو گئیں۔

امیر جماعت نے تقریباً دو ہفتے ریاض میں قیام فرمایا اور اس دوران سعودی عرب کے دینی اور حکومت کے حلقوں میں متعدد ملاقاتیں کیں۔ نیز شاہ خالد سے بھی دو مرتبہ ملاقات کی اس کے بعد حج کی سعادت حاصل کی۔ حج کے لیے آنے والے مختلف وفود کی اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ امیر عبداللہ بن کا اسی دوران میں انتقال ہو گیا تھا ان کے صاحبزادے سے ان کی تعزیت کی اور دسمبر ۷۶ء کے آخر میں پاکستان تشریف لائے۔

اس سال مولانا جان محمد عباسی صاحب قائم مقام امیر جماعت نے بھی حج کی سعادت حاصل کی اور وہاں امیر جماعت کے ساتھ مختلف ملاقاتوں میں شریک رہے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

متحدہ جمہوری محاذ

سال ۷۶ء کے دوران میں متحدہ جمہوری محاذ چھ جماعتوں پر مشتمل رہ گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے سختی اور جکڑ بندیوں کا یہ عالم تھا کہ ملتان میں مسجد کے اندر کارکنوں کا کنونشن بھی نہ ہونے دیا گیا اور مسجد کا محاصرہ کر کے شرکاء کو وہاں پہنچنے سے روک دیا گیا۔ اس تمام جبر و استبداد کے باوجود محاذ نے اپنی سرگرمیاں ممکنہ حد تک جاری رکھیں اور اسمبلی کے اندر اور باہر استبداد کا مقابلہ اور حکومت کے آمرانہ رویّے کو بے نقاب کرتا رہا جماعت اسلامی محاذ کی ایک شریک جماعت کے طور پر ان سرگرمیوں میں پوری طرح شریک رہی۔

اس عرصہ میں جماعت نے اپنے پلیٹ فارم سے یا متحدہ محاذ کے ساتھ جو جدوجہد کی اس کی راہ میں جبر و استبداد نے بے شمار رکاوٹیں کھڑی کیں۔ ایمرجنسی کے نام پر بنیادی حقوق کا خاتمہ، پورے ملک میں دفعہ ۱۴۴ کا دائمی نفاذ اور پریس پر پابندیوں کے علاوہ، خوف و ہراس، دھمکیاں، غنڈہ گردی، گرفتاری اور جھوٹے مقدمات کی بھرمار یہ تمام حربے وسیع پیمانے پر استعمال کیے جاتے رہے۔ جماعت کے اکثر عہدیدار اور سینکڑوں کارکن ڈی پی آر اور مستبدانہ قوانین کے تحت اس دوران گرفتار ہوئے۔ یا مقدمے بھگتتے رہے، لیکن خدا کے فضل سے کسی ایک کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔

منصورہ میں غیر ملکی اہم شخصیات کی آمد

جو غیر ملکی شخصیات ۱۹۷۶ء کے دوران وقتاً فوقتاً مرکز جماعت میں آتی رہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

جناب عبدالقہار داود العانی ۔۔ عراق، پروفیسر کابل۔

مسٹر ہاورڈ شیفرس ۔۔ امریکی قونصل برائے امور سیاسی اسلام آباد۔

مسٹر جان گینی ۔۔ امریکی قونصل جنرل لاہور۔

شیخ فتح محمد ۔۔ ابوظبی۔

جناب عبدالرحمن ۔۔ نائب وزیر اوقاف، کویت۔

جناب یوسف جمی ۔۔ صدر جمعیت الاصلاح الاجتماعی، موجودہ وزیر اوقاف، کویت۔

جناب حاشر فاروقی　　مدیر امپیکٹ، لندن

پروفیسر مولانا محمد ابراہیم، امیر جماعت اسلامی سیلون مع دو رفقاء جماعت۔

ایم کے ایم معصوم ایڈووکیٹ، رفیق جماعت اسلامی سیلون۔

مولوی محمد یوسف۔　　رکن جماعت اسلامی سیلون۔

جناب محمد ابراہیم السلیفی　　وزارت تعلیم سعودیہ۔

جناب محمد فاروق حواضنی،　　وکیل رمیاط، مصر۔

شیخ اسمٰعیل بن عتیق۔　　انچارج شعبہ مبلغین دار الافتاء و سعودی عرب۔

جناب فالح طویل　　چارج ڈی افیئرز، اردن۔

ملک نصر اللہ خاں عزیز کا انتقال پر ملال

حکمرانوں کے جبر و استبداد کے علاوہ اس سال میں ہم کو شدید صدمات پہنچے۔

۲ جولائی ۱۹۷۶ء کے مایہ ناز صحافی اور جماعت اسلامی کے بزرگ رہنما ملک نصر اللہ خان عزیز نے مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ ملک صاحب تشکیل جماعت سے تھوڑا ہی عرصہ بعد جماعت میں شامل ہوئے تھے اور اس کے بعد سے آخر دم تک پورے اخلاص کے ساتھ جماعت کی خدمت کرتے رہے۔ ملک صاحب کے قلم نے جماعت اسلامی اور اس کے نصب العین کی جو حمایت کی ہے الفاظ اسے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

چودھری نذیر احمد صاحب کی رحلت

اس کے دو ماہ بعد ۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کی دوپہر کو چودھری نذیر احمد صاحب (ملتان) انتقال فرما گئے۔ چودھری صاحب بھی ابتداء ہی سے جماعت سے وابستہ تھے۔ یوں تو انھوں نے متعدد حیثیتوں سے جماعت کے لیے کام کیا ہے۔ لیکن اسلامی نظام تعلیم کے سلسلے میں ان کی خدمات خاص طور پر قابل قدر ہیں۔

جناب مصباح الاسلام فاروقی کی وفات حسرت آیات

۱۲ر نومبر کو طویل علالت کے بعد مصباح الاسلام فاروقی بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

ڈاکٹر سلیم باجوہ کی دردناک شہادت

۲۵ر نومبر ۱۹۷۶ء کو ڈاکٹر سلیم باجوہ صاحب کی ریل میں سفر کرتے ہوئے شہادت سے سیاسی قتلوں کی فہرست میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔

اس سے پہلے ایک سال کی مدت میں جماعت کو کبھی اتنے قیمتی جاں نثاروں سے محروم نہیں ہونا پڑا۔ دعا ہے کہ ان چاروں کی اور دوسرے جو رفقا اس دوران میں اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں ان سب کی مغفرت فرمائے۔ ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ اور جماعت کی ایسے مزید مجاہدوں سے مدد فرمائے۔

۱۹۷۷ء معرکے کا سال

۱۹۷۷ء کا سال معرکے کا سال تھا۔ اس کا نصف اول انتخابات اور تحریک میں گزرا اور نصف ثانی مارشل لا کے تحت اس کی رپورٹ انھیں دو اجزا پر مشتمل ہے۔

پاکستان قومی اتحاد کا قیام

۱۹۷۵ء سے پاکستان کی اپوزیشن جماعتیں متحدہ جمہوری محاذ میں اکٹھی کام کر رہی تھیں۔ لیکن نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی لگنے کے بعد جب اس کے حامیوں نے این ڈی پی کی تشکیل کی تو وہ اس محاذ میں شامل نہیں ہوئی۔ نیز جمعیت علمائے پاکستان بھی ۷۵ء میں حیدر آباد کے حلقہ میں ضمنی انتخاب کے مسئلہ پر محاذ سے الگ ہو گئی تھی۔ اور تحریک استقلال پہلے ہی استخان گروپ اور ان الف اوجیت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ بھٹو شاہی میں اپوزیشن کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا تھا اس کے پیش نظر سیاسی حلقے اتحاد کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ بالخصوص انتخابات کی صورت میں اپوزیشن جماعتوں کے لیے الگ الگ حکمران پارٹی کا مقابلہ کرنا بالکل محال تھا۔ لیکن دوسرے محاذ سے باہر کی مختلف جماعتوں کے طرز عمل سے اتحاد کے امکانات، کچھ زیادہ روشن معلوم نہیں ہوتے تھے۔

مسٹر بھٹو اپوزیشن کی اس کیفیت سے پوری طرح آگاہ تھے وہ بظاہر یہ اعلان کرتے رہے کہ انتخابات اپنے وقت پر ہوں گے لیکن خود انتخابات کی پوری تیاری کرتے رہے۔ تیاری مکمل ہونے کے بعد انھوں نے اچانک وقت سے ایک ڈیڑھ سال پہلے ہی اسمبلیاں توڑنے اور انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا وہ اپوزیشن پر شب خون مارنا چاہتے تھے لیکن ۷ر جنوری ۱۹۷۷ء کو یہ اعلان ہوا اور ۱۰ر جنوری کو اپوزیشن کی تمام جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد کے قیام کا اعلان کر دیا۔

قومی اتحاد کی تشکیل نے عوام میں جوش و خروش کی ایک زبردست لہر دوڑا دی۔ اور قوم انتخابات کو آمریت سے نجات پانے کا ایک نادر موقع سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ قومی اتحاد نے بھی انتہائی مستعدی کا مظاہرہ کیا اور ہفتہ عشرہ کے اندر عہدیداروں کے چناؤ، نشستوں کی تقسیم اور منشور کی تیاری کے سخت مشکل مراحل کو، کامیابی کے ساتھ طے کر لیا اور انتخابات کا معرکہ گرم ہوا۔

نشستوں کی تقسیم کا کام بالخصوص بہت صبر آزما اور کٹھن تھا وقت کی کمی اور نو جماعتوں کے باہم متصادم دعاوی، مرکزی اور صوبائی پارلیمانی بورڈ کئی راتیں جاگ کر کام کرتے رہے۔ پارلیمانی بورڈوں میں جماعت کے نمائندوں نے بہت محنت اور صلاحیت کے ساتھ اپنے اپنے جماعتی مفادات کی نگہداشت کی۔ جماعت نے پہلے سے تمام حلقہ ہائے انتخاب کا جو جائزہ تیار کر رکھا تھا۔ وہ بہت کام آیا۔ جماعت کو اگرچہ اچھی نشستیں اتحاد پر قربان کرنا پڑیں لیکن اتحاد نے رائے عامہ کو ہموار کرنے کا جو کام کیا اور ووٹوں کی تقسیم سے بچایا اس نے اس کی تلافی کر دی اور باقی نشستوں میں کامیابی کے امکانات پہلے کے مقابلے میں کافی بڑھ گئے۔

منشور کی تیاری میں جماعت کے نقطۂ نظر کو پذیرائی ہوئی اور ایک آدھ اختلافی نکتے کے سوا پورے کا پورا منشور جماعت کے نظریات کے مطابق تیار ہوا۔ اس منشور کا مرکزی محور اسلامی نظام یا نظام مصطفےٰ کا قیام تھا۔ پوری انتخابی مہم میں اس مقصد پر زور دیا گیا

۵۔ ۱۶۳۔ این اے اور ۱۶۵۔ این اے لاڑکانہ

حکمراں پارٹی کے ممتاز بھٹو اور جاڑلیا امیدوار تھے ان دونوں نشستوں پر جماعت کے نمائندوں کو اغوا کر لیا گیا۔ اور کاغذات داخل نہیں کرنے دیے گئے۔ ان دونوں نے اپیل کی لیکن وہ بھی مسترد کر دی گئیں۔

۶۔ ۱۷۲۔ این اے۔ بدین۔

سید علی پیر شاہ صاحب، جماعت کے نمائندے تھے ان کے کاغذات داخل ہونے کے بعد انھیں اغوا کر کے ساری رات سونے نہیں دیا گیا اور دست برداری لکھنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ اس میں ناکام ہونے کے بعد ان کے کاغذات مسترد کر دیے گئے۔ جو اپیل کرنے پر بحال ہوئے۔

۷۔ ۱۷۵۔ این اے۔ تھرپارکر۔

یوسف آفندی صاحب کے موئید کو اغوا کر کے اس سے زبردستی دست برداری لکھوالی اور کاغذات مسترد کر دیے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی لیکن وہ بھی مسترد ہو گئی۔

۸۔ ۱۷۸۔ این اے۔ دادو۔

حکیم دین محمد صاحب مجوز کو اغوا کر کے ان کے کاغذات مسترد کرا دیے گئے۔

۹۔ ۱۸۱۔ این اے۔ ٹھٹھہ۔

جماعت کے نمائندے محمد اسماعیل گندرو صاحب کو اغوا کر کے، ان سے زبردستی دست برداری لکھوائی گئی اور بہت مارنے پیٹنے کے بعد جب انھیں چھوڑا گیا تو انھوں نے فوری طور پر ریٹرننگ افسر کے نام تار بھیج کر اس دست برداری کو رد کر دیا۔

۱۰۔ صوبائی حلقہ۔ پی ایس ۱۱۔ کشمور۔

مولانا عبد اللہ کھوسہ کو کاغذات داخل کرنے سے

۱۱۔ پی ایس ۱۳۔ جیکب آباد شہر۔

سردار خان لاشاری کے مجوز کو اغوا کر لیا گیا اور کاغذات مسترد کرا دیے گئے۔ اپیل کی گئی وہ بھی مسترد کر دی گئی۔

۱۲۔ پی ایس ۵۱۔ بدین۔

خداوند بخش کھوسو صاحب کو کاغذات داخل ہی نہیں کرنے دیے۔

۱۳۔ پی ایس ۶۹۔ ٹنڈو آدم۔

امیدوار عبد العزیز خوری صاحب کو اغوا کر لیا گیا اور کاغذات داخل نہیں کرنے دیے۔

۱۴۔ پی پی۔ چونیاں۔

ڈاکٹر عبد الخالق صاحب کو اغوا کر لیا گیا اور شہریوں کے شدید احتجاج اور مظاہرے کے بعد انھیں چھڑایا گیا۔

۱۵۔ این اے۔ ساہیوال۔

۸ فروری کو پیر عباس شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔

محمد اشرف پر قاتلانہ حملہ۔

۱۶۔ ۲۶ فروری کو محمد اشرف حلقہ لاہور کے صدر کو پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے شہید کر دیا۔

دفتر جماعت اسلامی سکھر پر حملہ۔

۱۷۔ ۳ مارچ کو جماعت اسلامی سکھر کے دفتر پر حملہ کر کے شیشے توڑ دیے گئے۔ ریکارڈ پھاڑ دیا، اور گولی چلائی گئی۔

عدیم النظیر دھاندلی۔

انتخابی مہم کے دوران بھی جگہ جگہ غنڈہ گردی اور

تشدد کے واقعات ہوئے ... سرکاری
گاڑیوں اور دیگر وسائل کو پیپلز پارٹی کے لیے بے دریغ استعمال
کیا گیا۔ ریڈیو، ٹیلیویژن اور ٹرسٹ کے اخبارات کے
ذریعے حکمران پارٹی کے حق میں یک طرفہ پروپیگنڈا بڑے زور
سے کیا جاتا رہا۔ لیکن اس کے باوجود جب کامیابی مشکوک ہوئی
تو الیکشن جیتنے کے کام، ڈپٹی کمشنروں اور کمشنروں کے سپرد
کر دیا گیا۔ چنانچہ پولنگ پر جو دھاندلی کی گئی اس نے دھاندلی
کے تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔ دھاندلی کی کوئی قسم ایسی نہیں
جو نہ آزمائی گئی ہو۔ بہت وسیع پیمانے پر جعلی ووٹنگ کی گئی،
ووٹروں میں روپیہ تقسیم کیا گیا، پیپلز پارٹی کے پولنگ ایجنٹ اور
بے شمار مقامات پر خود پولنگ کا عملہ ووٹروں سے پرچیاں لے
لے کر خود مہریں لگاتا رہا۔ بیلٹ بکس تبدیل کیے گئے گورنمنٹ
پرنٹنگ پریس سے اصلی نمبروں کے بیلٹ پیپر ناجائز طور
پر چھپوا کر بکسوں میں بھرے گئے۔ جگہ جگہ پولنگ اسٹیشنوں پر فائرنگ
کی گئی۔ متعدد حلقہ ہائے انتخاب میں حکمران پارٹی کے امیدواروں
نے اسلحہ کے زور سے مسلح ہو کر زبردستی بیلٹ بکس اٹھوا لیے۔ غرض
کہ ہر بے ایمانی آزمائی گئی اور ان سب کے باوجود جو کسر رہ گئی
اسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اپنی مرضی کے نتائج کا اعلان کر کے
پورا کر دیا گیا۔

قوم اپنے حقوق پر یہ کھلا ہوا ڈاکہ پڑتے دیکھ کر سراپا
احتجاج بن گئی۔ اور وہ تحریک چلی، جس کی مثال ہماری
تاریخ میں نہیں ملتی۔

انتخابی مہم۔

جماعت نے نہ صرف اپنے انتخابی حلقوں میں زوردار
انتخابی مہم چلائی۔ بلکہ ملک بھر میں تمام انتخابی حلقوں میں
جماعت کے کارکنوں نے انتہائی محنت اور اخلاص سے کام کیا
اور اکثر حلقوں میں دوسری جماعتوں کے امیدواروں کی انتخابی
مہم کو بھی آگے بڑھ کر منظم کیا۔ جماعت کی اس کارکردگی کا اعتراف
دوسری جماعتوں نے بھی کیا۔ اپنے انتخابی حلقوں کے مصارف
جماعت کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے
لینے کی ... کر دیا۔ ملک کے اندر بھی ... ہر طبقے نے
کھل کر تعاون کیا، اور بیرون ملک ... بھی قابل قدر
ایثار کا مظاہرہ کیا۔

پورے ملک میں پاکستان اتحاد کی انتخابی مہم بڑی
مؤثر اور پرزور تھی۔ قومی اتحاد کے رہنما جس شہر میں گئے وہاں
یہ معلوم ہوا کہ پورا شہر اور آس پاس کی آبادی ان کے خیر مقدم
کے لیے امڈ پڑی ہے ہر جگہ فقید المثال جلسے ہوئے اور تاریخی
جلوس نکلے۔ اگر دھاندلی بہت بڑے پیمانے پر نہ کی جاتی، تو
اتحاد کی فتح یقینی تھی جس کا واضح ثبوت ۔ ارمارچ کو صوبائی انتخابات
کے پولنگ کے موقعہ پر اتحاد کی اپیل پر قوم کا بائیکاٹ تھا۔ غیر
ملکی صحافیوں نے اس دن مختلف شہروں میں خود سنسان پولنگ
اسٹیشنوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس بات کی شہادت دی کہ
قوم نے واقعی ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا ہے اور پولنگ کے
جو اعداد و شمار سرکاری طور پر نشر کیے گئے ہیں وہ سراسر جعلی ہیں۔

اس تمام دھاندلی کے باوجود جماعت نے قومی اسمبلی کی
نو نشستیں جیت کر اتحاد کی تمام جماعتوں میں سرفہرست پوزیشن
حاصل کی ان نشستوں کی صوبائی تقسیم حسب ذیل تھی۔

صوبہ سندھ	۴
صوبہ پنجاب	۲
صوبہ سرحد	۳

فقید المثال احتجاجی تحریک۔

ان نام نہاد انتخابات میں قوم نے جو کچھ خود دیکھا تھا
اس کی تصدیق چیف الیکشن کمشنر جسٹس سجاد احمد جان نے بھی
کر دی مگر خرابی بسیار کے بعد چیف الیکشن کمشنر کے بیان
کے مطابق نصف سے زائد حلقوں میں اتنے بڑے پیمانے پر
بدعنوانیاں ہوئی تھیں کہ ان کا تدارک کرنا، انتخابات کے بغیر
ممکن نہ تھا۔ خود بھٹو صاحب نے یہ کہہ کر اس کا اعتراف کیا کہ اگر
دھاندلی ہوئی ہے تو یہ میرے ذریعہ نہیں کی گئی ہے میں نے
نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کے منطقی نتائج کا سامنا
کرنے اور نئے سرے سے انتخابات کرانے کے لیے تیار

نہ ہوئے۔ اور بالآخر قوم کو اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے سڑکوں پر نکلنا پڑا۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء سے قومی اتحاد کی اپیل پر پرامن احتجاجی مظاہرے شروع ہوئے اور دیکھتے دیکھتے پوری قوم اس میں شامل ہوگئی۔ ملک کا کوئی قابل ذکر شہر اور قصبہ نہ تھا جس میں احتجاجی جلوس نہ نکلے ہوں، بلکہ دیہات نے بھی تحریک میں حصہ لیا۔ سیاسی کارکنوں، علماء، وکلاء، طلبہ، دکاندار، مزدوروں، غریبوں اور امیروں، بوڑھوں، اور جوانوں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور قوم کی ماؤں، بہنوں، اور بیٹیوں نے جس شجاعت اور عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال تو شاید تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی۔

جیلیں بھر گئیں، لاٹھیاں برسیں، گیس کے گولوں کی بارش ہوئی۔ گولیاں چلیں، کرفیو اور بالآخر مارشل لا لگا لیکن کوئی چیز قوم کے بڑھتے ہوئے قدم نہ روک سکی۔

جماعت اسلامی اس تحریک کی ریڑھ کی ہڈی تھی اکثر بیشتر اضلاع میں تحریک میں جماعت کا رول نمایاں بلکہ موثر ترین رہا اور اس بات کا اظہار غیروں نے بھی کیا ہے کہ جماعت کی تنظیم اور قوت کے بغیر اتنی بڑی تحریک اس شان کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ صوبہ سندھ میں جماعت نے آگے بڑھ کر اسے سندھی، مہاجر جنگ کا رنگ دینے کی سرکاری کوشش کو ناکام بنایا، اور پرانے سندھی کارکنوں نے گرفتاریاں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ سندھی غیر سندھی کی نہیں بلکہ حق و باطل کی جنگ ہے۔

تحریک پر ظلم و تشدد۔

تحریک کے شہید، زخمی اور گرفتار ہونے والوں کے صحیح اور مستند اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ بہرحال یہ اعداد و شمار آئندہ کا مؤرخ ہی فراہم کر سکے گا۔ ان کی تعداد جو بھی ہو جماعت اسلامی کے کارکنوں کا اس میں نمایاں حصہ ہے۔ جماعت سے وابستہ اسیران تحریک کی تعداد ہزاروں میں ہے، اور زخمیوں، شہیدوں میں بھی ان کی خاصی تعداد ہے۔ جماعت کے مرکزی، صوبائی اور ضلع کی سطح کے عہدیداروں میں سے شاید ہی کوئی سنت یوسفی ادا کرنے سے محروم رہا ہو۔ جماعت سے وابستہ نوجوانوں اور طالب علموں کی بڑی تعداد کو جس طرح شاہی قلعہ میں تعذیب و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اور انھوں نے جس پامردی کا مظاہرہ کیا وہ ہمیشہ یاد رہے گا انھیں الٹا لٹکایا گیا، مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا، انھیں بجلی کے جھٹکے لگائے گئے۔ ان کے ناخن اکھاڑے گئے۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جماعت کی خواتین رہنماؤں اور کارکنوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ متعدد خواتین کے لئے نظربندی کے احکام جاری کیے گئے اور کئی خواتین زخمی ہوئی ہیں۔

بانی جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی قیام گاہ پر اپنے آدمیوں کے ذریعہ اسلحہ اور بم رکھوا کر برآمد کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئیں۔ لیکن اللہ کے فضل سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی طرح منصورہ میں جماعت کے مرکز کو بم سے اڑانے اور پھر جماعت پر ناجائز اسلحہ کا ذخیرہ کرنے کا الزام لگا کر اسے خلاف قانون قرار دینے کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل درآمد کے لیے ایف ایس ایف کے آدمی مامور کیے گئے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے جماعت کو محفوظ رکھا۔

اسیروں، زخمیوں اور پسماندگان شہداء کی خدمت

جماعت کے کارکنوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے جیلوں میں تبلیغ و تلقین اور تربیت کے پروگرام چلائے نیز دعوت دین کا لٹریچر ساتھیوں میں پھیلانے اور پڑھانے کا کام کیا۔ جیل سے باہر رہنے والوں نے جیل جانے والوں اور ان کے خاندانوں کی دیکھ بھال کی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ صحیح اعداد و شمار دستیاب نہیں، لیکن جماعت نے اس کام پر بلا مبالغہ لاکھوں روپے خرچ کیے ہیں۔ صرف صوبہ سندھ میں جو معلومات جمع ہو سکی ہیں ان کی رو سے تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ روپے کی نقد امداد اور بہت بڑی مقدار میں خورد و نوش کا سامان اور دوسری اشیاء اسیران، زخمیوں اور شہداء کے پسماندگان میں تقسیم کی گئیں۔ جماعت اسلامی کراچی نے شہداء کے پسماندگان اور مستقل معذور ہو جانے والوں کے لیے ماہانہ وظائف مقرر کیے ہیں جن کی مجموعی رقم تقریباً بارہ ہزار روپے ماہوار ہے۔

جس وقت پاکستان قومی اتحاد قائم ہوا ہے اس وقت،

جماعت نے کوئی عہدہ لیے بغیر اتحاد کے ساتھ بھرپور۔ اور پرخلوص تعاون کیا۔ اور جنوری وفروری کی انتخابی مہم کے دوران میں یہی صورت رہی۔ لیکن قومی اتحاد کے سابق سیکرٹری جنرل کی معزولی کے بعد پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب کو پاکستان، قومی اتحاد کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ اور اس کے بعد سے اب تک وہ عہدہ پر فائز ہیں۔ تحریک کے دوران میں جب اتحاد کے مستقل عہدیدار جیل چلے گئے۔ تو مولانا جان محمد عباسی صاحب تقریباً ایک ماہ تک اتحاد کے نائب صدر رہے۔ آپ کی نوابزادہ نصراللہ خان صاحب۔ اور ملک وزیر علی صاحب کی گرفتاری کے بعد پیر صاحب پگاڑا قائم مقام صدر اور قیم جماعت (چودھری رحمت الٰہی) اتحاد کے قائم مقام سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ اکثر وبیشتر صوبوں اور اضلاع میں جماعت کے پاس اتحاد کی صدارت، جنرل سیکرٹری شپ یا نائب صدر کے عہدے ہیں۔ اس طرح اتحاد کی تنظیم اور اس کی کارکردگی میں جماعت کا بڑا اہم اور نمایاں حصہ رہا ہے۔

بھٹو کی بانی جماعت سے ملاقات۔

تحریک جب تقریباً ایک ماہ تک پورے زور سے چلتی رہی اور حکومت اسے دبانے میں ناکام ہوگئی تو بھٹو صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے ان کے دولت کدہ پر آکر ملاقات کی اور کوشش کی کہ قومی اسمبلی کے انتخابات سے کم پر اتحاد کے ساتھ کوئی معاملہ ہوجائے۔ لیکن مولانا محترم نے انھیں صاف بتادیا کہ اب ان کے استعفیٰ سے کم پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکے گا اس لیے ان کو مستعفی ہوجانا چاہیئے۔

مذاکرات۔

اس کے بعد جب قومی اتحاد کے تمام مرکزی رہنماؤں کو سہالہ میں جمع کیا گیا۔ تو سہالہ مذاکرات میں محترم امیر جماعت، پروفیسر غفور احمد صاحب اور مولانا جان محمد عباسی صاحب شریک رہے آخر میں ۳ جون ۱۹۷۷ء سے شروع ہونے والے مذاکرات میں پروفیسر غفور احمد صاحب اتحاد کی مذاکراتی ٹیم میں ایک اہم رکن کی حیثیت سے شریک تھے۔ پریس کو تمام بریفنگ پروفیسر صاحب ہی کرتے تھے، اس طرح پوری دنیا میں ٹیم کے مرکزی کردار کی حیثیت سے ابھرے۔ یوں اتحاد کے مختلف مراحل میں [illegible] عنصر جماعت کا کردار موثر اور نمایاں رہا ہے۔ بلکہ جماعت کا ا[illegible] اس کے لیڈروں کا بھی تعارف ہوگیا۔

اس تحریک کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ نظا[م] مصطفیٰ کے نام اور نعرے پر چلی، اور اس نام پر قوم نے شجا[عت] بہادری اور ایثار وقربانی کی وہ تابناک مثالیں قائم کیں جن[ہوں] نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردی اور جو اسلامی تاریخ میں سنہر[ی] حروف سے لکھی جائیں گی۔ نوجوانوں نے نظام مصطفیٰ کے لیے [گولیوں] کے سامنے اپنے سینے کھول دیئے۔ اور کہا کہ مارو گولی ہمار[ے] سینے حاضر ہیں۔ متعدد مثالیں ایسی ہیں کہ مسلمان مجاہدوں نے پو[رے] شعور واحساس کے ساتھ۔ اسلام کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش [کیا] اس تحریک اور اس میں دی گئی قربانیوں نے اسلامی ن[ظام] کے نعرے کو ایک ایسا عوامی مطالبہ بنادیا ہے جس کے سامنے بند باندھنا بہت دشوار ہے۔

۱۹۷۷ء انتخابی مہم اور تحریک کے نتیجہ میں نہ صر[ف] جماعت کے اثرات وسیع ہوئے ہیں، بلکہ خاصی بڑی تعداد میں نئے کارکن بھی ملے ہیں۔ اگر جماعت ان نئے کارکنوں کی تربیت کوئی خاطر خواہ انتظام کرلے یہ جماعت کا مستقل سرمایہ بن سکتے ہیں

اکتوبر ۱۹۷۷ء کی انتخابی مہم میں بھی جماعت نے بھر[پور] حصہ لیا۔ لیکن یکم اکتوبر ۷۷ء کو وہ انتخابات ملتوی کرکے س[یاسی] سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی۔ اکتوبر کی مہم میں مرکز سے فنڈ میں چاروں صوبوں کو دیئے گئے۔ ان انتخابات میں صو[بائی] اندازوں کے مطابق ۲۲ قومی اور ۷۳ صوبائی نشستوں پر جماع[ت] کی کامیابی کے روشن امکانات تھے۔ اور باقی نشستوں پر برابر کا تھا۔ جن نشستوں پر کامیابی کے واضح امکانات تھے ان کی ت[فصیل] یہ ہے۔

	قومی	صوبائی
سرحد	۴	۱۲
پنجاب	۱۳	۱۶

سندھ	۵	۸
بلوچستان	-	۱
	۲۲	۳۷

سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگنے کے بعد سے حرکت بہت محدود ہو گئی ہے۔ صوبہ سرحد میں تمام اضلاع کے سہ روزہ تربیتی اجتماعات ہوئے ہیں، جن میں امیر جماعت، نائب امیر، قیم جماعت، پروفیسر غفور احمد صاحب یا نائب قیم نے شرکت کی۔ قیم جماعت نے صوبہ سرحد کے اکثر اضلاع کا تنظیمی دورہ کر کے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور موجودہ حالات میں کام کے بارے میں ہدایات دیں۔ صوبہ پنجاب میں بھی تربیتی پروگرام ہو رہے ہیں۔

حلقہ خواتین۔

اس عرصہ میں خواتین کے کام میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ متفقات۔ حلقہ ہائے خواتین، مقرر خواتین، ہر پہلو سے کام آگے بڑھا ہے۔ جماعت کی کارکن خواتین میں حرکت کی بڑی زبردست لہر اٹھی ہے۔ اور انتخابات و تحریک میں انھوں نے بہت محنت اور ہمت سے کام کیا ہے۔ متاثرین تحریک کی امداد و اعانت میں بھی خواتین نے نمایاں حصہ لیا ہے اور خدمت خلق کے معمول کے کام بھی ہوتے رہے ہیں:۔

الطاف حسن قریشی

خیرسگالی کا نازک پل

بھارت کے وزیرخارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپئی پاکستان کی دعوت پر ۶ فروری کو اسلام آباد آئے اور مشیر امور خارجہ جناب آغا شاہی کے علاوہ پاکستان کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، جناب جنرل ضیاء الحق سے ملے اور استقبالیوں اور عشائیوں میں اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔ راولپنڈی میں ایک بھرے ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور کئی بار ان کے دل کی بات زبان پر آتے آتے رہ گئی۔

پاکستانی عوام کھلا دل رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مہمان کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ ان کا مہمان جس ملک سے تعلق رکھتا ہے اس نے گہرے زخم لگائے ہیں۔ خود مسٹر باجپائی جس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس نے ماضی میں پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کی سخت مخالفت کی تھی اور معاہدہ شملہ کے خلاف مظاہروں میں حصہ لیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنا ماضی بھول جانا چاہتا ہوں اور اہل پاکستان بھی اپنا خون شدہ ماضی بھول جائیں۔ اس اعتبار سے مسٹر باجپائی کی باتوں اور تاویلوں میں حقیقت پسندی اور اعتدال پسندی پائی جاتی ہے وہ سلجھے ہوئے سیاست داں ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ بے اعتمادی کی فضا چند ہفتوں یا مہینوں میں ختم نہیں کی جا سکتی

مختلف شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے ارباب بست و کشاد نے مضبوط رویہ اختیار کیا ہے پاکستانی جرنیلوں نے کسی نوع کی کمزوری دکھانے کے بجائے قومی عظمت اور قومی عصبیت کا اظہار کیا ہے۔ اسلام آباد میں ایک با اثر جرنیل نے کہا تھا کہ ہم ماضی یکسر فراموش نہیں کر سکتے۔ بھارت اور پاکستان کے مابین مفاہمت کی فضا صرف اس قدر پیدا ہوئی ہے کہ پہلے یہ دونوں قومیں ایک دوسرے سے پیٹھ موڑے کھڑی تھیں اور اب ان کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔

مسٹر باجپائی بھارت اور پاکستان کے درمیان خیر سگالی کا پل تعمیر کرنے آئے ہیں۔ اعتماد اور اعتبار کے ستونوں کے بغیر نہرو خاندان نے اعتماد اور اعتبار کے سارے نقوش مٹا ڈالے ہیں۔ ایک پاکستانی کو بھارت کے چہرے میں دوستی اور محبت کے آثار نظر ہی نہیں آتے۔ تیس سال کی تاریخ بد عہدیوں اور بے وفائیوں اور دشمنیوں سے معمور ہے بھارت نے ہر موقع پر پاکستان کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔ آخر ایسے ملک سے بغل گیر کیسے ہوا جا سکتا ہے؟

مسٹر باجپائی اس تلخ ماضی کا شعور و ادراک رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اپنے ایک نئے عہد کی ابتدا کر کے ہم اپنے پڑوسی ملکوں سے دوستانہ روابط قائم کرنا چاہتے ہیں بڑے بڑے مسائل حل بھی کر لیے ہیں کشمیر کا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے پہلے مسٹر باجپائی نے مسئلہ کشمیر کے ذکر سے گریز کیا مگر سب سے پہلے آل انڈیا ریڈیو نے یہ خبر نشر کی کہ مسئلہ کشمیر بھی زیر بحث آیا ہے اس خبر کے بعد مسٹر باجپئی نے بھی کھل کر اعتراف کیا کہ مسائل کا حل کیے بغیر چارہ نہیں کشمیر کا مسئلہ ہمارے مابین موجود ہے اور ہم اسے معاہدہ شملہ کے تحت حل کرنے کی کوشش کریں گے

معاہدہ شملہ پر دونوں حکومتوں نے زور دیا ہے۔ بھارت کے وزیر اعظم تو معاہدہ شملہ سے بھی آگے جانا چاہتے ہیں، انھوں نے ایک بار کہا تھا کہ معاہدہ شملہ میں تو صرف پائیدار امن کے الفاظ تحریر ہیں ہم تو برصغیر میں مستقل امن کے خواہاں ہیں۔ معاہدہ شملہ کی روح یہ ہے کہ پہلے تمام متنازعہ فیہ مسائل طے کر لیے جائیں۔ اس کے بعد تنفیذ کشمیر پر بات چیت ہونی چاہیے۔ معاہدہ کی ترتیب ہی پاکستانی ذہنوں میں ان گنت سوالات اٹھاتی رہتی ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ جب تک مسئلہ کشمیر تلخی گھولتا رہیگا، باقی تمام طے شدہ معاملات بھی شک و شبہ سے دیکھے جاتے رہیں گے۔ معاہدہ شملہ کے بعد سب سے بڑا قدم دونوں ملکوں کے مابین ایک تجارتی معاہدہ تھا بھارت نے اس معاہدہ کو جس انداز میں اپنے حق میں استعمال کیا اسکے خلاف پاکستان میں شدید ردِ عمل پیدا ہوتا رہا اور آج یہ نوبت آ پہنچی ہے کہ بعض سیاسی حلقے اس تجارتی معاہدہ کو ختم کر دینے مطالبہ کر رہے ہیں۔ کتب اور جرائد و رسائل کا تبادلہ بھی لامحدود شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ کامیابی نہیں ہوئی یہی عالم ثقافتی تبادلوں کا ہے، بھارت جس قدر زور دیتا ہے پاکستانیوں کے اندر اسی قدر قوت مزاحمت ابھر آتی ہے ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خود معاہدہ شملہ نفرت اور دوری کے بیج رہا ہے۔

اس معاہدہ میں اور بھی کئی خامیاں ہیں، مثال کے طور پر اس میں اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں کا کوئی ذکر نہیں جو مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں منظور ہوتی رہی ہیں اس اعتبار سے پاکستان حقیقی تحفظ سے محروم ہو گیا ہے۔ پاکستان کی تعبیر کے مطابق پاکستان کسی بھی وقت مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لیجا سکتا ہے مگر معاہدہ شملہ کے بعد اس راستہ میں کئی نفسیاتی رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں اقوام متحدہ میں جب بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تو یہی کہا جائیگا کہ پہلے دونوں ملک آپس میں اسے طے کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ انھوں نے ایسا کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ معاہدہ شملہ میں صرف بحث و تمحیص کی گنجائش ہے اور اسکے آخری فیصلے تک پہنچنے کیلئے کسی مدت کا تعین نہیں گویا بھارت ایک غیر محدود عرصہ کیلئے گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہے۔ بھارت کیلئے تو معاہدہ شملہ بہت اچھا اور محفوظ ہتھیار ہے مگر پاکستان تو بے دست و پا نظر آتا ہے۔ اور باجپائی صاحب نے کہدیا ہے کہ مسئلہ کشمیر تک پہنچنے کیلئے ابھی تو کئی مرحلے اور طے کرنے ہونگے۔

صاف نظر آتا ہے کہ معاہدہ شملہ کشمیر کے تنازعہ کو حل کرنے میں کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا یہ تو ہماری بے بسی و بیچارگی ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے جسے مسٹر بھٹو نے قوم پر مسلط کر دیا تھا۔ مسٹر باجپائی نے یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ اقوام متحدہ کی قرار دادیں اب قصۂ پارینہ ہیں۔ ہمیں نئے سرے سے آغاز کرنا ہوگا۔ اس طرز عمل سے مترشح ہوتا ہے کہ بھارت اپنے موقف کو اور زیادہ گہرا کر دینے کی فکر میں ہے۔

گفت و شنید کے اتار چڑھاؤ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بھارت برف پگھلانے کی کوشش کرے گا، اس کا خیال ہے کہ ویزہ کی سہولتوں اور صحافیوں کے تبادلوں اور کتب و رسائل کی ریل پیل سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس کا آغاز بھارتی سفارت خانے نے تکے کباب کی ضیافت سے کر دیا ہے۔

بھارت کے وزیر خارجہ نے قومی لباس کا مدد رجہ التزام کیا اس بات کا بھی خیال رکھا کہ اس بار ان صحافیوں کو ساتھ نہ لایا جائے جو مسٹر بھٹو کے عہد میں اکثر پاکستان آیا کرتے تھے انھوں نے اپنے رسم و رواج کی پوری پابندی کی اور پاکستانی قوم کو سوچنے کا موقعہ فراہم کیا۔ مسٹر باجپائی جس خیرسگالی کی تلاش میں نکلے ہیں وہ بہت قریب بھی ہے اور بہت دور بھی۔ اہل پاکستان کھلا سینہ رکھتے ہیں، مگر احتیاط سے آگے بڑھتے ہیں اس احتیاط اور تدبیر کا سب سے اچھا ثبوت جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے دیا انکے اس اعلان میں بڑی معنویت ہے کہ وہ بھارت کا دورہ تعلقات کی پیشقدمی کی سے طے کرینگے اب بھارت کا امتحان ہے کہ وہ پاکستان کے خلوص کی کتنی قدر کریں گے۔ مسٹر باجپائی نے ایک سمت میں قدر پیشقدمی کی ہے وہ ہے سلال بند پر گفت و شنید یہ معاملہ پاکستان کے نقطۂ نظر سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے ڈیسائی حکومت نے فرخا بیراج کا معاہدہ بنگلا دیش سے کر لیا ہے اگر سلال بند پر مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہو گئے تو بھارت اور پاکستان کے مابین مفاہمت کی فضا پہلے سے خاصی بہتر ہو جائے گی۔

مولانا یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے

پاکستانی طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

اللہ تعالیٰ کا یہ سراسر احسان ہے کہ اس نے مجھے آپ نوجوانوں سے ملنے کا موقع عطا کیا۔ درحقیقت آپ لوگ ہی قوم اور ملک کا اصل سرمایہ ہیں اور آپ سے تحریک اسلامی کی بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔

معاشرتی زندگی اختیار کرنا انسانی فطرت ہے زندگی کا حقیقی تصور صرف اسلام نے دیا ہے۔ مغربی فلسفۂ زندگی میں اخوت، مساوات، حریت فکر و عمل اور عدل و احسان کی اصطلاحیں ضرور ملتی ہیں مگر ان اقدار کے پیمانے وہاں نہ صرف مختلف ہیں بلکہ لیل و نہار کی گردشوں کے ساتھ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ مغربی اقوام نے اپنے اور دوسروں کے لئے الگ الگ معیار مقرر کر رکھے ہیں۔ اسلام واحد نظریۂ حیات ہے جو اپنے اور بیگانے، سرخ اور سفید، عربی و عجمی، کا لحاظ کئے بغیر تمام انسانیت کو ہمہ گیر اور ابدی اصول و قوانین دیتا ہے۔

مسلمان طلبہ کو چاہئیے کہ وہ اس تعلیم سے براہ راست استفادہ کریں جو قرآن و حدیث کی شکل میں مدون ہے۔ ہمارے لئے بہترین سرچشمۂ ہدایت یہی دو چیزیں ہیں۔ دوسرے تعلیمی، معاشی، سماجی اور قانونی نظریات کو اسی کسوٹی پر پرکھنا چاہئیے، اس کے بعد ہمارے طالبعلم مغربی افکار سے مرعوب و متاثر نہ ہوں گے، اس تہذیب کی بنیاد سراسر مادہ پرستی پر ہے۔ وہ الوہی ہدایت سے بے نیاز اور انسانی خواہشات کے تابع ہے۔

بدقسمتی سے آج مسلم ممالک میں مغربی تہذیب کو سراہا جاتا ہے مادی نظریات کو شعوری اور شعوری طور پر اپنا کر فخر محسوس کیا جاتا ہے ہمارے طلباء کو چاہئیے کہ وہ اس روش سے بچنے کی کوشش کریں مطالعہ اور تحقیق کے ذریعہ اس سحر کو توڑ دیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کے معاملے میں یورپی اقوام سے استفادہ کرنے سے اسلام ہرگز نہیں روکتا بلکہ ان کی اخلاقی زندگی مدّنظر رکھنے پر زور دیتا ہے۔ اگر ہماری نوجوان نسل اس فریضہ سے عہدہ برآ نہ ہوئی تو پھر اور کون اس ذمہ داری کو سنبھالے گا؟

مجھے تعلیمی نصاب کی بھاری بھرکم ہونے کا شدید احساس ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ ہمارے تحریکی نوجوان جہاں تفریحی کتب کے مطالعے میں وقت صرف کرتے ہیں وہاں انھیں اسلامی لٹریچر کے مطالعے کیلئے وقت ضرور نکالنا چاہئیے۔! مطالعہ کے بغیر انسانی زندگی کے مسائل سے آگاہی ہو سکتی ہے نہ اصلاح کا عمل تیز ہو سکتا ہے۔ اسلام کی کشش کو صرف اپنے تک نہ رکھا جائے بلکہ دوسرے مسلمان طلبہ کو بھی اس طرف دعوت دی جائے ہم سے آخرت میں ضرور باز پرس ہوگی، کہ زندگی کے قیمتی لمحات اور خدا کی عطا کردہ صلاحیتیں ہم نے کہاں کہاں صرف کیں؟ بہت عقل مند ہیں وہ لوگ جو اس فکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

ہمارے نوجوانوں کو نہ صرف اپنا کردار سنوارنا ہے بلکہ صالح معاشرے اور صالح ریاست کی تعمیر و تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ تاریخ اسلام میں اصحاب صُفّہ کے تذکرے اس بات پر شاہد ہیں کہ طالب علم طبقہ ہی معاشرے میں علم و فکر کے چراغ روشن رکھتا ہے مسلمان طلبہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تقریر اور تحریر بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے کردار کے ذریعے حق کی روشنی کو پھیلائیں، نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرون ملک کے طلبہ پر بھی اثر انداز ہوں۔ میری تمام تر دعاؤں کا مرکز یہی نوجوان نسل ہے۔ آپ نوجوانوں کی جد و جہد کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے میں امن و سکون کی فضا بنتی چلی جائے گی۔ اور ایک ایسی منزل انشاء اللہ ضرور آئے گی جب عالم انسانیت کی قیادت صالح عناصر کے ہاتھ میں ہوگی۔

اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول

از قلم مفتی عنایت الرحمٰن صاحب بجنوری

یہ کتاب آزاد ہندوستان میں اپنے موضوع اور طرز تحریر کے لحاظ سے ایک نئی اور بصیرت افروز تالیف ہے جس میں اسلام کے بنیادی اور رہنما اصول، فقہ کے قواعد کلیہ، نیز مسائل جدیدہ اور تمام پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کا محققانہ طریقہ، نیز اسلامی مسائل کے امتیازات اور ابواب فقہ میں اختلافات کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے علماء اور طلباء میں قوت اجتہاد پیدا ہوگی اور عام پڑھے لکھے اردو داں حضرات میں علمی بصیرت پیدا ہوگی۔

قیمت مجلد خوشنما صرف ۱۴/۰۰

مکتبہ تجلی دیوبند

[illegible] رجسٹرار آف نیوز پیپرس

نام رسالہ	تجلی
مقام اشاعت	دفتر تجلی دیوبند
اشاعت کی نوعیت	ماہانہ
پرنٹر پبلشر	حسن احمد صدیقی، نسیم فاطمہ
وطنیت	ہندوستان
پتہ	محلہ ابوالمعالی، دیوبند

موجودہ ایڈیٹر صرف حسن احمد صدیقی ہے۔

ملکیت	نسیم فاطمہ

ہم دونوں حسن احمد صدیقی، نسیم فاطمہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا تفصیلات ہمارے بہترین علم و اعتقاد کی رو سے صحیح ہیں۔

حسن احمد صدیقی، نسیم فاطمہ

صحیفۂ ابرار

سلسلۂ قادریہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی کے ملفوظات و تصرفات کا بیش بہا مجموعہ جس میں اس عہد کی تہذیب و تاریخ اور خانقاہی نظام کے سلسلہ میں بیش بہا معلومات درج ہیں۔

محترمی ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اس کتاب کے ترجمہ کو انتہائی کاوش اور محنت سے انجام دیا ہے اور ساتھ ہی تصوف اور اسکی تاریخ و روایت پر ایک محققانہ مقالہ سپرد قلم کر کے اس میں شامل فرمایا ہے۔ اب یہ کتاب کئی اعتبار سے قابل مطالعہ اور لائق فکر ہو گئی ہے

قیمت مجلد مع ڈسٹ کور صرف ۲۵/۰۰

تاریخ محمودی

یہ کتاب شمالی ہند کی تاریخ کے ایک گم شدہ باب کی بازیافت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کا زمانہ وقوع سلطان محمد غوری کی ترا وڑی کے میدان میں عہد آفریں فتح سے بھی کچھ پہلے کا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے درمیان اس سے متعلق نمائی معلومات حاصل ہوئیں جس سے زیر نظر کتاب میں تاریخی توقعات کے بارے میں مزید تحقیق و جستجو کو مدد ملی اور مغربی یوپی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا

مصنف

شاہ غلام علی اشرف علوی۔ مترجم ڈاکٹر تنویر احمد علوی

قیمت مجلد مع ڈسٹ کور ۱۰/۰۰

مکتبہ تجلی دیوبند

حکیم سید … سہارنپوری

امیرِ جماعتِ اسلامی ہند کے نام

ہند میں عشق کے قافلہ سالار سلام — ظلمتِ کفر میں انوار کے آثار سلام
رنگِ اخلاص و وفا کیفیتِ ایثار سلام — باغِ اسلام کی اے شاخِ ثمردار سلام
سرمۂ چشمِ بصیرت ہے تری خاکِ قدم — تیرے ہاتھوں میں رہا بابِ عزیمت کا علم
جن کا مقصود فقط دین کی اقامت ٹھہرا — ہر قدم پر ترے ہمراہ ہیں وہ اہلِ ہمم
کل ترے شہر میں اک سید مودودی تھا — اپنی ہی آگ میں جلتا رہا برسوں تنہا
آج ہر شہر میں، ہر ملک میں مودودی ہیں — اور اس آگ سے روشن ہے زمانہ سارا
اب تمہیں گرمیٔ بازار کا شکوہ نہ رہے — وقت نے بھیڑ لگا دی ہے خریداروں کی
مرحبا جنسِ گراں مایہ لٹانے والو — فوج بڑھتی چلی آتی ہے طلبگاروں کی
چار سو گونج رہا نغمۂ ہو ہے گویا — آج رگ رگ میں اخوت کا لہو ہے گویا
ہند سے لے کے مراکش کے بیابانوں تک — شعلۂ عشقِ محمدؐ کی نمو ہے گویا
گو شہادت گہِ الفت میں قدم رکھتے ہی — درِ زنداں بھی کھلے، طوق بنے ہار بھی
راہ روکے ہوئے طاغوت کھڑا تھا لیکن — چلنے والوں کو تو چلنا تھا بہرحال چلے
دل جلائے ہیں جو تاریکی نے رستہ روکا — مسکرائے ہیں خطیب بن کے کئی داروں پر
کھل گئے سینۂ طاغوت پہ ناکامی کے زخم — سر جھکنے لگے زندانوں کی دیواروں پر
کیسے دیوانے تھے، آرام و سکوں کو چھوڑا — کج رخصت سے چلے راہِ عزیمت کی طرف
تختِ نمرود کو ٹھکرا کے چلے آئے ہیں! — آگ میں یعنی براہیمؑ کی سنت کی طرف
راستہ روکنے کو آندھیاں اٹھتی ہی رہیں — آزمائش کے یہ بادل بھی برستے ہی رہے
اہلِ حق بڑھتے رہے منزلِ مقصود کی سمت — ناگ مایوسی کے ابلیس کو ڈستے ہی رہے

ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

سوائے ان بد مذاق ناظرین کے جنھیں وہابیت کے مالیخولیا نے قہوری شریعت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔ باقی جملہ اہلِ دل یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ناچیز کو امسال بھی کلیر شریف کا حج نصیب ہوا اور عرس اب کی ہمیشہ سے زیادہ کامیاب رہا۔ کامیابی کی اصلی وجہ تو ظاہر ہے صوفیائے کرام کے روحانی تصرف کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن ظاہر میں یہ وجہ ہوئی کہ ایک طرف تو زنانِ عاشقانِ اولیا بہت آئیں۔ دوسری طرف میاں کی بلبلوں کا جمگھٹا خوب رہا۔

اہلِ طریقت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میاں کی بلبلوں کے بارے میں صوفی عبدل اور خواجہ اللہ راضی میاں بھی تک ٹکنیکل اختلاف چل رہا ہے۔ صوفی صاحب کا دعویٰ ہے کہ تانیث ٹھیک ہے یعنی "میاں کی بلبل"

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ فصاحت تذکیر میں ہے یعنی "میاں کا بلبل"

مجھ سے استصواب کیا گیا، تو میں بھی چکرا گیا۔ چکرانے کی بات ہی تھی۔ سب سے بڑا الجھن اس نازک سوال سے کھلی کہ اب تک یہ ہے کہ میاں کی بلبلوں کو کس جنس میں شمار کیا جائے۔ اب مؤنث کے ذکر کہوں تو صوفی صاحب کے ذوقِ جمال کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ خواتین جس خوبی سے روحانی نسبتیں جذب کرتی ہیں میاں کی بلبلیں اس سے بھی زیادہ قوت جاذبہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انھیں جنس لطیف سے خارج کیا جائے۔

مؤنث کہوں تو خواجہ صاحب مرنے مارنے کو تیار تھے انھیں بہ سبب اہلِ دل ہونے کے اس جنس سے دلچسپی تو ضرور تھی اور چونکہ عرس کلیر کو اس سے خوب رونق نصیب ہوتی تھی اس لیے اس کی اہمیت کے بھی معترف تھے۔ مگر قوالی سنتے ہمیشہ زنانِ عاشقانِ اولیا رہی کی چھولداریوں میں جاتے تھے اور اگر کوئی ساتھی میاں کی بلبل والے خیمے میں چلنے کی فرمائش کرتا تو منہ بنا کر کہا کرتے تھے۔

"اماں، بھائی شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے

زمین شور سنبل بر نیارد

در و تخم عمل ضائع مگرداں"

بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے جان چھڑاؤں عاجز آ کر ٹھنڈی آہ بھری اور دونوں سے جھینپ کے کہا۔

"کاش کوئی ایسا لفظ تلاش کیا جا سکے جو "کا" اور "کی" کے درمیان ہو"

دونوں کی آنکھوں میں پہلے چمک پیدا ہوئی پھر غصہ۔

[illegible] سے [illegible] ضرور ہی
صاحب پہلے خفا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے ایڈیٹر بھائی پر اتنا اکڑتی ہیں کہ کیا کوئی داروغہ کی بہن اکڑے گی۔ اگر شادی سے قبل حاجرہ کو پتہ چل جاتا کہ آنے والی بیوی اپنے بھیا کی ایڈیٹری کا ایسا ناجائز فائدہ اٹھائے گی، تو یقین کیجیے کہ یہ خسارہ سب سے پہلے آج تک نظر آتے جن کی وجہ سے ہم میاں بیوی دونوں کی عمر مشکوک ہو گئی ہے۔ کیا تعجب کہ انھی سعادت مندوں کے طفیل خاندانی منصوبہ بندی کے غدار ندان نعمت ایک نہ ایک دن فدوی کو پھانسی چڑھائیں۔

بہرحال اڑتے ہوئے ہوش کو بہ مشکل تمام کر کے [illegible] نے تھوک نگلا اور لجاجت سے کہا۔

دیکھیے میری تو خطا نہیں۔ صوفی عبدل اور خواجہ اللہ راضی نے میاں کا بلبل پوچھا تھا۔

"استغفراللہ" وہ جھلائے "کیا بکے جاتے ہو میاں کا بلبل، میاں کی بلبل۔"

"جی ہاں یہی تو طے نہیں ہو رہا ہے۔ "کا"، "کی"، دونوں غلط ہیں۔"

"بدتمیز" وہ دہاڑے "تمہاری خباثتیں کم نہیں ہوتیں مولانا بدالدجیٰ کہہ رہے تھے کہ تم نے ان کے لڑکے کو پٹا کھیلنا سکھا دیا ہے، اس نے اپنی نانی کا سر پھوڑ دیا۔"

"قسم خدا کی بالکل غلط ہے۔ میں نے اس سے ہرگز نہیں کہا کہ نانی کا سر پھوڑنا۔"

"مردود! پٹا تو تم نے ہی سکھایا۔"

"کیا کرتا۔ میں تو بیٹھک میں اکیلے مشق کرتا تھا۔ وہ خود ہی کہنے لگا کہ چچا جان ہمیں بھی سکھا دو۔ میں نے سکھا دیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ کسی نہ کسی کا سر پھوڑنا۔"

"یہ بھی نہیں کہا تھا۔ بس یہ سمجھایا تھا کہ جب تک عملی تجربہ نہیں کرو گے، ہاتھ جمے گا نہیں۔"

ان کی مونچھوں کی آڑ سے ہلکا سا تبسم جھلکا، اسے چھپانے کے لیے [illegible] سے پھر قدرے نرم لہجے میں فرمایا۔

"وہ [illegible] کہ ان کی ایک حد ہوتی ہے [illegible]"

[illegible] برداشت نہیں کروں گا۔ سنا ہے آدھی آدھی رات تک سینہ کوبی کی مشق کرتے ہو۔"

جی تو چاہا کہ کہہ دوں کیوں نہ کروں۔ سید بن کر تھکو جانا ہے اور دوچار متعول کا ثواب کمانا ہے۔ مگر کس زبان سے کہتا جان تو بہرحال سب کو عزیز ہوتی ہے۔ سوچ سا جے کے ایک اور پہلو نکالا۔

معاف کیجیے گا۔ یہ مذہبی عقائد کا معاملہ ہے۔ میں غمِ حسین کو اسلام کی بنیاد سمجھتا ہوں۔"

وہ کھول گئے۔ انھیں امید نہیں تھی کہ میں اتنی زیادہ مذہبی حمیت کا ثبوت دوں گا۔ اتنی زور سے چیخے کہ مسکرو فون ہوتا تو پھٹ جاتا۔"

"چلے جاؤ، ابھی اسی وقت ....."

"نہیں جاؤں گا، چاہے آپ مار ہی ڈالیں۔ پہلے یہ بتائیے۔ میاں کی بلبل یا میاں کا بلبل ...."

مگر جملہ پورا کہاں سے ہوتا۔ انھوں نے کان اتنی زور سے پکڑا تھا کہ زبان دانتوں میں آ گئی۔ زبان کی تو زیادہ پرواہ نہیں تھی مگر فوراً ہی یہ اندیشہ برق کی طرح کوندا کہ اگر انھوں نے کان اکھیڑ کر ہاتھ میں پکڑا دیا تو کون ذمہ دار ہو گا۔ کن کٹا کہلانے سے تو بہتر ہے کہ آدمی سر کٹا کہلائے۔

"نہیں پوچھوں گا قسم خدا کی اب بالکل نہیں پوچھوں گا۔"

یہ قسمیہ اعلان بفضل تعالیٰ مفید ثابت ہوا۔ اگرچہ یہ ملنے لگے بغیر چارہ نہیں کہ ناشتہ سستا نہیں پڑا تاہم مرتا کیا نہ کرتا، ان بزرگوں کی خدمت میں پہنچا جن کی وجہ سے کان پہ آ بنی تھی، وہ ناک سے ناک ملائے کچھ کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہم کاہ اور کی ہ کے فنی اختلاف کے علاوہ ان میں کوئی جنگ نہیں تھی بلکہ بیٹھنے کا انداز یہ تو بتا رہا تھا کہ من تو شدم تو من شدی کے مرحلے میں جا رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔

"کہیے صاحب آپ کے وہابی سالے نے کچھ فرمایا؟"

"جی ہاں فرمایا ـــ مگر وہ عملی آدمی ہیں، زبان سے کم اور ہاتھ سے زیادہ فرمایا۔"

"کیا مطلب؟" دونوں متفق ہو گئے۔

"اب تم جیب میں رکھا ہی نہ کرو۔ باورچی خانے میں ــ جو کارنس ہے بس وہاں کسی صندوقچی میں کر کے رکھا کرو۔"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ میں بیت الخلاء سے سب کچھ سن رہا تھا۔ یہ بیوی کو دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ دیوار ہم گوش دارد۔ جب قدموں کی آہٹ سے اندازہ ہوا کہ وہ اندر کمرے میں تشریف لے گئی ہیں، تو جلدی سے نکل کر لوٹے سمیت باہر بھاگا۔ منشاء یہ تھا کہ وہ دیکھ نہ پائیں۔ مگر شامت اعمال سے دسویں صاحبزادے نے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی دروازے میں سے تیر کی طرح گھر میں گئے

"امی، امی۔ ابا میاں لوٹا لیکے بھاگ رہے ہیں۔"

یہ جملہ تک جب ہم نے اسے سن لیا کہ انھیں گھر میں جاتا دیکھ کر روکنے کی غرض سے ہم بھی پلٹ پڑے تھے۔

"کیا کہا لوٹا ـــ بدتمیز ارے ابا میاں نہیں، کوئی اٹھائی گیرا ہوگا ـــ جا جلدی سے شمیم چچا کو بلا لا۔"

"نہیں امی۔ اللہ کی قسم ابا میاں تھے، وہی تو پاخانے گئے تھے۔"

کواڑ کی دراز سے ہم نے دیکھا، کہ پل بھر کو تو بیگم کے چہرے پر حیرت کھیلی، پھر تبسم آیا۔ پھر اطمینان سے بولیں۔

"خیر ہوگا کوئی تو جا کے کھیل۔"

صبر جمیل کی یہ شان دیکھ کر ہمارے لئے سوائے لوٹا لٹکائے اندر آجانے کے اور کیا چارہ تھا۔ بیگم ہنسیں پھر شفقت سے کہنے لگیں۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں۔ کیا میں مجتبیٰ کا کہنا مان لیتی۔"

"کیوں نہ مانتیں۔ تم ان سے کم دہانی تھوڑی ہو۔"

"اچھا یہ بدلہ ہے، سمجھ گئی ـــ پرسوں مجراتی کے دس روپے کس نے دیئے تھے؟"

"کیا ہوتا ہے دس روپوں سے۔ آٹھ تو نیاز ہی میں چلے گئے تھے۔"

"یا دو بتاشوں میں گئے ہونگے ـــ آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔"

وہ بڑبڑانے لگیں ـــ میں نے برخوردار کے کان کھینچے جو ابھی تک دروازے میں کھڑے شاید یہ دریافت کر رہے تھے کہ ابا میاں لوٹا لے کے کیوں بھاگے تھے۔ پھر انھیں باہر نکال کر بیگم سے کہا۔

"دیکھو بھئی۔ خفا ہونے کی بات نہیں ہے پرسوں تو دراصل یار دوست سر ہو گئے تھے کہ مٹھائی کھلاؤ، اب حاجی ڈلڈل برابر مصر ہیں۔ کہ پیران کلیر جانا ہوگا۔"

"وہ تو میں جانتی ہوں، ہر سال کوئی نہ کوئی آپ کے سر ہو جاتا ہے، انہیں سے کہئے صرفہ دیں۔"

"وہ تو دیں گے مگر اپنی جیب میں بھی تو کچھ ہونا چاہیئے زیادہ نہیں پچاس کافی رہیں گے۔"

"سو کیجئے، پچاس تو تھوڑے ہوتے ہیں۔"

"میں کفایت کی عادت ڈال رہا ہوں۔"

اس طرح الٹ پلٹ کر کے بیگم سے تیس وصول ہوئے نہ بھی ہوتے تو کوئی فکر نہ تھا۔ حاجی دلدل دل کھول کے آخر دے چکے تھے۔ وہ ہر قیمت پہ مجھے لیجانا چاہتے تھے۔

عشاء کے وقت تجدید عہد کے لئے تشریف لائے۔

"تو تیار ہو ملا؟" انھوں نے پرشوق لجاجت سے پوچھا۔

"کہاں تیار ہیں۔ وہاں ہم نے تو ایک دھیلا نہیں دیا۔"

"ارے چھوڑو بھی، کہہ تو دیا کہ چاٹ پانی ہمارے ذمے۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی ـــ زیادہ دس دس کے تھے، سو کے بھی تین چار رہے ہونگے

"خرچ کے علاوہ بھی ایک مجبوری ہے" میں نے کہا "پرسوں ہمارے بھانجے داماد کے دادے کا چہلم ہے۔ مرثیہ خوانی کا پروگرام ہمیں ہی ترتیب دینا ہے۔"

ظاہر ہے یہ میں نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے کہا تھا۔ ورنہ بھانجے داماد کے تو پردادے تک ابھی حیات ہیں۔

"بات کرتے ہو۔ خدا کی قسم لڑائی ہو جائے گی، تمہاری وجہ سے تو تین رنگ کا ناشتہ تیار کرا رہے ہیں۔"

لیکن یہ آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ ہمیں لے جانے سے ثواب بن جائیگا۔ فرض کیجئے پھر بھی نہ ہوا پھر؟

"ایسی بہکی کیوں منہ سے نکالتے ہو۔ تمہیں خدا کی قسم

جیب کی [illegible] سے کسی جیب میں یہ یاد نہیں
[illegible] ہاتھ چلائے۔ کر اسپٹ میں جیب آسانی سے
[illegible] رہی تھی۔ ایک جیب سے قمیص نکل آئی جس سے اٹک کر
[illegible]۔ وقت سنبھالنے کے لیے بے اختیار حاجی صاحب کا
ہاتھ چلا۔ تو برابر والے کی ناک پر پڑا۔ اس نے تڑپ کے،
جواب عرض کرنا چاہا تو گیٹ کیپر کی کشتی لپیٹ میں آگئی گیٹ
کیپر نے انگریزی گالی دے کر جو کہنی چلائی، تو ایک بچہ کی چیخ نکل گئی
جیسے اس کی ماں گود میں لیئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی
اسی طرح چراغ سے چراغ جلا اور خاصی فوجداری کے بعد
باہر نکلنا نصیب ہوا۔ چور ہمارا انتظار کہاں تک کرتا سراغ
رسانی کی تمام صلاحیتیں صرف کرنے کے بعد ہم کو اسی میں بہتری نظر
آئی کہ پاس کی مسجد میں چل کر اپنی عاقبت پر غور کریں۔

ہزار کی قسم کی بہت ہوتی ہے، میلے کے تماشا نہ تیور حاجی
صاحب کے کل سے دیکھنے میں آرہے تھے ان کی روشنی میں یہ
گمان نہیں تھا کہ وہ اس درجہ متاثر ہوں گے ان کا چہرہ دو
میچا رہا تھا اور مونچھوں کے ننھے ننھے بال کھڑے دکھائی
دیتے تھے۔

"برا فرد ہوا حاجی صاحب۔ مگر ہمت مرداں مدد خدا۔"

"اماں کیا مدد خدا۔ قسم قرآن کی حد سے بے حد برا ہوا۔"

انکی آواز کانپ رہی تھی۔ "اب کیا رپٹ لکھوائیں؟"

"لاحاصل ہے۔ رپٹ کا نتیجہ نکلنے تک شہباز پردین
بوڑھی ہو جائے گی۔"

"[illegible] کرو۔ اب بہن کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

"بہن ...... ؟"

"ہاں یار۔ اسی نے تو اپنا مکان ہم سے بکوایا تھا۔"

"ارے ...... تو اسی میں سے آپ نے پانچ سو مجرے
میں بھی دے دیئے۔"

ہم مبہوت رہ گئے۔ واقعے سے پیٹ چھپانے کا تو کبھی
کبھی جواز ہو سکتا ہے۔ مگر مؤکل و کیل کو ترکی دے یہ کیسے
[illegible]

[illegible] سے وہ انہیں تھا

"خوش نہ ہار یئے حاجی صاحب! تیس روپے تو اپنے
پاس موجود ہیں۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہم برباد ہو گئے۔"

"برباد ہوں آپ کے دشمن۔ شہباز پردین کا مرشد
چادری میں ملے گا۔"

بمشکل تمام ان کی دوہری کمر کو سہارا دیئے ہم زاندلزار
کیسے پہنچے۔ بے حد بھیڑ تھی، کھوے سے کھوا چل رہا تھا۔ قیام
ایک بڑے سے ٹینٹ میں ہوا، جہاں حاجی صاحب اور چھ
آدمی پہلے سے ٹھہرے ہوئے تھے، بتیاں جل جانے پر ہم
دونوں بسم اللہ کر کے نکلے۔ پروگرام یہ تھا کہ وہیں سب سے
پہلے شہباز پردین کا ٹھکانہ دکھلائیں گے۔ پھر پنجابی کی دوکان کا
حلوہ پراٹھا کھایا جائے گا۔ پھر پاسنگ شو کی سگریٹ پی جائیگی۔

یہ وقت خیمہ و خرگاہ کی ایک چھوٹی سی دنیا کے عنوان
شباب تھا جشنِ شبینہ کی تیاریاں زوروں سے جاری تھیں
ملیلے، گھونگرو آنکے جا رہے تھے۔ زنانِ عاشقان اولیاء کا تو
کہنا ہی کیا میاں کے بلبل بھی سولہ سنگھار میں مصروف تھے۔

دفعتاً حاجی صاحب ٹھٹک گئے۔ ان کی نظر بھیڑ میں
ایک شخص پر تھی۔ مجھ سے کچھ کہے بغیر ہی وہ آگے بڑھ گئے۔ اور
دھکا پیل کرتے اسے جا لیا۔ پھر نہ جانیں کیا باتیں ہوئیں ہم تو
ان بزرگ کو دیکھنے میں پیچھے رہ گئے۔ جن کی داڑھی ناف تک
تھی مگر ابرو غائب تھی۔ گیرو اتہبند اور کرتہ معدوم۔ گلے میں ایک
زنار ایک تسبیح۔ ایک صلیب نما تعویذ۔ ہاتھ میں چمٹا، عصا اور
کشکول، ایک پتھر پہ ڈیڑھ ٹانگ سے کھڑے تھے۔ ادھر گرد
عورتیں۔ مرد، بچے گھیراؤ لے کھڑے تھے۔ دریافت کرنے
پر معلوم ہوا کہ یہ شاہی مست قلندر ہیں۔ لوٹے سال پیران پیر
دستگیر کے مزار پر چلہ کھینچ کر آئے ہیں اور اتنے ہی دنوں ابھی۔
ہمالیہ کی گپھاؤں میں عبادت کریں گے۔ خدمت خلق کی خاطر
سال میں ایک مہینہ چھٹی کرتے ہیں۔ ساڑھے پانچ روپے میں
[illegible] اور سوا دس روپے میں لڑکا دیتے ہیں۔ لاعلاج مریضوں کا
[illegible] کل تک سماعت [illegible] میں دے رہے تھے۔ آج
[illegible] کر کے [illegible] آنے میں کر دیا ہے۔ [illegible]

[illegible] مضمون کی [illegible] جو صاحب کرتے ہیں، ان پر آفت ہے [illegible] کرنے کرتے ہنس پڑے۔ برابر دوسرے کاتب صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے چپکے سے پوچھ لیا کیوں ہنسے؟ یہ کہہ کے بے قابو ہو کر بول پڑے۔

"میاں کا بیل"

گفتگو ہر چند چپکے ہی چپکے ہو رہی تھی۔ مگر یہ الفاظ تھے ہی ایسے کہ ایڈیٹر صاحب کی سماعت نے ٹرانسمیٹر کی طرح انھیں اچک لیا۔ فوراً بولے۔

"لانا کاپی ادھر دینا"

پھر جو کاپی پڑھ کے تاؤ آیا ہے تو سیدھے غریب خانہ پر آ دھمکے۔ میں چوبارے کی سہ دری میں بقیہ مضمون کی تکمیل کر رہا تھا۔ انھوں نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا۔ جب میں نظر آیا تو کاپی اپنی بہن کے سر پہ ماری اور شروع ہو گئے،

"ناک میں دم کر دیا ہے" بدمعاش نے، لو اسے پڑھ کے دیکھو کیا خرافات پھیلائی ہے"

"بیٹھیے بھیا۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے"

"کیا نہیں ہے۔ پڑھ کے تو دیکھو اب کی ناولیں لکھ رہا ہے۔ تم سے کہا تھا پیسے مت دیا کرو تم نے پھر دیدیے"

"میں مجبور ہوں بھیا تم انھیں نوکری سے الگ کر دو"

بیگم کی آواز میں اچانک آنسوؤں کی چھناچھن شامل ہو گئی تھی۔ اتفاقاً انھوں نے دو ہاتھ ہی کے کہے تھے میرا دل بے اختیار پکارا شاباش!

"لاحول ولا قوۃ" ان کے بھیا چلائے۔ "اب تم رونا شروع کرو گی۔ خدا کے لیے دیکھو تو اس نے عرس کی کیا کیا داستان [illegible] دنیا کیا کہے گی"

"[illegible] تھوڑی ہی لکھی [illegible] کی ہے" بھیا کی بہن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ حاجی صوفی صاحب ان کے پیچھے پڑ گئے [illegible] بات کو کٹ [illegible] بات [illegible]

"[illegible] کرتی ہو" [illegible] انھوں [illegible] کسی کی پوزیشن [illegible] کر سکتا ہے [illegible]

[illegible] کیا

[illegible] ہے؟

"اچھا اچھا میں فرائض کا سبق پڑھانے نہیں آیا اس کہہ دینا آگے ایک لفظ نہ لکھے"

یہ کہہ کر وہ دھڑ دھڑ قدم اٹھاتے رخصت ہو گئے۔

اب بتاؤ اے ناظرین تجلی! میری قومی امنگوں کا کیا بنے گا۔ جس پر بند باندھے گئے ہیں اور خود تمہارے ماضی پر کیا گزرے گی۔ تمہیں تو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ سوٹ کیس کا اصلی چور کون تھا۔ حاجی دلدل نے رات رات میں کتنی کوڑی کی۔ میں اور فقیر اڈیٹرے کے اندر کیسے پہنچے اور پھر دیگر امور متعلقہ میں کس حد تک پیش رفت ہوئی۔

معلوم کرنا چاہتے ہو تو ایڈیٹر تجلی کو لکھو کہ ملا کے جمہوری حقوق بحال کر دیں۔ اور اگلی اشاعت میں فسانۂ عجائب کو پورا ہو لینے دیں۔ نہیں لکھتے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تم روٹھے ہم چھوٹے۔ مارشل لا کا مارا ملا کی۔

کے بلبل چہک رہے تھے۔

وہ ڈیرہ واقعی بقعۂ نور اور دل کا سرور ثابت ہوا۔ بقعۂ نور اس لیے کہ وسط میں جلتے ہوئے دو سو واٹ کے بلب تھے کے نزدیک ایک زندہ قیامت جلوہ افروز تھی نور ہی نور، جلوہ ہی جلوہ۔

ابتداً تو ہم نے یہی سمجھا کہ پاس پاس دو قمقمے جل رہے ہیں۔ مگر خیرگی ذرا کم ہوئی تو پتہ چلا کہ دوسرا تو شعلہ طراز مغنیہ کا رخ زیبا ہے

دل کا سرور اس لیے کہ بڑے بڑے اہل دل یہاں رونق افروز تھے۔ اور مولوی شریف الدین بھی تشریف فرما نظر آئے۔ جنھوں نے پچھلے سال عید میلاد النبی کے جلسے میں شیر رسول اس شان سے بیان کی تھی کہ مجمع کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ صوفی تبسم بھی موجود تھے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ جس نے انھیں دیکھا، خدا کو دیکھا۔ حد یہ ہے کہ وہ حاجی پیر بادعلی بھی دو بالشت لمبی سفید داڑھی سمیت جلوہ طراز تھے جن کے متعلق باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حکومت انھیں طول عمری کے عالمی مقابلہ میں بھیجنے والی ہے۔

یہ سب کچھ ہم نے ڈیرے کے اندر پہنچ کر نہیں دیکھا تو بھیئے ڈیرہ تو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، کرنا یہ پڑا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک خونچے والا اسٹول پر بیٹھا سودا بیچ رہا تھا ہم نے اس سے کہا۔

"کہو دوست کیا رنگ ڈھنگ ہے"

اس نے آنکھیں پھٹ پھٹائیں پھر دانت نکالے۔ ہم نے ایڑ لگائی۔

"ارے یار پہچانا نہیں۔ سن ستاون والا اجمیر کا عرس بھول گئے میں بھوندو تیلی گر ہوں"

"اچھا اچھا، مزے سے تو رہے میاں صاحب"

"خوب مزے میں، کہو مجرے میں نہیں گئے"

"بس یہ تھوڑا سا سودا باقی ہے پھر چلیں گے"

اس طرح دوستی ہوئی، پھر دو چار منٹ میں ہم نے ان سے اسٹول عاریۃً مانگ لیا اور ڈیرے کے پاس آ گئے پھر ہم پڑھی ہوئی سائنس نے آج بڑا کام دیا، ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ تین کیلو میٹر اونچی دیوار ہو تو چار میٹرک گز دوری کے فاصلے سے نوّے ڈگری کا زاویہ قائمہ بنانا چاہیے فوراً سے پیشتر اندر کا حال جانا جا سکتا ہے۔ یہی ہم نے کیا۔ جاپانی انداز کی عمودی چھت اور قناعت کے درمیان خاصا خلا تھا اسی میں سے وہ منظر ہم نے دیکھا ـــ جس کا دل افروز بیان از بسکہ بھی ہو چکا ہے۔

لیکن نقطہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے عاقبت تو اندر پہنچنے سے روشن ہو سکتی تھی، پھر کیا کیا جائے۔؟

اس سوال نے پورے دس منٹ غور کرنے کے بعد حل سمجھ میں آہی گیا۔ اسٹول والے دوست کو جس کا شبھ نام نفیرا تھا زیادہ گھبرایا یار بنا کے ہم نے ایک اسکیم پیش کی، پہلے تو وہ ڈرا مگر جب ہم نے ڈیرے والی کے حسن بے مثال کے بیان میں مثنوی زہر عشق پڑھ ڈالی اور یقین دلایا کہ یہی وہ واحد ترکیب ہے جس کے ذریعہ ہم دونوں اندر پہنچ سکتے ہیں، تو اس کی اونگھ ٹوٹی اور وہ مردہ امنگ جاگی جسے چھ بچوں اور چار بہنوں کے فکر نے وقت سے پہلے دق کی نیند سلا دیا تھا۔

"یار مارے نہ جائیں" ـــ اس نے آمادگی کے بعد بھی خوف ظاہر کیا۔

"اماں بات کرتے ہو" ہم تڑخے "جب تک یار زندہ ہے ـــ مجال ہے کوئی تمہاری طرف آنکھ بھی اٹھا لے"

اڑ ڑ ڑ دھم ......

جانتے ہیں آپ یہ کیا گرا؟ ـــ ہماری امنگوں کا محل کہاں گرا؟ ـــ عرس میں نہیں خاص ہمارے گھر میں! کس نے گرایا؟ ایڈیٹر تجلی نے!

ہو یہ رہا تھا کہ مضمون لکھ لکھ کے ہم کاتب کو دیتے جا رہے تھے۔ ایڈیٹر صاحب نے کاتب سے تصحیح کے لیے کاپیاں منگوالیں کہ وقت بہت ہو چکا ہے پرچہ لیٹ

ہو جائے گا ہمارے مضمون کی تبییض جو صاحب کرتے ہیں، ان پر آفت یہ آئی کہ تبییض کرتے کرتے ہنس پڑے۔ برابر دوسرے کاتب صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے چپکے سے پوچھ لیا کیوں ہنسے؟ یہ گدھے بے قابو ہو کر بول پڑے۔

"میاں کا بلبل"

گفتگو ہر چند چپکے ہی چپکے ہو رہی تھی۔ مگر یہ الفاظ تھے ہی ایسے کہ ایڈیٹر صاحب کی سماعت نے ٹرانسمیٹر کی طرح انھیں اچک لیا ــ فوراً بولے۔

"لانا کاپی ادھر دینا"

پھر جو کاپی پڑھ کے تاؤ آیا ہے تو سیدھے غریب خانہ پر آ دھمکے۔ میں چوبارے کی سردی میں بقیہ مضمون کی تکمیل کر رہا تھا۔ انھوں نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا۔ جب میں نظر نہ آیا تو کاپی اپنی بہن کے سر پہ ماری اور شروع ہو گئے،

"ناک میں دم کر دیا ہے" بدمعاش نے، لو اسے پڑھ کے دیکھو کیا خرافات پھیلائی ہے"

"بیٹھیے بھیا۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے"

"کیا نہیں ہے۔ پڑھ کے تو دیکھو اب کی ناولیں لکھ رہا ہے۔ تم سے کہا تھا۔ پیسے مت دیا کرو تم نے پھر دیدیئے"

"میں مجبور ہوں بھیا۔ تم انھیں نوکری سے الگ کر دو"

بیگم کی آواز میں اچانک آنسوؤں کی چھناچھن شامل ہو گئی تھی۔ الفاظ انھوں نے روہانسو ہو کے کہے تھے میرا دل بے اختیار پکارا شاباش!

"لاحول ولا قوۃ" ان کے بھیا جھلائے۔ "اب تم رونا شروع کر دو گی۔ خدا کے لئے دیکھو تو اس نے عرس کی کیا کیا داستانیں کہنی شروع کی ہیں، دنیا کیا کہے گی"

"جھوٹ تھوڑی کہنی شروع کی ہیں" بھیا کی بہن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "حاجی صوفی سب ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں آدھی آدھی رات کو کنڈیاں بجاتے ہیں"

"کیا فضول بات کرتی ہو" وہ نالائق خود انھی الجھنوں میں ہے ورنہ کون کسی پہ زبردستی کر سکتا ہے"

"وہ تو میں جانتی ہوں۔ مگر تمہیں بتاؤ بھیا میرا کیا فرض ہے؟"

"اچھا اچھا میں فرائض کا سبق پڑھانے نہیں آیا اس سے کہدینا آگے ایک لفظ نہ لکھے"

یہ کہہ کر وہ دھڑا دھڑ قدم اٹھاتے رخصت ہو گئے۔

اب بتاؤ اے ناظرین تجلی! میری تو ی امنگوں کا کیا بنے گا۔ جس پر بند باندھے گئے ہیں اور خود تمہارے باضمے پر کیا گزرے گی۔ تمہیں تو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ موٹ کیس کا اصلی چور کون تھا۔ حاجی دلدل نے رات رات میں کتنی کمائی کی۔ میں اور فقیر اڈیرے کے اندر کیسے پہنچے اور پھر دیگر امور متعلقہ میں کس حد تک پیش رفت ہوئی۔

معلوم کرنا چاہتے ہو تو ایڈیٹر تجلی کو لکھو کر ملا کے جمہوری حقوق بحال کر دیں۔ اور اگلی اشاعت میں فسانۂ عجائب کو پورا ہو لینے دیں۔ نہیں لکھتے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

تم روٹھے ہم چھوٹے۔ مارشل لا کا مارا ملا کی۔

حسن اسلم صدیقی

اسلام تغیر پذیر دنیا میں

صفحات ۵۶
قیمت دو روپے پچاس پیسے
ناشر:- مکتبہ وحیدیہ، دیوبند۔

یہ کتابچہ درحقیقت تین مقالوں کا مجموعہ ہے، ان میں سے دو مقالے جامعہ ملیہ کے سیمینار میں اور ایک مقالہ مسلم یونیورسٹی کے سیمینار میں پڑھا گیا تھا۔ پہلے دو مقالے مولانا سعید احمد پالن پوری کے فکر و فہم کا نتیجہ ہیں اور تیسرا مقالہ مولانا ریاست علی کے قلم اور ان کی کاوش ہے۔

ان تینوں مقالوں میں چند ٹھوس مثالیں دے کر علمی، عقلی اور استدلالی انداز میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کسی دور، کسی تہذیب، کسی قوم اور کسی ملک کے لیے مختص نہیں بلکہ اسلام ایک آفاقی مذہب اور ایک ہمہ گیر نظام حیات ہے جو ساری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اسلام ہر طرز زندگی اور ہر روش دہر کی نوک و پلک درست کرنے اور ہر تمدن کی بوسیدہ اور ٹیڑھی میڑھی دیواروں کو منہدم کرکے انھیں ایک نیا اور قابل قبول رنگ ڈھنگ دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔

یہ بات ہر سمجھدار آدمی کو تسلیم کر لینی ہی چاہیے کہ اسلام دقیانوسی مذہب نہیں بلکہ وہ ایسا مذہب ہے جسے اپنانے والے ہر دور اور ہر ملک میں مطمئن زندگی گزار سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انھوں نے اسلامی اصول پر کاربند رہنے کا تہیہ کر لیا ہو۔

ان مقالوں میں اسلام کی آفاقیت و ہمہ گیریت ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضمناً کی گئی ہے کہ عامۃ المسلمین مشکلات زمانہ کے شاکی دو وجہ سے ہوتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھیں صحیح معنوں میں اسلامی اصول و کلیات سے واقفیت نہیں ہوتی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عوام جن علماء کے ذہنی طور پر مقلد ہوتے ہیں۔ ان علماء کو معاشرے میں بکھرے ہوئے مسائل کا پوری طور پر ادراک نہیں ہوتا، نہ ہی وہ تمام مسائل کا ادراک کرنا چاہتے ہیں وہ مسائل کے کلیات و جزئیات سے نابلد ہونے کی بناء پر ان مسائل کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ تجویز نہیں کر پاتے کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی کے استعمال کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

مقالہ نگار نے ص ۲۶ پر مندرجہ ذیل عبارت قلم کا عنوان کے حوالے لکھی ہے جس کی واقعیت میں کوئی کلام نہیں۔

ملت کے رہنماؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ نئی نسل کے احساسات خیالات کو سمجھیں اور زمانہ کے تقاضوں اور مطالبوں کو گرفت میں رکھ سکیں

قبول کریں۔ نماز کی یا اہل نماز کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے تقاضوں سے اور اپنے تغیرات سے علماء کو روشناس کرائیں بلکہ یہ علماء کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ زمانہ کے تغیرات سے واقف ہوں۔ امام محمدؒ کو جب بازاروں اور پیشہ وروں کے سلسلہ میں کوئی مسئلہ مستنبط کرنا ہوتا تھا تو وہ پہلے بازار جاتے اور اس پیشہ اور متعلقہ افراد سے مل کر اس کے طور و طریق، رد و بدل اور عرف و رواج کو معلوم کرتے پھر اس سلسلہ میں اپنی رائے دیتے۔ پس آج بھی علماء کی بالعموم اور اصحاب افتاء کی بالخصوص یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نو ایجادات اور تغیرات کے بارے میں کافی معلومات حاصل کریں اور متعلقہ تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر کے احکام بیان فرمائیں۔

ص ۳۵ پر مولانا سعید پالن پوری نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تبصرہ نگار کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں

موجودہ صورت حال میں ہمارے لئے یہ اہم نہیں ہے، کہ ہندوستان میں حدود قصاص ہونے چاہئیں یا نہیں؟ ہماری نجات کے لئے بس یہ عقیدہ کافی ہوگا کہ حدود قصاص اسلامی تعلیمات کی رو سے معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں۔

یہ عبارت لطیفے سے کم نہیں ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ دوا کے سلسلہ میں کسی مریض کا یہ سوچنا غلط ہے کہ دوا کھائی جانی چاہئے کہ نہیں۔ البتہ ہر مریض کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ دوا مرض کو رفع کرنے کے لئے ضروری ہے۔ دوا اگر مرض کو رفع کرنے کے لئے ناگزیر قرار پاتی ہے تو پھر دوا کا حصول مرض کے لئے کیسے غیر ضروری قرار پائے گا۔

جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حدود و قصاص معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں تو پھر یہ کہہ دینا کیسے صحیح ہوگا کہ اس بحث میں مت پڑو کہ حدود و قصاص ہونے چاہئیں یا نہیں بلکہ یہ بحث حالات کے موافق ہونے تک چھوڑ دو۔ اگر کوئی مفکر یہ دعویٰ کرے کہ ہندوستان میں حدود و قصاص کا نفاذ نہیں ہو سکتا تو ایک اعتبار سے یہ دعویٰ غلط قرار نہیں پائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ ہندوستان میں حدود قصاص نافذ نہیں ہونے چاہئیں تو اس دعوے کو صحت مند کس طرح سے تسلیم کر لیا جائے، حدود و قصاص کا نفاذ ممکن ہو یا نہیں لیکن ہر سچے مسلمان کو یہ آرزو ہونی چاہئے کہ ساری دنیا میں حدود و قصاص اور اسلامی قانون کا دور دورہ ہو اور ہمیں خود حالات کو موافق بنانے کی جد و جہد کرنی چاہئے اس لئے کہ حالات خود موافق کبھی نہیں ہوتے حالات کو موافق بنانے کے لئے مستقل جد و جہد کی جاتی ہے، زندگیاں قربان کی جاتی ہیں، آسائش، راحت کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے تب جا کر حالات میں توافق پیدا ہوتا ہے۔ خود بخود حالات موافق نہ کبھی ہوئے ہیں نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر مقالہ نگار یہ فرما دیتے تو بہتر ہوتا کہ حالات کو موافق بنانے کی کوشش کرو اس لئے کہ حالات بغیر کوشش کے موافق نہیں ہو سکتے اور بغیر حالات کے موافق ہوئے حدود و قصاص کا قیام ممکن نہیں۔

ص ۳۵ ہی پر ذرا آگے بڑھ کر مولانا سعید صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ — "جن معاملات میں ہم اسلامی اصول کے مطابق عمل پیرا نہیں ہو سکتے ان میں بس ایمان کافی ہوگا۔"

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ زمانہ میں چونکہ عام حالات میں جھوٹ، فریب، رشوت، غیبت سے اور انتہا یہ ہے کہ شراب نوشی، زناکاری جیسے بڑے بڑے جرائم سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا لہٰذا ان خاص حالات میں ملوث ہو کر بھی اگر ہم یہ ایمان رکھیں کہ یہ چیزیں غلط ہیں تو ہمارے لئے بس یہ کافی ہے۔؟

سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے مسلمانوں کے لئے قبل از وقت نماز پڑھنی بھی دشوار ہو گئی ہے جو اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے۔ تو کیا سرکاری ملازمین کا نمازوں کو ترک کر دینا گناہ قرار نہیں پائے گا جبکہ وہ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لیکن نماز کو فرض سمجھتے ہوں اور ان کا یہ ایمان ہو کہ نماز کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر منقولہ بالا جملہ پر وضاحت کی تعلیق چڑھا دی جاتی تو ہم جیسے کوتاہ فہم لوگ کسی تردد اور [illegible] کا شکار نہیں ہو سکتے تھے بصورت موجودہ مذکورہ جملہ باعث اشکال بن کر رہ گیا ہے۔ ص ۴۳ پر مندرجہ ذیل عبارت پڑھنے کو ملی۔

مسائل کے حل کرنے کی دوسری راہ وہ ہے جو اکثر عرب ممالک نے اختیار کر رکھی ہے ان کی نظریں ہمیشہ یورپ کی طرف اٹھی رہتی ہیں۔ جب یورپ و امریکہ میں کوئی قانون وضع ہو جاتا یا کسی نئی چیز کو وہاں قبول عام ہو جاتا ہے تو اس کو بعینہ اپنا لیا جاتا ہے یا اس کی کچھ شکل بگاڑ کر اسلامی قانون کا نام دے دیا جاتا ہے

اگر یہ کتاب عوام کے ہاتھ میں نہ جاتی تو یہ عبارت قابل تنقید قرار نہ پاتی لیکن چونکہ اس کتاب کو عوام کی اکثریت بھی خریدے گی لہٰذا یہ عبارت تنقید سے بالاتر نہیں رہی، ایسی باتیں سن کر عوام کا ذہن مختلف قسم کی الجھنوں اور بد اعتقادیوں کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ بہتر ہوتا اگر یہاں چند یا ایک دو مثالیں دے کر یہ ثابت کر دیا جاتا کہ عرب میں فلاں فلاں مغربی فعل و عمل پر اسلامی قانون کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اب یہ بات مبہم اور تحقیق طلب ہے جو قارئین کے لئے یقیناً باعث تردد بنے گی

ص ۷۵ پر یہ عبارت نظر آئی۔

> عہد حاضر میں مسائل جدیدہ کے لئے جتنی مساعی کی جا رہی ہیں ان سب کو اخذ و استنباط کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ یہ دانش مندی کے خلاف ہے کہ ہم اس کے ذیل میں اجتہاد کی بحث چھیڑ کر خواہ مخواہ ان قدیم طرز کے قابل قدر علماء کو چراغ پا کر دیں جو تجربہ کی روشنی میں یہ باور کر چکے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد کوئی شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جس کو مجتہد مطلق تسلیم کر لینے پر پوری امت مسلمہ نے اتفاق کیا ہو پھر یہ کہ اگر ہماری ضرورتیں اخذ و استنباط کی کوششوں سے پوری ہو جاتی ہوں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اختلافی بحث کا دروازہ کھولیں اور قابل اعتماد علماء کی نظر میں اپنے مساعی کو مشکوک بنانا ضروری سمجھیں۔

اس عبارت میں جو ابہام اور الجھاؤ موجود ہے اس سے محترم مقالہ نگار بھی اتفاق کریں گے جب بھی زندگی میں انھیں اپنے مقالہ پر نظر ثانی کرنے کی فرصت ملے گی۔

ص ۷۸، ۷۹، ۸۰ اور ص ۸۱ پر دلالۃ النص اور اشارۃ النص وغیرہ کے ضمن میں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ پُر لطف بھی ہیں، اور علمیت سے مالا مال بھی۔

تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ کتابچہ چند خامیوں کے باوجود اس قابل ہے کہ عمومی طور پر تمام مسلمان اور خصوصی طور پر طلبہ علم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اس میں دیئے ہوئے اشارات کو سمجھتے ہوئے احکام و فرامین میں ایسی صورتیں مدون کریں جو شرعاً درست۔ اور جائز بھی ہوں اور عملاً سہل اور قابل اختیار بھی:۔

(حسن احمد صدیقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرِ حق کی ۲۹ ویں منزل

اور

انتیسویں منزل کا پانچواں اقدام

فی شمارہ ——— ڈھائی روپے

اس شمارہ کی قیمت ——— تین روپے

عمومی زرِ تعاون چھ ماہ کے لئے ——— تیرہ روپے
" ایک سال کے لئے ——— چوبیس روپے
" دو سال کے لئے ——— بیالیس روپے
" تین سال کے لئے ——— ساٹھ روپے
" چار سال کے لئے ——— پچھتر روپے
" پانچ سال کے لئے ——— نوّے روپے

خصوصی تعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپنے سال بھر کیلئے ازراہِ تعاون جو رقم ارسال کی تھی اسکی مدت ختم ہو چکی ہے۔ تجلی کو اگر آپنے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کیلئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنیکی اجازت دیں ورنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع کر دیں۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی۔پی کر دیں گے اور وی۔پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

تجلّیات

مئی و :-

جون ۸۰ء

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی نوّراللہ مرقدہٗ

مستقل

دستک

ایک دوست دوسرے دوست کی موت پر اور ایک عزیز دوسرے عزیز کی جانکنی پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن ہم دن رات یہ خبریں سنتے رہتے ہیں کہ فلاں مسلمان کمیونسٹ ہوکر دینی موت مرگیا اور فلاں مقام پر کفر و شرک کی وبانے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان و یقین کی جان نکال کر رکھ دی مگر یہ خبریں اور یہ مشاہدے ہماری غیرتِ ملی اور ایمانی جذبات میں کوئی سنسنی کوئی کپکپی پیدا نہیں کرتے! کیسے کیسے فتنے ہیں جو اسلام کا چراغ گل کرنے کے لئے ظلمتوں کی آندھیاں اٹھا رہے ہیں۔ کیسے کیسے خطرات ہیں جو حق کو تباہ کرنے کے لئے ہر افق سے نمودار ہورہے ہیں کہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بغاوت ہورہی ہے، کہیں خدا کی کتاب کے معنی و مفہوم میں مسخ و تحریف کی مہم چلائی جارہی ہے، کہیں توحید کو فنا کرنے کیلئے قبوری شریعت کے احرام تعمیر ہورہے ہیں کہیں معصوم بچوں کی نسل کو کفر و شرک کا لذیذ زہر پلایا جارہا ہے، کہیں مذہب کا قلع قمع کرنے کے لئے لامذہبیت اور دہریت کا سرخ عفریت اپنے خوں آشام جبڑے تیز کررہا ہے۔ لیکن اتنی پر خطر دنیا میں ہم رات بھر پاؤں پسارے میٹھی نیند سوتے ہیں، وہی انسان جو دنیا کے نام پر محبت و نفرت کے ساتھ جیتا جاگتا، بھاگتا دوڑتا اور ہنستا اور روتا ہوا نظر آتا ہے دین کا نام سنتے ہی اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے اور سانس روک لیتا ہے جیسے اس کی رگوں زندگی کا دوڑتا ہوا خون اچانک رک گیا ہے اور جیسے وہ ایک ٹھنڈی بےجان لاش کے سوا کچھ بھی نہیں۔!!

٭ ٭ ٭

(از تجلی مارچ سنہ ۶۲ء)

احوالِ واقعی

اعلان کے مطابق مدیر تجلی ۵ اپریل ۱۹۷۵ء کو طویل سفر پر چلے گئے تھے اور دو ماہ تک سفر پر ہی رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے جودھپور، احمد آباد، بمبئی اور اس کے گرد و نواح کا دورہ کیا۔ ارادہ تو یہ تھا کہ اعلان اور پروگرام کے مطابق باقی شہروں کا بھی دورہ کیا جائے لیکن بعض ضروری کاموں میں اختلال پیدا ہو جانے کی وجہ سے ادارہ تجلی نے انھیں واپس بلا لیا ہے۔

سفر کی دو وجہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ تجلی کا حلقۂ قارئین وسیع ہو جائے اور اصحاب خیر حضرات سے کچھ تعاون مل جائے، دوسرے بالمشافہ تجلی کے لئے مشورے کئے جائیں کہ آیا تجلی کو کس نہج پر چلایا جائے اور کس قسم کے مضامین اس میں شامل کئے جائیں

افسوس کی بات ہے کہ سفر نامکمل رہا۔ انشاء اللہ رمضان المبارک کے بعد ادارہ انھیں پھر سفر پر روانہ کرے گا۔ اکثر قارئین تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ مدیر تجلی سفر پر ہی ہوں گے۔ مختلف حضرات کی طرف سے انھیں مدعو کرنے کے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ ایسے تمام حضرات سے ادارہ معذرت کرتا ہے۔ اور انھیں یقین دلاتا ہے کہ آئندہ سفر کے دوران کی فرمائش پوری کر دی جائے گی۔

(۲) جنوری کے شمارہ میں آر ایس ایس اور جماعت اسلامی سے متعلق جو خیالات پیش کئے گئے تھے، اس سلسلہ میں کئی خط ہمیں ملے ہیں۔ ایک خط احسن مستقیمی صاحب کا ہے۔ آئندہ شمارہ میں یہ خط مع جواب شائع ہو رہا ہے۔ جن حضرات نے جنوری کا آغاز سخن پڑھا تھا ان سے گذارش ہے کہ وہ احسن مستقیمی صاحب کا خط اور مدیر تجلی کا جواب بھی ضرور ملاحظہ کرلیں۔

(۳) بہار شریعت پر تنقید شروع کر دی گئی ہے ممکن ہے کہ اس کی پہلی قسط اگلے شمارہ میں جلوہ ہو جائے۔ اس ماہ ارشد القادری صاحب کی فتنہ انگیز تصنیف "شریعت" کا آپریشن کیا گیا ہے۔ ارشد القادری اگر معقول انداز میں کچھ فرمائیں تو ہم اسے تجلی میں چھاپیں گے — ارشد القادری کے علاوہ کوئی بھی بریلوی عالم علم و عقل کی روشنی میں "شریعت" پر کی گئی تنقید کا تعاقب کر سکتا ہے۔ ہم اسے تجلی میں جگہ دیں گے اور اگر ضروری سمجھا تو اس پر حاشیہ بھی چڑھائیں گے۔

(۴) حیدر آباد سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے، اس میں تعویذ گنڈوں کے خلاف بڑا زہریلا مضمون شائع ہوا ہے۔ انشاء اللہ اگلے شمارہ میں اس کا تعاقب کیا جائے گا۔

(۵) مولانا زکریا کی تالیف "فتنۂ مودودیت" کا پوسٹ مارٹم کیا جا رہا ہے۔ عنقریب ہی اسے تجلی میں ایک قسط یا تفصیل سے شائع کیا جائے گا۔ اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد قارئین کو اندازہ ہوگا کہ شیخ صاحب کے علم و فہم نے کتنی جگہ قلا بازیاں کھائی ہیں، اور انھوں نے جانتے بوجھتے کتنی بار ناانصافی کا مظاہرہ کیا ہے۔ فتنۂ مودودیت کا جائزہ جس شمارہ میں جلوہ گر ہوگا۔ اسے "خاص نمبر" کی حیثیت دی جائے گی۔

توجہ طلب

روزنامہ "عرب ٹائمز" کویت کے وقائع نگار نے "اخبار جہاں" کراچی کے نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا ہے

میں دہلی میں جن اخبار نویسوں سے ملا ان میں ایک کثیر الاشاعت اُردو ہفت روزہ کے مدیر سلامت علی مہدی بھی شامل تھے مجھے یہ بات قیام بھارت کے دوران عجیب سی معلوم ہوتی کہ بھارت کا انگریزی اور ہندی پریس جو ہندو اونرشپ میں کام کرنے والا اردو پریس پاکستان کے داخلی معاملات میں بالعموم نہایت محتاط رویہ رکھتا ہے اور پاکستان میں ایک اعلیٰ عدالت کی جانب سے باقاعدہ سماعت کے پورے مواقع دینے کے باوجود اگر مسٹر بھٹو کو قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی ہے، تو اس پر پاکستان عدلیہ کی آزادی او رقانون کی بالادستی کو سراہتا ہے لیکن اس کے برعکس جو اخبارات مسلمانوں کی نگرانی میں شائع ہوتے ہیں ان میں سے کئی اخبار بھٹو کی شان میں قصیدہ گوئی کر کے اپنے قارئین کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

عرب ٹائمز کے وقائع نگار کو یہ بات خدا ہی جانے کیوں عجیب اور حیرت انگیز محسوس ہوئی ہے ہمیں مسلم اخباروں کے اس رویہ پر کوئی حیرت نہیں کوئی استعجاب نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندو سیاست کے بہت قریب ہے اور مسلمان سیاست سے بہت دور ہے ہندو کی کامیابی یہ ہے کہ اپنے نظریہ کو مسلمانوں کے ذہن میں اُتار چکا ہے اب اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اب تو اسلام کے خلاف سارا جہاد مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں مسلم رہنماؤں کی سوجھ بوجھ کوئی حیثیت نہیں رکھتی پھر مسلم رہنماؤں کو جو کچھ سوجھ بوجھ حاصل ہے اس کا سودا وہ خداوندان روس سے کر چکے ہیں، ان حقائق کے باوجود مسلم اخباروں کے موجودہ رویہ پر حیرت کیوں اور اچنبہ کیسا؟ ہندوستانی مسلمانوں کی بدنصیبی ہی سمجھئے کہ ان میں جتنے معمہ بجھوے تھے وہ سب صحافی بن گئے ہیں، اور اپنی کج فکری اور بے شعوری سے ملت اسلامیہ کا بیڑا غرق کرنے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

غالباً عرب ٹائمز کے وقائع نگار شاہد صدیقی سے نہیں ہے وہ ہندوستان کے اس عجوبہ سے بھی مل لیتے تو بہتر تھا۔ شاہد صدیقی صاحب کا عالم یہ ہے کہ انھیں اب بھٹو کی راہوں میں جھاڑو دینے اور خداوندان روس کے آگے سیاہ کو گورا کرنے کے سوا کوئی اور کام ہی نہیں رہ گیا ہے۔

بعض اوقات بھٹو کی طرفداری بھی اُچھلتے کودتے ہوئے وہ ایسے مقام پر پہونچ جاتے ہیں جہاں پہونچ کر آدمی کی اولاد اور کتے کی بھوں بھوں میں کوئی فرق نہیں رہتا، اس کے باوجود شاہد صاحب اپنے بارے میں یہ ایمان رکھتے ہیں کہ میں ہی دنیا کا سب سے بڑا مفکر اور میں ہی دنیا کا سب سے بہتر حیوان ناطق ہوں!

❖

ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کو اکھنڈ بھارت بنانا چاہتے تھے؟

حسن احمد صدیقی

آغازِ سخن

ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں عامۃ المسلمین نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ افسوسناک ہی نہیں باعثِ تشویش بھی ہے۔ افسوسناک تو اس لئے کہ جس شخص نے ابھی ماضی قریب میں اپنے اقتدار اور کرسی کو باقی رکھنے کے لئے جبر و استبداد اور وحشت و بربریت کی ہوسناک اور انسانیت سوز آندھیاں چلا رکھی تھیں آج اسی شخص کی حمایت و طرفداری میں ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت اپنی قوت اور انرجی برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

اور تشویشناک اس لئے کہ بھٹو کی حمایت کرنے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم "اسلام کش" ذہنیتوں کو کمک فراہم کر رہے ہیں، ان کی کمر تھپک رہے ہیں۔ ان کے اس مشن کو تقویت دے رہے ہیں جو انھوں نے اسلام کو چوپٹ کرنے کے لیے جاری کر رکھا ہے اور جن کے مذموم اثرات بعض چور دروازوں سے مسلم قوم کے دلوں میں داخل ہو چکے ہیں۔

وہ بھی مسلمانوں کی نادانی ۔ وہ پھر اسی گستاخی منافقت اور گھناؤنی سازش کا شکار ہو گئے کہ جس منافقت و سازش کی لپیٹ میں آکر انھیں ہمیشہ ذلت و نکبت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

مسلمان پھر اس گروہ کی مکاریوں سے غافل ہو بیٹھے

افسوس کہ جس کے زہریلے اور خونخوار اقدامات نے ماضی قریب و لبعید میں عفریت کے فلک بوس درخت اگائے اسلام کو لہو لہان کیا۔ اس کے تقدس کو نوچا کھسوٹا۔ اس کے ماننے والوں کی راہوں میں غلاظتیں بچھائیں۔ دوستی کے پردے میں دشمنی کی۔ مسلمانوں کو ذلیل کر کے اپنی بھڑاس نکالی اور اسلام کے مقدس دامن پر تنقید کی کیچڑ اچھال کر اپنے تعصبات کے چھالوں کو تسکین دی۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ نام ذوالفقار علی بھٹو ہو تو پھر میاں بھٹو کے مسلمان ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ لیکن اگر مسلمان اسے کہتے ہیں جو اللہ کی الوہیت اور اس کی رسالت پر ایمان لائے۔ ان کے احکامات و فرامین کو برحق جانے، ان کی ایک ایک بات کو محترم اور قرینِ فہم تصور کرے اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کبھی کوئی لفظ زبان سے نہ نکالے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ بھٹو جیسے حضرات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اسلام سے دور ہیں اور اسلام ان سے دور ہے۔

اگر بھٹو جیسے لوگ (اپنے تمام کرتوت اور اسلام دشمنی کے باوصف) مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہیں تو پھر ان کروڑوں اور اربوں انسانوں کو کافر سمجھنے کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی، جن کا قصور بس یہ ہے کہ وہ مسلم

گھرانے میں پیدا نہیں ہوسکے۔

بنگلہ دیش بننے سے پہلے اور بنگلہ دیش بننے کے بعد کے بے شمار واقعات چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ بھٹو کو مسلمانوں سے کتنی ہی ہمدردی کیوں نہ ہو لیکن اسے اسلام سے کوئی لگاؤ نہیں اس نے از راہ سیاست چند ایسے کارنامے ضرور انجام دیئے ہیں کہ جو یقیناً قابل داد ہیں لیکن محض ان کارناموں کی وجہ سے اس کے کالے کرتوت اور شرمناک مظالم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا حجاج بن یوسف نے قرآن حکیم میں اعراب لگا کر دنیا کے سارے مسلمانوں پر عظیم احسان کیا تھا لیکن اس کے اس کارنامے کی وجہ سے اس کی زیادتیوں اور ظلم آشامیوں کو نہ تاریخ نے نظر انداز کیا ہے نہ خدائے ذو الجلال نظر انداز کرے گا۔ بروز حساب آخر ان لوگوں کی فریادوں سے آنکھیں کس طرح پھیری جاسکتی ہیں جو جرم ضعیفی کی پاداش میں مار ڈالے گئے تھے۔

ہاں! حجاج بن یوسف کتنا ہی ظالم اور سفاک سہی۔ لیکن ایسی کوئی روایت اس کے بارے میں ہاتھ نہیں لگتی جس کو سہارا بنا کر یہ باور کرایا جاسکے کہ اس نے اسلام کو مٹانے اور اس کے اثرات کو بے روح کرنے کے لئے اسلام کے دشمنوں سے ساز باز کر رکھی تھی۔ اور وہ ظالم تھا اور وہ یقیناً ظالم تھا۔ وہ قاتل تھا یقیناً قاتل تھا۔ وہ بے رحم تھا اور یقیناً بے رحم تھا لیکن اس نے خدا کے اور اس کے رسولؐ کے پھیلائے ہوئے مذہب کو غارت کرنے کے منصوبے کبھی نہیں بنائے تھے۔ اس نے دلوں کی دنیا میں کفر و الحاد کی تاریکیاں اتارنے کی کوشش کبھی نہیں کی تھی۔ اور میاں بھٹو کو اقتدار ہی اس وقت نصیب ہوا تھا جب اقتدار ناموس اسلام کو نیلام کرنے کا عہد کر چکے تھے۔ اور اسلام کے داعیوں کو ذلیل و خوار کرنے کا پلان بنا چکے تھے، اور یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ پاکستان میں کمیونزم، سوشلزم اور تمام اسلامی اقدار کو پھلنے پھولنے کا نہ صرف موقع دیں گے بلکہ خود بھی دامے درمے قدمے سخنے ان کی مدد کریں گے

اور ان کے اس عہد و پیمان اور اس منصوبے و پلان ہی کی بنا پر اندرا گاندھی نے ان کی بھرپور امداد کی تھی اور اپنی چالبازیوں سے پاکستان کو اتنا کمزور اور وہاں کے عوام کو اتنا بدحواس کر دیا تھا کہ بھٹو جب عزت کا اچکن پہن کر اقتدار کی کرسی پر جلوہ گر ہوئے تو انھیں بے چون و چرا گوارہ کر لیا گیا۔ اس لئے کہ قوم میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ وہ بھٹو کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم حضرات پاکستان کے ہر صدر مملکت کے مخالف رہے، اور وقتاً فوقتاً انھیں گالیوں اور گندی تنقیدوں سے نوازتے رہے لیاقت علی سے لیکر یحییٰ خاں تک ایک ہی معاملہ رہا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے معلوم نہیں انھیں کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ اس کے گن گاتے ہیں۔ جبکہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ غیر مسلم قومیں کسی اسلام پرست آدمی کے قصیدے الاپنے کا گناہ نہیں کر سکتیں۔

پر لطف بات یہ ہے کہ جو اسلامی قانون کی مخالفت میں جتنا شدید ہے وہ بھٹو کی حمایت میں اتنا ہی پیش پیش نظر آرہا ہے۔

تکلیف دہ بات یہ ہے کہ بھٹو کو فطری سزا دینے سے بچانے کے لئے جو جہاد ہندوستان کے ہندو کر رہے تھے۔ وہ جہاد ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے وہ بھٹو کی موافقت میں مرے جا رہے ہیں انھیں اب کوئی کام ہی نہیں رہ گیا ہے۔ ماسوا بھٹو کی طرفداری اور حمایت کے۔ یہی حال مسلم اخباروں کا ہے کہ ان کے پاس لکھنے کے لئے کوئی موضوع ہی باقی نہیں رہا۔ علاوہ بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے۔

اور قابل گریاں بات یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں کی ٹیم اسلامی قانون کا جس انداز میں مذاق اڑا رہی ہے ہندوستان کے مسلمان بھی (حُبِّ بھٹو اور بغض ضیاء الحق کے پردہ میں)

اسی طرح اسلامی قانون کو منہ چڑانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں. پاکستان کے زانی، شرابی اور عیار و خطاکار مسلمان اگر اسلامی قانون کے درپے ہوں تو کوئی حیرتناک بات نہیں اس لئے کہ نظام مصطفےٰ کی اجید ہی نے ان کی عیاشی اور عیاری کی بنیادیں ہلا کر رکھدیں لیکن ہندوستان کے مسلمان بھی جب اسلامی قانون کو بلا وجہ ترچھی نظروں سے دیکھیں، اس کے خلاف اول فول بکیں تو حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی غصہ بھی آتا ہے اور رونا بھی.

ہندوستان کے تمام نابالغ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا بھٹو از راہ کذب و افترا بہت بڑا مدبر ہے اس نے پاکستان کے ستارے پلٹ کر دیئے ہیں. ان نادانوں کو یہ بات کون سمجھائے کہ پاکستان میں بھٹو کی نہیں اندرا جی کی حکومت تھی جب اندرا گاندھی سیاست کے اکھاڑے میں چت ہو گئیں، اس دن مسٹر بھٹو بھی اپنی تمام تر چالاکیوں اور مکاریوں کے باوجود میدان سیاست میں بیدم پڑے نظر آئے.

اب ذرا الطاف حسین قریشی کے قلم سے نکلی ہوئی ان چند سطروں پر نظر ڈالیئے :-

"ملک کے حالات اور بیرونی معاملات سے دو شخصیتیں سب سے زیادہ متاثر تھیں — صدر مملکت کی حیثیت سے یحییٰ خاں اور سابق وزیر خارجہ کی حیثیت سے جناب بھٹو — جہاں تک ہمیں معلوم ہے یحییٰ خاں نے سیاسی قائدین پر جنگ کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا. جناب بھٹو کے ان کے دعوے کے مطابق فوجی جرنیلوں سے براہ راست تعلقات تھے، اس لئے وہ اپنے طور پر معلومات کرتے رہے ہوں گے

قوم ہمیشہ تذبذب ہی میں رہی کیا ہونے والا ہے، کب اور کس طرح ہونے والا ہے؟ وہ کیا کرے اور ملک کو تباہ ہونے سے کیسے بچائے؟ بدقسمتی سے جنگ کے متعلق یحییٰ خاں اور بھٹو کے متضاد بیان آتے رہے۔ یحییٰ خاں کہتے تھے جنگ کے خطرات منڈلا رہے ہیں اور بھٹو یقین دلاتے رہے کہ جنگ نہیں ہوگی اس تضاد کی بدولت عام ذہنوں میں سخت انتشار پیدا ہوا. یحییٰ خاں کے اعلانات کا اثر اس لئے بھی جلد زائل ہو گیا کہ انھوں نے انتقال اقتدار کا عمل روکنے کے لئے جنگ کا ہوا کھڑا کیا ہے. اس خیال کو جناب بھٹو کی پیپلز پارٹی اور اس کے ترجمان اخبار نے تقویت پہنچائی. چنانچہ قوم ذہنی طور پر جنگ کے لئے تیار نہ ہوئی، البتہ بے یقینی کا شکار رہنے کی وجہ سے مفلوج اور بے عمل ہو گئی.

ہماری فوجیں مارچ کے مہینہ سے سرحدوں پر پڑی تھیں. بھارت جنگ کی دھمکیاں دے رہا تھا. مگر ہماری طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں ہوا جس سے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو. یہ سب کو معلوم تھا کہ اس بار جنگ بہت ہولناک اور تباہ کن ہوگی اور شہری زندگی پر خاص طور سے بہت اثر پڑے گا. مگر سول ڈیفنس کے انتظامات بہت دیر سے شروع کئے گئے اور جو شروع کئے گئے وہ اس قدر ناقص اور خراب تھے کہ قوم سے مذاق کرنے کا گمان ہوتا تھا. سائرن کا انتظام لاہور جیسے شہر میں شرمناک حد تک خراب تھا. ہم نے مغربی پاکستان کے تقریباً سبھی اہم شہروں کا

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

کار آخرت کے اخلاقی نتائج

قرآن کریم میں آخرت کے امکان اور اس کے ب پر اتنے مضبوط دلائل قائم کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا، کہ ن آخرت کا عقیدہ ہی وہ چیز ہے جو انسان کی سیرت و کردار یم و مستحکم اخلاقی بنیادوں پر قائم رکھتا ہے، یہ نہ ہو تو اس کو دستم، فسق و فجور، بدعہدی و خیانت اور بدکاری و بداطواری ، ردکنے والی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کا انکار کرنے لے زبان سے خواہ کتنی ہی حجتیں بگھارتے ہیں، ان کے عمل سے م ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل اخلاقی بے قیدیوں کی آزادی چاہتے ، اور اسی کو برقرار رکھنے کے لیئے آخرت کو ماننے سے انکار تے ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن مجید میں خود عرب کے معاشرے ام طور پر پھیلی ہوئی اخلاقی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی۔ اور وں کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا کہ کیا یہ خرابیاں اس صورت بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ جب لوگوں کو یہ احساس ہوتا کہ انہیں ۔ دن اپنے خدا کے سامنے اپنے ایک ایک فعل کی جوابدہی ن ہوگی؟

حسب الانسان الّن نجمع عظامہ ○ بلیٰ قٰدرین — کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے

عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ○ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ ○ — کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے

(القیامۃ، ۳ تا ۵)

پہلی دو آیتوں میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو کہتے تھے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں اور ہزاروں برس گزر چکے ہوں جن کے جسم کا ذرہ ذرہ خاک میں مل کر پراگندہ ہو چکا ہو جن کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو کر نہ معلوم زمین میں کہاں کہاں منتشر ہو چکی ہوں۔ جن میں سے کوئی جل مرا ہو، کوئی درندوں کے پیٹ میں جا چکا ہو، کوئی سمندر میں غرق ہو کر مچھلیوں کی غذا بن چکا ہو۔ ان سب کے اجزائے جسم پھر سے جمع ہو جائیں۔ اور ہر انسان پھر وہی شخص بن کر اٹھ کھڑا ہو، جو دس بیس ہزار سال پہلے کبھی وہ تھا؟ اس کا نہایت معقول اور انتہائی پرزور جواب اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے سوال کی شکل میں دے دیا ہے کہ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کبھی جمع نہ کر سکیں گے؟ یعنی اگر تم سے یہ کہا گیا ہوتا کہ تمہارے یہ منتشر اجزائے جسم کسی وقت آپ سے آپ جمع ہو جائیں گے اور تم آپ سے آپ اسی جسم کے ساتھ جی اٹھو گے تو بلاشبہ تمہارا اس کو ناممکن سمجھنا بجا

ہوتا مگر تم سے تو کہا یہ گیا ہے کہ یہ کام خود نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالےٰ ایسا کرے گا۔ اب کیا واقعی تم یہ سمجھ رہے ہو کہ کائنات کا خالق جسے تم خود بھی خالق مانتے ہو اس کام سے عاجز ہے؟ یہ ایسا سوال تھا جس کے جواب میں کوئی شخص جو خدا کو خالق کائنات مانتا ہو اس وقت یہ کہہ سکتا تھا اور نہ آج یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا بھی یہ کام کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی بے وقوف ایسی بات کہے تو اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تم آج جس جسم میں اس وقت موجود ہو اس کے بے شمار اجزاء کو ہوا اور پانی اور مٹی اور نہ معلوم کہاں کہاں سے جمع کر کے اسی خدا نے کیسے یہ جسم بنا دیا جس کے متعلق تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ پھر ان اجزاء کو جمع نہیں کر سکتا؟

پھر فرمایا کہ بڑی بڑی ہڈیوں جمع کر کے تمہارا ڈھانچہ پھر سے کھڑا کر دینا تو درکنار ہم تو اس بات پر قادر ہیں کہ تمہارے نازک ترین اجزائے جسم حتیٰ کہ تمہاری انگلیوں کی پوروں تک کو پھر ویسا ہی بنا دیں جیسی وہ پہلے تھیں۔

آخری فقرے میں منکرین آخرت کے اصل مرض کی صاف صاف تشخیص کر دی گئی کہ ان لوگوں کو جو چیز آخرت کے انکار پر آمادہ کر رہی ہے وہ دراصل یہ نہیں ہے کہ فی الواقع یہ قیامت اور آخرت کو ناممکن سمجھتے ہیں بلکہ ان کے اس انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ آخرت کو ماننے سے لازماً ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور انھیں یہ پابندیاں ناگوار ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ اب تک زمین میں بے نتھے بیل کی طرح پھرتے رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی پھرتے رہیں۔ جو ظلم، جو بے ایمانیاں، جو فسق و فجور، جو بدکرداریاں یہ اب تک کرتے رہے ہیں۔ آئندہ بھی ان کو اس کی کھلی چھوٹ ملی رہے۔ اور یہ خیال کبھی ان کو یہ نا روا آزادیاں برتنے سے نہ روکنے پائے کہ اس دن انھیں اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ان اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی اس لئے دراصل ان کی عقل انھیں آخرت پر ایمان لانے سے نہیں روک رہی ہے بلکہ ان کی خواہشات نفس اس میں مانع ہیں اور یہی بات ان آیات میں فرمائی گئی ہے۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ — اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر

مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ — وہ شخص جو حد سے گزر جانے والا بدعمل ہے

(المطففین۔ ۱۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ — جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے وہ روز حساب کو بھول گئے ہیں۔

(ص۔ ۲۶)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ — ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز، یعنی دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

(القیامہ۔ ۲۰، ۲۱)

یہ منکرین کے انکار آخرت کی دوسری وجہ ہے۔ پہلی وجہ تو اوپر بیان کر دی گئی کہ وہ فجور کی کھلی چھوٹ چاہتے ہیں اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتے ہیں جو آخرت کو ماننے سے لازماً ان پر عائد ہوتی ہیں۔ اس لئے دراصل خواہشات نفس انھیں انکار آخرت پر ابھارتی ہیں، اور پھر وہ عقلی دلیلیں بگھارتے ہیں تاکہ اپنے اس انکار کو معقول ثابت کریں۔

اور دوسری وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ منکرین آخرت چونکہ تنگ نظر اور کوتاہ بین ہے اس لئے ان کی نگاہ میں ساری اہمیت انہی نتائج کی ہے، جو اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان نتائج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے جو آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو فائدہ یا لذت یا خوشی یہاں حاصل ہو جائے اسی کی طلب میں ساری محنتیں اور کوششیں کھپا دینی چاہئیں، کیونکہ اسے پا لیا تو سب کچھ پا لیا۔ خواہ آخرت میں اس کا انجام کتنا ہی برا ہو۔ اسی طرح ان کا خیال یہ ہے کہ جو نقصان یا تکلیف یا رنج و غم یہاں پہنچ جائے، وہی دراصل بچنے کی قابل چیز ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کو برداشت کر لینے کا کتنا ہی بڑا اجر آخرت میں مل سکتا ہو۔ وہ نقد سودا چاہتے ہیں، آخرت جیسی دور کی چیز کے لئے وہ نہ آج کے کسی نفع کو چھوڑ سکتے ہیں، نہ کسی نقصان کو گوارہ کر سکتے ہیں۔ اس انداز فکر کے ساتھ جب وہ آخرت کے مسئلے پر عقلی بحثیں کرتے ہیں تو دراصل وہ خالص عقلیت نہیں ہوتی

بلکہ اس کے پیچھے یہ اندازِ فکر کام کر رہا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کا فیصلہ بہرحال یہی ہوتا ہے کہ آخرت کو نہیں ماننا ہے خواہ اندر سے ان کا ضمیر پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ آخرت کے امکان وقوع اور وجوب کی جو دلیلیں قرآن میں دی گئی ہیں وہ نہایت معقول ہیں اور اس کے خلاف جو استدلال وہ کر رہے ہیں وہ نہایت بودا ہے

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا

یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (الدھر ۲۷)

یعنی یہ کفارِ قریش جس وجہ سے اخلاق اور عقائد کی گمراہیوں پر مصر ہیں اور جس بنا پر اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت حق کے لئے ان کے کان بہرے ہو گئے ہیں، وہ دراصل ان کی دنیا پرستی اور آخرت سے بے فکری و بے نیازی ہے اس لئے ایک سچے خدا پرست انسان کا راستہ ان کے راستے سے اتنا الگ ہے کہ دونوں کے درمیان کسی مصالحت کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں۔ اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے اس روش کے انجام کو جانتے ہوتے تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔ پھر سن لو کہ تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔ (التکاثر ۱ تا ۸)

لفظ اَلْهٰكُمْ۔ لہو سے ہے جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اس شغل کے لئے بولا جاتا ہے جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں منہمک ہو کر دوسری اہم تر چیزوں سے غافل ہو جائے۔ اس مادے سے جب اَلْهٰكُمْ کا لفظ بولا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی لہو نے تم کو اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ تمہیں کسی اور چیز کا جو اس سے اہم تر ہے، ہوش باقی نہیں رہا ہے، اسی کی دھن تم پر سوار ہے۔ اسی کی فکر میں تم لگے ہوئے ہو اور اس انہماک نے تم کو بالکل غافل کر دیا ہے۔

تکاثر۔ کثرت سے ہے اور اس کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دوسرے یہ کہ لوگ کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں۔ تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اس بات پر فخر جتائیں کہ انھیں دوسروں سے زیادہ کثرت حاصل ہے۔

پس اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کے معنی ہوئے تکاثر نے تمہیں اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ اس کی دھن نے تمہیں اس سے اہم تر چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔ اس فقرے میں یہ تصریح نہیں کی گئی ہے کہ تکاثر میں کس چیز کی کثرت، اور اَلْهٰكُمْ میں کس چیز سے غافل ہو جانا مراد ہے۔ اور اَلْهٰكُمْ (تم کو غافل کر دیا ہے) کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ اس عدم تصریح کی وجہ سے ان الفاظ کا اطلاق اپنے وسیع ترین مفہوم پر ہو جاتا ہے۔ تکاثر کے معنی محدود نہیں رہتے بلکہ دنیا کے تمام فوائد و منافع، سامان عیش، اسباب لذت اور وسائل قوت و اقتدار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی سعی و جہد کرنا، ان کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا اور ایک دوسرے کے مقابلے میں ان کی کثرت پر فخر جتانا اس کے مفہوم میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اَلْهٰكُمْ کے مخاطب بھی [illegible]

بلکہ ہر زمانے کے لوگ اپنی انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی اس کے مخاطب ہوجاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے اور دوسروں کے مقابلے میں اس پر فخر جتانے کی دھن افراد پر بھی سوار ہے اور اقوام پر بھی اسی طرح أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ میں چونکہ اس امر کی صراحت نہیں کی گئی کہ تکاثر نے لوگوں کو اپنے اندر منہمک کرکے کس چیز سے غافل کردیا ہے۔ اس لیے اس کے مفہوم میں بھی بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ لوگوں کو اس تکاثر کی دھن نے ہر اس چیز سے غافل کردیا ہے جو اس کی بہ نسبت اہم تر ہے۔ وہ خدا سے غافل ہوگئے ہیں۔ عاقبت سے غافل ہوگئے اخلاقی حدود اور اخلاقی ذمہ داریوں سے غافل ہوگئے ہیں۔ انھیں بس معیار زندگی بلند کرنے کی فکر ہے۔ اس بات کی کوئی فکر نہیں۔ کہ معیار آدمیت کس قدر گر رہا ہے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ دولت چاہیئے۔ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ انہیں عیش و عشرت اور جسمانی لذتوں کے سامان زیادہ سے زیادہ مطلوب ہیں۔ اس ہوس رانی میں غرق ہوکر وہ اس بات سے بالکل غافل ہوگئے ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں، زیادہ سے زیادہ ہتھیار فراہم کرنے کی فکر ہے۔ اور اس معاملہ میں ان کے درمیان ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی دوڑ جاری ہے اس بات کی فکر انہیں نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کردینے کا سر و سامان ہے۔ غرض تکاثر کی بے شمار صورتیں ہیں۔ جنھوں نے اشخاص اور اقوام سب کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالاتر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا ہے اور یہ فکر مرتے دم تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

اس غلطی پر انسان کو متنبہ کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ متاع دنیا کی کثرت اور اس میں دوسروں سے بڑھ جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہے عنقریب اس کا برا انجام تمہیں معلوم ہوجائے گا اور جان لوگے کہ یہ کتنی بڑی غلطی تھی جس میں تم عمر بھر مبتلا رہے۔ عنقریب سے مراد آخرت بھی ہوسکتی ہے کیونکہ جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں پر حاوی ہے اس کے لیے چند ہزار یا چند لاکھ سال بھی زمانے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں، لیکن اس سے مراد موت بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ کسی انسان سے بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے اور یہ بات مرتے ہی انسان پر کھل جائے گی کہ جن مشاغل میں وہ اپنی ساری عمر کھپا کر آیا ہے وہ اس کے لیے سعادت و خوش بختی کا ذریعہ تھے یا بد انجامی و بدبختی کا ذریعہ تھے۔

پھر قرآن خود عربی معاشرے میں سے چند سامنے کی مثالیں دے کر بتاتا ہے کہ آخرت سے غفلت نے لوگوں میں کیسی کیسی برائیاں پیدا کردی ہیں۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝	تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انھیں گھاٹا دیتے ہیں کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں اس دن جب کہ سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔
(المطففین۔ ۱ تا ۶)	

لفظ مطففین، طفیف سے مشتق ہے جس کے معنیٰ عربی زبان میں چھوٹی اور حقیر چیز کے ہیں اور تطفیف کا لفظ اصطلاحاً ناپ تول میں چوری چھپے تھوڑی تھوڑی کمی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ کام کرنے والا ناپ کر یا تول کر چیز دیتے ہوئے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا بلکہ ہاتھ کی صفائی دکھا کر ہر خریدار کے حصے میں سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے اور خریدار بیچارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ تاجر اسے کیا اور کتنا گھاٹا دے رہا ہے ظاہر ہے کہ یہ برائی جو معاشرے میں عام تھی کبھی نہ پھیل سکتی اگر لوگوں کو آخرت کا کوئی خیال ہوتا۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ	ہرگز نہیں، دنیوی خوشحالی

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝
(الفجر ۱۷ تا ۲۰)

یا بدحالی معیار عزت و ذلت نہیں ہے، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔

یعنی تم نے دنیوی خوشحالی و بدحالی کو جو معیار عزت و ذلت سمجھ رکھا ہے، یہ تمہارا مادہ پرستانہ نقطۂ نظر ہے ورنہ اصل معیار تو اخلاق کی خوبی و زشتی ہے۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ یتیم کا باپ جب تک زندہ رہتا ہے اس کے ساتھ تمہارا برتاؤ کچھ اور ہوتا ہے اور جب اس کا باپ مر جاتا ہے۔ تو ہمسائے اور دور کے رشتے دار تو درکنار چچا اور ماموں اور بڑے بھائی تک اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں تمہارے معاشرے میں غریبوں کو کھانا کھلانے کا کوئی چرچا نہیں ہے، نہ کوئی خود کسی بھوکے کو کھانا کھلانے پر آمادہ ہوتا ہے۔ نہ لوگوں میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ بھوکوں کی بھوک مٹانے کے لئے کوئی فکر کریں اور ایک دوسرے کو اس کا انتظام کرنے پر اکسائیں۔ میراث میں عورتوں اور بچوں کو تو تم نے ویسے ہی محروم کر رکھا ہے اس کے علاوہ مرنے والے کے وارثوں میں جو زیادہ طاقت ور اور بااثر ہوتا ہے وہ بلا تامل ساری میراث سمیٹ لیتا ہے اور ان سب کا حصہ مار کھاتا ہے جو اپنا حصہ حاصل کرنے کا بل بوتہ نہ رکھتے ہوں، حق اور فرض کی کوئی اہمیت تمہاری نگاہ میں نہیں ہے کہ ایمانداری کے ساتھ اپنا فرض سمجھ کر حق دار کو اس کا حق دو خواہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مال کمانے میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں، جس طریقے سے بھی مال حاصل کیا جا سکتا ہو اسے حاصل کرنے میں تمہیں کوئی تامل نہیں ہوتا اور خواہ کتنا ہی مال مل جائے تمہاری حرص و طمع کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝
(الماعون ۱ تا ۳)

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو، جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے یہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو نمایاں ترین مثالیں دے کر دراصل یہ بتایا ہے کہ انکار آخرت لوگوں میں کس قسم کی اخلاقی برائیاں پیدا کرتا ہے۔ اصل مقصود ان دو ہی باتوں پر گرفت کرنا نہیں ہے کہ آخرت کو نہ ماننے سے بس یہ دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ یتیموں کو دھتکارتے ہیں اور مسکینوں کا کھانا دینے پر نہیں اکساتے بلکہ جو بے شمار خرابیاں اس گمراہی کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہیں ان میں سے دو ایسی چیزیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جن کو ہر شریف الطبع اور سلیم الفطرت انسان مانے گا کہ وہ نہایت قبیح اخلاقی رذائل ہیں اس سے یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ اگر یہی شخص خدا کے حضور اپنی حاضری اور جواب دہی کا قائل ہوتا تو اس سے ایسی کمینہ حرکتیں سرزد نہ ہوتیں کہ یتیم کا حق مارے، اس پر ظلم ڈھائے اس کو دھتکارے اور مسکین کو نہ خود کھلائے نہ کسی سے یہ کہے کہ اس کا کھانا اس کو دو۔ آخرت کا یقین رکھنے والوں کے اوصاف تو وہ ہیں جو سورۂ عصر اور سورۂ بلد میں بیان کیے گئے ہیں وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ وہ ایک دوسرے کو خلق خدا پر رحم کھانے کی نصیحت کرتے ہیں اور، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وہ ایک دوسرے کو حق پرستی، اور ادائے حقوق کی نصیحت کرتے ہیں۔

دنیا میں انسان امتحان کیلئے پیدا کیا گیا ہے

ایک طرف قرآن نے اس طریقے سے آخرت کے امکان اور اس کی ضرورت کے متعلق لوگوں کے بہت سے کو نہایت معقول طریقے سے رفع کیا اور دوسری طرف اس نے ان کو یہ بھی بتایا کہ تم اپنی غفلت کی وجہ سے دنیا کو محض ایک سیرگاہ یا تفریح گاہ سمجھ بیٹھے ہو حالانکہ یہ ایک امتحان گاہ ہے جہاں ہر وقت اپنی زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی معاملہ میں تم دراصل امتحان دے رہے ہو اور یہ امتحان تمہیں بے خبر رکھ کر نہیں لیا جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ بتانے کا پورا انتظام کر دیا ہے کہ اس میں تمہاری کامیابی و ناکامی کا مدار کس چیز پر ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک، ۲)

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزماکر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

یعنی دنیا میں انسانوں کے مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ اللہ تعالٰی نے اس لئے شروع کیا ہے کہ ان کا امتحان لے اور یہ دیکھے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے اس مختصر سے فقرے میں بہت سی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ موت اور حیات اسی طرف سے ہے۔ کوئی دوسرا نہ زندگی بخشنے والا ہے، نہ موت دینے والا، دوسرے یہ کہ انسان جیسی مخلوق جسے نیکی اور بدی کرنے کی قدرت عطا کی گئی ہے، اس کی نہ زندگی بے مقصد ہے، نہ موت۔ خالق نے اسے یہاں امتحان کے لئے پیدا کیا ہے۔ زندگی اس کے لئے امتحان کی مہلت ہے، اور موت کے یہ معنی ہیں کہ اس کے امتحان کا وقت ختم ہو گیا، تیسرے یہ کہ اسی امتحان کی غرض سے خالق نے ہر ایک کو عمل کا موقع دیا ہے تاکہ وہ دنیا میں کام کر کے اپنی اچھائی یا برائی کا اظہار کر سکے اور عملاً یہ دکھا دے کہ وہ کیسا انسان ہے۔ چوتھے یہ کہ خالق ہی دراصل اس بات کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا، اعمال کی اچھائی، یا برائی کا معیار تجویز کرنا امتحان دینے والے کا کام نہیں ہے بلکہ امتحان لینے والے کا ہے۔ لہٰذا جو بھی امتحان میں کامیاب ہونا چاہے اسے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ممتحن کے نزدیک حسن عمل کیا ہے۔ پانچواں نکتہ خود امتحان کے مفہوم میں پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ جیسا عمل ہوگا اس کے مطابق اس کو جزا دی جائیگی کیونکہ اگر جزا نہ ہو تو سرے سے امتحان لینے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (الدھر ۲، ۳)

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اسی غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہم نے اسے راستہ دکھایا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

یہ ہے دنیا میں انسان اور انسان کے لیے دنیا کی اصل حیثیت، وہ درختوں اور جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصد تخلیق یہیں پورا ہو جائے۔ اور قانون فطرت کے مطابق ایک مدت تک اپنے حصہ کا کام کر کے وہ یہیں مر کر فنا ہو جائے۔ نیز یہ دنیا اس کے لئے نہ دارالعذاب ہے جیسا کہ راہب سمجھتے ہیں، نہ دارالجزا ہے، جیسا کہ تناسخ کے قائلین سمجھتے ہیں۔ نہ چراگاہ ہے نہ تفریح گاہ جیسی کہ مادہ پرست سمجھتے ہیں، اور نہ رزم گاہ، جیسا کہ ڈارون اور مارکس کے پیرو سمجھتے ہیں بلکہ یہ دراصل اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ وہ جس چیز کو عمر سمجھتا ہے۔ حقیقت میں وہ امتحان کا وقت ہے جو اسے یہاں دیا گیا ہے دنیا میں جو قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کو دی گئی ہیں۔ جن چیزوں پر بھی اس کو تصرف کے مواقع دیئے گئے ہیں وہ سب اصل میں امتحان کے پرچے ہیں اور زندگی کے آخری سانس تک اس امتحان کا سلسلہ جاری ہے۔ نتیجہ اس کا دنیا میں نہیں نکلتا ہے بلکہ آخرت میں اس کے تمام پرچوں کو جانچ کر یہ فیصلہ ہونا ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہے یا ناکام اور اس کی کامیابی و ناکامی کا انحصار اس پر ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہوئے یہاں کام کیا اور کس طرح امتحان کے وہ پرچے کئے جو اسے یہاں دیئے گئے تھے اگر اس نے اپنے آپ کو بے خدا یا بہت سے خداؤں کا بندہ سمجھا اور سارے پرچے یہ سمجھتے ہوئے کئے اور آخرت میں اسے اپنے خالق کے سامنے کوئی جواب دہی نہیں کرنی ہے، تو اس کا ... اعمال نامہ زندگی غلط ہو گیا اور اگر اس نے اپنے آپ کو خدائے واحد کا بندہ سمجھ کر اس طریقے پر کام کیا جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو اور آخرت کی جوابدہی کو پیش نظر رکھا تو وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اس کثرت کے ساتھ اور اتنی تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا

ہے کہ ان سب مقامات کا حوالہ دینا یہاں مشکل ہے، جو حضرات اسے پوری طرح سمجھنا چاہتے ہوں، وہ تفہیم القرآن کی ہر جلد کے آخر میں فہرست موضوعات کے اندر لفظ "آزمائش" نکال کر وہ تمام مقامات دیکھ لیں جہاں قرآن مجید میں مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کی گئی ہے قرآن کے سوا دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں یہ حقیقت اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہو۔

پھر فرمایا گیا "ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا"۔ اس کا مفہوم صحیح طور پر "ہوش گوش رکھنے والا بنایا" سے ادا ہوتا ہے، لیکن ہم نے ترجمہ کی رعایت سے سمیع کے معنی "دیکھنے والا" کیے ہیں۔ اگرچہ عربی زبان کے ان الفاظ کا ترجمہ یہی ہے۔ مگر ہر عربی داں جانتا ہے کہ حیوان کے لیے سمیع اور بصیر کے الفاظ کبھی استعمال نہیں ہوتے حالانکہ وہ بھی سننے اور دیکھنے والا ہوتا ہے۔ پس سننے اور دیکھنے سے مراد یہاں سماعت اور بینائی کی وہ قوتیں نہیں ہیں جو حیوانات کو بھی دی گئی ہیں بلکہ اس سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے، انسان علم حاصل کرتا اور پھر اس سے نتائج اخذ کرتا ہے علاوہ بریں سماعت اور بصارت انسان کے ذرائع علم میں چونکہ سب سے زیادہ اہم ہیں اس لیے اختصار کے طور پر صرف انہیں کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ اصل مراد انسان کو وہ تمام حواس عطا کرنا ہے جن کے ذریعہ سے وہ معلومات حاصل کرتا ہے پھر انسان کو جو حواس دیئے گئے ہیں وہ اپنی نوعیت میں ان حواس سے بالکل مختلف ہیں جو حیوانات کو دیئے گئے ہیں کیونکہ اس کے ہر حاسّے کے پیچھے ایک سوچنے والا دماغ موجود ہوتا ہے جو حواس کے ذریعہ سے آنے والی معلومات کو جمع کر کے اور ان کو ترتیب دے کر ان سے نتائج نکالتا ہے، رائے قائم کرتا ہے۔ اور پھر کچھ فیصلوں پر پہنچتا ہے جن پر اس کا رویّۂ زندگی مبنی ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنے کے بعد کہ انسان کو پیدا کر کے ہم اس کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ یہ ارشاد فرمانا کہ اسی غرض کے لیے ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا، دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم اور عقل کی طاقتیں دیں تاکہ وہ امتحان دینے کے قابل ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ مقصود کلام یہ نہ ہو اور سمیع و بصیر بنانے کا مطلب محض سماعت و بینائی کی قوتیں رکھنے والا بنانا ہی ہو تو ایک اندھا اور بہرا آدمی تو پھر امتحان سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جب تک کوئی علم و عقل سے بالکل محروم نہ ہو۔ امتحان سے اس کے مستثنیٰ ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا، کہ ہم نے اسے محض علم و عقل کی قوتیں دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ شکر کا راستہ کون سا ہے اور کفر کا راستہ کونسا۔ اور اس کے بعد جو راستہ بھی وہ اختیار کرے اس کا ذمّہ دار وہ خود ہے۔ سورۂ بلد میں بھی یہی مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ـــ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ "اور ہم نے اسے دونوں راستے (یعنی خیر و شر کے راستے) نمایاں کر کے بتا دیئے" اور سورۂ شمس میں یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا "اور قسم ہے (انسان کے) نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے (تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ) استوار کیا پھر اس کا فجور اور اس کا تقویٰ دونوں اس پر الہام کر دیئے" ان تمام تصریحات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کے ان تفصیلی بیانات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے دنیا میں کیا کیا انتظامات کیے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں "راستہ دکھلانے" سے مراد رہنمائی کی کوئی ایک ہی صورت نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں جن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر:

۱ـــ ہر انسان کو علم و عقل کی صلاحیتیں دینے کے ساتھ ایک اخلاقی حس بھی دی گئی ہے جس کی بدولت وہ فطری طور پر بھلائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، بعض افعال اور اوصاف کو برا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان میں مبتلا ہو اور

بعض افعال و اوصاف کو اچھا جانتا ہے، اگرچہ وہ خود ان سے اجتناب کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ جن لوگوں نے اپنی اغراض و خواہشات کی خاطر ایسے فلسفے گھڑ لیئے ہیں، جن کی بناء پر بہت سی برائیوں کو انھوں نے اپنے لیئے حلال کر لیا ہے، ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہی برائیاں اگر کوئی دوسرا ان کے ساتھ کرے تو وہ اس پر چیخ اٹھتے ہیں اور اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے جھوٹے فلسفوں کے باوجود حقیقت میں وہ ان کو برا ہی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال و اوصاف کو خواہ کسی نے جہالت اور حماقت اور دقیانوسیت ہی قرار دے رکھا ہو لیکن جب کسی انسان سے خود اس کی ذات کو کسی نیک سلوک کا فائدہ پہنچتا ہے، تو اس کی فطرت اسے قابل قدر سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۲۔۔۔ ہر انسان کے اندر اللہ تعالےٰ نے ضمیر (نفس لوامہ) کی ایک چیز رکھ دی ہے جو اسے ہر اس موقعہ پر ٹوکتی ہے جب وہ کوئی برائی کرنے والا ہو یا کر رہا ہو یا کر چکا ہو۔ اس ضمیر کو انسان خواہ کتنی ہی تھپکیاں دے کر سلائے اور اس کو بے حس بنانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کر لے، لیکن وہ اسے بالکل فنا کر دینے پر قادر نہیں ہے۔ دنیا میں ڈھیٹ بن کر وہ اپنے آپکو قطعی بے ضمیر ثابت کر سکتا ہے، وہ حجتیں بگھار کر دنیا کو دھوکہ دینے کی بھی ہر کوشش کر سکتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو بھی فریب دینے کے لیئے اپنے اعمال کے بے شمار عذرات تراش سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اللہ نے اس کی فطرت میں جو محاسب بٹھا رکھا ہے وہ اتنا جاندار ہے کہ کسی برے انسان سے بھی یہ بات چھپی نہیں رہتی کہ وہ حقیقت میں کیا ہے۔ یہی بات سورۂ قیامہ میں فرمائی گئی ہے کہ "انسان خود اپنے آپکو خوب جانتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے" (آیت ۱۵)

۳۔۔۔ انسان کے اپنے وجود میں اور اس کے گرد و پیش زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات میں ہر طرف ایسی بیشمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو خبر دے رہی ہیں کہ یہ سب کچھ کسی خدا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نہ بہت سے خدا اس کارخانۂ ہستی کے بنانے اور چلانے والے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آفاق اور انفس کی یہی نشانیاں قیامت اور آخرت پر بھی صریح دلالت کر رہی ہیں۔ انسان اگر ان سے آنکھیں بند کر لے یا اپنی عقل سے کام لے کر ان پر غور نہ کرے، یا جن حقائق کی نشاندہی یہ کر رہی ہیں ان کو تسلیم کرنے سے جی چرا لئے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے تو حقیقت کی خبر دینے والے نشانات اس کے سامنے رکھ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

۴۔۔۔ انسان کی اپنی زندگی میں اس کی ہم عصر دنیا میں، اور اس سے پہلے گزری ہوئی تاریخ کے تجربات میں بے شمار واقعات ایسے پیش آتے ہیں، اور آتے رہے ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک بالاتر حکومت اس پر اور ساری کائنات پر فرمانروائی کر رہی ہے۔ جس کے آگے وہ بالکل بے بس ہے۔ جس کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے۔ اور جس کی مدد کا وہ محتاج ہے۔ یہ تجربات و مشاہدات صرف خارج ہی میں اس حقیقت کی خبر دینے والے نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اپنی فطرت میں بھی اس بالاتر حکومت کے وجود کی شہادت موجود ہے، جس کی بناء پر بڑے سے بڑا دہریہ بھی بر وقت آنے پر خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے اور سخت سے سخت مشرک بھی سارے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو پکارنے لگتا ہے۔

۵۔۔۔ انسان کی عقل اور اس کی فطرت قطعی طور پر حکم لگاتی ہے کہ جرم کی سزا اور عمدہ خدمات کا صلہ ملنا ضروری ہے۔ اسی بناء پر تو دنیا کے ہر معاشرے میں عدالت کا نظام کسی نہ کسی صورت میں قائم کیا جاتا ہے اور جن خدمات کو قابل تحسین سمجھا جاتا ہے ان کا صلہ دینے کی بھی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اخلاق اور قانون مکافات کے درمیان ایک ایسا لازمی تعلق ہے، جس سے انکار کرنا انسان کے لیئے ممکن نہیں ہے۔ اب اگر یہ مسلم ہے کہ اس دنیا میں بے شمار جرائم ایسے ہیں، جن کی پوری سزا تو درکنار سرے سے کوئی سزا ہی نہیں دی جا سکتی، اور بے شمار خدمات بھی ایسی ہیں جن کا پورا صلہ تو کیا، کوئی صلہ بھی خدمت کرنیوالے کو نہیں مل سکتا، تو آخرت کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے

الّا یہ کہ کوئی بے قوف یہ فرض کرلے، یا کوئی ہٹ دھرم یہ رائے قائم کرنے پر اصرار کرے کہ انصاف کا تصور رکھنے والا انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہوگیا ہے، جو بجائے خود انصاف کے تصور سے خالی ہے اور پھر اس سوال کا جواب اس کے ذمہ رہ جاتا ہے کہ ایسی دنیا میں پیدا ہونے والے انسان کے اندر یہ انصاف کا تصور آخر آ کہاں سے گیا؟

۲۔ ان تمام ذرائع رہنمائی کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صریح اور واضح رہنمائی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ جن میں صاف صاف بتایا گیا کہ شکر کی راہ کونسی ہے، اور کفر کی راہ کونسی اور ان دونوں راہوں پر چلنے کے نتائج کیا ہیں۔ انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی یہ تعلیمات بے شمار محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اتنے بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں پھیلی ہیں کہ کوئی انسانی آبادی بھی خدا کے تصور آخرت کے تصور، نیکی اور بدی کے فرق، اور ان کے پیش کردہ اخلاقی اصولوں اور قانونی احکام سے ناواقف نہیں رہ گئی ہے خواہ اسے یہ معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ علم اسے انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی تعلیمات ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آج جو لوگ انبیاء اور کتابوں کے منکر ہیں، یا ان سے بالکل بے خبر ہیں وہ بھی ان بہت سی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں جو دراصل انھیں پیغمبروں اور کتابوں کی تعلیمات سے چھن چھن کر ان تک پہنچی ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ ان چیزوں کا اصل ماخذ کونسا ہے۔

فیصلے کا ایک دن مقرر ہے

اس کے بعد قرآن میں جگہ جگہ بتایا گیا کہ اس امتحان کا نتیجہ اسی دنیا میں ظاہر نہ ہوگا۔ بلکہ ایک وقت اس کے لیے مقرر ہے۔ جب دنیا کی تمام اگلی پچھلی نسلوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔ اور ان سب کا حساب لیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دیجائے گی۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ

ان سب کے لیے فیصلے کا ایک طے شدہ وقت ہے۔

(الدخان۔ ۴۰)

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

ان سے کہو یقیناً اگلے اور پچھلے

لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ

سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں۔ جس کا وقت مقرر ہے۔

(الواقعہ۔ ۴۹، ۵۰)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ

اور اس روز صور پھونکا جائیگا اور وہ سب مرکر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سوائے ان کے جنھیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ (مثلاً فرشتے) پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھ رہے ہوں گے۔

(الزمر۔ ۶۸)

وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ

اور ظالموں سے کہدیا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔

(الزمر۔ ۲۴)

اصل میں لفظ "کسب" استعمال ہوا ہے، جس سے مراد قرآن مجید کی اصطلاح میں جزاء و سزا کا وہ استحقاق ہے جو آدمی اپنے عمل کے نتیجے میں کماتا ہے۔ نیک عمل کرنیوالے کی اصل کمائی یہ ہے کہ وہ اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے، اور گمراہی و بدراہی اختیار کرنے والے کی کمائی وہ سزا ہے جو اسے آخرت میں ملنے والی ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ

(اس وقت کہا جائے گا) آج ہر متنفس کو اس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا، جو اس نے (دنیا میں) کی تھی۔ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

(المومن۔ ۱۷)

یعنی کسی نوعیت کا ظلم بھی نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ جزا کے معاملے میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ آدمی کسی اجر کا مستحق ہو اور وہ اس کو نہ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ جتنے اجر کا مستحق ہو اس سے کم دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ سزا کا مستحق نہ ہو مگر اسے سزا دے ڈالی جائے۔ چوتھے یہ کہ جو سزا کا مستحق ہو اسے سزا نہ دی جائے۔ پانچویں یہ کہ جو کم سزا کا مستحق ہو اسے زیادہ سزا

دے دی جائے۔ چھٹے یہ کہ مظلوم عنہ دیکھتا رہ جائے اور ظالم اس کی آنکھوں کے سامنے صاف بری ہو کر نکل جائے۔ ساتویں یہ کہ ایک کے گناہ میں دوسرا پکڑ لیا جائے۔ اللہ تعالے کا منشا یہ ہے کہ ظلم کی تمام نوعیتوں میں سے کسی نوعیت کا ظلم بھی اس کی عدالت میں نہ پھٹکنے پائے گا۔

انسان جو کچھ دنیا میں کرتا ہے اللہ تعالے اس سے براہ راست واقف ہے

پھر قرآن میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس دار الامتحان میں انسان جو کچھ بھی کر رہا ہے، اللہ تعالے اس سے براہ راست واقف ہے۔ اس کا کوئی فعل بلکہ اس کے دل کوئی خیال تک اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے یوم الحساب میں انسان کو اس خدا سے سابقہ پیش آئے گا جو اس کے پورے کارنامۂ حیات سے پوری طرح باخبر ہے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ — تم چھپا کر بات کرو یا زور سے اس کے لئے یکساں ہے وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے۔

(الملک۔ ۱۳)

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ — کیا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سن رہے ہیں؟ ہم سب کچھ سن رہے ہیں، اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں

(الزخرف۔ ۸۰)

وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ — اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

(ق۔ ۱۶)

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ — وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(الحدید۔ ۴)

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ — اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے، اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں، اور اللہ ٹھیک ٹھیک بے لاگ فیصلہ کریگا

(المومن۔ ۱۹، ۲۰)

درس قرآن

سید ابوالاعلیٰ مودودی

شراب کی بندش بزور قوت

اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی

(سورۃ المائدہ۔ ۹۰)

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں ایک شراب، دوسرے قمار بازی، تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کیلئے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔ موخر الذکر تینوں چیزوں کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے

شراب کے متعلق احکام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ شراب کی حرمت کے سلسلے میں اس سے پہلے دو حکم آچکے تھے، جو سورہ بقرہ آیت ۲۱۹ اور سورہ نساء آیت ۴۳ میں گزر چکے ہیں اب اس آخری حکم آنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں متنبہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ بعید نہیں کہ اسکی قطعی حرمت کا حکم آجائے۔ لہٰذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دیں اسکے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے اعلان کرایا کہ اب جن کے پاس شراب ہے، وہ نہ اسے پی سکتے ہیں، نہ بیچ سکتے ہیں، بلکہ وہ اسے ضائع کر دیں۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا۔ ہم یہودیوں کو تحفہ کیوں نہ دیدیں؟ آپؐ نے فرمایا، جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تحفۃً دینے سے بھی منع کر دیا ہے۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم شراب کو سرکہ میں کیوں نہ تبدیل کر دیں؟ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ نہیں، اسے بہا دو۔ ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ دوا کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے؟ فرمایا نہیں، وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ ایک اور صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقہ کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں

محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب سے تکان، اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے انھوں نے عرض کیا، ہاں فرمایا! تو اس سے پرہیز کرو۔ انھوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ فرمایا اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا......

ترجمہ.... اللہ تعالے نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر، اور بیچنے والے پر، اور خریدنے والے پر، اور کشید کرنے والے پر، اور ڈھو کر لے جانے والے پر، اور اس شخص پر جس کے لئے وہ ڈھو کر۔ ۔ لائی گئی ہو۔

ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو ابتداً آپ نے ان برتنوں تک کے استعمال کو منع فرما دیا تھا جن میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تب آپؐ نے برتنوں پر سے یہ قید اٹھا دی۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اور مجازاً گیہوں، جو، کشمش، کھجور، اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ لفظ بولتے تھے۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضورؐ کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں۔ کہ.....

ترجمہ...... ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے، حرام ہے اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے جمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان فرمائی تھی کہ......

ترجمہ..... خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔

نیز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ اور.... ترجمہ....

جس چیز ایک پورا فرابہ نشہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ کے زمانے میں شراب پینے والے کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا، اسے جوتے، لات، مکے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سنٹے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس ضربیں آپ کے زمانہ میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانے میں چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالے کے زمانہ میں بھی ابتداً چالیس کوڑوں کی ہی سزا رہی۔ پھر جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انھوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے اسی کوڑے سزا مقرر کی اس سزا کو امام مالک رحمتہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ اور ایک روایت کے بموجب امام شافعی رحمتہ اللہ بھی شراب کی قرار دیتے ہیں۔ مگر امام بن احمد حنبل رحمتہ اللہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ چالیس کوڑوں کے قائل ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو پسند فرمایا ہے۔ شریعت کی رو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزور قوت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص رویشید نامی کی دکان اس بنا پر جلوا دی گئی وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید..... اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

(تفہیم القرآن، جلد اول)

مولانا عامر عثمانیؒ

ہمسائے کے حقوق

عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل مجھے ہمیشہ اس انداز میں پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہتے ہیں کہ جیسے اب اسے شریکِ وراثت ہی ٹھیرادیں گے۔

تفہیم:-

ایک پائدار، سربفلک اور عالی شان عمارت اُسی وقت بن سکتی ہے جب ہنرمند کاریگروں نے اسمیں استعمال کیئے جانے والے تمام ساز وسامان پر پوری توجہ دی ہو، اینٹیں عمدہ بنی ہوئی ہوں، پتھر اچھی قسم کے ہوں، لوہا پختہ ہو، مسالے ہنرمندی سے بنائے گئے ہوں۔

اسی طرح معاشرے کو بھی ایک عمارت سمجھئے۔ چند افراد مل کر ایک گھرانہ بناتے ہیں اور چند گھرانوں کے مجموعے سے خاندان بنتا ہے۔ پھر متعدد خاندانوں کا مجموعہ ایک گاؤں، ایک قصبہ شہر کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور بہت سے شہر مل کر ملک کا نام پاتے ہیں۔ پورے معاشرے کے سدھار یا بگاڑ کا مدار اُن اکائیوں اور یونٹوں کے اوصاف و احوال پر ہے جن کے مجموعہ سے یہ معاشرہ بنا ہے۔ اگر ایک ہی خاندان کے افراد باہم دگر اخوت و مؤدت کے تعلقات نہیں رکھ سکتے اگر ایک ہی گھرانے کے افراد بجائے حسنِ سلوک کے آپس میں بدسلوکی اور کدورت ونفرت کی روش اختیار کرتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ ان بدگوہر اور بداطوار افراد کے مجموعہ سے جو معاشرہ بنے گا وہ بھی فاسد و کاسد ہوگا لیکن یہی افراد اگر باہم دگر ہمدردی وغمگساری کے تعلقات رکھتے ہیں تو اُن کے مجموعے سے ظہور پانے والے خاندان اور کنبے ایسا ہی معاشرہ تخلیق کریں گے جس میں امن ومحبت اور اخوت و دوستداری کے اثرات غالب ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اصلاح معاشرہ کے بلند بانگ دعووں اور نعروں کی بجائے انتہائی متانت اور اصرار وتاکید کے ساتھ ان بنیادی مؤثرات اور ان اساسی اقدار واصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے جنھیں اپنا لینے کے بعد خود بخود ایک صالح اور بلند معاشرہ کا وجود میں آنا امرِ لازم ہے۔

آپ نے دیکھا اس نے صلہ رحمی پر کتنا زور دیا۔ ہم نے اگرچہ بخوفِ طوالت صلہ رحمی کی تائید وتحسین کی تمام روایات بیان نہیں کی ہیں لیکن جتنی بھی کی ہیں وہ یہ واضح کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ ضرورت مند عزیز واقربا کی حتی الوسع مدد

کرنا ہر شخص کی ایسی ذمہ داری ہے جسے اللہ نے اس پر عائد کیا ہے اور جس طرح ایک صاحب نصاب زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی معصیت میں اللہ کے یہاں پکڑا جائے گا اسی طرح وہ شخص بھی ضرور پکڑا جائے گا جس کا کوئی عزیز قریب محتاج ہو اور وہ باوجود قدرت و استطاعت رکھنے کے اس کی احتیاج پوری نہ کرے۔ بس فرق نوعیت اور درجات کا ہے۔ مجرم یقیناً دونوں ہی ہیں۔

یہ گویا خاندانوں کے نظم و ضبط کو حسن سلوک اور رفق و موانست میں رنگنے کی ایک پاکیزہ تعلیم تھی۔ اب اسی رفق و موانست کو نسل و نسب کے دائرے سے آگے بڑھا کر پورے عالم انسانی میں عام کرنے کی خاطر اسلام نے پڑوسی سے حسن سلوک کا وہ معیار اعلیٰ پیش کیا ہے جس سے بڑھ کر ہمہ گیر اور موثر معیار پیش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ذرا سوچئے بظاہر ایک پڑوسی کا معاملہ ہے لیکن فی الحقیقت یہی چھوٹا سا معاملہ بہت بڑا دائرہ بن کر پورے معاشرے کو گھیر لیتا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی کا پڑوسی ضرور ہے۔ آپ کا محلہ سو آدمیوں پر مشتمل ہے تو ان میں سے ہر فرد باقی ننانوے افراد کا پڑوسی ہوگا۔ یہ تو فرق کیا جا سکتا ہے کہ چند افراد بالکل متصل رہتے ہوں اور دوسرے افراد تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر، لیکن فاصلوں کا یہ معمولی سا اختلاف حق ہمسائیگی کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام نے صرف اسی کو پڑوسی نہیں مانا ہے جس کا گھر آپ کے گھر سے بالکل ملا ہوا ہو، بلکہ اس نے بہت سے معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی عرفِ عام کا لحاظ کیا ہے اور عرفِ عام میں پڑوسی کا اطلاق پورے محلے پر ہوتا ہے اس طرح اس کی وہ ہدایت جو پڑوسی کے سلسلے میں دی گئی ہیں محلے کے تمام افراد کو حاوی ہیں۔ گویا جن متعدد محلوں کے مجموعے سے ایک آبادی، ایک شہر بنتا ہے ان میں سے ہر ایک کے باشندوں پر اس نے ایک دوسرے کی غمگساری، مدد ہمدردی، مواسات اور دوستداری لازم کر دی۔ صاف کہدیا کہ وہ شخص فی الحقیقت مومن ہی نہیں ہے جس کے شر سے اس کے ہمسائے رنج و مصیبت کا ہدف ہوں۔ جس کی

بد اطواری اس کے پڑوسیوں کے لئے خطرہ اور جنجال بنی ہوئی ہو اور اس شخص کو جانور، شقی اور بدنصیب قرار دیا گیا جو خود تو پیٹ بھر کر مرغن مال اڑا جائے مگر اس کا ہمسایہ بھوکا سویا ہو۔

ہر خاندان پورے معاشرے کی ترکیب و تعمیر میں ایک یونٹ کی حیثیت رکھتا ہے ہر محلہ پورے شہر کی عمارت کا ایک ستون ہے۔ ظاہر ہے کہ ستون اگر مضبوط ہوں تو ان پر بچھائی جانے والی چھت بھی دیرپا ہو سکے گی۔ جن لوگوں کے کردار میں اسلام کی مطلوبہ یہ خوبی پیدا ہو جائے کہ وہ پڑوسیوں کے لئے سرمایۂ رحمت و راحت بن جائیں ان سے یہ توقع کرنی یقیناً درست ہوگی کہ اپنے محلے سے باہر بھی وہ خوش کرداری ہی کا ثبوت پیش کریں گے۔

پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید میں جو بہت سی روایتیں عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہیں ان میں سے بعض کا بیان ہم آگے کریں گے۔ ان سے بلا ریب و ابہام معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کا حق کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ وہ اتنا مؤکد اور قطعی ہے کہ قانوناً نہ سہی لیکن معنوی حیثیت سے اس کا لحاظ اتنا ضروری ہے جتنا ورثہ کی تقسیم میں ترکے کے صحیح مستحقین کا لحاظ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر ارشاد صادر فرمایا

آپ کو معلوم ہے کہ جن رشتہ داروں کو اللہ نے مرنے والے کے مال و جائداد کا وارث متعین فرمایا ہے انہیں ارتداد کے کوئی چیز محروم الارث نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ ایک بدکار گناہگار بیٹے کو لازماً اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا دوسرے نکوکار و متقی بیٹے کو اسی پر ہمسائے کو قیاس کیجئے۔ ہمسایہ بدکار ہو یا نکوکار، شریر ہو یا صلح پسند، جو حقوق ہمسائیگی اللہ اور اس کے رسول نے معین فرما دیئے انھیں ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کافر بھی ہے تو اس کا حق ہمسائیگی ختم نہیں ہوتا۔ آپ جانتے ہیں ارتداد کی سزا قتل ہے لیکن کافر کا ناحق قتل جائز نہیں

مرتد چونکہ قبول اسلام کے بعد داخلِ کفر ہوا ہے اس لئے محروم الارث ہو ہی جانا چاہیئے لیکن ہمسایہ اگر کافر ہے تو یہ کفر اس کے حق ہمسائیگی کا قاطع نہیں

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ کس نے نہیں سنا آپ اُس یہودی ہمسائے کو قید و بند سے چھڑا کر لائے تھے جس کا ذاتی معمول یہ تھا کہ رات کو شور و شر مچا کر آپ کی عبادت میں خلل ڈالے اور ہر ممکن ایذا پہنچائے۔ امام اعظم نے محسوس کیا کہ اس کی شورہ پشتی اپنی جگہ بجا، لیکن ہمسایہ تو وہ بہرحال ہے اور ہمسائے کے حقوق اللہ اور اس کے رسول نے استثنا کے بغیر واضح فرمائے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمسائے کی کوئی بُری عادت و خصلت انھیں ساقط کردے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمسایہ کتنا ہی بدنہاد اور ناشکرا ہو لیکن آپ اُس سے مستقلاً حُسنِ سلوک سے پیش آئیں گے تو ایک دن ضرور وہ اس کو محسوس کرے گا اور اس کی کمینہ طبیعت کچھ نہ کچھ اصلاح پذیر ہوگی۔ خدانخواستہ اگر کوئی ہمسایہ ایسا ہی پتھر مل جائے کہ آپ کے حسنِ سلوک پیہم نظر انداز کرتا جائے تب بھی اس میں ذرّہ برابر شک نہیں کہ اس کا حق ہمسائیگی ادا کرنے میں آپ کو اور زیادہ ثواب ملے گا بشرطیکہ یہ کٹھن مرحلہ آپ اللہ کی خوشنودی کے لئے طے کر رہے ہوں۔ کوئی شے اللہ نے بے مصلحت پیدا نہیں کی۔ کمینے، دنی اور پرلے سرے کے ناشکرے لوگ بھی اللہ نے ہماری آزمائش ہی کے لئے پیدا فرمائے ہیں گڑ کے بدلے گڑ دینا مشکل نہیں ہے، لیکن ایلوے کے بدلے نیشکر پیش کرنا یقیناً اربابِ عزم کا کام ہے۔ عزیمت اگر اللہ کے راستے میں ہو تو کوئی اذیت بلا اجر نہیں رہتی۔

افسوس موجودہ تہذیب و تمدن اس سے بالکل متضاد درس دیتے ہیں۔ ان کی بنیاد مفاد پرستی اور خود غرضی پر ہے۔ جب اپنا ہی مفاد و خود غرضی سب کچھ ہو تو حسبۃً للہ کسی پر مال اور وقت صرف کرنا کوئی کیوں گوارا کرے گا۔ ہم نے بمبئی جیسی جگہوں میں خود ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ وہ ایک ہی فلیٹ کے دو متصل کمروں میں رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے آشنا تک نہیں ہیں اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک ہی کمرے میں رہنے والے دو مختلف کرایہ دار ذہنی طور پر ایک دوسرے سے اتنی دور ہیں کہ شاید دو جانور بھی ایک کھونٹے سے بندھ کر باہم دگر اتنے دور نہ ہوتے ہوں۔ کیسا پڑوسی اور کس کے حقوق۔ ہر شخص غرض کا بندہ اور مفاد کا شیدائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کو جو معاشرہ مطلوب ہے اس میں "حق ہمسائیگی" ایک عظیم حق ہے اور جو مومن اس حق کو ادا کرے گا اُس کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

ذرا دیکھئے اللہ کے سچے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کس کس انداز میں حق ہمسائیگی کی اہمیت ظاہر فرماتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لا یومن واللہ لا	خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے خدا کی قسم وہ مومن
یومن واللہ لا یومن	نہیں ہے خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔

اللہ اکبر کیسی تاکید و توثیق۔ ایک طرف ہم۔ وہ بھی کس کی اللہ کے سچے رسول ﷺ کی۔ دوسری طرف تین بار دُہرانا اس سے بڑھ کر تنبیہ و تاکید کیا ہوگی۔

اصحاب نے پوچھا:-

اے اللہ کے رسول! یہ آپ کس کے بارے میں فرما رہے ہیں؟ ارشاد ہوا:-

الذی لا یأمن جارہ	اس شخص کے بارے میں جس کا پڑوسی
بوائقہ	اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

اور سنئے۔ مسلم میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ من لا یأمن	وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا

جار و ائقه ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

دیکھ لیجئے کیسی قطعی اور صریح و واضح الفاظ ہیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے پوچھا :

"تم زنا کو کیا سمجھتے ہو ؟"

صحابہؓ نے جواب دیا :

اے اللہ کے رسولؐ ! وہ ایک فعلِ حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے

سرکارؐ نے فرمایا :-

" سُن لو جو شخص کسی ایک پڑوسن سے زنا کرے اس کا جرم اُس شخص سے زیادہ شدید ہے جس نے دس غیر پڑوسی عورتوں سے زنا کیا "

اس کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا :-

"تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو ؟"

صحابہؓ نے جواب دیا :-

" یا رسول اللہ - یہ بھی فعل حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے ٹھیرایا ہے "

" تو سنو ، جس شخص نے پڑوس کے کسی ایک گھر میں چوری کی وہ اس شخص سے بڑا مجرم ہے جس نے پڑوس سے باہر دس گھروں میں چوری کی "

اس روایت سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ کسی تفہیم اور توضیح کا محتاج نہیں - کوئی شخص زنا کرتا ہے وہ مجرم ہے لیکن جو شخص کسی محرم عورت سے زنا کرتا ہے وہ بہت بڑا مجرم ہے اور جو بدنصیب عیاذاً باللہ اپنی بہن یا ماں سے زنا کا مرتکب ہو اس کے ملعون و مردود ہونے کی تو کوئی انتہا ہی نہیں گویا ایک ہی فعل مختلف حالتوں میں مختلف حیثیت رکھتا ہے بس یہی نکتہ پڑوسی اور غیر پڑوسی کے معاملات میں ملحوظ رہنا چاہیئے وارثوں کو مرحوم کی جائیداد میں حصہ مل کر رہے گا یہ ایک قانون ہے جس میں میری آپ کی پسند اور مرضی کو کوئی دخل نہیں اسی طرح پڑوسی کا استحقاق ایک قانون ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا لیکن اس قانون کے سلسلہ میں دارو گیر اور احتساب کو اللہ نے دنیا کی بجائے آخرت پر اٹھا رکھا ہے - قاضی آپ کو مار مار کر پڑوسی سے حسنِ سلوک پر مجبور نہیں کرے گا لیکن اللہ کے حضور بہر اُس رویئے اور روش کی جواب دہی کرنی ہوگی جسے آپؐ نے پڑوسی کے بارے میں اختیار کیا ہے -

بادی النظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ جو جرائم زیادہ سخت ہیں ان پر اللہ نے دنیا ہی میں سخت سزائیں رکھدی ہیں اور جن پر سزائیں نہیں رکھیں وہ ایسے شدید نہیں ہیں۔ —— لیکن حقیقت یہ نہیں ہے - جن جرائم پر اللہ نے دنیاوی حدود و تعزیر معین نہیں فرمائی ان میں سے بعض ایسے سخت اور گھناونے ہیں کہ بعض حالتوں میں زنا اور سرقہ و قمار سے بھی بازی لے جاتے ہیں - مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پڑوسی کے یہاں آج چولہا نہیں جلا ہے اس کے اہل و عیال فاقے سے ہیں اور اسی حالت میں انھیں رات کاٹنی ہوگی - خود آپ میں بفضلہ تعالیٰ اتنی استطاعت ہے کہ اس کے یہاں ایک وقت کی روٹی پہنچا سکیں لیکن نہیں پہنچاتے اور خود پیٹ بھر کر آرام سے سوجاتے ہیں تو یقین کیجئے کہ یہ کردار انتہا درجے سخت ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف کردے جو جوانی کے جوش میں طوائف کے کوٹھے پر منہ کالا کر آیا ہے ، لیکن یہ توقع بہت کم ہے کہ پڑوسی کی فاقہ کشی کی پروا نہ کرنے والا شقی بھی معاف کیا جاسکے گا حالانکہ شرعاً ایسے شخص کے لئے کوئی دنیاوی سزا معین نہیں نہ قاضی اس شخص پر داروگیر کر سکتا ہے مگر اللہ ایسے شخص کو بہت سختی سے پکڑے گا فَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ -

---

مستقل عنوان

تجلّی کی ڈاک

تبلیغی جماعت والوں کی جہالت

سوال:- از سید آصف علی قریشی، مہاراشٹرا (جی تور) جنتور کے ایک صاحب کو دھرا کے تبلیغی جماعت کے اجتماع سے واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ تم اس عظیم اور بابرکت اجتماع میں کیوں نہیں آئے ان کے دوست نے کہا کہ میری والدہ بیمار تھیں، ان صاحب نے کہا کہ تو کیا ہوا تم نے پھر بھی آنا تھا، اس پر دوست نے بڑی عاجزی سے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم میری والدہ کی طبیعت زیادہ خراب تھی، اس پر ان صاحب نے بڑے ہی سخت لہجے میں کہا کہ کچھ بھی ہو تم نے اجتماع میں آنا تھا اگر تمہاری والدہ مر بھی جاتی تو کوئی بات نہ تھی، اور بس اجتماع کی بڑی اہمیت اور فضیلت بتاتے رہے، یہ صاحب شاید جماعت کے رکن تھے

تو کیا کہ دھرا کا اجتماع اور اسی طرح کے اور تبلیغی جماعت کے اجتماعات اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ ایک بیمار ماں کی عیادت اور خدمت چھوڑ کر جا جاسکتی، احادیث صحیحہ ثابت ہے کہ والدین کی خدمت کرنا جب کہ وہ بیمار ہوں عبادت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ ایسے چھوٹے بڑے اجتماع میں اسی طرح کا جبر کیا جاتا ہے، کھلے طور پر زبردستی کی جاتی ہے جلوں میں لے جانے کیلئے اور کہا یہ جاتا ہے کہ بھائی یہ تو دین کا کام ہے کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ہیکہ بھولے بھالے اکثر دیہاتیوں کو اور شہروں میں معمولی روزی کمانے والوں کو جبراً چلوں میں نکالا جاتا ہے، ان کے پاس روپیہ نہ ہو تو گھر میں ضروری اشیاء فروخت کروائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ صحابہؓ نے بھی اسی طرح اپنے گھروں کو اجاڑا، بیوی کو بیوہ کیا بچوں کو یتیم کیا اور اسی کام کو نکل پڑے مثلاً اگر ایک غریب درزی کا کام کرتا ہے تو چلے میں نکلنے کے لئے اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی سلائی مشین بیچ ڈالے،

بہر حال تفصیلی جواب دیجئے کہ آیا چلوں میں جانا فرض ہے واجب ہے یا سنت ہے،

الجواب:- تبلیغی جماعت والوں نے عوام کی اصلاح کے لئے چلہ کشی کا جو طریقہ

صرف ضبط نہیں مذہب اسلام کے ساتھ ایک مذاق بھی ہے!

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ تبلیغی جماعت میں کچھ ایسے لوگ گھس گئے ہیں کہ جن کا مقصد ہی اپنی جہالت اور ذہنی آوارگی سے تبلیغی جماعت کو بدنام کرنا ہے آخر عقل آسانی سے یہ کیسے یقین کر لے کہ جو لوگ فی الواقع نیکیاں کما رہے ہیں وہ اپنی حماقتوں کی وجہ سے اپنی نیکیوں کو ضائع کرنے میں بھی برابر لگے ہوں، دنیا میں فتنے ایسی ہی غلط فکر اٹھاتے ہیں جب اپنے ایجاد کردہ طریقہ کو سنت اور سنت کو فرض سمجھ لیا جاتا ہے اور خدا کی مخلوق کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ جس انداز میں ہم سوچ رہے ہیں اس انداز میں تم بھی سوچو اور جس چیز کو ہم مسنون خیال کرتے ہیں اسے تم بھی مسنون ہی خیال کرو، اس سے قطع نظر کہ وہ مسنون ہے بھی یا نہیں،

کسی غریب آدمی سے یہ اصرار کرنا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیز کو فروخت کر کے چلہ دے فقہی نقطۂ نظر سے حلال نہیں ہے اور اگر وہ ان کی باتوں میں آ کر اپنی ضرورت کی چیز کو بیچ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو وہ بھی ایک ناجائز کام کا ارتکاب کرے گا اور مذہب کے نام پر کئے گئے اس گناہ کی اس سے باز پرس ہوگی،

جیب بھری ہو، بیوی بچوں کے لئے گھر میں غلہ بھی موجود ہو، فرصت بھی ہو، تو چلہ جائز ورنہ جائز نہیں ہے، اور جو لوگ غریبوں کو یا ان لوگوں کو جن کے گھر میں کوئی محافظ اور نگراں نہ ہو چلے کیلئے مجبور کرتے ہیں وہ یقیناً گناہ بالجبر کراتے ہیں، جس کی سزا دونوں کو بھگتنی پڑے گی، جو اپنے حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گھر سے نکل کھڑا ہوا وہ بھی گناہ و سزا کا مستحق ہے اور جس نے نا روا حالات میں اسے گھر سے نکالا وہ تو ہے ہی عقوبت و ...

وداد و کیرالا حیدرآباد

ایک عام مسئلہ

سوال ۲:- ملک غلام حسنین (ضلع گیا بہار)

مولانا شوکت علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور پہلا حصہ مسئلہ ۹ صفحہ ۵۵ اور تیسرا حصہ مسئلہ ۱ صفحہ ۱۸۳ میں طوطا تو حلال لکھا ہے جبکہ عام طور پر طوطا حرام کہا جاتا ہے،

الجواب:- طوطے کو کس دنیا میں عام طور پر حرام سمجھا جاتا ہے طوطا تو حلال ہے اور حلال ہی سمجھا جاتا ہے مولانا اشرف علیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ٹھیک ہی ہے آپ اپنی غلط فہمی دور کیجیے اور آج کے بعد طوطے کو حلال سمجھیے،

ہماری بھول

سوال:-

تجلی کا اپریل و مارچ ۷۳ء کے شمارہ میں تجلی کی ڈاک کے تحت آپ نے "نکاح شغار" کے سلسلے میں یہ تحریر فرمایا کہ "قاضی اگر مہر کا تعین کرنا بھول جائے تو بھی شوہر پر مہر فاطمی کے برابر مہر ادا کرنا ضروری ہے"

اسی سلسلے میں عرض یہ ہے کہ میں نہ تو عالم ہوں اور نہ ہی دینی مسائل میں کوئی خاص درک رکھتا ہوں، یہاں کے ندوی اور دیوبندی علماء سے رجوع کرنے پر انھوں نے فرمایا کہ "مہر فاطمی نہیں بلکہ مہر مثل" کی ادائیگی ضروری ہوگی، اور مجھے یہ خیال پڑتا ہے کہ میں نے اپنے مطالعہ کے دوران بھی کہیں مہر مثل ہی پڑھا تھا،

آپ سے اس سلسلے میں عرض ہے کہ اپنی قریبی اشاعت میں شرح و بسط سے اس مسئلہ کی وضاحت

[illegible] بات درست ہے مگر قاضی شہر [illegible] بھول جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے [illegible] نہیں، ہم سے غلطی ہوگئی تھی جس کے لئے ہم تمام قارئین سے معافی کے طلب گار ہیں

غیر مسلموں میں تبلیغ کا طریقہ

سوال ۴: رحمت اللہ محمد صدیق ملیدی کالی کٹ رحمت اللہ ملیدی۔

غیر مسلم دوستوں کو راہ راست پر لانے یا دین کی طرف رغبت دلانے کے لئے کونسی تدبیر اچھی ہے اور کتابیں یا اسلامک لٹریچر دینا چاہیں تو نام کتب کی تفصیل لکھیں جو کہ مسلسل وار دی جاسکتی ہو،

الجواب: سب سے پہلے آپ انہیں اپنے اخلاق و [illegible] سے متاثر کریں، ان پر یہ واضح کر دیں کہ آپ مخصوص کیریکٹر کے مالک ہیں، اور لوگوں کے لئے (ہندو مسلم کا فرق کئے بغیر) انتہائی ہمدرد ہیں، جب آپ ان کے دل و دماغ پر اپنے اخلاق و کردار کی چھاپ ڈال چکیں تو پھر انھیں اپنے مذہب سے روشناس کرائیے، اور انھیں ہندی کی اسلامی کتابیں مطالعہ کے لئے دیجئے، مولانا مودودی کی دینیات ان کے خطبات، مولانا منظور نعمانی کی اسلام کیا ہے جیسی کتابیں انشاء اللہ مفید ثابت ہوں گی۔

سوال ۵: الیضاً [illegible] فلم کو تعمیری کام میں استعمال [illegible]

جواب ۵: فلم کو تعمیری کام میں استعمال تو کیا جاسکتا ہے لیکن فی زمانہ یہ ممکن نہیں ہے۔ گندی اور مخرب اخلاق فلمیں دیکھ دیکھ کر عوام کی ذ[illegible] [illegible] بھی ہے اب تعمیری فلمیں دیکھے گا کون اگر کوئی بنا بھی ڈالے؟ [illegible] جب تعمیری اور [illegible] ہو [illegible] تو پھر وہ تعمیری اور پاکیزہ چیزوں کی طرف

[illegible] بھی گوارہ نہیں کرتا۔

سوال: [illegible] غیر مسلموں کو (دوست یا استاد وغیرہ) السلام علیکم کہنا یا وہ جب نمستے کہیں تو ہمارا جواب دینا ہے یا نہیں، یا تو ہمارا جواب کیا ہونا چاہئے۔

الجواب: غیر مسلموں سے ملاقات ہو تو "آداب عرض" کیا کیجئے، السلام علیکم تو ایک دعا ہے جو صرف مسلمانوں کو دی جاسکتی ہے غیر مسلمین کتنے ہی با اخلاق کیوں نہ ہوں، اس دعا کے مستحق نہیں ہوسکتے اگر وہ خود السلام علیکم کہیں تو آپ "وعلیکم" کہنے پر اکتفا کیجئے، وعلیکم السلام مت کہیئے، اگر وہ نمستے یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ استعمال کریں تو آپ گردن یا ہاتھ کو اشارے جواب دیجئے، نمستے جیسے الفاظ [illegible] کی ضرورت نہیں۔

صحابی کو بُرا کہنا

سوال ۶: عبدالرؤف بزاز محلہ غورمانہ کلاں قصبہ جانس ضلع بریلی،

حضرت امیر معاویہ صحابی ہیں، ان کو رضی اللہ تعالیٰ کہنا چاہئے یا نہیں جو شخص نہ کہے وہ کیا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں،

الجواب: اگر کوئی شخص امیر معاویہ کو صحابی نہ سمجھے یا انھیں بُرا بھلا کہے یا کسی اور صحابی کو بُرا کہے، تو ایسا شخص یقیناً فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ صحابی کا نام آنے پر رضی اللہ عنہ کہا جائے اگر کوئی شخص رضی اللہ نہیں کہتا تو اس کا مطلب یہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ شخص صحابی کو صحابی نہیں سمجھتا، صحابی کا نام آنے پر رضی اللہ کے الفاظ کہنا [illegible] جہالت بھی ہوسکتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ جان بوجھ کر کسی صحابی کا نام آنے پر رضی اللہ نہیں کہتا تو پھر اس کے گستاخ ہونے

میں کیا شک ہے اور اگر وہ کسی صحابی کی صحابیت کا سرے سے انکار ہی کرتا ہے تو پھر اس کے فاسق ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہوگا، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز ہی کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

زکوٰۃ کا ایک مسئلہ

سوال:۔ (ایضاً)

زید سرکاری ملازم تھا کسی وجہ سے معطل کر دیا گیا ۴ سال تک معطل رہا اس کے بعد مع تنخواہ کے بحال ہوا۔ اب اس کی بقایا تنخواہ کا حصہ ملا ہے اس رقم پر ابھی زکوٰۃ دی جائے گی یا ایک سال پورا ہونے کے بعد۔

الجواب:۔ جو تنخواہ ملی ہے اگر یہ ایک سال تک جمع رہے تو پھر سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، روپیہ وغیرہ قبضہ میں آنے کے بعد سال کا گذرنا شرط ہے اس سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور جب تک کوئی چیز اپنے قبضہ میں نہیں آجاتی وہ اپنی ملکیت قرار نہیں دی جاسکتی۔

زید اپنی تنخواہ کا مالک اس دن ہوا جس دن اس کے ہاتھ میں تنخواہ آگئی، اگر یہ رقم خرچ نہ ہوئی تو سال بھر کے بعد زید زکوٰۃ ادا کرے گا، بشرطیکہ زید صاحب نصاب ہو،

تقدیر کا مطلب

سوال:۔ محمد ایوب لون اجس میونا داری کشمیر

محترم جلیل احمد صاحب ندوی کی کتاب راہ عمل کا صفحہ ۲۴ کا عنوان "تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب" زیر نظر ہے، اس کو پڑھ کر چند آدمیوں کا خیال یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں مجبور پیدا کیا گیا ہے یعنی انسان دنیا میں سب کام نیک و بد اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کرتا ہے، بعض آدمی اس کتاب کے معنوں سے اتفاق کرتے ہیں چند اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اب آپ بتائیں کہ کونسا فریق صحیح راستہ پر ہے،

الجواب:۔ تقدیر کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مجبور محض بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اگر ایسا ہی ہوتا کہ انسان کو مجبور محض بنا کر بھیجا جاتا تو پھر اعمال حسنہ اور اعمال سیئہ کی اور جزا و سزا کی کوئی وقعت ہی نہ ہوتی، جب آدمی گناہ پر مجبور ہے تو پھر وہ گنہگار کیوں سمجھا جائے اور اسے دوزخ میں کیوں ڈالا جائے۔

صحیح بات یہ ہے کہ کسی انسان کو مجبور محض بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ اسے گمراہی اور ہدایت کے مابین فرق کرنے کی تمیز دی گئی۔ یہ تمیز ہی انھیں جزا و سزا کا مستحق بناتی ہے

اب رہا کاتب تقدیر کا پیشتر ہی کچھ لکھ دینا تو وہ ایک سیدھی سادی سی بات ہے جسے معمولی سے غور و فکر سے سمجھا جاسکتا ہے،

آپ بات کو اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص کوئی فلم دیکھے اور اس کے ایک ایک منظر کو اپنے حافظہ کی ڈبیا میں محفوظ کرلے پھر اس فلم کو دوبارہ دیکھنے کا اتفاق ہو تو وہ اپنے دوستوں کو بتانے لگے کہ دیکھو فلاں سین کے بعد فلاں سین آئے گا۔ اور فلاں منظر کے بعد فلاں منظر نمودار ہوگا اور فلاں موقع پر اس فلم کا ہیرو قتل کردیا جائے گا۔ اور ایسا ہی ہو جائے، تو پھر کیا کسی شخص کا یہ کہنا قرین فہم ہوگا کہ ہیرو کا قتل اس لئے ہوا کہ فلاں شخص نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ قتل ہو گیا۔ گویا کہ مجرم قتل کی اطلاع دینے والا ہے نہ کہ قاتل کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کے بارے میں حق تعالیٰ پہلے ہی جانتے تھے کہ فلاں

ہے اجتماع کی مبالغے کے ساتھ پیش کیا اگر نقادِ اعظم حضرت علامہ ماہر القادری مرحوم اسی انداز سے تبلیغی جماعت کے اجتماع پر روشنی ڈالتے تو ایک غیر جانبدار فیصلہ دے کر گزر گئے ہوتے اس کے مثبت منفی دونوں پہلوؤں پر مفصل گفتگو کرتے۔ آپ نے گودھرا کے اجتماع کے بارے میں شاید لوٹ مبلغین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر دس پندرہ لاکھ کی تعداد لکھ دی ہے یہ ناچیز اس اجتماع میں از اول تا آخر اپنے رفقاء کے ہمراہ شریک رہا، اور صفوں کی تعداد گن کر جب اس کا تخمینہ لگایا تو دو اور ڈھائی کے درمیان ہوتی تھی، یہ اندازہ دیگر بہت سے اہل فکر حضرات کا بھی ہے، اجتماع کے دوران اس ناچیز نے بعض انتہا پسند مبلغین کو پچاس لاکھ کی تعداد بتاتے ہوئے بھی سنا ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ آپ نے دس پندرہ لاکھ پر ہی اکتفا کیا اجتماع منفی پہلوؤں کو آپ نے یکسر نظر انداز کر دیا اس ناچیز نے اسیر مقامی احمد آباد اور دیگر کئی ارکان جماعت کے ہمراہ گودھرا جا کر جماعت اسلامی کا مکتبہ لگاتے ہوئے اجتماع کے زمینداروں سے ملاقات کی پہلے تو وعدہ کیا اور جب اسٹال لگانے ہوئے ہم وہاں پہنچے تو صاف انکار کر دیا گجرات کے ایک بہت بڑے مخیر محترم سید نذیر حسین صاحب نے جماعت تقریباً سات .... ہزار لٹریچر مفت تقسیم کرنے کی غرض سے اجتماع میں لے گئے اور وہ سب ضبط کر لئے (جن کی مجموعی قیمت تقریباً دس ہزار روپے تھی) جماعت تبلیغی کے بعض اکابر اب بھی جھوٹ بول بول کر ہمیں تسلی دیتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لہذا آپ کی کتابیں ہم نہیں دکھلا سکتے ہیں اب ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہ تمام کتابیں زمین میں دفن کر دیا گیا ہے آپ تجلی کے آئندہ شمارہ [illegible]

الجواب: گودھرا کے اجتماع کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا تھا وہ ہندوستان کے قابلِ اعتماد اخبارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا تھا، اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہندوستان کے قابلِ اعتماد اخبارات بھی مبالغہ آمیزی کرنے میں ناقابلِ اعتماد اخباروں سے کسی درجہ کم نہیں۔

یہ سن کر افسوس ہوا کہ تبلیغی جماعت کے بعض نونہالوں نے جماعتِ اسلامی کی کتابیں غصب کر لیں۔ اور پھر انھیں ناول اور کوک شاستر سمجھ کر زمین میں دفن کر دیا۔ حالانکہ وہ کتابیں مذہبی تھیں اور ان میں کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ہوگا کہ جس میں اللہ اور رسول کا ذکرِ خیر موجود نہ ہو۔

غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان "نونہالوں" کا کوئی قصور نہیں، انھیں ان کے بڑے ہی یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ اپنے سوا کسی کو خدا ترس سمجھو نہ دیندار نہ صاحبِ شعور، یہ سمجھو کہ دنیا میں تم ہی حق پرست ہو، تم ہی دانش مند ہو اور تم ہی جنت کے واحد مستحق ہو، یہ تعلیم و ہدایت جب خون بن کر ان کے رگ و پے میں رواں دواں ہو جاتی ہے تو پھر وہ یہی سب کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کا آپ نے ذکر کیا ہے آپ نظام الدین اولیاء سے رابطہ قائم کریں۔ اور بعض حضرات تبلیغیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں، امید ہے کہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ اور دفن شدہ کتابوں کا کچھ حرجانہ تبلیغی جماعت کے مرکز سے مل جائے گا۔ لیکن اگر حضرات تبلیغیوں نے بھی اس غصب اور لوٹ مار کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو پھر یقین کر لیجئے سمجھئے نظام الدین اولیاء کے ارد گرد جو بزرگی بکھری ہوئی نظر آتی ہے وہ سیاست ہے فریب ہے ڈھونگ ہے حق اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کوئی واسطہ نہیں۔

بندوق کا شکار

سوال ۱۲ :- اقبال احمد خاں کلونا ڈاک خانہ جیرکی ضلع گیا (بہار)

بندوق کی گولی کا شکار جو کہ بسم اللہ کر کے چھوڑی گئی ہو، اور شکار مر گیا ہو۔ ایسا شکار حلال ہے یا حرام قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب ۱۲ :- اگر بندوق کی گولی سے کھیلا ہوا شکار مرجائے تو وہ حلال تصور نہیں کیا جا سکتا خواہ گولی بسم اللہ کر کے چھوڑی گئی ہو۔

سوال ۱۳ (ایضاً)

قرآن شریف اگر ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا ہو یا گر جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا قرآن شریف اٹھانے کے بعد اسی وزن کے مطابق غلہ وغیرہ خیرات کرنا چاہئے، لوگوں میں ایسا مشہور ہے، حقیقت کیا ہے؟

الجواب ۱۳ :- احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اگر قرآن کی بے ادبی ہو جائے، تو اس کے بقدر غلہ غریب لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے، ویسے یہ منجملہ لازم نہیں۔

سوال ۱۴ (ایضاً)

مسلم اور غیر مسلم کے یہاں کی نیاز جو سامنے رکھ کر دیتے ہیں۔ اسے مسلمان کو کھانا چاہئے یا نہیں۔؟

الجواب ۱۴ :- نیاز و فاتحہ خوانی وغیرہ سب بدعتیں ہیں۔ جن سے احتراز ضروری ہے اور اور اس کھانے سے احتراز کرنا بھی تقاضۂ تقوٰی ہے جو نیاز و فاتحہ وغیرہ کے نام پر سامنے آئے۔

سوال ۱۵ :- (ایضاً)

جنات اور ابلیس میں کیا فرق ہے؟ کیا جنات ابلیس کی اولاد ہے؟ اور ابلیس قیامت تک زندہ رہے گا؟

الجواب ۱۵ :- جنات بھی انسان کی طرح خدا کی ایک مخلوق ہے، ابلیس جنات ہی میں کا ایک فرد تھا، لیکن اب اسکی ذریات الگ ہیں، ان کا جنات سے کوئی تعلق نہیں، البتہ ذریات ابلیس اور جن آگ کی مخلوق ہوتے ہیں۔ ابلیس کو قیامت تک جو مہلت زندگی عطا کی گئی ہے، وہ اس کے طلب کرنے پر کی گئی ہے۔ خواہ مخواہ نہیں تفصیل جاننے کے لئے آپ تفہیم القرآن کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

جناب پالن حقانی سے ہمارا کوئی ربط ضبط نہیں، لیکن ہمیں ان سے دلچسپی ہے اور وہ محض اس وجہ سے کہ وہ حق کی خاطر مستقل ایک جہاد میں لگے ہوئے ہیں، جب تک وہ اس جہاد میں لگے رہیں گے، ہم ان کا دفاع کرتے رہیں گے اور اگر وہ خدانخواستہ حق کے راستے کو چھوڑ بیٹھے تو تجلی سب سے پہلا پرچہ ہوگا جو ان کے خلاف آواز بلند کرے گا،

اس سے پہلے بھی تجلی نے ان کے دشمنوں کے دانت کھٹے کئے تھے، اور آج پھر ہم ان کے دشمنوں سے دو دو ہاتھ ہونے کے لئے تیار ہیں،

اشفاق حسین صاحب تجلی کے حلقہ میں متعارف ہیں لہٰذا تعارف کی ضرورت نہیں، مضمون کے بارے میں قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں گے، ویسے ہمارا خیال یہ ہے کہ مضمون اپنی جگہ ٹھوس اور مکمل ہے کہیں کہیں تشدد کی آمیزش ضرور ہے لیکن وہ فریق ثانی کی بکواس اور لاف و گزاف کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی،

اشفاق صاحب نے پالن حقانی صاحب کو جگہ جگہ "مولانا" لکھا ہے اس سے ہمیں اتفاق نہیں، پالن حقانی کی حق پرستی اور حق پسندی مسلّم لیکن حق پسندی اور حق پرستی کسی کو مولانا بنانے کیلئے کافی نہیں ہے،

ہمیں امید ہے کہ بریلوی حضرات اس جائزہ کا بغور مطالعہ کریں گے، اگر وہ کچھ کہنا چاہیں تو تجلی کے صفحات ان کے لئے بھی حاضر ہیں، لیکن جو بات لکھی جائے دلائل کے ساتھ لکھی جائے محض چیخ و پکار مقصد نہ ہو۔

(ایڈیٹر)

اس صدی کی ایک عظیم ہستی

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اہلِ حق اور خصوصیت سے انبیاء و رسل کی جاہل افراد اور گمراہ اقوام کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ انھیں برا بھلا کہا گیا انھیں قلبی، دماغی، جسمانی، اور معاشی مصیبتیں اور اذیتیں پہنچائی گیئں، انھیں ملک بدر اور ہجرت پر مجبور کیا گیا اور یہاں تک کہ انھیں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ ان کے گمراہ ترین مخالفین، خود کو خدا کے سچے پرستار اور بزرگوں کے حقیقی اطاعت گزار سمجھتے رہے!

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

سب سے زیادہ مبتلائے مصائب انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اہلِ فضل و کمال" ایک اور حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں!

"اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا و دھمکایا گیا، کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ایک دفعہ تیس دن و رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلالؓ کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس کے جو بلالؓ نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا،،

(جامع ترمذی)

سوائے ان نام دنہاد صوفیاء و مشائخ کو چھوڑ کر، جو خانقاہوں، مزاروں، عرسوں، قوالیوں اور مراقبوں میں ہمیشہ غرق اور منہمک رہتے ہیں۔ امت کے ان تمام جلیل القدر علمائے حق پر، جنھوں نے باطل کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور جنھوں نے تجدید و احیائے دین کا عظیم الشان کام انجام دیا باطل کی ستم ظریفیوں اور طاغوتی چیرہ دستیوں کی یلغار نہ ہوئی ہو!

یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے توحیدِ خالص کا اثبات اور اعلان فرمایا۔ اور شرک و بت پرستی کی تردید اور مخالفت کی تو انبیاء اور بزرگوں کے جاہل غالی اور گمراہ معتقدین، یعنی مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ نے ان کی کس قدر شدید مخالفت کی۔ انھیں مصائب و آلام میں مبتلا کیا۔ انھیں صابی، مرتد، بے دین کہا۔ نئے مذہب کے خالق، بزرگوں کے مخالف، مفسد اور فتنہ پرداز قرار دیا۔ اللہ تعالےٰ ان کی حق سے مخالفت اور باطل طرز فکر و عمل کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

"جب اللہ کا بندہ اس (یعنی رب العالمین) کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اے نبیؐ! کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا،،

(جن۔ ۱۹، ۲۰)

ایک دن اشرافِ قریش حرم کعبہ میں جمع ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیا پھر بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اشرافِ قریش باتوں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی کرنے لگے۔ دوسرے اور تیسرے طواف پر بھی اسی طرح طعنے دیتے رہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ دوسرے دن اسی طرح روسائے قریش جمع ہوئے، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو سب نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور یک بارگی حضورؐ پر ٹوٹ پڑے! ایک شخص نے اپنی چادر حضورؐ کے گلے مبارک میں ڈال کر اس کو بل دے کر زور سے اس کو کھینچا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درمیان میں حائل ہو گئے۔ روتے جاتے اور کہتے جاتے۔ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ "کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہی ہے۔ تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تو رک گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پر پل پڑے اور آپ کو زدوکوب کرنے لگے۔ اس دن حضرت ابوبکر صدیقؓ اس حال میں گھر واپس آئے کہ مشرکین نے آپ کا سر مبارک آگے سے پھاڑ دیا تھا اور آپ بے ہوش تھے۔ یہ واقعہ بخاری، سیرت ابن ہشام، اور سیرت حلبیہ میں دیکھا جا سکتا ہے!

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں

بھی توحید خالص کے علمبرداروں پر بزرگوں کے غالی اور جاہل عقیدت مندوں، اسلام اور مسلمانوں کے نادان دوستوں کی طرف سے ایسی ہی، شدید مخالفتیں اور مزاحمتیں کی جا رہی ہیں۔ آج بریلوی بدعتی، غالی اور قبوری علماء، صوفیاء و مشائخ ہر اس فرد و جماعت اور مکتب پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جو توحید خالص کی دعوت دیتا اور قبوری شریعت کی مخالفت کرتا ہے۔!

حضرت پالن حقانی

قافلۂ حق کے سلسلہ کی ایک عظیم الشان اور شہرۂ آفاق ہستی، حضرت جناب پالن حقانی کی ذات گرامی ہے، جو توحید و سنت کی حمایت و اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید اور مخالفت کا قرآنی اور نبوی فریضہ، موثر، مدلل، وسیع اور عظیم پیمانے پر انجام دے رہے ہیں۔ جناب پالن حقانی اس صدی کی ایک عظیم اور غیر معمولی اور چونکا دینے والی ہستی ہیں، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی گراں قدر اور بیش بہا خدمات لے رہا ہے — حضرت پالن حقانی صاحب ایک ایک مقام پر ہفتوں بلکہ مہینوں مسلسل تقریر کرتے ہیں۔ جن سے وہ شرک و بدعت اور دیگر جاہلی اوہام و خرافات کی دھجیاں اڑاتے ہیں، اور انکے جلسوں میں ہزاروں نہیں بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں افراد شرکت کرتے ہیں، جن میں خواتین اور غیر مسلموں کی بھی کثیر تعداد ہوتی ہے۔ وہ جس شہر میں بھی جاتے اور تقاریر کرتے ہیں، وہاں کے سنجیدہ باوقار اور تعلیم یافتہ طبقات کو صحیح خطوط پر سوچنے کے لیے مجبور کر دیتے ہیں اور عوام کی بڑے پیمانے پر اصلاح عمل میں آتی ہے۔ چونکہ وہ مشرکانہ اوہام و خرافات کی نفی اور تردید میں قرآن، حدیث اور فقہ کے تابڑ توڑ اور پے در پے دلائل پیش کرتے اور باطل پر حق کی شدید اور موثر ضربیں لگاتے ہیں۔ اس لیے قبوری حلقوں، خانقاہوں، مجاوروں، سجادہ نشینوں، درگاہوں کے متولیوں گمراہ عالموں، صوفیوں، پیروں، فقیروں اور ملنگوں اور دیگر شیطانی طاغوتی حلقوں میں ایک تہلکہ اور زلزلہ برپا ہو جاتا ہے اور وہ ان کے خلاف صف آرا ہو کر چیخنے چلانے لگتے ہیں۔!

شریعت یا جہالت

مولانا پالن حقانی نے شرک و بدعت کے ابطال میں ایک، موثر اور مدلل کتاب "شریعت یا جہالت" بھی تصنیف کی ہے جو پانچ پانچ ہزار کے اڈیشن میں شائع ہو کر مقبول عام و خاص ہو چکی ہے، لیکن وہ حق ہی کیا جس کی مخالفت نہ کی جائے اور وہ باطل ہی کیا جو حق کی مخالفت نہ کرے۔ چنانچہ قبوری، بدعتی، اور بریلوی مکتب فکر اور ایک پرزور حامی اور مبلغ، تمام جلیل القدر علماء سلف و خلف، مفسرین، محدثین، فقہاء، مشہور معروف مدرسوں، جماعتوں اور سعودی عربیہ کے موجودہ حکمرانوں، اور مسلمانوں کو کافر، گمراہ اور نئے دین کے خالق، حامی اور مبلغ قرار دینے والے علامہ ارشد القادری نے جناب پالن حقانی کی اس کتاب پر بھی تنقید کر کے پھر ایک بار اپنی عالمانہ جاہلیت کفر سازی، اور فتنہ انگیزی کا بھرپور اور شرمناک مظاہرہ کیا ہے، اگر ارشد القادری اور ان جیسے غالی اور مشرکانہ اوہام و خرافات کے حامی افراد توحید خالص کے ایک زبردست علمبردار۔ جناب پالن حقانی کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ، شرک کی تاریخ کا ایک باب قبر پرستی کی طرف پیش قدمی۔ آثار و علامات قیامت میں سے ایک علامت، مشرکانہ ذہن و فکر کا ایک فطری و لازمی مظہر، شیطان اور اس کی ذریت کا ایک قدیم اور اہم حربہ ہے۔! جب بھی حق پوری شدت کے ساتھ سامنے آیا، باطل بھی خم ٹھوک اور سینہ تان کر مقابلہ پر اتر آیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس پر " وزحق الباطل " کے قرآنی الفاظ صادق آتے اور وہ حق کے مقابلے میں ہٹ جاتا ہے۔!

اس لیے ہم کفر بالطاغوت کا فریضہ انجام دینے اور ارشد القادری اور دیگر بریلوی اور قبوری علماء کی جاہلیت اور گمراہی کا پردہ چاک کرنے۔ ان کے علمی فریب اور مغالطوں شرمناک گمراہیوں، غلط بیانیوں، بہتان تراشیوں، ظاہری لفاظیوں، اور پرفتن باتوں کی حقیقت عوام میں ظاہر کرنے کے لیے ان کی کتاب "شریعت" کی ایک ایک جارحیت اور جاہلیت کا قرآن، حدیث، فقہ، اور جلیل القدر علمائے سلف کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔!

⁂ — ✦ — ⁂

کم ظرفی کی باتیں

گمراہ علماء و صوفیاء جن کے علم و عمل سے جغرافیہ شرمناک حد تک گندہ اور ناپاک ہے۔ پالن حقانی صاحب کے علم و عمل پر بار بار چوٹ کرتے ہیں کہ وہ ڈاکو خاندان کے ایک قوال تھے، انھوں نے کسی مدرسہ اور مُرشد سے باضابطہ علم حاصل نہیں کیا۔ اس لئے ان کے علم و فکر اور خدمات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انھیں کیوں کر برسرِ حق و ہدایت قرار دیا جا سکتا ہے۔؟ چنانچہ ارشد القادری نے اپنی کتاب " شریعت " میں بھی اس بات کی طرف بار بار اشارہ کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالےٰ اپنے اس فضل، علم، اور ہدایت سے کسی مکتب اور مرشد کے بغیر بھی ذاتی تڑپ اور جہد کی بدولت سرفراز فرما سکتا ہے۔ علم و ہدایت اللہ کا فضل ہے، وہ حسبِ فکر و کوشش جسے چاہے عنایت فرماتا ہے۔ ملت میں اس کے کئی نمونے اور مثالیں موجود ہیں۔!

یہ ایک تلخ اور افسوسناک حقیقت ہے۔ کہ عرصہ دراز سے خاندانی موروثی، رسمی، نمائشی، اِسمی اور مکتبی علماء و مشائخ کی ایک کثیر تعداد مختلف قسم کی جہالتوں اور گمراہیوں کی بناء پر اپنے منصب رشد و ہدایت کو یکسر فراموش کر چکی ہے۔ اور آج اس حقیقت کو بھی اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ، مغرب زدہ، فیشن پرست، دولت مند ملازمین سرکار، تاجر اور فاسق و فاجر، مختلف طبقات کے اندر ہزاروں سعید، اور خوش نصیب افراد علمائے حق کی انفرادی اور اجتماعی سعی و جہد کے ذریعہ علم و ہدایت اور فہم و فراست حاصل کر رہے ہیں اور زندگی کے شب و روز کو انھوں نے تبلیغ و اقامت دین اور باطل کے خلاف علمی، فکری، قلمی، مالی اور مالی جہاد میں صرف کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالےٰ نے انہی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

" اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت سے منہ موڑ لیگا) تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا، جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور مخالفین حق سے سختی سے پیش آئیں۔ خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت (اور مخالفت) کرنے والے سے نہ ڈریں۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔ (آیت - ۵۴)

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر علماء اور مرشدین راہِ حق اور تبلیغِ دین سے غافل اور منحرف ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اللہ تعالےٰ غیر دینی ماحول کے دنیا داروں اور فاسقوں سے ایسے افراد اور جماعتوں کو علم و ہدایت سے سرفراز فرما کر لا کھڑا کرے گا جو خود برسرِ حق ہوں گے اور دوسروں کو ہدایت کی طرف سعی و جہد کریں گے، خواہ لوگ انھیں وہابی گمراہ اور نئے دین کے مبلغ قرار دیں۔ اور خواہ لوگ ان کی جان و مال، عزت و آبرو سے کھیلنے لگیں۔ اس سلسلہ میں پیش آنے والی اہلِ باطل کی تمام مخالفتوں اور مزاحمتوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔!

اس آیت کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ غور اور لائقِ توجہ ہیں کہ " یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے " اس دور میں ان الفاظ کے مصداق وہ حضرات ہیں جن کا تعلق " طبقۂ علماء و مشائخ " سے نہیں اور جنھوں نے روایتی طور پر علمِ دین حاصل نہیں کیا، اور جنھیں بچپن سے دینی اور علمی ماحول نصیب نہ ہوا اور جو غیر دینی اور فاسق ماحول میں پرورش پائے اور کسی مکتب اور مرشد کے بغیر ذاتی ذوق، تڑپ اور جستجو کی بناء پر دینی علم و فہم اور تقریر و تحریر کی صلاحیتیں حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آج دیوبند تبلیغی جماعت، اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت پالن حقانی کی ذاتِ گرامی اس سلسلہ کی ایک شاندار اور شہرۂ آفاق و بے نظیر نمونہ ہے۔!

آج ہر شہر اور ہر بستی میں ایسے سینکڑوں پیدائشی، اور خاندانی علماء پائے جاتے ہیں۔ جنھوں نے بلا کسی استحقاق کے مسندِ رشد و ہدایت کو وراثتاً حاصل کر لیا اور جسے انھوں نے اپنی عزت و وقعت، شہرت اور دولت کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ لیکن جناب پالن حقانی جو ڈاکو خاندان کے ایک فرد ہیں اور جنھوں نے زندگی کا بڑا حصہ قوالیوں اور [illegible]

جنھیں دور دور تک دینی اور علمی ماحول نصیب نہ تھا، لیکن آج وہ علم و ہدایت اور سعادت حق کے جس مقام اور مرتبہ پر فائز ہیں اور جن کے ذریعہ مخلوق خدا کو جس عظیم پیمانہ پر علم و ہدایت اور نصیحت حاصل ہو رہی ہے وہ یقیناً اللہ کا فضل و کرم، اور مہربانی کی ایک کھلی نشانی اور متذکرہ بالا سورہ مائدہ کی آیت قرآنی کا ایک شاندار مصداق اور مظہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ !

مولانا پالن حقانی کے باطل مخالفین کا یہ کہنا کہ حقانی نے نہ کسی مکتب سے علم اور نہ کسی مرشد سے حاصل کیا ہے محض ایک اندھی مخالفت ہے۔ اگر وہ اس مخالفت میں مخلص اور سنجیدہ ہیں تو پھر وہ دیوبند کے علماء حضرت نانوتویؒ، حضرت اشرف علی تھانویؒ، حضرت محمود الحسنؒ، اور حضرت حسین احمد مدنیؒ وغیرہم کی باتوں کو کیوں نہیں مانتے۔ اور ان کی بھی شدید مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ جب یہ حضرات نہ صرف ایک عظیم دار العلوم کے فارغ اور مرشد بھی تھے اور جنھوں نے اپنے وقت کی عظیم درسگاہوں اور مرشدوں سے باضابطہ علم دین حاصل فرمایا تھا ؟

الشاعر ارشد القادری کی "شریعت" کے ٹائیٹل پر یہ تحریر ہے۔ !

"جبرائیل پالن حقانی کی کتاب "شریعت یا جہالت" کا جواب۔،،

پہلے صفحہ پر جو کچھ ہے، لکھا ہے !

"ان کی تحریروں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی کتاب عام مسلمانوں کی دل آزاری۔ اولیائے کرام کی اہانت۔ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص۔ آیات قرآنی کے ترجموں میں خیانت، کذب و افترا اور مذہبی اغلاط کا مجموعہ ہے۔ (ص ۱)

حالانکہ خود ارشد القادری نے اپنی اس کتاب "شریعت" میں جاہلانہ جاہلیت اور جہلی تقاوت کا مجموعہ پورا منظر پر جوکیا ہے جس چیز کو وہ شریعت سمجھتے ہیں وہ الٰہی نہیں بلکہ قبوری ہے، بریلوی اور ان کی اپنی گھڑی ہوئی جاہلیت ہے جس کی تائید و تصدیق قرآن و سنت، اسوۂ صحابہ، ائمہ فقہ، اور قدیم صوفیہ

سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ قدیم و جدید، مغضوب و معتوب، غالی، مشرک، اقوام، امم اور ان کی باطل فکر و عمل سے ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ جب انبیاء اپنی گمراہ اور شرک زدہ قوم میں توحید خالص اور بندگیٔ رب کی دعوت پیش کرتے تو قوم انھیں الٹا گمراہ، بے دین قرار دیتی اور ان بزرگوں کی توہین اور مخالفت کا سہرا الزام عائد کرتی تھی، وہ سمجھتے تھے کہ ان پر ہمارے بزرگوں کی مار پڑی ہے۔ تب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے اور بارگاہ الٰہی کے واسطے وسیلے، سفارش، تصرفات، نذر و نیاز سجدہ و طواف اور دعا و فریاد کی مخالفت کرتے ہیں۔ !

ہم آئندہ سطور میں اللہ کے فضل سے یہ واضح، اور ثابت کریں گے کہ مذکورہ اقتباس میں ارشد القادری نے جو دعویٰ کیا اور حقانی صاحب پر جن الزامات کو عائد کیا ہے وہ سب لغو، فضول اور باطل ہیں۔ اگرچہ کہ انھوں نے اس سلسلہ میں بڑی دھاندلیاں مچائی۔ نت نئے ہتھکنڈے استعمال کئے اور تلبیس ابلیس سے کام لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے چیلنج میں بری طرح نہ صرف ناکام ہیں بلکہ جوش مخالفت اور اندھی دشمنی میں ان کا قلم ایسی باتیں اگلتا ہے جن سے اسلام کے بنیادی اور مسلمہ عقائد و تصورات بری طرح مجروح و پامال ہوتے ہیں تمام جلیل القدر علماء سلف و خلف اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی تکفیر ہوتی اور خود ان کی باتوں کی ان ہی کے قلم سے نفی اور تردید ہو جاتی ہے۔ اس طرح انھوں نے دوسروں کو پھانسنے کے لئے جو جال بنایا تھا اس میں وہ خود بری طرح گرفتار ہو جاتے ہیں۔ !

ہم انشاء اللہ تفصیل سے وضاحت کریں گے۔ کہ ارشد صاحب نے پالن حقانی صاحب پر جن امور کے پیش نظر "تمام مسلمانوں کی دل آزاری" جو الزام عائد کیا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے کہ یہ الزام خود انبیاء اور مصلحین امت پر بھی عائد کیا جا سکتا اور جاہلوں کی طرف سے ایسا کیا بھی جا چکا ہے۔ انبیاء کرام کی اہانت کے الزام کی حقیقت بھی واضح کی جائے گی کہ کس طرح اہل بدعت انبیاء اور اولیا کی فوق البشری قوتوں

غیبی طاقتوں اور روایت کو ... معجزوں کا انکار کرنے اور انھیں فوق الفطری اور مافوق الاسباب شخصیت تسلیم نہ کرنیوالوں پر توہین و تنقیص انبیاء کا بے ہودہ الزام عائد کرتے ہیں۔!

چونکہ آیات قرآنی کے ترجموں میں خیانت کا بہتان لگائے بغیر، جاہل عوام میں کسی حق پرست کو بدنام نہیں کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے بھی الزامات کی فہرست میں اس کا وجود انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ارشد القادری کو حضرت حقانی کی کتاب میں کذب وافتراء اور مذہبی اغلاط کا مجموعہ نظر آنا اس لئے ضروری ہے کہ جب انسان کے دل و دماغ پر علم کی جگہ جہل توحید کی جگہ شرک اور حق کی جگہ باطل نے قبضہ جما لیا ہو تو ظاہر ہے کہ اسے ہر معقول اور صحیح بات نامعقول اور غلط ہی نظر آئے گی۔! اگر بزرگوں کے غالی اور شرک جلی کے حامی افراد بھی حاملین توحید کی جاہلانہ مخالفت نہ کریں تو پھر نفس و شیطان اور اس کی ذریت کے بھی تو کچھ عزائم اور فرائض ہیں اور اسے اپنے مطلب کے عقائد اور نظریات تیار کرنا اور حق کے مقابل باطل، توحید کے متوازی شرک اور سنت کے خلاف بدعت کو لا کھڑا کرنا ہے۔ اور یہ ارشد القادری صاحب کی ہستی اور ان کی کتابیں طاغوتی کاز اور پروگرام کی ترقی اور تکمیل کے لئے بہترین سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا دماغ ہمیشہ کچرے اور فضلے کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہتا اور انھیں اہل حق کی ہر خوبی گمراہی نظر آنے لگتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان کی کتابیں، جماعت اسلامی تبلیغی جماعت، زلزلہ اور زیرتبصرہ کتاب "شریعت" ایک بین الگمراہی کچرے کی کنڈی ہے۔ وہ جھوٹ گھڑنے کسی کے بیان و تحریر کو اس کے پس منظر اور سیاق و سباق سے کاٹ اور توڑ مروڑ کر پیش کرنے، اس کے مفہوم کو الٹ دینے، ایک معقول بات اور امر واقع کو کھینچ تان کر اس کا انتہائی غلط اور شر انگیز مفہوم نچوڑنے، غلط الزامات عائد کرنے جاہل عوام کے جذبات کو کسی کے خلاف بھڑکانے علمائے حق کو عوام کے سامنے گرانے اور بدنام کرنے انہیں گمراہ و بے دین قرار دینے، کفر کے فتوے داغنے، حق کو باطل اور باطل کو عین حق ثابت کرنے اور معقول بات میں کیڑے نکالنے اور ٹیڑھ پیدا کرنے میں علامہ ارشد القادری کا کوئی جواب دنیا میں موجود نہیں! اس سلسلہ میں انھوں نے جو مہارت اور صلاحیت پیدا کرلی ہے وہ یقیناً شیطان اور اس کی ذریت کی طرف سے قابل صد مبارک باد ہے اور اس گروہ کی کامیابی شادمانی، نمائندگی اور کارکردگی کا وہ ایک بہترین ذریعہ اور موثر وسیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔!

کفر بالطاغوت

چونکہ انھوں نے ان تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اور اہل حق کی مخالفت کا عزم کرلیا ہے اور وہ زاویہ بدل بدل کر ان پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان حملوں میں کوئی جان اور اثر نہیں اس لئے اس کا ازالہ کرنا اور جواب دینا وقت کا ایک اہم ترین تقاضہ ہے تاکہ بھولے اور جاہل عوام ان کی پرفریب لفاظیوں میں آکر گمراہی میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اگر باطل کا ازالہ نہیں تو کم از کم حق کی موافقت ہو جائے۔!

اہم مسئلہ معاش یا معاد؟

اس کتاب کے مقدمہ میں "پہلے اسے پڑھئے" کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

"آج ہندوستان میں مسلمانوں کے بے شمار مسائل ہیں، لیکن سب سے اہم مسئلہ ان کے ذریعہ معاش کا ہے کہ وہی مدار حیات ہے۔" (شریعت، ص ۲)

حالانکہ ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے پہلا اور اہم ترین مسئلہ ان کے ایمان، اخلاق اور عمل کا ہے۔ اور ثانوی اہمیت معاش کی مسئلہ کی ہے۔ آج ہندوستانی مسلمانوں کی جو معاشی پوزیشن ہے وہ صدر اول کے مسلمانوں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ وہ ہم سے زیادہ بدتر معاشی حیثیت کے حامل تھے اور آج مسلمانوں کے عقیدہ اور عمل کی حالت اس سے بدتر ہے، جو قبل اسلام صحابہ کرام کی تھی جس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل انبیاء اور بزرگوں کی پرستش کرتے تھے اسی طرح آج کے تمام دشمناد بزرگوں کے جاہل و غالی عقیدت مند، بزرگوں کی عقیدت د

محبت، تعظیم و توقیر کے خوشنما اور دل فریب ناموں کیساتھ ان سے "عقیدت" نہیں بلکہ ان کی "عبادت" کرتے ہیں۔ اسی لیے آج ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا اور اہم ترین مسئلہ ان کے دین و ایمان اور عقیدہ و عمل کا ہے۔!

ابتدائی سطور میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشد القادری کی پوزیشن کو واضح فرما دیا ہے کہ یہ اللہ کے نہیں بلکہ پیٹ کے بندے ہیں۔ ان کے پاس دین کی نہیں، دنیا کی اہمیت ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انسان مال کی محبت میں بہت شدید ہے" (والعٰدیٰت)

"اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کو خرید لیا ہے" (البقرہ۔ ۸٦)

اور ارشاد نبویؐ ہے۔

حبّ الدنیا راس کل خطیئۃ، دنیا کی طلب و محبت ہر غلطی و گمراہی کی جڑ ہے" (مشکوٰۃ)

چنانچہ اسی دنیا کی خاطر ارشد القادری صاحب اور ان جیسے ہزاروں صوفیاء و مشائخ نے ہندوستان بھر میں پیری مریدی اور خانقاہی نظام، چِلّوں، مزاروں، عرسوں کا جال بچھا دیا ہے جہاں دین اور بزرگان دین کے نام پر جاہل عوام کی جیب، اور ایمان دونوں پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ ساری قبوری شریعت معاشی لحاظ سے کافی منفعت بخش کاروبار واقع ہوئی ہے۔! چنانچہ یہاں مختلف قسم کی خانقاہوں، نذروں نیازوں، منتوں اور مرادوں کی صورت میں کھانے پینے کی مختلف اشیاء اور پیسے کی ریل پیل راہ حق میں سدِّ راہ بنی ہوئی ہے! یہی وجہ ہے کہ جب خانقاہی نظام اور قبوری شریعت پر ضرب پڑتے لگتی ہیں تو اس کے کرتا دھرتا تلملا اور بلبلا اٹھتے اور برافروختہ ہوتے ہیں۔

مولانا پالن حقانی صاحب جیسے حضرات کے ذریعہ مسلمانوں کا دین نہیں بلکہ علمائے سوء کی دنیا برباد ہو رہی ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنی دنیا کے مسئلہ کو دین و ایمان کا مسئلہ بنا لیا ہے، اور وہ دوسروں کو اکو بنا کر سیدھا کرنا اور جیب بھر لینا چاہتے ہیں۔!

اہل بدعت اور تعمیری کام

وہ لکھتے ہیں۔

".....جمشید پور کے تعمیری ذہن رکھنے والے مسلمانوں نے ۱۹٦۲ء میں فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" کے نام سے ایک صنعتی ادارے کی بنیاد رکھی تاکہ آج کے مشینی دور میں مسلم نوجوانوں کو خود کفیل زندگی گزارنے کے قابل بنایا جا سکے" (شریعت، ص ۲)

اہل بدعت اور تعمیری کام!۔ توبہ کیجیے صاحب! یہ دو متضاد اور مخالف الفاظ ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ تعمیری منصوبہ صحیح العقیدہ حضرات کا بنایا ہوا ہو، بریلوی مکتب فکر کے افراد نے نہ آج تک کوئی تعمیری اور ٹھوس کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور نہ ان کی مشرکانہ اور قبر پرستانہ فکر و عمل سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ بریلوی اور قبوری مسلمانوں کا فکر و عمل کبھی بھی مثبت اور تعمیری نہیں رہا۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی آج تک کوئی ٹھوس منصوبہ بند اور منظم سعی و جہد نہیں فرمائی! اس گروہ نے تحریک آزادی ہند میں کوئی حصہ لیا، نہ آزادی کے بعد انھوں نے ملک و ملت اور اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، ادبی، علمی اور معاشی خدمت انجام دی۔ چونکہ وہ امارت اور اجتماعیت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آج تک کوئی مذہبی اور سیاسی جماعت نہیں بنائی تاکہ منظم و متحد ہو کر ملک اور ملت اور دنیا و آخرت کی فلاح و ترقی کا کوئی کام کر سکیں۔ اس گروہ کی طرف سے آج تک اردو، انگریزی یا ہندی میں کوئی، قابل ذکر اور معیاری دینی، سیاسی یا ادبی روزنامہ، ہفت روزہ۔ یا ماہنامہ نہ نکل سکا۔ ملک بھر میں ان کا کوئی ایسا دینی ادارہ نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ وہ کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ معیاری دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کر رہے ہوں اور نہ ہی وہ کوئی ایسا اسکول چلا رہے ہیں جن میں دینی اور عصری تعلیم کا انتظام کیا گیا ہو

اس ضال و مضل گروہ کے کسی عالم نے ڈھنگ سے قرآن کا ایسا ترجمہ نہیں کیا جو قبول عام حاصل کر چکا ہو۔!

مسلم پرسنل لاء۔ دینی تعلیمی مسائل اور فسادات وغیرہ کے سلسلہ میں بھی وہ خانقاہوں اور مزاروں سے باہر نہ آسکے غرض کہ قبوری، بدعتی اور بریلوی علماء میں اتنی علمیت، قابلیت، عملیت اور قبوری شریعت سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ اسلام، اور مسلمانوں کی کسی لحاظ سے بھی کوئی قابل لحاظ، لائق قدر، ٹھوس منظم اور تعمیری خدمت انجام دے سکیں۔!

لیکن برخلاف اس کے توحید و سنت کے حامیوں، اور صحیح العقیدہ مسلمانوں نے ملک وملت، اور اسلام اور مسلمانوں کی منظم و متحد ہو کر ہر لحاظ اور ہر جہت سے عظیم الشان اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ برابر جاری اور ترقی پذیر ہے۔ اور گروہ بدعت کو حق اور اہل حق کی شیطان کی طرف سے مخالفتوں ہی کی توفیق حاصل ہو رہی ہے۔ گمراہ علماء صوفیاء اور ان کے جاہل و غالی معتقدین اور اسلام اور مسلمانوں کی منظم اور موثر خدمات انجام دینے والوں کی ہر طرح سے مخالفت اور مزاحمت کرتے۔ انکی راہوں میں روڑے اٹکاتے۔ انھیں عوام میں بدنام کرنے کے لئے نت نئی چالیں چلتے ہیں۔ غرض کہ بریلوی اور قبوری علماء اور ان سے متعلق اور زیر اثر حلقوں کی روش تعمیری نہیں بلکہ تخریبی ہے مثبت نہیں بلکہ منفی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ان نادان، دوستوں اور اولیائے کرام کے اندھے اور جاہل عقیدتمندوں کے ہاتھوں حق کو شدید صدمات اور نقصانات پہنچ چکے اور یہ سلسلہ بدقسمتی سے اب بھی بڑی شد و مد سے جاری بلکہ ترقی پذیر ہے۔!

گروہی عصبیت اور فرقہ وارانہ ذہنیت

ارشد القادری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ابتدائی تقریر میں انھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا، کہ ہم نہ دیوبندی ہیں، نہ بریلوی ہیں۔ لیکن دو ہی تقریر کے بعد وہ بالکل ننگے ہو گئے اور مذہب اور اہل سنت کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر دو حصوں میں بٹ گیا اور ان کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو تبلیغی جماعت اور دیوبندی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔" (رشد بیعت ص ۱۳)

مولانا پالن حقانی یقیناً یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ میں نہ دیوبندی ہوں نہ بریلوی، اس میں کوئی غلط بیانی نہیں بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت اور صداقت ہے۔ وہ اس لحاظ سے دیوبندی یا بریلوی نہیں کہ ان کا وطن نہ دیوبند ہے اور نہ بریلی، بلکہ وہ گجراتی ہیں، اس لحاظ سے بھی وہ دیوبندی یا بریلوی نہیں کہ انھوں نے دیوبند یا بریلی کے کسی دار العلوم میں تعلیم حاصل نہیں فرمائی اور نہ ہی وہ اس اعتبار سے دیوبندی یا بریلوی ہیں کہ وہ دیوبندی یا بریلوی مکتب فکر کے حامل ہیں۔ وہ اگرچہ کہ بریلوی عقائد کی دھجیاں اڑاتے ہیں، کہ ان اوہام و خرافات کا قرآن و سنت اور بزرگان دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کہ وہ لئے دیوبندی بھی نہیں کہ ان کی بعض باتوں سے وہ اختلاف بھی کرتے ہیں انھوں نے قرآن و حدیث، فقہ، تفسیروں۔ اور علمائے حق سے اس سلسلہ میں استفادہ فرمایا اور بحیثیت مجموعی حاصل مطالعہ اور حاصل تحقیق وہی فکر و عمل ہے جس کی تائید، تصدیق، توثیق اور حمایت دار العلوم دیوبند، تبلیغی جماعت، جمعیت العلماء، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح اور جماعت اسلامی وغیرہ کرتی ہیں۔ چونکہ ان سب کے علم و عقائد کا ماخذ قرآن و سنت ہی ہے اس لئے ان کی تعلیمات اور تصورات میں یکسانیت اور ہم آہنگی کا پایا جانا ایک فطری اور لازمی امر ہے!

فرض کیجئے! مصر سے ایک عالم تشریف لاتے اور کسی شہر میں چند روز تقاریر فرماتے ہیں۔ اگر وہ توحید خالص کے علمبردار اور شرک و بدعات سے بیزار ہیں! تو ظاہر ہے کہ ایسے افراد ان جلسوں میں بکثرت شرکت کریں گے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مدرسہ و جماعت سے ہو۔" ایسی صورت میں کیا یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ عالم تو دیوبندی ہیں، تب ہی تو دیوبندی فکر کے حاملین ہی ان کے جلسوں میں زیادہ نظر آتے ہیں۔!

اہل سنت کون؟

ارشد صاحب لکھتے ہیں:

"دو ہی تقریر کے بعد یعنی حقانی صاحب، بالکل ننگے ہو گئے اور مذہب اہل سنت کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا" (رشد بیعت ص ۱۴)

درحقیقت حقانی صاحب ننگے نہیں ہو گئے۔ بلکہ یوں کہئیے وہ قبوری علماء کو ننگا کر گئے۔! انھوں نے گمراہ صوفیاء و مشائخ پر سے بزرگوں کی عقیدت کا جھوٹا لبادہ اتار کر ان کے اصلی خد و خال اور عقائد و اعمال کو واضح کر دیا اور بزرگوں کی عقیدت کے ڈھول کا پول کھول دیا کہ اور اولیاء اور بزرگوں کی عقیدت اور محبت کے نام پر خانقاہوں، درگاہوں اور عرسوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ شرک و بت پرستی، کی بدترین شکلیں ہیں۔ فقہ کی ہر کتاب میں قبر کو پختہ کرنے، اس پر گنبد بنانے، عرس، سجدہ و طواف، نذر و نیاز، دعا و فریاد اور قربانیاں جیسے مراسم عبودیت ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مولانا پالن حقانی نے اہلِ بدعت کی ان باطل پرستیوں کا پردہ چاک کر کے لاکھوں افراد کے عظیم الشان اجتماعات میں ان کے جاہلانہ اور مشرکانہ اوہام و خرافات کی دھجیاں بکھیر دیں اور ان کا لغلان دو اَر دو چار کی طرح واضح کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز علمائے سوء کو انگاروں پر لوٹنے پر مجبور کرنے اور انھیں دل کا مریض بنانے کے لیئے بہت کافی ہے۔ اور ارشد صاحب اس کتاب کے ذریعہ اپنے دل کا بخار نکالتے ہوئے اندھی دشمنی کا شرمناک مظاہرہ فرما رہے ہیں۔!

قبوری شریعت اور مشرکانہ تصورات اور بدعتی، اوہام و خرافات کو "مذہب اہل سنت" کا نام دینے سے باطل حق اور "حق" باطل نہیں ہو جاتا۔ البتہ ارشد صاحب اور ان کی ذریت کی باطل پر استقامت قابل تعریف ہے کہ بے ساختہ ابوجہل و ابولہب کا طرز فکر و عمل یاد آجاتا ہے جنھوں نے زندگی کی آخری سانس تک ڈٹ کر حق کا مقابلہ کیا تھا اور کبھی بھی انھیں توحید اور سنت کو قبول کرنے کی توفیق حاصل نہ ہوئی۔ لیکن اللہ کے فضل سے ارشد صاحب ابھی باحیات ہیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالے انھیں ہدایت نصیب فرمائے اور وہ دیکھ کر کہ باطل کی پٹائی اور پسپائی ہو رہی ہے۔ علمی و فکری محاذ سے شرک و بدعت کو چھوڑ کر توحید و سنت کو اختیار کر لیں۔!

رسول اللہ کی مخالفت

ارشد صاحب لکھتے ہیں۔

"بیس بائیس دن کی مدت قیام میں ان کی تقریروں سے جمشید پور کے مسلمانوں کو کیا فیض پہنچا، اگر ہم اسے چند جملوں میں بیان کر دیں تو مختصراً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ محلے محلے، گھر گھر اور بھائی بھائی کے درمیان منافرت کی جو آگ وہ لگا گئے ہیں اب تک سلگ رہی ہے۔

(شریعت۔ ص ۴)

یہ الزام ارشد صاحب، پالن حقانی صاحب پر نہیں بلکہ درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں توحید کی وضاحت اور شرک کی مخالفت کا آغاز فرمایا، تو ہر طرف سے آپ کی پرزور مخالفت کی گئی اور پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے آپ کی دعوت و تبلیغ کو قبول کرنا شروع کیا۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ مکہ کے تقریباً ہر گھر، خاندان، او رقبیلہ میں حاملِ توحید، اور مخالف شرک عناصر کا وجود عمل میں آچکا تھا۔ کسی گھر میں بیٹا موحد ہو گیا ہے تو باپ مشرک ہی ہے، کسی خاندان میں شوہر حق پرستوں میں شامل ہو گیا ہے تو بیوی وہی بتوں کی دلدادہ ہے۔ کہیں چچا توحید کا متوالا ہو گیا ہے، تو بھتیجہ شرک میں ہنوز گرفتار ہے۔ ایک بھائی ایمان لا چکا ہے تو دوسرا اس کا شدید مخالف ہے۔ بہر حال ہر گھر اور خاندان میں فکری تصادم، عقائد کا اختلاف اور ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ اور سارا مکہ حق و باطل کی کشمکش کی آماجگاہ بن گیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر جاہلیت کا جمود و تعطل ٹوٹ چکا۔ فکر میں تحریک پیدا ہو گئی اور شرک کا اندھیرا رفتہ رفتہ چھٹتا گیا۔ اس دوران اختلافی بحثیں اور اس کے لازمی اور فطری نتیجہ اور ردِ عمل کے طور پر متعدد فتنے اور دل خراش واقعات رونما ہو رہے تھے۔ اہلِ حق کو گھر، خاندان، قبیلہ، بلکہ اپنا ملک اور شہر تک چھوڑنا اور انھیں اپنے ہی رشتہ داروں اور قرابت داروں دوستوں اور آقاؤں کے ہاتھوں ناقابل برداشت اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر یہ میدان جنگ میں مد مقابل ہوئے۔!

حضور نے اپنی اس اصلاحی دعوت سے ان حالات و کوائف کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

"بدر میں باپ نے بیٹے پر، چچا نے بھتیجے پر، ماموں نے بھانجے پر، حبیب کی نے بھائی پر توحید کی خاطر تلوار چلائی اس لئے کہ بیویوں نے شوہروں سے اور شوہروں نے بیویوں سے جدائی اختیار کرلی۔ عزیز سے عزیز قرابتوں اور محکم سے محکم روابط پر قینچی چل گئی، جو انسانیت کے گل سرسبد تھے۔ جو رحم و محبت اور اخلاص و وفا کے پیکر تھے، جن سے بڑھ کر اپنی قوم سے اپنے قبیلے سے، اپنے عزیزوں سے اور عام انسانوں سے محبت کرنے والے لوگ اس زمین پر پیدا نہیں ہوسکے....... بدر کے قیدیوں کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہر شخص اپنے عزیز پر خود اپنے ہاتھ سے تلوار چلائے۔ انبیائے کرام کی ساری جدوجہد کا مقصود توحید خالص کا قیام ہے۔ وہ دنیا میں اسی لئے آتے ہیں کہ خدا کے بندوں کو دوسروں کی بندگی سے بچا کر خالص خدا کا بندہ بنادیں۔" (حقیقت توحید)

ان حالات اور واقعات کے محرک، سبب اور ذریعہ ظاہر ہے کہ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ نہ حضور شرک اولیاء اور انبیاء پرستی کی مخالفت اور تردید فرماتے ہیں اور نہ اس کا مذکورہ بالا ردِّعمل واقع ہوتا ہے غور کیجئے کہ یہاں خطاکار اور قصوروار وہ لوگ ہیں جو شرک اور بت پرستی سے چمٹے رہے اور دعوت توحید کو ٹھکرا دیا یا وہ ہستی جس نے خدائے واحد کی بندگی اور توحید خالص کی، دعوت اور تلقین فرمائی؟

ایک مجلس میں اکابر قریش جو انبیاء اور اولیاء پرست تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں!

"واللہ کسی نے اپنی قوم کو ایسی مصیبت میں ڈالا ہوگا جو مصیبت تم نے ہم پر کھڑی کر رکھی ہے۔ تم ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دیتے ہو، ہمارے دین کو برا کہتے ہو، ہمارے بزرگوں کو بے وقوف بتلاتے ہو، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو۔ تم نے ہم میں تفرقہ ڈال دیا، لڑائیاں کھڑی کردیں۔ واللہ تم نے ہمیں برائی کے پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔"

(ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی، سیرت النبی اور تفہیم القرآن)

قرآن مجید اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اوّل مشرکین قریش اور یہود و نصاریٰ تھے۔ اب دیکھئے کہ آخر ان کے شرک اور گمراہیوں کی حقیقت اور نوعیت کیا تھی جو موجب فتنہ و فساد بنی۔ اللہ تعالےٰ اور انبیاء اور اولیاء کے بارے میں ان کے بنیادی عقائد و تصورات بعینہ وہی تھے، جو بریلوی، بدعتی، غالی اور قبوری علماء و مشائخ میں، پائے جاتے ہیں۔ وہ خدا کے منکر نہیں بلکہ خدائے واحد کو تسلیم اور اس کی خالقیت مالکیت اور حاکمیت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ صرف بتوں کو نہیں بلکہ اپنے انبیاء اور صالحین کو پکارتے اور ان سے دعا و فریاد کرتے اور ان کے آگے سجدہ و طواف وغیرہ کے ذریعہ مراسم عبودیت ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے ان کارسازوں اور حاجت رواؤں کو بالذات نہیں بلکہ انھیں خدائی صفات اور اختیارات کے حامل اور مالک سمجھتے تھے۔ اگر کوئی مشرک سورج اور چاند کی بھی پوجا کرتا تھا تو وہ اسے مستقل بالذات معبود نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ اسے خدا کی قدرت اور قوت کا مظہر قرار دیتا تھا۔ ان کا جرم و قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خدا کے محبوب اور مقرب بندوں کو دعاؤں میں خدا کے حضور اپنا واسطہ، وسیلہ اور سفارشی قرار دیتے تھے کہ انبیاء اور اولیاء خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں، جن کی خدا سنتا ہے اور انھیں منجانب اللہ نافع و ضار اور حاجت روائی کے روحانی اسباب قرار دیتے۔ بظاہر تو یہ بات معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ، سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی گمراہی غلط اور خلاف حقیقت امر ہے جس سے خدا کی لامحدود قدرتوں اور بے پایاں صفتوں کے عقیدہ کی نفی اور تردید لازم آتی اور خدا کی الوہیت اور معبودیت کا تصور داغدار ہو جاتا ہے

مشرکینِ مکہ اور اہلِ کتاب کی متذکرہ صدر گمراہی اور آج کی قبوری شریعت میں جوہری اور بنیادی فرق نہیں پایا جاتا۔ اگر مولانا پالن حقانی ہوں یا کوئی اور عالم۔ ان گمراہیوں کے خلاف آوازہ بلند کرتا ہے۔ تو۔ اسی ردِّ عمل اور واقعات کا رونما ہونا ایک فطری اور ضروری امر ہے۔

مشرکینِ عرب جس انداز کی مخالفت کرتے اور گالیاں اور طعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے، اسی قسم کی عداوت اور مخالفت بریلوی اور قبوری علماء حاملین توحید خالص کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ا

مذکورہ بالا حدیث میں پہلا الزام مشرکین قریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ عائد کرتے ہیں کہ "آپؐ نے اپنی قوم کو مصیبت میں مبتلا کر دیا" اور یہی الزام مولانا ارشد القادری نے حقانی صاحب پر بھی عائد کیا ہے کہ ان کی تقاریر سے محلہ محلہ، گھر گھر اور بھائی بھائی کے درمیان منافرت کی آگ سلگ گئی ہے"

قارئین کرام صفحات الٹ کر حدیث زیرِ بحث پھر ایک بار ملاحظہ فرمالیں کہ مشرکین اور منکرینِ حق نے بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی قسم کا بھی ایک طعنہ دیا تھا۔ یہ حضرت حقانی صاحب کا نہیں بلکہ مسلمانانِ جمشید پور کا قصور ہے۔ انھیں چاہیئے تھا کہ قرانی اور نبویؐ دعوت توحید کو قبول کر لیتے اور اس سے اختلاف نہ کرتے۔ خطاکار اور موجب فتنہ و فساد تو وہ لوگ ہیں، جنھوں نے توحید میں شرک کی آمیزش کی اور توحید خالص کی مخالفت کر کے فساد فی الارض اور انتشار بین الامت کا موجب ہوئے۔ قرآن مجید میں فساد فی الارض کی بنیادی علامت، مرحوم بزرگوں کو مدد کے لیئے پکارنا ہے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف میں ارشادِ الٰہی ہے"

"زمین میں فساد میں برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اور خدا ہی کو پکارو، خوف کے ساتھ، امید کے ساتھ" (آیت۔ ۵۶)

حقانی صاحب کے مخالفین اس آیت قرانی کے مصداق ہیں۔ جنھوں نے عقیدۂ توحید کو شرک میں تبدیل کر دیا اور جب توحید خالص کی دعوت دی گئی تو اسے بری طرح ٹھکرا دیا، جس کے نتیجے کے طور پر وہ حالات رونما ہوئے جن کا ارشد صاحب نے ذکر فرمایا ہے!

اس حدیث میں مشرکین مکہ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزامات بھی عائد کرتے ہیں کہ "تم ہمارے آباء و اجداد کی مخالفت کرتے، ہمارے دین کو باطل قرار دیتے، اور ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو"

اور یہی الزامات اہلِ بدعت صحیح العقیدہ مسلمانوں پر عائد کرتے ہیں۔ جب خاندانی آبائی اور غیر اسلامی رسوم و رواج کی مخالفت اور کتاب و سنت پر عمل کی ہدایت کیجاتی ہے۔ تو جھٹ سے جواب دیا جاتا ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا دین سے واقف نہ تھے؟ یہ لوگ، شرک و بدعت اور غیر اسلامی اوہام و خرافات کی تردید اور توحیدِ خالص و اتباعِ سنت کی تعلیم و تلقین کو نئے دین و عقائد کے پرچار سے تعبیر کرتے ہیں۔ انبیاء اور بزرگوں کی صفات، حاجت روائی ان کے سمیع الدعا، غیب داں اور نافع و ضار ہونے کی تردید کرنا اور توحید خالص کی دعوت دینا گویا ان قبر پرستوں کے ہاں بزرگوں کی توہین اور تحقیر کرنا ہے۔!

باطل کی غیر شعوری مخالفت!

ارشد القادری صاحب لکھتے ہیں۔

"لیکن انہی لوگوں (یعنی عام مسلمانوں) سے اگر کہا جائے کہ صرف آواز اور نعروں کے بل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ مستقبل کی تعمیر کی طرف بڑھو، تو ان کے پاؤں شل ہو جاتے ہیں"

(شریعت۔ ص ۳)

بہت خوب! کیا یہ حقیقت نہیں کہ پالن حقانی صاحب علمائے دیوبند، اور تبلیغی جماعت، کی مخالفت کرنے والے علماء و مشائخ جن میں خود ارشد صاحب بھی شامل ہیں، قوالی سے شغف رکھتے ہیں؟ ہر ماہ ہند و پاک میں سینکڑوں اعراس، ہوتے ہیں، اور قوالی اور جلوس صندل میں سازوں اور باجوں کے بغیر عرس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور مرشدوں کی خانقاہوں اور مزاروں میں ہر ہفتہ ہونے والی قوالیاں علیحدہ ہیں

جو فرد یا گروہ دن رات قوالیوں، راگ رنگ، نغموں، ساز و آواز کے ذریعہ قوم کی اصلاح اور ان کے نفس کا تزکیہ کرنا چاہتا ہو اسی کا مسلم عوام کو یہ طعنہ دینا کہ "صرف آوازوں اور نغموں کے بل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی" کیا معنی رکھتا ہے؟

ہم یہاں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ ارشد صاحب کے زیر تبصرہ اقتباس کو اپنے ہی قلم سے۔ اپنے ہی معتقدات کی مخالفت سے تعبیر کیا جائے یا اسے غیر شعوری اور بے ساختہ حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت پر محمول کیا جائے؟

سنی سنائی باتیں

وہ لکھتے ہیں،

"حقانی صاحب کے متعلق مجھے لوگوں نے بتایا کہ فسطائی حکیم کی طرح "سطائی" مولوی" ہیں۔ قوالی گاتے گاتے، وہ اچانک واعظ بن گئے اور آج بھی "قوالی اور گالی ان کے وعظ کا بہت اہم حصہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے ان کے وعظ سے الگ کر دیا جائے تو ان کی محفل میں ان کے بجائے اُلّو بولنے لگے" (شریعت۔ ص ۵)

"حقانی صاحب کے متعلق مجھے لوگوں نے بتایا کہ . . .

والی بات بھی خوب رہی۔! حالانکہ جس کتاب "شریعت یا جہالت" پر ارشد صاحب تنقید فرما رہے ہیں اسی کتاب میں یہ بات موجود ہے کہ حقانی صاحب پہلے قوال تھے اور کس طرح وہ ضلالت سے نجات پائے اور ہدایت سے سرفراز ہوئے۔ ہر وہ ذمہ دار شخص جو کسی کتاب پر تنقید اور کسی شخصیت کی مخالفت کرتا ہے تو وہ کتاب اور صاحب کتاب کا حتی المقدور زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرتا ہے۔ لیکن ارشد صاحب کا یہ تغافل بھی ملاحظہ ہو کہ وہ جس کتاب پر تنقید کرنے چلے ہیں اس میں ایک بات پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن وہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ "مجھے لوگوں نے بتایا ہے" حالانکہ وہ اس سلسلہ میں کتاب اور صفحہ نمبر کا حوالہ بھی دے سکتے تھے اور انھیں دینا چاہیئے تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں لوگوں سے سنا اور پوری کتاب پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔!

اس سلسلہ کی دوسری بات یہ ہے کہ ارشد صاحب نے مذکورہ اقتباس میں قوال اور قوالی کی توہین کی اور اسے ایک گھٹیا، پوچ اور حقیر چیز قرار دیا ہے۔ انھوں نے قوالی اور گالی کا ایک ساتھ اور ایک ہی انداز میں اسطرح سے ذکر فرمایا کہ یہ گویا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے اور ایک ہی سکّے کے دو رخ ہیں۔ حالانکہ بدعتی، بریلوی اور قبوری حلقے قوالی کو تزکیۂ نفس، رجوع الی اللہ اور روحانی اصلاح و ترقی کا ایک بہترین ذریعہ اور موثر طریقہ قرار دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ باجوں اور موسیقی کے بغیر قوالی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا! ارشد صاحب کا یہ جملہ کہ "حقانی صاحب قوالی گاتے گاتے اچانک واعظ بن گئے" قوالی کے گھٹیا، خلاف فطرت اور خلاف سنت ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔ ایسی وجہ ہے کہ غیر شعوری اور بے ساختہ طور پر قوالی کی مذمت میں ان کی زبان سے الفاظ نکل ہی آئے۔!

خرد کا نام جنون

مولانا پالن حقانی صاحب کبھی کبھی دوران تقریر اپنی جاہلیت کی یاد اور قوالی کی تردید اور مذمت کے طور پر بطور نمونہ ایک دو اشعار قوالی کے طرز پر گاتے ہیں۔ ارشد صاحب کا خیال ہے کہ حقانی صاحب کی تقریر میں جو لاکھوں کا عظیم اجتماع ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی قوالی ہے جسے سننے کے لیے لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی دو ڈھائی گھنٹے کی تقریر میں دو چار اشعار ہی وہ بھی ساز کے بغیر سناتے ہیں اس ماحول اور ایسے انداز سے کہ اس کی مذمت اور حقارت سامعین کے دل و دماغ میں بہ آسانی رچ بس جاتی ہے۔ ان کا یہ انداز مخالفت بیسیوں دلائل پہ بھاری اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔! اب ہم ارشد القادری صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہیں گے کہ جن جلسوں میں پورے ساز و ں کے ساتھ بڑی عقیدت اور احترام سے گھنٹوں قوالی گائی جاتی ہے وہاں صرف چند نفوس ہی کیوں شرکت کرتے ہیں؟ حالانکہ وہاں تو حقانی صاحب کے جلسوں سے زیادہ کثیر اجتماع ہونا چاہیئے۔؟

مسلمانانِ ہند کی توہین

ارشد القادری صاحب مولانا پالن حقانی کے جلسوں میں لاکھوں کے اجتماع کا سبب قوالی کے علاوہ "گالی" بھی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ حقانی صاحب اپنی تقاریر میں علماء کو بکثرت گالیاں دیتے ہیں۔ اس لئے ان گالیوں کو سننے کے لئے لوگ جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔! واضح رہے کہ حقانی صاحب کے جلسوں میں کم از کم پچیس تیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چار پانچ لاکھ افراد کا کثیر اجتماع ہوتا ہے جس میں خواتین اور غیر مسلمین کی بھی قابل لحاظ تعداد ہوتی ہے اور ان کے جلسوں میں مسلمانوں کا پابند شریعت، عصری اور اور دینی تعلیم یافتہ طبقہ۔ اعلیٰ سرکاری عہدہ دار، اور دیگر سنجیدہ اور باوقار حضرات کی اکثریت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ لاکھوں افراد دور دراز مقامات سے ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار چند منٹ کے لئے نہیں بلکہ گھنٹوں، گرمی، بارش اور سردی اور جگہ کی تنگی کو برداشت کرتے ہوئے صرف گالیاں سننے آتے ہوں؟ کیا ہندوستانی مسلمان اور وہ بھی اعلیٰ ذوق کے سنجیدہ افراد گالیوں سے شوق فرماتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کسی کو گرانے، اور بدنام کرنے کے لیے بھی تھوڑی عقل چاہئے۔ لیکن تعصب، جلن اور حق کی مخالفت کا برا ہو کہ اس آگ میں ارشد صاحب اس طرح جلے بھنے جا رہے ہیں کہ انھیں کسی پڑھنگ سے چوٹ کرنے کا بھی ہوش باقی نہ رہا۔! مولانا پالن حقانی صاحب کی عوام میں بے پناہ مقبولیت، وقعت، عظمت اور انکے جلسوں میں لاکھوں کے اجتماع نے انھیں اس بری طرح جھنجلاہٹ اور بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے کہ ان کا خون خشک ہو گیا اور دماغی توازن جاتا رہا اور وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے۔ ایسی باتیں جنھیں سن کر پاگل بھی شرما جائے اور ایک بچہ بھی تالی پیٹ دے۔! اور طرفہ تماشہ یہ کہ وہ خود آگے لکھتے ہیں کہ حقانی صاحب نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایسا اور ویسا کہا ہے۔ حالانکہ یہاں خود انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے ذوق پر بھرپور وار کیا ہے۔! اور انھیں گالیوں کے شوقین قرار دیکر ان کی کھلی توہین کی ہے۔!

حق کی مخالفت

وہ بیان کرتے ہیں؛

"اپنی بے علمی کو چھپانے کے لئے انھوں نے چند اردو کتابوں کے صفحات، اور آیتوں، اور حدیثوں کے نمبر رٹ لئے ہیں۔ حالانکہ یہی ان کی بے علمی کی سب سے بڑی نشانی ہے کیونکہ احادیث کی اصل کتابوں میں کسی حدیث کا نمبر نہیں دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں ایک آیت کا نمبر بھی قرآن کی تفسیروں اور پرانے نسخوں میں کہیں درج نہیں ہے۔ یہ ساری بدعتیں بعد کے اردو ترجمے والوں نے نکالی ہیں۔" (اشرعیت۔ ص ۵)

یہاں ارشد القادری صاحب، مولانا حقانی کی مخالفت اور دشمنی میں انتہائی گھٹیا اور عامیانہ پن پر اتر آئے ہیں۔ جن باتوں کا مذکورہ اقتباس میں اعتراض کیا گیا ہے، اگر وہ گمراہی ہے تو اس کے خود وہ اور انکے علماء بھی مرتکب ہیں۔!

حقانی صاحب نے "چند" اردو کتابوں کے صفحات اور آیتوں، اور حدیثوں کے نمبر نہیں رٹ لئے بلکہ وہ اپنی ڈھائی تین گھنٹے کی تقریر میں تابڑ توڑ اور پے در پے آیاتِ قرانی، اس کے متن، ترجمہ، سورہ، پارہ، رکوع، اور آیت، نمبر کے حوالہ جات کے ساتھ سناتے ہیں، بعض تقاریر میں تو وہ سو سے زائد آیات سناتے چلے گئے ان کی تقاریر میں درجنوں حفاظ اور ٹیپ ریکارڈ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود پوری کوشش کے آج تک متن، ترجمہ اور حوالہ جات وغیرہ میں کسی قسم کا نقص اور غلطی نہ پیش کیجا سکی وہ ایک موضوع پر نہیں بلکہ متعدد مسائل کی وضاحت کے سلسلے میں سینکڑوں آیات پیش کرتے ہیں۔ ایسا وہی کرسکتا ہے جو صرف رٹا ہوا نہ ہو بلکہ زبردست قوت حافظہ اور گہری فکر و بصیرت کا حامل ہو۔ اور پھر وہ طویل احادیث کا ترجمہ مکمل مسلسل اور کامل صحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس پر فقہا کے فتوے اور بیانات علیحدہ رہے۔ ان امور کے پیش نظر بڑے بڑے حفاظ قرآن، زبردست قوتِ یادداشت رکھنے والے وکلاء، پروفیسر، ڈاکٹر، علماء اس بے پناہ قوت

حافظہ پر انگشت بدنداں اور حیرت زدہ ہیں جو کہ فی الحقیقت کسی کرامت سے کم نہیں۔ اور طرفہ یہ کہ جو ہستی خود ایک زندہ کرامت ہو، اسی پر منکر کرامت کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے۔!

یہ تعصب، اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ اتنے زبردست حافظہ، قوتِ فکر، وسعتِ مطالعہ اور صحت علمی کو مد رٹ لینے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک معمولی چیز قرار دی جاتی ہے۔ آخر یہ اندھی مخالفت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

آیات اور احادیث کے نمبروں کی حقیقت

ہو سکتا ہے کہ قرآن اور حدیث کی قدیم کتابوں اور تفسیروں میں آیات اور احادیث کے نمبر نہ دیئے گئے ہوں جیسا کہ ارشد القادری نے بیان فرمایا ہے، لیکن وہ، اور بریلوی علماء تو ان چیزوں کو اچھی بدعتیں قرار دیتے ہیں۔ اور جب یہ اچھی چیزیں ہیں اور آج کل جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، ان میں علمی سہولت اور حوالہ جات کی فوری دستیابی کے لیے آیات اور احادیث کے نمبر دیئے جا رہے ہیں تو اس میں اعتراض کیا ہے؟ اور ان دونوں عوام کے مطالعہ میں جدید طبع شدہ کتب ہیں۔ تاکہ قدیم ایسی صورت میں آیات اور احادیث کے شائع شدہ نمبر دینے سے کوئی حقیقت مجروح نہیں ہوتی بلکہ علمی تحقیق میں سہولت ہوتی ہے برخلاف اس کے اگر قدیم روایات اور ڈگر پر قائم رہتے ہوئے صرف قرآن کا متن پڑھ دینا، تحقیق و تلاش میں دشواری پیدا کرنا ہے۔ قریب ترین اور سہولت بخش حوالہ جات صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو حقائق کا برملا سامنا کر سکتا ہو اور بغیر حوالے کے مبہم اور غیر واضح بات وہی کر سکتا ہے جو حق سے ننگ آ ہونا اور اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا جیسا کہ ارشد القادری نے اپنی کتاب "شریعت" میں چند آیتوں کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ وہ متن تو لکھ دیئے ہیں لیکن انھوں نے سورہ اور پارہ کا حوالہ دیا اور نہ آیت اور رکوع کا نمبر پیش کیا۔ عوام اگر قرآن اور تفاسیر سے ان آیات کے سیاق و سباق اور مفہوم کو معلوم کرنا چاہیں تو بھلا وہ پورے قرآن سے ایک آیت کیسے تلاش کر سکتے ہیں۔؟ اگر سورہ اور آیت کا حوالہ دے دیا جاتا تو وہ فہرست سے فوری سورہ نکالتے اور آیت نمبر تلاش کر لیتے۔ اس لئے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ چونکہ ارشد صاحب عوام کو گمراہی کے اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے انھوں نے سورہ اور آیت کے نمبر نہیں دیئے کہ کہیں عوام سیاق و سباق اور تفسیر کے ذریعہ حق تلاش نہ کر لیں اور ان کی من مانی تاویلات غلط نہ قرار پا سکے۔!

شرارت کی انتہا

حقانی صاحب کی جس عظیم الشان غلطی بلکہ "سنگین گمراہی" کو انھوں نے پکڑا ہے۔ اس قسم کی غلطی کے مرتکب خود ارشد صاحب بھی ہوئے ہیں۔! انھوں نے اپنی کتاب "تبلیغی جماعت" کے آٹھویں باب میں اس جماعت کے خلاف چند احادیث پیش کیں۔ جس میں متن کے نیچے بطور حوالہ حدیث کی کتاب کا نام اور صفحہ نمبر اردو میں درج کیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی اصل کتاب کا نام عربی میں ہی ہوتا ہے، اردو میں نہیں اور اس پر جو صفحات کے نمبر ہوتے ہیں وہ بھی عربی ہندسوں میں۔ نام عربی اور ہندسے اردو میں لکھنا۔ ظاہر ہے کہ ان ہی کے انداز فکر اور منطق کے لحاظ سے ایک غلط بات ہے، ہاں اگر وہ متن کے مقابل اردو ترجمے کے نیچے ایسا لکھتے ہوتے تو واجبی اور برحق ہوتا! اور سنیئے انھوں نے کتب حدیث کا صفحہ نمبر بھی دیا ہے کتاب کے مکتبہ کا نام اور ایڈیشن نمبر کے بغیر صفحہ نمبر دینا ایک حماقت ہی ہے کہ احادیث کی کتابیں مختلف مکتبوں نے متعدد بار چھاپی ہیں اور ہر مکتبہ کی کتاب اور ایڈیشن کے صفحہ نمبر میں فرق پایا جاتا ہے۔!

اگر خودکشی جائز ہوتی تو ہم علامہ ارشد القادری کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مشورہ دیتے کہ جس ہستی کے علم و فہم پر وہ ڈھول اڑا رہے ہیں اور غلطیاں پکڑ رہے ہیں۔ اس معاملہ میں انھوں نے کتنی دور اندیشی اور احتیاط کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ حقانی صاحب نے اپنی کتاب

"شریعت یا جہالت" میں جن کتب تفسیر احادیث، اور فقہ سے استدلال مع مکمل حوالہ جات پیش فرمایا ہے۔ انھوں نے کتاب کے آغاز ہی میں اس بات کی وضاحت کردی کہ کتاب کس مکتبہ سے چھپی ہوئی ہے اور تقاریر میں بھی وہ جن کتابوں سے دلائل پیش کرتے ہیں انھیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ جو شخص بھی چاہے جائے قیام پر آکر اس کی تحقیق کرلے۔!

درحقیقت یہ چھوٹی اور معمولی باتیں قابل نظر انداز ہیں کہ اس سے گمراہی کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے بطور نمونہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ کردیا کہ حقانی صاحب کی جن باتوں پر گرفت کی گئی ہے، وہی غلطیاں خود ارشد صاحب سے بھی سرزد ہوئی ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی اور قابل نظر انداز باتوں کو وہی خوردبین لگاکر تلاش کرتا اور رائی کا پہاڑ بناکر پیش کرتا ہے جسے فی الحقیقت اپنے مخالف کی کوئی واقعی غلطی گرفت میں نہ آسکی ہو۔!

بلامتن ترجمہ کی حقیقت

مولانا پالن حقانی نے اپنی کتاب میں عربی متن کے بغیر صرف اردو ترجمہ ہی پیش کردیا ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے ارشد صاحب لکھتے ہیں:

"بغیر عربی عبارت کے صرف اردو ترجمہ پیش کرنے میں سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ الفاظ کا غلط ترجمہ کرکے لوگوں کو آسانی سے گمراہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اصل قرآن دیکھے بغیر ترجمہ کی چوری پکڑنا نہایت مشکل ہے۔" (شریعت۔ ص ۶)

حقانی صاحب نے ترجمہ کے نیچے پارہ اور سورہ کا نام اور رکوع اور آیت کا نمبر تک دے دیا ہے۔ تاکہ آسانی کے ساتھ قرآن سے متعلقہ آیت نکال کر ترجمہ کی صحت اور سیاق وسباق کے تحت اس کے پیش کردہ مفہوم کی جانچ کرلی جاسکے۔ اگر عوام کو گمراہ کرنا ہی مقصود ہے۔ تو متن کے ساتھ غلط ترجمہ کے ذریعہ بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے کہ عوام عربی نہیں جانتے اور ترجمہ کی غلطی نہیں پکڑ سکتے۔ رہے علماء، تو وہ صرف ترجمہ پڑھ کر بھی اس کی غلطی پر گرفت کرسکتے ہیں۔ ایک تو ہوتا ہے متن کے ساتھ اس کا غلط ترجمہ دینا اور عوام کے سامنے اس کا من گھڑت مفہوم پیش کرنا جس کے اہل بدعت اور قبوری علماء و مشائخ مرتکب بلکہ عادی ہیں۔ اور دوسرا ہوتا ہے بغیر متن کے مکمل حوالہ جات کے ساتھ صحیح ترجمہ اور تفسیر پیش کرنا۔ ہمارے خیال سے اول الذکر طریقے سے یہ ثانی الذکر عمل بہت بہتر اور عوام کے لئے سہولت بخش ہے۔ متن کے ساتھ دھوکہ دینے سے بہتر یہ ہے کہ متن کے بغیر صحیح رہنمائی کی جائے۔

تجاہل عارفانہ

ارشد صاحب "شریعت یا جہالت" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ان کی (یعنی پالن حقانی کی) کتاب "شریعت یا جہالت" اپنے علمی مواد اور فنی ثقافت کے لحاظ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اسے کوئی اہمیت دی جائے، یا اس کا جواب لکھا جائے۔ اور یہ کچھ از راہ تعصب یا ان سے مذہبی اختلاف کے جذبے میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ان کے ہم عقیدہ علماء نے بھی ان کی کتاب کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔" (شریعت۔ ص ۶)

ارشد صاحب شاید اس حقیقت سے واقف ہونگے کہ مجرم یوں ہی اقبال جرم نہیں کرتا اور ہوشیار چور چوری کرکے "چور چور" پکارتا ہوا دوڑتا، اور اپنا جرم دوسروں پر چسپاں کرنے اور لوگوں کی گرفت سے نکل بھاگنے کی فکر کرتا ہے۔ یہی صورت حال یہاں درپیش ہے۔ جس کتاب کے قلیل ترین عرصہ میں تین اڈیشن نکل چکے اور جو بیس ہزار کی کثیر تعداد میں شائع ہوکر مقبول عام وخاص ہوچکی جس کی تعریف و توصیف اور تائید میں ملک کا سنجیدہ اور وقار پریس، جلیل القدر مستند علماء اور دارالعلوم کے ناظمین و اساتذہ بیانات دے چکے ہوں، اور جس کتاب کے مصنف کے جلسوں میں لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہو اور جس کی تقاریر اور کتاب نے ہر شہر اور ہر گھر، خاندان میں ایک تہلکہ، ہلچل اور انقلاب برپا کردیا اور علمی و فکری، جمود و تعطل کی فضا میں حرکت اور جان

ڈال دی اور لاکھوں افراد کو غور و فکر پر آمادہ اور مجبور کر دیا ہو، اور صاحب کتاب کی تقاریر نے بقول خود ارشد القادری صاحب جمشید پور شہر کے گھر گھر میں آگ لگا دی ہو۔ بھلا اس کتاب کی اہمیت اندھی مخالفت اور جوش دشمنی سے کم ہو سکتی ہے؟ سورج پر تھوکنا تو دانشمندی نہیں۔ تو پھر ارشد صاحب "شریعت یا جہالت" کی احمقانہ مخالفت کر کے اپنی حماقت کا کیوں کھلا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

رہی اپنوں کی مخالفت۔ تو یہ کوئی دلیل اور قابل قبول بات نہیں ہو سکتی۔ ہر گروہ اور جماعت میں چند ایسے نادان بھی پائے جاتے ہیں، جو کسی غلط فہمی یا کم فہمی کی بنا پر اپنے ہی کاز کو نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ ان کا یہ طرز فکر و عمل کیسے دلیل حجت بن سکتا ہے۔ جمہور کی آراء اور پسند کو نظر انداز کر کے صرف چند افراد کی رائے کو اچھالنا جس فکر کی غمازی کرتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔!

گالیوں کی حقیقت

یہ تو تھی دو تا آٹھ، تقریباً سات صفحات پر مشتمل کتاب، کے مقدمہ کی علمی، عقلی، استدلالی اور فکری حیثیت۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اصل کتاب "شریعت یا جہالت" پر بعنوان "گالیاں" تبصرہ کا آغاز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

وہ رقم طراز ہیں۔

"حقانی صاحب نے اپنی کتاب "شریعت یا جہالت" میں مسلمانان ہند کو جو منہ بھر کر گالیاں دی ہیں انھیں جاہل بتایا ہے، کافر و مشرک کہا ہے، دل آزار جملے لکھے ہیں۔ ذیل میں ان کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے تاکہ ان کی فتنہ پرور اور شر پسند طبیعت کا آپ اندازہ لگا سکیں۔"

(شریعت۔ ص ۹)

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کوئی یوں کہے کہ "اد گدھے"! کسی کو گدھا نہیں کہنا چاہئے۔! وہ لکھتے ہیں کہ حقانی صاحب نے مسلمانوں کو گالیاں دی ہیں اور دل آزار جملے لکھے ہیں۔" لیکن ابھی ان الفاظ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ وہ خود حقانی صاحب کو فتنہ پرداز اور شر پسند کہتے ہیں! کوئی ہے جو اس عدل و انصاف اور نصیحت اور اس پر ایسے شاندار عمل کی داد دے؟ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آئندہ صفحات میں وہ حقانی صاحب کو زبان دراز، جھوٹ بولنے والا، دلال، بہتان طراز، افترا پرداز، قلمی خیانت کاریوں کا مرتکب، بے عقل، دجال، کذاب، چودھویں صدی کا مسخرہ، قرآنی ترجمے میں خیانت کرنے والا، حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنے والا، گھر کا قاتل دشمن رسولؐ، پھکڑ باز اور نئے دین دگمراہ عقائد کا حامل قرار دیا ہے! اور اپنی دوسری کتابوں "تبلیغی جماعت" اور "جماعت اسلامی" میں وہ اور ان کے ہم عقیدہ بریلوی اور قبوری علماء نے ابن تیمیہؒ، ابن کثیرؒ، محمد بن عبد الوہابؒ، سعودی حکومت، سعودی علماء اور سعودی مسلمانوں، تمام علمائے دیوبند، جمعیت العلماء ندوۃ العلماء، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، اخوان المسلمین، ادارہ اہل سنت والجماعت، اور دیگر بے شمار علماء اور جماعتوں کو کافر، گمراہ، دائرہ اسلام سے خارج، نئے دین و ایمان کے حامل و مبلغ اور ایسی ہی بے شمار شرمی گالیوں اور کفر کے فتوؤں سے نوازا ہے۔ اتنے سارے مسلمان کافر اور خارج اسلام قرار پانے کے بعد اب سوائے چند مزاروں کے مجاوروں پیروں، فقیروں، ملنگوں، مجذوبوں، اور درگاہوں کی راکھ و خاک چاٹنے، اور قبروں پر سجدہ و طواف کرنے والوں کے کون مسلمان باقی رہ جاتا ہے؟ وہ جس علم و فکر کی بنیاد پر حقانی صاحب، دار العلوم دیوبند اور تبلیغی جماعت وغیرہ کو کافر اور بے دین قرار دے رہے ہیں۔ ان کے اس فتوے کی زد میں درحقیقت تمام انبیاء و رسل، صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ اور ہر دور کے سارے صحیح العقیدہ مسلمان آجاتے ہیں۔ جو حقیقت میں مشرک ہیں انھیں مسلمان، اور جو واقعی مسلمان ہیں انھیں کافر قرار دیا جا رہا ہے۔

خرد کا نام جنون اور جنون کا خرد رکھ لیا تو نے۔!

ارشد صاحب نے اس کتاب میں سارے عالم اسلام کو کافر اور بے دین قرار دیا ہے۔ لیکن وہ اس باب میں ہندوستانی مسلمانوں کو حقانی صاحب کے خلاف بھڑکانے اور ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ کہ دیکھو اے مسلمانوں! حقانی تمہیں ایسا ویسا کہتا ہے اس کا گریبان پکڑ کر احتجاج کرنا۔

اس سلسلے کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ مولانا حقانی نے کسی فرد یا جماعت کا نام لے کر گمراہ نہیں کہا، جب کہ ارشد صاحب نے نام بنام عالموں، جماعتوں اور مدرسوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ ایسا تو کہا جا سکتا ہے، جھوٹے پر لعنت ہو۔ لیکن یوں نہیں کہا جا سکتا کہ بکر پر لعنت ہو۔ اسی طرح یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان ان عقائد و اعمال کا مرتکب کافر اور خارج اسلام ہے۔

فتویٰ اور واعظ کا فرق

مولانا پالن حقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کے اکثر مسلمان قرآن کی آیتوں، حدیثوں اور حنفی فقہ کو نہیں مانتے اور پھر بھی اپنے آپ کو سنت والجماعت سمجھتے ہیں" (شریعت یا جہالت)

اس بیان پر ارشد القادری صاحب تبصرہ کرتے ہیں

"یہ ہندوستانی مسلمانوں پر سخت حملہ ہے۔ جو اگرچہ کہ علمی طور پر کمزور ہیں۔ لیکن ایسا کوئی مسلمان نہیں پایا جاتا جو آیات اور احادیث کا کھلے منکر ہو"

(شریعت۔ ص ۱۰۹)

ایسا کوئی نہیں سمجھتا کہ مسلمان قرآن، حدیث اور فقہ کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ بلکہ وعظ و نصیحت کے پیرایہ میں ماخذ دین و شریعت سے فرار کا اس طرح سے اظہار کیا جاتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ شیطان کی عبادت نہ کرو فرماتا ہے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے نفس کو معبود بنا لیا ہے۔ حالانکہ دنیا میں ایسا کوئی فرد نہیں پایا جاتا جو شیطان کی عبادت کرتا اور فی نفسہٖ اپنے نفس کو معبود بنا لیتا ہو۔ جو مسلمان جھوٹ کہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم مسلمان ہو؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مسلمان نہیں۔ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ جس نے میری اتباع نہیں کی اس نے میرا انکار کیا! جو شخص خدا پر ایمان بھی لاتا ہے کہ خدا ہے، اور صرف ایک ہی ہے اور اس کے ساتھ (بریلوی علماء کی تعریف کے مطابق) شرک جلی میں بھی مبتلا ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ خود اہل بدعت کے نزدیک بھی یہ چیز خدا کے انکار کے مترادف ہے۔ بلکہ جو شخص شیطان اور نفس کی خواہشات ہی کی پیروی کیئے چلا جاتا ہے ایسے شخص کو شیطان اور نفس کا پجاری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح عموماً وعظ و نصیحت کی زبان اور پیرایہ میں خدا و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا منکر کہا جاتا ہے، جو اسلام کے احکام اور ہدایت پر عمل نہیں کرتا، اور اس کے برعکس روش اختیار کیئے ہوئے ہوا

قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کو سمیع الدعا، غیب داں اور حاجت روا نہیں۔ لیکن بدعتی علماء کہتے ہیں کہ نہیں! انبیاء اور اولیاء کو بھی صفات، حاجت روائی اور فریاد رسی کی قوتیں حاصل ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مدد کے لیے نہ پکارو۔ کسی سے دعا و فریاد نہ کرو۔ لیکن مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد خدائے واحد اور قادر مطلق کے علاوہ اس کے بیشمار مقرب اور برگزیدہ بندوں، غوثوں، خواجاؤں، داتاؤں اور ملنگوں کو بھی مدد کے لیئے پکارتے اور ان سے دعاؤ فریاد کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ لیکن مسلمان مزاروں پر سجدہ و طواف، دعاؤ فریاد، نذر و نیاز اور قربانیاں جیسے مراسم عبودیت ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دین مکمل ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اسلام میں کسی اچھے یا برے عقیدہ و عمل کا اختراع و اضافہ نہ کرو بلکہ تیار اور مکمل دین اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کرو۔ لیکن بہت سارے مسلمان نہ صرف دین کامل میں نئے عقائد اور عبادتوں کے بھرتی و اضافہ کرتے بلکہ ان پر لوگوں کو جھٹلاتے اور اصلاح و تبلیغ کا کام انجام دینے والوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں حقیقی نہیں تو معنوی اور بالواسطہ کفر ہی ہے!

فقہ کے تمام مسلکوں، اماموں اور کتابوں میں کثیر التعداد احادیث اور اجماع صحابہ کے پیش نظر قبر کو پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود باطل تاویلات کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قبر کو پختہ بناتی اور اس پر گنبد تعمیر کرتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور دیگر جلیل القدر شہداء اور صحابہ کی قبروں پر آج تک مندل، مالی، چراغاں قوالی اور عرس جیسے دیگر حرام غالی اور مشرکانہ رسوم نہیں ادا کی گئیں۔ وہاں جھنڈے غلاف اور عرضیاں نہیں چڑھائی گئیں۔ ان امور کا کتب فقہ میں نہ صرف کوئی حکم اور مسئلہ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ان مشرکانہ اوہام وخرافات کی بڑی شد ومد سے نفی اور تردید ہی کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود جو فرد وگروہ فقہ اور ائمہ فقہ کی عقیدت کا دم بھرتا اور تقلید کا دعویٰ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا اور فریب خوردہ ہی ہوگا! اور ایسا شخص جو قدم قدم پر مسائل فقہ سے انحراف کرتا ہو وہ کسی طرح بھی مقلد نہیں کہلا سکتا۔ اگرچہ کہ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے مقلد ہونے کا اعلان کرتا ہو! مولانا پالن حقانی صاحب نے ایسے ہی مسلمانوں کی اپنی کتاب میں مذمت اور مخالفت کی ہے۔

لفاظی اور چرب زبانی

ارشد القادری صاحب جاہل، نادان، غالی اور قبوری مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کے فن میں طاق ہیں وہ ٹھیٹ اسلامی اور مبنی برحق عقائد اور افکار پر جاہلانہ تنقید اور اندھی مخالفت کے دوران انصاف کیجئے۔ سر پیٹ لیجئے۔ خدا کی پناہ، جگر تھام لیجئے، خون کے آنسو بہائیے لا الہ الا اللہ۔ مذہبی نقادوں کی لرزہ خیز داستان، آنکھوں میں خون اتر آئے گا۔ خون کے گھونٹ پیجئے، ہائے رے غیرت ایمانی تو کہاں مرگئی، کلیجہ کانپ گیا، وغیرہ جیسے جذبات انگیز الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جن "گمراہیوں" کا شدت سے احساس دلانے کے لیئے وہ ان جذباتی الفاظ اور جملوں کا ظاہری سطحی ریاکارانہ اور عیارانہ استعمال کرتے ہیں۔ خود ان کی ذات اور ان کے ہمنوا حضرات ان سے شدید گمراہیوں کا شکار ہیں!

سفید جھوٹ

مولانا پالن حقانی "شریعت یا جہالت" کے ص ۱۸۶ میں لکھتے ہیں کہ اکثر علماء سوء اور ان کے جاہل معتقدین کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر نہیں۔ بلکہ مافوق البشر۔ نوری تھے، آپؐ کا سایہ نہ تھا اور جو مسلمان ایسا نہیں سمجھتے وہ انھیں وہابی اور خارج اسلام سمجھتے ہیں"

اس پر ارشد صاحب اپنی کتاب "شریعت" کے صفحات نمبر ۱۰ اور ۱۱ پر یوں واویلا مچاتے ہیں کہ، خدا کی پناہ۔!

یہ ہندوستانی مسلمانوں پر حقانی صاحب کا دوسرا حملہ ہے اور کروڑوں مسلمانوں پر یہ جھوٹا اور خلاف حقیقت الزام ہے۔ کہ کوئی مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر نہیں تسلیم کرتا ہے"

مولانا حقانی صاحب نے لفظ اکثر کے ذریعہ کثرت تعداد کا اظہار فرمایا تھا لیکن ارشد صاحب نے لسے کروڑوں قرار دے دیا۔ وہ اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ کوئی مسلمان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر نہیں سمجھتا حالانکہ یہ ان کا تجاہل عارفانہ ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کثرت علماء اور ان کے اندھے وجاہل مقلدین حضورؐ کو مافوق البشر اور نوری تسلیم کرتے اور آپؐ کے سایہ کا انکار کرتے ہیں، کیا خاکی مخلوق اور بشر کا سایہ نہیں پڑتا؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں، کہ بعض علماء ومشائخ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا اوتار قرار دیتے ہیں کہ خدا آپؐ کے روپ میں آپؐ کے نام کے ساتھ عرش سے مدینہ میں اتر پڑا ہے؟ احد اور احمد میں صرف میم ہی کا فرق ہے۔ ورنہ درحقیقت اللہ اور محمدؐ ایک ہی ہستی اور وجود کے دو نام ہیں۔ چنانچہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے ایک استاد نے شیخ الجامعہ کی زیر صدارت ایک جلسہ میں تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں بشری صورت میں آئے تھے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اگرچہ کہ فرشتہ تھے لیکن اس دنیا

میں انسانی صورت میں بھی آیا کرتے تھے۔! اور جس طرح انسانی صورت آئے ہوئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسان کہنا غلط ہے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری شکل پر آپ کو بشر قرار دینا خلاف حقیقت ہے!" اور قبوری حلقوں کے ایک دوسرے دوراں مولانا سید محمد مدنی جیلانی نے بھی ۱۱ر اگست ۱۹۷۵ء میں جامعہ نظامیہ حیدر آباد میں مسئلہ علم غیب پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ انبیاء جو ہیں اپنے ظاہری جسمانی کیفیات میں بشر کے ساتھ ہیں۔ بشر نہیں کہا، مع البشر کہا۔ یعنی بشر کے ساتھ ہیں، بشر سے ملتے جلتے ہیں۔ اپنے ظاہری کیفیات میں لیکن ان کے باطنی بلندیاں، ان کے قوائے روحانیاں اپنے اندر ملکوتی صفات رکھتی ہیں[1]۔ (مسئلہ علم غیب۔ حصہ دوم ص ۸)

جب مولانا یالن حقانی حیدر آباد تشریف لائے، اور آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عبدیت، بشریت اور آدمیت کا اثبات کیا اور عقیدہ رسالت کی وضاحت فرمائی تو مقامی علماء سوء نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آدمیت بشریت کا واشگاف انکار کر دیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا عقیدہ رکھنے والوں پر لعن وطعن کیا گیا اور اس بات کا اعلان کیا گیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے۔ کفار و مشرکین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور آج کے یہ وہابی دیوبندی بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ہی قرار دیتے ہیں۔ اجب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان جاہل، غالی، اور نادان دوستوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ حضور ما فوق البشر اور نوری مخلوق نہ تھے بلکہ ہم جیسے ایک انسان تھے۔ تو یہ واویلا مچایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ بدعقیدہ وہابی اور دیوبندی رسول خدا کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔!

بشریت انبیاء کا حقیقی:۔

حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہم جیسے انسان کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ حضور ہم جیسے جاہل، غافل، گنہگار نافرمان اور بداخلاق تھے۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ جیسا ہر انسان کو دو پیر، دو ہاتھ، دو آنکھیں ہوتی ہیں، جیسے وہ بھوک، پیاس اور نیند محسوس کرتا، معاش کے لئے تگ ودو اور کوشش و جہد کرتا، کماتا، کھاتا اور اس کی رگوں میں خون دوڑتا ہے اچھی باتوں سے اچھی مسرت، بری باتوں سے رنج و غم ہوتا ہے، مار لگنے سے تکلیف ہوتی اور خون نکلتا ہے۔ ایسی ہی بشری حوائج و ضروریات، صفات اور علامات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جسطرح ایک انسان غیب داں نہیں ہوتا، دور کی آواز نہیں سن سکتا اور ہر بات پر قدرت نہیں رکھتا یہی حالت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی تھی۔ وہ عام انسانوں کی طرح مجبور اور بے اختیار

---

[1] ایک بریلوی مترجم قرآن نے سورہ کہف کی یہ مشہور آیت قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا ترجمہ موتم فرمایا "ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں" (ترجمہ رضویہ) کیا ہے اور اسی شیطانی فلسفہ اور طاغوتی منطق کی روشنی میں یہ اشعار معرض وجود میں آئے جس میں اہل ہنود اور عیسائیوں کے عقیدہ اوتار کی ترجمانی کی گئی ہے

سیم سے تو نے چھپایا راز کو اپنے تمام — اے احد احمد کی صورت میں نہاں تو ہی تو تھا
لوگ کہتے ہیں کہ رخ پر تھی پڑی انکے نقاب — شکل احمد میں مگر دکھلا دیا تو ہی تو تھا

اور سنیئے

محمد مصطفےٰ کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے — بظاہر تو بشر ہیں وہ حقیقت اور ہی کچھ ہے
پردۂ سیم ہٹ گیا وصل حبیب ہو گیا — نور سے نور جلا ملا صل علےٰ محمد

مولانا سید محمد مدنی جیلانی، حیدر آباد میں کی گئی تقاریر میں یہ اشعار اکثر پڑھتے ہیں۔

سوچتا ہوں کیا کہوں ہاں کیا نظر آنے لگا — وہ ریاض برزخ کبریٰ نظر آنے لگا
تو فنا فی الحق ہوا پھر کیا ہوا میں کیا کہوں — قطرہ دریا میں گیا دریا نظر آنے لگا

نثر و نظم کی مولہ بالا کی تصریحات سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے کہ بریلوی اور بدعتی علماء و مشائخ، رسول اللہ کو آدمی کے روپ اور بشری لباس میں خدا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد کی صورت میں اس دنیا میں تشریف لایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر کوئی خدا کو انسان کہے اور رب کو عبد و بشر قرار دے تو اس پر قبوری علماء کا برافروختہ ہونا ایک فطری اور لازمی بات ہے۔ اگر یہ رسول اللہ کی عقیدت ہے۔ تو یقیناً ہم شاتم رسول ہیں۔!

تھے۔ آپؐ بیمار ہوتے تو علاج کراتے۔ باوجود کوشش کے مرض کا ازالہ نہ ہوتا اور اس سے تکلیف پہونچتی۔ آپؐ گھریلو اخراجات اور ضروریات زندگی کے لئے، محنت اور کوشش فرماتے، پیسہ اور غلہ نہ ہوتا تو مبادلہ لیتے یا فاقہ کی نوبت آتی جیسا کہ عام طور پر انسان سے بھول چوک ہوتی ہے۔ اسی طرح حضورؐ اس کمزوری اور مجبوری سے خالی نہ تھے۔ نہ صرف دنیاوی معاملات میں آپؐ کی رائے اور مشورے غلط واقع ہوئے جن سے نقصان پہنچا بلکہ بعض ان دینی معاملات میں جب کہ وحی الٰہی اس بارے میں نازل نہ ہوئی تھی۔ فیصلہ اور رائے میں غلطی ہوئی جس کا آپؐ کو وحی کے بعد شدت سے ملال رہا ان ہی ناقابل تردید حقیقتوں کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہم بھی بشر سمجھا جاتا ہے اور ساتھ ہی آپؐ کے اخلاق و کردار اور علم و عمل کے بارے میں یہ عقیدہ بھی ہے کہ

بعد از خدا توئی قصہ مختصر۔!

ایسی صورت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین عداوت اور دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالف وہ لوگ ہیں۔ جو آپؐ کے پیش کردہ عقائد و تصورات کے خلاف اور متضاد فکر و عمل اختراع اور اختیار کئے ہوئے ہیں اور حضورؐ کے بارے میں ایسے اوہام اور من مانی عقائد قائم کر لئے ہیں، جو قرآن کے پیش کردہ تصور رسالت کے خلاف اور متضاد ہیں۔!

مسلم عوام کی تحقیر

مولانا پالن حقانی "شریعت یا جہالت" میں لکھتے ہیں کہ آج اکثر مسلمان یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ جس طرح عرب کے مشرکین اور اہل ہنود اپنے انبیاء اور بزرگوں کے بارے میں جن عقائد کے حامل ہیں، اسی طرح مسلمان بھی ان گمراہ اقوام کی طرح اپنے بزرگوں کے ساتھ قریب قریب یہی مشرکانہ فکر و عمل اختیار کر لئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۷۲)

اس حقیقت سے انکار اور اختلاف کرتے ہوئے ارشد القادری صاحب واویلا مچاتے ہیں کہ سب ہندوستانی مسلمانوں پر غلط الزامات ہیں۔ (شریعت۔ ص ۱۲، ۱۳)

ان صفحات میں ارشد صاحب نے ہندوستانی مسلمانوں کی زبردست حمایت اور مدافعت کی ہے حالانکہ یہی ارشد صاحب ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔!

" اگر کہا جائے کہ...... مستقبل کی تعمیر کی طرف بڑھو تو ان کے پاؤں شل ہو جاتے ہیں، ان کی جیب خالی ہو جاتی ہے اور اس کے لئے ان کے وقت میں ایک لمحے کی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ (شریعت ص ۳، ۵)

کسی صاحب نے مولانا پالن حقانی کی کتاب کے مخالفین کے بارے میں لکھا تھا۔

" ان کی کتاب شریعت یا جہالت کی غیر مستند اور کمزور عبارتیں پیش کر کے گرانا چاہا۔ مگر سب نے دیکھ لیا کہ ایسے عالم خود ہی عوام کی نظروں سے گر گئے"

(شریعت یا جہالت۔ ص ۵۲۸)

اس بیان پر ارشد صاحب ہندوستانی مسلمانوں کی کثرت رائے کا یوں مضحکہ اڑاتے ہیں۔

"عوام کی نظروں سے گر گئے۔ اس لئے وہ کتاب مستند ہو گئی کیونکہ آج جتنا رائج ہے۔ (شریعت۔ ص ۷)

یہاں ارشد صاحب نے علانیہ طور پر اکثر مسلمانوں کی آراء اور ردّ عمل اور پسندیدگی کا مضحکہ اڑایا۔ ان کی کثرت رائے کی تحقیر کی کہ اکثریت کی پسند و ناپسند بھی کوئی حقیقت رکھتی ہے؟ جس طرح جتنا رائج اور عوامی جمہوری حکومت میں عوام کا کسی بات پر کثرت رائے کے ذریعہ اتفاق کر لیا، حق کی دلیل نہیں اسی طرح اگر جاہل مسلمانوں کی اکثریت کی پسند و ناپسند کوئی حقیقت اور اہمیت نہیں رکھتی لیکن اس کے باوجود حقانی صاحب کو کوسا جا رہا اور مسلمانوں کو ان کے خلاف ورغلایا جا رہا ہے کہ دیکھنا یہ حقانی تمہیں جاہل، گمراہ اور نا سمجھ کہتا ہے۔ تمہاری اس کے پاس کوئی وقعت، وزن اور اہمیت نہیں۔! ارشد صاحب اگر مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کے فن سے واقف ہیں تو ہم بھی اللہ کے فضل سے ان کی تضاد بیانیوں، دجل مکر و فریب اور عالمانہ جاہلیت کا پردہ چاک کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھینگے!

مسلمان اور اتباع اہل کتاب

اب آئیے ہم آپکو بتائیں کہ مولانا پالن حقانی صاحب نے اکثر مسلمانوں کو اہل کتاب اور اہل ہنود کی طرح جو گمراہ اور مشرک قرار دیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کے خلاف ارشد صاحب کا غل مچانا اور مگرمچھ کے آنسو بہانا اسے حقانی صاحب کا مسلمانوں پر تبرا اور حملہ قرار دینا کہاں تک درست اور مبنی بر حقیقت ہے۔!

مولانا پالن حقانی کو تو اُدھر رکھیئے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے اس امر کی پیش گوئی فرمادی تھی کہ اس دور کے مسلمان اہل کتاب کی پوری پوری اتباع اور پیروی کریں گے اور بتوں کو پوجیں گے مزاروں کو آمدنی کا ذریعہ بنائیں گے اور پوری طرح مشرک ہوجائیں گے۔ ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔!

"تم پچھلی امتوں کے طریقوں پر چل کر قدم بقدم ان کی پیروی کروگے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسی ہوں گی تو تم بھی اس میں داخل ہو کر رہو گے۔"

صحابہ نے پوچھا۔ "کیا ہم یہود و نصاریٰ کی پیروی کرینگے؟"

حضورؐ نے فرمایا! پھر کون؟"

(بخاری، مسلم)

اس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"سچ فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنھوں نے صلحاء کو ارباباً من دون اللہ بنالیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔" (تفہیمات دوم)

ایک اور ارشاد نبوی ہے۔

"میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ دونوں (فکر و عمل کے لحاظ سے) ایسے برابر ہوجائیں گے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! مجھے اس درجہ نہ بڑھاؤ، جو درجہ اللہ نے مجھے دیا ہے تم پچھلی گمراہ امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی پوری پوری پیروی کروگے"

(بخاری، مسلم)

آپؐ نے فرمایا۔

"قیامت نہ ہوگی، یہاں تک میری امت کے گروہ مشرکین کی طرح ہوجائیں گے اور بتوں کو پوجیں گے۔"

(ترمذی، ابوداؤد)

"قیامت نہ آئے گی، یہاں تک کہ پھر لات، اور عزّیٰ کی پوجا ہو۔" (بخاری)

مولانا ابوالکلام آزادؒ اس حدیث کی تفہیم کرتے ہوئے اپنی کتاب "تذکرہ" میں لکھتے ہیں کہ وہ شخص احمق ہی ہوگا، جو اس حدیث کا یہ مطلب جانے کہ لات و منات کہ جنھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں توڑ پھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ ٹکڑے پھر سے جمع ہو کر سالم بت کی شکل اختیار کریں گے اور قیامت کے قریب انہی بتوں کی پرستش ہوگی۔ بلکہ اس حدیث کا اطلاق موجودہ بزرگ پرست اور قبر پرست معاشرہ پر ہوتا ہے۔!

اس سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے جس کی روشنی میں قبوری علماء، درگاہوں کے مجاور اور سجادہ نشین سب ننگے ہو جاتے ہیں۔!

"آخری زمانہ میں شیطان انسان کے پاس بھیس بدل کر آئے گا اور انھیں قبر پرستی کی طرف راغب کریگا۔ اور لوگ قبروں کو آمدنی کا ذریعہ بنائیں گے اور اس طرح قبروں سے زندگی مزے سے گزرے گی۔" (مسلم، مشکوٰۃ)

ہم ارشد القادری اور ان کے حواریوں سے دریافت کرنا چاہیں گے کہ ان احادیث کی زد میں کون مسلمان آتے اور ان کے مصداق کس قسم کے افراد ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ احادیث ایسے ہی مسلمانوں پر صادق آتی اور منطبق ہوتی ہیں جو بزرگوں کے

مزاروں اور عرسوں سے غیر معمولی شفقت وتعلق رکھتے، اور وہاں بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے نام سے مختلف اقسام کی مراسم عبودیت جیسے سجدہ وطواف، نذر و نیاز، دعاء و فریاد، چراغاں قوالی کرتے اور قربانیاں ادا کرتے ہیں۔ وہ مسلمان ان احادیث کی زد سے میلوں دور ہیں، جو عرسوں اور درگاہوں میں عقیدت کے غلو اور مشرکانہ اوہام و خرافات سے منع کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ کے طور پر یہ بزرگوں کے غالی، اور اندھے معتقدین انھیں بزرگوں کی توہین اور مخالفت کا نارہ الزام عائد کرتے ہیں ایسی صورت میں اگر حقانی صاحب یا کوئی اور صاحب علم و بصیرت مسلمان یہ کہتا ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اہل کتاب اور بت پرستوں جیسے مشرکانہ عقائد اور گمراہیوں کا شکار ہو گئے ہیں، تو کیا اس کی یہ بات مذکورہ احادیث نبوی کی روشنی میں غلط اور خلاف حقیقت ہے۔؟

دور حاضر اور عامۃ المسلمین کی گمراہیاں

مولانا پالن حقانی اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں۔

"ہندوستان میں اکثر مسلمانوں جہالت کچھ ایسی چھائی ہوئی ہے کہ بدعتوں پر عمل کریں تو دین کی پابندی سمجھتے ہیں اور کفر کریں تو ثواب سمجھتے ہیں اور شرک کریں تو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہے کوئی حد جہالت"

(شریعت یا جہالت۔ ص ۳۰۲)

اس اقتباس پر ارشد صاحب یوں اعتراض کرتے ہیں۔

"ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت پر حقانی صاحب کا یہ پانچواں حملہ ہے اور اس بار کا حملہ اتنا کاری ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس کی تاب لا سکے۔ ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر کفر اور شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کر دینے کے بعد اب ان کے مسلمان ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں ان کے منہ میں لگام دیجیے" (شریعت۔ ص ۱۵)

یہ تنقید اور اعتراض حقانی صاحب پر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوتا ہے۔ حضورؐ نے بریلوی اور بدعتی مسلمانوں کے بارے میں یہ پیش گوئی بھی فرما دی کہ اگر حاملین سنت کسی بدعت و ضلالت پر عمل کریں گے، تو وہ یہ الزام عائد کریں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ضال و مضل گروہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت میں ایسے افراد پیدا ہوں گے، جو دوسروں کو ہدایت کریں گے، لیکن خود عمل نہیں کریں گے اور ان اختراعی عبادتوں کو اختیار کریں گے، جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا یعنی وہ بدعات اور اختراعات کو اختیار کریں گے جس نے ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے، زبان سے اور قلب سے جہاد کیا وہ تو مومن کامل ہے اور اس کے بعد رائی بھر بھی ایمان نہیں۔ (مسلم)

ارشد صاحب اور بریلوی علماء اس حکم نبویؐ کے مطابق ایسے لوگوں کے خلاف بھلا کیسے جہاد کر سکتے ہیں، جب کہ وہ خود بھی نہ صرف اہل بدعت اور قبر پرست افراد کی صفوں میں شامل ہیں، بلکہ لشکر شرک کے سپہ سالار کی حیثیت سے توحید خالص پر جہالت کی گولہ باری کر رہے ہیں!

گزشتہ صفحات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی بھی گزر چکی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب کہ مسلمان یہود و نصاریٰ اور مشرکین طرح گمراہ اور شرک زدہ ہو جائیں گے۔ اب اس سلسلہ میں اکابر امت اور سلف صالحین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔ کہ صرف حقانی صاحب ہی نہیں بلکہ جلیل القدر علمائے حق بھی یہی خیال اور مشاہدہ ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمان معتوب و مغضوب اقوام و امم کی طرح گمراہ اور شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں، کوئی دیوبندی، تبلیغی اور وہابی نہیں بلکہ سینکڑوں سال قبل کے حضرت مولانا عبدالقادر جیلانیؒ اپنے وقت کے مسلمانوں کو اے کافرو، اے مشرکو اے منافقو، اے غافلو، جاہلو اور نفس کے بندو جیسے سخت الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں!

"اے جاہلو! اے منافقو! تمہارے دل کتنے تاریک ہو گئے ہیں، تمہارا باطن کس قدر گندہ ہو گیا ہے۔ تمہاری زبان سے جو بھی الفاظ نکلتے ہیں وہ مشتبہ قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ

ایک قسم کا طغر ہے. ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے

(پچیسواں خطبہ ۹ ذی الحجہ ۵۴۵ھ)

ایک اور مقام پر حضرت عبد القادر جیلانی رح بیان کرتے ہیں!

" تو لا الٰہ الا اللہ کیسے کہتا ہے. جب کہ تیرے دل میں تو بہت سے خداؤں کا ہجوم ہے. جس پر تو اللہ کو چھوڑ کر اعتماد کرتا اور بھروسہ کرتا ہے. وہ تیرا صنم ہے. دل میں شرک رکھ کر زبانی توحید فائدہ مند نہیں ہو سکتی "

(۴۸ واں خطبہ رجب ۵۴۵ھ)

" تو جھوٹ کہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سچ ہے. شرک کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ موحد ہوں میں. یعنی کھوٹا ہے اور آپ کو کھرا مانتا ہے. (۳۱ واں خطبہ)

امام فخر الدین رازیؒ جو تقریباً آٹھ سو سال قبل کے ہیں. لکھتے ہیں

" جن بت پرستوں نے اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں پر تراشے تھے اور یہ خیال کرتے تھے، کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ اکابر اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے. اس کی نظیر اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے. اس اعتقاد سے کہ اگر ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اللہ کے نزدیک، ہمارے شفیع ہوں گے.

(تفسیر کبیر، جلد پنجم)

امام رازیؒ کے اس بیان سے نہ صرف ارشد صاحب کے اس داویلے پر تیشہ چل جاتا ہے کہ حقانی صاحب ہندوستانی اکثر مسلمانوں کو گمراہ اور شرک زدہ قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے ان کی قبوری شریعت کے بھی پرخچے اڑ جاتے ہیں بشرطیکہ ارشد صاحب محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ اور امام ابن تیمیہ سے بھی بہت زمانہ پہلے کے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور امام رازیؒ کو بھی گمراہ اور نئے دین و ایمان کے حامل اور انبیاء و اولیاء کے مخالف نہ سمجھتے ہوں!

امام رازیؒ اپنے وقت کے ان مسلمانوں کے شرکیات کا رونا روتے ہیں جو بزرگوں کو صرف شفیع سمجھتے تھے لیکن آج مسلمان بزرگوں کو خدا کے حضور واسطہ، وسیلہ اور سفارشی ہی نہیں بلکہ حاجت روا، مشکل کشا اور متصرف کائنات بھی سمجھتے ہیں. اور یہ فتنہ اس گمراہی سے لاکھوں درجہ سنگین، اور بدترین ہے!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے وقت کے مسلمانوں کے بارے میں لکھتے ہیں.

اگر تو مشرکین عرب کے عقائد اور ان کے اعمال اور ان کے حالات کی پوری پوری تصویر سے واقف ہونا چاہتا ہے. تو اس زمانہ کے عوام و جہلا کو دیکھ لے کہ وہ قبروں اور آستانوں پر جاتے اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں." (الفوز الکبیر)

شاہ ولی اللہؒ ایک اور کتاب میں رقم طراز ہیں.

" جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کمتر ہے. آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے. ان فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟"

(التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم)

اب ہم ارشد القادری اور دیگر بریلوی اور بدعتی علماء سوء سے یہ دریافت کرنا چاہیں گے کہ حضرت عبد القادر جیلانی رح، امام فخر الدین رازیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ. جو کہ نہ دیوبندی تھے، اور نہ وہابی. کیا گمراہ بے دین. اور غیر مسلم تھے؟ کیا انھوں نے مسلمانوں کو بلا وجہ اہل کتاب اور بت پرستوں کے مانند گمراہ اور مشرک قرار دیا؟

باقی قسط آئندہ

• ارادہ ہو تو ہر کام ہو سکتا ہے • میں نے اپنے تمام مقدمے اللہ کے سپرد کر دیئے • جماعت کی پالیسی نیکی میں تعاون اور بدی کی مخالفت ہے • مولانا سندھیؒ کے سے اہلِ فضل و کمال اب کہاں

مرکزی شوریٰ کے ایجنڈے کی تمام مدّات میں سب سے زیادہ پرکشش و دل پسند مد بانئ جماعت کے ساتھ ارکان شوریٰ کی نشست تھی۔ ارکان شوریٰ نہ صرف اپنے محبوب معلم کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا چاہتے تھے بلکہ ان کے ارشادات سے دل کو منوّر کرنا بھی چاہتے تھے۔

جوڑوں کے درد کی وجہ سے مولانا کے لئے اب زیادہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ورنہ مولانا کا دستور تھا کہ وہ شوریٰ کے ہر اجلاس میں شرکت کے لئے خود منصورہ تشریف لے آتے تھے جوڑوں کے دردوں نے مولانا کی آمد و رفت گھر میں بھی محدود کر دی ہے کہ آپ منصورہ پہنچ سکتے۔ مولانا کا زیادہ وقت اپنے دفتر میں صرف ہوتا ہے، وہاں سے اپنی خوابگاہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ یا نماز کے لئے دفتر سے ملحق برآمدے میں پہنچ جاتے ہیں۔ جب مولانا کے سامنے شوریٰ کی خواہش کا اظہار کیا گیا؛ تو مولانا نے فرمایا کہ شوریٰ بعد عصر آجائے، چنانچہ ۱۱ر جنوری بعد عصر کا وقت مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا طے پا گیا۔

نشست کا انتظام مولانا کے دفتر کے پیچھے گھر کے برآمدے میں تھا۔ منصورہ سے گاڑیاں سوا تین بجے روانہ ہو کر نمازِ عصر کے قریب اچھرہ پہنچ گئیں۔ امیر جماعت نے نماز پڑھائی اس کے شوریٰ کے تمام ارکان پچھلے برآمدے میں پہنچ گئے۔

مولانا کا چہرہ روشنی میں چمک رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مولانا اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے کو لہلہاتا دیکھ کر بہت خوش ہو رہے ہیں۔ مولانا کی کرسی اپنی خوابگاہ کے دروازے کے قریب تھی اور شوریٰ کے ارکان آپ کے سامنے ایک دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا کی بائیں جانب امیر جماعت میاں طفیل محمد اور نائب امیر مولانا عباسی صاحب ایک تخت پر تشریف فرما تھے محمود اعظم فاروقی صاحب مولانا کے عین سامنے بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے سوال کیا، مولانا اب صحت کیسی ہے؟ مولانا جواب میں اپنے مرض کی تفصیلات بتانے لگے پھر آپ نے فرمایا کہ۔ ڈاکٹر نے ایک ٹیکہ تجویز کیا، جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا لیکن تلاش بسیار کے باوجود ٹیکہ دستیاب نہیں ہو سکا صرف دو ٹیکے ملے ان سے بہت فائدہ پہنچا۔

ایک صاحب نے مولانا سے ٹیکے کا نام دریافت کیا۔ تو آپ نے بتایا کہ اس کا نام DUROBLIN ہے یہ یہاں کا ساختہ تو مل جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ یہ ہالینڈ کا بنا ہوا ہونا چاہیئے چنانچہ اس کے لئے کویت ٹیلی فون کیا ہے شاید وہاں سے دستیاب ہو جائے۔

مولانا نے ابھی یہ جملہ فرمایا تھا کہ خلیل حامدی صاحب نے اطلاع دی کہ کویت سے پانچ ٹیکے آگئے ہیں۔ پھر خلیل حامدی صاحب نے بتایا کہ انھوں نے چار روز پہلے کویت ٹیلی فون کیا تو ان صاحب نے کہا۔ کہ میں ابھی بازار جاتا ہوں اور ٹیکے تلاش کر کے سیدھا ہوائی اڈے چلا جاؤں گا اور وہاں پاکستان جانے والے کسی مسافر کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔

سو ٹھیک چار روز میں ٹیکے کویت سے لاہور پہنچ گئے۔

اتنی دیر میں چائے آگئی اور ہلکی پھلکی گفتگو ہونے لگی۔ چائے ختم ہوئی تو مولانا پر سوالات کا تانتا بندھ گیا۔

ایک سوال تھا کہ عدلیہ کو غیر اسلامی قوانین کے کالعدم قرار دینے کے اختیارات کے بعد جماعت اسلامی کو بحیثیت جماعت کیا خدمت انجام دینی چاہیئے۔

مولانا نے فرمایا۔ یہ بنیادی اہمیت کا اقدام ہے۔ عدالتیں جب کسی مقدمے میں کسی قانون کو کالعدم قرار دیں گی۔ تو ان کے لیے سوال پیدا ہوگا کہ آئندہ نیا قانون کیا ہو۔ اس لیے میں نے تجویز دی تھی کہ عدالتوں کے ساتھ مفتی بھی مقرر کیے جائیں۔ کیونکہ وکلاء اور ججوں کی ساری تعلیم و تربیت مغربی قانون سے ہوتی ہے۔ وہ انگلستان اور امریکہ کے نظائر سے تو واقف ہیں لیکن اسلامی فقہ کے نظائر کا انھیں بخوبی علم نہیں۔ اسلام کے احکام کا اطلاق ان کے لیے مشکل ہوگا۔ میری تجویز کے جواب میں ایک بیان آیا کہ ججوں کو کسی مفتی کی ضرورت نہیں وہ فقہ اسلامی کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ جج انگریزی دور کے تیار کردہ مسلم پرسنل لاء کو تو جانتے ہیں۔ لیکن اسلامی قوانین اور فقہ کے اصل ماخذ سے واقف نہیں ہیں۔ فیصلوں میں جب غلطیاں آنا شروع ہونگی تب معلوم ہوگا کہ عدالتوں کو مفتیوں کی کیوں ضرورت ہے۔ اسلامی قانون کی انگریزی کتابوں میں تلفظ بھی رومن زبان میں دیا ہوتا ہے۔ جس کو صحیح پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے مسلم پرسنل لاء کی انگریزی کتابوں سے پڑھا ہے وہ صرف فقہ کی کتابوں کے نام صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے، بلکہ ان کے مصنفین کے نام بھی درست طور پر نہیں جان سکتے۔

مولانا نے تامل کے بعد فرمایا۔ جن لوگوں نے علم دین حاصل کیا ہوتا ہے، ان کی نگاہ جزئیات تک ہوتی ہے۔ وہ معاملہ کی حقیقت سے کما حقہٗ واقف ہوتے ہیں۔ اور یہی مراد تھی میری مفتی مقرر کرنے کی تجویز سے۔ مفتی کی نگاہ اسلامی حکم کی جزئیات پر بھی ہوتی ہیں اس لیے وہ صحیح طور پر جانتا ہے کہ شریعت کی کسی حکم کا کیا منشاء اور کیا محل ہے۔

ایک صاحب نے کہا۔ مولانا جماعت اسلامی اس معاملہ میں کیا رول ادا کرے۔

مولانا نے فرمایا: جماعت اس معاملے میں کئی پہلوؤں سے مدد کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر ممکن ہو تو اسلامی قانون کی بنیادی کتابوں کا ترجمہ کرانے میں مدد دے۔ اس کی فہرست مہیا ہو سکتی ہے اگر ان کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو گیا تو عبوری دور میں عدلیہ کی یہ بڑی اعانت ہوگی۔

مولانا نے وقفے کے بعد فرمایا۔ اسلامی اکیڈمی (کراچی) بھی یہ کام کر سکتی ہے۔

پھر مولانا نے فرمایا۔ قانون کو اسلامی بنانے کی ابتداء کے بعد آئندہ انتخابی مہم میں آپ کو عوام کے ذہن نشین یہ بات کرنی ہوگی کہ اسلامی قانون کا صحیح نفاذ صرف انہی لوگوں کے ہاتھوں، ہو سکتا ہے۔ جو اسلامی قانون کی رو سے صحیح طور پر واقف ہوں اور جو اس کے نفاذ کے اخلاص کے خواہاں ہوں۔ اب یہ عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا ووٹ صحیح استعمال کریں اور ان لوگوں کو منتخب کریں جو اسلامی قانون کا نفاذ صحیح طور پر کر سکتے ہیں۔

رفقاء کو احساس تھا کہ مولانا کے لیے زیادہ دیر تک بولنا اور لوں بیٹھنا تکان کا موجب ہوتا ہے۔ اس لیے ایک صاحب نے کہا مولانا آپکو زیادہ زحمت تو نہیں ہو رہی ہے۔؟

مولانا نے فرمایا۔ میں کام میں لگا رہتا ہوں تو پتہ نہیں چلتا جب فارغ ہوتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ــــ مجھ میں ــــ طاقت نہیں رہی۔

میاں صاحب اس پر بولے ــــ تو مولانا ــــ آپ فارغ ہی نہ ہوا کریں۔

اس پر پوری مجلس کشت زعفران بن گئی۔

ایک صاحب نے سوال کیا۔ مولانا بعض دینی جماعتوں کے مابین شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کیا کیا جائے۔

مولانا نے فرمایا۔ جن دینی جماعتوں کو دوسری جماعتوں سے اختلاف ہے وہ ان کے نزدیک فقہی نہیں بلکہ عقیدے کا اختلاف ہے۔

ایک صاحب نے کہا۔ مولانا! غیر اسلامی قوانین کو کالعدم قرار دینے کے حکم کے بعد بعض علمی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ قوانین کی چھانٹی کے بعد قانونی نظام میں خلا پیدا ہو جائے گا۔ اگر سود کو عدالت میں چیلنج کیا گیا اور عدالت نے اسے غیر اسلامی قرار دیدیا تو مالیاتی نظام بھی معطل ہو کر رہ جائے گا اور اس نوع کے متعدد خدشات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مولانا نے فرمایا۔ اصل بات یہ ہے کہ ارادہ ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ جب انگریز یہاں آئے تھے تو اپنے ساتھ ارادہ لائے تھے کہ اس ملک کے نظام کو تبدیل کر دیں گے، ان کے قانون اور رسم و رواج اور یہاں کے قانون اور رسم و رواج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لیکن وہ یہ تبدیلی کر کے رہے۔ ان کو کوئی فکر دامن گیر نہ ہوئی کہ تبدیلی سے کوئی خلا پیدا ہوگا اور کام رکے گا۔ کام کرنے کے لئے صرف ارادہ چاہیئے پھر سب کچھ از خود ہو جاتا ہے۔ جب کسی قانون کے غیر اسلامی ہونے کے بعد خلا پیدا ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ذہنوں پر زور دیا جائے گا۔ تمام ذرائع و وسائل کو جمع کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد راستہ نکل آئے گا۔

پھر مولانا نے مسکرا کر فرمایا۔ اصل چیز یہ ہے کہ مرید چاہیئے (مرید یعنی ارادہ کرنے والا)۔

مجلس پر خاموشی طاری تھی، ہر شخص ہمہ تن گوش بنا ہوا تھا۔

مولانا نے قدرے تامل کے بعد پھر فرمایا ہم اس ملک میں تیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ اور تمام رکاوٹوں کے باوجود کام کرتے رہے ہیں۔ کام کبھی رکتا نہیں ہے اس لیئے اس کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ کام رک جائیگا، تو پھر کیسے چلے گا۔

ایک صاحب نے کوئی بات کہی یا سوال کیا، لیکن وہ پچھلی صف میں بیٹھے تھے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ اسلامی قوانین اور اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ہم ہر اچھے اور صحیح کام کی تائید کریں گے، اور یہی جماعت اسلامی کی پالیسی ہے ہماری تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے ہر اچھے اقدام کی تائید کی، اور اب بھی جو کام اچھا ہوگا اس کی تائید کریں گے۔ بھٹو صاحب جب برسر اقتدار آئے تھے تو ہم نے ایک بیان کے ذریعے ان پر اپنی پالیسی واضح کر دی تھی کہ آپ کی حکومت جو صحیح کام کرے گی ہم کھلے دل سے اس کی تحسین و تائید کریں گے۔ پھر میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے صاف کہا کہ ہم آپ کے ہر اچھے کام کی تائید کریں گے لیکن جہاں اختلاف ہوگا ہم اس کا اعلانیہ اظہار کریں گے۔

مولانا کے قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے کچھ کہا تو مولانا پھر گویا ہوئے۔ ہم کو اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی ہم سے کہے تو ہم اس کی مدد کریں، اور نہ ہم کسی کی تکلیف میں اس سے فائدہ اٹھانا پسند کرتے ہیں۔ بھٹو جب تحریک کے ایام میں میرے پاس چل کر آیا تھا تو میں خوب سمجھتا تھا کہ وہ حاجت مند بن کر آیا ہے۔ ٹھیک اس زمانے میں ہمارے نوجوانوں پر قلعہ میں تشدد ہو رہا تھا۔ لیکن میں نے پسند نہ کیا کہ میں اس سے اس کے بارے میں کچھ کہوں۔

ایک صاحب نے کہا۔ مولانا بھٹو اب اپنے اصل مقام پر پہنچ گیا ہے۔؟

مولانا نے فرمایا۔ میں ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا۔ کہ بھٹو کا انجام عجیب سا نہ ہوگا اپنی آنکھوں سے اپنے زوال کو دیکھے۔ آج وہ اپنا زوال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

ایک صاحب نے اس پر کہا۔ مولانا آپ نے ایک مرتبہ جمعیت کے اجلاس میں غالباً کسی نوجوان کی شہادت پر اس کے لیے بد دعا کی تھی۔

مولانا نے فرمایا۔ میں نے جو جو مقدمہ اللہ کے سپرد کیا ہے اللہ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ لالہ بخش شہید اجتماع (٫۱۹۷۷) کی شہادت کے بعد میں نے وہ مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش کر دیا اور کالا باغ کا جو انجام ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ ایک بہت بڑا افسر جب نواب کالا باغ کے قتل پر اس کے ہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی لاش گیراج میں پڑی ہے اور اس کے لڑکے اوپر کی منزل میں بیٹھے چائے پی رہے ہیں ایسے لوگوں کو پھر رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے از راہ مزاح کہا۔ مولانا بھٹو صاحب کو تو بہت لوگ رو رہے ہیں۔

مولانا نے مسکرا کر کہا۔ ان کے رونے والے بیٹھے ہیں لیکن

وہ اپنے پیٹ کو رو رہے ہیں۔

اس سے مجلس خوب محظوظ ہوئی۔

ایک صاحب نے کہا۔ مولانا غلام مصطفیٰ کی اصلاح کے بارے میں بعض لوگ علمی اعتراضات کرتے ہیں۔

مولانا نے فرمایا۔ آپ ان اصطلاحوں کے جھگڑے میں نہ پڑیں آپ کام سے غرض رکھیں۔

ایک صاحب نے کہا۔ لیکن مولانا اسلامی نظام صرف قوانین کے اسلامی ہو جانے سے تو نہیں آجائے گا۔

مولانا نے فرمایا۔ یہ انڈے اور مچھلی والا معاملہ ہے۔ مچھلی انڈے سے پیدا ہوئی یا انڈا مچھلی سے۔ حکومت اسلامی ہو جائے تو ہر چیز درست ہو سکتی ہے، حکومت گمراہ ہو تو بڑی مشکلات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح حکومت درست نہیں ہو سکتی اگر رائے عامہ درست نہ ہو اگر حکومت کی زمام صالحین کے ہاتھ میں آجائے تو قوم ٹھیک ہو سکتی ہے میں اب یہ کہتا ہوں کہ اب انتخابات میں قوم کو یہ سمجھانے پر اپنی پوری قوت صرف کر دیجئے کہ ووٹ کا صحیح استعمال ہو۔ اگر دیانت دار اور نیک لوگ برسر اقتدار آگئے تو اسلامی نظام کی منزل قریب آجائے گی۔ آپ لوگوں سے کہئے کہ مارشل لار نے قانون اسلامی بنانے کا فیصلہ کر دیا ہے، اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار دیں جو اسلامی قانون کو صحیح طور پر نافذ کر سکتے ہوں۔

اگلی صف میں بیٹھے کسی صاحب نے کوئی بات کہی۔ تو اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ آپ لوگ کامیاب ہوں گے پچھلی اسمبلی میں آپ کے صرف تین ارکان تھے، لیکن وہ پوری حکومت پر بھاری تھے۔ آپ محنت سے کام میں لگے رہیئے انشاء اللہ اس کا ثمرہ آپ کو مل کر رہے گا۔

ایک صاحب نے کچھ کہا تو مولانا نے فرمایا۔ میری نگاہ میں اسلامی نظام کا پورا تدریجی خاکہ موجود ہے۔ اور مجھ سے جب پوچھا جاتا ہے، تو بتا دیتا ہوں۔

ایک صاحب نے کچھ کہا جو سنا نہ جا سکا، اس پر مولانا فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جو کوئی بھی صحیح کام کرے گا ہم اس کا ساتھ دیں گے۔ خواہ کوئی دوسرا اس کا ساتھ دے یا نہ دے۔ اور اگر کوئی اسلام کے خلاف کام کرتا ہے تو ہم اس کی مخالفت کریں گے خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے نظام میں چپڑاسی بننا ہمارے لئے زیادہ قابل فخر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہمیں غیر اسلامی نظام کی صدارت ملے۔

گفتگو اسی موضوع سے چلتی ہوئی تحریک اسلامی کے غیر ممالک میں اثرات تک جا پہنچی۔ خلیل حامدی صاحب نے کہا۔ مولانا ایک عرب نے کہا کہ مولانا کی تحریروں سے جو تصویر میرے ذہن میں ابھرتی ہے، بعض اوقات میں اسے کاغذ پر منتقل کر کے اس کو چومتا ہوں۔

مولانا نے مسکرا کر فرمایا تحریر سے لکھنے والے کا ایک نقشہ ذہن میں ضرور کھنچ جاتا ہے۔

پھر مولانا نے وقفے کے بعد فرمایا۔ ۱۹۳۹ء کی بات ہے مولانا عبید اللہ سندھیؒ رہائی کے بعد لاہور تشریف لائے مجھے ان کی آمد کی اطلاع ملی تو میں نے سوچا کہ میں ان کے استقبال کے لئے جاؤں گا۔ وہ سندھ ایکسپریس سے تشریف لا رہے تھے۔ ان سے میری پہلی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ انھوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ لاہور کے اسٹیشن پر بھیڑ ہوگی، شاید ان کی تلاش میں دقت ہو اس لئے مناسب ہے کہ ان سے لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر ملا جائے۔ جب گاڑی رکی تو میں نے گھوم پھر کر ادھر ادھر دیکھا۔ اچانک وہ تھرڈ کلاس کے ڈبے سے نکلے اور سیدھے میری طرف آئے۔ انھوں نے آتے ہی میرا ہاتھ پکڑ کر کہا آپ مودودی صاحب ہیں؟ میں نے ان سے پوچھا۔ آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمانے لگے میں نے آپ کی تحریروں سے آپ کا ایسا ہی حلیہ پایا۔ اس لئے میں آپ کو فوراً ہی پہچان گیا۔

مولانا تھوڑی دیر رک کر فرمانے لگے۔ ایسا صاحب فراست آدمی میں نے کم ہی دیکھا ہے۔

پھر فرمایا۔ میں نے ان کے نظریات پر بڑی کڑی گرفت کی تھی۔ وہ بڑی جلدی برہم ہو جاتے تھے۔ لیکن مولانا سندھیؒ میری ہر تحریر پڑھتے تھے، لیکن کبھی برا نہیں مانتے تھے۔ ان کے مزاج کے اعتدال کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک مرتبہ مولوی ظفر اقبال صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجھے مولانا سندھی سے ملنے کا شوق ہے۔ میں نے ان سے ان کی

ملاقات کروائی تو گفتگو میں مولوی صاحب نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو مولانا کے نظریات کے خلاف تھی۔ بس مولوی صاحب کی زبان سے بات کا نکلنا تھا کہ مولانا سندھی آپے سے باہر ہو گئے لیکن میرے ساتھ گفتگو میں ان کی آواز کبھی بلند نہیں ہوئی تھی۔

پھر مولانا نے توقف کے بعد فرمایا مولانا سندھی کے فضل و کمال میں کوئی شبہ نہیں۔ ایسے وسیع النظر عالم اب کہاں!

ایک صاحب نے سوال کیا۔ مولانا آپ کی علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی تھی اس کی تفصیل کہیں موجود ہے؟

مولانا نے فرمایا۔ میں نے ان سے اپنی ملاقات کے بارے میں لکھا ہے۔

سرحد کے مولانا فضل معبود صاحب نے سوال کیا۔ مولانا آپ نے اسلامیہ کالج پشاور میں جو تقریر فرمائی تھی وہ کس کی دعوت پر کی تھی؟ (اسلام اور جاہلیت، فروری ۱۹۴۱ء)

مولانا نے فرمایا۔ مجھے اب اچھی طرح یاد نہیں کہ تقریر کی دعوت کالج یونین کی جانب سے تھی۔ یا پروفیسر مولانا نورالحق صاحب کی جانب سے؟

اس پر ارباب سعید صاحب نے کہا کہ آپ کی تقریر کے بعد مجھے مولانا نورالحق صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا تو وہ بار بار فرما رہے تھے۔ اسے کہتے ہیں علم اور ایسا عالم ہوتا ہے!

مجلس لگے ایک گھنٹہ ہو رہا تھا۔ قیم جماعت چودھری رحمت الٰہی صاحب نے فرمایا۔ مولانا! ہمیشہ اندیشہ ہے کہ اس طویل مجلس سے آپ تھک جائیں گے۔ اس لیے ہم اجازت چاہتے ہیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مولانا کو اس مجلس سے راحت ہو رہی تھی۔ مولانا نے فرمایا۔ شام کی نماز میں تھوڑا ہی وقت ہے یہاں سے پڑھ کر جائیے۔ چودھری صاحب نے عرض کیا۔ مولانا! شوریٰ کی نشست نماز مغرب کے عین بعد شروع ہوتی ہے۔ اگر نماز پڑھ کر یہاں سے گئے تو بہت تاخیر ہو جائے گی۔

اس پر مولانا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بار بار فرماتے تھے یا اللہ جو تیرے دین کی مدد کرتے ہیں تو ان کی مدد فرما۔

دعا کے بعد ایک ایک رکن شوریٰ نے ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا جن کی حرکت صرف اللہ کے دین کے لیے ہوتی ہے۔

چند مفید اور قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۶/۰	شیر شاہ سوری	۱/۵۰	ورق ورق روشن	۳۰/۰
بلاغ المبین	۶/۵۰	ٹیپو سلطان	۱/۵۰	فیوضِ یزدانی	۰/۲۵
فتوح الغیب	۶/۰	محمد ابن قاسم	۱/۵۰	تیسیر القرآن اول	۳/۰
فرقہ اور بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰	طارق ابن زیاد	۱/۵۰	کلید تیسیر القرآن اول	۱/۰
روح تصوف	۵/۵۰	داتا گنج بخش	۱/۵۰	سیکولر جمہوریت اور اسلام	۳/۰
آداب زیارت قبور	۰/۸۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا کا انکار کیوں؟	۱/۲۰
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا ہے	۱/۲۰
بیمۂ زندگی	۰/۶۰	مہاتما بدھ	۱/۵۰	کیا خدا کی ضرورت نہیں؟	۱/۲۰
اپنی اصلاح آپ	۰/۶۰	جہانگیر	۱/۲۰	ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
تقلید کیا ہے؟	۰/۴۰	نور جہاں	۱/۲۰	خدا پرستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
اسلامی نظام ہی کیوں؟	۰/۶۰	زرتشت	۱/۲۰	دعوت حق غیر مسلموں میں	۱/۲۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟	۲/۰	خالد ابن ولید	۲/۵۰	بچوں کیلئے اقبال کی نظمیں	۰/۴۰
قرآن و حدیث	۴/۰	توضیح البیان	۱/۵۰	سیرت رسالتمآب	۳۰/۰
تلاش راہِ حق	۴/۵۰	سکھ اور جنگِ آزادی	۴/۰	مخزن معلومات	۲۰/۰
کثرت آبادی کا علاج	۰/۶۵	مولانا عبید اللہ سندھی	۴/۰	اصلاح انقلاب	۲۴/۰
قافلۂ سخت جاں	۰/۵۰	درس عبرت	۰/۷۵	ولی کامل	۶/۵۰
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	۰/۳۵	گلدستہ حدیث	۲/۵۰	حیات امام اعظم رح	۱۰/۰
مولانا مودودی سے ملئے	۱۰/۵۰	مختصر احکام حج	۲/۰	تذکرہ مولانا محمد یوسف رح	۹/۰
مولانا مودودی ۸۰ علماء کی نظر میں	۳/۰	راہِ حق کے دو مسافر	۲/۰	تفسیر رشیدی	۳/۰
حدیث دفاع	۱۲/۰	داعیٔ اعظم	۵/۰	مخدوم صابر کلیری رح	۳/۰
مکتوبات حضرت علی	۶/۰	چٹکتی کلیاں	۰/۷۵	اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰/۰
تصوف کی حقیقت	۶/۰	شہسوار	۲/۰		
سیرت ختم الرسل	۳/۰	اسلامی معاشرہ	۴/۰	قصص الانبیاء	۶/۰
عہد نبوی کے میدان جنگ	۳/۵۰	خطباتِ حنفیہ	۱۰/۵۰	حضرت حسن رض	۳/۰
جنت اور دوزخ	۲/۰	خطبات غوث اعظم	۱۰/۵۰	حضرت حسین رض	۳/۰
مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۷۵	حیات طیبہ	۵/۰	تعلیم ہدایت	۶/۰
صراطِ مستقیم	۶/۰	کتاب الصوم	۴/۵۰	ترجمہ کا فن اور روایت	۲۵/۰
صدائے جمہور	۱/۵۰	اسلامی فقہ مکمل	۱۵/۰	فریب تمدن	۱۰/۰

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچوا اپنے اہل و عیال کو بچاؤ
قرآن کریم کی ہلا دینے والی للکار
اور سانویں صدی ہجری کے امام نوویؒ حلد از جلد پکار

مجموعۂ حدیث ریاض الصالحین مترجم اردو

شارح مسلم امام وقت علامہ نوویؒ کی بے نظیر تالیف، ترغیب و ترتیب اور اصلاح تربیت سے متعلق چار سو سے زائد آیاتِ قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیث نبویؐ کا مجموعہ، الحاد و فساد کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن و سکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب۔ کسی دل گداز واعظ کے پُر تاثیر وعظ کی طرح دلنشیں۔ مقدس و متبرک الفاظ احادیث، خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح، دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسول سے لبریز کر دینے والا انداز بیان الحاد و دہریت کے اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کے لئے آج ہی اس کا مطالعہ فرمائیں، دو جلدوں پر مشتمل۔ سائز ۲۰×۳۰ مجلد رنگین جلد اول صفحات ۵۴۰ ہدیہ تیس (۳۰) روپے جلد دوم صفحات ۵۰۰ تیس (۳۰) روپے محصول ڈاک بذمہ ادارہ دونوں جلدیں ایک ساتھ منگانے والے حضرات کو -/۶۰ روپے کے بجائے -/۵۵ روپے کا وی' پی ارسال ہوگا۔ اس مبارک مجموعۂ حدیث کی اشاعت میں تعاون ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ کارڈ لکھ کر طلب فرمائیے۔

ادارہ درس قرآن کا ایک جدید سہ ماہی تاریخی پروگرام
علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ کی نہایت مستند تالیف

تاریخ الخلفاء (اردو)

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ یوم وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنہ ۹۰۰ھ تک۔ تقریباً نو سو سالہ مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ خلفائے راشدین (مدینہ منورہ، کوفہ)، خلفائے بنو امیہ (دمشق)، خلفائے بنو امیہ (اسپین)، خلفائے بنو عباس (بغداد)، خلفائے بنو عباس (قاہرہ)، خلفائے عبیدی (افریقہ)، فاطمی خلفائے مصر کی مکمل تاریخ اس اہم اور نادر کتاب میں موجود ہے۔ تاریخ اسلام کے شاندار دور کی پوری تاریخ اور اسی دور کے تمام حوادث و واقعات اور تمدنی حالات کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے گھروں میں اسلامی جذبات، نوجوانوں میں اعمال صالحہ اور بچوں میں خالدؓ و طارقؒ کی اسپرٹ پیدا ہوگی۔ تاریخ الخلفاء ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کو ادارہ چار حصوں میں شائع کر رہا ہے۔ پروگرام یہ عظیم تاریخ چار حصوں پر مشتمل ہوگی ہر فی حصہ دس روپے۔ ممبران کے لئے بذمہ ادارہ ممبر بننے کے لئے ایک کارڈ لکھ دیجئے۔ آپکو ہر تیسرے ماہ دس روپے کی وی' پی ارسال ہوگی جس کا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا ایک عظیم اور مکمل اسلامی تاریخ کی اشاعت۔ ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قرآنی جواہر پارے
جو امت محمدیہ کیلئے مینارۂ نور اور سرمایۂ سعادت ہیں
چودہ سو برس کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباسؓ اردو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی ترجمہ تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے، قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے، ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں، اردو زبان میں یہ نادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کیساتھ پیش کی جا رہی ہے، ترتیب متن قرآن شریف ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ صحابی رسول کی مقدس تفسیر، آیاتِ قرآنی کا دلنشیں شان نزول جامع اور اثر انگیز عنوانات۔ طریق اشاعت: ہر ماہ ایک پارہ شائع ہوتا ہے۔ ہدیہ فی پارہ چار روپے۔ محصول ڈاک بذمہ ادارہ ممبر بننے کے لئے ایک کارڈ لکھئے آپکو ہر دو ماہ چار روپے کی وی' پی سے ارسال ہوگی پانچ پارے یکجا مجلد ہدیہ -/۲۰ روپے دس پارے یکجا مجلد رنگین -/۳۵ محصول ڈاک بذمہ ادارہ۔ ایک عظیم صحابی رسول کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمائیے۔ خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے

(ادارہ درس قرآن دیوبند یوپی)

چند مفید اور قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۶/۰	شیر شاہ سوری	۱/۵۰	ورق ورق روشن	۳۰/۰
بلاغ المبین	۶/۵۰	ٹیپو سلطان	۱/۵۰	فیوضِ یزدانی	۰/۲۵
فتوح الغیب	۶/۰	محمد ابن قاسم	۱/۵۰	تیسیر القرآن اول	۳/۰
فرنگ اور عیسائیت کے چور دروازے	۴/۵۰	طارق ابن زیاد	۱/۵۰	کلید تیسیر القرآن اول	۱/۰
روحِ تصوف	۵/۵۰	داتا گنج بخش	۱/۵۰	سیکولر جمہوریت اور اسلام	۳/۰
آدابِ زیارتِ قبور	۰/۸۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا کا انکار کیوں؟	۱/۲۰
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰	خدا ہے	۱/۲۰
بیمۂ زندگی	۰/۶۰	مہاتما بدھ	۱/۵۰	کیا خدا کی ضرورت نہیں؟	۱/۲۰
اپنی اصلاح آپ	۰/۶۰	جہانگیر	۱/۲۰	ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
تقلید کیا ہے؟	۰/۶۰	نور جہاں	۱/۲۰	خدا پرستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
اسلامی نظام ہی کیوں؟	۰/۶۰	زرتشت	۱/۲۰	دعوتِ حق غیر مسلموں میں	۱/۲۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟	۳/۰	خالد ابن ولید	۲/۵۰	بچوں کیلئے اقبال کی نظمیں	۰/۴۰
قرآن و حدیث	۴/۰	توضیح البیان	۱/۵۰	سیرت رسالت مآب	۳۰/۰
تلاشِ راہِ حق	۴/۵۰	سکھ اور جنگِ آزادی	۴/۰	مخزن معلومات	۲۰/۰
کثرتِ آبادی کا علاج	۰/۶۵	مولانا عبید اللہ سندھی	۴/۰	اصلاحِ انقلاب	۲۶/۰
قافلۂ سخت جاں	۸/۵۰	درسِ عشرہ	۰/۷۵	ولی کامل	۶/۵۰
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	۰/۳۵	گلدستۂ حدیث	۲/۵۰	حیات امام اعظمؒ	۱۰/۰
مولانا مودودی سے ملئے	۱۰/۵۰	مختصر احکامِ حج	۲/۰	تذکرہ مولانا محمد یوسفؒ	۹/۰
مولانا مودودی ۸۰ علماء کی نظر میں	۳/۰	راہِ حق کے دو مسافر	۲/۰	تفسیر رشیدی	۳/۰
حدیثِ دفاع	۱۲/۰	داعیٔ اعظم	۵/۰	مخدوم صابر کلیریؒ	۳/۰
مکتوباتِ حضرت علی	۶/۰	چٹکتی کلیاں	۰/۷۵	اسلاف کے حیرت انگیز	
تصوف کی حقیقت	۶/۰	شہسوار	۲/۰	کارنامے	۱۲/۰
سیرت ختم الرسلؐ	۳/۰	اسلامی معاشرہ	۴/۰	قصص الانبیاء	۶/۰
عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ	۳/۵۰	خطباتِ حنفیہ	۱۰/۵۰	حضرت حسنؓ	۳/۰
جنت اور دوزخ	۲/۰	خطباتِ غوث اعظم	۱۰/۵۰	حضرت حسینؓ	۳/۰
مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۷۵	حیاتِ طیبہ	۵/۰	تعلیم ہدایت	۶/۰
صراطِ مستقیم	۶/۰	کتاب العلوم	۴/۵۰	ترجمہ کا فن اور روایت	۲۵/۰
صدائے جمہور	۱/۵۰	اسلامی فقہ مکمل	۲۵/۰	فریبِ تمدن	۱۰/۰

کتاب	قیمت
صحیفۂ ابرار	۲۵/۰
مومن اور مطالعۂ مومن	۳۶/۰
تاریخ محمودی	۱۰/۰
صحائف معرفت	۸/۵۰
رمضان کیا ہے؟	۳/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/۰
طبِ روحانی	۵/۰
شریعت اور تصوف اول	۸/۰
شریعت اور تصوف دوم	۵/۰
ذکر الٰہی	۲/۰
ذکر النبی	۲/۰
صراطِ مستقیم	۱۰/۰
مقبول نماز مترجم۔ مجلد رنگین	۱۰/۰
قبر کا عالم	۰/۸۰
کیا تبلیغ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے؟	۱/۰
حیاتِ جاوید	۱۵/۰
توحید و معرفت	۱۵/۹۵
اورنگ زیب اور شیواجی	۹/۰
دیوانِ حالی مع شرح	۲۰/۰
یادِ اقبال	۶/۰
اقبال اور تصوف	۷/۵۰
مقاماتِ اقبال	۱/۵۰
عرفانِ اقبال	۱۰/۰
ذکر اقبال	۱۲/۵۰
دلی سے اقبال تک	۹/۰
پیام اقبال	۱۰/۰
ترقی پسند ادیب	۶/۰
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء	۱۲/۵۰
اردو کی تین مثنویاں	۶/۰

کتاب	قیمت
یادگارِ غالب	۲/۵۰
داستانِ زبانِ اردو	۷/۵۰
آپ تقریر کیسے کریں مکمل	۳/۵۰
التوحید	۲/۰
وسیلہ کی حقیقت	۹/۵۰
سیرت خلفاء راشدین	۵/۰
تجرید بخاری شریف	۱۴/۰
ترمذی شریف اردو	۲۵/۰
مشکوٰۃ شریف اردو	۳۳/۰
مسلم شریف	۱۸/۰
موطا امام مالکؒ اردو	۱۰/۰
انتخاب صحاح ستہ اردو	۸/۰
شیطان کی سوانح عمری	۴/۵۰
جنات کے پُراسرار حالات	۴/۵۰
آسمانی سفرنامہ	۴/۵۰
غیبی آواز	۴/۵۰
خواجہ غریب نواز	۴/۵۰
روح تصوف	۴/۰
نقاد اللغات	۱۰/۰
فتاوی آستانہ مکمل	۹/۰
واقعات الصالحین	۴/۵۰
تاریخ اسلام	۱۵/۵۰
بہادر شاہ کی کنیز	۳/۰
دارا شکوہ کی رقاصہ	۳/۰
فرعون کا معاشقہ	۳/۰
اسپین کا مرد مجاہد	۳/۰
صحبتِ با اولیاء	۷/۵۰
مکتوبات خواجہ معصوم	۷/۰
طریق القلندر	۱/۵۰
طہارت	۱/۲۵
حضرت ابوبکر صدیق	۰/۸۵

کتاب	قیمت
حضرت عمر فاروق رضؓ	۱/۵۰
حضرت عثمان رضؓ	۰/۷۵
حضرت علی رضؓ	۰/۷۵
مقدمہ شعر و شاعری	۴/۵۰
رحمتِ عالم	۴/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	۴/۰
ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	۲/۷۰
مبادیات فقہ	۱/۵۰
العون الکبیر	۱۵/۰
حیات امام ابوداؤد	۲/۲۵
میلاد اکبر	۲/۵۰
نقش سلیمانی	۱۰/۰
اکبر ہدایت	۴۲/۰
نافع الخلائق	۲۰/۰
کنز الحسین	۱۰/۰
میزان الطب	۱۲/۰
اعجازِ رقم	۳/۲۵
حرزِ سلیمانی	۱۱/۰
بیاضِ یعقوبی	۱۰/۰
تعلیم الاسلام اردو	۴/۵۰
تعلیم الاسلام ہندی	۴/۵۰
شاہنامہ اسلام مکمل	۱۰/۰
مکتوبات امام ربانی	۹۷/۵۰
شرعی پردہ	۲/۰
اسلام کا اخلاقی نظام	۵/۷۵
التشبہ فی الاسلام	۱/۰
اجتہاد اور تقلید	[illegible]
شانِ رسالت	۳/۲۵
خاتم النبیینؐ	۶/۵۰

مکتبہ تجلی دیوبند (یو پی)

عارف سہیل

نظریۂ ارتقاء کا مقام

نظریۂ ارتقاء پر تجلی میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب مزید بحث کی گنجائش نہیں مگر میں آج بھی دیکھتا ہوں کہ کچھ تعلیم یافتہ حضرات بالخصوص وہ جو مغربی تہذیب سے اس حد تک متاثر ہیں کہ مغرب کے کسی نظریہ کے بارے میں یہ تحقیق کیے بغیر کہ وہ کس پایہ کا ہے اس پر ایمان لے آتے ہیں آج بھی نظریۂ ارتقاء کو علمی مسلمات میں سمجھتے ہیں۔ اس مضمون میں میں صرف یہی دکھلانے کی کوشش کروں گا کہ خود ارتقائی علماء کی جدید تحقیقات کی روشنی میں اور انھیں کے اندازوں کے مطابق یہ کس پایہ کا نظریہ ہے اور کیا اس کا وہ مقام ہے۔ کیا یہ ثبوت کی کوئی سیڑھی پڑھ کر اس منزل تک پہنچا ہے جہاں ہر صدق دل انسان کو اپنے نظریات اور ایمان پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ نظریۂ ارتقاء ہے کیا؟ مختصر الفاظ میں اس نظریہ کے مطابق زمین پر ابتداء میں زندگی کی سب سے آسان شکل موجود ہوئی جس کو بعد کے سائنس دانوں نے پروٹوپلازم کہا۔ پروٹوپلازم اس بنیادی مادہ کو کہا جاتا ہے جس میں زندگی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتی ہے۔ حیات کی ایسی آسان نوع سے بتدریج ترقی کرتے کرتے اور مرکب صورتیں تیار ہوئیں۔ حتیٰ کہ جتنی چیزیں آج ہم دیکھتے ہیں جن میں کسی بھی شکل میں حیات ہے مثلاً انسان حیوان اور نباتات کے وہ سب اس آسان نوع سے ارتقاء کے بعد ظہور میں آئیں۔ خصوصاً انسان بندر کی نوع سے ارتقاء کے بعد بنا۔ یہ ارتقاء جبلی انتخاب **Naturae Selection** کے ذریعہ عمل میں آیا۔ جو چیزیں اور اعضاء ضروری اور قابل استعمال تھے وہ باقی رہے، اور جو بے کار تھے فنا ہوتے چلے گئے۔ اس کے علاوہ ارتقاء میں خارجی اثرات کا بھی بہت ہاتھ رہا۔ اب تک کسی ارتقائی نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ حیات کی وہ سب سے آسان نوع جسے باقی ساری انواع کا مبدا کہا جاتا ہے۔ کہاں سے آئی؟ یہاں علم توالد **genetics** کا یہ اصول بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ کوئی بھی چیز جس میں کسی بھی شکل میں حیات نہ ہو کسی بھی ایسی چیز کو جس میں حیات ہو جنم نہیں دے سکتی۔ اسی کے مثل عالم کے ارتقاء کا نظریہ بھی پیش کیا گیا۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ شروع میں سدیم **Nebula** تھا جو سدیم گیسوں کی شکل میں چکر لگاتے ہوئے بہت بڑے مادہ کی مفروضہ شکل کا نام ہے سدیم سے ٹوٹ کر بہت سارے نظام شمسی اور ستارے بنے۔ پھر سورج کے پھٹنے سے سیارے بنے اور بہت سے سیاروں کے ٹکڑے الگ ہونے سے چاند بنے۔

اب آیئے دیکھیں کہ اس نظریہ کے بانی چارلس ڈارون نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چارلس ڈارون اس نظریہ کا بانی نہ تھا۔ ارتقاء کا نظریہ ڈارون سے بہت پہلے سے سائنس دانوں کے ذہن میں تھا اور بہت سے لوگ اس پر کام کر رہے تھے۔ مثلاً لمارک، نو دیار لس کا دادا

ارکیمس، ڈارون، لیوکریٹس اور الفریڈ رسل ویلیس وغیرہ ــــ یہ
سارے حضرات ارتقاء کا بنیادی نظریہ تو مانتے تھے کہ زندگی کی
سادہ اقسام نسبتاً آسان اقسام سے ترقی کرکے ظہور میں آئی ہیں۔ مگر
ان تبدیلیوں کی تفصیل بتانے میں ان کے درمیان اختلاف تھا چارلس
ڈارون کو نظریہ ارتقاء کا بانی صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ارتقاء کے
بنیادی عقیدہ کے ساتھ ان عظیم تبدیلیوں کی جو تفصیل اس نے بتائی
وہ ہی آجکل سائنسدانوں میں مقبول ہے۔ ڈارون اپنی کتاب ــ
"انواع حیات کا مبداء" Origin of Species کے آخر میں
نتائج کے زیر عنوان لکھتا ہے۔

"میں اب تک ان حقائق اور نظریات کا خلاصہ بیان کر چکا
جنھوں نے مجھے باور کرایا کہ انواع حیات ایک طویل زمانہ گزرنے
کے ساتھ تبدیل ہوتی چلی گئیں۔"

یہ جملہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ نظریہ خود ڈارون کی نگاہ میں
ثبوت کی حدود میں داخل نہ ہوا تھا۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے۔

"یہ مشکل ہی سے فرض کیا جا سکتا ہے کہ ایک غلط نظریہ جبلی
انتخاب کے نظریہ کو اور مذکورہ بالا حقائق کے بہت سارے درجات
کو اس قدر تسلی بخش طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں یہ اعتراض
کیا گیا ہے کہ یہ بحث کا بہت غیر محفوظ طریقہ ہے مگر یہ وہی طریقہ ہے
جسے روزانہ زندگی کے معروف واقعات کے متعلق رائے قائم کرنے
کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فلاسفر نے بھی [illegible]
استعمال کیا ہے۔ [illegible] روشنی کا نظریہ [illegible] اور زمین کا اپنے دھرے
پر گردش کرنے کا یقین [illegible] زمانہ قریب تک بغیر کسی صریح شہادت
کے بھی مانا جاتا تھا۔ یہ اعتراض بیجا نہیں ہے کہ سائنس اب تک
[illegible] حیات کی اصل اور مبداء پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی کشش ثقل کی اصل کو
کون سمجھا سکتا ہے؟ اس نامعلوم کشش سے نکالے گئے نتائج کے
اتباع پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا۔"

ہر ذی عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا طریقہ بحث
واقعی بہت غیر محفوظ ہے۔ زندگی کے روزمرہ کے واقعات و
معاملات میں جو طریقہ بحث اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ بہرحال اس قدر
اہم معاملات میں اختیار نہیں کیا جانا چاہیے۔ ڈارون اس اعتراض سے
یہ کہہ کر بچ جاتا ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر نے اس طریقہ
بحث کو اختیار کیا ہے۔ مگر کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ جواب
فلسفہ نیچریہ کو صحیح ماننے کے بعد ہی قبول کیا جا سکتا ہے اور اس
سے فلاسفہ کو تو ضرور مطمئن کیا جا سکتا ہے کہ ڈارون کی پیش کی ہوئی
تفصیلات کو غلط نہ کہا جائے۔ مگر خود بنیادی عقیدہ پر اعتراض کے لیے
اس کی اہمیت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہنا کہ کچھ پہلے کے نظریات
چونکہ بعد کو صحیح ثابت ہوئے اس لیے آج نہیں تو کل یہ نظریہ بھی ثابت
ہو جائے گا۔ عاقلوں کا طریقہ بحث نہیں ہے۔ کیا سائنس کی تاریخ میں
ایسے نظریات کی تعداد جو بعد کو غلط ثابت ہوئے ان سے زیادہ نہیں
ہے جو بعد کو صحیح ثابت ہوئے؟ پھر زمین کی گردش کا نظریہ ایسا تھا
جس کے عمل کو ہر انسان روزانہ اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ گو کہ اس کو
پورے طور سے سمجھنے کے آلات بعد کو تیار ہوئے۔ مگر نظریہ ارتقاء
ایک ایسا نظریہ ہے جس کے عمل کو دیکھنے کے لیے انسان لاکھوں
برس کی عمر چاہیے۔ لہٰذا اس نظریہ میں عملی نقطۂ نظر سے غلطی کا احتمال زمین
کی گردش کے نظریہ سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد کا جملہ اور
بھی غلط ہے۔ کشش ثقل کوئی ایسا نظریہ تھا اور نہ ہے جس میں وقت
کی کوئی اہمیت ہو۔ یہ تو قانون قدرت کی کھوج تھی جو بہرحال چند
سائنسی طریقوں سے تقریباً یقین کی حدوں کو پہونچی۔ کشش ثقل کا نظریہ
اس سے بحث نہیں کرتا کہ یہ قانون فطرت کب قائم ہوا اور اس میں
کیسے کیسے تبدیلیاں ہوئیں مگر نظریہ ارتقاء کی اصل ہی زمانہ کے ساتھ
انواع حیات کی تبدیلی و ترقی ہے۔ اور جو اہمیت وقت اور اصل کی
اس نظریہ میں ہے۔ اس کی عشر عشیر بھی کشش ثقل میں نہیں۔ یہی وجہ ہے
کہ کشش ثقل کا نظریہ تو بغیر اصل معلوم کیے بھی سائنسی لحاظ سے بنفسہ
مکمل ہے۔ مگر نظریہ ارتقاء بغیر اصل معلوم کیے مکمل نہیں ہو سکتا۔ مندرجہ
بالا اقتباس کا پہلا ہی جملہ یہ بتا رہا ہے کہ ڈارون اپنے نظریہ کو صرف
اس بناء پر منوانا چاہتا ہے کہ یہ جبلی انتخاب کے نظریہ کو تسلی بخش طور
پر سمجھا دیتا ہے۔ اول تو جبلی انتخاب کی بنیاد ہی ثابت شدہ نہیں۔ دوم
یہ کہ اگر اسے صحیح فرض بھی کر لیا جائے تب بھی ڈارون کا نظریہ صرف اسی
وقت تک صحیح ہے۔ جب تک کہ اس سے زیادہ تسلی بخش طریقہ پر
سمجھانے والا کوئی اور نظریہ پیش نہیں کیا جاتا کون کہہ سکتا ہے کہ ایک
مفروضہ کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد [illegible] تسلی بخش نظریات
[illegible] پوری

کتاب دیکھ لیجئے۔ خود ڈارون نے بھی کہیں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے یا حقیقت، یہ ہے وغیرہ۔ اس نے جہاں بھی نتائج اخذ کئے ہیں وہاں یہی لکھا ہے کہ واقعات اور آثار کی مسلسل کھوج نے اس کو یہ یقین دلادیا ہے وغیرہ۔ مثلاً اس کتاب میں آگے لکھتا ہے۔

حالانکہ مجھے اس کتاب میں خلاصہ کی شکل میں دیئے گئے، نظریات کا پورا یقین ہے۔۔۔۔ یا "جب اس کتاب میں میرے ذریعے دیئے گئے نظریات یا دلیس کے ذریعہ دیئے گئے یا اسی کے مثل انواع حیات کے مبدار کے متعلق اور نظریات تسلیم کرلئے جائیں گے۔۔۔۔" ڈارون اپنی دوسری کتاب "انسان کا نزول" (The Descent of Man.) کے آخر میں لکھتا ہے۔

"ہم کو بہرحال تسلیم کرنا چاہیے، جیسا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ انسان۔۔۔۔"

نظریہ ارتقار نے شک و شبہ کی ان اندھیریوں سے آج تک اگر کچھ ترقی کی ہے تو فقط چند سیڑھیاں اور وہ بھی ثابت شدہ نہیں۔ اصل میں نظریات پر نظریات اور مفروضات پر مفروضات قائم کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو فلاسفہ نیچریہ نے جاری کر رکھا ہے۔ مگر اس سارے سلسلہ کی اصل بذات خود بھی صرف مفروضہ یا نظریہ ہی ہے۔

جب نظریہ ارتقار کو قبول کرنے کے لئے حیات کی اصل معلوم ہونے کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔ تو ارتقائیوں کا جواب عجیب دلائل پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آرتھر تھومسن اپنی کتاب "انجیل ارتقا" The Gospel of Evolution میں لکھتے ہیں۔ "کسی بھی چیز کی تاریخ بتلانے کیلئے ایک سائنسی محقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک مبدا فرض کرلے جہاں سے وہ (اپنی تحقیق) شروع کر سکے۔ کینٹ نے کہا تھا۔ مجھے مادّہ دو اور میں اس سے ایک عالم بنادوں گا۔ لہٰذا علم الحیات کے عالم کے لیے بھی یہ کہنا بالکل جائز ہے۔ کہ تم کو چاہیئے کہ مجھے ابتدائی اور سب سے ادنیٰ درجہ کی زندگی سے شروع کرنے دو اس کے لیے میں کوئی سبب نہیں بتا سکتا۔ لیکن اگر تم مجھے زندگی کی پہلی نوع کو فرض کرلینے دو تو میں ارتقاء حیات کی کہانی کا خاکہ بتا سکتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک سائنس داں جو خدا پر ایمان اس لیے نہیں لاتا کہ یہ نظریہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنا نظریہ منوانے کے لیے ایک دوسرے انسان کے ایسے قول کو کیسے بنیاد بنا سکتا ہے جس کی علمی قدر و قیمت کچھ بھی نہیں کینٹ کا قول ایسا تو سائنس کے نام پر دھبہ ہے۔ جسے سائنس کی کتابوں میں لکھنا بھی نہیں چاہیئے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک دیہاتی کہے کہ ساری نباتات کا خالق میں ہوں یا میرے جیسے انسان اس لیے کہ مجھے بیج، زمین، پانی، کھاد وغیرہ دو، میں درخت، پیڑ، پودے اگاکر دکھادوں گا۔ جتنا لچر یہ قول ہے اتنا ہی کینٹ کا قول ہے مجھے نہیں معلوم کہ کینٹ نے اس قول میں جس عالم کی بات کی ہے اس میں حیات شامل تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو وہ کس قسم کا مادّہ مانگ رہا تھا وہ جس میں زندگی موجود ہو یا مردہ۔؟ اصل میں یہاں پھر وہی ایک مفروضہ بلکہ مجذوب کی بڑ کو صحیح مان کر اور اس کو بنیاد بناکر اپنا نظریہ منوانے کے لیے انسان کو دھونسانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر کینٹ کے اس قول کے الفاظ کے بجائے اس کی روح کو دیکھا جائے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارتقاء عالم کے غیر ثابت شدہ نظریہ کو صحیح فرض کرلینے کے بعد ارتقاء حیات کے نظریہ کو صحیح منوایا جارہا ہے اور وہ بھی کسی صحیح مناسبت کی بنار پر نہیں۔ کیا کہئے گا اگر ارتقاء عالم کے بجائے ارتقائے حیات کو بنیاد بناکر اپنا نظریہ صحیح منوائیں۔ کیا صورت حال "من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو" سے کچھ بھی مختلف ہوگی۔

حیات کی اصل کے متعلق، ایک نظریہ الفریڈ رسل ولیس نے پیش کیا تھا۔ جب اس نے مردہ اشیار سے زندگی کے ظہور، شعور کی اصل اور انسان کی دوسری بہت سی خصوصیات کے متعلق سوچا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ ترقی کی یہ اہم منزلیں ایک غیر مرئی عالم کے اثر سے طے ہوئیں۔ اس غیر مرئی عالم کو اس نے عالم ارواح کہا اور عالم مادی کو اس کے ماتحت بتایا۔ یہ نظریہ غلط تو تھا ہی مگر اسے جن وجوہات کی بنار پر ارتقائی علمار نے رد کیا وہ قابل غور ہیں۔ پروفیسر تھومسن نے اپنی کتاب میں اس کی وجہ

ذیل چند وجوہات بیان کی ہیں۔

اول یہ کہ یہ کہنا کہ سائنس حیات کی اصل، شعور کی ابتدا اور انسان کی دوسری خصوصیات جیسی ارتقار کی اہم منزلوں پر زیادہ روشنی نہیں ڈال پائے گی قبل از وقت ہے۔ دوم یہ کہ دلیس کے نظریات میں ایک ناخوشگوار رائے ہے کہ زندگی کی ابتدائی طبیعی تخلیق ناقص تھی اور یہ کہ ارتقار کی اہم منزلیں طے کرنے کے لیے خصوصی امداد کی ضرورت پڑی۔ سوم یہ کہ دلیس کا نظریہ ایک کے بجائے دو عالم ماننے پر مجبور کرتا ہے اور آخر میں یہ کہ اس نظریہ میں تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ کیا ان وجوہات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ حضرات کسی خصوصی طاقت کا تصور قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہیے کہ کیا یہ سارے داؤں پیچ بغیر کسی سائنسی ثبوت کے ایک نظریہ کو رد کرنے کے لیے یہ ساری ذہنی قلابازیاں اس ذہنیت کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جو پہلے سے طے کر چکی ہے کہ کوئی ایسا نظریہ قبول نہ کیا جائے جو آگے چل کر خدا کے وجود کو ضروری بنا دے۔

جس اصول کی بنا پر یہ حضرات دلیس کا نظریہ رد کرتے ہیں اسی اصول کی خلاف ورزی خود اپنا نظریہ منوانے کے لیے جا بجا کرتے ہیں۔ مثلاً سائنسی تحقیقات کے مطابق (اور ان تحقیقات کا ماخذ پتھروں اور چٹانوں میں دبے ہوئے ڈھانچے اور آثار ہیں) دنیا کا سب سے پہلا پرندہ آرکیوپٹیرکس تھا اس کے ڈھانچے میں پروں کے علاوہ منہ میں دانت اور چھپکلی کی طرح دم بھی پائی گئی تو کیا سائنس کی رو سے اس سے زیادہ کچھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا ایک پرندہ دنیا میں کبھی تھا۔ حقیقت تو بس اتنی ہی ہوئی۔ اب اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ پرندہ کسی رینگنے والے جانور سے ترقی کر کے بنا ہوگا۔ کیا قبل از وقت نہیں ہوگا کیا اپنے اس اصول کی رو سے یہ نظریہ بھی اس وقت تک کے لیے رد کر دینے کے قابل نہیں ہے جب تک اس کا کوئی پختہ ثبوت نہ مل جائے یا کم از کم اس رینگنے والے جانور اور پرندے کے بیچ کی تمام کڑیاں نہ مل جائیں جو یقیناً بہت ہونگی اگر ڈینوسار جیسے دیو ہیکل جانور کے آثار چٹانوں میں ملتے ہیں تو کیا اس سے زیادہ سے زیادہ ثابت ہوتا ہے تو ڈینوسار کبھی دنیا میں تھا یہ کہنا کہ ڈینوسار اس لیے ختم ہو گیا کہ اس کی ضرورت نہ رہی اور اس سے ترقی کر کے انواع حیات نکل آئیں آخر کس ثبوت پر مشتمل ہے؟ اور اگر میں یوں کہوں کہ خدا نے ڈینوسار بنایا اور اپنی کسی مصلحت کی بنا پر ختم کر دیا تو آخر کونسی حقیقت، تحقیق یا ثبوت سے میرا نظریہ رد کیا جا سکتا ہے، سوائے اس کے کہ میرا نظریہ سائنسدانوں کے دل کو نہیں لگتا۔ یہ کہنا کہ سائنس کی رو سے خدا کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے نہیں مانا جا سکتا تو کشش ثقل اور حیات کے مبدا کو جاننے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے اسے کیوں مانا جائے اگر صرف اس لیے کہ کشش ثقل ہے۔ اس لیے اس کی اصل ضرور ہوگی ــــ اور حیات ہے اس لیے مبدا ضرور ہوگا گو کہ ہم جان نہ پائیں۔ تو اگر میں یہ کہوں کہ یہ عالم اور اس کی نوع بہ نوع اشیا ہیں اور سب سے بڑھ کر میرا ذہن ہے اس لیے ان سب کا صانع ضرور ہوگا گو کہ ہم جان نہ پائیں اس لیے کہ ہر چیز کے لیے بنانے والا ضرور ہونا چاہیے۔ جب تک کہ وجود ثابت نہ ہو جائے اب بتلائیے کہ میرا نظریہ دنیا کے کونسے سائنسی اصول (جسے واقعی اصول کہا جا سکے) سے رد کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی سے بھی نہیں۔ میرا نظریہ وجود عالم اور اس کی تمام اشیار کے وجود کو زیادہ بہتر اور تسلی بخش طریقہ پر سمجھا جاتا ہے سائنس داں ہر چیز کا ایک مبدا فرض کر لیتے ہیں۔ پھر آگے بڑھتے ہیں میں بھی ساری کائنات کا ایک خالق اپنے رب کو مانتا ہوں ــــ سائنس دانوں کا مفروضہ مبدا ان کے اپنے ذہن اور مفروضات اور نظریات کے ایک طویل سلسلہ پر غور محض سے تشکیل پاتا ہے میرا مبدا دنیا کے سب سے سچے انسانوں ان کے اعمال ان کے معجزات اور ان کی خبر صادق اور خدا کی نشانیوں پر مشتمل ہے سائنس کا یہ اصول کہ جو چیز ہے اس کا بنانے والا ضرور ہوگا۔ زیادہ ثابت شدہ ہے اور اس سے صرف ایک خالق کائنات کو مستثنیٰ کرنا کوئی سائنسی اصول نہیں۔ میرا مقصد اس بحث سے یہ نہیں ہے کہ تحقیقات بند کر دی جائیں۔ نہیں ــــ تحقیقات جاری رہیں اور زور و شور سے جاری رہیں مگر صرف جتنا ثابت ہو۔ جو حقائق سامنے آئیں انہی کو مانا جائے عقلی پچی کاریوں کے ذریعہ ان سے ایسے نتائج تخلیق نہ کیے جائیں جن کا ان

حقائق سے کوئی صریح ثبوت نہ ملتا ہو اور جن کا ماننا انسانوں کی زندگی کا مقصد ہی بدل دے۔

نظریہ ارتقار کا مقام خود ارتقائی علمار کی نظر میں کیا ہے؟ پروفیسر تھومسن لکھتے ہیں۔

"موجودہ زمانہ میں اس امر کے متعلق کہ انواع حیات موجودہ شکلوں تک کیسے آئی ہونگی۔ سائنس صرف ایک ہی تصور پیش کرتی ہے اور وہ ارتقار کی تصویر ہے۔ اس کے خلاف کوئی سائنسی نظریہ نہیں ہے۔ آجکل یہ صرف ایک نظریہ نہیں بلکہ چیزوں کو دیکھنے کا واحد طریقہ ہے، اور جہاں تک سائنس کا تعلق ہے۔ آجکل اسکے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔"

گویا یہ نظریہ صرف اس لیے مانا جائے کہ اس کے علاوہ اور کوئی سائنسی نظریہ نہیں ہے۔ سب سے پہلے سائنس کی تعریف سمجھ لی جائے۔ لغات میں سائنس کی اولین تعریف ان الفاظ میں ملتی ہے۔

"حقائق، مظاہر اور قوانین کا علم جو قطعی مشاہدہ، تجربہ اور باضابطہ غور و فکر سے حاصل ہو۔"

اس تعریف کے لحاظ سے سائنس ایک ایسا طریقہ تحصیل علم ہے جس پر یقین کرنے کی کافی وجوہات ہیں۔ مگر باضابطہ غور و فکر کو گھسیٹ کر یقین سے اس قدر دور لے جایا جائے کہ وہ شک و شبہ کی وادی میں کھو جائے اور حقائق اور مشاہدات کا باضابطہ غور و فکر کسی بھی ذہن کی تخلیق بن جائے اور اس کے باوجود بھی سائنس کی سچائی کے تصور کو اتنا ہی پختہ مانا جائے، علمی بے ایمانی نہیں تو کیا ہے؟

سائنس کی اس تعریف کے لحاظ سے تو نظریہ ارتقار بھی سائنسی نظریہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ سائنس کی اس تعریف میں باضابطہ غور و فکر کا ایک مطلب تو یہ ہے۔ کہ غور و فکر سے صرف اسی حد تک نتائج اخذ کیے جائیں۔ جہاں تک ضابطہ موجود ہو اور دوسرے یہ کہ غور و فکر سے حاصل کیے ہوئے نتائج گو کہ تجربہ سے نہ جانچ سکتے ہوں مگر قریب قریب اس پایہ کے ہوں جیسے تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں اگر باضابطہ غور و فکر کی اس سے نیچی کوئی اور سیڑھی بھی مان لی جائے تو سائنس یقین کی حدود سے بہت دور چلی جاتی ہے نظریہ ارتقار ضابطہ کی ان حدود کا پابند نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص پتھروں کے بیچ ایک پودا اگا دیکھے اور اس کے پاس پتھر کھود کر دیکھنے کے اوزار نہ ہوں تو اس کا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ پودا پتھروں ہی میں سے نکلا ہے۔ کیا اس پایہ کے باضابطہ غور و فکر کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے جو سائنس کی تعریف میں آتا ہے؟

آگے چل کر پروفیسر تھومسن "انجیل ارتقار" میں لکھتے ہیں کہ نظریہ ارتقار کو تجربہ سے تو نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ مگر یہ منطقی طور پر سدیمی مفروضہ Nebular Hypothesis کے مدمقابل ہے، جو نظام شمسی کی پیدائش کا ایک سبب بتاتا ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک نظریہ کو ایک مفروضہ کے مدمقابل بنا دینے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے اور سائنس کے ذریعہ علم حاصل کرنے کا، یہ کونسا طریقہ ہے۔

جدید تحقیقات:-

اب میں بہت مختصر الفاظ میں چند ان جدید تحقیقات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو نظریہ ارتقار کے صریح خلاف ہیں۔

۱۹۳۸ء میں مس لاٹیمر کو جنوبی افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل پر ایک عجیب مچھلی ملی جس کا وزن ۱۲۷ پونڈ اور رنگ نیلا تھا۔ یہ مچھلی ایک ماہر ماہیات پروفیسر اسمتھ کو بھیجی گئی۔ پروفیسر اسمتھ نے اس مچھلی کو دیکھ کر کہا۔ "میری حیرت شاید ہی اس سے زیادہ ہوتی اگر میں ایک ڈینوسار کو سڑک پر گھومتے دیکھ لیتا۔" پروفیسر موصوف کی حیرت کی وجہ یہ تھی کہ یہ مچھلی سیلاکانتھ مچھلیوں کی نوع سے تھی جس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ یہ نوع آج سے سات کروڑ سال پہلے ختم ہو گئی۔ مڈغاسکر کے سائنسی تحقیقات کے ادارہ کے ڈائریکٹر جیکیس ملاٹ کے الفاظ میں "کروڑوں سال کے اس طویل زمانہ میں سیلاکانتھ کی شکل اور ڈھانچہ وہی رہا ہے اور یہ ارتقار کا ایک بہت بڑا معمہ ہے۔" یہ مچھلی ان بے شمار انواع حیات میں سے ایک ہے جو کروڑوں برس سے بغیر کسی تبدیلی کے ویسی ہی ہیں، اور ان میں کوئی ارتقار نہ ہوا۔ اس ضمن میں چند اور انواع کا ذکر سن لیجئے۔

سا کرد چ جو ایک نہایت حقیر کیڑا ہے۔ علم ارتقار کے مطابق پچھلے ۳۵ کروڑ سال میں بالکل تبدیل نہیں ہوا ہے۔ عام کالی چیونٹی جیسی

آتا ہے۔ بالکل اسی شکل کی سات کروڑ سال پرانے آثار میں پائی
گئی ہے چپٹا، لمبا اور پروں والا کیڑا [illegible] غلافی آج بھی بالکل ویسا
ہی ہے جیسا آج سے ۷ کروڑ برس قبل کے آثار میں ملتا ہے۔
سیپ اور گھونگھے کے بالکل موجودہ شکلوں کے ڈھانچے اور آثار
ان چٹانوں میں ملے ہیں جن کی عمر ۳۰ کروڑ سال خیال کی جاتی ہے سیپ
اور گھونگھوں کی اس قسم کے بارے میں خیال تھا کہ یہ ۲۸ کروڑ
سال پہلے ختم ہو چکی۔ مگر یہ آج بھی موجود ہے۔ اور بغیر ارتقاء کے
نیوزی لینڈ کے چند جزائر میں پایا جانے والا ایک رینگنے والا جانور
ٹواٹارا پچھلے ۱۵ کروڑ سال سے ذرا نہیں بدلا ہے۔ ۱۹۱۰ء
میں چارلس والکوٹ نے برٹش کولمبیا میں چند حیرت انگیز تحقیقات
کیں۔ یہاں چٹانوں کا ایک سلسلہ ہے جو پچاس کروڑ برس پرانا
خیال کیا جاتا ہے۔ ان چٹانوں میں دبے ہوئے آثار اور ڈھانچوں کی
مدد سے والکوٹ نے دو سو انواع حیات کا پتہ لگایا جو آج بھی
ویسی ہی ہیں۔ ارتقائی واقعی حیرت زدہ ہیں کہ یہ ساری انواع
پچھلے پچاس کروڑ سال میں کیوں ذرا بھی تبدیل نہ ہوئیں۔ یہاں یہ
بات بھی قابل ذکر ہے کہ ارتقائی سیڑھی پر دنیا کے سب سے
پہلے سانس لینے والے حیوان بچھو اور کنکھجورے کی قسم کے
تھے، جو آج سے کروڑوں بلکہ اربوں سال پہلے پیدا ہوئے ارتقائی
سائنس والوں کے لیئے آج کے بچھو اور کنکھجورے کی مشابہت
واقعی حیرت انگیز ہے۔

یہ تو تھا جانوروں کا تذکرہ۔ اب ذرا نباتات پر
آئیے۔ پام کی قسم کا سائیکاڈ نامی پودا آج بھی تقریباً ویسا ہی ملتا ہے
جیسا آج سے بیس کروڑ برس قبل کے آثار میں ملتا ہے۔ مشہور پیڑ
گنکو جس کا پھل کھایا بھی جاتا ہے۔ اور جو بیج والے پودوں کا دادا
خیال کیا جاتا ہے۔ اپنے دس کروڑ برس پرانے آثار سے بالکل
نہیں بدلا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جس پیڑ کو ارتقائیوں نے
کروڑوں سال ترقی کے لیئے دیئے اس نے ذرا بھی ترقی نہ کی۔

مذکورہ بالا جانور اور درخت ان بے شمار میں سے چند
ہیں جو پچھلے کروڑوں برس سے بالکل نہیں بدلے ہیں۔ مزید مثالوں
کے لیئے چند نام اور درج کیئے دیتا ہوں۔ سیکویا، ہورس ٹیل، [illegible]
وغیرہ درخت۔ مگرمچھ، تنبو مچھلی، خار پشت، سیپ کی بہت سی

[illegible] کیپا اور کڑیال وغیرہ اور سب سے [illegible] ایک
قسم کا پودا ہے۔ اور نظریۂ ارتقاء کے مطابق ساری حیات اسی
قسم کے پودوں سے نکلی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ یہ آج بھی ویسی ہی موجود
ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حیوانات و نباتات کے سارے
نظام نے ٹھان لی ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو غلط ثابت کر کے رہیگا۔

ان مخالف شہادتوں کے متعلق، ارتقائیوں کے مختلف
خیالات ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ "اس راز کا پانا بہت ہی مشکل ہے
کہ کیوں ان انواع میں ارتقاء نہ ہوا، اس لیئے کہ ان سب میں
کوئی مشترک خصوصیات نہیں ملتیں۔ ایک اور ماہر کے الفاظ
ہیں۔ "ہم ان مخصوص انواع کے لیئے کوئی تفصیلی وجوہات نہیں
بتا سکتے اور یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے"

اس پوری بحث کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے
کہ نظریہ ارتقاء فقط ایک نظریہ ہے جو چند مفروضات اور
تصورات کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ دوم یہ کہ یہ ہرگز اس پایہ کا نظریہ
بھی نہیں ہے کہ کسی انسان کو جو اس سے مختلف کوئی بھی نظریہ
رکھتا ہو اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنا پڑے۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو
شرم آنی چاہیئے اگر وہ نظریہ ارتقاء کی وجہ سے اپنے ایمان
پر نظر ثانی کریں حالانکہ میں اپنے نظریات کی حمایت میں بہت
سے سائنسی اصول پیش کر سکتا ہوں۔ مگر اول تو چونکہ اس مضمون
کا مقصد ہی یہ نہیں ہے۔ دوم یہ کہ میرے نظریہ کے متعلق صرف
اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ دنیا کا سب سے قدیم نظریہ ہے
اور ایماندار لوگ کسی بھی موجودہ اور قائم شدہ نظریہ کو اس
وقت تک رد نہیں کرتے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی
ثبوت یا دلیل نہ مل جائے۔ اس لیئے اس کی حمایت صرف
اسی قدر کہوں گا کہ میرے ایمان کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ
اس کے خلاف آجتک نہ کوئی ثبوت ملا ہے اور نہ مل سکتا ہے
یہ طریقہ ثبوت بالکل سائنس کے مطابق ہے اسلیئے کہ سائنس میں
The rmo dynamics. کا پہلا اصول جس کے بل پر آج سارے
حرارت والے انجن چل رہے ہیں۔ صرف اسی طرح
ثابت کیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی
ثبوت نہیں۔

اسوۂ صحابہؓ — خالد ھمایوں

امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہو

انسانی معاشرے میں بے اطمینانی کی کیفیت تب پیدا ہوتی ہے جب افراد میں مال و دولت سے رغبت حد سے بڑھ جائے فیاضی، کشادہ دلی اور سخاوت۔ ایسے الفاظ کے مطالب گہنا جائیں اور بخل و حرص اور تنگ دلی جیسی منفی قدریں نشوونما پانے لگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ اپنی ذاتی تربیت و توجہ سے قائم فرمایا۔ اس کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ وہاں ہر فرد دوسرے کے دکھ درد کا سچا ساتھی اور ضرورت مند کے سوال کرنے سے پہلے نواز دینے کا عادی ہوتا تھا۔ اصحاب رسولؐ نے اس پہلو سے جو نادر مثالیں قائم کی ہیں، انھیں آج مشعل راہ بنانے کی اشد ضرورت ہے ہمارے معاشرہ میں ہر حربے سے دولت حاصل کرنیکا جنون پھیلتا جارہا ہے اور بخشش و عطا کا پاکیزہ جذبہ مدھم پڑ گیا ہے اس حال میں کیا ہم مسلمانوں کا فرض نہیں کہ ہم اپنے اسلاف کی زندگیوں پر نگاہ ڈالیں یقیناً اس پریشان نظری کے لئے داروئے درماں ہیں سے مل سکتا ہے

بساطِ عالم کو یوں جلا دی ہے جس سے بھی بھڑک گئی ہے

کدورت دل کی نکھر تیرگی میں چراغ روشن ہے آگہی کا

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے" (الحدید)

قرآن مجید کی یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح انصاریؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟"

حضورؐ نے جواب دیا۔

"ہاں اے ابوالدحداحؓ" انھوں نے کہا۔

"آپؐ نے اپنا ہاتھ انکی طرف بڑھا دیا انھوں نے آپکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

"میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیدیا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے اسی میں انکا گھر تھا، وہیں انکے بال بچے رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا۔

"دحداح کی ماں، گھر سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب

آج ہے۔ بالکل اسی شکل کی سات کروڑ سال پرانے آثار میں پائی گئی ہے پتلا، لمبا اور پروالا ایک ہرا رنگین فلائی آج بھی بالکل ویسا ہی ہے جیسا آج سے ۷ کروڑ برس قبل کے آثار میں ملتا ہے۔ سیپ اور گھونگھے کے بالکل موجودہ شکلوں کے ڈھانچے اور آثار ان چٹانوں میں ملے ہیں جن کی عمر ۴۰ کروڑ سال خیال کی جاتی ہے سیپ اور گھونگھوں کی اس قسم کے بارے میں خیال تھا کہ یہ ۲۸ کروڑ سال پہلے ختم ہوچکی۔ مگر یہ آج بھی موجود ہے۔ اور بغیر ارتقاء کے نیوزی لینڈ کے چند جزائر میں پایا جانے والا ایک رینگنے والا جانور ٹھارلپ پچھلے ۱۵ کروڑ سال سے ذرا نہیں بدلا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں چارلس والکوٹ نے برٹش کولمبیا میں چند حیرت انگیز تحقیقات کیں۔ یہاں چٹانوں کا ایک سلسلہ ہے جو پچاس کروڑ برس پرانا خیال کیا جاتا ہے۔ ان چٹانوں میں دبے ہوئے آثار اور ڈھانچوں کی مدد سے والکوٹ نے دوسو انواع حیات کا پتہ لگایا جو آج بھی ویسی ہی ہیں۔ ارتقائی واقعی حیرت زدہ ہیں کہ یہ ساری انواع پچھلے پچاس کروڑ سال میں کیوں ذرا بھی تبدیل نہ ہوئیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ارتقائی سیڑھی پر دنیا کے سب سے پہلے سانس لینے والے حیوان بچھو اور کنکھجورے کی قسم کے تھے، جو آج سے کروڑوں بلکہ اربوں سال پہلے پیدا ہوئے ارتقائی سائنس والوں کے لیے آج کے بچھو اور کنکھجورے کی مشابہت واقعی حیرت انگیز ہے۔

یہ تو تھا جانوروں کا تذکرہ۔ اب ذرا نباتات پر آئیے۔ پام کی قسم کا سائیکاڈ نامی پودا آج بھی تقریباً ویسا ہی ہے جیسا آج سے بیس کروڑ برس قبل کے آثار میں ملتا ہے۔ مشہور پیڑ گنکو جس کا پھل کھایا بھی جاتا ہے۔ اور جو بیج والے پودوں کا دادا خیال کیا جاتا ہے۔ اپنے دس کروڑ برس پرانے آثار سے بالکل نہیں بدلا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جس پیڑ کو ارتقائیوں نے کروڑوں سال ترقی کے لیے دیئے اس نے ذرا بھی ترقی نہ کی۔

مذکورہ بالا جانور اور درخت ان بے شمار میں سے چند ہیں جو پچھلے کروڑوں برس سے بالکل نہیں بدلے ہیں۔ مزید مثالوں کے لیے چند نام اور درج کیے دیتا ہوں۔ سیکویا، ہورس ٹیل، ہیلوکیلی وغیرہ درخت۔ مگرمچھ، تنبو مچھلی، خار پشت، سیپ، بہت سی قسم۔ بچھوا اور گھڑیال وغیرہ اور سب سے اہم کائی کا ایک قسم کا پودا ہے۔ اور نظریۂ ارتقاء کے مطابق ساری حیات اسی قسم کے پودوں سے نکلی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ یہ آج بھی ویسی ہی موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حیوانات و نباتات کے سارے نظام نے ٹھان لی ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو غلط ثابت کرکے رہیگا۔

ان مخالف شہادتوں کے متعلق، ارتقائیوں کے مختلف خیالات ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ "اس راز کا پانا بہت ہی مشکل ہے کہ کیوں ان انواع میں ارتقاء نہ ہوا، اس لیے کہ ان سب میں کوئی مشترک خصوصیات نہیں ملتیں۔ ایک اور ماہر کے الفاظ ہیں۔ "ہم ان مخصوص انواع کے لیے کوئی تفصیلی وجوہات نہیں بتا سکتے اور یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے۔"

اس پوری بحث کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ نظریہ ارتقاء فقط ایک نظریہ ہے جو چند مفروضات اور تصورات کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ دوم یہ کہ یہ ہرگز اس پایہ کا نظریہ بھی نہیں ہے کہ کسی انسان کو جو اس سے مختلف کوئی بھی نظریہ رکھتا ہو اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنا پڑے۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو شرم آنی چاہیئے اگر وہ نظریہ ارتقاء کی وجہ سے اپنے ایمان پر نظر ثانی کریں حالانکہ میں اپنے نظریات کی حمایت میں بہت سے سائنسی اصول پیش کرسکتا ہوں۔ مگر اول تو چونکہ اس مضمون کا مقصد ہی یہ نہیں ہے۔ دوم یہ کہ میرے نظریہ کے متعلق صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ دنیا کا سب سے قدیم نظریہ ہے اور اسیا ندار لوگ کسی بھی موجودہ اور قائم شدہ نظریہ کو اس وقت تک رد نہیں کرتے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت یا دلیل نہ مل جائے۔ اس لیے اس کی حمایت میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ میرے ایمان کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے خلاف آجتک نہ کوئی ثبوت ملا ہے اور نہ مل سکتا ہے یہ طریقۂ ثبوت بالکل سائنس کے مطابق ہے اسلیے کہ سائنس میں Thermodynamics کا پہلا اصول جس کے بل پر آنا سارے حرارت والے انجن چل رہے ہیں۔ صرف اسی طرح ثابت کیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔

اسوۂ صحابہؓ

— خالد ہمایوں۔

امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہو

انسانی معاشرے میں بے اطمینانی کی کیفیت تب پیدا ہوتی ہے جب افراد میں مال و دولت سے رغبت حد سے بڑھ جائے فیاضی، کشادہ دلی اور سخاوت۔ ایسے الفاظ کے مطالب گہنا جائیں، اور بخل و حرص اور تنگ دلی جیسی منفی قدریں نشوونما پانے لگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ اپنی ذاتی تربیت و توجہ سے قائم فرمایا۔ اس کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ وہاں ہر فرد دوسرے کے دکھ درد کا سچا ساتھی اور ضرورت مند کے سوال کرنے سے پہلے نواز دینے کا عادی ہوتا تھا۔ اصحاب رسولؐ نے اس پہلو سے جو نادر مثالیں قائم کی ہیں، انھیں آج مشعل راہ بنانے کی اشد ضرورت ہے ہمارے معاشرہ میں ہر حربے سے دولت حاصل کرنیکا جنون پھیلتا جارہا ہے اور بخشش و عطا کا پاکیزہ جذبہ مدھم پڑگیا ہے اس حال میں کیا ہم مسلمانوں کا فرض نہیں کہ ہم اپنے اسلاف کی زندگیوں پر نگاہ ڈالیں یقیناً اس پریشان نظری کے لئے دارو وہیں سے مل سکتا ہے ؎

بسا عالم کو یوں جلادی ہے حرم سے پھوٹی ہے کرن

کہ ذرے ذرے کی نظر میں چراغ روشن ہے آگہی کا

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے" (الحدید)

قرآن مجید کی یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح انصاریؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟"

حضورؐ نے جواب دیا۔

"ہاں اے ابو الدحداحؓ" انھوں نے کہا۔

آپؐ نے اپنا ہاتھ انکی طرف بڑھا دیا انھوں نے آپکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

"میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیدیا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے اسی میں انکا گھر تھا، وہیں انکے بال بچے رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کرکے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا۔

"دحداح کی ماں، گھر سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب

کو قرض میں دیدیا ہے؟" وہ بولیں:

"تم نے آج کا سودا کیا دعوت کے باپ! اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لیکر باغ سے نکل گئیں۔

عہد رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہؓ ایک دولتمند صحابی تھے ایک دن رسولؐ اللہ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔

"جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے انکو سخت عذاب کی بشارت دیدو۔"

اتفاق سے حضرت مالکؓ کا گذر ہوا تو یہ آیت سن کر ان پر غشی طاری ہوگئی ہوش میں آئے تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا یہ آیت ان لوگوں کے لیئے نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں؟" ارشاد ہوا ہاں! بولے "شام ہونے تک مالک کے پاس ایک درہم اور ایک دینار نہ ہوگا" چنانچہ شام تک انھوں نے اپنی کل دولت خیرات کردی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماؓ سگی بہنیں تھیں دونوں بڑی فیاض اور کشادہ دل تھیں۔ البتہ دونوں کے طرز عمل میں اختلاف تھا حضرت عائشہ کا معمول تو یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں۔ جب معتدبہ سرمایہ جمع ہوجاتا تو اسکو تقسیم کردیتی تھیں۔ لیکن حضرت اسماؓ کل کیلیئے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں۔ جو کچھ ملتا روز کا روز صرف کردیا کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فیاضی اور دریادلی کے واقعات سے اسلامی تاریخ کے صفحات قیامت تک جگمگاتے رہیں ایک بار انکے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آگئے انھوں نے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں میں تقسیم کردیئے یہانتک کہ جب کل رقم خرچ ہوچکی تو ایک مستحق کو ان سے ہی قرض لیکر دیدیا۔ وہ اکثر روزے سے رہتے تھے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا تو وہ روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھلانا انکو بہت پسند تھا انکے دسترخوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہوجاتے تھے کہ بعض لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانیکا اتفاق ہوتا تھا ایکبار انکی خواہش سے مچھلی پکائی گئی، سامنے آئی تو ایک سائل آگیا انھوں نے اٹھا کر اسے دیدی۔

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار درہم تنخواہ لیتے تھے جو غربا و مساکین میں تقسیم کردیا کرتے تھے ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں سلمان بیمار پڑے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عیادت کیلیئے گئے سلمان نے فاتح ایران کو دیکھا تو رونے لگے۔ سعد نے پوچھا ابو عبداللہ کیوں روتے ہو؟ اگر دنیا سے چلے گئے تو حضور اکرمؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے ساتھیوں سے جنت میں ملاقات ہوگی حضورؐ جب دنیا سے گئے تو تم سے خوش تھے۔" فرمانے لگے "موت سے تو کوئی ڈرتا نہیں لیکن نبی اکرمؐ کو ہم کیا منہ دکھائینگے کہ دنیا کا مال و اسباب ہم نے اپنے گرد جمع کر رکھا ہے۔" سعدؓ کہتے ہیں کہ جب میں انکے سارے مال کا جائزہ لیا تو صرف تین برتن تھے اور ایک بڑی چادر تھی جس سے بستر کا کام لیا کرتے تھے اور اس سامان کو بھی وہ سانپ کے نام سے پکارا کرتے تھے

ایک شخص پر حضرت ابوالیسرؓ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آئے تو اس نے لونڈی سے کہلوایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں انھوں نے آواز سن لی اور کہا کہ گھر سے نکلو میں نے تمہاری آواز سن لی وہ گھر سے نکلا تو پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا کہ تنگدستی نے مجبور کردیا ہے۔" بولے! "اللہ اللہ! جاؤ تمہارا قرض معاف ہے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض معاف کردیا وہ قیامت کے دن خدا کے زیر سایہ ہوگا۔"

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا ایران کے شاہی خزانے مدینے پہنچنے لگے لیکن صحابہ کرامؓ اس آب رواں سے اپنا دامن تر ہونے سے بچائے رکھا حضرت سعیدؓ بن عامر حمص کے گورنر تھے لیکن جو کچھ ملتا تھا سب صرف کردیتے تھے اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے ایکبار حضرت عمرؓ حمص میں آئے اور حکم دیا کہ یہاں کے محتاجوں کے نام لکھے جائیں فہرست پیش ہوئی تو اس میں حضرت سعید بن عامرؓ کا نام بھی تھا نام دیکھ کر تعجب سے پوچھا، کون سعید بن عامر؟ لوگوں نے کہا ہمارے گورنر۔ بولے! ہمارا گورنر کیونکر محتاج ہوسکتا ہے انکا وظیفہ کیا ہوتا ہے! لوگوں نے کہا۔ وہ سب صرف کردیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انکی یہ کیفیت سنی تو آبدیدہ ہوگئے انکے پاس ہزار اشرفیوں کا توڑا بھیجا، انھوں نے اشرفیاں دیکھیں تو انا للہ پڑھنے لگے۔ بیوی نے سنا تو کہا "کیا امیرالمومنین کی شہادت ہوئی، کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی؟" بولے "اس سے بھی بڑھ کر واقعہ پیش آیا، میرے پاس دنیا آگئی، میرے پاس فتنہ آیا۔" بی بی نے کہا "تو اس کو صرف کرڈالیے۔"

انھوں نے صبح ہوتے ہی ساری رقم فوج میں تقسیم کردی۔

خصوصی مضمون

سید قطب شہیدؒ

بے مثال قرآنی امت

یہ ایک نمایاں تاریخی حقیقت ہے جس پر دعوت اسلامی کے قافلے کو دیر تک ٹھیر کر غور کرنا چاہئے. خواہ وہ کسی بھی زمانے اور زمین کے کسی بھی خطہ میں ہو۔ ضرورت ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے. کیونکہ دعوت کے رُخ اور اس کے طریق کار پر اس کے بہت ہی گہرے اور فیصلہ کن اثرات پڑ سکتے ہیں۔

اس دعوت نے انسانوں کی ایک جماعت تیار کی تھی ــــ صحابۂ کرامؓ کی جماعت ــــ ایسی جماعت جو تاریخ اسلام بلکہ پوری تاریخ انسانیت میں اپنی مثال نہیں رکھتی، لیکن پھر دوبارہ ویسی جماعت نہ تیار ہو سکی۔ ہاں اس طرح کے کچھ افراد ضرور تاریخ کی سطح پر ظاہر ہوئے، لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ ویسے افراد اتنی عظیم تعداد میں کسی ایک جگہ اکٹھا ہو گئے ہوں۔

یہ ایک واضح اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر ٹھیر کر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ شاید اس کا کچھ راز معلوم ہو۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آپؐ کا اُسوہ اور آپؐ کی سیرت، سب کچھ ہمارے سامنے ہے، جس طرح کہ اس پہلی اُمت کے سامنے تھا، جو دوبارہ تاریخ میں ظہور پذیر نہ ہو سکی۔ ہماری نگاہوں سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اوجھل ہے تو کیا اس کا یہی راز ہے۔؟

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا بالفعل موجود ہونا اس دعوت کے قائم ہونے اور اس کے برگ و بار لانے کے لئے ناگزیر ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اس دعوت کو سارے انسانوں کے لئے کبھی عام نہ کرتا آپؐ کو سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی کبھی نہ بناتا. اور زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کے معاملے کو قیامت کے لئے آپؐ کی رسالت پر کبھی موقوف نہ قرار دیتا۔

لیکن خدائے برتر نے قرآن کی تو مکمل حفاظت کا ذمہ لیا اور چونکہ اس کے علم میں تھا کہ یہ دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی قائم اور ثمر بار ہو سکتی ہے۔ اس لئے ۲۳ (تیئیس) سالہ پیغمبرانہ زندگی کے بعد اس نے آپؐ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا۔ اور اس دین کو رہتی دنیا تک کے لئے باقی رکھا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی اس کا سبب نہیں بن سکتی۔

تو پھر ہمیں کسی دوسرے سبب کا سراغ لگانا چاہئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کونسا سرچشمہ تھا جس سے وہ پہلی امت سیراب ہو رہی تھی؟ ہو سکتا ہے اس میں

اس میں کچھ تغیر ہو گیا ہو۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کونسے اصول تھے جن پر اس امت کی تربیت ہوئی تھی! ممکن ہے ان میں کچھ فرق آ گیا ہو۔

وہ پہلا سرچشمہ جس سے وہ پہلی امت سیراب ہوئی تھی وہ قرآن تھا، صرف قرآن۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپؐ کا عملی اسوہ تو در اصل اسی چشمہ سے پھوٹی ہوئی شاخیں تھیں چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ سے اخلاق رسالتؐ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو بولیں:

كان خلقه القرآن — آپ کا خلق قرآن تھا

تنہا قرآن ہی وہ سرچشمہ تھا جس سے وہ لوگ سیراب ہوتے تھے۔ اور یہی وہ سانچہ تھا جس میں وہ اپنے آپ کو ڈھالتے تھے۔ اور ایسا اس لئے نہ تھا کہ اس وقت انسانیت تہذیب و ثقافت سے ناآشنا اور علوم و فنون سے بے بہرہ تھی۔ ایسا اس لئے نہ تھا کہ (۳) کتابوں کے ذخیرے نہ تھے۔ تحقیقات کے انبار نہ تھے...... بخدا یہ سبب ہرگز نہ تھا۔ کیونکہ وہاں رومی تہذیب و ثقافت موجود تھی۔ اس کی وہ کتابیں اور قوانین موجود تھے جو آج کے یورپ کا سب سے بڑا سہارا ہیں۔ وہاں یونانی تہذیب کے بھی آثار پائے جاتے تھے۔ اس کے منطق و فلسفہ اور علوم و فنون کا وہاں بھی غلغلہ تھا' جن سے آج تک فکر مغرب سیراب ہو رہا ہے۔ وہاں ایرانی تہذیب کا بھی چرچا تھا۔ اسکے علوم و فنون، اس کی شاعری، اس کی روایات، اس کے نظام ہائے حکومت سے وہ لوگ بخوبی واقف تھے۔ ان کے علاوہ دور و نزدیک کی بہت سی تہذیبیں تھیں جیسے ہندوستانی اور چینی تہذیبیں پھر رومی اور ایرانی تہذیبیں شمال و جنوب سے جزیرۂ عرب کو اپنے آغوش میں لیئے ہوئے تھیں جبکہ یہودیت اور نصرانیت خود قلب جزیرہ میں اپنے پر جمائے ہوئے تھیں۔ معلوم ہوا کہ اس امت نے اگر تربیت اور تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں اپنی تمامتر توجہات صرف کتاب الہی پر مرکوز کر دیں، تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ عالمی تہذیبوں اور ثقافتوں تک اس کی رسائی نہ تھی۔ بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور ایک طے شدہ منصوبے کے تحت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں توراۃ کا ایک نسخہ دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غضبناک ہو جانا اور پھر یہ فرمانا:

وانه والله لو كان	اور بخدا اگر موسیٰ تمہارے
موسىٰ حيا بين اظهركم	درمیان زندہ ہوتے تو ان
ما حل له الا ان	کے لیئے بھی جائز نہ ہوتا سوائے
يتبعني.	اس کے کہ وہ میری پیروی
	کریں۔

اس بات کی انتہائی روشن دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ تشکیل...... کے ابتدائی مرحلے میں جس سرچشمہ سے وہ امت سیراب ہو...... وہ صرف کتاب الہی ہو۔ تاکہ اس کے دلوں پر صرف اسی کا نقش ہو۔ اور اس کی اٹھان صرف اسی کے متعین کردہ خطوط پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے سرچشمہ سے سیراب ہو رہے ہیں۔ تو آپؐ غصہ سے بے تاب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ایک ایسی امت تیار ہو جس کے دل و دماغ خالص ہوں، جس کا فکر و شعور خالص ہو، جس کے تصورات و افکار خالص ہوں، جس پر قرآن کریم کے پیش کردہ خدائی اصولوں کے علاوہ اور کسی چیز کی چھاپ نہ ہو۔

چنانچہ وہ امت صرف اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ میں وہ ایک انفرادی شان کی مالک ہوئی...... پھر کیا ہوا! بہت سے چشمے آپس میں مل گئے! وہ چشمہ جس سے بعد کی آنے والی نسلیں سیراب ہوئیں، اس میں ایرانی روایات و تصورات، یہود کا اسرائیلیات، عیسائی الہیات، اور کے علاوہ

دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کے سوتے آکر مل گئے ان چیزوں کی جہاں فقہ و اصول میں آمیزش ہوئی وہیں علم تفسیر اور علم کلام بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکے چنانچہ اس پہلی امت کے بعد آنے والی ساری ہی نسلیں اسی غیر خالص سرچشمے سے سیراب ہوتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ویسی امت دوبارہ وجود میں نہ آسکی۔

اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے سرچشمے کا غلط ملط ہوجانا اس بے مثال اور امتیازی نسل اور بعد میں آنے والی نسلوں کے درمیان اس قدر نمایاں فرق ہونے کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔

سرچشمے کا مزاج بدل جانے کے علاوہ ایک دوسرا بنیادی سبب بھی ہے۔

قرآن سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں اس بے مثال امت کا جو انداز تھا آج وہ انداز بدل گیا۔

اس امت کے افراد قرآن اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ اس سے تہذیب و ثقافت میں زیادتی یا معلومات میں اضافہ ہو۔ اس لئے بھی نہیں کہ اس سے تفریح خاطر یا حظِ طبع کا سامان ہو۔ ان میں کا کوئی شخص قرآن اس لئے نہیں سیکھتا تھا کہ اس سے ثقافت برائے ثقافت کا بہت سا توشہ فراہم کرلے۔ اس لئے بھی نہیں کہ اس کے علمی اور فقہی مسائل سے اپنی جھولی بھر لے۔ وہ قرآن صرف اس لئے سیکھتا تھا کہ وہ یہ جان لے کہ خود اس کی ذات کے سلسلے میں خدائے تعالیٰ کے کیا احکام ہیں۔ پھر وہ جس جماعت میں شامل ہے اس کے متعلق اس کے کیا احکام ہیں۔ پھر اس کی اپنی زندگی، اور اس کی جماعت کی زندگی کے بارے میں اس کی کیا منشاء ہے۔ وہ یہ باتیں صرف اس لئے جاننا چاہتا تھا کہ سنتے ہی ان پر عمل کرے۔ جس طرح کہ ایک فوجی میدانِ کارزار میں اپنی ڈیوٹی اس لئے معلوم کرتا ہے کہ وہ جانتے ہی سرگرم عمل ہوجائے یہی وجہ ہے کہ ان میں کا کوئی فرد ایک ہی نشست میں بہت سا قرآن جان لینے کی کوشش نہ کرتا۔ کیونکہ وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ قرآن جان کر وہ اپنے دوشِ ناتواں پر فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک بارِ گراں لاد رہا ہے۔ چنانچہ وہ دس ہی آیتوں پر بس کرتا۔ یہاں تک کہ انھیں اچھی طرح یاد کرلے۔ اور اپنی عملی زندگی میں انھیں نافذ بھی کرلے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ شعور .... علم برائے علم کا شعور... قرآن میں ان کے سامنے کیفیات کی ایک دنیا اور علم و معرفت کا ایک جہانِ بیکراں کھول کر رکھ دیتا، جو کبھی ممکن نہ تھا وہ اگر بحث و تحقیق اور علم و اطلاع کی غرض سے اسے ہاتھ لگاتے۔ پھر یہ شعور ان کے لئے عمل کے خارزار سے گزرنا آسان کردیتا۔ فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل میں ان کو گرانی نہ محسوس ہوتی۔ قرآن ان کے اندر بالکل جذب ہوکر رہ جاتا۔ ان کی شریانوں میں جان بن کر دوڑنے لگتا۔ وہ ایک عملی نظریہ اور متحرک ثقافت کی شکل میں ان کی زندگی میں چلتا پھرتا نظر آتا۔ وہ ان کے ذہن کے کونوں اور مصاحف کے اوراق میں معتکف نہ رہتا۔ ان سرحدوں کو عبور کرکے عملی دنیا میں جلوہ ریز ہوتا اور راہوارِ زندگی کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔

قرآن اپنے خزانوں سے صرف اسی کو مالا مال کرتا ہے جو اس روح اور اس شعور کے ساتھ اس کی طرف بڑھے علم و واقفیت کی اس روح کے ساتھ بڑھے جو عمل پر ابھارنے والی ہو۔ قرآن تفریح ذہن و دماغ کی کتاب بنکر نہیں آیا۔ وہ کسی کتاب فن و ادب کی حیثیت سے بھی نہیں آیا۔ وہ قصہ و تاریخ کی بھی کتاب نہیں —— اگرچہ یہ ساری ہی چیزیں اس کے اندر موجود ہیں —— قرآن تو اس لئے آیا ہے کہ وہ نظامِ زندگی بنے۔ خالص خدائی نظامِ زندگی۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ نظامِ زندگی تھوڑا تھوڑا کرکے مختلف اوقات میں نازل فرمایا ہے:-

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ اور قرآن کو ہم نے حصے بخرے

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا. اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کے سامنے پڑھو اور اسے ہم نے انتہائی تدریج کے انداز سے اتارا ہے۔

قرآن پاک یکبارگی نہیں نازل ہوا ہے۔ وہ تو پیش آنے والی نت نئی ضرورتوں کے لحاظ سے نازل ہوا ہے۔ افکار و تصورات کے تدریجی ارتقاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے نازل ہوا ہے زندگی اور سوسائٹی کی تدریجی اٹھان کے مطابق نازل ہوا ہے، جو امت مسلمہ کو اس کی عملی زندگی میں پیش آتی تھیں ایک آیت یا چند آیات خاص حالات میں کسی متعین واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوتیں اور ان کے ذہنی سوالات کے جواب دیتیں۔ معاملہ کی صحیح صورت حال ان کے سامنے رکھتیں۔ اور پھر اس موقع پر ان کے لئے راہ عمل متعین کرتیں ان کے شعور و عمل کی غلطیوں کی اصلاح کرتیں، اور ان ساری ہی معاملات میں ان کا تعلق خدا سے جوڑتیں۔ اس وقت وہ محسوس کرتے، گویا وہ ملائے اعلیٰ کے ساتھ رہ رہے ہیں خدا کی نگاہ کے سامنے، قدرت الٰہی کی آغوش میں۔ اور پھر یہیں سے وہ اپنی عملی زندگی میں خدائی نظامِ زندگی کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتے۔

"تنفیذ و عمل کے نقطۂ نظر سے سیکھنا" یہی وہ اصول تھا جس کے نتیجہ میں وہ پہلی امت وجود میں آئی تھی۔ اور "پڑھنا اور حظ حاصل کرنا" یہی وہ اصول ہے جس کے نتیجہ میں بعد کی نسلوں کا ظہور ہوا۔ اس میں شک نہیں، کہ یہ دوسرا سبب اس بے مثال اور امتیازی نسل سے بعد کی نسلوں کے مختلف ہونے کا بنیادی سبب ہے۔

ایک تیسرا سبب بھی ہے جو اس قابل ہے کہ اسے یہاں ذکر کیا جائے اور اس پر خاص توجہ دی جائے۔ اس وقت جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا تو اس کی جو کچھ بھی جاہلیت کے سایہ میں گزرے ہوئے اپنے پورے ماضی کا لبادہ اتار کر ڈال دیتا۔ وہ جس لمحہ اسلام کی طرف آتا، ایسا محسوس کرتا گویا وہ ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہے جو اس زندگی سے بالکل مختلف ہے جو جاہلیت کی مسموم فضاؤں میں گزری ہے وہ ساری چیزیں جن سے وہ جاہلیت میں مانوس تھا، اب ان کو وہ شک و ریب اور خوف و اندیشہ کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس وقت اس کو یہ احساس ہوتا کہ یہ ساری چیزیں بالکل پلید ہیں، جو اسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں اور اسی احساس کے ساتھ وہ اسلام کے نئے اصولوں کو اختیار کرتا۔ اب اگر کبھی وہ اپنے نفس سے مغلوب ہو جاتا یا عادتوں کی رو میں بہہ جاتا، یا وہ اسلام کی تکالیف کی تاب نہ لا پاتا...... دوسرے ہی لمحہ سے اپنی خطاء و لغزش کا احساس ہو جاتا اور اس کا ضمیر شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کرتا کہ کسی طرح وہ اس آلائش سے پاک ہو جائے، اور پھر نئے سرے سے کوشش کرتا کہ وہ قرآنی ہدایت سے اپنے کو ہم آہنگ کر سکے۔

اس وقت دورِ جاہلیت کے سایہ میں گزرے ہوئے مسلمان کے ماضی میں اور اسلام کی آغوش میں پروان چڑھنے والے زمانۂ حال میں شعوری طور پر زمین آسمان کا فرق ہوتا۔ اور پھر یہی کیفیت گرد و پیش کے جاہلی ماحول سے پیدا ہونے والے روابط اور اس کے اجتماعی تعلقات میں نمایاں طور پر نظر آتی۔ چنانچہ اب وہ اپنے جاہلی ماحول سے انتہائی دور اور اسلامی ماحول سے غایت درجہ قریب ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ تجارت اور لین دین کی دنیا میں کچھ مشرکوں سے تعلق بھی رکھتا تو شعوری علیحدگی اور شئے ہے۔ اور لین دین اور تجارتی تعلق اور شئے ہے۔

وہاں جاہلی ماحول، جاہلی رسم و رواج، جاہلی تصورات اور جاہلی عادات اور تعلقات سے مکمل علیحدگی ہوتی کیونکہ اس کی زندگی میں عقیدۂ شرک کی بجائے عقیدۂ توحید؛ اور جاہلی تصورات کے بجائے اسلامی تصور داخل ہوتا۔ وہ نئی اسلامی تنظیم اور اس کی

نئی قیادت میں بالکل ضم ہوتا۔ اور اس معاشرے اور اس قیادت کا بالکل مطیع و تابعدار اور ہمدرد وفادار ہوتا۔

یہی دور اہم۔ یہی نئی راہ میں بڑھنے کے لئے نقطۂ آغاز تھا۔ وہ مسلمان اس راہ میں اس طرح بڑھتا کہ جن روایات پر نظام جاہلیت کی بنیاد ہوتی اور جن تصورات و اقدار کی ان میں حکمرانی ہوتی، ان کے دباؤ سے بالکل آزاد ہوتا۔ اس وقت ایسے مسلمان کے لئے اذیتوں اور آزمائشوں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔ لیکن اپنے طور پر اس کا عزم بھی انتہائی محکم ہوتا۔ وہ ذرا بھی پیچھے ہٹنے کے لئے آمادہ نہ ہوتا، اور جاہلی تصور اور نظام جاہلیت کی روایات اس پر کوئی راہ نہ پاسکتیں تھیں

اس وقت ہم اسی جاہلیت سے دوچار ہیں جس جاہلیت سے اس دور کا اسلام دوچار ہوا تھا، بلکہ یہ جاہلیت اس سے بھی زیادہ تاریک و بھیانک ہے۔ ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہے سب جاہلیت ہے۔ لوگوں کے تصورات و عقائد، ان کی عادات و روایات، ان کی تہذیب و ثقافت، ان کے علوم و فنون، ان کے دستور و قوانین۔ حتیٰ کہ جن چیزوں کو ہم اسلامی ثقافت، اسلامی مراکز، اسلامی فلسفہ اور اسلامی فکر سمجھتے ہیں، لہٰذا ان میں سے بھی بیشتر چیزیں جاہلیت ہی کی پیداوار ہیں۔

یہی وجہ ہے اسلامی قدریں ہمارے دلوں میں جاگزیں نہیں ہو پاتیں۔ ہمارے ذہنوں میں اسلام کا تصور پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا، اور ہمارے درمیان اس انداز کی کوئی نسل جنم نہیں لیتی، جس انداز کی نسل اسلام نے پہلی بار تیار کی تھی ـــ تحریک اسلامی کے طریقۂ کار کی رو سے ناگزیر ہے کہ ہم اپنی تشکیل و تربیت کے دور میں اس جاہلیت کے اثرات سے بالکل آزاد ہوں جس کی فضاؤں میں ہم سانس لے رہے اور جس کے سوتوں سے سیراب ہو رہے ہیں۔ ناگزیر ہے کہ ہم از سر نو پھر اس خالص سرچشمہ کی طرف پلٹیں جس سے وہ لوگ سیراب ہوئے تھے۔ وہ سرچشمہ جس کے بارے میں اس بات کی ضمانت ہے کہ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوئی۔ کسی بھی قسم کی آمیزش نہیں ہوئی، اسی کی طرف ہم پلٹیں اور وہاں یہ معلوم کریں کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ وجودِ انسانی کی حقیقت کیا ہے! نیز کائنات اور انسان کا خدا سے کیا تعلق ہونا چاہئے؟ پھر یہیں سے ہم جانیں کہ زندگی کے سلسلہ میں ہمارے کیا تصورات ہوں؟ اپنے اخلاق اور قدروں کے سلسلہ میں ہمارے کیا تصورات ہوں؟ نظامِ حکومت و سیاست اور اصول و اقتصاد و معیشت اور دوسری تمام اقدارِ حیات کے بارے میں ہمارے کیا تصورات ہوں؟ ـــ پھر ناگزیر ہے کہ جس وقت ہم اس کی طرف پلٹیں ہمارے دل میں جاننے کے ساتھ ساتھ تنفیذ و عمل کا بھی جذبہ ہو۔ محض ریسیرچ اور ذہنی عیاشی کا نہیں۔ ہم اس کی طرف بڑھیں تو یہ جاننے کے لئے کہ وہ ہم کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے، کہ ہم ویسے ہی بن جائیں۔ راہ میں قرآن کا فنی جمال بھی ہمارے سامنے آئے گا اسکے دلکش واقعات بھی سامنے آئیں گے۔ قیامت کے مناظر بھی سامنے آئیں گے، وجدان کو اپیل کرنے والی باتیں بھی سامنے آئیں گی۔۔ اور وہ ساری ہی چیزیں سامنے آئیں گی جنہیں یہ ریسیرچ اسکالرس اور لذت ذہنی کے طلبگار حضرات ڈھونڈتے ہیں، بلاشبہ یہ ساری چیزیں ہمیں ملیں گی لیکن اس طور پر کہ یہی ہمارا مقصد۔ اور ہماری غایت نہ ہوں گی۔ ہمارا مقصد اولین یہ ہوگا کہ ہم یہ جان لیں کہ قرآن ہم کو کس مکمل شکل میں دیکھنا چاہتا ہے؟ وہ کونسا جامع تصور ہے جو وہ ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے؟ خدائے تعالیٰ کے بارے میں ہمارا کیا احساس و تصور ہو؟ ہمارا اخلاق، ہمارا طرز معاشرت اور زندگی میں ہمارا عملی نظام کس انداز کا ہو؟ اس سلسلہ میں وہ ہمیں کیا رہنمائی دیتا ہے؟

پھر ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جاہلی سوسائٹی جاہلی تصورات، جاہلی روایات اور جاہلی قیادت سے اپنی ذات کی حد تک بالکل آزاد ہوں۔ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہم اس جاہلی ماحول کو گوارا کرلیں، یا اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرلیں۔ کیونکہ وہ اس صفت ...... صفت جاہلیت کے ساتھ اس قابل نہیں کہ ہم اس سے صلح و مفاہمت کریں

ہمارا نصب العین تو یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے کو بدلیں، اور پھر اس جاہلی ماحول کو بدل کر رکھ دیں۔

ہمارا اولین مقصد ہے اس ماحول کے ڈھانچہ کو بدل ڈالنا۔ ہمارا مقصد ہے اس جاہلی ڈھانچہ کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنا۔ وہ ڈھانچہ جو اسلامی اصولوں اور اسلامی تصورات سے بنیادی طور پر ٹکراتا ہے۔ اور جو ظلم و جبر سے ہم کو اس طرح زندگی بسر کرنے سے روکتا ہے جس طرح کہ نظام الٰہی ہم سے چاہتا ہے۔

ہماری راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اس جاہلی ماحول اور اس کی اقدار و تصورات پر مکمل غلبہ حاصل کریں اور اس تمنا میں کہ آدھے راستہ پر ہمارا اس سے میل ہو جائے اپنے اقدار و تصورات میں ذرا بھی ترمیم نہ کریں۔ خبردار! ہمارا اور اس کا راستہ بالکل الگ الگ ہے۔ اور جس لمحہ ہمارا ایک قدم بھی اس کی معیت میں اٹھے گا، ہم اپنے پورے نظام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، اور راہ سے بہت دور جا پڑیں گے!۔

بلاشبہ اس کے لئے ہمیں مشقتوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہمیں بڑی بڑی قربانیاں پیش کرنی ہوں گی۔ لیکن ہمارا یہ حوصلہ ہے کہ ہم اس پہلی امت کی راہ پر چلیں جس کے ہاتھوں خدائے تعالیٰ نے نظام الٰہی کو قیام بخشا، اور نظام جاہلی پر اسے غلبہ عطا فرمایا تو ہمیں ان سب چیزوں کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

نیز بہتر ہوگا کہ ہم ہمیشہ اپنے نظام کے مزاج کا اپنے موقف کے مزاج کا، اور اس راستہ کے مزاج کا شعور رکھیں، جس پر چلنا ناگزیر ہے۔ اگر ہم جاہلیت سے اس طرح باہر آنا چاہتے ہیں جس طرح وہ بے مثل اور امتیازی نسل آگئی تھی۔۔

* * *

آہ!

دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین مولانا فخرالحسن صاحب کے ہونہار صاحبزادے مولانا بہاؤالحسن (مدرس دارالعلوم دیوبند) بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

موصوف ذی استعداد عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شریف الطبع اور با اخلاق انسان تھے مدت تک دیوبند اور دارالعلوم دیوبند میں ان کی کمی محسوس کی جائیگی۔

ادارہ تجلی دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ اور طلبار کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔ اور اس بات کا دعا گو ہے کہ پروردگار عالم مولانا بہاؤالحسن کو اپنی خاص رحمت سے نوازے اور ان کے پسماندگان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

ماہرالقادری مرحوم
کی
اہم یادگار

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں

تعویذ بنایا جاتا ہوں
دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے
اور پھول ستارے چاندی کے

پھر عطر کی بارش ہوتی ہے
خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطا مینا کو
کچھ بول سکھلائے جاتے ہیں

اس طرح پڑھایا جاتا ہوں
اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے
تکرار کی نوبت آتی ہے

پھر میری ضرورت پڑتی ہے
ہاتھوں میں اٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں
آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں

کہنے کو میں اک اک جلسے میں
پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے
سچائی سے بڑھ کر دھوکہ ہے

اک بار ہنسایا جاتا ہوں
سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے
قانون پہ راضی غیروں کے

یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں
ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھکو بار نہیں
کس عرس میں میری دھوم نہیں

پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں
مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

عبدالحمید صدیقی کی جدائی کا زخم ابھی تروتازہ ہی تھا کہ ماہرالقادری کے جدا ہونیکی افسوسناک اطلاع نے چونکا دیا یہ وہی ماہرالقادری تھے جنھوں نے مارتوں اہل بدعت کے خلاف آواز اٹھاکر کفر کے فتنوں کی چوٹیں برداشت کیں۔ یہ وہی ماہرالقادری تھے جنھوں نے تبوری شریعت کے حاملین اور خداوندان ضلالت کے دانت کھٹے کرنے کے لئے فاران کا توحید نمبر نکالا تھا۔ یہ وہی ماہرالقادری تھے جنھوں نے قرآن کی فریاد لکھ کر اُمتِ مسلمہ کے احساس کو جھنجھوڑکر رکھدیا تھا۔ یہ وہی ماہرالقادری تھے جن کا نام منظورحسین تھا اور جنھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا :۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھاکر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھاکر پھول برسائے

وہ صرف شاعر اور نقاد ہی نہیں تھے، بلکہ ایک سچے مسلمان اور مخلص انسان تھے۔ ان میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ صحیح معنوں میں عاشقِ رسولؐ تھے۔ نعت لکھنے کا انھیں ملکہ حاصل تھا اور ان کی لکھی ہوئی نعتیں پتھروں کو بھی موم کردیتی تھیں۔ وہ صاحبِ رائے بھی تھے سیاسی اور مذہبی امور میں ان کے مشوروں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ ایک طویل مدت تک ماہر صاحبؒ قوم و ملت کی علمی خدمت کی۔ انھوں نے اندھیروں کی دنیا میں حق کے چراغ جلائے صداقت کو سربلند کرنے۔ بدعت اور گمراہی کا سر کچلنے کے لئے انھوں نے آخری سانس تک قلم کو متحرک رکھا اور راہِ حق میں پیش آنیوالے کسی صدمہ سے بددل نہیں ہوئے۔ ایک مشاعرہ میں شریک ہونے کیلئے وہ جدہ تشریف لے گئے تھے دورانِ مشاعرہ ایک صاحب نے اسلام اور اسلام پرستوں پر طنز کا ایک پتھر پھینکا ماہر صاحب کا حساس دل اسکی چوٹ برداشت نہ کرسکا انھوں نے پتھر اچھالنے والے کو متنبہ کیا اور ٹھیک اسی وقت انکے دل کی دھڑکنیں ساکت ہوگئیں۔ مولانا عامر عثمانیؒ کے بعد ماہرالقادری کی تحریروں سے ہم اپنی تشنگی بجھایا کرتے تھے۔ اور اب اس سے بھی محروم ہوگئے ہیں۔ پروردگار مرحوم کو جنت الفردوس

از ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

آپ یقین نہیں کریں گے. نہیں کریں گے تو میرا کیا بگاڑ لیں گے. پچھلے مہینے میں جن صاحب زادے کا حال آپ پڑھ چکے ہیں. کہ انھوں نے صوفی تمکین صاحب کو خلافت دی تھی. مژدہ ہو کہ سال رواں میں انھوں نے ۲۷ خلیفہ اور بنا ڈالے ہیں. جی ہاں ۲۷ کہ نصف جن کا ساڑھے تیرہ اور دوگنا جن کا ۵۴ ہوتا ہے. مولوی بیدار علی منہ بنا کے بولے۔

"لاحول ولاقوۃ. خلافت نہ ہوئی تماشہ ہو گئی"

"ہائیں خدا سے ڈریئے" میں کانپ گیا "خلافت جیسی شے کو ایسے برے لفظوں میں..."

"ابھی چھوڑو" وہ لہرائے "ایسی خلافت میری جیب میں پڑی ہے"

دراصل مولوی بیدار علی کو صاحب زادے مذکور سے خواہ مخواہ کا بیر تھا. وہ انھیں "پیر نابالغ" کہا کرتے تھے میں نے کئی بار سمجھایا کہ حضرت! ان کی تو شادی بھی ہو گئی بچی بھی ہوئی ہے. کیا آپ نعوذ باللہ من ذالک الزام......"

"ارجی بات سمجھا کرو" وہ جھنجھلائے۔ "نابالغ کا مطلب نابالغ تھوڑی ہی ہے"

میں۔ ز حیرت سے آنکھیں پھاڑیں، حالانکہ حیرت پاس پڑوس میں نہیں تھی۔

"آنکھیں کیا پھاڑتے ہو" وہ جھلا کے بولے "ان کے مرحوم والد نے انھیں مجاز نہیں کیا تھا۔ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی مریدوں نے مسکورٹ کر کے خلیفہ بنا دیا ذرا عمر تو دیکھو تیس کے بھی پورے نہیں. حالانکہ نبوت تک چالیس کے بعد ملتی ہے....."

"پہلے ملتی تھی" میں نے ٹوکا "آدمی پہلے بیل گاڑی میں سفر کرتا تھا. پھر ریلیں، موٹریں آئیں. پھر ہوائی جہاز آئے کیا اسی طرح کی ترقی۔ نظام روحانی میں ممکن نہیں...؟"

"تمہارے سر میں ممکن ہے رجعتی کہیں کے" یہ انھیں تاؤ آگیا۔

"ارے دسیوں مشائخ کے حالات ہم نے پڑھے ہیں. کئی شیوخ کو آنکھوں سے دیکھا ہے انھوں نے بیسیوں سال میں بھی اتنے خلیفہ نہیں بنائے"

"نہ بنائے ہوں گے" میں نے اعتراف کیا۔ لیکن فدوی نے جو نکتہ بیان کیا اس پر بھی تو غور فرمایئے۔ دس بیس سال پہلے مشینیں ایک دن میں جتنا مال تیار کرتی تھیں اب چٹکی بجاتے کرتی ہیں"

"ارے ہٹاؤ کیا بیہودہ بات، خلافت ڈھال لے کی مشین ہوتا ہے؟"

"کیا تو سچ ہے..... میرا مطلب ہے ترقی ـ ارتقاء..... پیش قدمی....."

"بکے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے۔ رشوت کھا گئے ہو"

"کھائی تو تھی۔ مگر ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ معدے میں کچھ ایسی اینٹھن ہے جیسے پیٹ پھاڑ کے کوئی چیز جنم لے گی۔"

"اس کا نام خلیفہ رکھ دینا" وہ ہنسے "کس دن میں لگا دوں گا۔"

یہ چٹکی مزہ دے گئی۔ قریب تھا کہ ان کے ہونٹ چوم لوں۔ مگر یک لخت ایک نہایت سنجیدہ آئیڈیے نے قلب پر نزول کیا "اچھا مولانا! کیا نہیں ہو سکتا کہ ہم آپس میں خلافت لے دے لیں؟"

"چپیٹ مار دوں گا" انھوں نے اردو میں کہا ویسے ہونٹوں پر تبسم ہی تھا۔

"نہیں یقین کیجئے میں مذاق نہیں کر رہا۔ آپ مولوی میں ملا ہوں۔ دونوں ایک دوسرے کو خلیفہ بنا دیں تو قانون آنکھ نہیں ملا سکتا"

"گدھے ہو"

"وہ تو ہوں۔ مگر اکثر گدھے کاروبار بہت عمدہ کرتے ہیں"

"اچھا بس۔ دماغ چاٹ جاتے ہو۔ سلام علیکم"

وہ بیچ بچ منہ بنائے چلے گئے۔ چلے گئے تو بلا سے جاؤ کہنا یہ ہے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں یہ سیدھی سی بات نہیں آرہی ہے کہ ایک سال میں ۲۷ خلیفہ کیسے بنائے جا سکتے ہیں انھیں اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہئے... دماغ درست ہو جائے تو آنکھوں کے ڈاکٹر سے چشم عبرت بنوانی چاہئے۔ ترقی کی جو دلیل ابھی میں نے دی وہ تو دیکھ ہی لیجئے کیسی ایمان افروز ہے۔ اس کے علاوہ بھی سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف جنسیں بنائی ہیں۔ ایک عورت دس سال میں ایک درجن بچوں کی ماں ہو جاتی ہے۔ مگر دوسری عورت دس سال میں چڑیا کا بچہ بھی نہیں دے پاتی تو کیا صنعت کردگار پر آپ اعتراض کریں گے۔ اگر نہیں تو پھر کسی شیخ کی صلاحیت خلیفہ سازی پر اعتراض کیوں؟ میں کہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ ایک تازہ دم شیخ کے آغوش ارشاد و بیعت سے سال میں سات سو خلیفہ بھی جنم لیں۔ جیسا کہ حق ہے۔ جنم لینے کا اور فیض تصوف اتنا عام ہو جائے جتنا کہ حق ہے عام ہونے کا۔ تو حیرت کرنا کفر اور پیٹ میں درد ہونا پہلے درجے کی گستاخی۔!

نہیں اے صوفی تمکین کے شیخ! آپ جہلاء و متعصبین کی پروا نہ کیجئے۔ بقول شخصے۔

تیر پہ تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے

جو شیخ زندگی میں ہزار پانسو خلیفہ نہ بنا سکے وہ تو بانجھ کہلائے گا۔ آپ یہ الزام اپنے سر ہرگز نہ لیں۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

اور سنئے۔ فیض تصوف کی اڑانیں کون سے آسمان کی خبر لا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ از بس کہ ذیل کے وجد انگیز واقعے سے ہوگا۔ ہمارے ایک دوست ہیں۔ جانکی پرشاد یہ نام بے شک نقلی ہے۔ مگر فی زمانہ کس کس چیز کے نقلی ہونے کا گلہ کریں گے۔ یہ مہربان سی آئی ڈی آفیسر ہیں۔ بڑے خوش اخلاق، پڑھے لکھے اور خوش مذاق۔ ابھی گذشتہ ہی مہینے کی بات ہے کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند میں اسٹرائک ہوا۔ طلباء نے اپنے کچھ مطالبات منوانے سرگرمی دکھائی اسی ہنگامے کے سلسلے میں دوست موصوف بھی ہیڈ کوارٹر سے دیوبند آئے اور حسب عادت دفتر تجلی کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ فدوی ایک کونے میں بیٹھا بین الاقوامی مسائل کے گیسوئے پرشکن میں شانے پریشانہ کر رہا تھا موصوف نے آتے ہی فرمایا۔

"ارے بھئی یہ کیا داڑھی میں خلال کئے جا رہے ہو؟"

میں نے چونک کے نظر اٹھائی۔

"اوہ آپ! آداب عرض ہے۔ تشریف رکھیئے"

"ہاں ہاں تشریف تو رکھی۔ مگر آپ کس دنیا میں کھوئے ہیں؟"

میں اٹھ کے ان کے قریب آبیٹھا۔ ایڈیٹر تجلی موجود نہیں تھے۔ "کچھ بھی نہیں، ذرا مسائل حاضرہ پر غور کر رہا تھا"

"داڑھی میں انگلیاں چلا کر۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔۔ دراصل یہ داڑھی بین الاقوامی مسئلے سے کم نہیں۔ جب بین الاقوامی مسائل کی زلفیں سلجھنے میں نہیں آتیں تو اسی بے چاری کو سلجھانے لگتا ہوں"

پھر ہماری گفتگو پانچ چھ موڑ مڑنے کے بعد اس نکتے پر پہنچی جو از بس کہ فیض تصوف سے بھرپور تھا۔

"اچھا یہ تو بتائیے" انھوں نے پوچھا "مدرسے کے جو ملازمین حج بدل کے لیئے جاتے ہیں۔ وہ اگر ان دنوں کی تنخواہ بھی مدرسے سے لیں تو یہ آپ کی شریعت جائز ہے یا ناجائز؟"

"شریعت نہیں طریقت کہیئے" میں نے ٹوکا "اب ہم لوگ تصوف کی لائن پر چل رہے ہیں"

وہ مسکرائے "نہیں مذاق نہیں سیم بتائیے"

"کیوں بتاؤں۔ آپ سوال کی وجہ بیان کریں"

وہ لحظہ بھر چپ مد رہے۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"آپ کو معلوم ہی ہے۔ جناب حکیم صاحب اس سال بھی حج بدل کو گئے ہیں"

"کیوں نہ جائیں۔ آپ قاضی ہیں۔؟"

"ارے بابا سنو تو۔۔۔۔"

"کیا سنو۔ حج بدل اور حج نفل تک کا فرق آپ کو معلوم نہ ہوگا۔ کیا ثبوت ہے کہ وہ حج بدل کو گئے ہیں"

"توبہ۔ بدل یا نفل جو کچھ بھی کہو گئے تو ہیں"

"ضرور جائیں گے۔ ہر سال جائیں گے۔ آپکو کیا؟"

انھوں نے میری گردن پکڑلی۔

"باز آجاؤ۔ میں مذاق نہیں کر رہا"

ان کے دست شفقت کی گرفت ایسی ہی تھی کہ مجھے کہنا پڑا۔

"باز آیا۔ فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں"

"انھیں حج کے لیئے اٹھارہ ہزار ملے ہیں۔ کیا پھر بھی مدرسے سے تنخواہ لینا جائز ہے؟"

"کیا ثبوت ہے کہ ملے ہیں؟"

"ثبوت" وہ ذومعنی انداز میں مسکرائے "ارے ہم کیا یونہی سی آئی ڈی انسپکٹر بن گئے"

"بن گئے ہوں گے۔ میں تو آپ لوگوں کی معلومات کافی ناقص پاتا ہوں"

"مثلاً۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولے

"بتائیے مولوی کمال الدین کی تنخواہ کیا ہے؟"

"ایک سو بیالیس روپے۔ وہی نا مدرسے والے؟"

"جی ہاں۔ اور سونا کیا بھاؤ ہے۔؟"

"ایک سو بتیس روپے تولہ"

"تو بتائیے! ایک بیوی، دو سالے، چار بچے دم سے بندھے ہوں، تو ایک سو بیالیس والا کے سو روپیہ مہینہ بچا سکتا ہے؟"

وہ زور سے ہنسے پھر گردن پہ دباؤ دے کے کہنے لگے۔

"آپ سمجھتے ہیں یہ راز ہم سے چھپے ہیں۔ صاحب لیجئے۔ نوٹ کیجئے۔ مولوی کمال الدین نے پچھلے مہینے کی سات تاریخ کو لالہ سنار کے یہاں تین زیوروں کا آرڈر دیا۔ کڑے، گلے کا ہار، جھومر۔ ۲۵ تاریخ کو یہ تینوں چیزیں مل گئیں۔ جملہ وزن گیارہ تولے۔ بنائی مع جڑاول آگیا ۔۔ روپے، چھ نئے پیسے۔ کہیئے تو ہر ایک کا الگ الگ وزن اور لاگت بتاؤں"

میرا تدبر مارے حیرت کے سکڑ گیا۔ داڑھی کے بال کھڑے ہو گئے۔ میرے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ سی آئی ڈی اور کراماً کاتبین ایک ہوتے ہیں۔

[illegible] کالج سے یاد [illegible] حلال کی کمائی
[illegible] کیا ترکیب ہے، کہ
ہمارے رزق میں بھی وسعت ہو۔ بیوی کے جھومکے گھس
گھسا کے ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ دوماشے سونا پڑے
تو ٹھیک ہوں۔ تین ہفتے سے سوچ رہا ہوں کہ کس
کی جیب کاٹوں۔

"مدرسے میں ملازمت کر لیجیے جیبیں کٹ کٹ کر
کے تمہارے پاس آئیں گی۔"

پھر کچھ دیر ہمارے درمیان مدرسے کے مختلف
شعبوں پر رازدارانہ گفتگو ہوتی رہی کہ اظہار جس کا از بسکہ
مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ آخر کار انھیں پھر اپنا
سوال یاد آیا۔

"ہاں تو تنخواہ لینا جائز۔۔۔"

"اماں بتاؤ بھی" میں جھلایا۔ "جائز ناجائز کا عمدہ
ایڈیٹر تجلی کی دم باندھنا۔ اپن تو مدرسے میں دربانی کی
درخواست دے رہے ہیں۔"

"سو کا نوٹ ہے؟"

"کیوں؟"

"بھگوان کی مرضی کیا دربانی مفت مل جائے گی؟"

"خوب! کیا پگڑی دینی ہوگی؟"

"نہ خیر پگڑی تو نہیں، مگر دعوت ضرور دینی ہوگی۔"

"کیسے؟"

"بھولے بنتے ہو۔۔۔ شہر میں لے دے کے ایک
ہی تو تاتل رہا ہے!"

میں ان کے الفاظ سے نہ سہی مگر آنکھوں کی چمک
سے اشارہ پا گیا۔ بات کاٹنے کی تھی۔

"مگر جناب دربان بھی تو اب بہت ہو گئے کیوں
نہ کسی اور شعبہ میں درخواست دیں۔"

"تب وہ نوٹ چاہئیں۔"

"باپ رے باپ۔۔۔؟"

"ارے گھبراتے کیوں۔ دربان وہی اور رکھے

[illegible] ہیں۔ کیا دوسرے ڈیپارٹمنٹوں میں تنگی [illegible]
[illegible]؟"

"[illegible] ہیں مگر بدنصیب تو نہ کسی حکیم جی کا سالا
ہوں، نہ ہم زلف۔"

"تبھی تو دعوت کی مجبوری ہے۔ پیسا ایڈیٹر تجلی
سے لے لو نا۔"

"لے لوں گا۔ مگر مرنے کے بعد۔ ابھی تو اگلے
دو مہینوں کی تنخواہ پیشگی لے رکھی ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ بیوی سے کہو بھتیا سے سفارش
کرے۔"

"کہا تھا۔ اس نے سفارش بھی کی تھی۔ لیکن
بھتیا بڑا سنگدل ہے۔ کہنے لگا میں صرف کفن بنوا کے
دے سکتا ہوں بس۔"

"ارے بھائی ہو کر وہ بہن کے سہاگ کو
کوستے ہیں!"

"کوسنے کا تو کچھ نہیں۔ میں نے بیوی کو بہتیرا سمجھایا
کہ کفن ہی مانگ لے۔ تیری شلوار اور میرا پاجامہ بن
جائے گا۔ مگر وہ تو آنسوؤں سے رونے لگی۔ یہ عورتیں بھی
تماشا ہوتی ہیں۔"

"خیر بھائی۔ اب تو چلیں۔ تم نے جائز ناجائز
نہیں بتایا۔"

"بتاؤں گا ذرا دربانی مل جائے۔ کاش مطبخ کی
نظامت مل جائے۔ تب تو آپ کو پوری فقہ
پڑھا سکتا ہوں۔"

"مطبخ سے تو منہ دھو رکھو۔" انھوں نے انگوٹھا
دکھایا۔

"ایسے زرخیز ڈیپارٹمنٹ میں آپ کی دال
نہیں گل سکتی۔"

"تو شعبۂ تعمیرات سہی۔"

"وہاں بھی آپ جیسوں کا گذر نہیں۔"

"اچھا شعبۂ امور مختلف؟"

"اس کے تو دفتر میں بھی نہ گھس سکیں گے۔"

"پھر جہنم کا ساتواں طبق؟"

"یہ چلے گا۔ انگاروں میں اور مال حرام میں آپ کا قرآن بھی فرق نہیں کرتا۔"

"میری بیوی چھبیسویں ہی سال بوڑھی ہو گئی ہے۔"

"کوئی پروا نہیں۔ آپ بھی حکیم بننے کی کوشش کیجئے بیگم ساٹھ سال تک بوڑھی نہیں ہونگی۔"

"میرے کوئی بیٹا نہیں جو حکیم بننے میں مدد دے آپ ہی راہ بتائیے۔"

"بیٹا نہیں ہے۔ تو پیری شروع کر دیجئے۔ مرید لوگ سب کچھ بنا سکتے ہیں۔"

"بڑھائیے ہاتھ۔ بسم اللہ آپ ہی سے سہی۔"

"میرے ہی تیر سے مجھے شکار کر رہے ہو؟ کاہل آدمی ایڈیٹر تجلی سے کہو نا آپ کے نام کے ساتھ کوئی بڑا سا خطاب لکھا کریں۔ جس کے پاس تجلی جیسا پرچہ ہو وہ گدھے کو بھی غیر صاحب بنا سکتا ہے۔"

"یار کہا تھا۔ نہیں مانے پھر ایک دفعہ میں خود ہی "حکیم المطلق" اور "طبیب الامت" وغیرہ لکھ بھی لایا تھا۔ کاتب گدھے نے کتابت سے پہلے ہی مسودہ انھیں دکھا دیا۔ بس نہ پوچھیے کتنے بھڑکے۔ میں تو سمجھا تھا کہ میری شہادت انہی کے ہاتھ لکھی ہے۔"

"اچھا بھئی چلیں۔"

"ابھی کیسے۔ چائے آرہی ہے۔"

پھر چائے کے دوران وہ کئی بار جائز ناجائز کا سوال دہراتے رہے۔ میں اونڈ گیا۔

"یار یہ مسئلہ بالی ہے کیا؟ جاؤ دار العلوم کے مفتی سے پوچھو وہ ہر قسم کا فتویٰ آنکھیں بند کر کے دے سکتے ہیں۔"

"ان سے تو پوچھ دیکھا وہ کہتے ہیں نقلی حج والوں کو مدرسہ تنخواہ نہیں دیتا۔"

"پھر؟"

"یہ ضابطے کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن عملاً کچھ اور ہو رہا ہے۔"

"عمل سے تمہیں کیا مطلب۔ ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا چلیں۔"

تو اندازہ کیجئے۔ فیض تصوف کہاں تک پہنچا۔ جانکی پرشاد مسلمان نہیں ہیں، لیکن تصوف کی لپیٹ میں ایسے آئے کہ جائز و ناجائز کا گھن لگ گیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو شریعت و فقہ کا معاملہ ہے۔ تصوف کیسا۔ تو عرض یہ ہے کہ ہمارے دیوبند کا تصوف ذرا مختلف قسم کا ہے۔ باریک اور نقاب پوش۔ اسے پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں۔ جب دیوبند آکر مہینہ دو مہینہ ٹھہریں، مقدس لوگوں سے ملیں اور اندر جھانک کر دیکھیں کہ دیوار علم و تقدس کی آڑ میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپکی طبیعت صاف ہو جائے گی۔

کھرے کھوٹے

اُمت کیلئے لمحۂ فکریہ

صفحات ۳۲ قیمت ۷۵ پیسے

ناشر:- ہلال بکڈپو

یہ کتابچہ دو مقالوں پر مشتمل ہے ایک مقالہ کا عنوان ہے کیا لڑکیاں پھر زندہ دفن کردی جائیں گی دوسرے مقالہ کا عنوان ہے. نکاح جہیز ولیمہ شریعت کی روشنی میں اوّل الزکر مقالہ مولانا نجم الدین احیائی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اور ثانی الزکر مقالہ کو لکھا ہے مولانا جمیل احمد نذیری صاحب نے جس خلوص اور جس جذبہ کے تحت یہ کتابچہ مرتب کیا ہے، وہ یقیناً قابل قدر ہے لیکن کتابچہ بجائے خود قابل قدر معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس کی اولین وجہ یہ ہے کہ جس موضوع کو مقصدِ تحریر بنا کر یہ کتابچہ ترتیب دیا گیا ہے اس موضوع کی نزاکتوں سے کما حقہ مرتبین واقف نہیں ہیں اور اگر واقف ہیں تو پھر یہ کہے بغیر چارہ نہیں، کہ کتابچہ مرتب کرتے وقت انھوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے،

اس موضوع پر اس سے قبل بھی کئی کتابچے اور پمفلٹ نظروں سے گذرے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان میں سے کوئی کتابچہ "پمفلٹ ایسا نہیں تھا کہ اسے خراج تحسین پیش کیا جاسکے، مولانا نجم الدین اور مولانا جمیل احمد چونکہ مستقلاً کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں. اس لئے کتابچہ دیکھتے وقت یہ توقع تھی کہ یہ خاصے کی چیز ہوگا، لیکن کتابچہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہماری توقع پر پانی پھر گیا اور یہ اندازہ ہوا کہ علم جتنا جتنا بڑھ رہا ہے انسانی فہم اتنا ہی سمٹتا جارہا ہے جبکہ ہمارے اکابر نے فرمایا تھا کہ ایک تولہ علم کو نبھانے کے لئے ایک من عقل کی ضرورت پڑتی ہے اب تو عالم یہ ہے کہ ہر طرف علم ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور فراست و سوجھ بوجھ دنیا سے اٹھتی جارہی ہے، آیئے سرسری طور پر اس کتابچہ کا جائزہ لیں، اور یہ بتائیں کہ اس میں بعض جگہوں پر کیسی کیسی بھاری بھاری غلطیوں کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

ص۹ پر۔ مولانا نجم الدین احیائی صاحب نے تحریر فرمایا ہے،

> سیکڑوں لڑکیوں کے بال سفید ہونے شروع ہوگئے ہیں، اوران کے والدین ان کے لئے بر ڈھونڈنے سے معذور ہیں. اس لئے نہیں کہ وہ بچیاں اندھی ہیں لولی ہیں۔ لنگڑی ہیں بدصورت اور پھوہڑ ہیں۔ جی نہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اتنی دولت نہیں کہ وہ لڑکوں کو خرید سکیں اور اپنی بچیوں کو رخصت کرتے وقت پچاس جوڑے کپڑے اور ان گنت سامان مہیا کرسکیں۔

یہ بات اتنی قابل گرفت نہیں کہ احیائی صاحب

لیکن لڑکیوں کو بھی "بچیاں" ہی قرار دے دیا ہے، جن کے سروں میں سفید بال نکلنے شروع ہو گئے ہوں۔ جتنی قابل گرفت بات یہ ہے کہ انھوں نے لڑکی والوں کی غربت کو بر نہ ملنے کی واحد وجہ قرار دیا ہے،

اگر احیائی صاحب یہ تحریر فرماتے کہ غریب لڑکیوں کی شادی محض اس لئے نہیں ہو پاتی کہ موجودہ زمانہ میں زرپرستی بڑھتی جا رہی ہے تو بات قرینِ حقیقت ہوتی، لیکن احیائی صاحب نے تو کچھ اور فرمایا ہے اور اس کچھ اور سے اتفاق کیسے کر لیا جائے، جبکہ دولت پرستی کی وبا جتنی لڑکے والوں میں پائی جاتی ہے اتنی ہی لڑکی والوں میں موجود ہے،

غریب لڑکے کا رشتہ آتا ہے تو اسے بلا تامل ٹھکرا دیا جاتا ہے خواہ ٹھکرانے والے خود مفلس و قلاش ہوں۔ اور مالدار لڑکے کے رشتہ کو ہاتھوں ہاتھ منظور کر لیا جاتا ہے خواہ مالدار لڑکا اخلاقی اور مذہبی طور پر مفلس محض ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں لڑکوں اور لڑکے والوں کو قصوروار گردانا کیسے درست ہو سکتا ہے، دولت پرستی کے مہلک مرض میں تو سبھی مبتلا ہیں، لڑکے والے بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر جو بہو آئے وہ ڈھیر سارا سامان لے کر آئے اور لڑکی والے بھی اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا داماد مال و منال والا ہو تاکہ ہماری لڑکی خوب عیش کرے اور لڑکی کے توسط میں ہمیں بھی فائدہ ہو،

کیا بارہا ایسا نہیں ہوتا کہ غریب لڑکے کا رشتہ بس اسی لئے مسترد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے پاس بڑا سا مکان نہیں اور وہ ہزاروں لاکھوں کے مالک ہیں جب لڑکی والوں کے دماغ اتنے اونچے ہیں تو پھر لڑکے والوں کا کیا قصور ہے اگر وہ نیا رشتہ قائم کرتے وقت صاحبِ حیثیت باپ کی بیٹی کو ترجیح دیں۔ قصور ہے تو دونوں ہی کا ورنہ پھر کوئی قصوروار نہیں۔

حیثیت ہے کہ لڑکے والے اگر مالدار لڑکی کی جستجو کرتے ہیں تو انھیں لعنت و ملامت کی جاتی ہے اور لڑکی والے اگر مالدار داماد کی جستجو میں اپنی لڑکیوں کو بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچا دیتے ہیں تو کوئی انھیں ملامت کرنے والا نہیں۔ صاف اور صحیح بات یہی ہے کہ زرپرستی کی وجہ سے ہماری بچیاں برباد ہو رہی ہیں، اور یہی زرپرستی ستم قاتل بنی ہوئی ہے خواہ یہ لڑکے والوں میں موجود اور خواہ لڑکی والوں میں۔

ص۱۲ پر۔ احیائی صاحب رقم طراز ہیں۔

> شرعی حیثیت سے جہیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ روایتوں میں صرف حضرت فاطمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں دی تھیں، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ اس وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے ان کا الگ سے کوئی گھر نہ تھا نکاح کے بعد ان کا الگ سے انتظام کیا گیا لہٰذا اگر کوئی دینا چاہے تو زیادہ سے زیادہ ایک لوٹا ایک لوٹا ایک گلاس اور ایک بچھانے کے لئے بستر دیدے اور ثواب کی نیت سے ایک کلام پاک ایک رحل ایک مصلّی دیدے اس سے زائد ایک چیز بڑھنے نہ پائے،

ایک طرف تو احیائی صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جہیز کی شرعاً کوئی حیثیت ہی نہیں اور دوسری طرف وہ خود ہی یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دینا چاہے تو فلاں فلاں چیزیں دے سکتا ہے،

سوال تو یہ ہے کہ لوٹا اور گلاس دینے کا جواز کس دلیل کی بنا پر پیدا ہوتا ہے اور جس دلیل کی بنا پر لوٹے اور گلاس وغیرہ کا جواز پیدا ہوتا ہے اس دلیل کی بنا پر دوسرے ساز و سامان کا جواز کیوں نہیں نکالا جا سکتا۔

سیدھی سچی بات تو یہ ہے کہ احیائی صاحب نے جہیز کے سلسلہ میں جو بات تحریر فرمائی ہے وہ کسی طور قابل

قبول نہیں ہے [illegible] سے نہ جہیز لینے دینے
میں کوئی مضائقہ [illegible] ہی نہیں، مضائقہ عرض
و ہوس اور ریا و نمود [illegible] جہیز کے لینے دینے میں اپنی
حیثیت اور پوزیشن کے اعتبار سے جو کچھ بھی کم سے کم
اور زیادہ سے زیادہ بیٹی کو دیا جاسکتا ہو وہ
دیا جائے اسلام اس سلسلہ میں کوئی اعتراض نہیں
کرتا اسلام معترض اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی
حیثیت کو نظر انداز کر کے عمدہ سے عمدہ جہیز مہیا
کرنے کی فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

لوٹے اور گلاس والی ہدایت سن کر ہنسی آتی
ہے لاحول ولا قوۃ۔

ایسی باتیں غیر مسلمین میں سنتِ رسول کو بدنام
کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ غالباً احیائی صاحب نے
دنیا کے مسلمانوں کو یہ مشورہ محض اس لئے دیا ہے کہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت
فاطمہؓ کو مشکیزہ ایک بستر اور ایک چکی دی تھی باعتبار
تاریخ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن جہیز دیتے
وقت ان چیزوں کو سنت سمجھ کر دینا غلط ہی ہوگا۔ حضورؐ
نے اس زمانہ کا لحاظ کا اور فاطمہ و علیؓ کی ضرورت کا خیال
رکھتے ہوئے جو چیزیں ضروری سمجھی وہ انھیں دیدیں
موجودہ دور میں اگر کوئی اپنی بیٹی کے لئے اسی کے ضرورت
کی چیزیں مہیا کر دے تو یہی سنت کہلائے گا، چکی اور مشکیزہ
کا دینا اسی دور میں سنت نہیں سنت کا مذاق ہے

سوچنے کی بات ہے کہ اگر حضورؐ نے اپنی کسی لختِ
جگر کو سواری کے لئے اونٹ بخشا ہو اور آج کوئی ان کی
اتباع کرنا چاہے تو اتباع کی تکمیل اس وقت نہیں ہوگی
جب بیٹی کے لئے اونٹ ہی مہیا کیا جائے۔ بلکہ صحیح معنی
میں اتباع کی تکمیل اس وقت ہوگی جب مروجہ سواریاں
میں سے کوئی ایک سواری وہ بیٹی کو سونپ دے،
سائیکل اسکوٹر وغیرہ میں سے۔

[illegible] میں احیائی صاحب نے یہ فرمایا ہے

[illegible] قرآن اور مصلی وغیرہ بھی دیا جاسکتا ہے

افسوس صد افسوس [illegible] جب علماء بھی
ایسی باتیں کرنے پر آگئے تو عوام کا تو خدا ہی حافظ ہے
— محترم احیائی صاحب کی خدمت میں ہماری گذارش
ہے کہ قرآن اور مصلی ازراہِ ثواب نہیں ازراہِ ضرورت
دیا جاتا ہے مصلی کی ضرورت دن میں پانچ بار اور قرآن
پاک کی ضرورت چوبیس گھنٹوں میں کم از کم ایک بار ضرور
پڑتی ہے، جہاں تک ثواب کا معاملہ ہے بیٹی کو جو کچھ
دیا جاتا ہے ثواب اسی پر یقیناً ملتا ہے اس لئے کہ ہمارا
اسلام تو یہ کہتا ہے کہ بیوی بچوں پر جو بھی خرچ کیا
وہ سب صدقہ ہی صدقہ ہے اور انشاء اللہ اس پر
اجر و ثواب کا ترتب ہو کر رہے گا۔

احیائی صاحب نے قرآن و مصلے اور دیگر ضروری
ساز و سامان کے مابین تفریق کی لکیر کھینچ کر نہ صرف
اپنی روشنائی ضائع کی ہے بلکہ یہ تاثر چھوڑ دیا ہے کہ قرآن
اور مصلی ضرورت کی چیزیں نہیں صرف ثواب اور برکت
کی غرض سے دی جاسکتی ہیں۔

ص۱۳ پر:- احیائی صاحب رقم طراز ہیں۔

لوگوں کے جذبات کا خیال کر کے زیادہ
سے زیادہ پانچ جوڑے کی تجویز رکھی
جاتی ہے اس سے زیادہ ہرگز نہ دیا جائے

خدا ہی جانے کہ پانچ جوڑوں کی تجویز کس دلیلِ
شرعی کی بنا پر رکھی ہے اور اگر بلا دلیل ہے تو پھر لوگ
اس تجویز کو کیوں قبول کر لیں گے، کیا محض اس لئے کہ یہ
احیائی صاحب نے فرمایا ہے؟

ص۱۴ پر:- مولانا جمیل احمد نذیری فرماتے ہیں

مہر زیادہ مقرر کئے جانے کی ایک وجہ
یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

یہاں مہر زیادہ رکھنے کی اصل وجہ بیان نہیں کی گئی ہے، مہر لڑکی والوں کی مرضی کا لحاظ رکھتے ہوئے باندھا جاتا ہے۔ لڑکی والے زیادہ سے زیادہ مہر اس لئے بندھوانا چاہتے ہیں تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے حالانکہ ایسا سوچنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینی چاہئے تھی۔ وہ یہ کہ اگر بوقت نکاح مہر نہ دینے کی نیت ہو تو پھر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور انسان زندگی بھر حرام کام میں مبتلا رہتا ہے۔

اس قسم کی کچھ اور فرد گذاشتیں کتابچہ کے اندر موجود ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ان سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ۔ آخر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہیز اور مہر کے سلسلے میں جو رویہ ہمارے علماء نے اختیار کر رکھا ہے اس سے ہمیں ایک فی صد بھی اتفاق نہیں۔

مہر انعقادِ نکاح کے لئے ضروری ہے یہ سبھی جانتے ہیں کہ لیکن اس کی تعداد میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، بعض لوگوں نے اس سلسلے میں افراط سے کام لیا ہے اور بعض نے تفریط سے، ہندوستان میں آج بھی کئی علاقے ایسے ہیں جہاں ۲۰ روپے سے زیادہ مہر باندھنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے راجستھان کے بعض علاقوں میں صرف ساڑھے تین روپے مہر باندھا جاتا ہے۔ اور از راہِ جہالت اس کو مہر فاطمی سمجھا جاتا ہے، یہی حال جہیز کا بھی ہے افراط و تفریط اس بارے میں کھل کر ہوتی ہے۔ بعض لوگ جہیز اتنا دیتے ہیں کہ حد اور بس۔ اور بعض لوگ جہیز کو غلط در غلط اور بیٹی کی فکر میں پریشان ہیں۔

ہمارے بعض کرم فرما [illegible] دیتے ہیں کہ جہیز [illegible] باور کرانے کی [illegible] کو سنت [illegible]

دینا ضروری نہیں ہے لیکن دینا ناجائز بھی نہیں ہے، البتہ ہمارا محتاط مذہب یہ تاکید ضرور کرتا ہے کہ جہیز دیتے وقت آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ پاؤں اتنے ہی میں پھیلانے چاہئیں، جہاں تک اپنی چادر کے کنارے ہوں۔

حرص و نقل اور ریا و نمود نہ صرف غلط بلکہ غلط در غلط ہے، جس کا خمیازہ انسان خود بھگتتا ہے، اور اس کی اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

ہمارے علماء کو مخالفت جہیز کی نہیں جہیز کے بارے میں عوام جن افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اس کی کرنی چاہئے۔

افسوس کی بات ہے کہ اصل غلطی کو چھوڑ کر اس چیز کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں، جس کی اباحت میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

یہاں صرف اس ایک جملہ میں سارے موضوع کا حق ادا ہو جاتا ہے کہ جہیز دیتے وقت لڑکی والے اپنی حیثیت کو پیش نظر رکھیں اور مہر متعین کرتے وقت لڑکے والوں کو نظر اپنی پوزیشن پر رہے، دوسرے لوگوں کی حرص و نقل اور ریا و نمود کا سب منصوبہ اور مہلک چیزیں ہیں۔

کتابچہ میں ایک جگہ سرمایہ دار و اسعت اس بات کی فہمائش کی گئی ہے کہ وہ بیاہ شادی کے موقع پر سخاوت کا مظاہرہ کریں۔ [illegible]

قبول نہیں ہے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جہیز دینے دلانے میں کوئی مضائقہ سرے سے ہے ہی نہیں، مضائقہ حرص وہوس اور ریا و نمود میں ہے کہ جہیز کے لین دین میں اپنی حیثیت اور پوزیشن کے اعتبار سے جو کچھ بھی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ اپنی بیٹی کو دیا جاسکتا ہو وہ دیا جانا چاہئے اسلام اس سلسلہ میں کوئی اعتراض نہیں کرتا اسلام معترض اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت کو نظر انداز کر کے عمدہ سے عمدہ جہیز مہیّا کرنے کی فکر میں دُبلا ہوتا ہے۔

لوٹے اور گلاس والی ہدایت سن کر ہنسی آتی ہے لاحول ولا قوۃ۔

ایسی باتیں غیر مسلمین میں سنتِ رسول کو بدنام کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ غالباً احیائی صاحب نے دنیا کے مسلمانوں کو یہ مشورہ محض اس لئے دیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو مشکیزہ ایک بستر اور ایک چکی دی تھی باعتبار تاریخ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن جہیز دیتے وقت ان چیزوں کو سنت سمجھ کر دینا غلط ہی ہوگا، حضورؐ نے اس زمانہ کا لحاظ کا اور فاطمہ و علیؓ کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے جو چیزیں ضروری سمجھی وہ انھیں دیدیں موجودہ دور میں اگر کوئی اپنی بیٹی کے لئے اسی کے ضرورت کی چیزیں مہیّا کر دے تو یہی سنت کہلائے گا، چکی اور مشکیزہ کا دینا اسی دور میں سنت نہیں سنت کا مذاق ہے

سوچنے کی بات ہے کہ اگر حضورؐ نے اپنی کسی لختِ جگر کو سواری کے لئے اونٹ بخشا ہو اور آج کوئی ان کی اتباع کرنا چاہے تو اتباع کی تکمیل اس وقت نہیں ہوگی جب بیٹی کے لئے اونٹ ہی مہیّا کیا جائے۔ بلکہ صحیح معنوں میں اتباع کی تکمیل اس وقت ہوگی جب مروّجہ سواریوں میں سے کوئی ایک سواری وہ بیٹی کو سونپ دے، سائیکل اسکوٹر وغیرہ میں سے۔

جملہ کے آخر میں احیائی صاحب نے یہ فرمایا ہے

[illegible] قرآن اور مصلّی وغیرہ بھی دیا جاسکتا ہے

افسوس صد افسوس ہے جب علماء دین ہی ایسی باتیں کرنے پر آگئے تو عوام کا تو خدا ہی حافظ ہے ۔۔۔ محترم احیائی صاحب کی خدمت میں ہماری گذارش ہے کہ قرآن اور مصلّی ازراہِ ثواب نہیں ازراہِ ضرورت دیا جاتا ہے مصلّی کی ضرورت دن میں پانچ بار اور قرآن پاک ضرورت چوبیس گھنٹوں میں کم از کم ایک بار ضرور پڑتی ہے، جہاں تک ثواب کا معاملہ ہے بیٹی کو جو کچھ دیا جاتا ہے ثواب اسی پر یقیناً ملتا ہے اس لئے کہ ہمارا اسلام تو یہ کہتا ہے کہ بیوی بچوں پر جو بھی خرچ کیا وہ سب صدقہ ہی صدقہ ہے اور ان شاء اللہ اس پر اجر و ثواب کا ترتب ہو کر رہے گا۔

احیائی صاحب نے قرآن و مصلّے اور دیگر ضروری سازوسامان کے مابین تفریق کی لکیر کھینچ کر نہ صرف اپنی روشنائی ضائع کی ہے بلکہ یہ تأثر چھوڑ دیا ہے کہ قرآن اور مصلّی ضرورت کی چیزیں نہیں صرف ثواب اور برکت کی غرض سے دی جاسکتی ہیں۔

ص ۱۳ پر :- احیائی صاحب رقم طراز ہیں۔

> لوگوں کے جذبات کا خیال کر کے زیادہ سے زیادہ پانچ جوڑے کی تجویز رکھی جاتی ہے اس سے زیادہ ہرگز نہ دیا جائے

خدا ہی جانے کہ پانچ جوڑوں کی تجویز کس دلیلِ شرعی کی بنا پر رکھی ہے اور اگر بلا دلیل ہے تو پھر لوگ اس تجویز کو کیوں قبول کر لیں گے، کیا محض اس لئے کہ مولانا احیائی صاحب نے فرمایا ہے؟

ص ۲۲ پر :- مولانا جمیل احمد نذیری فرماتے ہیں

> مہر زیادہ مقرر کئے جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دینا تو ہے ہی نہیں یعنی مہر نہ دینے کی پہلے سے نیت ہوتی ہے حالاں کہ مہر عورت کا بالکلیہ حق ہے جو اسے ملنا چاہئے۔

یہاں مہر زیادہ رکھنے کی اصل وجہ بیان نہیں کی گئی ہے، مہر لڑکی والوں کی مرضی کا لحاظ رکھتے ہوئے باندھا جاتا ہے۔ لڑکی والے زیادہ سے زیادہ مہر اس لئے بندھوانا چاہتے ہیں تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے حالانکہ ایسا سوچنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینی چاہئے تھی۔ وہ یہ کہ اگر بوقتِ نکاح مہر نہ دینے کی نیت ہو تو پھر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور انسان زندگی بھر حرام کام میں مبتلا رہتا ہے۔

اس قسم کی کچھ اور فروگذاشتیں کتابچہ کے اندر موجود ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے ان سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ:۔ آخر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہیز اور مہر کے مسئلے میں جو رویہ ہمارے علماء نے اختیار کر رکھا ہے اس سے ہمیں ایک فی صد بھی اتفاق نہیں۔

مہر انعقادِ نکاح کے لئے ضروری ہے یہ سبھی جانتے ہیں۔ لیکن اس کی تعداد میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، بعض لوگوں نے اس سلسلے میں افراط سے کام لیا ہے اور بعض نے تفریط سے، ہندوستان میں آج بھی کئی علاقے ایسے ہیں جہاں ۲۷ روپے سے زیادہ مہر باندھنا کو معیوب سمجھا جاتا ہے راجستھان کے بعض علاقوں میں صرف ساڑھے تین روپے مہر باندھا جاتا ہے۔ اور از راہِ جہالت اس کو مہر فاطمی سمجھا جاتا ہے، یہی حال جہیز کا بھی ہے افراط و تفریط اس بارے میں کھل کر ہوتی ہے۔ بعض لوگ جہیز اتنا دیتے ہیں کہ حد اور بس۔ اور بعض لوگ جہیز کو غلط در غلط قرار دینے کی فکر میں پریشان ہیں۔

ہمارے بعض کم سن علماء بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جہیز مسنون نہیں۔ حالانکہ جہیز کو غیر مسنون باور کرانے کی احتیاج کلیۃً نہیں اور وہ اس لئے کہ جہیز کو سنت سمجھتا ہی کون ہے۔ جہیز منجملہ مباح ہے، یعنی جہیز دینا ضروری نہیں ہے لیکن دینا ناجائز بھی نہیں ہے، البتہ ہمارا محتاط مذہب یہ تاکید ضرور کرتا ہے کہ جہیز دیتے وقت آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ پاؤں اتنی ہی وسعت میں پھیلانے چاہئیں، جہاں تک اپنی چادر کے کنارے ہوں۔

حرص و نقل اور ریا و نمود نہ صرف غلط بلکہ غلط در غلط ہے، جس کا خمیازہ انسان خود بھگتتا ہے، اور اس کی اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

ہمارے علماء کو مخالفت جہیز کی نہیں جہیز کے بارے میں عوام جس افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اس کی کرنی چاہئے۔

افسوس کی بات ہے کہ اصل غلطی کو چھوڑ کر اس چیز کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں، جس کی اباحت میں کسی کو بھی کوئی کلام نہیں۔

یہاں صرف اس ایک جملہ میں سارے موضوع کا حق ادا ہو جاتا ہے کہ جہیز دیتے وقت لڑکی والے اپنی حیثیت کو پیشِ نظر رکھیں اور مہر متعین کرتے وقت لڑکے والوں کو نظر اپنی پوزیشن پر رہے، دوسرے لوگوں کی حرص و نقل اور دنیا دکھاوا سب مضر اور مہلک چیزیں ہیں۔

کتابچہ میں ایک جگہ سرمایہ داروں سے اس بات کی فہمائش کی گئی ہے، کہ وہ بیاہ شادی کے موقعہ پر سخاوت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس سے غریبوں کو پریشانی ہوتی ہے آخر غریبوں کی ایسی پریشانیاں کیسے دور کی جا سکتی ہیں جو حرص و نقل کے بطن سے پیدا ہوتی ہیں۔

سرمایہ دار عمدہ لباس پہنتے ہیں، غریب لوگوں کا بھی یہ عالم ہے کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح ٹیری کوٹ مہیا کر رہے لیتے ہیں، خواہ گھر میں قرض و فاقے کی نوبت آ جائے، ایسی صورت حال میں سرمایہ داروں سے یہ گذارش کرنا ہے کہ وہ عمدہ لباس پہننا چھوڑ دیں، کیوں کہ ان کی اس روش سے غریب لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخر

[illegible] کی نفی تصور ہے،

مولانا [illegible] الدین احیائی اور مولانا جمیل احمد نذیری ہر دو حضرات سے ہماری پُرخلوص گذارش ہے کہ وہ اس کتابچہ پر نظرثانی کریں اور اس موضوع پر محتاط انداز میں قلم اٹھائیں۔ بصورتِ موجودہ یہ کتابچہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر انیس بیس کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے [illegible] استدلال پہلے مقالہ کی بہ نسبت کچھ جاندار معلوم ہوتا ہے [illegible] نظرثانی کرتے وقت اس میں نسبتاً کم محنت کرنی پڑے گی۔

ماہنامہ البدر (کاکوری) کا سالنامہ

چند ماہ قبل کھرے کھوٹے کالم میں البدر پر باقاعدہ تبصرہ کر چکے ہیں۔ اور اسی بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ البدر سے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔ تبصرہ کے بعد البدر کے جو شمارے ہماری نظروں سے گذرے ان میں بہت سے مضامین جاذبِ نظر محسوس ہوئے، اور اس سے ہماری امیدوں میں یک گونہ تقویت پیدا ہوئی۔

اب عبدالعلی صاحب نے انتہائی اور شائستگی کے ساتھ البدر کا سالنامہ شائع کیا ہے، اس سالنامہ میں انھوں نے جو مضامین اکٹھے کئے ہیں۔ وہ دلچسپ بھی ہیں اور ٹھوس بھی، مفید بھی ہیں اور مؤثر بھی۔ مختصراً یہ سمجھئے کہ ہر مضمون اپنی جگہ اہم اور قابلِ تعریف ہے،

قادیانیت کی رد میں لکھا ہوا مولانا جمیل صاحب کا مضمون اس سالنامہ کا حاصل قرار پاتا اگر آخر میں تشنگی نہ رہ جاتی۔

مولانا نجم الدین احیائی کا تحریر کردہ مضمون استدلال یا تک بندی اگرچہ اہم اور دلچسپ ہے لیکن اس کی ابتدائی سطور سے کچھ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم کسی پٹے ہوئے مشاعرے کی رُوداد پڑھنے جا رہے ہیں۔

فاروقی صاحب نے شیعیت کے بطلان میں جو مضمون حوالۂ قرطاس کیا ہے۔ اس کے مفید ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ لیکن بعض جملوں سے مبالغے اور تشدد کی بو آتی ہے جو تسلسلِ حق کو پامال کر دیتی ہے۔

خیر، اکّا دُکّا خامیاں تو ہر مجلے میں ہوتی ہیں ویسے ہمارا خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی البدر کے اس سالنامہ کو عوام و خواص سے خراجِ تحسین ملنا چاہیئے۔

قارئینِ تبصرہ اگر سالنامہ کا دیدار کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

(ماہنامہ البدر (کاکوری)
- لکھنؤ -

گوپال متل ایک مطالعہ

از — محمد عبدالحکیم

ناشر (نازش بک سینٹر، ترکمان گیٹ، دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۶)

صفحات۔ ۱۲۴ - کتابت و طباعت - معیاری

سرورق - سادہ مگر دیدہ زیب

"گوپال متل ایک مطالعہ" محمد عبدالحکیم صاحب کی ایک ایسی تالیف ہے جو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے ایم۔ اے (اردو) کے نصاب میں داخل ہے اور جس کا مقصد گوپال متل کی ادبی حیثیت متعین کرنا ہے،

مذکورہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں گوپال متل کے حالاتِ زندگی، ان کی صحافتی و ادبی خدمات نیز شاعرانہ حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، جہاں تک گوپال متل کی شخصیت کا تعلق ہے، ان کا شمار دورِ حاضر کے صفِ اوّل کے صحافیوں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے، اردو دنیا میں ان کا یہی کارنامہ بہت کافی ہے کہ انھوں نے کمیونسٹ ادب کے خلاف جو ترقی پسند تحریک کی شکل میں ابھر رہا تھا، بڑی بے باکی کے ساتھ قلم اٹھایا اور آزادیٔ تحریر کی ہمیشہ حمایت کی کمیونسٹ تحریک میں کبھی ممکن نہ تھی کیوں کہ کمیونسٹ ممالک میں انسان کے بنیادی حقوق مثلاً آزادیٔ تحریر و تقریر، آزادیٔ پبلیشر وغیرہ پامال ہو کر رہ جاتے ہیں، گوپال متل کی اب تک کم و بیش ۲۵ تصانیف تالیفات، اور تراجم منظرِ عام پر آچکے ہیں، جن میں "لاہور کا جو ذکر کیا" "ادب میں ترقی پسندی" "صحرا میں اذان" "روس کا انقلاب" "آج کا مارکسزم" "آزادی کی وسعتیں" قابلِ ذکر ہیں نیز وہ تحریک تقریباً ۲۵ سال سے پابندی سے نکال رہے ہیں۔

گوپال متل کے نثری و شعری ادب میں خواہ کتنی ہی خوبیاں کیوں نہ ہوں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عبدالحکیم صاحب نے ان کی ادبی حیثیت کا تعین کرنے میں کچھ جانداری سے کام لیا ہے، کتاب کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ محض گوپال متل کی توصیف و توصیف کرنا مقصود ہے نہ کہ ادبی حیثیت کا تعین کرنا، پھر ایم اے کے طلبات کے نصاب میں شامل ہونے کے بعد یہ لازم ہو جاتا تھا کہ گوپال متل کے نثری اور شعری رجحانات کے مثبت اور منفی (Positive and Negative) دونوں پہلوؤں کا ایمانداری اور غیر جانبداری کے ساتھ جائزہ لیا جاتا، ورنہ قاری کو یہ گمان گذرے گا کہ "گوپال متل ایک مطالعہ" کے توسط سے گوپال متل کا پروپیگنڈہ کرنا مقصود ہے اور اس طرح وہ عظیم مقصد فوت ہو جاتا ہے جو مقالہ نگار کے پیشِ نظر ہے،

تعجب ہے مقالہ نگار نے جن اشعار کا انتخاب کیا ہے ان میں بھی چند ایسے اشعار شامل ہیں۔ جن میں فنی نقائص موجود ہیں ایک شعر ملاحظہ فرمایئے، ؎

جلاؤ شمعِ میخانہ کہ شاید روشنی پھیلے
بھیانک شب کا دیباچہ نہ ہو جو شام آتی ہے

مصرعۂ ثانی میں لفظ "ہو" کے استعمال کے بعد "آتی ہے" کو حال سے مستقبل بنانا ضروری ہو جاتا ہے، یعنی "آتی ہے" بمعنی آنیوالی زیادہ بہتر ہے لہٰذا "ہو" کے استعمال سے ردیف بھاگ رہی ہے۔ ایک اور شعر کا مصرعۂ اولیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

"گوش اک مدت سے محرومِ سماعت ہو مگر"

اس مصرعہ میں گوش کی مناسبت سے "ہے" کی بجائے "ہیں" زیادہ مستعمل ہے کیوں کہ کان یا گوش سے متعلق محاورے جمع بولے جاتے ہیں، مثلاً میرے کان کھڑے ہو گئے، ذرا اپنے کان لگا کر میری بات سنو، کان محرومِ سماعت ہیں، کان بند رکھے ہیں۔ وغیرہ۔

ایک شعر اور دیکھئے، ؎

کس دل سے تیرا شکوہ بیدار کر سکیں ٭ مانے ہوئے ہیں ہم نگہہ شرمسار کے

خواتین کیلئے — اُن بہنوں کے نام

جو خاوند، اولاد، اور والدین سے سچی محبت کی دعویدار ہیں۔

ام عصمت ریاض

مشرقی لڑکی جب والدین کے گھر ہوتی ہے تو اس کی تمام تر محبت کا سرمایہ والدین اور بہن بھائی ہوتے ہیں۔ یا ان کے بعد عزیز و اقارب اور سہیلیاں، والدین اور بھائی بہنوں کی باہم محبت میں جو گہرائی ہوتی ہے یقیناً وہ دوسروں کے لئے اسی معیار پہ پوری نہیں ہوتی۔ اور ابتدائی دور کے کم و بیش ۱۵، ۲۰ یا ۲۵ سال انہی محبتوں کے سہارے بیت جاتے ہیں۔ دیہاتی زندگی شہری زندگی سے جہاں اور باتوں کے لئے مختلف ہے، وہاں اس محبت کے معاملے میں بھی فرق برقرار رکھے ہوئے ہے دیہات میں نہ صرف یہ کہ ان حدود سے محبت آگے نہیں بڑھتی بلکہ اس میں اخلاص ہوتا ہے مگر شہری زندگی میں ادب نے جو بے ذوقی کا سبق دینا شروع کیا ہے اس نے بلا شبہ ان قدروں کو پامال کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

میں نے بھی ایک دن کی کھلی فضائیں والدین اور بھائی بہنوں کی محبت کے سہارے زندگی کے بیس سال گذارے تھے کہ ایک دن زمانے کے دستور کے مطابق ایک انجانے شخص کے ساتھ میرے مستقبل کا فیصلہ کر دیا گیا، دل کی کیفیت جو اس لمحے ہوتی ہے اس سے بھی بہنیں بخوبی واقف ہیں۔ والدین بھائی بہنوں سے جدائی، سہیلوں اور اس ماحول سے دوری اور ان سب سے بڑھکر یہ خدشات بھی کہ نئے گھر میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا، جس کے ساتھ میرا مستقبل وابستہ ہے وہ اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرے گا؟ یہ صرف میری سوچیں نہ تھیں ہر دوسرے گھر جانیوالی یونہی سوچتی ہے۔ ماسوائے "لو میرج" والیوں کے اور ان میں کوئی تبصرہ نہیں کرتی۔

قادر مطلق کا نظام بھی کیا خوب ہے کہ اس ازدواجی تعلق قائم ہوتے ہی لڑکی، والدین کی محبت میں اس نئے شخص کو بھی برابر کا حق دینے پر مجبور سا پاتی ہے، پھر وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ اس کی محبت کا محور وہ شخص بن جاتا ہے جسے کچھ عرصہ پہلے تک وہ جانتی نہ تھی بلکہ معاشرے کے عام آدمی سے جس طرح کا سلوک ایک باعصمت کو کرنا چاہئے وہ اسی کا مستحق تھا اور اب وہی اس کا سرتاج بھی ہے اور وہی اس کا دنیوی سہارا ہے۔ پھر اس محبت میں اولاد حصہ بٹاتی ہے کہ کائنات کا یہی دستور ہے۔

انہی راہوں پر سفر کرتی میں بھی اپنے نئے گھر پہنچی، میرے جذبات بھی یہی تھے، میرا خاوند اور میری اولاد میری محبت کا محور قرار پائے مگر گھر قطعًا درمیانے درجے کا تھا۔ دیسی الحمد للہ ان کے ساتھ ساتھ گھرستی میں اس قدر الجھتی چلی گئی کہ وہ گھر جہاں بچپن سے جوانی تک کے طویل سال ترتیبی کی ساتھیوں کے ساتھ گذارے تھے اب اپنی ثانوی حیثیت بھی کھو گیا، والدین کی محبت تو دل میں برقرار ہے، سہیلیاں یاد تو آتی ہیں مگر بچے اور ان کا باپ سب چیزوں پر فوقیت لے گئے اور اس میں بے بس سی ہو گئی ہوں، اب میری محبت یہ چاہتی ہے کہ یہ میری آنکھوں کے سامنے رہیں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ میں انہیں کہیں اس طرح سنبھال سمیٹ لوں کہ زمانے کی گرم سرد ہوا نہ لگے، میری طرح ماسوائے چند گزیدہ ادب بہنوں کے شاید ہر عورت اپنے عورت پن کے ہاتھوں، اسی طرح کی سوچنے کے لئے مجبور ہوتی ہے کیفیات میں معمولی کمی بیشی تو ہو سکتی ہے کیوں کہ سب کی قلبی واردات ایک جیسی ہو نہیں سکتی۔

میں اسی سوچوں میں الجھتی چلی گئی کہ کس طرح خاوند اور بچوں کو اپنے سامنے رکھوں کیسے جی بھر کے ان سے محبت کا حق نبھاؤں، میری یہ سوچیں قطعًا فطری تھیں جتنا سوچتی اور الجھتی کیونکہ یہ زندگی انسان سے اور بہت سی مصروفیات کے تقاضے کرتی ہے۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی اپنے خاوند کا زیادہ عرصہ گھر سے باہر رہنا مجھے گوارا نہ تھا، میں انہیں اسی قدر چھٹی دینے پر آمادہ ہو پاتی تھی جسقدر غم روزگار کیلئے ناگزیر ہو۔ اس میں خدانخواستہ میرا جبر یا برتری کا احساس شامل نہیں تھا بلکہ خالصتًا اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھی، میری بہت سی بہنیں اسی قسم کے حالات سے دوچار ہو سکتی ہیں۔

میری سوچوں کو ایک روز کنارا مل گیا اور میں منجدھار سے نکل آئی۔ مجھے روحانی سکون ملا، مجھے اپنے خاوند اور بچوں سے مستقل قرب کا راز مل گیا۔ آج میرا ایمان ہے کہ میں خوش نصیب ترین عورت ہوں۔ اب تو صرف یہ کہ میں خاوند اور بچوں سے حقیقی محبت کا حق ادا کرنے والی ہوں، بلکہ والدین سے بھی محبت کر کے ان کے احسانات کا اعتراف اور بدلہ اگرچہ کبھی پورا ادا ہو نہیں سکتا ادا کرنے کا سوچ سکتی ہوں۔

جو نکتہ مجھے ہاتھ لگا ہے آپ بھی جان لیجئے یہ زندگی قطعًا عارضی ہے اور یہاں محبت جس درجے کی ہو عارضی ہے اصلی زندگی اس کے بعد شروع ہونے والی ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گی، عارضی زندگی میں اگر کسی اعلیٰ وارفع نصب العین کی خاطر عارضی جدائی برداشت کر کے اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو اس کے بدلے میں خدا تعالیٰ کا زندہ ہے کہ جنت انعام میں ملے گی۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کا مفہوم میرے ذہن میں کچھ اس طرح سے ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے میاں بیوی اکٹھے کر دیئے جائیں گے لہذا کیوں نہ ہم اپنی ساری صلاحیتیں ساری محبتیں اس دنیا میں ہر ایسے کام میں لگا دیں جو اللہ اور رسول کی خوشنودی کی راہ کی طرف لے جانے والا ہوتا۔ تاکہ آخرت میں ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے رہنے کا دائمی موقعہ نصیب ہو جائے۔ جب سے سوچ نے یہ دھارا اختیار کیا ہے مجھے اپنی محبت کے پہلے دعوے سے خود غرضی نمایاں جھلکتی نظر آنے لگی ہے، اور کچھ احساسِ ندامت بھی ہے آخر کتنے دن سال میں خاوند کو میں یہاں آنکھوں کے سامنے رکھ لونگی؟

یہ بات طے ہو جانے کے بعد اب میں نے کمر ہمت باندھ لی کہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود میں اللہ اور اس کے رسول کے دین کی اشاعت و تبلیغ کا کام کروں گی۔ جس سے یہ میرا مقصد پورا ہو۔ میں قطعًا یہ نہیں سوچوں گی کہ میرے مقدر میں کم کسی یا توانائیاں اور ذمہ داریاں زیادہ ہیں میرے رب نے جو کچھ مجھے دیا ہے اسی کے مطابق مجھ سے مواخذہ

ہوگا۔

اپنے خاوند سے سچی محبّت کا حق ادا کرنے کے لئے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہوں کہ وہ زیادہ سے زیادہ کام کرلیں۔ جن سے رب العزّت خوش ہوجائے، اب میرے لئے ان کی کم یا زیادہ جُدائی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیوں کہ اعلیٰ نصب العین کے لئے قربانی تو ناگزیر ہے جنّت کا وعدہ اور سودا کوئی معمولی بات تو نہیں۔

انہیں پتھروں پر چل کر آسکو تو آؤ،
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے،

جہاں ممکن ہوتا ہے، ہم مل کر، قدم ملاکر، راہِ خدا میں چلتے ہیں کہ آخرت میں یہ قدم اسی طرح اٹھیں، اور جہاں دونوں کے حلقہ ہائے کار الگ ہوتے ہیں وہاں الگ الگ پائے رکاب، منزل الحمد للہ ایک ہے، لگن بھی ایک جیسی، آمین۔

پھر اولاد کی تربیت پر توتوجہ سب ہی والدین دیتے ہیں، میں بھی کوشش کرتی ہوں، اپنے رب سے دعا بھی کہ ہدایت صرف اسی ذات کے ہاتھ ہے، اولاد میرا دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے، دنیا کی نیک نامی ہی بلکہ اولاد کا ہر نیک عمل والدین کی زندگی میں بھی ان کے کھاتے کو وزنی بنانے والا ہے، پھر اس یقین کو بھی تقویت ملتی ہے کہ میرے بچوں سے میری ملاقات خلد بریں میں ہوگی۔ اور وہ آخرت کی گرمی سے بچ جائیں گے، انشاء اللہ، ممتا تو اولاد کی، اس دنیا میں معمولی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اولاد سے محبت کا حق یہی ہے کہ بچوں کو ابھی سے راہِ حق میں نکالا جائے تاکہ مستقبل میں کسی مرحلے پر بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائیں۔ میری آنکھوں کے سامنے ان کی تربیت ہو، میرے نزدیک اپنے ساتھ اپنے خاوند کے ساتھ محبت خیر خواہی کا حق بھی اسی طرح ادا ہوتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ نے والدین کے حق پر سب سے زیادہ زور دیا ہے بلکہ اپنے بعد درجہ ہی والدین کا رکھا ہے، میرا ایمان ہے کہ والدین کے لئے دنیا و آخرت میں اس سے بڑھ کر نافع کام کیا ہوگا کہ ہر وہ کام کرنے کی سعی کو ترجیح دی جائے جس کا حکم ملا ہے اور ہر اس کام سے رک جائے جہاں سے روکا ہے رسول اللہ ہمارے ذمہ اشاعت دین اور برائی سے روکتے رہنے کا جو فریضہ کر گئے ہیں اس پر کاربند ہوجائیں۔ ہر محبّت کا حقیقی حق خود بخود ادا ہوگا، اور پھر عارضی اور چند گھنٹوں یا مہینوں کی جدائی سے دل بوجھل نہیں ہوگا۔

دورہ کیا، ہر جگہ سے یہی شکایت سنی کہ سائرن عموماً دشمن کے حملے کے بعد بجتے تھے۔

(ہفت روزہ زندگی لاہور)

اس تحریر سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مسٹر بھٹو پاکستان کے بد خواہوں سے ملے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کے ذہن کو معطل کرنے کے لئے انھیں جھوٹی تسلیاں دیں اور فوجی جرنیلوں پر بھی یہ تاثر چھوڑا کہ جنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ قوم ہی نے جنگ کے لئے تیاری کی اور نہ ہی پاکستان کی فوج نے اپنے بچاؤ کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا۔ جنگ تو ہوئی ہی تھی اور ہر گئی لیکن پاکستان کی سرحدوں پر جمود اور تعطل کے اندھیرے بکھرے ہوئے تھے اور بالآخر یہی اندھیرے پاکستان کے دو ٹکڑے کر گئے اندرا اور بھٹو کی ساز باز نے اس طرح پاکستان کو اپاہج کر دیا اور سازش و پروگرام کے مطابق مسٹر بھٹو اقتدار کی کرسی پر جم گئے۔

جی ڈبلیو ڈھاکہ یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر رہ چکے ہیں اور فی الوقت امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی سے منسلک ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے متحدہ پاکستان کے آخری ایام۔ اس کتاب میں انھوں نے بہت سے اہم رازوں سے پردہ ہٹا کر یہ ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں ایک مدت سے سازش کی ہانڈی پک رہی تھی اور ایک عرصۂ دراز سے پاکستان کے پرخچے اڑانے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔ اس کتاب کے اہم اقتباسات بھی اگر نقل کئے جائیں تو بات طویل ہو جائے گی۔ لہٰذا ہم صرف ایک ہی جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہی ایک جملہ بھٹو کے اندھے عاشقوں پر بھاری گذرے گا

بنگلہ دیش بن جانے سے قبل جب پاکستان میں یہ سازش اور جوڑ توڑ کا بازار گرم تھا اس وقت مصنف نے یحییٰ خاں سے رابطہ قائم کیا کہ مصالحت کی جگہ جو گفتگو آپ ان دنوں مجیب سے کر رہے ہیں ان میں کامیابی کے امکانات کس حد تک ہیں؟

یحییٰ خاں نے جواب دیا:

اس راہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔
ایک مکار عورت اندرا گاندھی اور دوسرا ہوس اقتدار میں اندھا بھٹو۔

اب یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے کہ پاکستان کو دو ٹکڑوں میں کر دینے کا سہرا بھٹو کے سر بندھتا ہے لیکن ہندو ذہن اور روسی نظریہ کی کامیابی ہے کہ آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس بھٹو کی قصیدہ خوانی میں اپنی صحت برباد کر رہا ہے کہ جس نے پاکستان کے ٹکڑے کرائے اور مسلم قوم کو ہتھیار ڈلوا کر دنیا بھر میں ذلیل کیا اور اسلام کی گردن میں شکست و ریخت کا "اعتراف نامہ" لٹکوانے کی خدمت انجام دی۔

اس طرح اپنے اقتدار کے لئے، نہرو خاندان کو خوش کرنے کے لئے اور ہندوستان کے برہمنوں کا دل جیتنے کے لئے مسٹر بھٹو نے پاکستانی قوم اور مذہب اسلام کے ساتھ جو غداری کی ہے، اسے اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی

خیر۔ بھٹو کی برسہا برس کی آرزو پوری ہو گئی وہ پاکستان کی صلاب میں سیاست کا خنجر گھونپ کر اقتدار کی کرسی پر جم گئے اور اندرا حکومت نے قدم قدم پر ان کی مدد کی۔ بھٹو مطمئن تھے ایک ایسی عورت کا سہارا انھیں میسر تھا کہ جو ہندوستان کے ساٹھ کروڑ انسانوں کی مالک تھی۔ شملہ معاہدہ کے موقعہ پر دوستیاں اور پختگی پیدا ہو گئی۔ اسی موقعہ پر اندرا گاندھی پر یہ حیرت انگیز راز منکشف ہوا کہ بھٹو سیاسی مسلمان ہیں اور ان کا نام :-

"گھاسی رام" ہے۔ اندرا گاندھی کو ہمیشہ ایسے لوگوں کی ضرورت پڑتی رہی تھی، کہ جو مسلمان ہوں یا نہوں لیکن مسلمان

سمجھے جاتے ہوں تاکہ ان کے ذریعہ مسلمانوں کا بے وقوف بنایا جا سکے،

اس کے دائیں ہاتھ میں مولانا اسعد تھے، اور ان کا پورا حلقہ تھا، ان کی پوری جماعت تھی، بائیں ہاتھ میں حمید دلوائی تھے، ان کی اہلیہ تھیں اور وہ تمام زید و بکر تھے، کہ جو ازل سے اسلام کے دشمن تھے اور اسلام کو نقصان پہونچانے ہی کے لئے خود کو مسلمان کہتے تھے، اب خیر سے بھٹو ان کے ہاتھ لگ گئے تھے اور ان سے یہ معاہدہ کر چکے تھے، کہ میں ہندوستان کی پالیسی کے خلاف کبھی ایک لفظ زبان سے نہیں نکالوں گا، انھیں شملہ معاہدہ کے موقعہ پر اندرا گاندھی کو یہ یقین بھی دلایا تھا کہ جب تک میرے دم میں دم ہے میں "ملاؤں" کے خلاف صف آرائی کرتا رہوں گا، اندرا گاندھی نے بھٹو کو خوش ہو کر انعام دینا چاہا تو ایک مسلم اسٹیٹ کے صدر نے جو خواہش ظاہر کی۔ اسے ... تاریخی حیثیت حاصل ہے، بھٹو صاحب نے فرمایا مجھے میرا پسندیدہ ریکارڈ عطا کر دیا۔ چنانچہ ان کی خواہش پوری کر دی گئی، اور ان کی پسند کا ریکارڈ انھیں دے دیا گیا۔

قارئین تجلی حیرت کریں گے کہ انھوں نے "ہرے راما، ہرے کرشنا" والے ریکارڈ کی فرمائش کی تھی، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کے بیہودہ ذہن میں اسلام کی بجائے کیا چیز اقامت پذیر ہوا اور پھر بے چارے ملاؤں نے جب الحاد پرستی پر ان کی خبر لی تو بھٹو صاحب بگڑ گئے، علماء اور اسلام کے تو وہ ازلی دشمن تھے ہی لہذا دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے انھوں نے ہر اس شخص کو تباہ کر دینے کی ٹھان لی جو انھیں عالم اسلام یا انھیں عاشق اسلام محسوس ہوا، ظلم اور چیرہ دستی کے واقعات تو بیشمار ہیں، لیکن نمونتہً کچھ واقعات اور کچھ باتیں قلم کی نوک پر آنے کے لئے بے تاب ہیں، پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ظلم و جور کی وہ سنگین داستانیں پے در پے سامنے آ رہی ہیں۔ دوسروں کو چھوڑ دیجئے اپنو ہی کے تو اس نے (بھٹو نے تجلی) وہ ظلم کئے ہیں کہ سن لے اور پڑھنے کی ہمت نہیں رہی، اس نے مادہ سانپ کی طرح اپنے بچوں کو بھی کھا لیا مختار رانا سب سے پہلے اس کے استبدادی پنجہ کا شکار ہوتے افتخار چودھری کو ظلم کی چکی میں پیسا گیا احمد رضا قصوری کی جان لیتے لیتے ان کے والد کا لہو نچوڑ لیا گیا، خواجہ خیر الدین کی داستان غم بھی عام ہو چکی ہے، سیالکوٹ کا سابق ایس پی جو بھٹو کے حسب منشا ظلم نہ کر سکا او برطرف کر دیا گیا۔

حال ہی میں اس نے اپنی برطرفی کی وجہ بیان کی ہے وہ یہ کہ اسے حکم ملا تھا کہ ملک سلیمان سابق ایم این اے ضلع سیالکوٹ کی نوجوان بیٹیوں کو اغوا کر لیا جائے ان کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے اور اس واردات کی تصویریں بھٹو کو بھی جائیں۔ ایس پی نے کہا کہ میری بھی ایک بیٹی ہے اور میں ایسا نہیں کر سکتا اور برطرف کر دیا گیا۔

(ایشیا - لاہور)

میاں محمد طفیل امیر جماعت اسلامی پاکستان نے ہفت روزہ ایشیاء کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا؛

جیل میں جو طریقے انھوں نے اختیار کئے وہ ان کے پورے دورِ حکومت کا طرۂ امتیاز رہا ہے عارضی طور پر تو بھٹو نے مجھے اے کلاس میں حوالاتی کی حیثیت سے بند کیا، لیکن عملاً انھوں نے مجھے مختلف طریقوں سے زیر اور پریشان کرنے اور میری توہین کرنے کی پوری پوری کوشش کی مثلاً رات کو جیل کی سلاخوں کو کھٹکھٹانا، شور و غل کرنا، انتہائی گندی اور غلیظ گالیاں رات دن دہراتے رہنا، اور سب پر فحاش قسم کے دار ڈروں کے ذریعہ سے غنڈوں سے پٹوانے تک کی کوشش کرنا تاکہ ردِ عمل ہو اور انھیں مزید کارروائی کرنے کا موقعہ ملے۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے میاں محمد طفیل صاحب نے فرمایا۔

بھٹو دور میں سب سے پہلے ڈاکٹر نذیر احمد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا پھر پروفیسر منصور غفور احمد صاحب کو بھی شہید کرنے کی پے در پے دھمکیاں ملتی رہیں، جماعت کے بعض دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی پتہ چلا کہ وہ اس فہرست میں موجود ہیں، یعنی ان کو بھی ختم کرنے کا منصوبہ پیش نظر ہے چنانچہ شیخوپورہ کے جلسہ میں پروفیسر غفور احمد پر بم پھینکا گیا۔

اس کے علاوہ کراچی میں ہمارے نوجوان ضامن علی کو پولیس نے ان کے گھر میں گھس کر اس وقت گولی مار کر شہید کر دیا جب وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بے خبر سو رہے تھے، دروازہ کھٹکھٹا کر ان کو جگایا اور جوں ہی انھوں نے دروازہ کھولا گولی ان کے سینے میں پیوست کر دی گئی۔ پھر نظامِ مصطفےٰ کی تحریک کے زمانہ میں تو جماعت کے ہزاروں کارکن گرفتار ہوئے اور سینکڑوں زخمی اور شہید ہوئے راولپنڈی میں جماعت کے دفتر پر پیپلز پارٹی کا جلوس پولیس اور مجسٹریٹ کے ہمراہ آیا، اور جلوس کا جو راستہ متعین تھا وہ وہ اس کو ... کر آیا پولیس کی موجودگی میں جماعت کے دفتر کو آگ لگائی گئی، جس سے جماعت کے دفتر کی دو منزلیں جل گئیں اور سامان بھی جل کر راکھ ہو گیا، گرینڈ پھینکا گیا جس سے جماعت کا نوجوان کارکن اظہر مرزا شہید ہو گیا سی آئی ڈی اسے قتل میں ہمارے

نوجوانوں کو ۔۔۔ کر دیتیں ہوتا رہیں، بعض کے ناخن تک کھاڑ دیئے گئے اور اس بات کے لئے ان کو مجبور کیا جاتا رہا کہ اور اس بات کے لئے ان کو مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ اس بات کا اقبال کریں کہ بم مارنے اور پل اڑانے کے جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان وارداتوں میں نہ صرف یہ کہ ملوث ہیں بلکہ یہ کام مولانا مودودی میاں طفیل محمد اور جماعت اسلامی کے دیگر رہنماؤں کی ہدایت پر کر رہے ہیں، مولانا مودودی کے بارے میں یہاں تک الزام عائد کیا کہ انھوں نے اپنی نگرانی میں بم سازی کی فیکٹری قائم کر رکھی ہے۔

(ایشیاء لاہور)

ایک مرتبہ پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم نے بھٹو کے دورِ آمریت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا تھا۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے تختۂ اقتدار پر انسان نہیں بلکہ انسان نما بھیڑیئے قابض تھے، جنھیں انسانی خون کی چاٹ لگی ہوئی تھی۔ کی دیرہ دست آزادی ان کا محبوب مشغلہ تھا، اور قتل و غارت گری ان کا دل پسند پیشہ اور پاکباز عورتوں کی ردائے عصمت تار تار کرنے کو اپنا کمال سمجھتے تھے اور خصوصاً کہ زیر بحث ظلم و ناانصافی اور اقربا پروری جیسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب گویا ان کی فطرت میں داخل ہو چکا تھا۔

(ترجمان القرآن لاہور)

اس قسم کے سنگین اور روح فرسا واقعات سے پاکستانی اخباروں کے صفحات بھرے ہوئے ہیں، کہاں تک انھیں نقل کیا جائے حساس اور سمجھ دار لوگوں کے لئے بھٹو کو ظالم اور چپیرہ دست سمجھنے کے لئے یہی بہت کافی ہے، جو ہم نقل کر چکے ہیں، حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ظلم و ستم کی خونین داستانیں طشت از بام ہو چکی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے چند مسلم اخباروں کا عالم یہ ہے کہ وہ بھٹو کو فرشتہ ثابت کرنے کیلئے اپنا شعور اور سوجھ بوجھ بے وقوفی کے آرے چلا رہے ہیں۔ بھٹو نے اپنے مخالفوں کی زبان بند کرنے کے لئے جو غلط اور سنگین طریقے اختیار کئے۔ ان کا تصور بھی شریف لوگوں کی شرافت کو لرزہ براندام کر دیتا ہے، بھٹو کی خفیہ پولیس دراصل غنڈوں پر مشتمل تھی، اس کا کام یہ تھا کہ بھٹو کے خلاف تقریر کرنے والے حضرات کی بہو بیٹیوں کو اغوا کر لیتی تھی پھر انھیں بلیک میل کیا جاتا تھا، اور ان سے یہ سودا کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا قلم توڑ دیں اور اپنی زبان بند کر لیں۔ اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرتے تو انھیں اس بات کی دھمکی دی جاتی کہ ان کی اغوا شدہ لڑکیوں کا دامن ناموس تار تار کر دیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اندرا اور سنجے نے ہندوستان میں عوام پر جو مظالم ڈھائے تھے، وہ ان مظالم کا عشر عشیر بھی نہیں جو پاکستان کے شرفاء پر بھٹو اور اس کے حواریین ڈھاتے رہے،

قابل حیرت اور ناقابلِ یقین بات یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی میں اکثریت "ہندو فق"

کی ہے، بالخصوص اس کی خفیہ پولیس تو صد فی صد
ہندوؤں پر مشتمل ہے یا اس میں چھانٹ کر ایسے
مسلمان رکھے جاتے تھے کہ جنھیں اسلام سے عداوت
تھی، اور جو اسلام کی روایات کو نیست و نابود کرنے
کے خواہاں رہتے تھے، پاکستان کے ہندوؤں نے اپنے
مکانوں پر پیپلز پارٹی کے جھنڈے نصب کرائے
تھے، اور ان جھنڈوں کی موجودگی میں کسی مسلمان
کی یہ مجال نہیں تھی کہ ہندوؤں کی جانب سے کوئی
ناخوشگوار بات دیکھکر بھی ان کی طرف انگلی اٹھا سکے
بعض علاقوں پر ہندوؤں کو مسلط کر دیا گیا تھا، چنانچہ
پاکستان کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ

بلوچستان اور سندھ کے
شمالی اضلاع کی تجارت
اور منڈیاں کلیۃً ہندو
سرمایہ داروں کے قبضہ
اور تصرف میں دے دی
گئی ہیں، اور ان علاقوں
کی اہم ترین منڈی جیکب
آباد کو ہندوؤں نے اپنا
ہیڈ کوارٹر بنا لیا ہے،

صرف یہی نہیں کہ بعض علاقوں پر ہندوؤں کا
تسلط قائم کر دیا گیا، بلکہ انھیں اتنی چھوٹ دے دی
گئی ہے کہ وہ من مانی کریں اور کرتے رہیں، کوئی انھیں
سزا اور احتساب سے دوچار کرنے والا نہیں تھا، جتنا
سندھ میں ہندوؤں کی اکثر اور سینہ زوری کا اندازہ
مندرجہ ذیل خبر سے لگایا جا سکتا ہے،

۳۰ر اپریل مارشل لا کے ضابطہ
نمبر ۱۲ کے تحت سابقہ حکومت
(بھٹو کی حکومت) کے قائم
کردہ ناجائز واٹر کورس
فوری طور پر ختم کر دیئے گئے
اس سلسلہ میں یہاں کے ایک
بڑے زمیندار کشن چند کا
واٹر کورس بند کر دیا گیا
جو اس نے دیہہ چند کے ایک
زمیندار محفوظ خاں قائم خانی
کا پچیس سالہ پرانا واٹر کورس
بند کرا کے قائم کیا تھا۔
(روزنامہ جسارت)
کراچی۔

دیکھ لیا آپ نے یہ ہوا ہے بھٹو کے دور حکومت
جس میں ہندو غالب تھا اور مسلمان مغلوب یہ باتیں ہندوستان
کے ہندوؤں کو بھی معلوم ہیں، اور مسلمانوں کو بھی، لیکن
ہندو از راہ سیاست خاموش ہے، اور مسلمان از راہ
حماقت بھٹو کی حمایت و طرفداری میں طرح طرح کی
قلابازیاں کھا رہے ہیں۔

ہفت روزہ زندگی لاہور کے نمائندے نے
سندھ کے ایک علاقہ میں بکھری ہوئی زیادتیوں اور
دھاندلیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلے تو یہ انکشاف
کیا ہے کہ یہاں کے ہندو مسلمانوں پر یلغار کرتے رہے
ہیں اور ان کے مال و منال اور عزت و آبرو سے دھینگا
کھیل کھیلتے رہے ہیں، اور اس کے اس نے ایک
واردات کا ذکر کیا ہے، جس میں مسلمانوں پر فائرنگ
کی گئی تھی، اور انھیں لوٹنے کا منصوبہ تھا، پھر
آگے چل کر ہفت روزہ زندگی نے اپنے نمائندے
کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ

اس پوری واردات سے پولیس
کو مطلع کیا گیا، لیکن اس نے
بھی واردات کا تدارک کرنے
اور ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے
کی کوشش نہیں کی اور دوسری
جانب صورت حال یہ ہے کہ

ان ہندؤوں کی جگہ میں پاکستان
میں تھیں اور ۱۹۶۵ کی ہند
پاک جنگ ہندوستان سے
ہجرت کرنے والے مسلمانوں
نے تیس سال سے آباد کرنا
شروع کی ہیں، لیکن ان
ہندؤوں کی رشتہ داروں
کا جھوٹا دعویٰ کر کے نہ صرف
کئی مسلمانوں کو یہ زمینیں
آباد کرانے سے روک رہے
ہیں، بلکہ انھیں گرفتار کرنے
کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں
ان ہندؤوں کی نمائندگی رانا
چندر سنگھ حیدرآباد اور
سندھ کے رہنے والے
مختلف ہندو کر رہے ہیں۔

(اشاعت ۵ تا ۱۱ مئی ۱۹۷۸ء)

ایک نمونہ اور ملاحظہ فرما لیجئے، آپ نے سنا ہوگا کہ کشمیر کے لوگوں نے بھٹو کے حق میں کچھ مظاہرے کئے ہیں، اور بھٹو کو سزائے موت سے بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا ہے۔ یہ کون لوگ تھے اور ان مظاہروں کی کیا حقیقت تھی، اس کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیا جا سکتا ہے، لاہور کا ہفت روزہ ایشیاء لکھتا ہے،

بھٹو کو لاہور ہائی کورٹ
کی طرف سے محمد احمد خاں
کے قتل کے جرم میں سزائے
موت سنائے جانے کے خلاف
مقبوضہ کشمیر کے بعض علاقوں
میں مظاہرے اور جزوی
ہڑتالیں ہونے کی جو مبالغہ
آمیز خبریں بی بی سی سے
نشر کی گئی تھیں، ان کا بھانڈا
کشمیر کے اخباروں نے پھوڑ
پھوڑ دیا ہے ان اخباروں نے
بتایا ہے کہ سری نگر اور دوسرے
مقامات پر جو احتجاجی مظاہرے
ہوئے ہیں وہ کمیونسٹ پارٹی
آف انڈیا کی شاخ اور اندرا
گاندھی کی کانگریس کے ترقی
پسند گروپ نے کروائے
ہیں۔ سری نگر کے ایک اخبار
"روشنی" نے ۲۲ مارچ کو
بھٹو کی سزا یابی کے خلاف
مظاہروں کی جو خبر شائع
ہوئی اس میں بتایا گیا ہے
کہ احتجاجی جلوس کمیونسٹ
پارٹی آف انڈیا اور پیپلز
لبریشن فرنٹ کے زیر اہتمام
نکالے گئے تھے اور ان میں
ترقی پسند نوجوانوں اور
عورتوں نے حصہ لیا، روشنی
کی رپورٹ کے مطابق ان
احتجاجی جلوسوں سے خطاب
کرنے والوں کے نام حسب
ذیل ہیں۔

کامریڈ عبدالستار انجم
کامریڈ نور محمد کامریڈ عبدالعزیز
زرگر کامریڈ منوہر ناتھ کول
بی بی سی کی ایک خبر اور
تھی کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد
نے پاکستان کی سرحد تک

مارچ کرکے بھٹو سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مظاہرہ کشمیر اسمبلی کے ایک کانگریسی رکن مسٹر بھیم سنگھ نے تیار کیا تھا، بھیم سنگھ ایک متعصب ہندو ڈوگرہ اور اشتراکی ہے۔ اس مظاہرے میں سوائے چند مسلمانوں کے باقی تمام تر ہندو یا سکھ تھے،

یہی نہیں بلکہ شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس کے حامی اخبار روزنامہ "صبح" سری نگر نے اپنی ایک اشاعت میں یہ لکھا ہے،

پاکستان کے سابق وزیر اعظم شری ذوالفقار علی کو سزائے موت ملنے پر کشمیر میں کئی ایسے لوگوں اور بدنام لیڈروں نے مظاہرے کئے جو اسمبلی کے حالیہ انتخابات کے وقت یہ فرماتے تھے کہ نیشنل کانفرنس کو ووٹ دینا پاکستان کو ووٹ دینا ہے لیکن اب وہی لوگ بڑی بے حیائی سے جناب بھٹو کی سزائے موت کے خلاف واویلا کرنے لگے ہیں۔

ان تحریروں کے نقل کر دینے کے بعد اس بات کی احتیاج محسوس نہیں ہوتی کہ ہم حاشیہ نگاری کا فرض انجام دیں۔ یہ تحریریں خود یہ ثابت کر دیتی ہیں کہ بھٹو کے حامی عناصر کون ہیں اور کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسے اتفاق نہیں کہہ سکتے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی حمایت پاکستان میں جس قسم کے ہندو کر رہے ہیں، اسی قسم کے ہندوؤں نے بھارت میں تخریبی مظاہروں کو جنم دیا ہے اسے بھی اتفاقات میں شمار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں ہی ملکوں میں بھٹو کی حمایت کا سہرا ان مسلمانوں کے سر بندھا ہے جو اسلامی روایات کے کٹر دشمن ہیں اور جن کو اسلام سے فقط وہ نسبت ہے جو صبا کو گلستاں سے ہوتی ہے ان سلسلہ وار اور غیر اتفاقی حقائق کے پیش نظر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ کفر اور الحاد کے دیو دارِ ہند دروازہ سے پاکستان میں داخل ہو جائیں اور اسلام کا ملیا میٹ کر دیں۔

بھٹو کو کسی طرح اگر مسلمان مان لیا جائے تو بھی یہ بات اپنی جگہ مسلم اور طے شدہ ہے کہ اسلام بھٹو کی "چڑ" تھا اسلام اور اربابِ اسلام کا جب بھی ذکر ہوتا تھا۔ بھٹو بکھر جاتے تھے، اور وہ اسلام کے ہر شیدائی کو "ملا" یعنی دقیانوس کہہ کر مطمئن ہو جاتے تھے، انھیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ان ہی دقیانوس ملاؤں کی ایک مٹھی بھر جماعت ان کی دھاندلیوں کا قتل عام کر کے انھیں جیل میں سڑوا دے گی اور اس پیپلز پارٹی کی نیندیں حرام کر دے گی۔ جو اسلام اور اس کی روایات کا خون کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اور جس میں اکثریت ایسے افراد کی تھی کہ جو نہ صرف اسلام کے بدخواہ تھے بلکہ نظریۂ پاکستان کے بھی از حد مخالف تھے۔

٭ ٭ ٭

نوٹ کیجیے

تجلی کا اگلا شمارہ

خاص نمبر ہوگا

اور اس میں ہوگا ــــــــ کیا

★ دار العلوم کے جشن صد سالہ سے متعلق ایک اہم مضمون۔
★ پالن حقانی کی طرفداری میں لکھے گئے مضمون کی دوسری قسط
★ ایک مراسلہ کے جواب میں مولانا ارشاد مبلغ دار العلوم کے بارے میں بے لاگ اظہار خیال۔ اور انکو کچھ نصیحتیں۔
★ انصاری برادری سے متعلق آئے ہوئے ایک اشتہار کا تفصیلی جواب اور اس جملہ کی تردید کہ جولاہے دو رکعت نماز پڑھکر وحی کا انتظار کرتے ہیں۔
★ بریلوی حضرات کی مشہور و معروف کتاب، بہار شریعت پر کی گئی تنقید کی پہلی قسط۔
★ تعویذ گنڈوں کے خلاف لکھے ہوئے ماہنامہ "الحق" کے اوراق کا علمی تعاقب، علاوہ ازیں کئی خصوصی مضامین نیز تجلی کے مستقل عنوانات بھی بدستور قائم۔
★ اور مولانا مودودی کی دو اہم تقریریں بھی شریک اشاعت،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرِ حق کی ۲۹ ویں منزل

اور

انتیسویں منزل کا چوتھا اقدام!

فی شمارہ ــــــ ڈھائی روپے

عمومی زرِ تعاون چھ ماہ کیلئے ــــــ تیرہ روپے

"	ایک سال کیلئے	چوبیس ۲۴ روپے
"	دو سال کیلئے	بیالیس ۴۲ روپے
"	تین سال کے لئے	ساٹھ روپے
"	چار سال کے لئے	پچھتر ۷۵ روپے
"	پانچ سال کے لئے	نوے ۹۰ روپے

خصوصی زرِ تعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سال بھر کیلئے ازراہ تعاون جو رقم بھیجی تھی اس کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ تجلی کو اگر آپ نے اپنے اور اپنے اہل خانہ کیلئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس ۲۴ روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنے کی اجازت دیں ورنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع کر دیں اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی پی کر دینگے۔ پھر نا آپکا اخلاقی اور وی پی وصول فرض ہوگا

حسن احمد صدیقی

فاضلِ دیوبند

جولائی ۱۹۷۸ء

تجلیات

دستور

مستقل

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی نوراللہ مرقدہ

اسلام کا موقف محض لفاظی اور خوش کلامی نہیں وہ سچ مچ جرائم کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ ایسے سانچے میں ڈھل جائے جس میں کم سے کم بڑے بڑے جرائم تو عملاً ناممکن ہی ہو جائیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ مثبت اور منفی ہر قسم کے ذرائع استعمال کرتا ہے۔ ایک طرف وہ غیر مختتم اور ہمہ گیر خوش کرداری کی تعلیم دیتا ہے دوسری طرف سماج کو اُن تمام محرکات سے پاک کرتا ہے جو مجرمانہ ذہنیت کو غذا مہیا کرنیوالے ہوں۔ حساب آخرت کو قلب و روح کی آخری تہوں تک جاگزیں کرتا ہے اور پھر بدکرداریوں کی سزا میں خوفناک دوزخ کی بشارت دیتا ہے۔ لیکن ان تمام بیش بندیوں اور تحفظات کے باوجود اگر کچھ کمینہ خصلت لوگ جرائم پر آمادہ ہو ہی جائیں تو اسلام بے بسی سے کھڑا دیکھتا نہیں رہ جاتا، بلکہ اتنی شدت سے گردن بھی پکڑتا ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو اور کمینوں کی کمینگی کا اثر پھیلنے نہ پائے۔ ذرا سوچئے۔ جہاں زنا کی سزا سو کوڑے یا رجم ہو وہاں زناکاری کیلئے کتنے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوگی جہاں چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے وہاں کتنے مائی کے لال ہوں گے جو روپے کی خاطر زندگی بھر لُنجے بنے اور سماج میں ذلیل و حقیر ہو جانے کا خطرہ مول لیں۔ سوچئے۔ ہی نہیں بلکہ دیکھئے بھی۔ حجاز میں اگرچہ پورا اسلامی نظام نافذ نہیں۔ لیکن تعزیرات اسلامی بہرحال رائج ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے دس سال میں صرف ایک جوڑے کو رجم کی سزا ملی ہے وہ بھی حجاز کا نہیں تھا۔ اور چوری کا حال یہ ہے کہ حج کے موقع پر جب دسیوں لاکھ آدمی جمع ہوتا ہے اور سوداگروں کی دوکانیں اربوں روپے کے مال سے بھری رہتی ہیں دکاندار یونہی دکانیں ـــ چھوڑ کر نماز کو چلے جاتے ہیں۔ کیا مجال ہے ایک گھڑی، ایک قلم، ایک معمولی سی چیز بھی کوئی چُرا لے۔ کیا وجہ ہے؟ یہی نا کہ ایک طرف تو ان کے دماغوں پر حساب آخرت کا خوف مسلّط ہے۔ دوسری طرف ہر شخص یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر اس نے چوری کی اور پتا چل گیا تو نقد سزا بھی ملے گی۔ ہاتھوں ہاتھ ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جس کے بعد وہ زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے گا۔

احوالِ واقعی

ادارہ

پچھلے شمارے میں خاص نمبر کا اعلان کیا گیا تھا۔ لیکن مدیر تجلی کی اچانک طبیعت خراب ہوجانے کیوجہ سے خاص نمبر کی تیاریاں مکمل نہ ہوسکیں لہذا اس ماہ عام ہی شمارہ نذر قارئین کیا جارہا ہے انشاء اللہ اگلا شمارہ خاص نمبر ہوگا۔ اس نمبر میں بھٹو کے دورِ آمریت کی چند جھلکیاں پیش کی جائیں گی تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہوسکے کہ بھٹو کے دورِ آمریت میں کیا کچھ ہوتا رہا ہے حقائق سے پردہ اٹھانا اس لئے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روس نواز اور کمیونزم پرست مسلم اخبارون نے بھٹو کو فرشتہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے اور بعض سادہ لوح قسم کے عوام ان کے جھانسوں میں آگئے ہیں اور بھٹو جیسے ظالم وسفاک انسان کو مظلوم سمجھنے لگے ہیں۔ ہم نے پاکستان سے عدالتی کارروائی کا مکمل متن بھی حاصل کر لیا ہے اگر صفحات میں گنجائش ہوئی تو اسے بھی خاص نمبر میں جگہ دیں گے ورنہ کوشش کریں گے کہ اسے قسط وار چھاپ دیا جائے۔ خاص نمبر میں اور بھی کئی مضامین اہم اور وقیع ہوں گے اور انشاء اللہ قارئین کو پسند آئیں گے۔ تجلی کافی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اور شائقین کے شکایتی خطوط موسلا دھار بارش کی طرح برستے رہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنی مجبوریوں اور لاچاریوں کا کس طرح یقین دلائیں۔ ارباب پریس کی مسلسل جفا کاریوں کے پیش نظر اب تو تجلی کو بروقت منظر عام پر لانے کی صرف ایک ہی صورت سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ تجلی کا اپنا پریس ہو جب تک اپنا پریس نہیں ہوگا تجلی کو بروقت چھاپنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ لیتھو پریس لاکھوں میں نہیں لگتا صرف پندرہ بیس ہزار روپے میں لگ جاتا ہے، یہ رقم بطور تعاون نہیں تو بطور قرض چند قارئین بھی فراہم کر سکتے ہیں امید ہے کہ ارباب خیر حضرات اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ تجلی کا اپنا پریس قائم ہوجائے تو ہر ماہ انتظار کی جو زحمت قارئین کو اٹھانی پڑتی ہے اس سے نجات مل جائے گی اور ہم بھی یکسوئی اور دلجمعی کیساتھ رسالہ ترتیب دینے لگیں گے۔

جماعت اسلامی اور آر ایس ایس سے متعلق جو مضمون تجلی میں شائع ہوا تھا اسکی وجہ سے بعض حضرات کی مستقل یہ رائے بن گئی ہے کہ تجلی جماعت اسلامی کا ہمنوا نہیں رہا، یہ مضمون لکھنے کیوجہ کیا تھی اسے مدیر تجلی نے احسن مستقیمی صاحب کے خط کا جواب لکھتے ہوئے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تاہم اگر اسے چوک سمجھ لیا جائے تو صرف ایک بھول چوک کیوجہ سے تجلی کی تیس سالہ خدمات کو نظر انداز کر دینا دیانت اور دانشمندی کی کونسی قسم ہے خاص نمبر کے بعد ہم تجلی کا فتنہ نمبر نکالنے والے ہیں۔ انشاء اللہ یہ نمبر بھی اسی سال کے آخیر تک منظر عام پر آجائے گا اس نمبر میں مولانا زکریا کی فتنہ مودیت کا آپریشن کر کے یہ ثابت کیا جائے گا کہ ہمارے بہت سے ارباب جبہ و دستار بات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ قارئین دعا کریں کہ تجلی کا اپنا پریس قائم ہوجائے اور طباعت

حسن احمد صدیقی

ماضی قریب و بعید میں جماعت اسلامی کی مخالفت جس زور و شور اور ہماہمی کے ساتھ ہوتی رہی ہے اس سے قارئین تجلی بخوبی واقف ہیں۔ اور ایک قارئین تجلی ہی کیا ہر پڑھا لکھا مسلمان اس بات سے باخبر ہے کہ دین و ملت کے ٹھیکیداروں نے جماعت اسلامی کے خلاف دھڑا دھڑ اعتراض گھڑے اور سر کے بل کھڑے ہو کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ مولانا مودودی مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں۔ میزان اور صغریٰ کبریٰ کے طالب علموں سے لے کر جیّد ٹی کے شیخ الحدیث و امام التفسیر تک فرطِ مخالفت اور جوشِ تعصب میں ننگے ہو گئے۔ تقریباً ربع صدی تک خود ساختہ رہبرانِ ملّت کا یہ عالم رہا کہ کریمیلا اور ڈھیلے اٹھائے مولانا مودودی اور ارکان جماعت کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے ہیں کہ کسی طرح انھیں لہولہان کر دیں اور کسی بھی طرح اُس تحریک کو پیوندِ خاک کر دیں جو جماعتِ اسلامی کے نام سے برپا کی جا رہی ہے۔ تحریکِ دین کو تہس نہس کر سکنے کے خواہش مند حضرات اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ صداقتوں کے چراغ پھونکوں سے نہیں بجھائے جا سکتے۔ اور حقائق کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے کسی مٹھی بھر جماعت کا واویلا کرنا کافی نہیں ہوتا۔ حق کے دیوانے تحریکِ حق میں مصروف رہے اور مخالفین کا رقصِ شر بھی بدستور جاری رہا۔ شیطان بھی ان معاملات سے الگ تھلگ نہیں تھا بلکہ وہ ہر محاذ پر شریکِ جنگ رہا اور برابر دشمنانِ حق کو کمک پہونچاتا رہا۔ اربابِ باطل بھی چین سے نہیں بیٹھ سکے وہ مختلف طریقوں سے علمائے سُو کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے۔ اور علمائے سُو شرمِ دنیا اور حسابِ آخرت سے بے نیاز ہو کر تحریکِ دین کا سَر کچلنے کی فکر میں سرگرداں رہے اور اسی یقین و خوش فہمی کے ساتھ کہ ہم سے بڑا علّامہ اور مصلح الامت کوئی نہیں۔ خدا محفوظ رکھے جس گروہ کی باگ ڈور ابلیس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے اس گروہ کا ایک ایک فرد نرا باؤلا ہو کر رہ جاتا ہے وہ گمراہی کو عین ہدایت بدی کو عین نیکی دینی بیزاری کو دین پرستی اور کوڑے کرکٹ کو زعفران کا ڈھیر سمجھنے کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دیوانگی اور سنک کے اس اعلیٰ اسٹیج پر پہونچنے کے بعد پھر اس کے بارے میں یہ امید بھی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے دل و دماغ صحت یاب ہو جائیں گے اور وہ کسی بھی وقت حماقتوں کے جنگل سے نکل کھڑا ہوگا۔

طفلانِ مکتب اور اصاغرِ امت کا تو ذکر ہی کیا اکابرِ اُمّت اور شیوخ و اقطاب کا یہ حال ہے کہ وہ مولانا مودودی کی غیبت اور اُن پر ہر قسم کے بہتان کو حلال تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک جماعت اسلامی کے خلاف غلیظ سے غلیظ کتاب لکھ مارنا ان کے نزدیک نہ صرف کارِ ثواب بلکہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے بقولِ جاہلاں دنیا کے سب سے بڑے بزرگ شیخ زکریا صاحب کی فتنہ انگیز اور

علم وعقل کو رُلا دینے والی کتاب منظرِ عام پر آئی تھی اس کتاب میں شیخ موصوف نے دیانت داری کا گلا کتنی بار گھونٹا اور انصاف و احتیاط کی ڈگر سے وہ کتنی بار بھٹکے ہیں اس کا صحیح اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جسے یہ فتنۂ مودودیت پر گہری نظر ڈالنے کی توفیق نصیب ہوگئی ہو۔

بعض مقامات پر تو شیخ صاحب نے مولانا مودودی کو ذلیل کرنے کا کچھ ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ شرافت چیخ اٹھی اور دین و دانش نے مارے شرم کے اپنا منہ نوچ لیا۔ خدا ہی جانے کہ کس لنگڑی اور لولی دلیل کو زادِ راہ سمجھ کر ہمارے خوش فکر بزرگوں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم بے حساب جنت میں داخل ہو کر رہیں گے اور کسی کی مجال نہ ہوگی کہ وہ ہم سے ہمارے افعالِ سیئہ کا حساب لے۔

فتنۂ مودودیت نامی کتاب جب منظرِ عام پر آئی تو ہمیں اس بات کا یقین تھا کہ مولانا ابوالحسن ندوی اور مولانا منظور نعمانی جیسے پرہیزگار لوگ شیخ صاحب کو ڈانٹیں گے اور اس بے ہودہ کتاب کی اشاعت پر روک لگانے کی گذارش کریں گے لیکن افسوس برافسوس کسی بھی طرف کوئی آواز نہ اٹھی۔ ہر طرف سنّاٹے بکھرے رہے اور ہر جانب اس مذہبی کوک شاستر کو گلے سے لگایا جاتا رہا۔

کتاب ایمرجنسی میں چھپی تھی اور غالباً اندرا گاندھی کو خوش کرنے کے لئے چھپی تھی۔ لہٰذا ہمارا یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ہمارے حکومت نواز بزرگوں نے اپنی زبان پر خاموشی کے قفل چڑھا لئے ہیں اور ایمرجنسی کے بعد وہ ضرور شیخ صاحب کو متنبہ کریں گے۔ لیکن ہماری خوش گمانی بھی ایمرجنسی کے بعد شہید ہوگئی۔ آزادی بحال ہونے کے باوجود بھی شیخ زکریا کی کتاب کے بارے میں اربابِ تقویٰ کا خاموش رہنا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ اب ضمیر بالکل مُردہ اور احساسات قطعاً تاریک ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب یہ توقع کرنا ہی فضول ہے کہ کوئی خدا ترس کہلانے والا شخص اپنے من پسند بزرگ کی بری صفت کو بُری صفت کہنے کا گناہ مول لے گا۔

بات پیچیدہ ہوگئی ہم کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ ماضی قریب و بعید کا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہیں گذری کہ جس میں مولانا مودودی اور تحریکِ دین کے خلاف گندے منصوبے نہ بنائے گئے ہوں۔ ہر دن ہر رات ایوانِ مودودی پر پتھر اُچھالے گئے۔ ان کی راہوں میں غلاظتیں پھیلائی گئیں۔ اونچے اونچے کپڑوں اور لمبی ڈاڑھیوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام الناس کو ورغلایا اور انھیں مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کے خلاف اکسانے کے لئے ہر وہ طریقہ اپنایا جو ایک خالص دنیا دار شخص اپنے حریف کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے اپناتا ہے لیکن اندرا حکومت کے تباہ ہو جانے کے بعد حالات نے کروٹ لی تبلیغِ دین کے پردوں میں کمیونزم پھیلانے والے مولویوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ ایمرجنسی کے دوران ہی مخالفین جماعت کے چہروں پر قدرت نے رسوائی کی ایسی کالک مل دی تھی کہ فہیم و ذکی قسم کے لوگ ان سے گھن کرنے لگے تھے۔

ایمرجنسی کے بعد مخالفین جماعت نے اس میں اپنی خیر سمجھی کہ زبان کو بند کر لیا جائے۔ اور مولانا مودودی کے خلاف اول فول بات زبان سے نہ نکالی جائے۔ حالات اب کافی نارمل ہیں۔ اخبار و رسائل کے اوراق میں اب جماعت کے خلاف گالیوں اور الزاموں کی قطاریں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔

انسانوں کی شیطنت اب نیم مُردہ ہو چکی ہے عوام کے دلوں میں پھیلائے ہوئے بدگمانی کے گہرے بھی بے جان

ہو کر رہ گئے ہیں ۔ مجلسوں اور نشستوں میں اب طنز و تنقید کا دھواں بھی نظر نہیں آتا تاہم دلوں کی کدورتیں اور خیالات کی کثافتیں جوں کی توں باقی ہیں ۔ اب کبھی جہاں بسم مسند حسن صاحب دستار کو موقعہ ملتا ہے وہ مولانا مودودی کے گوشت میں ٹھونک بھرنے سے نہیں چوکتا ۔

جولائی ۱۹۸۴ء کے ماہنامہ دارالعلوم میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے ۔ اس کا عنوان ہے "تفہیم القرآن پر ایک نظر" ۔ اس مضمون میں انہوں نے مولانا مودودی پر بغلی گھونسے رسید کرتے ہوئے انتہائی فاسقانہ انداز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مولانا مودودی صحابہ کے دشمن ہیں قاسمی صاحب لفظ دشمن نوک قلم پر نہیں لائے ہیں ۔ لیکن ان کا انداز تحریر اس مقصد کو واضح کرتا ہے کہ وہ اپنے قارئین پر یہ تاثر چھوڑنا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب صحابہ کرام کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ اس صورت حال پر جتنا بھی رو لیا جائے کم ہے کہ مولانا مودودی کی مخالفت میں یار لوگوں نے اپنے ایمان اور اپنے عقیدے ہی کو داؤ پر لگا دیا ہے ۔ ارباب دیوبند کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کے بعد روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس سے لغزشیں سرزد نہ ہوئی ہوں ۔ لیکن جب مولانا مودودی کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں تو اپنے ہی عقیدے کو خاک میں ملاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ "صحابی رسول سے بھی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے ہر صحابی نبی کی طرح معصوم عن الخطا تھا

بات اگر صرف اتنی ہی ہوتی کہ بعض ارباب دیوبند صحابی کو معصوم عن الخطا سمجھنے کی خوش گمانی کا شکار ہیں تو کوئی تشویشناک بات نہیں تھی ۔ تشویشناک بات تو یہ ہے کہ یہ قاسمی صاحب جیسے لوگ جن سامراجی طاقتوں کی کٹ پتلی بنے ہوئے ہیں ان کا منشاء صحابہ کرام کی خطاؤں سے پردہ ہٹا دینا ہے ۔ تاکہ عوام صحابہ سے بدظن ہو جائیں اور دین کے اندر بد اعتمادی کے راستوں ضعف اور کمزوری پیدا ہو جائے قاسمی صاحب جیسے لوگوں کی ڈیوٹی تو فقط اتنی ہوتی ہے کہ وہ عقائد کے برخلاف یہ لکھ ڈالیں کہ صحابی بھی نبی کی طرح معصوم عن الخطا ہوتا ہے ۔ اس کے بعد اہل علم کے قلم متحرک ہو جاتے ہیں اور یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ نہیں غلطیاں صحابہؓ سے بھی ہوتی تھیں وہ انبیاء کے بعد انسانوں میں سب سے بہتر سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع ہوتے ہوئے بھی انسانی لغزشوں سے مبرّا نہیں تھے ۔ اس کے بعد فرقہ پرست لوگ عوام کو ورغلانے کے لئے چیخ چیخ کر کہتے ہیں ۔ کہ صحابہ کرام پر الزام لگایا جا رہا ہے صحابہ کی توہین کی جا رہی ہے اس بحث و مناظرہ کے نتیجہ میں صحابہ کرام کی ذات وجہ مخاصمت بن کر رہ جاتی ہے ۔ اور سامراجی قوموں کا مقصد پورا ہو جاتا ہے ۔

صحابہ کے بارے میں ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بہتر تھے اس کے باوجود امت کے سواد اعظم کی رائے یہ ہے کہ بحیثیت انسان غلطیاں ان سے بھی ہوتی تھیں لیکن چونکہ ان کی نیت اور ما فی الضمیر آئینہ کی طرح صاف اور شفاف تھا ۔ لہٰذا ان کی کسی بھی بھول پر آخرت میں شاید و باید ہی گرفت ہو سکے ۔ جبکہ بعد کے بڑے بڑے اصحاب کلاہ اور ارباب ریش کی نیتوں میں بھی فساد پیدا ہو چکا ہے ۔

اور فتنوں کا یہ فساد کا یہ سلسلہ آج تک باقی ہے۔ ان لوگوں کی غلطیاں تو ہیں قابلِ گرفت، لیکن ان کی نمازیں ان کی عبادتیں، اور ان کی وضع قطع میں احتساب کی گھاٹیوں سے گذرے بغیر کوئی صلہ نہیں پا سکتی۔ موجودہ دور کے بزرگوں کی بدنیتی، حسد، کینہ، بیر ور کاوش کلامی کیوجہ سے لوگ اگر یہ سمجھنے لگیں کہ صحابہ کرام بھی العیاذ باللہ اسی طرح کی غلطیاں کرتے تھے۔ اسیطرح ایک دوسرے کی پگڑیوں سے عزت و ذلت کا کھیل کھیلتے تھے۔ تو یہ ان کی نادانی ہوگی۔ جہالت ہوگی اور اگر وہ صحابہ کرام کی دشمنی میں ایسی بات کرتے ہیں تو ان کے گمراہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کوئی بھی شخص صحابہ کرام کو انسانوں میں سب سے بہتر اور مسلمانوں میں سب سے ارفع تصور کرتے ہوئے اس بات کا قائل ہو کہ نیت کی صفائی کے ساتھ اُن سے کچھ بھولیں ہو گئیں تھیں۔ یہ کوئی ایسا جرم نہیں جس پر شور و غوغا کی مجلس منعقد کی جائے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ اگر انبیاء کے بارے میں بھی لکھ ماریں کہ ان سے بھول ہو سکتی ہے تو کسی کی نیند حرام نہیں ہوتی لیکن اگر مولانا مودودی یہ فرما دیں اور ثابت بھی کر دیں کہ صحابہ سے بھول ہو سکتی ہے تو مولانا اخلاق حسین قاسمی جیسے ان گنت دشمنانِ مودودی کی نہ روٹی ہضم ہوتی ہے نہ رات کو اونگ آتی ہے جب تک وہ مولانا مودودی کے خلاف کچھ بک نہ دیں۔

آئیے اب ہم قارئین کو یہ بتائیں کہ تفہیم القرآن میں مولانا مودودی نے کونسی ایسی غلطی کر دی ہے جسے پڑھ کر مولانا اخلاق حسین قاسمی کے دماغ میں مروڑ ہونے لگا۔ اور مذکورہ مضمون لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ مولانا مودودی نے معوذتین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اس مشہور بات کو واضح کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہیں تھے۔ ان کی اپنی ذاتی رائے یہ تھی کہ معوذتین قرآن کا جزو نہیں ہیں بلکہ ان سورتوں کے کلمات دعا اور کئے طور پر نازل ہوتے تھے اور انھیں ازراہِ غلط فہمی قرآن میں شامل کر لیا گیا ہے یہ واضح کرنے کے بعد مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اجماعِ صحابہ کے مقابلہ میں عبد اللہ ابن مسعودؓ کی اکیلی رائے کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مزید انھوں نے یہ تحریر فرمایا کہ وہ۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی اسی روش سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ غلطی صحابی سے بھی ہو سکتی ہے۔ ازراہ بشریت صحابی رسول بھی قرآن کو غیر قرآن کہنے کی غلطی کر سکتا ہے۔ اتنی صحیح اور سچی بات مولانا اخلاق حسین قاسمی کو بڑی گراں گذری اور انھوں نے پروپیگنڈہ کرنے کے انداز میں یہ لکھ مارا کہ مودودی صاحب نے جس مقام صحابہ کرام کی بحث چھیڑی ہے وہ مقام سورہ معوذتین کی تفسیر کا ہے اس جگہ یہ مسئلہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں شامل ہیں یا قرآن سے خارج ہیں جن حضرات کو تفہیم القرآن دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا ہے۔ وہ یقیناً قاسمی صاحب کا جملہ پڑھکر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ مولانا مودودی نے معوذتین کی تفسیر سے پہلوتہی کرتے ہوئے صرف صحابہ کرامؓ کو نشانہ بنانے پر اکتفا کیا ہوگا۔ حالانکہ مولانا مودودی نے معوذتین کی تفسیر جس شرح بسط کے ساتھ کی ہے اسکی مثال اردو کی کسی تفسیر میں دیکھنے کو نہیں ملتی البتہ ضمناً انھوں نے عبد اللہ ابن مسعودؓ کی رائے کو نقل کر کے اسے بے وزن قرار دیا ہے پھر یہی نہیں کہ انھوں نے صرف اسکو بے وزن قرار دینے پر اکتفا کر لیا ہو بلکہ ان کی رائے کو رد کر دینے کی ایک ایسی وجہ بیان کی ہے کہ جسمیں ٹھوس

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

آخرت کی عدالت میں ناقابل انکار شہادتوں سے

اس کے اعمال کا ثبوت پیش کیا جائیگا

لیکن قرآن مجید میں تصریح فرمائی گئی کہ آخرت میں فیصلہ اللہ تعالےٰ صرف اپنے ذاتی علم کی بناء پر نہ کرے گا بلکہ وہ ہر شخص کے اعمال کا مفصل اور مکمل اور نہایت صحیح ریکارڈ تیار کرا رہا ہے، اور عدالت الٰہی میں ایسی شہادتیں آدمی کے اعمال کے بارے میں پیش کی جائیں گی جن کا انکار کسی طرح ممکن نہ ہوگا۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ (ق، ۱۷، ۱۸)

دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم خود براہِ راست انسان کی حرکات و سکنات اور اس کے خیالات کو جانتے ہیں، دوسری طرف ہر انسان پر دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول و فعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اللہ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کون کیا کر کے آیا ہے اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔ یہ دستاویزی ثبوت کس نوعیت کا ہوگا۔ اس کا ٹھیک ٹھیک تصور کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے۔ مگر جو حقائق ہمارے سامنے آ رہے ہیں انہیں دیکھ کر یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس فضا میں انسان رہتا ہے اور کام کرتا ہے اس میں ہر طرف اس کی آوازیں، اس کی تصویریں اور اس کی حرکات سکنات کے نقوش ذرّے ذرّے پر ثبت ہو رہے ہیں۔ اور ان میں سے ہر چیز کو بعینہٖ انہی شکلوں اور آوازوں میں دوبارہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ آج انسان کا یہ کام نہایت ہی محدود پیمانے پر آلات کی مدد سے کر رہا ہے لیکن خدا کے فرشتے نہ ان آلات کے محتاج ہیں نہ ان قیود سے مقید انسان کا اپنا جسم اور اس کے گرد و پیش کی ہر چیز ان کی ٹیپ، اور ان کی فلم ہے جس پر وہ ہر آواز اور ہر تصویر کو اس کی نازک ترین تفصیلات کے ساتھ جوں کی توں ثبت کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز آدمی کو اس کے اپنے کانوں سے اس کی اپنی آواز میں اس کی وہ باتیں سنوا سکتے ہیں جو وہ دنیا میں کرتا تھا اور اس کی اپنی آنکھوں سے اس کے اپنے تمام کرتوتوں کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا سکتے ہیں جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بناء پر سزا

[illegible]

ہوئے انسانوں کو بھی وہ باہر نکال پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی، بلکہ ان کی پچھلی زندگی کے افعال، اقوال اور حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے اس سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اس پر بعد کا یہ فقرہ دلالت کرتا ہے کہ زمین اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی تیسرا مطلب وہ بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سونا، چاندی، جواہر اور ہر قسم کی دولت جو زمین کے پیٹ میں ہے اس کے بھی ڈھیر کے ڈھیر وہ باہر نکال کر رکھ دے گی اور انسان دیکھے گا کہ یہی ہیں وہ چیزیں جن پر وہ دنیا میں مرا جاتا تھا، جن کی خاطر اس نے قتل کیے تھے، حق داروں کے حقوق مارے، چوریاں کیں، ڈاکے ڈالے، خشکی اور تری میں قزاقیاں کیں، جنگ کے معرکے برپا کیے اور پوری پوری قوموں کو تباہ کر ڈالا۔ آج وہ سب کچھ سامنے موجود ہے اور اس کے کسی کام کا نہیں بلکہ الٹا اس کے لیے عذاب کا سامان بنا ہوا ہے۔

دوسرے فقرے میں انسان سے مراد ہر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ زندہ ہو کر ہوش میں آتے ہی پہلا تاثر ہر شخص پر یہی ہوگا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے، بعد میں اس پر یہ بات کھلے گی کہ یہ روز حشر ہے۔ اور انسان سے مراد آخرت کا منکر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جس چیز کو وہ غیر ممکن سمجھتا تھا وہ اس کے سامنے برپا ہو رہی ہوگی اور وہ اس پر حیران و پریشان ہوگا۔ رہے اہل ایمان تو انھیں کوئی حیرانی و پریشانی نہ ہوگی، اس لیے کہ سب کچھ ان کے عقیدہ و یقین کے مطابق ہو رہا ہوگا۔

تیسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ زمین اپنے حالات [بیان کر]ے گی، کیونکہ اس کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا "جانتے ہو اس کے وہ حالات کیا ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا "وہ حالات یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اس عمل کی گواہی دے گی جو اس نے اس کی پیٹھ پر کیا ہوگا۔ وہ کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں

[illegible] یہ ہیں وہ حالات جو زمین بیان کرے گی" (احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی فی الشعب) حضرت ربیعہ الخرشی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے، اور اس پر عمل کرنے والا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، خواہ اچھا ہو یا برا" (معجم الطبرانی) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز زمین ہر اس عمل کو لے آئے گی جو اس کی پیٹھ پر کیا ہوگا" پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں (ابن مردویہ، بیہقی) حضرت علیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سب روپیہ اہل حقوق میں تقسیم کر کے اسے خالی کر دیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر فرماتے "تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا"

زمین کے متعلق یہ بات کہ وہ قیامت کے روز اپنے اوپر گزرے ہوئے سب حالات اور واقعات بیان کرے گی، قدیم زمانے کے آدمی کے لیے تو بڑی حیران کن ہوگی کہ آخر زمین کیسے بولنے لگے گی۔ لیکن آج علوم طبیعی کے انکشافات اور سنیما، لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈ، الیکٹرانکس وغیرہ ایجادات کے اس دور میں یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی۔ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے، اس کے نقوش ہوا میں، ریڈیائی لہروں میں، گھروں کی دیواروں اور ان کے فرش اور چھت کے ذرے ذرے میں، اور اگر کسی سڑک، یا میدان یا کھیت میں آدمی نے بات کی ہو تو ان سب کے ذرات میں ثبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے ان سب کی آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دہروا سکتا ہے، جس طرح کبھی وہ انسان کے منہ سے نکلی تھیں۔ انسان اپنے کانوں سے اس وقت سن لے گا کہ یہ اس کی اپنی ہی آوازیں ہیں اور اس کے سب جاننے والے پہچان لیں گے کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اسی شخص کی آواز اور اسی کا لہجہ ہے۔ پھر انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اس کی ایک ایک حرکت کا عکس اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے اور اس کی تصویر

ان کی تصویر [illegible] ہے ... بھی اس کے
کرنے والے انسان [illegible] موجود نہیں، جس
کمرے میں اندھیرا اور بالکل روشنی نہیں رہتا وہ ہر حالت میں اس کی تصویریں لے سکتی ہیں۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے روز ایک متحرک فلم کی طرح انسان کے سامنے آجائیں گی اور یہ دکھا دیں گی کہ وہ زندگی بھر کس وقت کہاں کہاں کیا کچھ کرتا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو براہِ راست خود جانتا ہے۔ مگر آخرت میں جب وہ عدالت قائم کرے گا، تو جس کو بھی سزا دے گا۔ انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے دکھا دے گا، اس کی عدالت میں ہر مجرم انسان کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا جائے گا، اس کو ایسی مکمل شہادتوں سے ثابت کر دیا جائے گا کہ اس کے مجرم ہونے میں کسی کلام کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ سب سے پہلے تو وہ نامہ اعمال ہے جس میں ہر وقت اس کے ساتھ لگے ہوئے کراماً کاتبین اس کے ایک ایک قول اور فعل کا، ریکارڈ درج کر رہے ہیں۔ یہ نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ "پڑھ اپنا نامۂ حیات" اپنا حساب لینے کے لیے تو خود کافی ہے" (بنی اسرائیل ۱۴) انسان اسے پڑھ کر حیران رہ جائے گا کہ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں ٹھیک ٹھیک درج نہ ہو (الکہف، ۴۹) اس کے بعد انسان کا اپنا جسم ہے جس سے اس نے دنیا میں کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس کی اپنی زبان شہادت دے گی کہ اس سے وہ کیا کچھ بولتا رہا ہے، اس کے اپنے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے کہ ان سے کیا کام اس نے لیے (النور ۲۴) اس کی آنکھیں شہادت دیں گی کہ ان سے اس نے کیا کچھ دیکھا۔ اس کے کان شہادت دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کچھ سنا۔ اس کے جسم کی پوری کھال اس کے افعال کی شہادت دے گی۔ وہ حیران ہو کر اپنے اعضا سے کہے گا کہ تم بھی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ اس کے اعضا جواب دیں گے کہ آج جس خدا کے حکم سے ہر چیز بول رہی ہے اسی کے حکم سے ہم بھی بول رہے ہیں (حم السجدہ ۲۰ تا ۲۲)

مزید وہ شہادتیں ہیں جو زمین اور اس کے پورے ماحول سے پیش کی جائیں گی۔ جن میں آدمی اپنی آوازیں، خود اپنے کانوں سے سنے گا اور اپنی حرکات کی ہوبہو تصویریں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ انسان کے دل میں جو خیالات، ارادے، اور مقاصد چھپے ہوئے تھے اور جن نیتوں کے ساتھ اس نے اعمال کیے تھے، وہ بھی نکال کر سامنے رکھ دیے جائیں گے جیسا کہ سورۂ عادیات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے قطعی اور صریح اور ناقابل انکار ثبوت سامنے آجانے کے بعد انسان دم بخود رہ جائے گا اور اس کے لیے، اپنی معذرت میں کچھ کہنے کا موقع باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ سورۂ المرسلات، آیات ۳۵،۳۶، میں ارشاد ہوا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف۔ ۴۹)

اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے، اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری چھوٹی یا بڑی حرکت ایسی نہیں رہی، جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔ جو جو کچھ انھوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ کسی نے کوئی جرم نہ کیا ہو اور وہ خواہ مخواہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے۔ اور نہ یہ ہوگا کہ آدمی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دی جائے یا بے گناہ کو پکڑ کر سزا دے ڈالی جائے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔ جو کچھ انھوں نے کیا ہے، وہ

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ

سب دفتروں میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔

(القمر ۵۲-۵۳)

یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ان کا کیا دھرا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ نہیں، ہر شخص، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آجائیگا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(یہ ذلت کا عذاب ہونا ہے) اس دن جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائیگا اور انھیں بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں۔ مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔

(المجادلہ - ۶)

یعنی ان کے بھول جانے سے معاملہ رفت گزشت نہیں ہو گیا ہے۔ ان کے لئے خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ایسی معمولی چیز ہو سکتی ہے کہ اس کا ارتکاب کر کے اسے یاد تک نہ رکھیں، بلکہ اسے قابل اعتراض چیز ہی نہ سمجھیں کہ اس کی کچھ پروا انھیں ہو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اس کے ہاں ان کا ہر کرتوت نوٹ ہو چکا ہے کس شخص نے، کب، کہاں، کس غرض سے، کیا حرکت کی، اس حرکت کے بعد اس کا اپنا ردِ عمل کیا تھا۔ اور اس کے کیا نتائج کہاں، کہاں، کس کس شکل میں بر آمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔

(یٰسین - ۶۵)

یعنی ان ہیکڑ مجرموں کے معاملے میں دیا جائے گا۔ جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کریں گے۔ گواہیوں کو بھی جھٹلادیں گے۔ اور نامۂ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہ کریں گے تب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اچھا اپنی بکواس بند کرو اور دیکھو کہ تمہارے اپنے اعضائے بدن تمہارے کرتوتوں کی کیا روداد سناتے ہیں۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جب کہ ان کی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں انکے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔

(النور - ۲۴)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کے منہ بند کر دیں گے اور دوسری طرف سورۂ نور کی اس آیت میں فرماتا ہے کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔ ان دونوں باتوں میں تطابق کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منہ بند کر دینے سے ان کا اختیار کلام سلب کر لینا ہے، یعنی اس کے بعد وہ اپنی زبان سے اپنی مرضی کے مطابق بات نہ کر سکیں گے۔ اور زبانوں کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانیں خود یہ داستان شروع کر دیں گی کہ ہم سے ان ظالموں نے کیا کام لیا تھا۔ کیسے کیسے کفر بکے تھے، کیا کیا جھوٹ بولے تھے، کیا کیا فتنے برپا کیے تھے اور کس کس موقع پر انھوں نے ہمارے ذریعے سے کیا باتیں کی تھیں۔

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی، ہمیں اسی خدا نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا

[illegible] اسی [illegible]

(حٰم السجدہ ۲۰-۲۱) [illegible] کیا تھا۔ اور [illegible]

لکھے جا رہے ہو۔

احادیث میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ جب کوئی ہیکڑ مجرم اپنے جرائم کا انکار ہی کرتا چلا جائے گا۔ اور تمام شہادتوں کو بھی جھٹلانے پر تل جائے گا، تو پھر اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کے جسم کے اعضاء ایک ایک کر کے شہادت دیں گے کہ اس نے ان سے کیا کیا کام لئے تھے۔ یہ مضمون حضرت انسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، اور حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزار وغیرہ محدثین نے ان روایات کو نقل کیا ہے۔

یہ آیت منجملہ ان بہت سی آیات کے ہے۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہو گا بلکہ انسان وہاں دوبارہ اسی طرح جسم و روح کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے جس طرح وہ اب دنیا میں ہیں بلکہ ان کو جسم بھی وہی دیا جائے گا جس میں اب وہ رہتے ہیں، وہی تمام اجزاء اور جواہر (ATOMS) جن سے ان کے بدن اس دنیا میں مرکب تھے۔ قیامت کے روز جمع کر دیئے جائیں گے اور وہ اپنے انہی سابق جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ جن کے اندر رہ کر وہ دنیا میں کام کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے اعضاء وہاں اسی صورت میں تو گواہی دے سکتے ہیں۔ جب کہ وہ وہی اعضاء ہوں جن سے اس نے اپنی پہلی زندگی میں جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس مضمون پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات بھی دلیل قاطع ہیں: بنی اسرائیل، آیات ۴۹ تا ۵۱، ۹۸۔ المومنون، ۳۵ تا ۳۸، ۸۲، ۸۳۔ النور، ۲۴، السجدہ۔ ۱۰۔ یٰس، ۶۵، ۷۸، ۷۹، الصافات۔ ۱۶ تا ۱۸، الواقعہ۔ ۴۷ تا ۵۰۔ النازعات، ۱۰ تا ۱۴

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا ... وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝	ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں، جو کچھ افعال انہوں نے کئے ہیں، وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں اور

[illegible]

ہر وہ کام ثبت کر رہے ہیں ... ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔ (یٰسٓ۔ ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے اپنے گرد و پیش کی اشیاء اور خود اپنے جسم کے اعضاء پر جو نقوش (IMPRESSIONS) بھی مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح ابھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کے لوح ذہن پر لکھی نظر آئے گی اور اس کے ایک ایک اچھے اور برے فعل اور اس کی تمام حرکات و سکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی۔ تیسرے اپنے مرنے کے بعد اپنی آئندہ نسل پر، اور اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور برے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے، وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے، وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے۔ اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بری تربیت اس نے دی ہے۔ اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں، یا برائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں، اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے، ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا، جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا برے پھل لاتی رہے گی۔

وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا	اس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے، ہر گروہ کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامۂ اعمال دیکھے۔ ان سے کہا جائے گا۔ آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ — کرتے رہے تھے، یہ ہمارا تیار کرایا ہوا نامۂ اعمال ہے۔ جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے۔ جو کچھ بھی تم کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے۔"

(الجاثیہ۔ ۲۸-۲۹)

لکھوانے کی صرف یہی ایک ممکن صورت نہیں ہے، کہ کاغذ پر قلم سے لکھوایا جائے۔ انسانی اقوال و افعال کو ثبت کرنے اور دوبارہ ان کو بعینہ اسی شکل میں پیش کر دینے کی متعدد دوسری صورتیں اسی دنیا میں خود انسان دریافت کر چکا ہے اور ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آگے اس کے اور کیا امکانات، پوشیدہ ہیں جو کبھی انسان ہی کی گرفت میں آجائیں گے۔ اب یہ کون جانسکتا ہے کہ اللہ تعالے کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات اور اس کی حرکات و سکنات میں سے ایک ایک چیز اور اس کی نیتوں اور ارادوں اور خواہشات اور خیالات میں سے ہر مخفی سے مخفی شئے کو ثبت کرا رہا ہے، اور کس طرح وہ ہر آدمی، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا کارنامۂ حیات بے کم و کاست اس کے سامنے لا کر رکھ دے گا۔

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ — اور جب رسولوں کی حاضری کا وقت آ پہنچے گا۔

(المرسلات۔ ۱۱)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ میدان حشر میں جب نوعِ انسانی کا مقدمہ پیش ہوگا، تو ہر قوم کے رسول کو شہادت کے لیے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ امر کی گواہی دے کہ اس نے اللہ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ یہ گمراہوں اور مجرموں کے خلاف اللہ کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی حجت ہوگی جس سے یہ ثابت کیا جائے گا کہ وہ اپنی غلط روش کے خود ذمہ دار ہیں، ورنہ اللہ تعالے کی طرف سے ان کو خبردار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں۔ تفہیم القرآن جلد دوم، الاعراف، آیات ۱۷۲، ۱۷۳۔ حواشی ۱۳۴، ۱۳۵۔ جلد چہارم، الزمر، آیت ۶۹، حاشیہ ۸۰۔ جلد پنجم، الملک،

آیت ۸۰۔ حاشیہ ۱۴)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ — اور کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

(الزمر۔ ۶۹)

انبیاء تو اس امر کی گواہی دیں گے کہ انھوں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ان کے سوا دوسرے گواہوں سے مراد وہ گواہ بھی ہیں، جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ انبیاء کے بعد لوگوں تک اللہ تعالے کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا، اور وہ گواہی بھی جو لوگوں کے اعمال کی شہادت پیش کریں گے ضروری نہیں ہے کہ یہ گواہ صرف انسان ہی ہوں، فرشتے اور جن اور حیوانات اور انسانوں کے اپنے اعضاء اور در و دیوار اور شجر و حجر سب ان گواہوں میں شامل ہوں گے۔

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ — تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا، جب قبروں میں جو کچھ مدفون ہے اسے نکال لیا جائے گا۔ اور سینوں میں جو کچھ مخفی ہے اسے برآمد کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔

(العٰدیٰت۔ ۹ تا ۱۰)

یعنی مرے ہوئے انسان جہاں جس حالت میں بھی پڑے ہوں گے وہاں سے ان کو نکال کر زندہ انسانوں کی شکل میں اٹھا لایا جائے گا، اور دلوں میں جو ارادے اور نیتیں جو اغراض و مقاصد، جو خیالات و افکار اور ظاہری افعال کے پیچھے جو محرکات (MOTIVES) چھپے ہوئے ہوں گے وہ سب کھول کر رکھ دیے جائیں گے اور ان کی جانچ پڑتال کر کے اچھائی کو الگ اور برائی کو الگ چھانٹ دیا جائے گا بالفاظ دیگر فیصلہ صرف ظاہری کو دیکھ کر نہیں کیا جائے گا کہ انسان نے عملاً کیا کچھ کیا، بلکہ دلوں میں چھپے ہوئے راز وں کو بھی نکال کر دیکھا جائے گا کہ جو کام انسان نے کیے وہ کس نیت سے

اور کس غرض سے کیے [illegible] پر اگر غور کیا جائے تو انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اصلی اور مکمل انصاف خدا کی عدالت کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے لادینی قوانین بھی اصولی حیثیت سے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کو محض ظاہری فعل کی بنا پر ہی اسے سزا نہ دی جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ اس نے کس نیت سے وہ فعل کیا ہے لیکن دنیا کی کسی عدالت کے پاس بھی وہ ذرائع نہیں ہیں جن سے وہ نیت کی ٹھیک ٹھیک تحقیق کر سکے۔ یہ صرف اور صرف خدا ہی کر سکتا ہے کہ انسان کے ہر ظاہری فعل کے پیچھے جو باطنی محرکات کارفرما رہے ہیں، ان کی بھی جانچ پڑتال کرے اور اس کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ وہ کس جزا و سزا کا مستحق ہے۔ پھر آیت کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فیصلہ محض اللہ کے اس علم کی بنا پر نہیں ہوگا جو وہ دلوں کے ارادوں اور نیتوں کے متعلق پہلے ہی سے رکھتا ہے۔ بلکہ قیامت کے روز ان رازوں کو کھول کر علانیہ سامنے رکھ دیا جائے گا اور کھلی عدالت میں جانچ پڑتال کر کے یہ دکھا دیا جائے گا کہ ان میں خیر کیا تھی اور شر کیا تھا اسی لیے حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تحصیل کے معنی کسی چیز کو نکال کر باہر لانے کے بھی ہیں مثلاً چھلکا اتار کر مغز نکالنا اور مختلف چیزوں کو چھانٹ کر ایک دوسرے سے الگ کرنے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لہٰذا دلوں کے اسرار کی تحصیل میں یہ دونوں معنی شامل ہیں۔ انکو کھول کر ظاہر کر دینا بھی اور انکو چھانٹ کر برائی اور بھلائی کو الگ کر دینا بھی۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ

جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا، قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی اور نباتات اگنے کے وقت پھٹ جانے والی زمین

[illegible] ہے ہنسی مذاق نہیں ہے

(الطارق۔ ۹ تا ۱۴)

پوشیدہ اسرار سے مراد ہر شخص کے وہ اعمال بھی ہیں جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے، اور وہ معاملات بھی ہیں جو اپنی ظاہری صورت میں تو دنیا کے سامنے آ گئے، مگر ان کے پیچھے جو نیتیں اور اغراض اور خواہشات کام کر رہی تھیں ان کے جو باطنی محرکات تھے۔ ان کا حال لوگوں سے چھپا رہ گیا۔ قیامت کے روز یہ سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا اور جانچ پڑتال صرف اسی بات کی نہیں ہوگی کہ کس شخص نے کیا کچھ کیا، بلکہ اس بات کی بھی ہوگی کہ کس وجہ سے کیا، کیا غرض اور کس نیت اور کس مقصد سے کیا۔ اسی طرح یہ بات بھی ساری دنیا سے حتیٰ کہ خود ایک فعل کرنے والے انسان سے بھی مخفی رہ گئی ہے کہ جو فعل اس نے کیا اس کے کیا اثرات دنیا میں ہوئے، کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک چلتے رہے۔ یہ راز بھی قیامت ہی کے روز کھلے گا اور اس کی پوری جانچ پڑتال ہوگی کہ جو بیج کوئی شخص دنیا میں بو گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک کٹتی رہی، اور کون کون اسے کاٹتا رہا۔

آخری فقروں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین کا شق ہو کر نباتات اپنے اندر سے اگلنا کوئی مذاق نہیں ہے، بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اسی طرح قرآن جس چیز کی خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خدا کی طرف پلٹنا ہے، یہ بھی کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے، بلکہ ایک دو ٹوک بات ہے ایک سنجیدہ حقیقت ہے ایک اٹل قول حق ہے، جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ

اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتایا جائیگا بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے

(القیامۃ۔ ۱۳ تا ۱۵)

اصل الفاظ ہیں بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ [illegible]

ہے جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، اور غالباً وہ سب ہی مراد ہیں ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ آدمی کو اس روز یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ اپنی دنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے کیا نیکی یا بدی کما کر اس نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیجی تھی اور یہ حساب بھی اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا کہ اپنے اچھے یا برے اعمال کے کیا اثرات وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا تھا جو اس کے بعد مدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں میں چلتے رہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ سب کچھ بتایا جائے گا جو اسے کرنا چاہئے تھا مگر اس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا وہ اس نے کر ڈالا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اس کا پورا حساب تاریخ وار اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں کہ جو نیکی یا بدی اس نے کی وہ بھی اسے بتا دی جائے گی اور جس نیکی یا بدی کے کرنے سے وہ باز رہا اس سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔

مگر آدمی کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھنے کی غرض درحقیقت یہ نہیں ہوگی کہ مجرم کو اس کا جرم بتایا جائے بلکہ ایسا کرنا تو اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ انصاف کے تقاضے بر سرِ عدالت جرم کا ثبوت پیش کئے بغیر پورے نہیں ہوتے، ورنہ ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے اپنے آپ کو جاننے کے لئے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ اسے کوئی دوسرا بتائے کہ وہ کیا ہے۔ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن اسے خود تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایک چور لاکھ حیلے اپنی چوری چھپانے کے لئے اختیار کر سکتا ہے۔ مگر اس کے اپنے نفس سے تو یہ بات مخفی نہیں ہوتی کہ وہ چور ہے۔ ایک گمراہ آدمی ہزار دلیلیں پیش کر کے لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا ہے کہ وہ جس کفر یا دہریت یا شرک کا قائل ہے وہ درحقیقت اس کی ایماندارانہ رائے ہے۔ لیکن اس کا اپنا ضمیر تو اس سے بے خبر نہیں ہوتا کہ ان عقائد پر وہ کیوں جما ہوا ہے اور ان کی غلطی کو تسلیم کرنے سے دراصل کیا چیز اس کو روک رہی ہے ایک ظالم، ایک بددیانت، ایک بدکردار، ایک حرام خور اپنی بداعمالیوں کے لئے طرح طرح کی معذرتیں پیش کر کے خود اپنے ضمیر تک کا منہ بند کرنے کی کوشش کر سکتا ہے تاکہ وہ اسے ملامت کرنے سے باز آ جائے، اور یہ مان لے کہ واقعی کچھ مجبوریاں، کچھ مصلحتیں، کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کو یہ علم تو بہرحال ہوتا ہی ہے کہ اس نے کس پر کیا ظلم کیا ہے کس کا حق مارا ہے، کس کی عصمت خراب کی ہے، کس کو دھوکہ دیا ہے، اور کن ناجائز طریقوں سے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ اس لئے آخرت کی عدالت میں پیش ہوتے وقت ہر کافر، ہر منافق، ہر فاسق و فاجر اور مجرم خود جانتا ہوگا کہ وہ کیا کر کے آیا ہے اور کس حیثیت میں آج اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۔ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى

پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہوگا اس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا

(النّٰزعٰت۔ ۳۴-۳۵)

یعنی جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبے کا دن آ گیا ہے جس کی اسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی تو قبل اس کے کہ اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہوگا۔ بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جائیں جس سے موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو اپنی پوری زندگی کی فلم ان کی چشمِ تصور کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۔

اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی، حالانکہ اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا

(الفجر۔ ۲۳-۲۴)

اصل الفاظ ہیں۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس روز انسان یاد کرے گا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کر کے آیا ہے

اور اس پر نادم ہوگا۔ مگر اس وقت یاد کرنے اور نادم ہونے کا کیا فائدہ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس روز انسان کو ہوش آئے گا۔ اسے نصیحت حاصل ہوگی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آئے گی کہ جو کچھ اسے انبیاء نے بتایا تھا وہی صحیح تھا اور ان کی بات نہ مان کر اس نے حماقت کی۔ مگر اس وقت ہوش میں آنے، اور نصیحت پکڑنے اور اپنی غلطی کو سمجھنے کا کیا فائدہ۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ

اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔

(الانفطار ۔ ۵)

اصل الفاظ ہیں مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ان الفاظ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں اور وہ سب ہی یہاں مراد ہیں۔ مثلاً

۱۔ جو اچھا یا برا عمل آدمی نے کر کے آگے بھیج دیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے اور جس کے کرنے سے وہ باز رہا وہ مَا أَخَّرَتْ۔ اس لحاظ سے یہ الفاظ تقریباً انگریزی زبان کے الفاظ COMMISSION اور OMISSION کے ہم معنی ہیں۔

۲۔ جو کچھ پہلے کیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے۔ اور جو کچھ بعد میں کیا وہ مَا أَخَّرَتْ ہے۔ یعنی آدمی کا پورا نامۂ اعمال ترتیب وار اور بتاریخ وار اس کے سامنے آجائے گا۔

۳۔ جو اچھے اور برے اعمال آدمی نے اپنی زندگی میں کیے وہ مَا قَدَّمَتْ ہیں اور ان کے اعمال کے جو آثار و نتائج وہ انسانی معاشرے میں اپنے پیچھے چھوڑ گیا وہ مَا أَخَّرَتْ۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

(الزلزال ۔ ۶ ۔ ۸)

اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

پہلے فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک جدا اپنی انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ خاندان، جتھے، پارٹیاں، قومیں، سب بکھر جائیں گی۔ یہ بات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز لوگوں سے فرمائے گا کہ "لو اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے، جیسا ہم نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا" (آیت ۹۴) اور سورۂ مریم میں فرمایا "یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا" (آیت ۹۵) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جو ہزارہا برس کے دوران میں جگہ جگہ مرے تھے زمین کے گوشے گوشے سے گروہ در گروہ چلے آ رہے ہوں گے، جیسا کہ سورۂ نبا میں فرمایا گیا ہے کہ "جس روز صور میں پھونک مار دی جائے گی تم فوج در فوج آجاؤ گے" (آیت ۱۸)

ان کو ان کے اعمال دکھائے جانے کے معنی یہ ہیں کہ ہر نیک و بد کو اس کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لے کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ کہ کافر و مومن، صالح و فاسق، تابع فرمان اور نافرمان سب کو ان کے نامۂ اعمال دیے ضرور جائیں گے۔ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، الحاقہ، آیات ۱۹، ۲۵، اور الانشقاق، آیات ۷، ۱۰)

ظاہر ہے کہ کسی کو اس کے اعمال دکھانے اور اس کا نامۂ اعمال اس کے حوالے کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علاوہ بریں زمین جب اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی، تو حق و باطل کی وہ کشمکش جو ابتدا سے برپا ہے اور قیامت تک برپا رہے گی، اس کا پورا نقشہ بھی سب کے سامنے آجائے گا، اور اس میں سب ہی دیکھ لیں گے کہ حق کے لیے کام کرنے والوں نے کیا کچھ کیا۔ اور باطل کی حمایت کرنے والوں نے ان کے مقابلے میں کیا کیا حرکتیں کیں۔ بعید نہیں کہ ہدایت کی طرف بلانے والوں اور ضلالت پھیلانے والوں کی ساری تقریریں اور گفتگوئیں لوگ اپنے کانوں سے سن لیں۔ دونوں طرف کی تحریروں اور لٹریچر کا پورا ریکارڈ جوں کا توں سب کے سامنے لا کر رکھ دیا جائے حق پرستوں

برپا ہونے والے رسولوں کے قوم اور دونوں گروہوں کے درمیان برپا ہونے والے معرکوں کے سارے مناظر میدان حشر کے حاضرین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

پھر یہ ارشاد کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ اس کا ایک سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آدمی کی کوئی ذرہ برابر نیکی یا بدی بھی ایسی نہیں ہوگی جو اس کے نامۂ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو، اسے وہ بہرحال دیکھ لے گا۔ لیکن اگر دیکھنے سے مراد اس کی جزا وسزا دیکھنا لیا جائے، تو اس کا یہ مطلب لینا بالکل غلط ہے، کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو الگ الگ دی جائے گی اور کوئی شخص بھی وہاں اپنی کسی نیکی کی جزا اور کسی بدی کی سزا پانے سے نہ بچے گا، کیونکہ اول تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ایک ایک برے عمل کی سزا اور ایک ایک اچھے عمل کی جزا الگ الگ دی جائے گی — دوسرے اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مومن بھی اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچے گا، اور کوئی بدترین کافر ظالم اور بدکار انسان بھی اپنے کسی چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہ رہے گا — یہ دونوں معنیٰ قرآن اور حدیث کی تصریحات کے بھی خلاف ہیں اور عقل بھی اسے نہیں مانتی کہ یہ تقاضائے انصاف ہے۔ عقل کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ بات آخر کیسے سمجھ میں آنے کی قابل ہے۔ کہ آپ کا کوئی خادم نہایت وفادار اور خدمت گزار ہو، لیکن آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں اور اس کی ایک ایک خدمت کا اجر و انعام دینے کیساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی اسے دے ڈالیں — اسی طرح یہ بھی عقلاً ناقابل فہم ہے کہ آپ کا پروردہ کوئی شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب ہمیشہ نمک حرامی ہی سے دیتا رہے مگر آپ اس کے مجموعی رویے کو نظر انداز کرکے اس کی ایک ایک غداری کی الگ سزا اور اس کی ایک ایک خدمت کی، خواہ وہ کسی وقت پانی لاکر دے دینے یا پنکھا جھلنے ہی کی خدمت ہو، الگ جزا دیں۔ اب جہاں تک قرآن و حدیث کا تعلق ہے، تو وہ وضاحت کے ساتھ مومن، منافق، کافر، مومن صالح، مومن خطاکار، مومن ظالم و فاسق، محض کافر اور کافر مفسد و ظالم وغیرہ۔ مختلف قسم کے لوگوں کی جزا و سزا کا ایک مفصل قانون بیان کرتے ہیں اور یہ جزا و سزا دنیا سے آخرت تک انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید اصولی طور پر چند باتیں بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

اول یہ کہ کافر و مشرک اور منافق کے اعمال (یعنی وہ اعمال جن کو نیکی سمجھا جاتا ہے) ضائع کر دیے گئے۔ آخرت میں وہ ان کا کوئی اجر نہیں پا سکیں گے۔ ان کا اگر کوئی اجر ہے تو وہ دنیا ہی میں مل جائے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ الاعراف ۱۴۷۔ التوبہ، ۱۷۔ ۶۷ تا ۶۹۔ ہود۔ ۱۵ و ۱۶۔ ابراہیم۔ ۱۸۔ الکہف، ۱۰۴ و ۱۰۵۔ النور، ۳۹۔ الفرقان، ۲۳۔ الاحزاب ۱۹۔ الزمر، ۶۵۔ الاحقاف، ۲۰)

دوم یہ کہ بدی کی سزا اتنی ہی دی جائے گی جتنی بدی کی گئی ہے۔ مگر نیکیوں کی جزا اصل فعل سے زیادہ دی جائے گی بلکہ کہیں تصریح ہے کہ ہر نیکی کا اجر اس سے دس گنا ہے۔ اور کہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ جتنا چاہے نیکی کا اجر بڑھا کر دے۔ ملاحظہ ہو۔ البقرہ، ۲۶۱۔ الانعام، ۱۶۰۔ یونس ۲۶۔ ۲۷۔ النور، ۳۸۔ القصص، ۸۴۔ سبا، ۳۷۔ المومن، ۴۰

سوم یہ کہ مومن اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کریں گے تو ان کے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیے جائیں گے النساء، ۳۱۔ الشوریٰ، ۳۷۔ النجم، ۳۲۔

چہارم:۔ یہ کہ مومن صالح سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اس کی برائیوں سے درگذر کیا جائے گا۔ اور اس کے بہترین اعمال کے لحاظ سے اس کو اجر دیا جائے گا۔ العنکبوت، ۷۔ الزمر، ۳۵ الاحقاف، ۱۶۔ الانشقاق، ۸۔

احادیث میں اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیتی ہیں۔ ہم سورۃ انشقاق کی تفسیر میں وہ احادیث نقل کر چکے ہیں۔ جو حساب کے روز ہلکے حساب اور سخت حساب ہی کی تشریح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمائی ہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم الانشقاق، حاشیہ ۲) حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کیا۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا میں اس ذرہ برابر برائی کا نتیجہ دیکھوں گا جو مجھ سے سرزد ہوئی؟" حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ دنیا میں جو معاملہ بھی تمہیں ایسا پیش آتا ہے جو تمہیں ناگوار ہو، وہ ان ذرہ برابر برائیوں کا بدلہ ہے جو تم سے صادر ہوں، اور جو ذرہ برابر نیکیاں بھی تمہاری ہیں، انھیں اللہ آخرت میں تمہارے لیے محفوظ رکھ رہا ہے۔" (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم، طبرانی فی الاوسط بیہقی فی الشعب، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ، عبد بن حمید)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا۔ اس کی جزا آخرت میں ہے اور جو کسی قسم کی بدی کرے گا وہ اسی دنیا میں اس کی سزا مصائب اور امراض کی شکل میں بھگت لے گا۔" (ابن مردویہ) قتادہؓ نے حضرت انسؓ کے حوالے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالےٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا، دنیا میں اس کی نیکیوں کے بدلے وہ رزق دیتا ہے، اور آخرت میں ان کی جزا دے گا۔ رہا کافر تو دنیا میں اس کی بھلائیوں کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت ہوگی، تو اس کے حساب میں کوئی نیکی نہ ہوگی۔" (ابن جریر) مسروق حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "عبداللہ بن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں صلہ رحمی کرتا تھا، مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، مہمان نواز تھا، اسیروں کو رہائی دلواتا تھا۔ کیا آخرت میں اس کے لیے نافع ہوگا؟" حضورؐ نے فرمایا "نہیں، اس نے مرتے دم تک کبھی یہ نہیں کہا کہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْن "میرے پروردگار روز جزا میں میری خطا کو معاف کیجیو۔" (ابن جریر) اسی طرح کے جوابات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے بارے میں بھی دیئے ہیں۔ جو جاہلیت کے زمانے میں نیک کام کرتے تھے، مگر مرے کفر و شرک ہی کی حالت میں تھے لیکن حضورؐ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی نیکی اسے جہنم کے عذاب سے تو نہیں بچا سکتی، البتہ جہنم میں اس کو وہ سخت سزا نہ دی جائے گی، جو ظالم اور فاسق اور فاجر اور بدکار کافروں کو دی جائے گی۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ حاتم طائی کی سخاوت کی وجہ سے اس کو ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ (روح المعانی)

تاہم یہ آیت انسان کو ایک بہت اہم حقیقت پر متنبہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اپنا ایک وزن اور اپنی ایک قدر رکھتی ہے۔ اور یہی حال بدی کا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی حساب میں آنے والی چیز ہے یوں ہی نظر انداز کر دینے والی چیز نہیں ہے، اس لیے کسی چھوٹی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر اسے چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ ایسی بہت سی نیکیاں مل کر اللہ تعالےٰ کے حساب میں ایک بہت بڑی نیکی قرار پا سکتی ہیں، اور کسی چھوٹی سے چھوٹی بدی کا ارتکاب بھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح کے بہت سے چھوٹے گناہ مل کر گناہوں کا انبار بن سکتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو متعدد احادیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عدی بن حاتم سے یہ روایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "دوزخ کی آگ سے بچو، خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا دینے یا ایک اچھی بات کہنے ہی کے ذریعے سے ہو۔" انہی حضرت عدی سے صحیح روایت میں حضورؐ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "کسی نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ایک ڈول ڈال دینا ہو۔ یا یہی نیکی ہو کہ تم اپنے کسی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ "اے مسلمان عورتوں، کوئی پڑوسن

کے ہاں کوئی چیز بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے، خواہ وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔" مسند احمد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے "اے عائشہؓ ان گناہوں سے بھی بچی رہنا جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے یہاں ان کی پرسش بھی ہونی ہے۔" مسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا بیان ہے کہ "حضورؐ نے فرمایا، خبردار چھوٹے گناہوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ وہ سب آدمی پر جمع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیں گے۔

آخرت میں کوئی کسی کے کام نہ آئیگا

آخری اہم بات جو قرآن مجید نے آخرت کے سلسلے میں بتائی، وہ یہ تھی کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ کجا کہ کسی کو اپنے باپ، بھائی، بیٹے، بیوی، شوہر، دوست، یا مرید اور پیر کو بچانے کی فکر ہو، ہر شخص اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھائے گا۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ رتی برابر بھی اٹھانے کے لیے تیار ہوگا۔ اور نہ خدا کا انصاف یہ گوارہ کرے گا کہ ایک کا بارِ گناہ دوسرے پر ڈال دیا جائے فیصلہ اس وقت بالکل اللہ رب العلمین کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو مالک یوم الدین ہے۔ اس دربار میں بولنے کا یارا کسی کو نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ اللہ خود اجازت دے، اور وہ ٹھیک بات کہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (الفاطر: ۱۸)	کوئی بوجھ اٹھانے والا، کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو اس کے بار کا ایک ادنیٰ حصہ بھی ہٹانے کے لیے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

"بوجھ" سے مراد اعمال کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ہر شخص اپنے عمل خود ذمہ دار ہے، اور ہر ایک پر صرف اس کے اپنے ہی عمل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری کا بار اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی دوسرے پر ڈال دیا جائے، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی ذمہ داری کا بار خود اپنے اوپر لے لے اور اسے بچانے کے لیے اپنے آپ کو اس کے جرم میں پکڑوا دے۔ یہ بات یہاں اس بنا پر فرمائی جا رہی ہے کہ مکہ معظمہ میں جو لوگ اسلام قبول کر رہے تھے، ان سے ان کے مشرک رشتہ دار اور برادری کے لوگ کہتے تھے کہ تم ہمارے کہنے سے اس نئے دین کو چھوڑ دو اور دین آبائی پر قائم رہو۔ عذاب و ثواب ہماری گردن پر۔

پہلے فقرے میں اللہ کے قانون عدل کا بیان ہے کہ وہ ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہ پکڑے گا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کے اپنے ہی گناہ کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ اور بعد کے فقرے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آج یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تم ہماری ذمہ داری پر کفر و معصیت کا ارتکاب کرو قیامت کے روز ہم تمہارا بارِ گناہ اپنے اوپر لے لیں گے۔ وہ دراصل محض ایک جھوٹا بھروسہ دلا رہے ہیں۔ جب قیامت آئے گی اور لوگ دیکھ لیں گے کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وہ کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں تو ہر ایک کو اپنی پڑ جائے گی۔ بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے منہ موڑ لے گا اور کوئی کسی کا ذرہ برابر بوجھ بھی اپنے اوپر لینے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عبس: ۳۴ تا ۳۷)	اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

بھاگنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان عزیزوں کو جو دنیا میں اسے سب سے زیادہ پیارے تھے

مصیبت میں مبتلا دیکھ رہا ہے اس کے کہ ان کی مدد کو دوڑے الٹا ان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنے مدد کے لیے پکار نہ بیٹھیں۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں خدا سے بے خوف اور آخرت سے غافل ہو کر یہ سب جس طرح ایک دوسرے کی خاطر گناہ کرتے، اور ایک دوسرے کو گمراہ کرتے رہے، اس کے برے نتائج سامنے آتے دیکھ کر ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گنہگاریوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے، شوہر کو بیوی سے اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا کہ یہ کم بخت اب ہمارے خلاف مقدمہ کے گواہ بننے والے ہیں۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ

(المعارج۔ ۱۰ تا ۱۴)

اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو، جو اسے پناہ دینے والا تھا۔ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دیدے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔

یعنی ایسا نہ ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں رہے ہوں گے، اس لیے نہ پوچھیں گے۔ بلکہ ہر ایک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا کہ دوسرے پر کیا بن رہی ہے اور پھر وہ اسے نہ پوچھے گا، کیونکہ اس کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس کے برعکس وہ چاہے گا کہ ان سب کو فدیہ میں دے کر خود چھوٹ جائے۔

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ

(المؤمن۔ ۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع، جس کی بات مانی جائے۔

ظالم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس نے حق سے منہ موڑ کر بغاوت و معصیت کا طریقہ اختیار کیا ہو۔ حمیم سے مراد کسی شخص کا ایسا ہمدرد ہے جو اس کو پٹتے دیکھ کر جوش میں آ جائے اور اسے بچانے کے لیے دوڑے۔ آخری بات برسبیل تنزل، کفار کے عقیدہ شفاعت کی تردید کرتے ہوئے فرمائی گئی ہے۔ حقیقت میں تو وہاں ظالموں کا کوئی شفیع سرے سے ہوگا ہی نہیں۔ کیونکہ شفاعت کرنے کی اجازت اگر مل بھی سکتی ہے تو اللہ کے نیک بندوں کو مل سکتی ہے اور اللہ کے نیک بندے کبھی کافر و فاجر، مشرکوں اور فساق و فجار کے دوست نہیں ہو سکتے کہ وہ انھیں بچانے کے لیے شفاعت کا خیال بھی کریں۔ لیکن چونکہ کفار و مشرکین اور گمراہ لوگوں کا بالعموم یہ عقیدہ رہا ہے، اور آج بھی ہے کہ ہم جن بزرگوں کے دامن گرفتہ ہیں وہ کبھی ہمیں دوزخ میں نہ جانے دیں گے، بلکہ اڑ کر کھڑے ہو جائیں گے اور ہم کو بخشوا کر ہی چھوڑیں گے اس لیے فرمایا گیا کہ وہاں ایسا شفیع کوئی بھی نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے اور جس کی سفارش اللہ کو لازماً قبول ہی کرنی پڑے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا

(النبا۔ ۳۸)

وہ دن جب کہ روح (جبریل) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔

یعنی میدان حشر میں دربار الٰہی کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ اہل زمین ہوں یا اہل آسمان کسی کی بھی یہ مجال نہ ہوگی کہ از خود اللہ تعالیٰ کے حضور زبان کھولے، یا عدالت کے کام میں مداخلت کر سکے۔ بولنے سے شفاعت ہے اور فرمایا گیا ہے کہ وہ صرف دو شرطوں کے ساتھ ممکن ہوگی۔ ایک یہ کہ جس شخص کو جس گنہگار کے حق میں شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گی صرف وہی شخص اسی شخص کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا ٹھیک تو درست بات کہے بیجا [illegible]

جینا تو یہی

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری اُمید بھی منقطع ہو جاتی ہے، اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے مہینے میں دیکھو۔ اگر اس مہینے میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خدا کچھ نیکی کے اُبھار کا جذبہ نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینے میں نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں، اور اسلامی حس مُردہ نظر آئے، تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مسلمان کے لیے مُقدر نہیں ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

قسط دوم

محمد اشفاق حسین

ارشد القادری کی "شریعت" کا جائزہ

اہل بدعت کی کفر سازیاں

ارشد القادری لکھتے ہیں۔

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ ان کے منہ میں لگام دیجئے، اور ان سے کہئے کہ ان چند ہزار افراد کے سوا جو حقانی صاحب کے ساتھ ہیں، ہندوستان میں ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ درحقیقت آکر ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں پر اس کھلے ہوئے قاتلانہ حملے کے بعد بھی لوگ حقانی صاحب کو سراہتے ہیں"

(شریعت ص ۱۵)

اور ارشد صاحب کو مارے جلن اور حسد کے، دہکتے انگاروں پر لوٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ احقانی صاحب نے یہ کہاں لکھا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمان مشرکانہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ تو کثرت تعداد کے اظہار کے لیئے اکثر کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ اور ارشد صاحب نے اکثر کا ترجمہ کبھی سات کروڑ کر ڈالا تو کبھی چھ کروڑ۔ حقانی صاحب نے موجودہ مسلمانوں کے مروجہ عقائد کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس کی تائید تصدیق اور وضاحت آج سے سینکڑوں برس پہلے کے علماء کرام کی کتابیں سے ہو جاتی ہے۔ جنہیں ہم نے گزشتہ صفحات میں پیش کیا ہے۔ درحقیقت حقانی صاحب نہیں بلکہ خود ارشد صاحب تقریباً تمام ہندوستانی اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر، خارج اسلام اور نئے دین و ایمان کے حامل و مبلغ قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت میں اہل حدیث اور مقلدین دونوں شامل ہیں۔ چنانچہ شیخ عبد القادر رح جیلانی اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں۔ اہل بدعت، اہل سنت کہلائے جانے کے قطعاً مستحق نہیں ہو سکتے"۔ لیکن مولانا ارشد القادری اور دیگر اہل بدعت، تمام اہل حدیث حضرات کی علانیہ تکفیر کرتے اور انھیں ایک نیا اور گمراہ فرقہ قرار دیتے ہیں۔ اور مقلدین میں وہ حضرات جو امام ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی رح حنبلی کو صحیح العقیدہ سنی مسلمان سمجھتے اور وہ مسلمان جو دار العلوم دیوبند کے عقائد سے متفق ہیں اور وہ جو علمائے دیوبند کی تنظیم جمعیت العلماء سے تعلق رکھتے ہیں۔ ارشد القادری اور بریلوی وقبوری علماء مشائخ کے ہاں کافر، مرتد اور بے دین ہیں۔ دار المصنفین ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، اخوان المسلمین، ادارہ اہل سنت والجماعت اور حقانی صاحب کے لاکھوں معتقدین کے دین و ایمان کو وہ خلاف اسلام اور گمراہ قرار دیتے، اور ان سب جماعتوں اور ان سے متعلق علماء اور مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اس کے علاوہ سعودی حکومت علماء اور عوام جو امام ابن تیمیہ

[illegible] کے [illegible]
اور بریلوی مکتب [illegible]
رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ [illegible] کو اور مجبوری کے بغیر مسجد حرام، مسجد نبوی اور دوسری [illegible] اور دیگر مساجد میں نماز باجماعت ادا نہیں کرتے کہ ان مساجد کے ائمہ معاذ اللہ خارج از اسلام ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ انبیاء اور بزرگوں کو متصرف کائنات نہیں سمجھتے اور ان سے دعاء فریاد نہیں کرتے ان کے مزاروں کی خاک وراکھ نہیں چاٹتے۔ اب صرف وہ طبقہ باقی رہ جاتا ہے کہ جو انبیاء اور اولیاء کو سمیع الدعا، غیب دان، حاضر و ناظر، متصرف کائنات، حاجت روا، مدد و فریاد رس سمجھتا، اور انہیں راضی وخوش کرنے کے لیے ان کے مزاروں پر مراسم عبودیت، سجدہ وطواف، نذر و نیاز، دعا و فریاد اور قربانیاں ادا کرتا ہے

اہل تشیع کی حمایت؟

مولانا پالن حقانی نے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں

"حضور پر اللہ تعالےٰ نے چالیس پارے قرآن شریف کے نازل فرمائے تھے مگر اس میں دس پارے آپؐ نے کسی کو نہیں بتلائے۔ یہ جاہل لوگ اپنے آپ کو عاشقانِ رسولؐ کہہ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک جھوٹا بہتان لگاتے ہیں۔"

(شریعت یا جہالت۔ ص ۱۸۲)

اس کھلی حقیقت کا بھی ارشد صاحب کو اعتراف نہیں حالانکہ یہ شیعہ حضرات کا ایک مشہور عقیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دس پارے حضرت عائشہؓ کی بکری چٹ کر گئی۔ ان دس پاروں میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ، بی بی فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ اور دیگر اہل بیت کی فضیلت کا ذکر تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دس پاروں کو ظاہر نہیں فرمایا۔ معاذ اللہ یہ بات ان کے حواریوں کی جانب تو منسوب نہیں کی گئی۔ بلکہ یہ بات شیعہ حضرات ہی کی جانب سے منسوب ہے لیکن شاید [illegible] شریعت کا ایک [illegible] ہے کہ اہل تشیع کی [illegible] سکے [illegible] کہلاتے کہ سب سے پہلے اسی فرقہ نے حضرت علیؓ کی شان میں غلو کیا اور قبر پرستی کی بنا ڈالی

[illegible] کے تمام [illegible] کے دل میں تعزیہ داری اور [illegible] سے محبت پایا جاتا ہے اور اللہ [illegible] رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین عہد حق شریعت، مولانا پالن حقانی کے رد کے لیے منکرین اہل بیت کی خدمات حاصل کرتے ہیں، جو حقانی صاحب کو گلا پھاڑ پھاڑ کر للکارتے اور گالیاں دیتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں کی نام نہاد اور منافی توحید، عقیدت و محبت کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

جواب چیلنج

ارشد القادری اپنی کتاب کے ص ۱۰۶، ۱۰۵ اور ۱۰۷ میں مولانا پالن حقانی کے وہ بیانات نقل کرتے ہیں، جن میں وہ لکھتے ہیں کہ جاہل علماء اور گمراہ مرشدین اپنے مریدین اور معتقدین کو بہکاتے رہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت، علماء دیوبند، اور ان جیسے عقائد رکھنے والے مسلمانوں کو سلام مت کرو اور ان کے سلام کا جواب مت دو، ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔

(شریعت یا جہالت۔ ص ۹۲)

حقانی صاحب اپنی کتاب۔ ص ۹۵، پر لکھتے ہیں۔

"مرشدین کے کہنے پر ان کے مریدین مسلمانوں کو مسجد میں نماز تک پڑھنے نہیں دیتے اور انہیں ستاتے اور دکھ دیتے اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں۔"

(شریعت یا جہالت)

اس پر ارشد القادری صاحب یوں تنقید اور اعتراض کرتے ہیں۔

"انصاف کیجئے! ان عبارتوں میں پیروں، صوفیوں اور مولویوں کے خلاف انہوں نے کس طرح کے بہتان لگائے ہیں..... حقانی صاحب ایک ذمہ دار مصنف کی حیثیت سے اگر اپنے آپ کو اپنی تحریر کا جوابدہ سمجھتے ہیں تو میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ متذکرہ الزامات کو ثابت کریں..... پھر اس کے بعد وہ حقانی صاحب کی [illegible] کا ایمان [illegible] کرنے والے [illegible] کی گالیاں دیتے ہیں

(شریعت، ص ۱۸۶)

اگر علامہ ارشد القادری نے نفٹ پاتھ کے دوا فروشوں کی طرح ایک ماہیانہ چیلنج تو کر دیا لیکن کسی انعام کا اعلان نہیں فرمایا کہ وہ اگر ان باتوں کو صحیح ثابت کر دیں تو اتنا انعام دیا جائے گا۔ یا مدرسہ کی نوکری چھوڑ کر گدھے چراؤں گا۔ وغیرہ۔

خیر انعام کے بغیر ہی ہم مفت میں یہ خدمت انجام دیں گے۔ اگر قارئین کرام ہمارے اس جواب اور چیلنج کے مقابلہ کو کامیاب اور مبنی برحق تصور کریں تو جھوٹے جعلساز فریبی، مکار، لفاظ اور دقتیہ بات بدلنے والے کے منہ پر سیاہی پھیر دیں۔ گدھے پر الٹا بٹھا کر شہر میں گھمانے کی ضرورت نہیں۔

عالم اسلام اور عالمی تحریکات کی تکفیر " ملاحظہ ہو کوئی

جاہل صوفی اور گمراہ مرشد نہیں بلکہ خود علامہ ارشد القادری جو خود بھی کسی پھکڑ مولوی اور بازاری و جاہل پیر و فقیر سے کم نہیں اپنی کتاب "جماعت اسلامی" میں لکھتے ہیں۔

"ہمیں توقع ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانان ہند اسلام کے خلاف عقل و ذہانت کے ایک خاموش فتنے سے پوری طرح روشناس ہو سکیں۔" (ص ۵)

یعنی جماعت اسلامی خلاف اسلام ایک فتنہ انگیز تنظیم ہے! جماعت اسلامی کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں۔

"وہ اپنا مذہب لٹریچر کے ذریعہ اجنبی دماغوں میں اتارتی ہے۔" (ص ۱۵)

"جماعت اسلامی کسی اجتماعی تحریک کا نام نہیں بلکہ ایک نئے دین کا نام ہے۔" (ص ۱۷)

"جماعت اسلامی مسلمانوں کا کوئی ذیلی دائرہ تنظیم نہیں، بلکہ ایک متوازی دائرہ اسلام ہے۔" (ص ۴۷)

کفر سازی اور کافر گری علامہ ارشد القادری کا یہ محالفت بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی نشہ باز کا بیان [illegible]

اپنے کاروباری حریف کی دوا کے بارے میں یہ کہے کہ اس کی دوا الکوحل سے، الکحل اور شکر کا مرکب ہے۔ تاکہ اپنی جعلی دوا عوام میں بدنام ہو، اور خوب بکے!

ارشد صاحب اپنی کتاب "تبلیغی جماعت" میں اس جماعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایک مقدس فریب، ایک ایمان دشمن تحریک مذہبی تاجروں کا ایک سیاہ کاروبار اور کفر کے غلاف میں لپٹا ہوا ایک پراسرار صنم خانہ۔" (ص ۱)

اسی کتاب کے ص ۲ پر تبلیغی جماعت کو ایمان کی رہزن، ص ۲۲، پر نئے مذہب کی بانی حامل اور مبلغ ص ۴ پر تبلیغی جماعت کے مرکز واقع بستی نظام الدین اولیاء دہلی کو مرکز دجل قرار دیتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں

خدارا بتائیے، اس جماعت کو اسلام اور مسلمانوں سے کیا علاقہ؟" (ص ۸)

"اس دنیا میں دجل و فریب کی آخری قربیت گاہ کا نام اب تبلیغی جماعت ہے۔" (ص ۳۴)

"خیر کے نام سے دین میں فساد پھیلانا اور سادہ لوح مسلمانوں کا عقیدہ خراب کرنا تبلیغی جماعت کی ساری سرگرمیوں کا اصل مدعا ہے۔" (ص ۲۱۳)

غرض کہ ارشد صاحب نے اپنی کتاب "تبلیغی جماعت" میں انداز بدل بدل کر اس جماعت کو انتہائی گمراہ کن اور خلاف اسلام قرار دیا۔ وہ اس کتاب میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی سے متعلقہ اور ان سے متاثر و ہم عقیدہ، سعودی حکومت، سعودی علماء اور عوام کو بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج، نئے دین و مذہب کے خالق، بانی اور مبلغ قرار دیتے چلے گئے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب "شریعت" میں وہ لکھتے ہیں۔!

"لیکن جو حضرات حقانی صاحب پر ایمان لاکر ایک نئے اسلام سے روشناس ہوئے ہیں ان سے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔" (ص ۲۰۳)

[illegible] کریں کہ یہ ایک نئے دین
مذہب کو پیش کرتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں جن پر بعض لوگ
ایمان لا سکے ہیں۔

"بہارِ شریعت" بریلوی اور قبوری حلقوں کی ایک
مشہور و مستند کتاب ہے۔ اس میں تحریر ہے۔

"وہابی" یہ ایک نیا فرقہ ہے جو سنہ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا
اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا، جس نے تمام
عرب خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے
علماء کو قتل کیا... غیر مقلدین (یعنی اہل حدیث) یہ بھی وہابیت ہی
کی ایک شاخ ہے... جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی
کافر ہے۔" (حصہ اول، ص ۵۰)

اہل بدعت اور حاملین قبوری شریعت کی ایک کتاب
"مولیٰ قد خداوندی" میں تحریر ہے۔

"جب تک حجاز مقدس میں حکومت سعودیہ موجود ہے
اس وقت تک کوئی مسلمان نہ حج بیت اللہ کرے اور نہ
زیارت روضۂ اقدس کرے بلکہ وصیت کر جائے کہ تو میرے
مرنے کے بعد کوئی کٹر سنی مسلمان حج بدل ادا کر دے" (ص ۱۶۰)

جب وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی
وغیرہ سے متعلق تمام علماء اور عوام، سعودیہ عربیہ کے مسلمان
سب کافر، گمراہ، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج، اور
نئے دین و عقائد کے حامل ہیں۔ تو بھلا بتائیے! اب دنیا
میں کون مسلمان باقی رہ جاتا ہے؟ کیا ارشد صاحب اور دیگر
علماء سوء کی کتابوں سے پیش کردہ تحریریں اس حقیقت کی
وضاحت کے لیے کافی نہیں کہ اہل بدعت اور حاملین قبوری
شریعت مسلمانوں کو کافر، نئے دین و ایمان کے حامل
قرار دیتے ہیں۔ جب ہند و پاک کے تعلیم یافتہ، بے
ادب، صحیح العقیدہ، فعال، اور باطل کے خلاف صف آراء
مسلمانوں کے تمام سنجیدہ اور وقار طبقات، جماعات اور
مکاتب کو علامہ ارشد القادری اور بریلوی علماء کافر اور دائرہ
اسلام سے خارج، پیغمبر اسلام اور اولیائے کرام کے دشمن قرار
دیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ عوام اور ان کے مریدین اور معتقدین

[illegible] ہیں ان مسلمانوں کے خلاف [illegible]
[illegible] کے جذبات اور احساسات [illegible]
جانا اور لازمی اور فطری امر ہے۔ جس کے اثرات [illegible]
[illegible] مدارس اور مساجد وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، جہاں
شرک و بدعت کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف
مختلف قسم کی کارروائیاں کی جاتیں اور اوچھے قسم کے ہتھکنڈے
استعمال کیے جاتے ہیں۔!

مولانا ارشد القادری نے اپنی کتاب کے پہلے صفحہ پر
لکھا ہے کہ اس کتاب میں، حقانی صاحب کی تحریروں سے
ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی کتاب عام مسلمانوں کی دل آزاری
اور مذہبی اغلاط کا مجموعہ ہے۔" لیکن وہ اپنے اس دعوے میں
باطل اور جھوٹے ثابت ہوئے اور ہم نے ان کی باتوں، اور
چیلنج کا جواب انہی کتابوں سے پیش کر دیا کہ وہ خود اور ان
کے ہم عقیدہ اور شرک زدہ حضرات، مسلمانوں کے تمام
مدرسوں اور جماعتوں اور قدیم و جدید عالموں اور سعودی
حکومت، علماء اور مسلمانوں کو کافر اور بے دین کہتے، اور
دیگر بے شمار شرعی اور دینی گالیوں سے نوازتے ہیں۔!

اب قارئین کرام خود فیصلہ کر لیں کہ جب ایک عالم دین
اور نامی بزرگ خود اپنی نصیحت کے خلاف اور متضاد عمل
کرے جو اپنے دعوے میں سچا نہ ہو اور جس کا چیلنج جھوٹا اور
غلط ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں خون کے گھونٹ
پینا چاہیئے، یا جگر تھام لینا چاہیئے، خون کے آنسو بہانا چاہیئے
یا سر پیٹ لینا چاہیئے۔ لیکن میں تو یہ کہوں گا کہ اگر خودکشی جائز
ہے تو انھیں چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ
مشرکین کا ٹھکانہ تو بہر حال دائمی جہنم ہے۔ لیکن ایسے لوگ
جو شرک کے حامی کے علاوہ داعی بھی ہوں اور عقیدۂ شرک
کے مرض کے متعدی و مہلک کا جو ذریعہ اور سرچشمہ ہوں انھیں
جلد از جلد بند ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ لوگ شرک اور جہنم سے
محفوظ رہ سکیں۔!

پتھروں کا فیض

حضرت حقانی صاحب اپنی کتاب
کے ص ۲۰۳ پر لکھتے ہیں کہ بہت سے

علماء [illegible] کے پتھر [illegible] انگوٹھی میں فٹ کر کے پہنتے ہیں اور ان پتھروں کی تاثیر کے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں کہ اس پتھر کے یہ فوائد ہیں اور فلاں پتھر کے یہ اثرات ہیں، اور یہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔"

لیکن ارشد صاحب کو اس پر اعتراض اور اختلاف ہے کہ پتھروں کی یہ تاثیر برحق ہے اس سلسلہ میں وہ ایک ایسی دلیل پیش کرتے ہیں کہ پاگل بھی ہنس دے۔ ارشد صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی شئے میں غیر طبعی، مافوق الفطری اور غیبی تاثیر طاقت اور فائدہ کا عقیدہ رکھنا مشرک ہے۔ پتھروں کے اثرات اور فوائد کا طب، سائنس یا کسی بھی علم سے تعلق نہیں رکھتا جس نے ان کے فوائد کا ثبوت اور دلیل فراہم ہوتی ہو اور نہ ہی عالم الغیب والشہادہ کا اس بارے میں کوئی حکم موجود ہے۔ جب کہ جڑی بوٹیوں اور دواؤں وغیرہ کی تجرباتی، فطری طبعی اور سائنسی حقیقت ہے۔ جن کے اثرات، فوائد اور ردِ عمل کو پیٹ کے اندر اور جلد پر ہی نہیں بلکہ مختلف تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ جسم سے باہر بھی ان امور کا تجربہ اور معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں پتھر پیس کر کھانے سے اس کے انسانی جسم پر یہ اثرات اور فائدے ظاہر ہوتے ہیں تو کوئی بات تھی لیکن انگوٹھی میں جو پتھر بٹھائے جاتے ہیں وہ صرف جلد سے مس ہوتے ہیں۔ اس کے انسانی جلد اور جسم پر کوئی طبعی، طبی اور فطری اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ فلاں چٹان کو چھونے سے بے روزگار کو روزگار حاصل ہوگا۔ بے اولاد صاحب اولاد ہو جائے گا۔ اس سے پرانا پیٹ کا درد دور ہو جائے گا، نابینا کو بینائی حاصل ہو جائے گی اور جو شخص اسے اوہام و خرافات اور بے اصل قرار دیدے اور اس معترض کو یہ جواب دیا جائے کہ اللہ نے اس چٹان میں فلاں فلاں فوائد اور اثرات رکھ دیئے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول اور احمقانہ بات ہوگی، جس کی پشت پر ہوئے وہم و قیاس کے کوئی علمی اور عقلی محسوس دلیل نہیں پائی جاتی صرف جاہلوں کو اللہ کے نام پر دھوکہ اور فریب دیا اور اُلّو بنایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مختلف [illegible] اور رنگوں کے پتھروں کے فوائد و برکات عرصہ دراز سے دیکھنے میں آ رہے ہیں تو اس کا جواب وہی ہے جو مندروں کے فضائل و برکات بیان کرنے اور مرحوم بزرگوں کے نافع و ضار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو دیا جا سکتا ہے۔ ! آخر یہ صدیوں سے بت پرستی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ وہاں کی آمدنی اور جمِ غفیر میں کوئی کمی نہیں ہو رہی ہے تو آخر انھیں ان کے کچھ فوائد اور فضائل محسوس ہو رہے ہوں گے۔ تب ہی تو اس میں ہر طرح کی ترقی عروج اور آمدنی حاصل ہے ورنہ مندروں اور درگاہوں میں آج اُلّو بولنے لگتے۔ وہاں جانے سے لوگ گھبراتے، اور کتراتے۔

توہینِ انبیاء کی حقیقت

مولانا ارشد القادری کی کتاب "شریعت"

کا تیسرا عنوان "انبیائے کرام کی شان میں گستاخیاں" ہے جو ص ۲۲ سے شروع ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت انھوں نے یہ واضح اور ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی ہے کہ پالن حقانی صاحب انبیاء کرام کی شان گستاخیاں کیے ہیں پہلی گستاخی کے طور پر وہ حقانی صاحب کے اس نوٹ کو پیش کرتے ہیں جو کہ انھوں نے سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ کے تحت لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

سبحان اللہ! یہ شان ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی جو بھلائی کا حکم کرتے ہیں۔ اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ ان کی گواہی سے بعض نبیوں کو چھٹکارا ہوگا۔"

(شریعت یا جہالت۔ ص ۲۰۰)

اس بیان پر ارشد القادری تنقید کرتے ہیں۔

"چھٹکارے کا سوال تو اسی شخص کے لیے پیدا ہوتا ہے جو پہلے ملزم کی حیثیت سے پکڑا جائے، لہٰذا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے یہاں ملزم کی حیثیت سے جب انبیاء پکڑے جائیں گے تو حضور کی امت کے لوگ انھیں چھٹکارا دلائیں گے خدا کی پناہ۔ (شریعت۔ ص ۲۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر امت محمدیہ کے کسی فرد کی نہیں بلکہ کسی یہودی اور عیسائی کا بیان ہے جسے محمد

"یعنی حقانی صاحب اسلام کو نہیں بلکہ ایک نئے دین و مذہب کو پیش کرتے ہیں اور وہ کوئی نبی ہیں جن پر بعض لوگ ایمان لائے ہیں۔

"بہار شریعت" بریلوی اور قبوری حلقوں کی ایک مشہور و مستند کتاب ہے۔ اس میں تحریر ہے۔

"وہابی" یہ ایک نیا فرقہ ہے جو سنہ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا، جس نے تمام عرب، خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے علماء کو قتل کیا ... غیر مقلدین (یعنی اہل حدیث) یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے ..... جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے" (حصہ اول، ص۵۰)

اہل بدعت اور حاملین قبوری شریعت کی ایک کتاب "زبرق خداوندی" میں تحریر ہے۔

"جب تک حجاز مقدس میں حکومت سعودیہ موجود ہے اس وقت تک کوئی مسلمان نہ حج بیت اللہ کرے اور نہ زیارت روضۂ اقدس کرے بلکہ وصیت کر جائے کہ تو میرے مرنے کے بعد کوئی کٹر سنی مسلمان حج بدل ادا کر دے" (ص ۱۶۰)

جب وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی اور ان سے متعلق تمام علماء اور عوام، سعودیہ عربیہ کے مسلمان سب کافر، گمراہ، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج، اور نئے دین و عقائد کے حامل ہیں۔ تو بھلا بتائیے! اب دنیا میں کون مسلمان باقی رہ جاتا ہے؟ کیا ارشد صاحب اور دیگر علماء سوء کی کتابوں سے پیش کردہ تحریریں اس حقیقت کی وضاحت کے لیے کافی نہیں کہ اہل بدعت اور حاملین قبوری شریعت مسلمانوں کو کافر، نئے دین و ایمان کے حامل اور مبلغ قرار دیتے ہیں۔ جب ہند و پاک کے تعلیم یافتہ، بے دار مغز، صحیح العقیدہ، فعال، اور باطل کے خلاف صف آرا مسلمانوں کے تمام سنجیدہ اور وقار طبقات، جامعات اور جماعتوں کو علامہ ارشد القادری اور بریلوی علماء کافر اور دائرہ اسلام سے خارج، پیغمبر اسلام اور اولیائے کرام کے دشمن قرار دیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ عوام اور ان کے مریدین اور معتقدین کے دل و دماغ میں ان مسلمانوں کے خلاف نفرت حقارت اور دشمنی کے جذبات اور احساسات کا پرورش پاتا، اور بھڑک جانا اور لازمی اور فطری امر ہے۔ جس کے اثرات و نتائج آئے دن مدارس اور مساجد وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، جہاں شرک و بدعت کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف، مختلف قسم کی کاروائیاں کی جاتیں اور اوچھے قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔!

مولانا ارشد القادری نے اپنی کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ اس کتاب میں، حقانی صاحب کی تحریروں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی کتاب عام مسلمانوں کی دل آزاری اور مذہبی اغلاط کا مجموعہ ہے۔" لیکن وہ اپنے اس دعوے میں باطل اور جھوٹے ثابت ہوئے اور ہم نے ان کی باتوں، اور چیلنج کا جواب انہی کتابوں سے پیش کر دیا کہ وہ خود اور ان کے ہم عقیدہ اور شرک زدہ حضرات، مسلمانوں کے تمام مدرسوں اور جماعتوں اور قدیم و جدید عالموں اور سعودی حکومت، علماء اور مسلمانوں کو کافر اور بے دین کہتے، اور دیگر بے شمار شرعی اور دینی گالیوں سے نوازتے ہیں۔!

اب قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ جب ایک عالم دین اور ناصح بزرگ خود اپنی نصیحت کے خلاف اور متضاد عمل کرے جو اپنے دعوے میں سچا نہ ہو اور جس کا چیلنج جھوٹا اور غلط ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں خون کے گھونٹ پینا چاہیئے۔ یا جگر تھام لینا چاہیئے، خون کے آنسو بہانا چاہیئے یا سر پیٹ لینا چاہیئے لیکن میں تو یہ کہوں گا کہ اگر خودکشی جائز ہے تو انھیں چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ مشرکین کا ٹھکانہ تو بہرحال دائمی جہنم ہے۔ لیکن ایسے لوگ جو شرک کے حامی کے علاوہ داعی بھی ہوں اور عقیدۂ شرک کے مرض کے متعدی و مہلک کا جو ذریعہ اور سرچشمہ ہوں انھیں جلد از جلد بند ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ لوگ شرک اور جہنم سے محفوظ رہ سکیں۔!

پتھروں کا فیض

حضرت حقانی صاحب اپنی کتاب کے ص ۲۰۷، ۲۰۸ پر لکھتے ہیں کہ بہت سے

علماء و عوام مختلف قسم کے پتھروں انگوٹھی میں فٹ کر کے پہنتے ہیں اور ان پتھروں کی تاثیر سے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں کہ اس پتھر کے یہ فوائد ہیں اور فلاں پتھر کے یہ اثرات ہیں، اور یہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔"

لیکن ارشد صاحب کو اس پر اعتراض اور اختلاف ہے کہ پتھروں کی یہ تاثیر برحق ہے اس سلسلہ میں وہ ایک ایسی دلیل پیش کرتے ہیں کہ پاگل بھی ہنس دے۔ ارشد صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی شئے میں غیر طبعی، مافوق الفطری اور غیبی تاثیر طاقت اور فائدہ کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ پتھروں کے اثرات اور فوائد کا طب و سائنس یا کسی بھی علم سے تعلق نہیں رکھتا جس سے ان کے فوائد کا ثبوت اور دلیل فراہم ہوتی ہو اور نہ ہی عالم الغیب والشہادہ کا اس بارے میں کوئی حکم موجود ہے۔ جب کہ جڑی، بوٹیوں اور دواؤں وغیرہ کی تجرباتی، فطری طبعی اور سائنسی حقیقت ہے۔ جن کے اثرات، فوائد اور ردِ عمل کو پیٹ کے اندر اور جلد پر ہی نہیں بلکہ مختلف تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ جسم سے باہر بھی ان امور کا تجربہ اور معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں پتھر پیس کر کھانے سے اس کے انسانی جسم پر یہ اثرات اور فائدے ظاہر ہوتے ہیں تو کوئی بات تھی لیکن انگوٹھی میں جو پتھر بٹھائے جاتے ہیں وہ صرف جلد سے مس ہوتے ہیں۔ اس کے انسانی جلد اور جسم پر کوئی طبعی، طبی اور فطری اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں چٹان کو چھونے سے بے روزگار کو روزگار حاصل ہوگا۔ بے اولاد صاحب اولاد ہو جائے گا۔ اس سے پرانا پیٹ کا درد دور ہو جائے گا، نابینا کو بینائی حاصل ہو جائے گی اور جو شخص اسے اوہام و خرافات اور بے اصل قرار دیدے اور اس معترض کو یہ جواب دیا جائے کہ اللہ نے اس چٹان میں فلاں فلاں فوائد اور اثرات رکھ دیئے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ ایک لاالفضول اور احمقانہ بات ہوگی، جس کی پشت پر وہم و قیاس کی کوئی علمی اور عقلی ٹھوس دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ جاہلوں ہی کو اللہ کے نام پر دھوکہ اور فریب دیا اور الو بنایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مختلف اقسام اور رنگوں کے پتھروں کے فوائد و برکات عرصہ دراز سے دیکھنے میں آرہے ہیں تو اس کا جواب وہی ہے جو مندروں کے فضائل و برکات بیان کرنے اور مرحوم بزرگوں کے نافع و ضار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو دیا جا سکتا ہے۔ آخر یہ صدیوں سے بت پرستی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ وہاں کی آمدنی اور حجم غفیر میں کوئی کمی نہیں ہو رہی ہے تو آخر انھیں ان کے کچھ فوائد اور فضائل محسوس ہو رہے ہوں گے۔ تب ہی تو اس میں ہر طرح کی ترقی عروج اور آمدنی حاصل ہے ورنہ مندروں اور درگاہوں میں آج الو بولنے لگتے۔ وہاں جانے سے لوگ گھبراتے، اور کتراتے۔

توہینِ انبیاء کی حقیقت

مولانا ارشد القادری کی کتاب "شریعت" کا تیسرا عنوان "انبیائے کرام کی شان میں گستاخیاں" ہے جو ص ۲۲ سے شروع ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت انھوں نے یہ واضح اور ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی ہے کہ عامر حقانی صاحب انبیاء کرام کی شان گستاخیاں کئے ہیں پہلی گستاخی کے طور پر وہ حقانی صاحب کے اس نوٹ کو پیش کرتے ہیں جو کہ انھوں نے سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ کے تحت لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

سبحان اللہ، یہ شان ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی جو بھلائی کا حکم کرتے ہیں۔ اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ ان کی گواہی سے بعض نبیوں کو چھٹکارا ہوگا۔"

(شریعت یا جہالت۔ ص ۲۰)

اس بیان پر ارشد القادری تنقید کرتے ہیں۔

"چھٹکارے کا سوال تو اسی کے لئے پیدا ہوتا ہے جو پہلے ملزم کی حیثیت سے پکڑا جائے۔ لہٰذا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے یہاں ملزم کی حیثیت سے جب انبیاء پکڑے جائیں گے تو حضور کی امت کے لوگ انھیں چھٹکارا دلائیں گے خدا کی پناہ۔ (شریعت۔ ص ۲۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر امت محمدیہ کے کسی فرد کی نہیں بلکہ کسی یہودی اور عیسائی کا بیان ہے جسے محمدؐ

الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی عظمت کا نشان کر رہی ہے۔ بخاری، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد کی متعدد احادیث سے اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں نوح علیہ السلام اور تمام انبیا اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا، اور ان سے پوچھا جائیگا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے اور پھر نبی سے جواب طلب کرنے پر وہ کہیں گے! میں نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا تھا۔ اللہ تعالے فرمائے گا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت! چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کو طلب کیا جائے گا، ان سے بھی سوال ہوگا کہ کیا اس نبی نے اپنی قوم میں تبلیغ کی تھی؟ اثبات میں جواب ملنے پر کہا جائے گا کہ ہمارے پاس، ہمارے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) آئے اور آپؐ نے ہمیں خبر دی کہ تمام انبیاء کرام نے تیرا پیغام حق اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا۔ (بحوالہ تفسیر بیان السبحان وغیرہ)

اگرچہ کہ مولانا حقانی اور دیگر علماء حق کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور جنت کے مستحق ہوتے ہیں لیکن متعدد ایسی احادیث بھی ہیں جن سے ان حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ بروز قیامت ان سے بھی مختلف امور میں بازپرس کرے گا۔ جن میں سے ایک یہی فریضہ تبلیغ سے متعلق سوال ہے۔

چھٹکارا دلانے کا مطلب جہنم ہی سے چھٹکارا نہیں بلکہ طویل بازپرس سے نجات دلانا اور مختصر اور ہلکے مواخذہ اور حساب وکتاب کے بعد زیادہ تاخیر کے بغیر فوری جنت میں داخلہ کا سبب بھی بننا ہے۔

ارشد صاحب کی یہ قابلیت اور غیب ذاتی نا قابل داد ہے کہ وہ کسی کی تحریر سے وہ مطلب بہ آسانی نچوڑ سکتے ہیں جو کہ کبھی اس کے حاشیہ خیال اور خواب میں بھی نہ آیا ہو!

ایک ناروا بات کسی سر منڈھنا اور خود ہی داد دینے کرنا ارشد صاحب کا وہ آرٹ ہے جس کا کوئی ثانی اور جواب نہیں۔

شیطانی الہام

مولانا ارشد القادری کے اس آرٹ یا عیاری کا ایک اور نادر و نایاب نمونہ ملاحظہ ہو کہ وہ کس طرح ایک غلط بات زبردستی کسی کے سر تھوپنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

حقانی صاحب کی تحریر ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے لوگوں کو برائی سے روک کر جہالت سے نکالا اور نیکی و بھلائی کا حکم کر کے شریعت پر لا کھڑا کیا!

(شریعت یا جہالت۔ ص ۲۰۰)

اب ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ ارشد القادری اس ترغیبی بیان کا کس طرح حلیہ بگاڑتے ہیں۔

"مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے "شریعت یا جہالت" نامی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو جہالت سے نکالا اور شریعت پر لا کھڑا کیا۔ وہی لوگ قیامت کے دن انبیاء کو چھٹکارا دلائیں گے۔ (شریعت۔ ص ۲۴)

دیکھیئے ایک عمومی اور اصولی بات سے ایک مخصوص مفہوم زبردستی نچوڑ کر حقانی صاحب ہی کو اس کا مصداق بنا دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ امت محمدیہ کے صرف وہی افراد انبیاء سابقین کی دعوت و تبلیغ کی گواہی دے سکیں گے جنھوں نے قرآن کے ذریعہ ان حقیقتوں کا علم حاصل کیا اور خود بھی فریضہ تبلیغ ادا کی ہوگی، جہالت اور برائی سے لوگوں کو نکال کر انھیں پابند شریعت بنایا ہوگا۔ لیکن ایک صاف سیدھی بات میں فیڑھ نکالنے اور کیڑے پیدا کرنے کی توقع صرف ارشد القادری اور دیگر بریلوی ٹائپ علماء ہی کی صلاحیت اور قابلیت سے کی جا سکتی ہے۔

اگر مولانا ارشد القادری اپنی اسی کتاب میں مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کریں کہ مسلمانو! شریعت کی پابندی کرو، شریعت پر عمل کرو، اور اگر کوئی سر پھرا ان کے اس بیان پر یہ کہہ دے کہ دیکھنا ارشد القادری اپنی کتاب "شریعت" کی پابندی اور اپنی کتاب پر عمل کی دعوت دے رہے ہیں، تو یہ بات کیسی رہے گی؟ حالانکہ ان کا منشاء شریعت اسلامیہ

کی اتباع کا ہے۔

ویسے پالن حقانی صاحب ایک انسان ہی ہیں۔ خاندانی اور مکتبی علماء سے بھی علمی غلطیوں کا صدور ممکن ہے اور انسان سے زبان و بیان کی بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہاں مترجم نے حقانی صاحب کے مافی الضمیر کو مناسب الفاظ میں ادا نہیں کیا۔ انداز بیان کی معمولی غلطیوں کو پکڑنا انھیں غلط معنی پہنانا اس پر کسی کو ضال و مضل اور گمراہ قرار دینا پرلے درجہ کی شر انگیزی، فتنہ پردازی گھٹیا اور اوچھا پن ہے ایسی معمولی اور قابل نظر انداز غلطیوں بلکہ سہو کو وہی شخص اچھال سکتا اور بات کا بتنگڑ بنا سکتا ہے۔ جسے اپنے مخالف میں باوجود کافی کوشش و تلاش کے کوئی بات قابل گرفت نہ مل سکی ہو۔

غلط ترجمۂ قرآن کا الزام؟

وہ نقاد ہی کیا جو اپنے حریف میں آیات قرآنی کے ترجمہ کی غلطی اور خیانت نہ ثابت کرنا چاہے اور وہ گمراہ ہی کیا جو قرآنی ترجمے میں غلطی اور خیانت نہ کرے۔!

مولانا پالن حقانی کو عوام میں بدنام کرنے کے لیئے ارشد صاحب کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ خواہ مخواہ ہی سہی حقانی صاحب پر آیات قرآنی کے ترجمے کی خیانت کا الزام عائد کریں اور لیجیئے یہ سرخی بھی جم گئی اور فرد جرم یہ ہے۔ کہ حقانی صاحب سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۴۳ کے لفظ وسطاً کا ترجمہ "عادل" (انصاف کرنے والی) کر دیا ہے۔ بقول ارشد صاحب کے یہ جرم گمراہی اور ترجمے کی خیانت اس لیے ہے کہ دوسرے علماء نے وسطاً کا ترجمہ اعتدال اور معتدل کیا ہے اور کسی عالم نے اس لفظ کا ترجمہ "عدل" نہیں کیا لیکن علامہ ارشد القادری کی اندھی دشمنی اور جاہلانہ مخالفت پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے نہیں تو کم از کم جگر تھام کر آپ حضرات مولانا عبد الماجد دریابادی کی تفسیر "ماجدی" میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ انھوں نے وسطاً کا ترجمہ وہی "عدل" کیا ہے جو کہ حقانی صاحب نے پیش فرمایا۔ اور پھر ارشد القادری نے تنہا ہی ظلم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ جیسے انھوں نے ٹانگ اڑا کر گرا دیا تھا۔ چلتے چلتے ایک ٹھوکر بھی رسید فرما دی کہ غریب جو سر پکڑ کر بیٹھا ہوا ہے۔ زمین پر پوری طرح چت ہو جائے وہ مولانا پالن حقانی پر حملہ آور ہو سکتے ہیں کہ حقانی صاحب "وسطاً" کا من مانی ترجمہ "عدل" اپنی بڑائی جتلانے کے لیے کیا ہے۔ اگر بیچارے حقانی وسطاً کا ترجمہ "اعتدال" یا "معتدل" کرتے تو ارشد صاحب تب بھی انھیں کب بخشنے والے تھے ایسی صورت میں وہ ان پر یہ الزام ضرور عائد کرتے کہ وسطاً کا ترجمہ "اعتدال" کر کے حقانی صاحب نے اپنے وہابی عقائد کو "اعتدال پذیر" اور ہم سنی مسلمانوں کے عقائد کو غیر معتدل اور افراط و تفریط سے بھرپور ظاہر کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

اہل بدعت کی ایک بنیادی گمراہی

حقانی صاحب نے سورۂ زمر آیت نمبر ۵۳ کا ترجمہ یہ پیش کیا ہے۔

"میری جانب سے کہدو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ (شریعت یا جہالت، ص ۱۱۳)

لیکن ارشد صاحب کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حقانی صاحب نے "میری جانب سے" بڑھا دیا ہے۔ جس کے لیے قرآن میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ (شریعت، ص ۱۳۱)

حالانکہ آیت کا مفہوم اور مراد الٰہی یہی ہے۔ انھوں نے ان الفاظ کے ذریعہ اس کے باطل مفہوم کا سدِّ باب کیا اور صحیح مطلب کی وضاحت فرمائی ہے۔

بریلوی اور بدعتی علماء و مشائخ کہتے ہیں کہ مخاطبین قرآن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام اور بندے ہیں اگرچہ کہ بعض مترجمین اور مفسرین نے ترجمہ میں تو "میری جانب سے کہدو" کے الفاظ کا اضافہ نہیں فرمایا۔ تاہم اس آیت کی تفسیر میں انھوں نے اسی مفہوم کی وضاحت کی ہے، لیکن گمراہ علمبردار ضلالت اور قبوری شریعت کا گروہ دنیا بھر کی عربی و فارسی اور اردو تفاسیر اور جلیل القدر علمائے سلف و خلف اور اسلام کی بنیادی تعلیم و عقیدہ کے خلاف اور متضاد روش اختیار

لیے ہوئے ہیں۔ بھلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنھوں نے بھٹکی ہوئی انسانیت اور مشرکانہ ماحول کو خدائے واحد کی غلامی اور بندگی میں لانا چاہتے تھے۔ انسانوں اور امتیوں کو اپنا غلام اور بندہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جو ہستی شرک اور غلامی کو مٹانے آئی تھی، خود اسی کی طرف مشرکانہ کلمات کو منسوب کرنا پرلے درجہ کی ضلالت، جہالت اور گمراہی ہے

ارشد القادری کی علمی خیانت اور فریب ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت اشرف علی تھانویؒ کا سورۂ زمر کی زیر گفتگو آیت کا ترجمہ پیش کرتے اور اپنی بات کی تائید میں سورۂ نور کی ایک آیت کا ترجمہ اشرف علی تھانویؒ ہی کا پیش کرتے ہیں۔ لیکن خون کے آنسو بہانے کا نہیں تو کم از کم ارشد صاحب کی خیانت علمی پر ماتم کرنے کا مقام ضرور ہے کہ اصل زیر بحث آیت کی تفسیر میں اشرف علی تھانویؒ کیا فرماتے ہیں اسے پیش نہیں کرتے محض اسی لیے کہ وہ انکے عقیدہ کے خلاف ہے۔

ایک مسلمان کے لیے یہی شرف بہت کچھ ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کا بندہ اور محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے۔ جو لوگ خود کو رسول اللہ کا بندہ اور غلام سمجھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالےٰ کی عظمت و کبریائی اس کی الوہیت اور معبودیت، اس کی کارسازی، مشکل کشائی اور حاجت روائی کے عقیدہ کو گھٹا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں۔ وہ غلو اور افراط سے جس سے خود حضورؐ نے اپنے لئے منع فرمادیا تھا کہ یہود و نصاریٰ بھی اپنے انبیاء اور اولیاء کی عقیدت اور شان میں افراط و غلو سے کام لے کر گمراہ اور مشرک زدہ ہوگئے تھے۔ سورۂ کہف کی درج ذیل آیت ارشد صاحب کے ترجمہ و تفسیر کے ابطال کے لئے کافی ہے کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

کیا منکرین حق یہ خیال کرتے ہیں کہ میرے سوا مجھے میرے بندوں کو بھی کارساز بنالیں؟ (ع ن ۱۲)

یہاں یتخذوا عبادی کے الفاظ آئے ہیں کیا اس آیت کے لفظ عبادی کا ترجمہ غلام کیا جائے گا یا بندے؟

درج ذیل ارشاد ربانی سے مولانا ارشد القادری کی گمراہی اور حقانی صاحب کے ترجمہ کی صحت کی پوری وضاحت ہوجاتی ہے۔

"کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمائے۔ اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے (عبادًا لی) بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی (اللہ کے بندے) بنو۔ (آل عمران)

اس سلسلہ میں خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک واضح ارشاد بھی موجود ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا! کوئی تم میں سے یوں نہ بولے کہ میرا بندہ اور میری بندی، تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں سب اللہ کی بندی ہیں۔ اور غلام بھی اپنے میاں کو یوں نہ کہے کہ میرا مالک کیونکہ تم سب کا مالک اللہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایسی صورت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے افراد یا قارئین قرآن کو "میرے بندو" بھلا کیسے کہہ سکتے ہیں؟

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

مولانا پالن حقانی نے سورۂ الم نشرح کی آیت ورفعنا لک ذکرک کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

" اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا" (ص ۲۱۰)

مولانا ارشد القادری اس پر یہ اعتراض برائے اعتراض کرتے ہیں کہ حقانی صاحب نے لک کا ترجمہ چھوڑ دیا جس کے معنی ہیں۔ آپ کی خاطر آپکے لئے۔

(شریعت۔ ص ۳۲)

حالانکہ اس سے اصل مدعا اور مراد الٰہی میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا۔ مولانا پالن حقانی نے جو ترجمہ پیش کیا ہے اس سے وہ مفہوم بدرجہ اولیٰ ادا ہوجاتا ہے جو ارشد صاحب چاہتے ہیں۔ اور پھر اس ترجمہ میں حقانی صاحب منفرد بھی نہیں بلکہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب جالندھریؒ نے بھی زیر گفتگو آیت کا ترجمہ " اور تمہارا ذکر بلند کیا"،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام حکومت

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

کی نشری تقریر کا مکمل متن

نمائندہ ریڈیو:۔ جناب قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ریڈیو پاکستان کے لئے یہ لمحہ بہت مبارک ہے کہ ریڈیو کا یہ نمائندہ جناب والا کی خدمت میں حاضر ہے۔ استدعا یہ ہے کہ خداداد مملکت پاکستان کے مسلمان تیس سال کی بے راہ روی کے بعد اللہ کی رسی کو پکڑنا چاہتے ہیں اور اللہ کے فضل سے آج اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ مولانا محترم رہنما تو اور بھی لیکن ہماری پریشان خیالی کا عالم یہ ہے کہ ؎

پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

آج صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لئے ہم ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے طالب ہیں تاکہ ہماری دنیا اور دین دونوں سنور سکیں۔ مولانا محترم۔ پہلی گزارش تو یہ ہے کہ آپ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز حکومت کے بارے میں کچھ معلومات بہم پہنچائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج کے دور میں ہم اس طریق حکومت کو کس طرح اپنا سکتے ہیں۔ آج کے دور میں ایک ترقی یافتہ مملکت کے حسن و قبح کے پرکھنے کے لئے حسب ذیل چار پہلوؤں سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) اقتدار اعلیٰ کس کو حاصل ہے۔

(۲) مقننہ کی نوعیت و اختیارات و حدود کیا ہیں؟

(۳) عدلیہ کس حد تک آزاد اور بے لاگ ہے؟

(۴) انتظامیہ کی حدود، اختیارات اور خصوصیات کیا ہیں؟

اس نقطۂ نگاہ سے آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک پر روشنی ڈالیں۔ ہمیں آج کے لئے، آنے والے کل کے لئے بلکہ ہمیشہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ارشادات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک خزینے کی تلاش ہے۔ میرے ہمراہ عبدالوحید خاں صاحب ہیں جو آپ سے ضمناً استفسارات فرمائیں گے۔ جناب والا میری پہلی گزارش تمام ہوتی ہے۔

جواب:۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے مجھ کو یہ موقع دیا کہ میں ملک کے مسلمانوں کو عموماً اور ملک کے حکمرانوں کو خصوصاً یہ بتا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام حکومت قائم فرمایا تھا اس کی بنیاد اور اس کی شکل کیا تھی۔

بنیادی طور پر جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی وہ یہ تھی کہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔ زمین خدا کی ہے۔ ہوا اور پانی اور روشنی اور ہر وہ چیز جس پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں، سب کچھ خدا کا ہے۔ یہ جسم جو ہمیں حاصل ہے اور اس کے اندر جو طاقتیں ہیں اور اس کے جو اعضا ہیں سب خدا کے بخشے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ حق پہنچتا ہی نہیں کہ ہم خود اقتدار اعلیٰ کا دعویٰ کریں یا کسی ایسے شخص یا گروہ یا ادارے کا دعویٰ قبول کر لیں جو اقتدار اعلیٰ کا مدعی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولین بات جو انسان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی اور جس پر ایمان

نے کی لوگوں کو دعوت دی وہ یہی تھی کہ ملک بھی اللہ تعالیٰ کا ہے
حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے سوا کسی بھی انسانوں کے لئے
قانون بنانے کا حق نہیں ہے۔

دوسری بات جو اسی طرح بنیادی اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں
کو براہ راست قانون نہیں دیتا بلکہ اپنے رسولوں کے ذریعے سے
دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے منتخب کئے ہوئے
حکمران نہیں تھے۔ نہ خود بنے ہوئے حکمران تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس منصب پر مقرر فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو تعلیم بھی
دیں ان کی تربیت بھی کریں۔ ان کے ذہن و فکر اور اخلاق کو بھی
ٹھیک کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام بھی پہنچائیں اور جو لوگ
ان احکام کو قبول کر کے ان کے برحق ہونے پر ایمان لائے ہوں
ان کے ذریعے سے احکام الٰہی کو نافذ فرمائیں۔

تیسری اہم چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے انسانوں کو بتائی اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی
وہ آخرت کا تصور ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے
جوابدہ نہ سمجھے اور اس کو یقین نہ ہو کہ ایک دن اسے مر کر اپنے
خدا کے سامنے جانا ہے اور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے
تو نہ وہ اسلام کے راستے پر چل سکتا ہے نہ حقیقت میں صحیح انسان
بن سکتا ہے۔

ان عقائد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے تیرہ سال
مکہ معظمہ میں دعوت تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے پیش
کیا اور جن لوگوں نے ان کو مان لیا ان کو آپ نے ایک جماعت ایک
امت کی شکل میں منظم کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ قیام مکہ کے آخری تین سال
ایسے تھے جن میں مدینہ طیبہ کے باشندوں کی ایک چھوٹی سی جماعت
ایمان لے آئی اور اس نے آپ کو دعوت دی کہ آپ ان کے شہر
میں سب مسلمانوں کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا نے بہت صحیح بات کہی ہے کہ "مدینے کو قرآن نے
فتح کیا ہے" یعنی کوئی تلوار نہیں تھی کوئی جابرانہ طاقت نہیں تھی
جس سے مدینے کے لوگ اسلام کے پیرو بنے ہوں۔ بلکہ قرآن
جب ان کو پہنچا اور مکہ معظمہ میں قرآن کی جو سورتیں نازل ہوئی
تھیں اور ان کے علم میں آئیں تو وہ نہ صرف یہ کہ پورے دل سے ایمان
لے آئے بلکہ انہوں نے اپنی چھوٹی سی بستی میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کو تشریف لے آنے کی دعوت
دے دی۔ یہ دعوت اس بات کی نہ تھی کہ آپ اور مکہ کے مسلمان ان
کے یہاں پناہ گزین ہوں بلکہ اس بات کی تھی کہ حضورؐ اور مسلمان کے معلم
مربی اور فرمانروا ہوں۔ مہاجرین و انصار ایک امت مسلمہ بن
جائیں اور مدینے میں وہ نظام زندگی قائم ہو جس پر یہ امت ایمان
لائی ہے۔ اس طرح جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے
پہنچے اسی روز اسلامی حکومت کی بنا پڑ گئی۔

اس حکومت کا اولین کام یہ تھا کہ لوگوں میں اسلام کا علم پھیلایا
جائے کیونکہ اسلام جہالت کا نام نہیں علم کا نام ہے۔ حضورؐ اور
آپ کے ساتھیوں نے اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کر دی
کہ لوگ دین کو سمجھیں اور سمجھ کر ایمان لائیں۔ جوں جوں یہ علم
پھیلتا گیا اور لوگ اس کو جان کر مانتے گئے، اسلام کی طاقت
بڑھتی چلی گئی اور اس کی بنیاد مضبوط بھی ہوتی چلی گئی۔

دوسرا عظیم کام جو آپ نے کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے اخلاق
درست کئے جائیں اور ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے جس کی
ہر چیز اخلاق صالحہ پر مبنی ہو کوئی نظام حکومت خواہ کیسے ہی اعلیٰ
مرتبے کا ہو اور اس کے قوانین خواہ کتنے ہی بہتر ہوں اگر اس کی
عمارت عمدہ اخلاق کی مضبوط بنیاد پر قائم نہ ہو اگر اس کے چلانے
والے بلند سیرت و کردار کے مالک نہ ہوں اور اگر وہ معاشرہ
جس میں اسے قائم کیا گیا ہو ایماندار اور خدا ترس ہو تو وہ بھی
کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اسی لئے حضورؐ نے ایمان کی
دعوت اور علم دین کی اشاعت کے بعد سب سے زیادہ زور
جس چیز پر دیا وہ تزکیۂ اخلاق تھا۔ آپ کے قائم کئے ہوئے
نظام حکومت کی فطرت ہی یہ تقاضا کرتی تھی کہ لوگوں کے اخلاق
ٹھیک اس نظام کے مزاج کے مطابق ہوں۔ اس صورت
میں احکام کو نافذ کرنے کے لئے قوت استعمال کرنے کی ضرورت
پیش نہیں آتی۔ جبر و قہر کے ساتھ زبردستی اطاعت کرانے اور
لوگوں کو دبا کر فرمانروا بنانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بس

یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ فلاں چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد لوگ خود بخود ان فرامین کی تعمیل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں کوئی پولیس نہیں تھی۔ کوئی جیل خانہ نہیں تھا۔ کوئی جاسوسی کا نظام نہیں تھا۔ اس بات کا تصور تک نہ کیا جا سکتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی حکم لوگوں کو پہنچے اور وہ اس کی خلاف ورزی کریں۔

اس کے لئے امتناع شراب ہی کے معاملہ کو بطور مثال لے لیجیے۔ جس وقت مدینے کی بستی میں یہ اعلان ہوا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اسی وقت شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے اور پینے والوں میں سے جس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس طرح کی پابندی قانون کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کے برعکس امریکہ میں اربوں روپے اس کام پر صرف کیا گیا کہ لوگوں کو شراب کی برائی اور اس کے نقصانات کا قائل کیا جائے۔ بہت بڑے پیمانے پر اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور رائے عامہ کی تائید سے امریکہ کے دستور میں ترمیم کر کے امتناع شراب کا قانون پاس کیا گیا۔ لیکن جس روز یہ قانون پاس ہوا اس کے دوسرے ہی روز سے پورے ملک میں اس کی خلاف ورزی شروع ہو گئی۔ طرح طرح کی زہریلی شرابیں پی جانے لگیں اور یہ وبا اس قدر خطرناک صورت اختیار کر گئی کہ آخر کار اس قانون کو منسوخ کرنا پڑا۔ اب ذرا مقابلہ کر کے دیکھ لیجیے۔ ایک جگہ بس ایک حکم دیا جاتا ہے اور فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ دوسری جگہ بڑی تیاری کے بعد لوگوں کی مرضی سے قانون بنایا جاتا ہے اور لوگ اسے توڑ ڈالتے ہیں۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ایک صالح نظام حکومت کی بنیاد ایمان اور اخلاق پر قائم ہوتی ہے۔ جہاں یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوں وہاں آپ کاغذ پر خواہ کتنا ہی اچھا دستور اور قانون بنا لیجیے، زمین پر وہ کبھی نافذ نہیں ہو سکتا۔

سوال:۔ موجودہ زمانہ کی مغربی جمہوریت کی جو چار خصوصیات ہیں رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ خصوصیات کس شکل میں تھیں؟

جواب:۔ جہاں تک اقتدار اعلیٰ کا تعلق ہے میں بتا چکا ہوں کہ حضورؐ کی تعلیم کے مطابق یہ اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہی نظام حکومت کی تین شعبوں میں تقسیم یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں نہ تھی۔ حضورؐ قانون دینے والے بھی تھے، جج بھی تھے اور حاکم بھی۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نبیؐ کی حیثیت سے یہ تمام اختیارات آپ کی ایک ہی ذات میں جمع تھے۔

لیکن حضورؐ کا قاعدہ یہ تھا کہ جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ملتا تھا اس میں تو آپ لوگوں سے بے چون و چرا اطاعت کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس میں کسی کے لئے کلام کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن جس معاملہ میں اوپر سے کوئی حکم آیا ہوا نہ ہوتا تھا اس میں آپ صحابہؓ سے خود بھی مشورہ فرماتے تھے۔ صحابہ کو کھلا یہ حق دیتے تھے کہ وہ آپ کی رائے سے اختلاف کریں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ آپ نے اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے قبول فرمائی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے ابتدا میں جس جگہ پڑاؤ کیا تھا اس کے متعلق ایک صحابیؓ نے اٹھ کر پوچھا کہ یہ جگہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اختیار فرمائی ہے یا یہ آپ کی اپنی رائے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میں نے خود یہ جگہ تجویز کی ہے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اس کے بجائے فلاں مقام جنگی حیثیت سے زیادہ موزوں ہے۔ اور آپ نے ان کی رائے قبول فرمالی۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دو طرح کی تربیت دے رہے تھے۔ ایک اس بات کی تربیت کہ جب خدا کی طرف سے کوئی حکم آئے تو اس کی بے چون و چرا اطاعت کرو۔ دوسری تربیت اس بات کی کہ جس معاملے میں خدا کا حکم نہ ہو اس میں اہل الرائے سے مشورہ بھی کیا جائے، لوگوں کو بحث کا کھلا حق بھی دیا جائے۔ حضورؐ کی اپنی رائے تک سے اختلاف کرتے ہوئے دوسری رائے پیش کی جا سکے اور مشورے کے بعد جو بات طے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ جنگ احزاب کے موقع

پر جب حالات بہت نازک ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ دشمنوں کے چند قبائل جن کی بڑی طاقت وہاں جمع تھی ان کو مدینے کی پیداوار کا ایک حصہ پیش کر کے مخالفین کی جتھہ بندی سے انہیں الگ کر دیا جائے۔ انصار کے سرداروں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یہ معاملہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے طے فرما رہے ہیں یا یہ آپ کا اپنا خیال ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں تمہیں اس خطرے سے نکالنا چاہتا ہوں جس میں تم پڑ گئے ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب ہم کافر تھے اس زمانے میں بھی یہ قبائل ہم سے ایک حبّہ تک نہ لے سکتے تھے اور اب تو ہم مسلمان ہیں۔ اب یہ ہم سے کوئی چیز کیسے لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کے کہنے کے مطابق یہ معاملہ ختم کر دیا گیا۔ اس مثال سے بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ حکومت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جن معاملات میں اوپر کا حکم نہ ہوتا تھا ان میں پوری جمہوریت تھی۔

اب عدلیہ کے مسئلے کو لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قاضی تھے۔ اس لئے عدلیہ بھی پوری طرح آپ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اس معاملے میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ نہ صرف انصاف کیا جائے بلکہ لوگ یہ بھی دیکھ لیں کہ انصاف کیا جا رہا ہے تمام مقدمات کی سماعت کھلی عدالت میں ہوتی تھی۔ خفیہ سماعت کی کوئی نظیر آپ کے طریق عدل میں نہیں ملتی۔ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ فتح مکّہ سے پہلے ایک صحابی نے مشرکین مکہ کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں ان کو مطلع کیا گیا تھا کہ تم پر حملہ ہونے والا ہے وہ خط پکڑا گیا۔ اب یہ صریح جاسوسی کا معاملہ تھا۔ اس زمانے کے لوگ یہ کہیں گے کہ ایسا خطرناک معاملہ تو بند کمرے میں پیش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اس کی کھلی سماعت فرمائی۔ دوسرا اہم قاعدہ آپ کی عدالت کا یہ تھا کہ کسی مقدمے کا فیصلہ فریقین کی بات سنے بغیر نہ کیا جائے اور کسی شخص کو صفائی کا پورا موقع دیئے بغیر ایک لمحے کے لئے بھی اس کے کسی بنیادی حق سے محروم نہ کیا جائے حضورؐ نے مدینے کے باہر جو قاضی مقرر فرمائے تھے ان کو بھی آپ کی ہدایت یہ تھی کہ فریقین کی بات سنے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ

[illegible] عدالت کے کام میں سفارش کا دروازہ آپ نے بھی [illegible] کے ساتھ بند کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد قریش کے ایک معزز خاندان کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ اس کے خاندان نے کوشش کی کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ حضرت اسامہ بن زید سے، جو حضورؐ کو نہایت عزیز تھے سفارش کرائی گئی حضورؐ نے فرمایا کیا تم حدود اللہ کے معاملے سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں وہ اسی لئے تباہ ہوئیں کہ ان کے عام آدمی جب کوئی جرم کرتے تھے تو ان کو قانون کے مطابق سزا دی جاتی تھی اور بڑے لوگ جب وہی جرم کرتے تھے تو ان کے ساتھ رعایت برتی جاتی تھی۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ اس طرح آپ نے سفارش کا دروازہ ہی بند نہ کیا بلکہ یہ اصول بھی قائم فرما دیا کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ یہ اصول بھی آپ نے قائم فرمایا کہ کوئی شخص عدالت کو دھوکا دے کر اپنے حق میں غلط فیصلہ حاصل کرلے تو اس کا فائدہ وہ دنیا ہی میں اٹھا سکے گا۔ آخرت میں خدا کی پکڑ سے کوئی چیز اسے نہ بچا سکے گی۔

اس کے بعد مقننہ کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتے تھے اس میں چونکہ بنیادی طور پر قانون اللہ تعالیٰ کا تھا اور وہی قانون بنانے کا حق رکھتا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت قانون ساز کی نہ تھی بلکہ قانون کو نافذ کرنے والے اس کی تشریح کرنے والے اور لوگوں کو اس کے مطابق عدل و انصاف کا نظام چلانے کی تربیت دینے والے کی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے اور پھر اس کی تشریح فرمائی جو سنت میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں چوری کی سزا کا حکم بڑے مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "چور کا ہاتھ کاٹ دو" اس سے زائد کوئی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس نے ہمیں بتایا کہ اس حکم پر عمل کن حالات میں ہوگا اور کن حالات میں نہ ہوگا۔ چوری کسے کہتے ہیں اور کسے نہیں کہتے۔ کس قسم کے اور کتنے مال کی چوری کے لئے یہ سزا ہے اور اس پر عمل کس طرح ہوگا۔ اگر سنت کے ذریعے سے قرآن کے حکم کی یہ تشریح ہمیں نہ ملی ہوتی تو ہم اس حکم کی کبھی

صحیح تعمیل نہ کر سکتے تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ خود قانون ساز نہیں تھے بلکہ اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ تھا اور آپ اس کے مقرر کردہ سرکاری شارح تھے۔ اس طرح جس چیز کو ہم اسلامی قانون کہتے ہیں وہ قرآن اور سنت رسول کے مجموعے کا نام ہے۔

قانون نافذ کرنے کے معاملے میں جو نظام آپ نے قائم فرمایا تھا اس کے بڑے بڑے اصول یہ تھے کہ لوگوں کو جہاں تک ممکن ہو سزا سے بچاؤ۔ قاضی کا کسی قصوروار کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بے قصور کو سزا دینے میں غلطی کرے۔ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ لوگ خود کرلیں یا کسی کے قصور کو معاف کرنا ہو تو معاف کر دیں یا کسی کے جرم و گناہ پر پردہ ڈالنا ہو تو ڈال دیں۔ یہ سب کچھ عدالت میں معاملہ پہنچنے سے پہلے تک ہو سکتا ہے۔ لیکن جب عدالت تک معاملہ پہنچ جائے تو کوئی معافی اور کوئی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد تو پھر عدالت ہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ عدالت کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کی ہر کوشش کو آپ نے سختی کے ساتھ منع فرما دیا اور قاضی کو قرآن و سنت اور خود اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بے لاگ فیصلہ دینے کے لئے آزاد قرار دیا۔ آپ نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ علم کے بغیر فیصلہ کرنا یا علم رکھتے ہوئے غلط فیصلہ کرنا سخت گناہ ہے۔ صحیح قاضی وہ ہے جو قانون کا علم رکھتا ہو اور اپنے علم کے مطابق بے رو و رعایت فیصلہ کرے۔

اس سلسلے میں چند باتیں اور سمجھ لینی چاہئیں۔ موجودہ زمانے کے سیاسی نظریات کو بنیاد بنا کر عہد رسالت کے معاملات کو اچھی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثلاً اس زمانے میں ریاست کے تین شعبے ہوتے ہیں۔ انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ۔ پھر آئینی طریقے سے یہ طے کیا جاتا ہے کہ ان شعبوں کے حدود کیا ہیں۔ مگر اس زمانے میں صورت معاملہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لے جانے سے پہلے وہاں کے بڑے بڑے گھرانوں کے الگ الگ احاطے ہوتے تھے جن کے اندر ان کی زمینیں، ان کے باغات، ان کے رہنے سہنے کے گھر، اور ان کے سقیفے (یعنی چوپالیں اور پنچایت خانے) انہی احاطوں میں ہوتے تھے

وہاں قبائلی نظام رائج تھا۔ اور ہر قبیلے کے لوگ اپنے معاملات کو خود چلاتے تھے۔ مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اہل مدینہ کے ایک بڑے گروہ نے بیعت کی تو آپ نے خود ان کی درخواست پر بارہ نقیب مقرر فرما دیئے جو اپنے اپنے قبیلوں میں زیادہ قابل زیادہ با اثر اور زیادہ با اعتماد تھے۔ اور یہ نقیب کی ذمہ داری تھی کہ اس کے قبیلے کے مختلف گھرانوں میں جو صالح اور معتبر سردار ہوں ان کی مدد سے اخلاق اور معاملات کو درست رکھیں۔ قبیلوں اور گھرانوں میں جو لوگ فطری طریقے سے سردار پائے جاتے تھے انہی میں سے ایمان لانے والوں کو آپ نے سردار بنا دیا تھا۔ پھر جب حضورؐ خود مدینہ تشریف لے گئے تو اس نظام کو آپ نے برقرار رکھا۔ فرق جو کچھ واقع ہوا وہ یہ تھا کہ شہر کے مشرک سرداروں کی جگہ ایمان لانے والوں کو سرداری کا مقام حاصل ہو گیا۔ یہ تغیر ووٹوں کے ذریعے سے نہیں ہوا بلکہ یہ اسلامی انقلاب کا فطری تقاضا تھا کہ مشرک پیچھے ہٹتے چلے گئے اور مسلمان سردار آگے آتے گئے۔ شہر کے معاملات کو چلانے کے لئے حضورؐ مہاجرین کے اہل الرائے اور انصار کے سرداروں سے مشورہ فرماتے تھے۔ یہ موجودہ زمانے کی مقننہ یا پارلیمنٹ سے کوئی مشابہت نہ رکھتی تھی۔ مسلمانوں میں جو لوگ بھی با اثر و قابل تھے خواہ وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے ہر اہم موقع پر، ہر اہم معاملے میں جب بھی ضرورت ہوتی تھی مشورہ کے لئے ان کو بلا لیا جاتا تھا۔ وہ عوام کے منتخب کئے ہوئے نہیں تھے۔ ان کا کوئی باقاعدہ الیکشن نہیں ہوا تھا لیکن وہ ایسے با اثر، ذی علم اور سمجھدار لوگ تھے کہ اگر موجودہ زمانے کے طریقے پر الیکشن بھی ہوتے تو انہیں کو منتخب کیا جاتا۔ ہر معاملے میں ان سب کا بلایا جانا ضروری نہ تھا۔ جس وقت کسی مسئلے میں مشورے کی حاجت پیش آتی اس وقت جو لوگ بھی موجود ہوتے ان سے رائے لے لی جاتی اور بڑے اہم مسائل میں بس یہ اعلان کرا دیا جاتا کہ مسجد نبوی میں لوگ حاضر ہو جائیں۔

مدینے سے باہر جب اسلامی مملکت پھیلنی شروع ہوئی تو

مختلف علاقوں میں گورنر مقرر کر دیئے گئے وہی اپنے علاقے کے منتظم بھی تھے اور سپہ سالار بھی۔ اس زمانے میں کوئی مستقل فوج نہیں تھی جس وقت ضرورت ہوتی رضاکارانہ طور پر جہاد کے لئے آجاتے تھے۔ حضورؐ نے مختلف علاقوں میں قاضی بھی مقرر فرما دیئے تھے جن کے عدالتی کام میں کوئی گورنر دخل نہ دے سکتا تھا۔ آپ نے ہر علاقے میں ایسے لوگ بھی مقرر کئے تھے جو باشندوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ تعلیم سے مراد یہ نہیں تھی کہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ تھی کہ وہ عوام کو قرآن سنائیں۔ اس کے معنی و مطلب سمجھائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ان کو آگاہ کریں۔ یہ کام زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے کیا جاتا تھا اور معلمین لوگوں کی اخلاقی اور ذہنی تربیت اسی طریقے پر کرتے تھے جس طریقے پر حضورؐ نے خود ان کی تربیت فرمائی تھی مثال کے طور پر جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو حضورؐ نے حضرت عتاب بن اسید کو گورنر اور حضرت معاذ بن جبل کو معلم مقرر فرمایا تھا۔

زکوٰۃ کے نظام کی صورت یہ تھی کہ کہیں آپ نے باقاعدہ تحصیلدار مقرر کئے تھے اور بعض علاقوں میں قبیلوں کے سرداروں کو اس کی تحصیل کا کام سپرد فرما دیا تھا۔ جہاں غیر مسلم آبادی نے اطاعت قبول کر کے خراج ادا کرنے کا معاہدہ کیا تھا وہاں بھی خراج کی تحصیل کے لئے کوئی مستقل تحصیلدار نہ تھا۔ جب خیبر فتح ہوا اور وہاں کے یہودی باشندوں نے نصف پیداوار ادا کرنا قبول کر کے صلح کر لی تو فصل کی کٹائی کے وقت حضورؐ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے اور وہ پیداوار کا نصف نصف الگ کر کے یہودیوں کو اختیار دے دیتے تھے کہ دونوں ڈھیروں میں سے جو ڈھیر چاہیں اٹھا لیں تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ جب اس طریقے پر خراج لیا گیا تو یہودی پکار اٹھے کہ اسی انصاف پر زمین و آسمان قائم ہیں۔

یہ ہے حضورؐ کے نظام حکومت کا ایک مختصر خاکہ۔

سوال:۔ مولانا اس ساری تفصیل کے بعد جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام حکومت کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے آدمی کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کیا آج حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جیسی جامع شخصیت موجود ہو سکتی ہے یا آج کوئی ایسا تربیت یافتہ گروہ موجود ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی صورت میں تیار فرمایا تھا اور وہ اخلاقی تربیت اور وہ معاشرہ موجود ہے جس معاشرے کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔ اب اگر آج اس بگڑے ہوئے معاشرے میں ہم اسلام کے نظام کو نافذ کرنے کی تیاری کریں تو اس میں اوّل تو ان چاروں خصوصیات کو جو آج کے دور جدید کی ریاست کی خصوصیات تصور کی جاتی ہیں کس طرح سے اسلامی نظام کے سانچے میں ڈھالا جائے گا؟ دوسرے یہ کہ آج اس بگڑے ہوئے معاشرے کو اس معیاری معاشرے میں کس ترتیب و تدریج کے ساتھ تبدیل کیا جائے گا اس پر آپ کچھ اظہار خیال فرمائیں گے؟

جواب:۔ اس معاملے میں سب سے اہم بات جو سمجھ لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ جس چیز کا نام اسلامی نظام ہے وہ کسی بے ایمان اور بدکردار حکومت کے ہاتھوں سے نہیں چل سکتا کوئی خدا سے بے خوف بیوروکریسی اسے نہیں چلا سکتی۔ کسی ایسی آبادی میں وہ ٹھیک طور پر نہیں چل سکتا جس کی اخلاقی حالت بالعموم خراب ہو اور خراب کی جاتی رہی ہو۔ ہم نے ایک مدت تک بادشاہی نظام کے تحت زندگی بسر کی ہے جو پوری طرح اسلامی نظام نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اس میں اسلامی قانون رائج تھا اور عام لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صوفیاء انجام دیتے تھے۔ اس وجہ سے اگرچہ وہ معاشرہ اس درجے کا نہیں تھا جس درجے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ لوگوں کی عام اخلاقی حالت اتنی بگڑی تھی جتنی بعد میں بگڑی اور نہ لوگ اسلام کے علم سے اس قدر بے بہرہ تھے مگر علانیہ بے باکی کے ساتھ نہ کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں جب انگریزی حکومت اوّل بنگال میں قائم ہوئی اس زمانے کے بعض انگریز مصنفین لکھتے ہیں کہ چوری وہاں ناپید تھی اور چور کا ہاتھ وہاں کاٹ دیا جاتا تھا مسلمانوں کے

کوئی جھوٹ کی کوئی توقع نہیں کرتا تھا۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ عدالت میں جاکر کوئی مسلمان جھوٹی گواہی دے گا۔ مسلمانوں کی عام آبادی لکھی پڑھی تھی بلکہ سو فیصدی مسلمان خواندہ تھے۔ یہ اٹھارویں صدی کے آخر تک ہماری حالت تھی۔ بعد میں جب انگریزی دور آیا تو اس نے ہمارے قوانین کو بدلا۔ ہمارے معاشی نظام کو بدلا۔ ہمارے معاشرتی نظام پر بد ترین اثرات ڈالے۔ اسلامی تعلیم بالکل اس بات پر منحصر ہوگئی کہ کھاتے پیتے لوگ مدد کریں تو اسلامی مدارس چل سکیں حکومت نے ان مدارس کے تعلیم یافتہ لوگوں کے رزق کے دروازے بند کردیئے اس کے برعکس جو نظام تعلیم انگریزوں نے رائج کیا وہ مسلمانوں کے ذہن سے خدا اور رسولؐ اور آخرت کے تصورات کو بالکل مٹا دینے والا تھا۔ اور رزق کے دروازے اسی کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ ہم نے انگریزی دور سے میراث میں پایا۔ افسوس ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد اس صورت حال کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ انگریزی دور میں ہم جتنے بگڑے ہوئے تھے اس سے زیادہ اس تیس سال کے زمانے میں بگڑ گئے۔ اب اگر کوئی اسلامی حکومت قائم ہو تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ چھوٹتے ہی مثالی نظام کی طرف پلٹ جائے گی۔ آغاز کار میں اگر کچھ ہوسکتا ہے تو وہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو ملک کے تمام ذرائع و وسائل، ملک کے تمام ذرائع ابلاغ، ملک کے سارے نظام تعلیم اور حکومت کی پوری انتظامی پالیسی کو اس غرض کے لئے استعمال کریں کہ مسلمانوں میں اسلام کا علم وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے اور ان کی عام اخلاقی حالت کو درست کیا جائے۔ جس قدر اسلام کا علم پھیلے گا۔ اور عام اخلاقی حالت درست ہوتی جائے گی اتنی ہی زمین اسلامی نظام کے لئے تیار ہوتی چلی جائے گی۔

یہی چیز تھی جس کی ہم توقع رکھتے تھے کہ انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب پاکستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ اس طریق کار کو اختیار کرے گی۔ ذرائع ابلاغ کی پوری طاقت عام مسلمانوں میں ایمان اور صحیح اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لئے استعمال کرے گی نظام تعلیم کو ایک اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرے کے کارکن اور شہری تیار کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ الحاد پیدا کرنے والی تعلیم کو بدلا جائے گا اور اس کی جگہ خدا پرستی کی تعلیم کو رائج کیا جائے گا عام لوگوں کے اندر حرام و حلال کی تمیز پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان میں سے کوئی توقع بھی پوری نہیں ہوئی۔ اگر اس وقت حکومت اپنے تمام ذرائع و وسائل کو اس کام کے لئے استعمال کرتی تو آج حالت بالکل مختلف ہوتی۔

اب ہمیں گویا بالکل نئے سرے سے کام کرنا ہے۔ بے شک اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوشش کیجئے۔ قوانین اسلامی کو مدون بھی کیجئے تاکہ ہماری عدالتیں ان کے مطابق فیصلے کرسکیں مگر بس یہی ایک کام ایسا نہیں ہے جس سے اسلامی نظام قائم ہوجائے۔ سب سے زیادہ زور جس بات پر صرف کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ابتدائی اور ثانوی مدرسوں اور ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم دی جائے۔ ذرائع ابلاغ کو فحش اور بے حیائی اور بداخلاقی اور جرائم پھیلانے کے بجائے مسلمانوں کو ایمان اور اسلامی عقائد سمجھانے اور ذہن نشین کرنے پر صرف کیا جائے۔ عام لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ اسلامی اخلاق کیا ہیں اور کافرانہ اخلاق کیا۔ اور دونوں قسم کے اخلاقوں میں فرق کیا ہے۔ پہلے میں بیان کرچکا ہوں کہ اسلامی نظام تو قائم ہی اس معاشرے میں ہوا تھا جس کے اندر سب سے پہلے ایمان کو مستحکم کیا گیا تھا۔ پھر اسی ایمان کی مضبوط بنیاد پر پورے اخلاقی نظام کی، پورے معاشرتی نظام کی، پورے معاشی نظام کی، پورے سیاسی نظام اور پورے قانونی نظام کی عمارت اٹھائی گئی تھی۔ اب اگر ہم اس مثالی دور کی طرف پلٹنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسی ترتیب سے پلٹنا چاہیئے۔ عام مسلمانوں کے دلوں میں اگر خدا پر ایمان، رسول پر ایمان، قرآن پر ایمان اور آخرت پر ایمان مضبوطی سے نہ بٹھایا گیا تو محض قوانین کو بدلنے سے کام نہ چلے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں جھوٹے مقدمات بنانے میں پولیس اتنی مہارت رکھتی ہے کہ وہ

ساری دنیا کو چیلنج دے سکتی ہے کہ ہمارے مقابلے میں کوئی
جھوٹا مقدمہ بنا کر دکھائے گواہوں کا حال یہ ہے کہ عدالت
میں جا کر صحیح گواہی دینا گویا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے
ہیں کہ عدالت تو ہے ہی جھوٹی شہادت دینے کی جگہ۔ پولیس
خود ہی جھوٹے گواہوں کا ایک پورا گروہ تیار رکھتی ہے یہی
دو چیزیں اگر نگاہ میں رکھی جائیں تو آپ اندازہ کر لیجئے کہ ہمارے
یہاں اسلامی قانون صحیح طور پر کیسے نافذ ہوگا جبکہ اس کو نافذ
کرنے والی مشینری ہی بگڑی ہوئی ہے۔ قوانین اسلامی کے
نفاذ کی تدبیریں کرنے کے ساتھ موجودہ حکومت کے لئے
بھی اور آئندہ آنے والے حکمرانوں کے لئے بھی یہ ضروری
ہے کہ ملک کی انتظامیہ کو بھی درست کریں۔ تعلیم کے نظام
کی بھی اصلاح کریں اور ملک کے تمام ذرائع ووسائل کو
اس بات پر صرف کردیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان
بٹھایا جائے۔ ان کے اخلاق درست کئے جائیں اور ان کے
اندر خدا کا خوف پیدا کیا جائے۔

سوال:۔ جناب والا کہا یہ جاتا ہے کہ یہ قوم ڈنڈے
کی غلام ہے یہ ایک عام ضرب المثل ہے جو لوگوں کی زبانوں
پر چڑھی ہوئی ہے۔ لیکن کیا اسلامی نظام بھی ڈنڈے کے
زور سے قائم کیا جاسکے گا؟

جواب:۔ اسلامی قانون میں ڈنڈے کا بھی ایک مقام
ہے مگر وہ سب سے آخر میں آتا ہے۔ اسلام میں ترتیب کار
یہ ہے کہ پہلے ذہنوں کی اصلاح کا کام تعلیم وتلقین کے
ذریعے سے کیا جائے تاکہ لوگوں کے خیالات تبدیل ہوں۔
پھر لوگوں کے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لئے بڑے
پیمانے پر کام کیا جائے۔ یہاں تک کہ محلے محلے، بستی بستی اور
کوچے کوچے میں ایسے لوگ تیار ہوجائیں جو بدکرداروں
سے عوام کی مدد سے دبائیں اور اپنے اپنے علاقے کے
باشندوں میں دینداری اور دیانتداری پیدا کرنے کی
کوشش کریں۔ اس طرح ملک اندر ایک ایسی رائے عام
پیدا ہوجائے گی جو برائیوں کو سر نہ اٹھانے دے گی کوئی
شخص ایسی عام رائے کی موجودگی میں بگڑنا چاہے گا تو اسکے
راستے میں بے شمار رکاوٹیں پیدا ہوجائیں گی اور جو صحیح
طرز زندگی اختیار کرے گا۔ اس کو ہر طرف سے مدد دینے
والا ہوگا۔ اس کے ساتھ اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ معاشرہ
ایسا ہو جس کے لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار
ہوں۔ ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آنے والے ہوں
ہر شخص انصاف کا حامی اور بے انصافی کا مخالف ہو۔ ہر
شخص اپنے اوپر پیٹ بھرنا حرام سمجھے اگر اس کو معلوم ہو کہ
اس کا ہمسایہ بھوکا سو رہا ہے پھر اسلام ایک ایسا معاشی
نظام بھی قائم کرتا ہے جس میں سود حرام ہو، زکوٰۃ فرض ہو،
حرام خوری کے دروازے بند کردیئے جائیں، رزق حلال
کمانے کے لئے تمام مواقع لوگوں کے لئے کھول دیئے جائیں
اور کوئی آدمی اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے
ان تدابیر کے بعد ڈنڈے کا مقام آتا ہے۔ ایمان، تعلیم، انصاف
اصلاح معیشت، اور ایک پاکیزہ رائے عام کے دباؤ سے بھی
جو آدمی درست نہ ہو تو وہ ڈنڈے ہی کا مستحق ہے۔ اور ڈنڈا
پھر اس پر ایسی بے دردی کے ساتھ علی الاعلان چلایا جائے کہ
ان تمام لوگوں کے دماغ کا آپریشن ہوجائے جو جرائم کے رجحانا
رکھتے ہوں۔

لوگ بڑا غضب کرتے ہیں کہ اسلام کے پروگرام کی ساری
تفصیل چھوڑ کر صرف اس کی سخت سزاؤں پر گفتگو شروع کردیتے
ہیں۔ اسلام پہلے عام لوگوں میں ایمان پیدا کرتا ہے۔ پھر عوام
کے اخلاق کو پاکیزہ بناتا ہے۔ پھر تمام تدابیر سے ایک ایسی
مضبوط رائے عام تیار کرتا ہے جس میں بھلائیاں پھلیں پھولیں
اور برائیاں پنپ نہ سکیں۔ پھر معاشرتی اور معاشی اور سیاسی
نظام ایسا قائم کرتا ہے جس میں بدی کرنا مشکل اور نیکی کرنا
آسان ہوجائے۔ وہ ان تمام دروازوں کو بند کردیتا ہے جن
سے فواحش اور جرائم نشوونما پاتے ہیں۔ اس کے بعد ڈنڈا وہ
آخری چیز ہے جس سے ایک پاک معاشرے میں سر اٹھانے
والی ناپاکی کا قلع قمع کیا جاتا ہے۔ اب اس سے بڑا ظالم اور
کون ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے برحق نظام کو بدنام کرنے کے
لئے آخری چیز کو پہلی چیز قرار دیتا ہے اور پہلے کی سب چیزوں

کو ایمان کی طرح نگل جاتا ہے۔

سوال :۔ یہ حکومت کے سلسلے میں آپ نے یہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے بخدا بڑی صحیح بات ہے جب تک ایسا نظام وجود میں نہ آجائے، ایسے لوگوں پر وہ نظام مشتمل نہ ہو جو ایمان داری اور دیانتداری کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے اور علمی اعتبار سے بھی وہ اس منصب اور اس معیار کے لوگ ہوں کہ وہ اس کام کو انجام دے سکیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں حکومت کی تبدیلی کے لئے انتخابات ہی کو ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے کیا آپ اس بات پر روشنی ڈالیں گے کہ اس مغربی انداز انتخاب کو کس حد تک اسلام کے شورائی نظام سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اور کس طرح ؟

جواب :۔ یہ بات ذہن نشیں کر لیجئے کہ ہم اس وقت جس مقام پر کھڑے ہیں اسی مقام سے ہمیں آگے چلنا ہوگا۔ اور جس منزل تک ہم جانا چاہتے ہیں اس کو واضح طور پر نگاہ کے سامنے رکھنا ہوگا تاکہ ہمارا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھے خواہ ہم پسند کریں یا نہ کریں۔ نقطۂ آغاز تو لامحالہ یہی انتخاب ہونگے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اسی طریقے سے نظام حکومت تبدیل ہوسکتا ہے اور حکمرانوں کو بھی بدلا جاسکتا ہے۔ کوئی دوسرا ذریعہ اس وقت ایسا موجود نہیں ہے جس سے ہم پرامن طریقہ سے نظام حکومت بدل سکیں اور حکومت چلانے والوں کا انتخاب کرسکیں اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہمارے ہاں انتخابات میں دھونس دھوکے، دھاندلی، علاقائی یا مذہبی یا برادری کے تعصبات، جھوٹے پروپیگنڈے، گندگی اچھالنے، ضمیر خریدنے، جعلی ووٹ بھگتانے اور بے ایمانی سے انتخابی نتائج بدلنے کے غلط طریقے استعمال نہ ہوسکیں انتخابات دیانتدارانہ ہوں۔ لوگوں کو اپنی آزاد مرضی سے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا موقع دیا جائے۔ پارٹیاں اور اشخاص جو بھی انتخابات میں کھڑے ہوں وہ معقول طریقے سے لوگوں کے سامنے اپنے اصول، مقاصد اور پروگرام پیش کریں اور یہ بات ان کی اپنی رائے پر چھوڑ دیں کہ وہ کسے پسند کرتے ہیں اور کسے پسند نہیں کرتے ہوسکتا ہے کہ پہلے انتخاب میں ہم عوام کے طرز فکر اور معیار انتخاب کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکیں۔ لیکن اگر انتخابی نظام درست رکھا جائے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب نظام حکومت پورے کا پورا ایماندار لوگوں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اس کے بعد پھر ہم نظام انتخاب پر نظر ثانی کر سکتے ہیں اور اس مثالی نظام انتخاب کو از سر نو قائم کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں جو اسلامی طریقے کے عین مطابق ہو۔ بہر حال آپ یک لخت جست لگا کر اپنی انتہائی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

سوال :۔ مولانا یہاں کچھ سوال اگرچہ اور بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ اور آپ سے کسی اور نشست میں کوئی سوال کرنے کا موقع میسر آئے ایک بات میں آپ سے آخر میں مزید معلوم کرنا چاہوں گا کہ آپ نے جس مشن کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور جس طرح آپ نے اس کے لئے پوری عمر جدوجہد کی اور آج الحمدللہ ایک ایسے مقام پر ہم پہنچ چکے ہیں کہ جہاں وہ نصب العین اب اپنی منزل کے قریب پہنچتا نظر آتا ہے۔ میں آپ سے یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ اس ساری صورت حال کو اپنی اس جدوجہد کی روشنی میں کس طرح سے محسوس کرتے ہیں اور کیا آپ کی نظر میں اب آپ کی یہ جدوجہد فی الواقع اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ رہی ہے اور کیا فی الواقع آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے؟

جواب :۔ یہ میرے لئے ایک بڑا مشکل سوال ہے میں نہ غلط دعوے کرسکتا ہوں اور نہ خود ستائی کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ پچھلے تیس چالیس سال کے دوران میں اسلامی خیالات کی اشاعت کا کام جتنے بڑے پیمانے پر ہوا ہے اور وہ صرف میں نے ہی نہیں کیا ہے دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے

تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت اب اسلام کی خواہاں ہو گئی ہے اگرچہ اس کے اخلاق بالکل اسلامی تعلیم کے مطابق نہیں ہو سکتے لیکن ان میں اسلام کی سمجھ اور اسلامی نظام قائم کرنے کی تڑپ ضرور پیدا ہو گئی ہے ہماری جو درسگاہیں میکالے کے نظام تعلیم پر قائم تھیں، خدا کے فضل سے انہی میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی ہے جو اسلام سے گہری قلبی عقیدت بھی رکھتی ہے اور اسلام کا فہم بھی بڑی حد تک اس کو حاصل ہو چکا ہے۔ اب ہمارے سامنے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری عام آبادی جو اَن پڑھ ہے اس کے اندر کس طرح اسلام کے علم و فہم کو پھیلایا جائے چونکہ رائے دہندگان کی اکثریت اَن پڑھ ہے۔ اس لئے تعلیم یافتہ لوگوں کی سو فیصدی تعداد بھی اگر صحیح انتخاب کرنا چاہے تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اس مرحلے پر میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان اور علماء کرام شہروں قصبوں اور دیہات کی اَن پڑھ آبادیوں میں دین اسلام کی واقفیت پیدا کرنے میں لگ جائیں۔ اس کے لئے لوگوں کا خواندہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابوں کے ذریعے سے دین نہیں پھیلا تھا۔ زبانی تلقین سے پھیلا تھا۔ اب بھی یہ ضروری نہیں کہ ہم ان سب کو پہلے پڑھا لکھا بنائیں پھر انہیں دین سمجھائیں۔ عہد رسالت کی طرح آج بھی عام لوگوں کو زبانی تعلیم سے دین سمجھایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے عقائد اور اصول اخلاق سے انہیں آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ فرائض اور ارکان دین کی اہمیت ان کے ذہن نشیں کی جا سکتی ہے۔ بڑے بڑے گناہوں کے عذاب کا خوف ان کے دلوں میں بٹھایا جا سکتا ہے۔ نیکیوں کے اجر کی رغبت انہیں دلائی جا سکتی ہے۔ قرآن کی آیات اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جنہوں نے عرب کی دنیا بدل ڈالی تھی آج بھی اپنا معجزنما اثر دکھا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان سے اصلاح معاشرہ کا کام لینا چاہیں۔

بڑی اہمیت اس بات کی ہے کہ قرآن اور حدیث کی صاف صاف تعلیمات پیش کر کے ہم لوگوں کے دلوں میں یقین پیدا کریں کہ تم سب کی نگاہوں سے چھپ سکتے سب کی سزا سے بچ سکتے ہو مگر خدا کی سزا سے نہیں بچ سکتے تمہارا پورا اعمال نامہ تیار ہو رہا ہے۔ ایک دن تمہیں یقیناً مرنا ہے اور قیامت کے روز کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم نماز ترک کر دو، رمضان میں اعلانیہ کھا پی کر خدا کی توہین کرتے رہو۔ بے باکی کے ساتھ گناہوں کی گندگی میں لت پت ہو جاؤ، لوگوں کے حقوق مار کر خدا کے سامنے جاؤ، لوگوں کی عزت و آبرو لوٹ کر اپنے رب کے حضور پیش ہو، لوگوں کی جانیں لے کر وہاں جاؤ، اور پھر اللہ کی عدالت سے چھوٹ جاؤ، اس دنیا میں تم چال بازیاں کر کے بچ سکتے ہو، خدا کی گرفت سے کیسے بچو گے؟ یہ چیزیں آپ عام لوگوں کے دماغ میں بٹھائیں تو رفتہ رفتہ آپ دیکھیں گے کہ ہماری عام آبادی کے اندر صحیح سمجھ بوجھ اور اخلاقی حس پیدا ہو جائے گی۔

اس کے بعد جب لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اب ہمیں اپنے ملک میں اسلامی نظام قائم کرنا ہے تو انتخابات کے موقع پر وہ خود ہی سوچیں گے کہ اس کام کے لئے ہم کیسے لوگوں کو آگے لائیں۔ عام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ بیمار ہوں تو کس ڈاکٹر کے پاس جائیں۔ اسی طرح جب آپ لوگوں میں اسلام کا شعور اور سمجھ پیدا کر دیں گے تو وہ خود ہی دیکھ لیں گے کہ اسلامی نظام چلانے کے لئے وہ کن لوگوں کو منتخب کریں پہلی بار اگر وہ کچھ غلطی کر بھی جائیں گے تو انشاء اللہ دوسری مرتبہ نہ کریں گے۔ بشرطیکہ تعلیم عوام کا عمل برابر جاری رہے اور حکمران اسلام سے ہٹ کر جو کام بھی کریں اس پر معقول و مدلل تنقید کی جاتی رہے۔ بالفرض اگر غلط آدمیوں کی اکثریت منتخب ہو جائے اور وہ دوسرا انتخاب ناجائز ذریعوں سے جیتنے کی کوشش کریں تو انہیں ویسی ہی تحریک کا سامنا کرنا ہو گا جس نے بھٹو جیسے جابر کے قدم اکھاڑ دیئے۔

تعلیم عوام کی بعض صورتیں خاص بھی ہیں جن کی خصوصیات کو نگاہ میں رکھنا ہو گا۔ مثلاً مزدوروں کی یونینیں ہیں مزدوروں

...عام طور پر اس خیال کو پھیلایا جائے کہ ... ایسا ... اشتراکی نظام سوشلزم تمہیں نہیں اسلام سے تمہاری مشکلات ی کی پیروی سے دفع ہوں گی۔ کوئی انصاف سوشلزم نے زدوروں کے ساتھ نہ کبھی کیا ہے نہ آج کر رہا ہے اور نہ آئندہ کرے گا۔ سوشلزم، کمیونزم اور اشتراکی ملکوں کے حالات کا مطالعہ جن نوجوانوں نے کیا ہے وہ ناقابل انکار دلائل و شواہد کے ساتھ مزدوروں کو یہ بات سمجھا سکتے ہیں۔ اس طریقے سے مزدور تحریکوں کو رفتہ رفتہ اسلامی تحریکوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور مزدوروں میں یہ شعور پیدا کر دیا جائے کہ وہ جانچ پرکھ کر دیکھ لیں کہ ان کے لیڈر مارکس اور لینن کے ماننے والے ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والے۔ پھر یہ فیصلہ انہی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ حشر کے روز مارکس اور لینن کے ساتھ اٹھنا چاہتے ہیں یا رسول رب العالمین کے ساتھ۔

اسی طرح مثلاً کسان اپنے کچھ الگ مسائل رکھتے ہیں۔ ان کا اسلامی حل بھی انہیں سمجھایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لے گئے تھے تو وہاں کے انصار زراعت پیشہ لوگ تھے اسلام سے قبل انکے ہاں زمیندار اور کسان اور مزارع کے جھگڑے برپا تھے اور دیہات سے غلہ لانے والوں کو شہری تاجر اور دلال بڑی طرح لوٹتے تھے۔ حضورؐ وہاں پہنچے تو آپ نے انصاف کے ساتھ ان سب خرابیوں کی اصلاح کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔ انہیں آج بھی کسانوں کو بتا کر آپ مطمئن کر سکتے ہیں کہ ان مسائل کا عادلانہ حل اسلام ہی نے کیا ہے اور وہی کر سکتا ہے۔

یہ کام جتنا جتنا ہوتا جائے گا آپ دیکھیں گے کہ رفتہ رفتہ انتخابات کے نتائج صحیح ہوتے چلے جائیں گے ... اور جتنے جتنے دین کو جاننے والے ایماندار آدمی اکثر ... سے منتخب ہوں گے اتنے ہی ہم خلافت راشدہ کے مثالی نظام کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں گے۔

سوال:- جناب والا یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے: آپ نے فرمایا ہے کہ اسلامی نظام بتدریج قائم کیا جانا چاہیے اور قائم کیا جائے گا کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تدریجی تغیر کے دوران میں ہمارے موجودہ قوانین اور مغربی طرز کی جمہوریت کے تحت بنائے گئے قوانین چلتے رہیں گے؟ کیا یہ دو متضاد چیزیں ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں؟

جواب:- مدتوں کے بگڑے ہوئے پورے نظام زندگی کو ہمیں بتدریج ہی بدلنا ہوگا۔ انگریزی دور کے نظام تعلیم کو یکایک بدل کر ایک ہی دن میں اسلامی نظام تعلیم رائج نہیں کیا جا سکتا۔ عام لوگوں کی اخلاقی حالت بھی جو سالہا سال سے سینما اور فحش تصاویر اور شب و روز کے گانوں اور زن و مرد کی مخلوط سوسائٹی اور شراب، جوئے اور دوسرے حرام افعال کی بدولت بگڑتی رہی ہے۔ اسے بھی ایک دن میں نہیں بدلا جا سکتا لیکن ہمیں آج ہی سے ان کو بدلنے کی کوشش شروع کرنی ہوگی۔ اور جن جن برائیوں کو جس قدر جلدی مٹانا ممکن ہوگا اسے مٹانے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی جائز نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح ہمیں قوانین کے معاملے میں بھی کرنا ہوگا۔ کافرانہ دور کے جن قوانین کو اسلامی قوانین سے بدلنا آج ممکن ہو اسے آج ہی بدل ڈالیے اور جتنا جتنا اسلامی قانون کو نافذ کرنا ممکن ہوتا نظر آئے اس کے نافذ کرنے میں قطعاً دیر نہ لگایئے۔ کیونکہ ایک حکومت جو حقیقت میں مسلمان ہو اور جس کے پیش نظر یہ ہو کہ اسلام عملاً قائم کرنا ہے، اسے سارے شعبوں میں ایک ساتھ تبدیلی لانی ہوگی۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ جب تک ساری اصلاحات مکمل نہ ہو جائیں اسلامی قانون نافذ نہ کیا جائے اگر ہمارے جج غیر اسلامی قوانین کی جگہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے شروع کر دیں گے تو اس سے خود بخود عام لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ اب یہاں کافرانہ نظام نہیں چلے گا اور اسلامی قانون ہی رائج ہوگا۔ یہ شعور انہیں خود ...

کے ہیں جن سے آپ کو عوام کے خیالات تبدیل کرنے
میں مدد ملے گی۔

آپ اس کا اندازہ یوں کر سکتے ہیں کہ انگریزوں
نے جب ہمارے قوانین رائج کئے اور ان کے مجسٹریٹوں
اور ججوں نے ان قوانین کے مطابق فیصلے کرنے شروع
کر دیئے تو رفتہ رفتہ ہمارے معیار بدلتے چلے گئے حرام
حلال ہو گیا اور حلال حرام۔ جو چیزیں انگریزی قانون نے
اخلاق، معیشت، معاشرت اور زندگی کے دوسرے
شعبوں میں جائز کی تھیں۔ وہی ہمارے نظام زندگی
میں رائج ہو گئیں۔ خواہ اسلامی نقطہ نظر سے وہ کتنی ہی غلط
بلکہ قابل نفرت ہوں۔ ہم خود اپنے قانون کو فرسودہ سمجھنے
لگے ہمارے دماغ میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ اسلام کا قانون
تو صرف نکاح و طلاق اور وراثت وغیرہ کے لئے۔ باقی
دنیا کے معاملات چلانے کے قابل نہیں ہے۔ اب جونہی
کہ لوگ اسلامی قانون کو عدالتوں میں چلتے دیکھیں گے
تو تاریخ اپنے آپ کو دہرانے لگے گی اور دماغوں پر سے
انگریزی قانون کا تسلط ٹوٹنا شروع ہو جائے گا۔ اس
لئے یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ زندگی کے صرف ایک
شعبے یا بعض شعبوں میں اصلاح کا کام کیا جائے اور
دوسرے شعبوں میں پرانے طریقوں کو رائج رکھا جائے۔

انتخابات ہی کے معاملے کو لے لیجئے۔ بظاہر یہ صرف
ایک شعبہ زندگی ہے۔ مگر اس کی اصلاح پورے نظام
حیات پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارے ہاں انتخابات
کا جو طریقہ رائج رہا ہے وہ یہ ہے کہ جھوٹے وعدے
کرو، لوگوں کو بے وقوف بناؤ، ان کی کمزوریوں سے
ناجائز فائدہ اٹھاؤ، لوگوں کے ووٹ خریدو، مختلف
طریقوں سے دباؤ ڈال کر ووٹ حاصل کرو مخالفین
پر خوب کیچڑ اچھالو، برادریوں اور علاقوں کے تعصبات
پھیلاؤ، مذہبی جھگڑے برپا کرو، غرض جس طریقے سے
بھی ممکن ہو قوم کی گردن پر سوار ہو جاؤ۔ اس ساری صورت
حال کو آپ تبدیل کیجئے، ان ناجائز ہتھکنڈوں کو بند کر
دیجئے اور عام لوگوں کو آزادانہ اور منصفانہ انتخابات
کرنے کا موقع دیجئے۔ آپ یقین رکھئے کہ بہت بڑی
اصلاح تو اسی سے ہو جائے گی۔ برے آدمیوں کا اوپر آنا
مشکل ہو جائے گا۔ اور اچھے آدمیوں کا آنا ممکن ہو
جائے گا۔

سوال:۔ جناب والا۔ اسلام کی تشہیر و تبلیغ کے لئے یہ
تو موجودہ ذرائع ہیں۔ مزید کیا طریق کار اختیار کئے جانے
چاہئیں۔ آپ کچھ نصیحت فرمائیں گے۔

جواب:۔ یہ ساری چیزیں تو ایک حد تک میں اپنی
کتابوں میں لکھ چکا ہوں اور میرے لئے یہ بڑا مشکل ہے
کہ جو کچھ پہلے لکھ چکا ہوں اسے اب زبان سے بیان کروں۔

سوال:۔ جناب والا۔ مولانا محترم میں یہ گزارش کروں
گا کہ ہمیں تلقین فرمائیں کہ ہم اس سلسلے میں ریڈیو کو کیونکر
استعمال کر سکتے ہیں۔

جواب:۔ ریڈیو کو استعمال کرنے کے لئے یہ ضروری
ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو ایک ایک موضوع
پر تیاری کر کے ریڈیو پر آ کر تقریر کریں مثلاً کچھ لوگ
ایسے ہونے چاہئیں جن کا آپ سوچ سمجھ کر اس کام کے لئے
انتخاب کریں کہ وہ اسلام کے ایمانیات کی تشریح کریں اور
طرح طرح سے ان کے ہر پہلو کو لوگوں کے ذہن نشین
کرنے کی کوشش کریں ایک ہی آدمی یہ کام کرے گا تو لوگ
اکتا جائیں گے اور مختلف قابلیتوں کے لوگ اپنے اپنے
طریقے پر بات سمجھائیں گے تو سننے والے دلچسپی کے ساتھ
ان کی تقریریں سنیں گے۔ اسلامی اعتقادات کو دماغوں
اتار دینا سب سے پہلا اور سب سے بڑا بنیادی کام ہے
جس سے مسلمانوں کی ذہنی حالت بدلی جا سکتی ہے اور انہیں
اسلام کے دوسرے حقائق کو سمجھنے کے لئے تیار کیا جا سکتا
ہے۔ اسی طرح کچھ دوسرے لوگ ایسے منتخب کرنے
چاہئیں جو اسلامی عبادات کی اہمیت، ان کے بے شمار
دینی و دنیاوی فوائد اور ان کے چھوڑ دینے کے نقصانات
دل نشین انداز میں طریقے طریقے سے سمجھائیں کچھ اور

مقررین اسلام کے اخلاقی اصول، اس کے احکام اور اس کی ہدایات بیان کرنے کے لئے منتخب کئے جائیں۔ کچھ دوسرے لوگ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں پر ایسے موثر انداز میں تنقید کریں جس سے عام لوگوں میں یہ احساس بیدار ہو کہ وہ کیسی گندگیوں میں لتھڑے ہوئے ہیں کچھ اور لوگ خصوصیت کے ساتھ کبائر میں سے ایک ایک بڑے گناہ پر پے در پے تقریریں کریں جن سے لوگوں کو یہ احساس ہو کہ یہ دنیا اور آخرت کو برباد کر دینے والے کیسے سخت گناہ ہیں اور خدا کے ہاں ان کا کیسا دردناک عذاب انہیں بھگتنا پڑے گا۔ مثلاً قتل ہی کو لیکر اس کے نتائج ایک ایک کر کے بتائیں جائیں۔ ایک آدمی اگر دس آدمیوں کو قتل کر دیتا ہے تو دنیا میں اس کو ایک ہی سزائے موت ملے گی۔ باقی ۹ کا عذاب تو دنیا کی عدالت نہیں بلکہ خدا کی عدالت دے گی۔ ایک آدمی کے قتل پر بھی دنیا کی عدالت بس ایک ہی بار سزائے موت دے گی۔ لیکن مقتول کے خاندان اور اس آئندہ نسلوں کو اس کا جو نقصان اٹھانا ہوگا اور جب تک اٹھانا ہوگا، اس کا حساب تو دنیا کی عدالت کسی طرح لگا ہی نہیں سکتی۔ یہ حساب تو خدا لگائے گا۔ اور جہنم میں قاتل کو اس کا پورا پورا بدلہ دیگا۔ ریڈیو پر اس طرح کی تقریروں کا سلسلہ اگر جاری ہو جائے اور موزوں آدمی اپنے اپنے موضوعات پر پوری اثر آفرینی کے ساتھ کلام کریں تو آپ دیکھیں گے کہ چھ مہینے میں فرق عظیم واقع ہو جائے گا۔ ریڈیو تو عوام کو تعلیم دینے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ آج کسان کھیت میں ہل تک نہیں چلا سکتا جب تک ٹرانسسٹر اس کے پاس نہ ہو۔ اب تک یہ لوگ ٹرانسسٹروں سے بیگمات کے گانے اور ان سے کچھ زیادہ ہی فحش فلمی اور فرمائشی گانے سنتے ہیں۔ آئندہ اگر یہی لوگ دلچسپ اور عام فہم زبان میں کچھ اپنے دین کی باتیں سننے لگیں تو امید نہیں ہے کہ وہ خدا کا نام سنتے ہی ٹرانسسٹر بند کر دیں گے۔ یہ لوگ آخر خدا اور رسول اور آخرت کے منکر تو نہیں ہیں۔ آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ان کے اندر دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اس پروگرام کا آغاز کچھ عہد رسالت عہد خلافت اور عہد صحابہؓ کے واقعات اور صالحین کی حکایات سے کریں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ انہیں اسلامی تعلیمات سننے اور سمجھنے کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ ان سادہ لوح دیہاتیوں میں شاید ایک بھی ایسا نہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار نہ ہو۔ آپ انہیں بتا سکتے ہیں کہ جن رسول پاکؐ پر تم جاں نثار کر دینے کے لئے تیار ہو ان کے احکام کی پیروی بھی تو کرو۔ ان میں کون ہے جو یہ نہ مانتا ہو کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے؟ آپ انہیں بتائیے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ اس کی تفصیل قرآن اور احادیث سے ان کو سنائیے۔ بعید نہیں کہ ان کو سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ صرف عذاب قبر ہی کا ذکر سن کر وہ لرز جائیں گے۔

سوال: جناب والا۔ ہم ریڈیو سے کسانوں کے لئے کاشتکاروں کے لئے خصوصی پروگرام بھی کرتے ہیں مزدوروں کے لئے بھی پروگرام کرتے ہیں۔ محنت کشوں کے لئے بھی، خواتین کے لئے بھی، بچوں کے لئے بھی پروگرام کرتے ہیں۔ تو ہم صرف گانے ہی تو نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان پروگراموں کی بھی نوعیت ایسی نہ ہو جیسی کہ مطلوب ہے؟

جواب: میرا کہنا یہ ہے کہ آپ کے ہاں ریڈیو میں زیادہ عنصر گانے بجانے کا ہوتا ہے، اور کم عنصر دین و اخلاق کی تعلیم کا۔ پہلے عنصر کو آپ یک لخت ختم کر دیں گے تو وہ دوسرے ملکوں سے گانے سننے لگیں گے اس کے بجائے آپ پہلے عنصر کو کم کرتے جائیں اور دوسرے عنصر کو بڑھاتے چلے جائیں۔ جب عوام کو صحیح طریقے سے دین سمجھایا جائے گا اور انہیں دلچسپ اور دل نشین طریقے سے بتایا جائے گا۔ تو وہ گانے کے رسیا نہ رہیں گے اور انہیں باہر کی ریڈیو سے بھی گانا سنتے وقت یہ یاد آجائے گا کہ قیامت کے روز ان کے کان گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ان سے کیا چیزیں سننے کا کام لیتے رہے ہیں۔

چند مفید اور قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۹/۰۰
بلاغ المبین	۴/۵۰
فتوح الغیب	۴/۰۰
شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰
روحِ تصوف	۵/۵۰
آدابِ زیارتِ قبور	۰۰/۸۰
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰
بیمۂ زندگی	۰۰/۶۰
اپنی اصلاح آپ	۰۰/۶۰
تقلید کیا ہے	۰۰/۸۰
اسلامی نظام ہی کیوں	۰۰/۶۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے	۲/۰۰
قرآن و حدیث	۴/۰۰
تلاشِ راہِ حق	۴/۵۰
کثرتِ آبادی کا علاج	۰۰/۶۵
قافلہ سخت جاں	۸/۵۰
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	۰۰/۲۵
مولانا مودودی سے ملئے	۱۰/۵۰
مولانا مودودی اسّی علماء کی نظر میں	۲/۰۰
حدیث دفاع	۱۲/۰۰
مکتوبات حضرت علیؓ	۱۶/۰۰
صراطِ مستقیم	۶/۰۰
تصوف کی حقیقت	۴/۰۰
سیرت ختم الرسل	۲/۰۰
عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ	۲/۵۰
جنت اور دوزخ	۲/۰۰
ملازمت کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۷۵

کتاب	قیمت
صدائے جمہور	۱/۵۰
شیر شاہ سوری	۱/۵۰
ٹیپو سلطان	۱/۵۰
محمد ابن قاسم	۱/۵۰
طارق ابن زیاد	۱/۵۰
داتا گنج بخش	۱/۵۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱/۵۰
مہاتما بدھ	۱/۵۰
جہاں گیر	۱/۲۰
نور جہاں	۱/۲۰
زرتشت	۱/۲۰
خالد ابن ولید	۲/۵۰
توضیح البیان	۱/۵۰
سکھ اور جنگِ آزادی	۴/۰۰
مولانا عبید اللہ سندھی	۷/۰۰
درسِ عبرت	۰۰/۷۵
گلدستۂ حدیث	۲/۵۰
مختصر احکامِ حج	۲/۰۰
راہِ حق کے دو مسافر	۲/۰۰
داعیٔ اعظم	۵/۰۰
چٹکتی کلیاں	۰۰/۷۵
مشہ جوار	۲/۰۰
اسلامی معاشرہ	۷/۰۰
خطبات حنفیہ	۱۰/۵۰
خطباتِ غوثِ اعظم	۱۰/۵۰
حیاتِ طیبہ	۹/۰۰

کتاب	قیمت
کتاب الصوم	۷/۵۰
اسلامی فقہ مکمل	۲۶/۰۰
ورقِ روشن	۳۰/۰۰
فیوضِ یزدانی	۲۵/۰۰
تیسیر القرآن اوّل	۳/۰۰
کلید تیسیر القرآن اوّل	۱/۰۰
سیکولر جمہوریت اور اسلام	۳/۰۰
خدا کا انکار کیوں	۱/۲۰
خدا ہے	۱/۲۰
کیا خدا کی ضرورت نہیں	۱/۲۰
ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
خدا پرستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
دعوتِ حق غیر مسلموں میں	۱/۲۰
بچوں کیلئے اقبال کی نظمیں	۰۰/۴۰
سیرتِ رسالت مآب	۲۶/۰۰
مخزنِ معلومات	۲۰/۰۰
اصلاح انقلاب	۱۶/۰۰
ولی کامل	۶/۵۰
حیات امام اعظمؒ	۱۰/۰۰
تذکرہ مولانا محمد یوسف	۹/۰۰
تفسیر رشیدی	۳/۰۰
مخدوم صابر کلیری	۲/۰۰
اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰/۰۰
قصص الانبیاء	۹/۰۰
حضرت حسنؓ	۱۶/۰۰
حضرت حسینؓ	[illegible]
تعلیم الہامیہ	[illegible]

کتاب	قیمت
ترجمانی اور روایت	۲۶/۰۰
زیب تمدن	۱۰/۰۰
صحیفۂ ابرار	۲۶/۰۰
مومن اور مطالعہ مومن	۳۶/--
تاریخ محمودی	۱۰/۰۰
صحائف معرفت	۸/۵۰
رمضان کیا ہے؟	۳/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/۰۰
طب روحانی	۹/..
شریعت اور تصوف اول	۸/--
" دوم	۵/..
ذکر الٰہی	[illegible]
ذکر النبی	۲/--
صراط مستقیم	۱۰/--
مقبول نماز مترجم. مجلد ریگزین	۱۰/--
قبر کا عالم	۰/۸۰
کیا تبلیغ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے	۱/..
حیات جاوید	۱۶/-
توحید و معرفت	۱۶/۹۵
اورنگ زیب اور شیواجی	۹/..
دیوان حالی معہ شرح	۲۰/
یاد اقبال	۴/-
اقبال اور تصوف	۷/۵۰
مقامات اقبال	۱۰/۵۰
عرفان اقبال	۱۰/--
ذکر اقبال	۲/۵۰
دلی سے اقبال تک	۹/..
پیام اقبال	۴/..
کلیات اقبال	۱۲/۵۰
ترقی پسند ادب	۶/-
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء	۱۲/۵۰

کتاب	قیمت
اردو کی تین مثنویاں	۶/-
یادگار غالب	۴/۵۰
داستان زبان اردو	۶/۵۰
آپ تقریر کیسے کریں؟ مکمل	۳/۵۰
التوحید	۴/۰۰
وسیلہ کی حقیقت	۹/۵۰
سیرت خلفاء راشدین	۵/..
تجرید بخاری شریف	۱۴/-
ترمذی شریف اردو	۱۵/..
مشکوٰۃ شریف اردو	۲۲/-
مسلم شریف	۱۶/..
موطا امام مالک اردو	۱۰/..
انتخاب صحاح ستہ اردو	۸/-
شیطان کی سوانح عمری	۴/۵۰
جنات کے پراسرار حالات	۴/۵۰
آسمانی سفرنامہ	۴/۵۰
غیبی آواز	۴/۵۰
خواجہ غریب نواز	۴/۵۰
روح تصوف	۴/..
نقاد اللغات	۱۰/..
فتاویٰ آستانہ مکمل	۹/..
واقعات الصالحین	۴/۵۰
تاریخ اسلام	۱۶/۵۰
بہادر شاہ کی کنیز	۲/-
دارا شکوہ کی رقاصہ	۳/-
فرعون کا معاشقہ	۳/..
اسپین کا مرد مجاہد	۳/..
صحبت با اولیاء	۷/۵۰
مکتوبات خواجہ معصوم	۷/..
طریق القلندر	۱/۵۰
طہارت	۱/۲۵

کتاب	قیمت
حضرت ابوبکرؓ	۰/۷۵
حضرت عمر فاروقؓ	۱/۵۰
حضرت عثمانؓ	۰/۷۵
حضرت علیؓ	۰/۷۵
مقدمہ شعر و شاعری	۴/۵۰
رحمت عالم	۴/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	۴/..
داڑھی اور انبیاء کی سنتیں	۲/۷۰
مبادیات فقہ	۱/۵۰
الفوز الکبیر	۱۵/..
حیات امام ابوداؤد	۲/۲۵
میلاد اکبر	۲/۵۰
نقش سلیمانی	۱۰/-
اکسیر ہدایت	۳۲/-
نافع الخلائق	۳/-
کنز الحسین	۴/-
میزان الطب	۱۲/-
اعجاز رقم	۳/۲۵
حسن سلیمانی	۱۱/-
بیاض یعقوبی	۴/..
تعلیم الاسلام اردو	۴/۵۰
" " ہندی	۴/۵۰
شاہنامہ اسلام مکمل	۱۰/..
مکتوبات امام ربانی	۹۷/۲۵
شرعی پردہ	۳/-
اسلام کا اخلاقی نظام	۹/۷۵
التشبہ فی الاسلام	۱۰/..
اجتہاد اور تقلید	۴/-
شان رسالت	۳/۲۵
خاتم النبیین	۲/۵۰

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

۷۷ء ـــ عام الفتح

تحریک اسلامی کی ڈائری

یہ سال ایک پہلو سے عام الفتح ہے۔ شدید رنج و محن کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصرت و فتح عطا فرمائی جس شخص کو اپنی طاقت کا اتنا گھمنڈ تھا کہ اس نے قومی احتجاج پر کان دھرنے کے بجائے بڑے غرور سے کہا کہ میری کرسی بڑی مضبوط ہے، صرف اس نے نہیں بلکہ پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ قوم اس سے بھی مضبوط ہے۔ .... یہ سال اس پہلو سے بھی عظیم اور تاریخی ہے کہ قوم نے اسلام کو بحیثیت اجتماعی نصب العین اپنے یقین و اعتماد کا از سر نو اعلان کیا اب دنیا کی کوئی طاقت اسے اپنے ایمان و عقیدہ سے منحرف نہیں کر سکتی اور حق پر استقامت کا یہ اعلان بجائے خود بہت عظیم کارنامہ ہے، پاکستانی قوم کو اپنی غفلت کی وجہ سے سزا ملی ملک دولخت ہو گیا لیکن قوم یونس کی مانند عذاب الٰہی کی علامات دیکھ کر اس نے انابت و رجوع کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح کرب عظیم سے نجات عطا فرمائی جس طرح عہد سابق نے ظالم حکمرانوں سے اہل ایمان کو نجات دی گئی تھی ـــ احتجاجی تحریک میں بے مثال قربانیاں دیکر پاکستانی قوم نے اپنی عظمت کا سکہ قائم کر دیا، دنیا میں بنیادی حقوق کی معروف فہرست میں اس نے ایک نئے قابل قدر حق کا اضافہ کیا ہے اور وہ ظلم کیخلاف قوم کا حق بغاوت ہے، اب انشاء اللہ کوئی جابر و ظالم اسکے حقوق غصب نہیں کر سکیگا۔ اور یہ پوری دنیا میں مسلمانان پاکستان اس ... پیشرو ہیں کہ انھوں نے جمہوری تحریک کے ذریعے آمر کو ہٹایا، بھارت میں اندرا گاندھی کیخلاف جو تحریک چلائی گئی تھی وہ بھی حقیقت میں پاکستان کی مثال کی پیروی ... اس پہلو سے پاکستان نے آزادی و حریت کا عظیم مینارۂ نور قائم کر دیا ہے۔

... کے واقعات میں بانی جماعت کی عظمت اور بھی ابھرتی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں اسلامی نظام کی تشریح کا جو تخم بویا گیا تھا وہ اسوقت کتنا حقیر معلوم ہوتا تھا لیکن آج وہی تخم سایہ دار ایک عظیم درخت ہے۔ ضابطہ حیات اور نظام آسودگی کی اصطلاحات کس کی جاری کردہ ہیں؟ اور اس سے پہلے کس نے بتایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے؟ پھر اسکی ہر شعبہ کی تفصیل اس وضاحت سے کس نے بیان کی تھی؟ آج کوئی اعتراف کرے نہ کرے لیکن تاریخ کی شہادت مثبت ہو چکی ہے؟ ایک شخص کی عظیم دینی خدمت ہے اس نے نہ صرف فکر دیا بلکہ اس کی تعمیل کے لیے ایک تنظیم بھی فراہم کر دی اور یہ اسی تنظیم کی خوبی تھی جو قومی اتحاد کی پوری تحریک کیلئے لنگر کا کام دیتی رہی پھر یہ اسی شخص کے فراہم کردہ خطوط ہیں جس پر تربیت پا کر جماعت اسلامی کا ایک ایک کارکن چٹان بنا ہوا ہے اور زمانہ نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ کو نہ کوئی دبا سکتا ہے، نہ جھکا سکتا ہے۔

پھر ۷۷ء نے یہ بھی بتا دیا کہ فقیر کی بارگاہ ایوان اقتدار سے کہیں عظیم تر ہوتی ہے ایک وقت تھا کہ مولانا مودودی کو راستے سے ہٹانے کیلئے سزائے موت سنائی گئی تھی پھر یہ وقت بھی سب کے سامنے ہے کہ اقتدار ... دریوزہ گر اسی حق کے دروازہ پر آتا ہے، مقام دعوت کتنا بلند اور اقتدار کی ہوس کتنی پست ہوتی ہے۔ اقتدار فانی اور گریزپا ہے لیکن داعی کا مقام لافانی اور امٹ ہے ـــ مولانا مودودی کا وجود اب پوری قوم کیلئے مرجع اور کسی بھی بحران میں آخری سہارا بن گیا ہے، بھٹو کو بھی بالآخر محسوس ہوا کہ صرف مولانا مودودی کی آواز ہے جو کسی بھی اضطراب میں احترام سے سنی جاتی ہے وہ اسی مولانا مودودی کا سہارا لینے پر مجبور ہوا جسکا استہزاء اڑایا کرتا تھا۔

۷۷ء نے یہ بھی منکشف کر دیا کہ جماعت اسلامی محض دینی قوت نہیں ہے پاکستان کی ایک ناقابل انکار سیاسی طاقت بھی ہے اسکے ایک نمائندے نے اپنی کارکردگی

سے ثابت کردیا کہ جماعت مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کی قابلِ اعتماد صلاحیت رکھتی ہے۔

پھر یہ جماعت ہی تھی جس کی شمولیت نے اتحاد کو مستحکم رکھا ہے، وہ امن کی روح بنی رہی اور اللہ کے فضل و کرم سے جماعت کے اس کردار سے امید پیدا ہو گئی ہے کہ جماعت اہلِ دین کی تنظیم سے بڑھ کر پوری ملتِ مسلمہ کی تنظیم و اتحاد کی اہلیت بھی رکھتی ہے۔

۷ مارچ نے ایک یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ جماعت اسلامی مردوں ہی کی نہیں خواتین کی بیداری کا موجب بھی ہے اور جماعت اسلامی کی تربیت یافتہ خواتین قیادت کی انہی صلاحیتوں سے مالامال ہیں، جن کا مظاہرہ جماعت کی تنظیم نے کیا ہے۔

یکم جنوری

● — امیر جماعت کی لائل پور سے واپسی رات منصورہ میں اجتماعی کھانے میں امیر جماعت کی شرکت

۴ر جنوری

●۔ امیر جمعیتِ اہلِ حدیث مولانا معین الدین کی مرکز جماعت میں آمد اور امیر جماعت سے ملاقات۔

۵ر جنوری

●۔ اجلاس مرکزی مجلس عاملہ۔

۶ر جنوری

●۔ اجلاس مرکزی مجلس عاملہ پروفیسر غفور قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے۔

۷ر جنوری

●۔ قومی اسمبلی میں وزیر اعظم بھٹو نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی دس جنوری سے تحلیل کردی جائیگی تاکہ ۷ر مارچ کو قومی اسمبلی اور ۱۰ر مارچ کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات منعقد کرائے جاسکیں۔

۸ر جنوری

●۔ اجلاس مرکز عاملہ۔

۹ر جنوری

●۔ عاملہ کا اجلاس جاری۔

متحدہ قومی محاذ کی مرکزی کونسل کا اجلاس امیر جماعت اور پروفیسر غفور شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔

۱۰ر جنوری

●۔ قومی اسمبلی توڑ دی گئی۔

●۔ نو جماعتوں کا اتحاد، قومی اتحاد کی تاسیس

۱۱ر جنوری

●۔ قومی اتحاد کا باقاعدہ اجلاس۔

۱۲ر جنوری۔

●۔ جماعت کی مرکزی نشر و اشاعت کمیٹی (برائے انتخاب) کا اجلاس زیرِ صدارت مولانا عباسی صاحب۔

۱۳ر جنوری

●۔ چاروں صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔

●۔ پاکستان قومی اتحاد کا اجلاس جاری۔

۱۴ر جنوری۔

●۔ امیر جماعت کی انتخابی فنڈ کی اپیل۔

۱۵ر جنوری

●۔ پاکستان قومی اتحاد کا اجلاس جاری عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱۶ر جنوری

●۔ قومی اسمبلی کے لیے قومی اتحاد کے امیدواروں کی فہرست مکمل ہو گئی۔

۱۷ر جنوری

●۔ مولانا عباسی صاحب کو لاڑکانہ میں گرفتار کرلیا گیا۔

۱۸ر جنوری

●۔ قیم جماعت اسلامی پاکستان چودھری رحمت الٰہی نے لاہور کی قومی اسمبلی کی نشست ۷ سے کاغذات نامزدگی داخل کیے۔

۲۰ر جنوری

●۔ لاڑکانہ کی نشست سے بھٹو کے بلا مقابلہ منتخب ہونے کا اعلان۔

۲۱ر جنوری۔

●۔ پروفیسر غفور صاحب کی پریس کانفرنس مولانا عباسی صاحب کی گرفتاری کے بارے میں۔

۲۲ر جنوری

●۔ قومی اتحاد کی مہم کا آغاز۔

●۔ امیر جماعت کی کراچی روانگی برائے جلسہ عام کراچی۔

۲۳ر جنوری

●۔ نشتر پارک میں قومی اتحاد کے زیرِ اہتمام عدیم النظیر انتخابی جلسہ عام۔

●۔ امیر جماعت اسلامی بھائی پھیرو ڈاکٹر عبد الخالق صاحب کو کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے پہلے پیپلز پارٹی کے غنڈوں نے اغوا کیا۔

۲۴ر جنوری

●۔ حیدرآباد میں قومی اتحاد کا تاریخی جلسہ عام امیر جماعت اور مولانا عباسی کا خطاب۔

۲۷ر جنوری

●۔ قومی اتحاد کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کا اجلاس۔

۲۸ جنوری

.. لاہور میں پہلا عظیم انتخابی جلوس۔ قیم جماعت چودھری رحمت الٰہی صاحب نے جماعت کی نمائندگی کی۔

۲۹ جنوری

.. مولانا عباسی رہا ہو کر لاہور تشریف لائے۔

۳۰ جنوری

پشاور میں قومی اتحاد کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسہ عام، امیر جماعت اور مولانا عباسی نے شرکت کی۔

۳۱ جنوری

.. حکمران پارٹی کی انتخابی دھاندلیوں کے بارے میں قیم جماعت کی احتجاجی پریس کانفرنس۔

۲ فروری

.. اجلاس مرکزی پارلیمانی بورڈ قومی اتحاد

.. پریس کانفرنس مولانا عباسی صاحب نے اپنے اغوا کی روداد بیان کی۔

۳ فروری

.. لیاقت باغ راولپنڈی میں قومی اتحاد کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسہ عام مولانا عباسی اور پروفیسر غفور صاحب نے خطاب کیا۔

۵ فروری

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس امیر جماعت اور پروفیسر غفور صاحب کی شرکت

.. گوجرانوالہ قومی اتحاد کے زیر اہتمام عظیم الشان جلوس و جلسہ عام، مولانا عباسی نے خطاب فرمایا۔

۶ فروری

.. خطاب بانی جماعت، ۵۰ ذیلدار پارک میں۔

.. گول باغ میں قومی اتحاد کے زیر اہتمام تاریخی جلسہ عام۔

۷ فروری

پریس کانفرنس پروفیسر غفور صاحب

۸ فروری

.. اسلام آباد میں الیکشن کمیشن کے رد برو مولانا عباسی صاحب کے استغاثے کی سماعت۔

.. قومی اتحاد کے منشور کا اعلان

۱۰ فروری

.. امیر جماعت کی روانگی برائے جلسہ عام ملتان۔

۱۱ فروری

ملتان میں قومی اتحاد کا عدیم النظیر جلسہ عام

۱۲ فروری

.. بہاولپور میں جلسہ عام۔ امیر جماعت کا خطاب۔

۱۳ فروری

.. قافلہ اتحاد، مرکزی رہنماؤں کا استقبال، بہاولپور، حاصل پور، چشتیاں بہاولنگر، مظفر گڑھ

۱۶ فروری

.. بانی جماعت سے کینیڈا سے ایک کینیڈین ملاقات کے لیے آئے۔

.. امیر جماعت کی دورہ پنجاب سے واپسی۔

۱۷ فروری

.. دورہ پنجاب کے بارے میں محترم امیر جماعت کی پریس کانفرنس۔

.. چودھری رحمت الٰہی کے انتخابی حلقہ میں امیر جماعت کا خطاب۔

۱۸ فروری

.. امیر جماعت کا دورہ لائل پور۔

۱۹ فروری

.. امیر جماعت کے چنیوٹ، اور سرگودھا میں خطابات۔

۲۰ فروری

.. پوپ اعظم کی ریگن ریاست کے سٹیٹ سیکرٹری مسٹر ہیرولڈ سہانوز مع ڈاکٹر شکر راز (لاہور) بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اسلام اور عیسائیت کے درمیان تعاون پر گفتگو رہی۔

.. امیر جماعت کا میانوالی میں خطاب

۲۱ فروری

.. امیر جماعت کا تلہ گنگ میں دورہ۔

۲۲ فروری

.. پروفیسر خورشید احمد انگلستان سے تشریف لائے اور مولانا محترم کو یورپ میں تحریک اسلامی کے تازہ حالات سے آگاہ کیا۔

.. مریدکے اور نارووال کے جلسہ ہائے عام سے قیم جماعت کا خطاب۔

۲۳ فروری

.. امیر جماعت کا سیالکوٹ میں خطاب عام۔

۲۴ فروری

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس۔

۲۵ فروری

.. مولانا عباسی کے خطابات شیخوپورہ جڑانوالہ، لائل پور

۲۶ فروری

.. امیر جماعت کا گڑھی شاہو لاہور،

کے جلسہ عام سے خطاب۔

.. ڈیموکریٹک یوتھ فورس کے ایک رکن محمد اشرف کی پیپلز پارٹی کے غنڈوں کے ہاتھوں شہادت۔

۲۷ فروری

.. ایبٹ آباد میں قومی اتحاد کا عظیم الشان جلسۂ عام امیر جماعت کا خطاب۔

۲۸ فروری

.. قومی اتحاد کی اپیل پر ملک بھر میں ہڑتال

.. مانسہرہ میں جلسۂ عام، امیر جماعت کا خطاب

.. سعودی عرب سے امیر جماعت کے نام تعلیمی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ۔

۲ مارچ

.. امیر جماعت کا تحصیل بھلوال (سرگودھا) میں انتخابی جلسوں سے خطاب۔

۳ مارچ

.. گارڈین (انگلستان) کے نمائندے کا بانی جماعت سے انٹرویو۔

.. امیر جماعت کی انتخابی دورے سے واپسی۔

.. امیر جماعت اور پروفیسر غفور صاحب کی مشترکہ پریس کانفرنس۔

۴ مارچ

.. امیر جماعت کی روانگی برائے دورہ پاکپتن، عارف والا وغیرہ۔

۵ مارچ

.. امیر جماعت کی انتظامیہ سے اپیل کہ وہ دیانت و انصاف سے کام لیں اور انتخابات میں غیر جانبدار رہے۔

.. لاہور میں قومی اتحاد کا عدیم النظیر جلوس۔

.. امیر جماعت گجرات کے جلسۂ عام سے خطاب کیے تقریبیں کے

۶ مارچ

.. امیر جماعت کی پریس کانفرنس۔

۷ مارچ

.. قومی اسمبلی کا پولنگ، ملک کے ہر حصہ سے تمام دن مرکز جماعت میں بڑے پیمانے پر دھاندلی اور تشدد کی اطلاعات آتی رہیں۔

۸ مارچ

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس۔

.. ۲½ بجے بعد دوپہر قومی اتحاد کی پریس کانفرنس۔ صوبائی انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان اور ملک گیر ہڑتال کی اپیل۔

۹ مارچ

.. قومی اتحاد کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس جاری۔

.. امیر جماعت نے رات مجلس شوریٰ طلب فرمائی۔

۱۰ مارچ

.. صوبائی انتخابات کا مکمل بائیکاٹ پولنگ اسٹیشن سنسان رہے۔

۱۱ مارچ

.. قومی اتحاد کی اپیل پر انتخابی دھاندلیوں کے خلاف ملک گیر احتجاجی ہڑتال تمام شہر مکمل طور پر بند رہے۔

.. امیر جماعت نے مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس طلب فرمایا۔

۱۲ مارچ

.. مرکزی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس جاری

۱۳ مارچ

.. اجلاس عاملہ جاری

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس جاری۔

۱۴ مارچ

.. حامد محمود عبدہ مین پریس ٹرسٹ کی مولانا سے ملاقات۔

.قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک کا آغاز۔

لاہور

.. قومی اتحاد کے مرکزی لیڈروں نے جن میں امیر جماعت بھی شامل تھے، آج چوک نیلا گنبد لاہور سے احتجاجی مظاہرہ کر کے تحریک کا آغاز کیا۔

کراچی

.. پروفیسر غفور صاحب اور شیر باز مزاری صاحب نے احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔

پشاور

.مفتی محمود صاحب اور بیگم نسیم ولی خان نے جلوس کی قیادت کی۔

متعدد مقامات پر گرفتاریاں ہوئیں کوئی مرکزی لیڈر گرفتار نہیں ہوا

۱۵ مارچ

.. ڈیفنس سیکرٹری میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم کی بانی جماعت سے ملاقات

.. لاہور میں مسجد شہدا سے گرفتاریاں پیش کی گئیں۔

.. پنجاب کے بیس مقامات پر مظاہروں کی خبر۔

.. پروفیسر غفور صاحب نے ایڈیٹرز کمیٹی سے خطاب کیا۔

.. رات بعد نماز عشاء اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس، رفیق احمد باجوہ کا سیکرٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ۔

۱۶ مارچ۔

۔۔ جناب بشیر احمد صاحب سابق سفیر پاکستان برائے کینیا مولانا سے ملاقات کے تشریف لائے۔

۔۔ قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس۔
پروفیسر غفور سیکرٹری جنرل منتخب ہو گئے۔

۔۔ پورے ملک میں تحریک زور و شور سے جاری ہے۔

۱۷ر مارچ

۔۔ نواب مشتاق احمد گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان مولانا سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

۔۔ تحریک کا چودھواں دن

۔۔ قومی اتحاد کی جانب سے وزیر اعظم بھٹو کے خط کا جواب۔

۔۔ حیدر آباد میں میاں شوکت صاحب (قیم صوبہ سندھ) کی گرفتاری

۱۸ر مارچ

۔۔ قیم جماعت جناب چودھری رحمت الٰہی نے دربار داتا صاحب سے گرفتاری پیش کی

۔۔ ملتان میں وکلاء نے عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالا۔

۔۔ مرکزی رہنماؤں کی گرفتاریاں۔
کراچی سے شیر باز مزاری کو گرفتار کر لیا گیا۔ حیدر آباد سے مولانا شاہ احمد نورانی اور پشاور سے مولانا مفتی محمود صاحب اور امیر جماعت اسلامی صوبہ سرحد قاضی حسین احمد صاحب کو۔

۱۹ر مارچ

۔۔ پروفیسر غفور احمد صاحب کی کراچی سے گرفتاری

۔۔ کراچی میں رات ۸ بجے مغربی حصہ میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

۲۰ر مارچ

۔۔ لاہور میں شہداء کراچی و حیدر آباد کی نماز جنازہ۔ امیر جماعت اور دوسرے رہنماؤں نے شرکت کی۔

۔۔ بھٹو صاحب کا تیسرا خط بنام قومی اتحاد۔

۲۱ر مارچ

۔۔ منصورہ میں قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس۔

۔۔ پروفیسر غفور، مولانا نورانی، اور سردار شیر باز مزاری کی وزیر اعظم کے حکم سے رہائی، مفتی محمود صاحب بھی رہا کر دیئے گئے۔

۲۲ر مارچ

۔۔ قومی اتحاد کی کونسل کا اجلاس
وزیر اعظم کی دعوت مذاکرات مسترد

۔۔ ۲۶ر مارچ کو عام ہڑتال کی اپیل

۲۳ر مارچ

۔۔ قومی اتحاد کی کونسل کا اجلاس جاری۔

۔۔ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں ایڈیٹرز ورکرز کمیٹی سے امیر جماعت اور پروفیسر غفور صاحب کا خطاب۔

۔۔ تحریک کا دسواں دن پورے ملک میں تحریک زور و شور سے جاری ہے۔

۲۴ر مارچ

۔۔ بھٹو کے خط کا جواب قومی اتحاد کی جانب سے بھیج دیا گیا۔

۔۔ پروفیسر غفور صاحب نے بھٹو کے خطوط اور قومی اتحاد کے جوابات کے متن پریس کے لیے جاری کر دیئے۔

۲۵ر مارچ

۔۔ مرکزی رہنماؤں کی دوبارہ گرفتاریاں۔
امیر جماعت کو رات ۳ بجے گرفتار کیا گیا۔

۔۔ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کی احتجاجی پریس کانفرنس۔

۔۔ ملتان میں شیخ خضر حیات اور شیخ عبد الحمید کی گرفتاری۔

۲۶ر مارچ

۔۔ قومی اتحاد کی اپیل پر آج ملک میں ہڑتال کامیاب رہی۔

۔۔ مولانا عباسی نے احتجاجی پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ لاہور کے طلبہ پر تشدد کر کے یہ اقبالی بیان حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ انہیں جماعت تخریب کاری میں آلۂ کار بنا رہی ہے۔

۲۷ر مارچ

۔۔ لاہور میں ملتان کے شہیدوں کی غائبانہ نماز جنازہ۔ مولانا عباسی شریک ہوئے۔

۲۹ر مارچ

۔۔ ایڈیٹر نوائے وقت، مجید نظامی صاحب کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۳۰ر مارچ

۔۔ تحریک کا سترھواں دن۔

۔۔ لاہور میں بیگم مولانا مودودی کی زیر قیادت دس ہزار خواتین کا عظیم الشان جلوس۔

۔۔ کراچی میں صوبائی اسمبلی کا گھیراؤ۔

۳۱ر مارچ

۔۔ لاہور میں علماء کا عظیم الشان جلوس۔
پولیس کا جلوس پر بہیمانہ تشدد، پولیس جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو گئی۔

یکم اپریل

۔۔ تحریک کا انیسواں دن۔

۔۔ وکلاء کا عظیم الشان جلوس۔

[illegible]ر اپریل

۔۔ قومی اتحاد کی ایکشن کمیٹی کا اجلاس [illegible]

مولانا عباسی نے شرکت فرمائی۔

۔۔ مولانا محترم کا بیان کہ حکومت اگر قومی

کی بنیادی شرائط تسلیم کرے تو قومی اتحاد آمادۂ

گفتگو ہو سکتا ہے۔

۳ر اپریل

۔۔ سابق گورنر بلوچستان سردار اکبر بگٹی

مولانا سے ملاقات کے تشریف لائے۔

۶ر اپریل

۔۔ تحریک کا چوبیسواں دن۔

۔۔ مولانا محترم سے ایک جرمن پادری کی

ملاقات۔

۔۔ سرحد اسمبلی کا گھیراؤ۔

۔۔ قومی اتحاد کا مرکزی اجلاس

۷ر اپریل

۔۔ ملتان میں عظیم الشان احتجاجی جلوس

۸ر اپریل

۔۔ قیم جماعت چودھری رحمت الٰہی کو دفعہ

۱۴۴ کی خلاف ورزی میں پندرہ روز کی سزائے

قید۔

۹ر اپریل

۔۔ پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ۔

۔۔ لاہور میں تاریخی جلوس۔ خواتین کے جلوس

کی قیادت بیگم مولانا مودودی نے کی۔

۔۔ پولیس کی فائرنگ، بہت سے افراد

شہید۔

۱۰ر اپریل

۔۔ قومی اتحاد کے دفتر میں شہداء کی غائبانہ

نماز جنازہ۔

۔۔ قومی اتحاد مرکزی کونسل کا اجلاس۔

۱۱ر اپریل

۔۔ قومی اتحاد کی جانب سے حکومت سے

عدم تعاون کی اپیل ٹیکسوں کی ادائیگی اور سرکاری گاڑیوں

کا ٹکٹ خریدنے کی مخالفت۔ بینکوں سے روپیہ

نکلوالیا جائے۔

۱۲ر اپریل

۔۔ قومی اتحاد کی اپیل پر کراچی سے ۱۵ کروڑ

اور حیدرآباد سے ۵ کروڑ روپیہ بینکوں سے نکلوالیا

گیا۔

۱۳ر اپریل

۔۔ نمائندہ بی بی سی مسٹر انڈر لیو ریٹلے کا بانی

جماعت سے انٹرویو۔

۔۔ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) نوابزادہ شیر علی

خاں کا جماعت اسلامی میں شمولیت کا اعلان۔

۱۴ر اپریل

۔۔ بھٹو کی گورنمنٹ ہاؤس پیپلز پارٹی کے

کارکنوں کو تشدد کی تلقین۔ پیپلز پارٹی میں اسلحہ کی تقسیم

۱۵ر اپریل

۔۔ تحریک کا تینتیسواں دن۔

۔۔ بھٹو بانی جماعت سے ملنے کیلئے آیا۔

۔۔ لاہور میں قومی اتحاد کے پرامن جلوس پر پیپلز

پارٹی کے غنڈوں کی فائرنگ، ۵۰ سے زائد افراد

زخمی اور دو شہید ہو گئے۔

۱۷ر اپریل

۔۔ تحریک کا ۳۵واں دن

۔۔ وزیراعظم بھٹو کی پریس کانفرنس۔

۔۔ بے ٹکٹ سفر کرنے کی تحریک چل نکلی۔

۱۸ر اپریل

۔۔ وزیراعظم بھٹو کے جواب میں بانی جماعت

کی پریس کانفرنس۔

۱۹ر اپریل

۔۔ [illegible] میں ایک شہید کا عظیم الشان

جنازہ۔

۲۲ر اپریل۔

۔۔ چودھری رحمت الٰہی رہا ہو گئے۔

۲۳ر اپریل

۔۔ قومی اتحاد کے تمام مرکزی عہدیدار

قائمقام گرفتار۔

۔۔ چودھری رحمت الٰہی کو بھی گرفتار کرلیا

گیا۔

۔۔ قومی اتحاد کی جانب سے ۳۰ر اپریل کو

اسلام آباد کی جانب سے لانگ مارچ کی اپیل۔

۔۔ بانی جماعت نے ملکی صورت حال پر

پریس کانفرنس کی۔

۲۶ر مارچ

۔۔ نظر بند مرکزی رہنماؤں کا سہالہ میں اجلاس

۲۷ر مارچ

۔۔ مولانا فتح محمد امیر صوبہ پنجاب گرفتار

کر لیے گئے۔

۲۸ر مارچ

۔۔ سعودی عرب کے سفیر اور متحدہ عرب

امارات کے وزیر خارجہ کی نظر بند رہنماؤں سے

ملاقات۔

۲۹ر مارچ۔

۔۔ غلام مصطفیٰ کھر بانی جماعت سے ملنے

کے لیے آیا۔

۳۰ر مارچ

۔۔ قومی اتحاد کا عدیم النظیر لانگ مارچ۔

۔۔ چودھری رحمت الٰہی کی تیسری مرتبہ

گرفتاری۔

۱۲ر اپریل

۔۔ کراچی کے مختلف وفود کی بانی جماعت

[...] سے ملاقات۔

۱۵ر اپریل

.. قومی اتحاد کی پوری مرکزی کونسل گرفتار۔

.. نائب قیم اسلم سلیمی صاحب بھی اجلاس [...]یں شامل تھے۔

۱۵ر اپریل تا ۵ر جولائی۔

.. اس عرصہ میں جماعت کے تقریباً [...]ام مرکزی رہنما وقتاً فوقتاً گرفتار ہوتے رہے [...] ہے لیکن جوش و جذبہ میں کوئی کمی آئے بغیر تحریک [...]رے زور و شور سے چلتی رہی۔

۲۱ر اپریل

.. کراچی، حیدرآباد اور لاہور میں مارشل لا [...]انذ کر دیا گیا لیکن تحریک کو مارشل لا بھی نہ دبا [...]سکا۔

۱۳ر مئی

.. بھٹو نے ایک اور پینترا بدلا اور نشری تقریر میں ریفرنڈم کی تجویز پیش کی۔

۱۶ر مئی

.. اجلاس قومی اسمبلی، ریفرنڈم کے سلسلہ میں دستور میں ساتویں ترمیم۔

یکم جون

.. مذاکرات پر قومی اتحاد کے رہنماؤں کا اظہار رضامندی۔

۲ر جون

.. مرکزی وزارت داخلہ کا نوٹ کہ جماعت اسلامی بم تیار کر کے دھماکے کرتی ہے۔

۳ر جون

مذاکرات کا آغاز۔

.. جماعت اسلامی پر تشدد کے الزام کے جواب میں بانی جماعت کا جوابی بیان

۶ر جون

.. چیف [...] ن [...] جان کا بیان کہ ۷ر مارچ کو سمجھائی دو کالی پر ڈاکہ ڈالا گیا تھا۔

۷ر جون

.. ہائی کورٹ نے مارشل لا کی دفعات کو غیر آئینی قرار دیا مارشل لا کے تحت تمام گرفتار شدگان نائب قیم اسلم سلیمی صاحب بھی رہا ہو گئے۔

۸ر جون

.. چودھری رحمت الٰہی میانوالی جیل سے رہائی

۱۵ر جون

حکومت اور قومی اتحاد کے درمیان اصولی سمجھوتہ ہو گیا، تفصیلات طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی مشتمل بر عبد الحفیظ پیرزادہ و پروفیسر غفور صاحب بنا دی گئی۔

۲۰ر جون

مرکزی شوریٰ کے اجلاس (۳ تا ۵ جولائی) کے لیے ایجنڈا جاری کر دیا گیا۔

۲۸ر جون

.. مذاکرات میں تعطل

.. بھٹو اور پیرزادہ کی پریس کانفرنس۔

۲۹ر جون

.. الجبر (سعودی عرب) کے محمد احمد الرفیع مرکز جماعت میں تشریف لائے۔

۳۰ر جون

.. لاہور متحدہ کونسل کا جلسہ زیر صدارت بانی جماعت، قیم جماعت نے خطاب فرمایا۔

یکم جولائی

.. پاکستان قومی اتحاد اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا بارھواں دور

۲ر جولائی

.. مذاکرات کا بارھواں دور ختم، اختلافات کافی حد تک دور ہو گئے۔

.. کراچی میں طوفانی بارش سے ہولناک تباہی۔

۳ر جولائی

.. مرکز جماعت کی جانب سے کراچی کے مصیبت زدگان کی اعانت کے لیے پچاس ہزار روپیہ بھیجا گیا۔

۴ر جولائی

.. بھٹو کی پریس کانفرنس کے جواب میں قومی اتحاد کی جانب سے نوابزادہ نصر اللہ خان کی پریس کانفرنس۔

۵ر جولائی

.. انقلاب حکومت، فوج نے انتظام ملک سنبھال لیا، بھٹو گرفتار۔

.. قومی اتحاد کے رہنما پورے احترام کے ساتھ حفاظتی حراست میں لیے گئے۔

.. چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کا قوم کے نام نشری خطاب۔

۶ر جولائی

.. تمام سیاسی جھنڈے اتارنے کا حکم۔

.. منصورہ سے بھی پرچم اتار دیے گئے۔

۷ر جولائی

.. پیر صاحب پگاڑا امیر جماعت سے ملنے کے لیے مرکز جماعت میں تشریف لائے ان کے ہمراہ حنیف رائے تھے۔ جو حال ہی میں رہا ہوئے ہیں۔

۹ر جولائی

.. بانی جماعت سے پیر پگاڑا کی ملاقات

.. امیر جماعت، بارش زدگان کے لیے امدادی کام کا جائزہ لینے کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔

۱۳ر جولائی

.. ڈنمارک میں مقیم ایک پاکستانی، بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے، ان کے ساتھ مولانا محترم کی کتاب "اسلام کا نظام حیات" کا ڈینش کا ترجمہ بھی تھا۔

۱۷ر جولائی

.. مرکزی مجلس مشاورت کا اجلاس

.. نواب مشتاق احمد گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان۔ امیر جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

۱۸ر جولائی

.. مرکزی مجلس مشاورت جاری

۲۲ر جولائی

.. سابق میجر جنرل اکبر خان، سابق سفیر (چیکوسلواکیہ) بانی جماعت سے ملاقات کے لیے آئے۔

۲۸ر جولائی

.. قومی اتحاد کے رہنماؤں کی رہائی

پروفیسر غفور راولپنڈی پہنچ گئے۔

.. چودھری ظہور الٰہی رہائی کے بعد مولانا محترم سے ملنے کے لیے آئے، انھوں نے مولانا کے سامنے انکشاف کیا کہ انھوں نے جیل میں، تفہیم القرآن کو سات مرتبہ پڑھا ہے۔ اس سے الحمد للہ روحانی تقویت حاصل ہوئی۔

۲۹ر جولائی

.. پروفیسر غفور پنڈی سے لاہور تشریف لائے۔

۳۰ر جولائی

.. حنیف رامے [illegible] سے ملنے آئے۔

.. پروفیسر غفور احمد صاحب کی پریس کانفرنس۔

۳۱ر جولائی

.. سڈنی (آسٹریلیا) یونیورسٹی کے جناب ضیاء الاسلام مولانا محترم سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔

یکم اگست

.. جناب حسن بن داؤد (سعودی عرب) بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

۳ر اگست

.. عبد الباقی بلوچ (سابق رکن اسمبلی مغربی پاکستان) بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

۴ر اگست

.. سردار شوکت حیات صاحب (رکن قومی اسمبلی) مولانا محترم سے ملنے کے لیے آئے۔

.. سری نگر (مقبوضہ کشمیر) کے حسام الدین صاحب بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

۵ر اگست

.. چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق معہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب جنرل اقبال بانی جماعت سے ملاقات کیلئے تشریف لائے، ملاقات تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی

۷ر اگست

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس مع [illegible] گی۔ چودھری ظہور الٰہی صاحب

۸ر اگست

.. خواجہ خیر الدین مولانا سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

.. اجلاس مرکزی مجلس عاملہ۔

۹ر اگست

.. یحییٰ دور کے جنرل ریٹائرڈ عمر بانی جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

.. قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس۔

۱۰ر اگست

.. یک روزہ اجلاس مرکزی مجلس شوریٰ انتخاب امیر جماعت اسلامی پاکستان کے لیے ناظم انتخاب کا تقرر۔

۱۲ر اگست

.. واشنگٹن (امریکہ) سے ایک اخوانی بانی جماعت سے ملاقات کیلئے آئے۔

۲۰ر اگست

.. قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لیے کاغذات نامزدگی۔

۲۵ر اگست

.. یوسف محمدی جنرل سیکرٹری مسلم یوتھ موومنٹ جنوبی افریقہ، پہلے بانی جماعت سے ملے پھر امیر جماعت سے ملاقات کے لیے منصورہ تشریف لے گئے۔

۲۹ر اگست

.. امیر جماعت کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق سے اسلام آباد میں ملاقات۔

یکم ستمبر

.. امیر جماعت کی کوئٹہ روانگی۔

۲ ستمبر

.. امیر جماعت کے کوئٹہ میں خطابات

۳ ستمبر

.. بابو وارث (ولائی کیمپ والے مولانا) سے ملاقات کے لیے آئے، انھوں نے انکشاف کیا کہ ولائی کیمپ میں قید کے دوران جماعت اسلامی نے ان کی بڑی مدد کی۔

۶ ستمبر

.. امیر جماعت کا شام نگر (لاہور) میں خطاب۔

۷ ستمبر

.. ٹیلی ویژن والوں نے امیر جماعت سے انٹرویو لیا۔

.. امیر جماعت کا عزم کراچی۔

۸ ستمبر

.. کراچی میں قومی اتحاد کا سربراہی اجلاس

۹ ستمبر

.. امیر جماعت کی کراچی سے واپسی

۱۰ ستمبر

.. ایر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان صاحب کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۱۱ ستمبر

.. امیر جماعت کا بلال گنج (لاہور) میں خطاب۔

۱۲ ستمبر

.. امیر جماعت اسلامی کے اعزاز میں گڑاراں (لاہور) میں دعوت افطار

۱۳ ستمبر

.. امیر جماعت لاہور میں دو مقامات پر خطابات

۱۴ ستمبر

.. افغانستان کے دو طالب علم بانی جماعت سے ملاقات کے لیے آئے۔

۱۵ ستمبر

.. امیر جماعت کا گارڈن ٹاؤن (لاہور) میں خطاب۔

۱۶ ستمبر

.. عید الفطر

۱۸ ستمبر

.. امیر جماعت کی نہری مسجد مارکیٹ ایسوسی ایشن کی عید ملن پارٹی میں شرکت۔

۱۹ ستمبر

.. سیو کے جلسہ عام سے زیر اہتمام قومی اتحاد امیر جماعت کا خطاب۔

۲۰ ستمبر

.. امیر جماعت کی پشاور روانگی۔

۲۱ ستمبر

راولپنڈی میں امیر جماعت کا قومی اتحاد کے جلسہ عام سے خطاب۔

۲۲ ستمبر

لاہور میں قومی اتحاد کے عدیم المثال جلسہ عام سے امیر جماعت کا خطاب۔

۲۳ ستمبر

.. کراچی میں قومی اتحاد کے عظیم الشان جلسہ عام سے امیر جماعت کا خطاب۔

۲۴ ستمبر

حیدرآباد کے جلسہ عام سے خطاب۔

۲۵ ستمبر

کوئٹہ میں قومی اتحاد کا جلسہ عام

.. امیر جماعت حیدرآباد سے بذریعہ طیارہ کوئٹہ پہنچے۔

.. قومی اتحاد کی جنرل کونسل کا کوئٹہ میں اجلاس۔

۲۶ ستمبر

.. امیر جماعت اسلامی کوئٹہ سے راولپنڈی پہنچے، اسی روز آپ کیمبلپور تشریف لے گئے۔

۲۷ ستمبر

.. تلہ گنگ کے جلسہ عام سے امیر جماعت کا خطاب۔

۲۸ ستمبر

.. امیر جماعت کی انتخابی جلسوں سے واپسی۔

۲۹ ستمبر

.. امیر جماعت وزیرآباد اور حافظ آباد کے انتخابی دورہ پر تشریف لے گئے۔

۳۰ ستمبر

.. امیر جماعت کا عارف والا (ساہیوال) میں خطاب عام۔

یکم اکتوبر

.. امیر جماعت ساہیوال سے لائلپور (فیصل آباد) تشریف لے گئے۔

رات کو سوا آٹھ بجے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا احتساب کی تکمیل تک انتخابات ملتوی کرنے کا اعلان۔

.. سیاسی سرگرمیوں پر پابندی۔

۹ اکتوبر

.. اجلاس مرکزی مجلس عاملہ۔

.. شمالی امریکہ کی اسلامک پارٹی کے سربراہ یوسف مظفر الدین کی آمد۔

.. پروفیسر خورشید صاحب بھی انگلستان تشریف لائے۔

۱۱ اکتوبر

.. چیرمین اسلامی کونسل جسٹس محمد افضل چیمہ بانی جماعت سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔

.. اجلاس عاملہ جاری، ارکان عاملہ کی بانی جماعت کے ساتھ نشست۔

۱۱ر اکتوبر

.. اجلاس عاملہ جاری۔

۱۲ر اکتوبر

.. قومی اتحاد کی مرکزی مجلس عمل کا اسلام آباد میں اجلاس۔ امیر جماعت اور پروفیسر غفور نے شرکت کی۔

۱۳ر اکتوبر

.. امیر جماعت کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات۔

۲۳ر اکتوبر

.. اسلامی جمعیت طلبہ کا مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں سالانہ اجتماع۔

۲۶ر اکتوبر

.. ایر مارشل اصغر خان کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۲۸ر اکتوبر

.. میاں طفیل محمد صاحب آئندہ ۵ سال کے لئے امیر جماعت منتخب ہو گئے۔

یکم نومبر

.. علماء اکیڈمی کی سہ ماہی کورس کی اختتامی کلاس میں امیر جماعت کا خطاب۔

.. جامع مسجد منصورہ کے ایک حصہ کا افتتاح۔

۲ر نومبر

.. امیر جماعت کی تقریب حلف برداری زیر صدارت بانی جماعت۔

۳ر نومبر

امیر جماعت کا ضلع پشاور کی تربیت گاہ سے خطاب۔

.. امیر جماعت کی پشاور سے کوہاٹ روانگی۔

.. واپسی لاہور۔

۷ر نومبر

.. چیرمین اسلامی کونسل جسٹس محمد افضل چیمہ امیر جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

ایف ایس ایف کے ایک گواہ کے انکشاف پر کہ ایف ایس ایف کو منصورہ کو بم سے اڑانے کی ہدایت تھی اس منصوبہ کی ناکامی پر امیر جماعت نے تمام ارکان و کارکنان کو ہدایت کی وہ ۱۱ر نومبر بروز جمعہ کو دو رکعت نفل بطور شکرانہ ادا کریں۔

۱۱ر نومبر

.. امیر جماعت کے نام رابطہ عالم اسلامی کا دعوت نامہ۔

۱۲ر نومبر

.. قومی اتحاد کا ہنگامی اجلاس۔

۱۳ر نومبر

ایم انور بار ایٹ لاء حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

۱۴ر نومبر

.. امیر جماعت کی ایم انور مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

.. امیر جماعت کا عزم سعودی عرب رات کی پرواز سے کراچی تشریف لے گئے۔

۱۵ر نومبر

امیر جماعت کی کراچی سے جدّہ روانگی۔

۱۶ر نومبر

.. خواجہ خیر الدین بانی جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

۲۰ر نومبر

بانی جماعت کا بیان یوم تجدید میثاق کی تائید میں۔

۲۱ر نومبر

قیم جماعت چودھری رحمت الٰہی صوبہ سرحد کے دورے پر

۲۴ر نومبر

قیم جماعت کا رینالہ خورد میں کارکنوں سے خطاب۔

۲۵ر نومبر

چیرمین اسلامی کونسل جسٹس افضل چیمہ صاحب کی بانی جماعت سے ملاقات

۲۹ر نومبر

بی بی سی لنڈن کے وفد کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۳۰ر نومبر

اسلامی جمعیت طلبہ کے زیر اہتمام، جلسہ صد سالہ جشن اقبال میں پروفیسر غفور صاحب کی تقریر۔

یکم دسمبر

.. وفد قومی اتحاد پروفیسر غفور صاحب سردار شیر باز مزاری، چودھری ظہور الٰہی کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات قومی مسائل پر گفتگو۔

۲ر دسمبر

.. بنگلہ دیش کے سفیر متعینہ پاکستان جناب ظہیر الدین کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۷ر دسمبر

.. صد سالہ جشن اقبال میں آمدہ مصری وفد مرکز جماعت میں۔

۸ر دسمبر

بودھرات صلاح الدین صاحب کی کتاب بنیادی حقوق کی تعارفی تقریب بانی جماعت نے بھی شرکت فرمائی۔

۹ر دسمبر

۔۔ چیف جسٹس آزاد کشمیر جسٹس محمد یوسف ملاں بانی جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے

۔۔ نماز عصر کے بعد حلقہ دیدار سنگھ کے ستر افراد پر مشتمل وفد کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۱۰ر دسمبر

۔۔ چیف جسٹس اردن شیخ ابراہیم القطان کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۔۔ امیر جماعت کی حجاز سے مراجعت۔

۱۱ر دسمبر

منصورہ میں مجلس شعر و ادب جناب ماہر القادری کے اعزاز میں۔

۱۴ر دسمبر

۔۔ صدر آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک کونسل جناب ڈاکٹر قاضی اشفاق احمد صاحب کی بانی جماعت سے ملاقات۔

۔۔ امیر جماعت کا فیصل آباد میں کارکنوں سے خطاب اور پریس کانفرنس

۱۵ر دسمبر

۔۔ امیر جماعت کے اعزاز میں عصرانہ منجانب حاجی محمد رفیق اشرفی صاحب (لاہور)

۱۶ر دسمبر

۔۔ امیر جماعت کا ایبٹ آباد، ضلعی تربیت گاہ سے خطاب۔

۱۷ر دسمبر

۔۔ منصورہ میں جمعیۃ طلبہ عربیہ کا سہ روزہ اجلاس۔

۔۔ امیر جماعت کا خطاب۔

۱۹ر دسمبر

جنوبی ۔۔ جمعیۃ طالبات کے سالانہ سہ روزہ اجلاس کا افتتاح۔

۲۱ر دسمبر

۔۔ جمعیۃ طالبات کے اجلاس کا اختتام۔

۔۔ امیر جماعت کا اختتامی خطاب۔

۲۲ر دسمبر

۔۔ یوم تاسیس اسلامی جمعیۃ طلبہ

۔۔ جمعیۃ کے اجتماع عام سے امیر جماعت کا خطاب

۲۴ر دسمبر

۔۔ نائب قیم کی روانگی برائے دورۂ سرحد

۲۵ر دسمبر

۔۔ ناظم قیم کی کوہاٹ اور بنوں کی تربیت گاہوں میں شرکت۔

۲۶ر دسمبر

۔۔ نائب قیم کی روانگی برائے ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۔۔ ارکان و کارکنان سے خطاب۔

۲۸ر دسمبر

۔۔ اجلاس قومی اتحاد برائے انتخاب عہدیداران سال آئندہ۔

۲۹ر دسمبر

۔۔ مولانا مفتی محمود صدر اور پروفیسر غفور جنرل سکریٹری منتخب ہو گئے۔

۳۰ر دسمبر

۔۔ قومی اتحاد کی کونسل کا اجلاس بعد دوپہر ختم ہوا۔

قومی اتحاد کا نیا دستور منظور ہو گیا

خوشخبری

رمضان المبارک کے آنے کی خوشی میں ہر سال کی طرح امسال بھی ادارہ تجلی اور دارالفیض رحمانی کی طرف سے عام خریداران کو کتابوں میں ۲۵ فی صد کی اور سرمہ در نجف پر پندرہ فی صد کی رعایت حاصل رہے گی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان ہی کتابوں پر رعایت دی جائے گی جو کہ زیر نظر میں جن کے اشتہارات دیئے جا رہے ہیں۔

اور تمام ایجنٹ سرمہ اور کتب فروش حضرات کو کمیشن کے بعد بچنے والا خالص رقم پر خریدار فی صد کی رعایت دی جائے گی۔ شرط یہی ہے کہ کتابیں صرف وہی منگائی جائیں جن کے اشتہار اس شمارہ میں دیا جا رہا ہے۔

یہ رعایت یکم رمضان سے ۳۰ر شوال تک باقی رہے گی

(منیجر)

مکتبہ تجلی دارالفیض رحمانی دیوبند

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بچاؤ

قرآن کریم کی ہلا دینے والی للکار

اور ساتویں صدی کے امام نوویؒ کی دلدوز پکار

مجموعۂ حدیث ریاض الصالحین مترجم اردو

شارح مسلم امام وقت علامہ نوویؒ کی بے نظیر تالیف ترغیب و ترہیب اور اصلاح و تربیت سے متعلق چار سو سے زائد آیاتِ قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیثِ نبویؐ کا مجموعہ الحاد و فساد کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن و سکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب۔ کسی دل گداز واعظ کے پر تاثیر وعظ کی طرح دلنشین۔ مقدس و متبرک الفاظ احادیث۔ خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسول سے لبریز کر دینے والا انداز بیان۔ الحاد و دہریت کے اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کے لئے آج ہی اس کا مطالعہ فرمائیں، دو جلدوں پر مشتمل سائز ۲۰×۳۰/۸ مجلد میگزین جلد اول صفحات ۵۴۰ قیمت ۳۰ روپے جلد دوم صفحات ۵۰۰ ۳۰/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ دونوں جلدیں ایک ساتھ منگانے والے حضرات کو ۶۰/- کے ۵۵/- کا وی پی ارسال ہوگا۔ اس مبارک مجموعہ حدیث کی اشاعت میں تعاون ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا، کارڈ لکھ کر طلب فرمائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قرآنی جواہر پارے جو امت محمدیہ کے لئے بیناۂ نور اور سرمایہ سعادت ہیں

چودہ سو برس کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباسؓ (اردو)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روح پرور تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے۔ قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں، اردو زبان میں یہ نادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے ترتیب متن قرآن شریف ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ صحابی رسول کی مقدس تفسیر آیات قرآنی کا دل نشین شانِ نزول جامع اور اثر انگیز عنوانات طریق اشاعت ہر ماہ میں ایک پارہ شائع ہو رہا ہے۔ ہدیہ فی پارہ ۴/- ممبران کے لئے محصول ڈاک بذمہ ادارہ ممبر بننے کے لئے ایک کارڈ لکھئے آپ کو ہر دوسرے ماہ ۴/- روپے کی وی۔ پی ارسال ہوگی، ۵ پارے یکجا مجلد ہدیہ ۲۰/- دس پارے یکجا مجلد ریگزین ۳۵/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ۔ ایک عظیم صحابی رسول کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنائیے۔

ملنے کا پتہ

(منیجر) ادارہ درس قرآن دیوبند (یو پی)

مسجد سے میخانے تک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر عرصہ دو ماہ سے مولوی حکمت اللہ مقیم ہیں آپ ہر تقریر میں روزانہ فرماتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں باہر نکلنے سے ایک نماز کا ثوا سات لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ ایک روپیہ اللہ کے اس کام میں لگانے کا ثواب سات لاکھ روپیہ کے برابر ہے اس راہ میں نکلنا حج جیسی بڑی عبادت سے بھی افضل ہے۔ روزانہ کم از کم تین مرتبہ ضرور نمازیوں کو روک لیتے ہیں۔“

علمائے دین کچھ فرماتے ہوں میں یکے از جہلائے دیں آپ بیتی عرض کرتا ہے کہ مجھ سے بھی ایک محترم بھائی نے بالکل یہی بات فرمائی تھی۔ میں نے کہا:۔ لیجئے ایک روپیہ تو یہ حاضر ہے اسے جس طرح چاہے کارِ خیر میں صرف کیجئے، اور باہر نکلنے کو جب کہیں بندہ حاضر ہے۔ فرمایا کل ہم کچھ لوگ..... جا رہے ہیں تیار ہو جاؤ۔ میں نے کہا بسر و چشم۔ اور اگلے دن دوپہر کا کھانا کھا کر ہم گیارہ آدمی ایک گاؤں کی طرف چھوٹ لئے۔ آغاز سفر کی تفاصیل اور شرکائے سفر کے کوائف اگرچہ دلچسپ ہیں لیکن ایڈیٹر تجلی شاید جماعت تبلیغی والوں سے کچھ اُدھار کھا گئے ہیں کہ، انہوں نے جبھی مجھ سے فرمایا تھا کہ ”دیکھو! جماعت تبلیغی کے معاملہ میں ملّائیت مت پھیلانا“۔ لہٰذا مجبوراً متعلقہ لطائف سے قطع نظر کر کے صرف آپ بیتی پر صبر کرونگا۔

پس دو ہی گھنٹے بعد ظہر کا وقت آیا اور ہم خانہ بدوشوں نے ایک جگہ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے اہل جماعت سے عرض کیا۔ کہ بندہ تو واپسی کی اجازت چاہتا ہے۔ سب نے کہا یہ کیوں؟ بندے نے کہا خود سوچ لیجئے۔ سب بولے صاف صاف بتاؤ، تب میں نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا:۔

”آپ حضرات تبلیغ کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ باہر نکلنے پر ایک نماز کا ثواب سات لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ لہٰذا ایک نماز میں نے پڑھ لی اور ثواب کا عظیم سرمایہ آخرت کے بینک میں جمع کر دیا۔ میری عمر اگر بو قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے فضل سے ستر برس کی ہو اور ایک سال کے تین سو پینسٹھ دن مان لئے جائیں اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ مجھ پر پیدا ہوتے ہی نماز فرض ہو گئی تھی تو فی دن پانچ نمازوں کے حساب سے ساری عمر کی ۱۲۷۷۵ نمازیں بنتی ہیں۔ لہٰذا سات لاکھ نمازوں کا ثواب تو میری پانچ پشتوں تک کو کافی ہوگا۔ اور دوسری طرف ایک روپیہ دے کر میں سات لاکھ روپیوں کی خیرات کا ثواب حاصل کر چکا ہوں۔ پس کیا اتنا ثواب نجات کے لئے کافی نہیں ہے؟“

کچھ ہنسے کچھ رو دئے۔ کچھ غصّہ ہوئے۔ آخر ایک معزز بھائی نے نہایت للّہیت سے کہا:۔

افسوس ملّا تم حدیث رسولؐ کا مذاق اڑاتے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے حضور نے متعدد اعمال پر ہزاروں گنا ثواب کی بشارت دی ہے۔ خود قرآن کہتا ہے کہ لیلۃ القدر خیرٌ من الف شھر (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) کیا اس میں بھی تم حساب کتاب کی پخ لڑاؤ گے؟“

میں نے عرض کیا:۔

”تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی طبع زاد باتوں کو قرآن اور حدیث کی جزوِ ایمان مان لو؟۔ خیر فدوی تو ترکید

نہیں کر رہا بلکہ اپنے ثواب کے ذخیرے پر نازاں ہے اور
ارادہ رکھتا ہے کہ اب اگلی ساری زندگی گناہ اور رنگ رلیوں
میں گذارے گا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ برائی کا بدلہ دینے میں
اللہ کے یہاں ضرب کا قاعدہ نہیں چلتا دو چار ہزار گناہ میں
نے کر بھی لئے تو سات سات چودہ لاکھ ثوابوں کے مقابلہ
میں ان کا کیا وزن ہوگا؟"

سب بھائی جھلا گئے۔ ایک نے فرمایا:-

"مودودیت کا یہی انجام ہے..... آیئے ہم لوگ چلیں"
اور چلنے لگے مگر جن بزرگ نے مذکورہ فقرے کہے تھے
میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا:-

"آپ نے بخاری پڑھی ہے؟" — فرمایا "نہیں" — میں
نے کہا "مشکوٰۃ؟" — بولے "نہیں" — میں نے کہا "شرح
وقایہ، کنز، منیۃ المصلی؟" — بولے "نہیں" — میں نے کہا۔
"گلستان، پند نامہ، قاعدہ بغدادی؟" — بولے — "ہاں
قاعدہ بغدادی اور کریما پڑھا ہے" — میں نے کہا "خیر-
کریما کے پہلے ہی شعر میں "کمندِ ہوا" کا لفظ آتا ہے اُسے
زعفرانی روشنائی سے ایک کاغذ پر لکھ لیجئے اور کاغذ کی
پشت پر قاعدہ بغدادی شریف اور اپنا نام مع والد
کے رقم فرما لیں۔ پھر روغنی کاغذ میں لپیٹ کر تعویذ بنائیں
اور سات مرتبہ "یا بو قلندر" پڑھ کر اسے بائیں بازو پر
باندھ لیں انشاء اللہ آسیب دور ہو جائے گا۔

چیخ کر بولے "کیسا آسیب؟" — میں نے کہا "وہی مولانا
مودودی کا!"

ستیاناس اس برجستہ فرمایا اور چند شرعی گالیاں دیں۔
مثلاً جہنمی، زندیق، قادیانی، چکڑالوی!
میں نے گالیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:-

"مجھے اندیشہ ہے کہ آپ حضرات کے منہ سے مرتے وقت
کہیں کلمہ کی جگہ مولانا مودودی کے نام گالی نہ نکل پڑے بہتر
ہوگا کہ پہلے کسی پیر فقیر سے یہ بھوت اُتروا لیجئے"

داستان لمبی ہوگئی۔ لیکن جواب استفتاء اب بھی نہ بنا حق
یہ ہے کہ فتویٰ دینا علماء کا کام ہے اور میں نالائق کیا فتویٰ
دوں گا کہ لے دے کے قاعدہ نورانی اور تعلیم الاسلام حصّہ
اوّل پڑھا ہے اور ان میں بھی تین سال تک مسلسل فیل ہوا
ہوں۔ چوتھے سال ایک تعویذ اجمیر شریف سے گیارہ روپے
پانچ آنے میں منگایا تب کہیں پاس ہوا۔ پاس ہو کر یہ سوچ
ہوئی کہ تعویذ کے روپے کسی طرح واپس ہونے چاہئیں
آخر قاعدہ نورانی اور تعلیم الاسلام حصّہ اوّل دونوں کی
مجموعی قیمت مشکل سے تین آنے ہوتی ہے کہاں کا انصاف
ہے کہ ان میں پاس ہونے کے لئے اتنے روپوں کا تعویذ
ہو۔ منگا تو اس مجبوری میں لیا تھا کہ والد صاحب نے فرمایا
تھا اب کی فیل ہوا تو لنگوٹی باندھ کے گھر سے نکال دوں گا
پہلے تو میں نے سوچا کہ یہ بھی کچھ برا نہیں کیا عجب لنگوٹی باندھ
کر میں بھی مہاتما گاندھی کی طرح پجنے لگوں مگر تیسرے دن
چھوٹی بہن سے معلوم ہوا کہ والد صاحب نے پروگرام تھوڑا
بدل دیا ہے یعنی اب لنگوٹی باندھ کر نہیں نکالیں گے۔ بلکہ ہاتھ
پیر باندھ کر کھونٹی میں لٹکائیں گے۔ اس خبر سے ہوش اڑ گئے
اور تعویذ منگایا۔ گو کہ والدہ کے روپے چرا کر منگایا مگر یہ ایک
قطعاً نجی اور ذاتی بات تھی۔

جو بندہ یا بندہ۔ محلہ میں ایک مسیتا خان رہتے تھے۔
بڑے جغادری صوفی۔ مغرب سے فجر تک مسلسل سوئیں بس
جتنی دیر مغرب کی نماز ہو وہ چوبیس گھنٹے کا راشن پیٹ میں
ڈال لیتے تھے۔ پھر قوالی اور پھر سونا۔ اللہ کا کرنا یوں کہ
انہیں کلیر شریف میں بمبئی کی ایک طوائف سے شدید عشق ہو گیا۔
بقول ان کے ظالم کی آواز لحن داؤدی تھی نغمہ سرمدی تھی وغیرہ
وغیرہ۔ جن اشعار پر عشق حملہ آور ہوا وہ یہ تھے۔

باتیں ہیں باطل یہ دو، احمد بے میم کو :: غیرِ خدا جاننا عین بشر دیکھنا

اور

اللہ کی قدرت میں قدرت کے سوا کیا ہے :: جو کچھ مجھے لینا ہے لیلونگا محمدؐ سے

اور

اک میم کا پردہ ہے تو کیا اس میں دھرا ہو :: ظاہر میں محمدؐ ہو تو باطن میں خدا ہے

اور

خواجہ پیا مری رنگ دے چندریا۔ ایسی رنگ دے رنگ ناہی چھوٹے

ــــ دھو بیا دھوئے چاہے ساری عمر یا۔

اور

پوچھیگا فرشتہ جب تو کون ہے؟ کہدونگا :: جا بھاگ میں بندہ ہوں سرکار دو عالم کا
اے خواجہ کلیر کیا تعریف کروں تیری :: تو عکس حقیقی ہے مختار دو عالم کا

فرمایا: مت پوچھو ملا۔ ظالم کیا کیا سُنا گئی۔ اور کس طرح سنا گئی۔ چکر میں تھا کہ شعروں کی روحانیت پہ غور کروں یا آواز کی دلکشی پر دھیان دوں یا ہاتھ پیروں کے لوچ اور طرز ادا کو دیکھوں۔ بس پھڑک رہا ہوں کبوتر کی طرح"

اور ایک بڑا دلدوز آہنگ دار سانس لیا جیسے غرغوں کر رہے ہوں۔ میں نے عرض کیا۔

"اب کیا ارادہ ہے غالباً خودکشی سے تو جنات کو دلچسپی ہوگی؟"

بولے ــ "حرام موت! توبہ توبہ۔ خودکشی تو میرے باپ نے بھی نہیں کی۔ حالانکہ انہیں ایک درجن سے زیادہ مرتبہ عشق کی کھاٹیوں سے گذرنا پڑا۔ اور میرے دادا تو سراپا عشق تھے۔ وہ جسے کہتے ہیں فی اللہ اور للہ"

میں نے مبارک باد دی ــ "ماشاء اللہ ایں خانہ ہمہ آفتاب رست! ــ یہ بتایئے اب علاج کیا سوچا ہے؟"

بولے ــ "حضرت خواجہ مدار بخش سے آٹھ دن کا وظیفہ لایا تھا۔ پڑھ کے ختم بھی کر چکا۔ روز ڈاکیہ کی راہ دیکھتا ہوں کہ شاید خط آئے مگر وہ ظالم تو بمبئی جا کے چپ ہو رہی ــ اب آپ ہی بتایئے کیا کروں جی چاہتا تھا بمبئی پہنچ لوں اور چوکھٹ پہ دھرنا دے کے بیٹھ جاؤں کہ لے بت طناز۔

یا تو ہمارے دل کو لوٹا دے یا پھر بیڑا پار لگا دے

مگر سسری بیوی ایسی ملی ہے کہ کیا کہوں ــــ آج ہی کل میں بارھویں برخوردار نازل ہونے والے ہیں ایسے میں گھر چھوڑ کر کیسے جاؤں۔ یہ خبیث نادر حسن جانتے کہاں چلا گیا، سنتے تھے بنگالہ جادو بہت زور کا کرتا ہے"

میں نے کہا ــ "ترس آتا ہے آپ پر۔ خیر میں نے حل نکال لیا ہے...."

اس کے بعد دس منٹ سے زیادہ دیر نہیں لگی کہ میرا تعویذ ان کے بازو پر تھا اور گیارہ روپے پانچ آنے میری جیب میں۔ آپ شاید مجھے احمق کہیں گے کہ صرف لاگت وصول کی حالانکہ ایسے فلک رسیدہ عاشق سے دوگنا چوگنا وصول کیا جا سکتا تھا۔

چند مفید اور قابل مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حصین حصین	۹/=	معارف القرآن دوم	۲۰/-	ترجمہ آخری چالیس سورتیں	۳/۱۵
شریعت و طریقت	۱۴/=	" " سوم	۲۰/=	بیاض یعقوبی	۱۵/=
اکابر کا احسان و سلوک	۲/۵۰	" " چہارم	۲۰/=	خطبۂ علمی	۱۰/۵۰
سیدہ کا لال	۵/=	تاریخ دیوبند	۱۰/=	ہزار مسئلہ	۲/۵۰
تذکرۃ الخلیل	۱۶/=	فلاح ملت	۶/=	مخدوم علی صابری کلیری	۳/=
جواہر الفقہ اول	۲۲/=	حکیم الاسلام اور انکی مجالس	۱۶/=	تفسیر رشیدی	۳/=
جواہر الفقہ دوم	۲۳/=	سردر حجاز	-/۷۵	اعجاز رقم	۳/۲۰
فیوض یزدانی	۲۵/=	عقیدت کے پھول	-/۵۰	اسمائے حسنیٰ کی برکات	۵/=
خطبات حنیف	۱۰/=	سعیدہ کشیدہ کاری	۱۱/=	تبلیغ دین محشی	۶/۵۰
رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی	۱۵/=	تاج محل کشیدہ کاری	۲/۷۵	ہمارے اسلاف	۲/۵۰
معارف القرآن اول	۳۰/=	فردوس کشیدہ کاری	۲/۷۵	خصائل نبوی	۱/۵۰

ناشر — مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرِ حق کی ۲۹ ویں منزل
اور
انتیسویں ۲۹ منزل کا پانچواں اقدام

فی شمارہ ——— ڈھائی روپے

اس شمارہ کی قیمت ——— پانچ روپے

عمومی زرِ تعاون چھ ماہ کے لئے ——— تیرہ روپے
" ایک سال کیلئے ——— چوبیس ۲۴ روپے
" دو سال کے لئے ——— بیالیس ۴۲ روپے
" تین سال کے لئے ——— ساٹھ ۶۰ روپے
" چار سال کے لئے ——— پچھتر ۷۵ روپے
" پانچ سال کے لئے ——— نوے ۹۰ روپے

خصوصی زرِ تعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔

☐ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سال بھر کے لئے از راہِ تعاون جو رقم ارسال کی تھی اس کی مدت ختم ہو چکی ہے تجلی کو اگر آپ نے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس ۲۴ روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنے کی اجازت دیں ورنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع کر دیں۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی۔ پی کر دیں گے اور وی۔ پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

ایڈیٹر پرنٹر پبلیشر حسن صدیقی نے، محبوب پریس دیوبند سے چھپوا کر دفتر رسالہ تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

اگست ـــــ ستمبر ـــــ اکتوبر ـــــ سنہ ۱۹۷۸ء

تجلیات

دستک

جو لوگ کسی دین کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں ان کی نفسیات کا لازمی تقاضا ہے کہ ان حضرات سے انھیں عقیدت ہو جو اس دین کے تعلق سے بزرگ قرار دیئے جاتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ ہوں یا شاہ جیلانی و خواجہ اجمیری۔ ان حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اس طاعتِ رب کا حق ادا کیا جو اسلام کو مطلوب ہے لہٰذا اسلام کو سینے سے لگانے والی امت کی نظروں میں معزز ٹھیرے۔ ان سے بالیقین مسلمانوں کو عقیدت و محبت ہوگی۔ مگر ہر عقیدت کی کچھ ضروری حدیں ہیں جن میں اسے محدود رہنا چاہیئے۔ ان حدوں کو اگر مبالغے کے تیشہ سے توڑ دیا جاتا ہے تو یہ مجرمانہ حرکت ہوگی جس سے اسلام نے روکا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کے پیغمبر تھے۔ ان کی عزت و عقیدت جس دل میں نہ ہوگی وہ سیاہ خانہ کہلائے گا۔ ان کی توہین کرنے والے کو خارج از اسلام قرار دیں گے مگر جو لوگ عقیدت کی افراط میں انھیں خدا کا بیٹا کہنے لگیں ان کے مجرم ہونے میں کیا شک ہے۔ وہ جائز حدوں سے آگے بڑھ گئے اسی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و محبت توعینِ اسلام ہے۔ ان کی اطاعت، اطاعتِ رب کے مرادف ہے۔ انھیں اپنے ماں باپ اور اپنی جانوں پر فوقیت دینا فرمانِ خداوندی ہے۔ ان پر جو قلب شیدا نہیں وہ مومن کا قلب ہی نہیں۔ ہزار ہزار صلوٰۃ وسلام ان پر۔ لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے بڑھاؤ چڑھاؤ نہیں۔ تعریف میں غلو مت کرو۔ شرک سے بچو۔ تمام عظمتیں اور تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ کوئی بھی تعریف و تعظیم بس ان حدوں میں درست ہے جو عبدیت و بشریت کی حدیں ہیں۔ الوہیت اور شانِ خدائی کا کوئی شائبہ کسی میں نہیں۔ توحید سب سے معظم و برتر حقیقت ہے اس پر حرف نہ آنے پائے۔

ماخوذ تجلی مارچ و اپریل ۱۹۷۴ء

ــــ ــــ ــــ

احوالِ واقعی

خیال یہ تھا کہ "بھٹو نمبر" میں وہ تمام مضامین اکٹھے کر دیئے جائیں جو پاکستان کے قابلِ اعتبار پرچوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ لیکن غیر معمولی تاخیر ہو جانے کی وجہ سے موضوع بامزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ لہذا بھٹو سے متعلق کئی مضامین کی اشاعت روک دی گئی ہے۔ اور بھٹو نمبر کو "خاص نمبر" میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس شمارہ کو خاص نمبر اس لئے سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کی ضخامت عام پرچوں کے مقابلہ میں تقریباً دوگنی ہے۔ ویسے قارئین یہ بات یقیناً محسوس کریں گے کہ اس شمارے میں شائع ہونے والے تمام ہی مضامین خاصے اہم ہیں۔ ممکن ہے کہ مضامین کی کشش اور افادیت اس غیر معمولی تاخیر کی بے مزگی کو رفع کر دے۔ ہم تو بہرحال شرمندہ ہیں ہی۔ اور اب تو معذرت و ندامت کا اظہار کرنے کے لئے الفاظ بھی نہیں ملتے ــ قارئین بس معاف کر دیں۔ ہماری مجبوریوں کو حقیقت سمجھ لیں تو ان کی عنایت ورنہ وہ جو بھی صلواتیں سنائیں اسی کے ہم سزاوار اور مستحق ہیں۔

ارادہ یہ تھا کہ یہ خاص نمبر کم از کم ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہو لیکن کاغذ پر اچانک دام بڑھ جانے کی وجہ سے کئی اہم مضامین کو خارج کر دیا ہے انشاء اللہ ان مضامین کو اگلے شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

ایک اندوہناک خبر:۔ قارئین تجلّی نے اکثر تجلّی کے پہلے ہی صفحہ پر "کتبہ علی اکبر" لکھا دیکھا ہو گا۔ یہ علی اکبر عثمانی مولانا عامر عثمانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ عید الفطر کے آٹھ روز بعد دل کا دورہ پڑ جانے کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ موصوف انتہائی شریف اور خوددار آدمی تھے انہوں نے ایک بیوہ اور آٹھ بچے چھوڑے ہیں جن کی کفالت کا بظاہر کوئی بندوبست نہیں۔ قارئین تجلّی دعا فرمائیں کہ پروردگار مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے بچوں کی کفالت کا پردۂ غیب سے بندوبست فرما دے ــ اور ان کے بچوں کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

حسن کمال احمد صدیقی
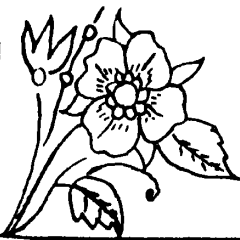
آغازِ سخن

چک منگلور کے ضمنی انتخابات میں اندرا گاندھی کی جیت کو جو اہمیت دی جا رہی ہے وہ صرف ہمارے لئے ہی باعثِ حیرت نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کے لئے باعث حیرت ہوگی جو عقلِ سلیم کے ساتھ ساتھ سینے میں صحیح و سالم ایمان رکھتا ہو۔

ماضی قریب ہی کی تو بات ہے جب اندرا گاندھی اور ان کے نالائق سپوت نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ایمرجنسی کے لیل و نہار کی کونسی ایسی ساعت تھی جو کسی مظلوم کی چیخ و پکار سے خالی گئی ہو۔ ہر دن ہر لمحہ ہر آن کسی نہ کسی پر مشقِ ستم کی جاتی تھی۔ کسی کا گھر گرا دیا کسی کا روزگار تباہ کر دیا۔ کسی کا وقار خاک میں ملا دیا۔ کسی کو جیل میں ٹھونس دیا۔ راجدھانی میں جو مظالم ڈھائے گئے تھے وہی اپنی مثال آپ ہیں۔ ان ہی کے رونما ہونے سے چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی لرز گئی ہوں گی۔

جماعتِ اسلامی ہو یا تبلیغی جماعت بریلوی حضرات ہوں یا دیوبندی اور اہل حدیث سبھی اندرا اور ان کے "لختِ بطن" کی ستم نوازیوں کا شکار ہوئے۔ ماسٹر پلان کی آڑ میں جو کچھ توڑ پھوڑ اور پھر اسی کے نتیجہ میں عوام پر جو ستم ڈھائے گئے تھے ان کی یاد آج بھی تر و تازہ ہے۔ اور آج بھی دل ان روح فرسا آفات سے لرز اٹھتا ہے جو ایمرجنسی کے شب و روز میں رونما ہو چکی تھیں۔

نس بندی کی تحریک چلاتے ہوئے جو قیامتیں ٹوٹی تھیں انھیں کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے۔ انھیں فراموش کر بھی دیا جائے تو یہ بات کیسے فراموش کی جا سکتی ہے کہ اندرا گاندھی نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب کا بیان ریڈیو سے نشر کرایا اور عوام اور علماء کے درمیان جو رشتہ عقیدت قائم تھا اسے ٹھیس پہونچائی۔ یہ سازش رنگ نہیں لا سکی اگر یہ سازش رنگ لے آتی تو عقیدت کے وہ تمام تاج محل منہدم ہو کر پاش پاش ہو جاتے کہ جن کی استواری اسلام کے حق میں باعثِ خیر اور جن کا انہدام اسلام کے لئے باعثِ شر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ اور ایسی فحش اور برہنہ حرکتیں کی گئی تھیں کہ تاریخ میں جس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ان سب باتوں کے باوجود اندرا گاندھی کی حالیہ کامیابی پر خوشی کے بگل بجانا۔ اور فرطِ مسرت میں اٹھلانا تعجب خیز بھی ہے اور عبرتناک بھی۔

جہاں تک عوام کا معاملہ ہے تو ان کی حرکات و سکنات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ وہ تو ہوتے ہی ہیں کالانعام ان سے اس بات کی توقع رکھنا تو فضول ہی ہے کہ وہ کوئی بھی اقدام کرتے وقت اسکے گرد و پیش کا جائزہ لے لیں۔ لیکن جب خواص میں سے کوئی بھی شخص ناسمجھی کا مظاہرہ کرے تو حیرت و افسوس کی انتہا نہیں رہتی۔

ہفت روزہ نشیمن کے مدیر عثمان اسد صاحب ہمارے نزدیک خواص ہی میں شامل ہیں کئی خصوصیات کی بنا پر انھیں یک گونہ فوقیت حاصل ہے۔ عام حالات میں وہ حق و صداقت کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔ مذہب اسلام سے بھی انھیں گہری وابستگی ہے اور اس کا اظہار وہ نشیمن کے

ہر شمارے میں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن نیرنگئ زمانہ دیکھئے یہی حضرت اندرا گاندھی کے قصیدے الاپتے وقت ماضی کی ہر حقیقت کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اور اندرا گاندھی کا ذکر کچھ اس انداز میں کرتے ہیں جیسے اس سے زیادہ ایمان دار صاحب تقویٰ عورت دنیا میں آج تک پیدا ہی نہیں ہوئی۔

اندرا گاندھی کی بے جا تعریف کی ہم تاویل کر لیتے یہ سوچکر کہ عثمان اسد مرد ہیں اور عورت ہر مرد کی کمزوری ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تاویل کیا کی جائے کہ عثمان صاحب ایمر جنسی میں ہونے والی کسی بھی گھناؤنی کا یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ایمرجنسی میں مظالم سرے سے ہوئے ہی نہیں بلکہ اندرا کے کچھ مخالفین کہانیاں اور قصے گھڑ لئے ہیں تاکہ ان کا سہارا لے کر اندرا جیسی محترم صفت عورت کو رسوا کیا جا سکے — ان کی بعض تحریریں پڑھ کر تو ہم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جب کسی قوم پر خدا کا عذاب آتا ہے تو اس قوم کے رہنماؤں کی عقل سر کے بجائے ایڑیوں میں آجاتی ہے اور وہ غلط سلط باتیں کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں — ۵ نومبر کی اشاعت میں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اسے پڑھ کر دل و دماغ لرزکر رہ گئے — ارشاد عالی اس انداز میں شروع ہوتا ہے۔

> اندرا کی ایمرجنسی کے وہی لوگ دشمن ہیں جو سود کی شکل میں غریبوں کا خون چوس کر موٹے ہو رہے تھے جو اناج کا مصنوعی قحط پیدا کر کے تجوریاں بھر رہے تھے جو رشوت لیکر مکان پر مکان تعمیر کر رہے تھے جو اسمگلنگ کر کے ملک کے اقتصادی ڈھانچے کو کھوکھلا کر رہے تھے جو ہڑتالیں کروا کے پیداوار کو کم کر رہے تھے جو مزدوروں کو اکسا کر کام بند کروا رہے تھے جو طلباء کو بھڑکا کر قومی جائیداد کو نقصان پہونچا رہے تھے جو سماج دشمن عناصر کی ہمت افزائی کر کے ہر چیز کو تباہ کر رہے تھے جو فرقہ وارانہ فسادات کروا کے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر برباد اور مالی طور پر کمزور کر رہے تھے جو دفتروں میں گپیں ہانک کر تنخواہ لینے کے عادی تھے جو مختلف طریقوں سے انکم ٹیکس اور محصول میں چوری کر رہے تھے۔ اندرا کی ایمرجنسی نے سب کو درست کر دیا قیمتیں کم ہو گئیں۔ ہر چیز مناسب دام پر ملنے لگی ہر جگہ ڈسپلن آگیا گاڑیاں وقت پر چلنے لگیں ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرنے لگا ہڑتالیں گدھوں کے سر سے سنگ کی طرح غائب ہو گئیں شر پھیلانے والے تمام کے تمام سلاخوں کے پیچھے چلے گئے۔ دادا لوگ نمازی ہی بن گئے اور سٹے والے اپنا کاروبار بند کر کے مونگ پھلی فروخت کرنے لگے ایمرجنسی نے بوگس لیڈروں کا ڈبہ گل کر دیا اگر یہ ساری چیزیں بری تھیں تو واقعی ایمرجنسی بری تھی اگر نہیں تو وہ لوگ برے اور بدمعاش ہیں جو ایمرجنسی کو برا کہتے ہیں۔

لاحول ولا قوۃ۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ تمام علماء اور صلحاء بھی برے اور بدمعاش ہو گئے جو ایمرجنسی سے پریشان تھے اور ایمرجنسی پر لعنتیں بھیجنے کے ساتھ اندرا گاندھی کی بھی مذمت کرتے رہتے تھے — ایمرجنسی میں بلاشبہ کچھ کام ایسے بھی ظہور میں آئے کہ جن کی تعریف نہ کرنا حقائق سے روگردانی کرنے کے مترادف ہوگا لیکن یہ واویلا کرنا حماقت اور جہالت کے سوا کچھ نہیں کہ ایمرجنسی میں ہر طرف خیر و سلامتی ہی کی بارش ہو رہی تھی فسق و فجور اپنی موت مر چکے تھے۔ ہر شخص اللہ والا ہو گیا تھا۔ اور خدا کا ہر بندہ ایمرجنسی اور اندرا گاندھی سے مطمئن تھا۔ یہ بات بھی سو فی صد جھوٹ اور غلط ہے کہ ایمرجنسی کے ایام میں جن لوگوں کو جیلوں میں ٹھونسا گیا وہ سب کے سب شرپسند اور فسادی تھے —

اور وہ سب اولیاء اللہ تھے جنھیں جیلوں سے باہر رکھا گیا تھا۔ مدیر نشیمن نے یہ لکھ کر کہ دادا لوگ نمازی بن گئے تھے۔ یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ غنڈے اور اوباش لوگ صرف مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو پھر مدیر نشیمن کو یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ کچھ دادا نمازی بن گئے تھے اور کچھ دادا لوگوں نے مندر کی گھنٹی بجانے کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ ہم اس تحریر کو پڑھکر اس سے زیادہ اور کیا عرض کریں کہ یہ باتیں ایک عورت کی طرفداری میں کہی گئی ہیں اور عورت کی حمایت و طرفداری کرتے وقت دانش مند لوگ بھی "سر پھرے" ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور پھر ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی عاقلانہ بات زبان سے نکالنے کے "مجرم" ہو سکیں گے۔

۱۱ نومبر کی اشاعت میں انہوں نے چک منگلور کے الیکشن پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے خالص اُردو میں یہ فرمایا ہے:

> ۱۶ اکتوبر کو جب اندرا گاندھی نے چک منگلور میں نامزدگی کے کاغذات داخل رہے تھے تو ہم نے پورے یقین کے ساتھ کہدیا تھا کہ اندرا گاندھی الیکشن جیت جائیں گی اور جنتا کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔
>
> ہو سکتا ہے کہ ہماری باتوں پر کم لوگوں کو یقین آیا ہو۔ لیکن ہم جانتے تھے کہ جنتا والے کتنا ہی پروپیگنڈہ کرلیں ایمرجنسی کی کتنی ہی دہائی دیں گھر گھر پھر کر کتنی ہی قدم بوسی کریں جلسوں اور جلوسوں کی کتنی ہی بھرمار کریں لوگوں کے دل و دماغ کو بدلنے کی کتنی ہی کوشش کریں حالات کو کشیدہ اور ماحول کو خوف زدہ کرنے کی کتنی ہی جد وجہد کریں مرکز کے کتنے ہی وزیروں کو بلالیں اور آخری مرحلہ میں نیچے سر اور اوپر پیر کرکے لٹک جائیں تو وہ کامیاب نہیں ہونگے۔

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد انہوں نے اپنے اندازوں کے صحیح ہو جانے اور اندرا گاندھی کے کامیاب ہو جانے پر خدا کا شکر بھی ادا کیا ہے۔ یعنی اُس عورت کی کامیابی پر خدا کا شکر ادا کیا ہے جس عورت نے ماضی قریب ہی میں مسلم پرسنل لا کو تہس نہس کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس نے مولانا طیب صاحب کا بیان نشر کرا کے دار العلوم دیوبند کو اور دار العلوم دیوبند کی آڑ میں پورے اسلام کو دنیا بھر میں بدنام کرایا تھا۔ جس نے بریلوی اور اہل حدیث حضرات کو محض اس لئے جیلوں میں بھر دیا تھا کہ وہ نس بندی جیسی شرمناک تحریک کی تائید نہیں کر سکے تھے۔ جس نے جماعتِ اسلامی سے متعلق ہزاروں صلح پسند مسلمانوں کو بے وجہ نظر بند کر رکھا تھا۔ اور پولیس کو ان کے ساتھ بند کمروں میں ناروا حرکتیں کرنے کی اجازت دی تھی۔ جس نے مولانا اسعد کو اس لئے دھتکار کر اپنی کوٹھی سے باہر نکال دیا تھا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے کوئی فریاد لے کر پہونچ گئے تھے۔ جس نے جامع مسجد دہلی کی مارکیٹ کو توڑ کر مسلمانوں کی معیشت کو تباہ کیا۔ اور ان کے مابین اور علاقہ جو اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی تھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس نے مولانا ابو الکلام آزاد کی مزار کے قریب ایک جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ ہم مسلمانوں سے صدیوں کے انتقام لے رہے ہیں۔ ایسی عورت کی کامیابی پر شکر کے سجدے لٹانا عثمان اسد صاحب کے نزدیک عین دانش مندی ہی ہمارے نزدیک اور ہندوستان کے ان گنت مسلمانوں کے نزدیک نادانی حماقت ہے خبط ہے۔

مدیر نشیمن کی طرح ہمیں بھی اس بات کا یقین تھا کہ چک منگلور کے الیکشن میں کامیابی کا سہرا اندرا اور کانگریس کے سر بندھے گا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم اندرا کو "حقانیت کی پتلی" اور چک منگلور کے عوام کو "عقلِ کل" تصور کرتے تھے۔ بلکہ اس کی سیدھی سادی وجہ عوام کی پرانی ذہنیت سے واقفیت تھی۔ ہم جانتے تھے کہ ہندوستانی عوام حال میں غلطیاں کر کے ماضی کو روتے ہوئے آئے ہیں۔ ان بے چاروں کو اس بات کی تمیز ہی نہیں کہ کون

اپنا ہے اور کون ہے پرایا۔ کون دشمن ہے اور کون خیر خواہ ہے۔ بالخصوص مسلمان اس بارے میں بالکل بے حس اور بے سمجھ واقع ہوئے ہیں۔ جن سوراخوں سے وہ ڈسے جاتے ہیں ان سوراخوں میں انگلیاں دینا ان کا خاص شغلہ ہوتا ہے۔ جن راہوں میں وہ پیٹتے ہیں خوار ہوتے ہیں ان راہوں پر چلنا۔ اور ان راہوں سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ ہونا ان کی کہنہ روش ہے۔ اگر مسلمان اس درجہ بے سمجھ اور بے حس نہ ہوتے تو آج کابینہ میں ان کے افراد کی کثرت ہوتی۔ وہ ہندوستان کے سب سے بڑی اقلیت ہوتے ہوئے سب فرقوں سے ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ اور سب فرقوں سے زیادہ مرگِ مفاجات کا شکار ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سیاست کے میدان میں مسلمان کچی گولیاں کھیلتے ہیں یا آسانی سے فروخت ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق سے باخبر شخص کسی بھی انتخاب کے موقعہ پر اگر پہلے ہی سے یہ سمجھ لے کہ حماقتیں پھر سرزد ہوں گی۔ جیت پھر ظالم ہی کی ہوگی ۔۔ لوگ ان سوراخوں میں پھر انگلیاں ٹھوسیں گے جن سوراخوں سے وہ نقصان اٹھا چکے ہیں ۔۔ تو کوئی خلافِ عقل بات نہیں۔ ہاں یہ بات یقیناً خلافِ عقل ہوگی کہ آدمی کسی بھی ظالم کی فتح کو خدا کا انعام سمجھ کر سجدے میں گر پڑے ۔۔ اور ظالم کی بحالی پر شکر گذار بن جائے۔

جنوبی ہند کے عام باشندے اگر اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ایمرجنسی کے سیاہ فام ساعتوں میں عوام کی اور بالخصوص مسلمانوں کی کیا کیا درگت بنی ہے تو کوئی شکایت کی بات نہیں ۔۔ لیکن اگر عثمان اسد جیسے مدیرانِ جرائد تو بھی ان مظالم و مصائب سے بے خبر ہیں جو ایمرجنسی میں شمالی ہند کے باشندوں پر ڈھائے گئے تھے تو ہمیں شکایت بھی ہوگی۔ غصہ بھی آئے گا۔ اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ جنوبی ہند میں رہنے والا بے خبر کوئی بھی مدیر اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ شمالی ہند کے بارے میں اپنی زبان کھولے ۔۔ ایمرجنسی میں عثمان اسد صاحب یقیناً محفوظ ہوں گے۔ ان کے گھر بھی یقیناً خیر و سلامتی ہوگی امن ہوگا۔ لیکن انہوں نے کس دلیل کی بنا پر یہ یقین کر لیا ہے کہ اگر ان کا مکان محفوظ تھا تو ساری ہندوستان تھا۔

ایمرجنسی میں ان کے تین وقت پیٹ بھر کھانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شمالی ہند کے تمام باشندے بھی خوب پیٹ بھر بھر کے کھانے کھا رہے تھے اور کوئی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں تھا۔ مسلمانوں کی بدنصیبی ہے کہ ان کے لیڈر سیاست داں اپنی گھر کے پیمانے سے پورے مسلم معاشرے کو ناپنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس عینک سے ساری دنیا کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جسکو آنکھوں میں چڑھا کر اپنے گھر کی خوشحالی کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا ۔۔ ڈھٹائی دیکھئے کہ ایمرجنسی کے تمام مظالم کو مدیرِ نشیمن من گھڑت قصے قرار دے دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> انہوں نے جنتا والوں نے سب سے پہلے
> ایمرجنسی کے مظالم کی فرضی، من گھڑت
> اور لغو کہانیاں سنانی شروع کیں اور اندرا
> کو ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش کی۔

دیکھا آپ نے۔ مدیرِ نشیمن یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ جنتا پارٹی نے ایمرجنسی کے ایام میں ہونے والے جن جن مظالم کا ذکر کیا ہے وہ سب فرضی اور من گھڑت ہیں۔ ان میں واقفیت اور صداقت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ گاؤں در گاؤں اور شہر در شہر انسانوں کو پکڑ پکڑ کر جو خصی کیا گیا تھا وہ سب کیا تھا۔ کیا وہ انعامات تھے۔ کیا وہ حرکتیں منجملہ ظلم و ستم نہیں تھیں؟ کیا یہ سب من گھڑت قصے تھے؟ کیا مدیرِ نشیمن شمالی ہند کے رہنے والے عوام کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہیں؟ کیا حقائق کا جھٹلانا ہی دانش مندی کی اعلیٰ قسم ہے؟ آخر مدیرِ نشیمن کا مقصد کیا ہے!

رہی اندرا گاندھی کو ذمہ دار ٹھہرانے والی بات تو وہ واقعی غلط ہے۔ اندرا گاندھی کو کسی بھی ظلم و زیادتی کا ذمہ دار ٹھہرانا تو اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اندرا از خود اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوگئی ہوں اندرا

(بقیہ بر صفحہ ۱۳)

سیرتِ سرورِ عالم

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اخلاقی تعلیمات

دعوتِ اسلامی نے یہ عقائد اتنے مدلل اور مؤثر طریقے سے پیش کرنے کے ساتھ اخلاق کا بھی ایک نہایت واضح تصور لوگوں کے سامنے رکھ دیا جس سے قرآن کے سننے اور پڑھنے والے ہر شخص کو صاف صاف معلوم ہو گیا کہ اسلام۔ کس قسم کے اخلاق پسند اور کس قسم کے ناپسند کرتا ہے، انسانیت کا کونسا نمونہ اس کے نزدیک برا ہے جسے وہ بدلنا اور مٹانا چاہتا ہے اور کونسا نمونہ اچھا ہے جسے وہ تیار کرنا، اور پروان چڑھانا اور فروغ دینا چاہتا ہے برائی اس کی نگاہ میں کیا ہے، کیا اس کے پیدا ہونے کے اسباب ہیں۔ کیا شکلیں وہ انسانی زندگی میں اختیار کرتی ہے، اور کیا چیزیں اُسے نشو نما دیتی ہیں، اس کے برعکس بھلائی اس کی نظر میں کیا ہے۔ کیا چیز اس کا سرچشمہ ہے، کس طرح اس کے ظہور کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور کن شکلوں میں اس کا ظہور ہوتا ہے، اس نے بتایا کہ اسلام کا مقصد ہی برائی کے اسباب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور بھلائی کی راہوں کو ہموار کرنا ہے، زیادہ سے زیادہ کشادہ کرنا اور افراد سے لیکر معاشرے تک ہر شعبۂ حیات میں برائیوں کی جگہ بھلائیوں کو قائم کرنا ہے یہ بیان اسلامی دعوت میں اتنا مفصل اتنا صریح، اتنا دل نشین اور عقلِ عام کے لئے اس قدر قابل فہم تھا۔ کہ جاہلیت کے معاشرے میں صدیوں سے جو لوگ اخلاقی پستیوں میں مبتلا تھے۔ ان کے لئے بھی یہ سمجھنا کچھ دشوار نہ تھا کہ واقعی انسانیت کا وہ نمونہ بدترین ہے جسے اسلام برا کہہ رہا ہے اور وہی نمونہ بہترین ہے جس کے

سانچے میں وہ افراد اور معاشرے کو ڈھالنا چاہتا ہے۔

اخلاق کے مسئلے میں چند بنیادی حقائق

اس سلسلے میں سب سے پہلے چند حقائق لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے تاکہ اخلاق کا مسئلہ بنیادی طور پر انکی سمجھ میں آجائے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

(الشمس، تا۱۰)

اور قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا۔ پھر اس کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہو گیا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

⁂

نفس انسانی کو ہموار کرنے سے مراد یہ ہے کہ خالق نے اس کو ایسا جسم عطا کیا کہ جو اپنے قامت راست، اپنے ہاتھ، پاؤں۔ اور اپنے دماغ سے انسان کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے موزوں ترین تھا اس کو دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کے ایسے حواس عطا کئے جو اپنے تناسب اور اپنی .... خصوصیات کی بنا پر اس کے لئے بہترین ذریعۂ علم بن سکتا ہے۔ اس کو قوت فکر و عقل، قوت استدلال و استنباط۔ قوت خیال، قوت حافظہ قوت تمیز، قوت فیصلہ، قوت ارادی، اور دوسری ایسی ذہنی قوتیں عطا کیں۔ جس کی بدولت دنیا میں اس کام کے قابل ہوا۔ جو انسان کے کرنے کا ہے، اُسے جبلی بدمعاش اور پیدائشی گناہگار بنا کر نہیں، بلکہ راست اور سیدھی فطرت پر پیدا کیا اور اس کی ساخت میں کوئی خلقی کجی نہیں رکھ دی۔ کہ وہ سیدھی راہ اختیار کرنا چاہے بھی تو نہ کر سکے۔

الہام کا لفظ اصطلاحاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تصور یا خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے نفس انسانی پر اس کی بدی اور نیکی و پرہیزگاری الہام کر دینے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ اس کے اندر خالق نے نیکی بدی، دونوں کے رجحانات و میلانات رکھ دیئے ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے، جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیئے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اور کوئی چیز برائی۔ اچھے اخلاق و اعمال اور بُرے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں۔ فجور (بدکاری) ایک قبیح چیز ہے اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز یہ تصورات انسان کے لئے اجنبی۔ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی فطرت ان سے آشنا ہے اور خالق نے برے بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اس کو عطا کر دی ہے۔

تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا، ابھارنا، اور نشو نما دینا، اور تدسیہ کا مطلب ہے، دبانا چھپانا، بہکانا اور گمراہ کر دینا، آیت میں یہ بات فیصلہ کن طریقے سے کہی گئی ہے کہ انسان کی فلاح اور نامرادی کا سارا انحصار اس سوال پر ہے کہ اللہ نے جو قوتیں دی ہیں، انہیں استعمال کر کے وہ اپنے نفس کے اچھے اور بُرے رجحانات میں سے کن کو اُبھارتا اور کن کو دباتا ہے۔ فلاح صرف اس شخص کے لئے ہے جو اپنے نفس کو فجور سے پاک کرے، اس کو ابھار کر تقویٰ کی بلندیوں پر لے جائے اور اس کے اندر بھلائیوں کو نشوونما

دے، اس کے برعکس، مراد ہے وہ جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والی نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشوونما دینے کے بجائے ان کو دبائے، اس کو بہکا کر برائی کے رجحانات کی طرف لے جائے اور فجور کو اس پر غالب کر دے کہ تقوے اس کے نیچے اس طرح چھپ کر رہ جائے جیسے ایک لاش قبر کے مٹی ڈال دینے کے بعد چھپ جاتی ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر ۲۔۳)	ہم نے انسان کو (ماں باپ کے) ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہم نے اسے راستہ دکھایا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

* * *

ماں اور باپ کے مخلوط نطفے سے تو انسان کی طرح جانور بھی پیدا ہوتا ہے، مگر انسان اور جانور میں فرق یہ ہے کہ جانور اس دنیا میں امتحان کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے اور انسان امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اسی وجہ سے جانوروں کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اس کو سمیع و بصیر بنایا، یعنی علم و عقل کی طاقتیں بخشیں۔ تاکہ وہ امتحان کے قابل ہو سکے، پھر محض یہی طاقتیں دے کر اسے چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس کی رہنمائی بھی کی تاکہ وہ یہ جان لے کہ بندۂ خدا ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے شکر کا راستہ ہے، اور کفر (ناشکری) کا راستہ کونسا۔ اب اس کا امتحان اس امر میں ہے کہ دونوں راہوں کے فرق سے آگاہ ہونے کے بعد وہ اپنی طاقتوں سے کام لے کر شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا کفر کی راہ۔

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد ۸ تا ۱۰)	کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیئے؟

یعنی کیا ہم نے اس کو علم و عقل کے ذرائع نہیں دیئے؟ دو آنکھوں سے مراد گائے بھینس کی آنکھیں نہیں، بلکہ وہ انسانی آنکھیں ہیں۔ جنھیں کھول کر وہ دیکھے تو ہر طرف وہ نشانات نظر آئیں جو حقیقت کا پتہ دیتے ہیں۔ اور صحیح و غلط کا فرق سمجھاتے ہیں۔ زبان اور ہونٹوں سے مراد بھی محض بولنے کے آلات نہیں ہیں، بلکہ نفس ناطقہ ہے جو ان آلات کی پشت پر سوچنے سمجھنے کا کام کرتا اور ان سے اظہار مافی الضمیر کا کام لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے محض عقل کی طاقتیں عطا کر کے اسے یونہی چھوڑ دیا کہ اپنا راستہ خود تلاش کرے بلکہ اس کی رہنمائی کے لئے اس کے سامنے بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی کے دونوں راستے بھی نمایاں کر کے رکھ دیئے تاکہ وہ خوب سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (التین ۴ تا ۶)	ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر الٹا پھیر کر ہم نے اسے سب نیچوں سے نیچ کر دیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ اعلیٰ درجے کا جسم عطا کیا ہے۔ جو کسی دوسری جاندار مخلوق کو نہیں دیا۔ اور اسے فکر و فہم اور علم و عقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی ہیں۔ جو کسی دوسری

مخلوق کو نہیں بخشیں، مگر جب وہ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے جسم اور ذہن کی طاقتوں کو برائی کے راستے میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پھر برائی ہی کی توفیق دیتا ہے، اور گراتے گراتے گراوٹ کی اس انتہا کو پہنچا دیتا ہے کہ کوئی ارذل ترین مخلوق بھی اس تک نہیں پہنچی۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی معاشرے کے اندر بکثرت مشاہدے میں آتی ہے، حرص، طمع خود غرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیض و غضب اور ایسی ہی دوسری خصلتوں میں سے جس خصلت میں بھی آدمی مستغرق ہوتا ہے اخلاقی حیثیت سے فی الواقع سب نیچوں سے نیچ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف اسی ایک بات کو دیکھئے کہ ایک قوم جب دوسری قوم کی دشمنی میں اندھی ہو جاتی ہے تو کس طرح درندگی میں سب درندوں کو مات کر دیتی ہے درندہ تو صرف اپنی غذا کے لئے کسی جانور کا شکار کرتا ہے جانوروں کا قتل عام نہیں کرتا، مگر انسان خود اپنے ہی ہم جنس انسانوں کا قتل عام کرتا ہے۔ درندہ صرف اپنے پنجوں اور دانتوں سے کام لیتا ہے۔ مگر یہ احسن تقویم پر پیدا کیا ہوا انسان اپنی عقل اور قوتِ ایجاد سے کام لے کر ایک سے ایک مہلک ہتھیار بناتا چلا جاتا ہے تاکہ پوری پوری بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دے، درندہ صرف زخمی یا ہلاک کرتا ہے، مگر انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کو اذیت دینے کے ایسے ایسے دردناک طریقے اختراع کرتا ہے جن کا تصور بھی کسی درندے کے دماغ میں کبھی نہیں آسکتا۔ پھر یہ اپنی دشمنی اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے کمینہ پن کی اس انتہا کو پہنچتا ہے کہ دشمنوں کی عورتوں کے ننگے جلوس نکالتا ہے۔ ایک ایک عورت کو دس دس بیس بیس آدمی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کے سامنے ان کی بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کی عصمت لوٹتے ہیں۔ بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے قتل کرتے ہیں۔ ماؤں کو اپنے بچوں کے خون پینے پر مجبور کرتے ہیں۔ انسانوں کو زندہ جلاتے اور زندہ دفن کرتے ہیں، دنیا میں وحشی سے وحشی جانوروں کی بھی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو انسانوں کی اس وحشت کا کسی درجے میں بھی مقابلہ کر سکتی ہو، یہی حال دوسری بری صفات کا ہے، کہ ان میں سے جس طرف بھی انسان رُخ کرتا ہے، اپنے آپ کو ارذل المخلوقات ثابت کر دیتا ہے حتیٰ کہ مذہب جو انسان کے لئے مقدس ترین شے ہے اس کو بھی وہ اتنا گرا دیتا ہے کہ درختوں اور جانوروں اور پتھروں کو پوجتے پوجتے پستی کی انتہا کو پہنچ کر مرد و عورت کے اعضائے جنسی تک کو پوج ڈالتے ہیں، اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے عبادت گاہوں میں دیوداسیاں رکھتا ہے جن سے زنا کا ارتکاب کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے جن ہستیوں کو وہ معبود کا درجہ دیتا ہے ان کی طرف اس کی دیو مالا میں ایسے گندے قصے منسوب ہوتے ہیں جو ذلیل ترین انسانوں کے لئے بھی باعث شرم ہیں۔

ان حقائق کو بیان کرنے کے ساتھ قرآن نے واضح طور پر نفسِ انسانی کی تین الگ الگ قسمیں بیان کیں۔ اب نفس امارہ، جو آدمی کو برائیوں پر اکساتا ہے (یوسف۔۵۳) دوسرا نفس لوامہ جو انسان کو برائی کے خیال خواہش ارادے اور فیصلے تک ہر مرحلے پر ٹوکتا ہے اور اور اس کا ارتکاب کر گزرنے کے بعد ملامت کرتا رہتا ہے۔ (القیامہ۔۲) تیسرا النفس مطمئنہ، جو

پورے اطمینان قلب کے ساتھ برائی کی راہ چھوڑ کر بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے اور اسے اس بات پر کوئی حسرت لاحق نہیں ہوتی۔ کہ اس نے برائی لذتوں اور فائدوں کو چھوڑ کر اور بھلائی کی خاطر کیوں محرومیاں، قربانیاں، تکلیفیں و مصیبتیں برداشت کیں۔ اس پر حسرت تو درکنار، اس کا دل اس بات پر خوش ہوتا ہے۔ کہ وہ برائی کی گندگی سے بچ گیا۔ اور بھلائی کی پاکیزگی اسے حاصل ہو گئی۔ اسی تیسری قسم کے نفس قرآن نے خدا کا پسندیدہ نفس قرار دیا۔ اور اسے جنت کی۔ خوشخبری سنائی ہے، (الفجر ۲۷ تا ۳۰)

اسبابِ ضلالت

اس کے بعد قرآن میں ایک ایک کر کے ان اسباب کو بیان کیا گیا۔ جن کی بدولت انسان بالعموم گمراہی میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ اور جو قرآن کے اولین مخاطب کفار قریش اور عام کفار عرب کی بھی گمراہی کے اسباب تھے،

باپ دادا کی اندھی تقلید

ان میں سے اولین چیز دین آبائی کی اندھی تقلید ہے جو صرف اس بنا پر کی جاتی رہی ہے کہ باپ دادا سے ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور کبھی خود اپنی عقل سے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی کہ باپ دادا جو کچھ کرتے تھے، وہ درست اور معقول بھی تھا یا نہیں۔ اس اندھی تقلید کے لئے کوئی دلیل اس کے سوا نہ تھی۔ کہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن نے تاریخ سے مثالیں پیش کیں جب حضرت ہودؑ نے عاد کو ان کی بے راہ روی پر ٹوکا اور انہیں راہ راست پر آنے کی تلقین کی تو انہوں نے صرف یہ کہہ کر ان کی تمام دلیلوں اور نصیحتوں کو رد کر دیا۔ کہ "کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے، کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟" (الاعراف ...) حضرت صالحؑ نے جب ثمود کو سمجھانے کی کوشش کی تو ان کا جواب یہ تھا، کہ اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے درمیان تو ایسا شخص تھا جس سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے، ؟ جس طریقے کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہمیں سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال دیا ہے" (ہود ۶۲) حضرت شعیبؑ نے جب اہل مدین کو ان کی صریح گمراہیوں پر متنبہ کیا تو ان کا جواب بھی یہی تھا۔ کہ اے شعیبؑ کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے۔ کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں" (ہود ۸۷) حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ "یہ کیسی مورتیں ہیں۔ جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟" تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا، کہ "ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے"۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس پر ان سے صاف کہہ دیا کہ "تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے" (الانبیاء ۵۲ تا ۵۴) حضرت ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہاری دعاؤں کو سنتے بھی ہیں۔؟ اور تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں،؟ تو ان کا جواب یہ تھا کہ ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ ہم تو یہ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے، (الشعراء ۷۲ تا ۷۴) حضرت موسیٰؑ نے جب کھلے کھلے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس

اس کے درباریوں کو دعوتِ حق دی، تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ "کیا تو ہمارے پاس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ (یونس۔ ۷۸) ان مثالوں کو پیش کرتے ہوئے قرآن مجید نے بتایا کہ تمام جاہل قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو اسی حجت سے حجت سے رد کیا ہے۔ چنانچہ پہلی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سب ہی نے اپنے انبیاء کی صاف صاف دلیلوں، نصیحتوں، فہمائشوں کا اگر کوئی جواب دیا تو یہ کہ "تم کچھ نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے انسان، چاہتے یہ ہو کہ ہم کو ان معبودوں کی بندگی سے روک دو، جنکی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں" (ابراہیم۔ ۱۰) دوسری جگہ فرمایا "اسی طرح اے نبی، تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی خبردار کرنے والا بھیجا، اُسے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا۔ کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ہر نبی نے ان سے پوچھا کیا تم اسی ڈگر پر چلتے رہو گے، خواہ میں اس راستے سے زیادہ سیدھا راستہ تمہیں بتاؤں، جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، ؟ انہوں نے سارے رسولوں کو یہی جواب دیا۔ کہ جس چیز کی طرف بلانے کے لئے تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے کافر ہیں۔" (الزخرف ۲۳، ۲۴) اور یہ کچھ پچھلی قوموں ہی کا حال نہیں تھا، بلکہ ہر زمانے کے جاہل لوگوں کا یہی طریقہ ہے اور رہا ہے کہ وہ کسی علم اور ہدایت اور روشنی دکھانے والی کتاب کے بغیر اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں کہ نہیں۔ بلکہ ہم اس طریقے کی پیروی کریں گے۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ شیطان ان کے باپ دادا کو جہنم کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو (لقمان ۔ ۲۰ ۔ ۲۱)۔

یہ مثالیں پیش کر کے قرآن نے براہِ راست قریش اور اہلِ عرب کو متنبہ کیا کہ تم بھی انہی لوگوں کی طرح ہو، نہ خود اپنی عقل سے کام لے کر یہ سوچتے ہو کہ جس مذہب کی پیروی کر رہے ہو، یہ صحیح بھی یا نہیں، اور نہ دلیل و حجت کیساتھ تمہارے مذہب، رسوم اور اطوار کی جو غلطی تمہیں سمجھائی جاتی ہے اس پر کچھ غور کرتے ہو، بس صرف ایک وجہ سے ایک غلطی چیز پر اصرار کر رہے ہو، کہ یہ باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے سورۃ صافات میں فرمایا۔ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ لہٰذا یہ انہی کے پیچھے دوڑ چلے، حالانکہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ گمراہ ہو چکے تھے، (آیات ۶۹ تا ۷۱) سورۂ ہود میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا "تم ان معبودوں کی طرف کسی شک میں نہ رہو، جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ بس اسی طرح عبادت کئے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے، (آیت ۱۰۹) برہنگی دعریانی جیسی کھلی شرمناک بات پر جب قریش اور اہلِ عرب کو ٹوکا گیا اور انہیں اس بات پر شرم دلائی گئی کہ کعبہ کی طرف بھی وہ برہنہ طواف کرنے میں تامل نہیں کرتے جس سے زیادہ صریح گھناؤنا فعل کوئی نہیں ہو سکتا تو انہوں نے اسے بھی تقلیدِ آبائی کی بنیاد پر جائز ٹھہرانے کی کوشش کی۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے۔ جب یہ لوگ کوئی شرمناک کام کرتے ہیں، تو کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے، اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو۔ اللہ بے حیائی کا کبھی حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کو تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ان کا حکم دیا ہے" ؟ (آیت ۲۸)

کفارِ عرب طرح طرح کی غیر معقول جاہلانہ رسموں پر جمے ہوئے تھے، اور بلا کسی دلیل کے یہ سمجھے بیٹھے تھے، کہ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ ہیں۔ اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس تعلیم کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے لیئے بس وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا کی ہی تقلید ہی کئے جائیں گے، خواہ وہ کوئی علم نہ رکھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں؟ (آیت ۱۰۴) اسی طرح کفارِ عرب نے حلال و حرام کی بہت سی خود ساختہ پابندیاں صرف اس دلیل سے اپنے اوپر لازم کر لی تھیں، کہ یہ پہلے سے چلی آرہی ہیں۔ اور ان میں بہت سی حلال چیزیں حرام اور بہت سی حرام و شرمناک اور قبیح چیزیں حلال کر لی تھیں، ان کے متعلق سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا کہ "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس ہدایت کی پیروی کرو، جو اللہ نے نازل کی ہے تو وہ کہتے ہیں نہیں، بلکہ ہم اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور کیا انہی کی پیروی کرے جائیں گے خواہ ان کے باپ دادا نہ کسی چیز کی سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں؟" (آیت ۱۷۰)
سورۂ انعام میں اس اندھی تقلید کو اس پر زور طریقے سے نامعقول ثابت کیا گیا، کہ عرب کے بت پرست دھرم لوگ بھی ایک دفعہ اپنے دلوں میں مان گئے ہوں گے کہ فی الواقع ہم نہایت ہی لغو باتوں کی پیروی کر رہے ہیں فرمایا:

"ان لوگوں نے اللہ کے لئے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور جانوروں میں ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے! بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لئے ہے پھر جو ان کے شریکوں کیلئے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، مگر جو اللہ کیلئے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لئے ان کے شرکا نے خود اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں ڈالیں اور ان پر ان کے دین مشتبہ بنا دیں[لہ]...... اور وہ کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتیاں محفوظ ہیں۔ ان کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ سوائے اس کے جسے ہم کھلانا

لہ یعنی جو غلہ یا پھل وغیرہ اللہ کے نام پر نکالے جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کچھ گر جاتا تو وہ شریکوں کے حصے میں شامل کر دیا جاتا تھا، اور اگر شریکوں کے حصے میں سے گرتا یا خدا کے حصے میں مل جاتا تو اس کو انہی کے حصے میں واپس کیا جاتا تھا۔ کھیت کا جو حصہ شریکوں کی نذر نیاز کے لئے مخصوص ہوتا تھا اگر اس میں سے پانی اس حصے کی طرف چھوٹ بہتا جو خدا کی نذر کے لئے مخصوص ہوتا تو اس کی ساری پیداوار شریکوں کے حصے میں داخل کر دی جاتی تھی، لیکن اگر اس کے برعکس صورت پیش آجاتی تو خدا کے حصے میں کوئی اضافہ کیا جاتا۔ اگر کبھی خشک سالی کی وجہ سے نذر و نیاز کا حصہ خود استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجاتی تو خدا کا حصہ کھا لیتے تھے، مگر شریکوں کے حصے کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، کہ کہیں کوئی بلا نازل نہ ہو جائے۔ اگر کسی وجہ سے شریکوں کے حصے میں کچھ کمی آجاتی تھی، لیکن خدا کا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ پر)

چاہئیں بزعم خود اور کچھ جانور
ہیں جن کی سواری و باربرداری
حرام کردی گئی ہے، اور کچھ جانور
ہیں، جن پر وہ اللہ کا نام نہیں
لیتے اللہ پر افترا کرتے ہوئے (یعنی
یہ جھوٹ گھڑتے ہوئے کہ اللہ نے
ان پر اپنا نام لینے سے منع کردیا ہے)
...... اور کہتے ہیں کہ ان جانوروں
کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ ہمارے
مردوں کے لئے مخصوص ہے اور
ہماری عورتوں کے لئے حرام لیکن
اگر وہ مردہ ہو تو مرد اور عورت
سب اس میں شریک ہیں...
...... یہ آٹھ نر و مادہ ہیں۔ دو
بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم
سے لے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے
نر حرام کئے ہیں یا مادہ یا وہ بچے
جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ
میں ہوں؟ ذرا ٹھیک ٹھیک
علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو
اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم
سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے
ان سے پوچھو ان کے نر اللہ نے
حرام کئے ہیں یا مادہ، یا وہ بچے
جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں
ہوں؟ کیا تم اس وقت حاضر
تھے جب اللہ نے ان کے حرام
ہونے کا تمہیں حکم دیا تھا؟ پھر
شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون
ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کرکے
جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر
لوگوں کو غلط رہنمائی کرے، یقیناً
اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست
نہیں دکھاتا"

(آیات ۱۳۶ تا ۱۴۴)

بڑے لوگوں اور پیشواؤں کی غلط پیروی

تقلید آبائی سے قریب تر ایک اور سبب گمراہی کی قرآن نے نشاندہی کی جو لوگوں کو بگاڑنے اور معاشرے کو خراب کرنے میں اس سے کسی طرح کم نہیں ہے، اور وہ ہے اپنی قوم یا دنیا کے بڑے لوگوں، لیڈروں، مذہبی پیشواؤں اور دولت مند سرداروں کی پیروی جو یہ دیکھے بغیر کہ وہ کدھر جارہے ہیں، صرف اس بنا پر کی جائے کہ وہ ہیں بڑے لوگ۔ قرآن نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ قیامت کے روز اس طرح کی پیروی کرنے والے پچھتا پچھتا کر کہیں گے:

(باقی ص۴۵ کا حاشیہ)
حصے سے پوری کی جاتی تھی، لیکن اگر خدا کے حصے میں کمی آجاتی تو شریکوں کے حصے میں سے ایک حبہ بھی خدا کے حصے میں نہ ڈالا جاتا۔

۵۲ یعنی انہیں اس غلط فہمی میں ڈال دیں کہ یہ بھی اسی دین کا کوئی حصہ ہے جو انہیں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہما السلام سے ملا تھا اس مقام پر ظاہر ہے کہ شریکوں سے مراد دیوتا اور معبود نہیں بلکہ وہ مذہبی پیشوا ہیں جنھوں نے بعد کے دور میں عقائد اور مذہبی رسوم کو رواج دیا اور لوگوں نے ان کی اس طرح پیروی کی جیسی خدا کے قانون کی کرنی چاہیئے۔

"اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ سے بے راہ کر دیا اے ہمارے رب، ان کو دوہرا عذاب دے۔ ان پر سخت لعنت کر" (الاحزاب ۶۷-۶۸)

"اے ہمارے پروردگار ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔ ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ فرد ذلیل و خوار ہوں"

(حٰم السجدہ ۲۹)

"(جب اللہ تعالٰی سزا دے گا) اس وقت وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی۔ اپنے پیروؤں سے لاتعلقی ظاہر کریں گے۔ مگر عذاب دیکھ کر رہیں گے اور ان اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک موقع پھر مل جاتا تو ہم ان سے اسی طرح بیزار ہو کر دکھا دیتے جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو دنیا میں کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں سے ہاتھ ملتے رہیں گے۔ مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے"

(البقرہ ۱۶۶-۱۶۷)

"کاش تم ان ظالموں کے حال اس وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور ایک دوسرے سے دو بدو جھگڑا کریں گے جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے "تم نہ ہوتے تو ہم مسلمان ہوتے" وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں سے کہیں گے کہ "کیا ہم نے تم کو ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آئی تھی؟ تم خود ہی مجرم تھے" وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے "نہیں بلکہ وہ شب و روز کی مکاری تھی، جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں" آخر کار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے"

(سبا ۳۱ تا ۳۳)

اس حقیقت کو قرآن نے بطور ایک عالمگیر قانون کے بیان کیا کہ کسی معاشرے کو آخر

جائیں بزعم خود اور کچھ جانور ہیں جن کی سواری و باربرداری حرام کر دی گئی ہے، اور کچھ جانور ہیں، جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر افترا کرتے ہوئے (یعنی یہ جھوٹ گھڑتے ہوئے کہ اللہ نے ان پر اپنا نام لینے سے منع کر دیا ہے) ...... اور کہتے ہیں کہ ان جانوروں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام لیکن اگر وہ مردہ ہو تو مرد اور عورت سب اس میں شریک ہیں... ...... یہ آٹھ نر و مادہ ہیں۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے نر حرام کئے ہیں یا مادہ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں؟ ذرا ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے ان سے پوچھو ان کے نر اللہ نے حرام کئے ہیں یا مادہ، یا وہ بچے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں؟ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے حرام ہونے کا تمہیں حکم دیا تھا؟ پھر شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کو جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو غلط رہنمائی کرے، یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا"

(آیات ۱۳۶ تا ۱۴۴)

بڑے لوگوں اور پیشواؤں کی غلط پیروی

تقلید آبائی سے قریب تر ایک اور سبب گمراہی کی قرآن نے نشاندہی کی جو لوگوں کو بگاڑنے اور معاشرے کو خراب کرنے میں اُس سے کسی طرح کم نہیں ہے، اور وہ ہے اپنی قوم یا دنیا کے بڑے لوگوں، لیڈروں، مذہبی پیشواؤں اور دولت مند سرداروں کی پیروی جو یہ دیکھے بغیر کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، صرف اس بنا پر کی جائے کہ وہ ہیں بڑے لوگ، قرآن نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ قیامت کے روز اس طرح کی پیروی کرنے والے پچھتا پچھتا کر کہیں گے:

(باقی ص۳۵ کا حاشیہ)
حصے سے پوری کی جاتی تھی، لیکن اگر خدا کے حصے میں کمی آجاتی تو شریکوں کے حصے میں سے ایک حبہ بھی خدا کے حصے میں نہ ڈالا جاتا۔

ك۵ یعنی انہیں اس غلط فہمی میں ڈال دیں کہ یہ بھی اسی دین کا کوئی حصہ ہے جو انہیں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہما السلام سے ملا تھا اس مقام پر ظاہر ہے کہ شریکوں سے مراد دیوتا اور معبود نہیں بلکہ وہ مذہبی پیشوا ہیں جنہوں نے بعد کے دور میں عقائد اور مذہبی رسوم کو رواج دیا اور لوگوں نے ان کی اس طرح پیروی کی جیسی خدا کے قانون کی کرنی چاہیئے۔

"اے ہمارے پروردگار، ہم نے
اپنے سرداروں اور بڑے
لوگوں کی اطاعت کی اور انہوں
نے ہمیں راہ سے بے راہ کر دیا
اے ہمارے رب، ان کو دوہرا
عذاب دے، ان پر سخت
لعنت کر" (الاحزاب ۶۷-۶۸)
"اے ہمارے پروردگار ہمیں
ان جنوں اور انسانوں کو دکھا
جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔
ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں
گے تاکہ وہ ضرور ذلیل و خوار
ہوں"

(حٰم السجدہ ۲۹)

"(جب اللہ تعالیٰ سزا دے گا)
اس وقت وہی پیشوا اور رہنما
جن کی دنیا میں پیروی کی
گئی تھی۔ اپنے پیروؤں سے لاتعلقی
ظاہر کریں گے۔ مگر عذاب
دیکھ کر رہیں گے اور ان اسباب
و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا
اور وہ لوگ جو دنیا میں ان
کی ان کی پیروی کرتے تھے
کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک
موقع پھر مل جاتا تو ہم ان سے
اسی طرح بیزار ہو کر دکھا دیتے
جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری
ظاہر کر رہے ہیں۔ یوں اللہ
ان لوگوں کے وہ اعمال جو دنیا
میں کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے
اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں
اور پشیمانیوں سے ہاتھ ملتے
رہیں گے۔ مگر آگ سے نکلنے کی
کوئی راہ نہ پائیں گے"

(البقرہ ۱۶۶، ۱۶۷)

"کاش تم ان ظالموں کے
حال اس وقت دیکھو جب
یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے
کیے جائیں گے اور ایک دوسرے
سے رد و بد و جھگڑا کریں گے
جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے
گئے تھے وہ بڑے بننے والوں
سے کہیں گے "تم نہ ہوتے تو
ہم مسلمان ہوتے" وہ بڑے
بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں
سے کہیں گے کہ "کیا ہم نے تم
کو ہدایت قبول کرنے سے
روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس
آئی تھی؟ تم خود ہی مجرم تھے"
وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے
بننے والوں سے کہیں گے "نہیں
بلکہ وہ شب و روز کی مکاری
تھی، جب تم ہم سے کہتے تھے
کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور
دوسروں کو اس کا ہمسر
ٹھہرائیں" آخر کار جب یہ لوگ
عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں
میں پچھتائیں گے"

(سبا ۳۱ تا ۳۳)

اس حقیقت کو قرآن نے بطور
ایک عالمگیر قانون کے بیان
کیا کہ کسی معاشرے کو آخر

کاؤ جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے کھاتے پیتے، خوشحال اور اونچے طبقوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے دولت مند اور صاحب اثر و اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں۔ ظلم و ستم اور بدکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور آخر کار یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ (آیت ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں فسق کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

غرور و تکبر

تیسرا اہم سبب ضلالت جس کی قرآن نے نشاندہی کی وہ یہ ہے کہ انسان حق بات ماننے سے صرف اس لئے انکار کرتا ہے۔ کہ اسے اپنے رویہ کی غلطی تسلیم کرنے میں اپنی ہیٹی ہوتی نظر آتی ہے یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اس حق کو تسلیم کر لوں گا، تو گمراہ معاشرے میں جو اونچا مقام مجھے حاصل ہے وہ مجھ سے چھن جائے گا یا وہ خیال کرتا ہے کہ اپنی بات چھوڑ کر دوسرے کی بات مان لینا اس کے مقام بلند سے فروتر ہے قطع نظر اس سے کہ وہ بات کتنی ہی غلط ہو جس پر وہ اڑا ہوا ہے اور وہ بات کتنی ہی برحق ہو جسے دوسرا شخص پیش کر رہا ہے قرآن مجید میں اس سبب

ضلالت کو بار بار لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ ان کا اپنا غرور بھی ٹوٹے جو قبولِ حق میں مانع ہوتا تھا۔ اور ان کے بہت سے علمبردارانِ ضلالت کی گمراہی کے اصل سبب سے بھی وہ واقف ہو جائیں جو ان کے اپنے زمانے میں، یا ان سے پہلے گذرے ہوئے زمانہ میں حق کا راستہ روکنے والا تھا۔

مثال کے طور پر سورۂ نوح میں حضرت نوح کا یہ قول نقل کیا گیا، کہ "اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز (راہِ حق کی طرف آنے کے لئے) پکارا مگر میری پکار نے ان کی گمراہی میں اضافہ کیا، اور جب بھی میں نے ان کو دعوت دی تاکہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لئے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا[1] (آیات ۶، ۷)

سورۂ المومن میں یہ قصہ بیان کیا گیا کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اسی کے اہلِ دربار میں سے ایک حق پسند آدمی نے بڑے دردمندانہ اور خیر خواہانہ انداز میں نہایت مدلل طریقے سے اس کو سمجھانے اور

---

[1] تکبر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حق کے آگے سر جھکا دینے اور خدا کے رسول کی نصیحت قبول کرنے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات سمجھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھلا آدمی کسی بگڑے ہوئے شخص کو نصیحت کرے، اور وہ جواب میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہو اور پاؤں پٹختا ہوا نکل جائے تو یہ تکبر کے ساتھ کلام نصیحت کو رد کرنا ہوگا۔

غلط راستہ چھوڑ کر راست روی اختیار کرنے کی تلقین کی۔ مگر اس نے ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ — اس طرح اللہ ٹھپہ لگا دیتا ہے ہر متکبر و جبّار کے دل پر۔

(آیت ۳۵)

یعنی تکبر اور جبّاریت کی ہوا جس دل میں بھر جاتی ہے پھر اس کے دروازے ہر کلمۂ نصیحت ہر قول حق کے لئے بند ہو جاتے ہیں اور اللہ پھر اس پر لعنت کی ایسی مہر لگا دیتا ہے، کہ خواہ کوئی اسے راہِ راست پر لانے کی کتنی ہی کوشش کر لے، وہ کسی طرح سیدھا نہیں ہوتا۔

سورۂ اعراف میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب تختیوں پر ایک ہدایت نامہ لکھ کر دیا۔ تو اس کے ساتھ ہی متنبہ فرمایا کہ "میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا۔ جو کسی حق کے بغیر زمین میں تکبر کرتے ہیں، ایسے لوگ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اسے اختیار کر لیں گے"

(آیت ۱۴۶)

سورۂ بقرہ میں فرمایا: انسانوں میں کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تم کو بہت بھلی لگتی ہیں۔ اور وہ اپنی نیک نیتی پر بار بار اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے یہ باتیں بنا کر جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ فساد برپا کرنے اور کھیتیوں اور نسلوں کو برباد کرنے میں صرف ہوتی ہے حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اپنے وقار کا گھمنڈ اس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔"

(آیات ۲۰۴ تا ۲۰۶)

سورۂ مدثر میں خود مکہ کے ایک سردار کا کردار پیش کیا گیا جس نے قریش کے سرداروں کے سامنے صاف صاف اعتراف کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو الزامات وہ لگا رہے ہیں وہ جھوٹے ہیں، اور قرآن ایک ایسا کلام ہے جس میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری ہے، اور اس کی ڈالیاں بڑی ثمردار ہیں مگر جب اس کے سامنے یہ سوال آیا کہ اس رسول اور اس کلام کو حق مان کر میں اپنی سرداری کھو بیٹھوں، یا اس پر جھوٹا الزام لگا کر اپنی سرداری بچالوں، تو اس نے دوسری چیز کو ترجیح دی۔ اور اپنے ضمیر سے لڑ کر آخر کار ایک الزام تصنیف کر ڈالا جسے اس کا دل خود جانتا تھا کہ وہ محض اپنی بڑائی قائم رکھنے کے لئے ایک صریح جھوٹ گھڑ رہا ہے، قرآن نے اس کی یہ تصویر پیش کر کے اسے بالکل بے نقاب کر دیا۔

"اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی، تو خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی۔ کوشش کی، پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔" (آیات ۱۸ تا ۲۵)

دنیا کی خوشحالی و بدحالی کو خیر و شر کا معیار سمجھنا

پھر قرآن نے بتایا کہ گمراہی کا ایک اور بڑا سبب یہ خیال ہے کہ دنیا میں جو نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہی معیار خیر و شر ہیں یہاں اگر کوئی خوشحال ہے، خواہ اس کی خستہ حالی کیسی ہی نیک عمل کے ساتھ ہو، وہ بہرحال ناکام ہے گویا خیر وہ ہے جس کا نتیجہ یہاں بظاہر اچھا نظر آرہا ہے، اور شر وہ ہے جس کا نتیجہ یہاں بظاہر برا دیکھا جا رہا ہے قطع نظر اس سے کہ اس ظاہری "خیر" کے پیچھے کتنی ہی حرام خوریاں اور بداخلاقیاں پائی جاتی ہوں، اور وہ "شر" اپنے پیچھے کتنا ہی حسن عمل اور بلندیٔ اخلاق کا سرمایہ رکھتا ہو۔ قرآن نے اس غلط نقطہ نظر کی مثالیں پچھلی تاریخ سے بھی پیش کیں، اور خود مکہ اور عرب کے لوگوں کی گفتار و کردار میں بھی اس کو نمایاں کر کے دکھایا

حضرت نوح کے قصہ میں بتایا کہ ان کی قوم کے سرداروں نے یہ کہہ کر ان کی تعلیم و ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا کہ ان پر ایمان لانے والے غریب لوگ تھے، جنہیں معاشرے میں کوئی بلند مرتبہ حاصل نہ تھا،

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ

انہوں نے کہا کیا ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی ادنیٰ ترین لوگوں نے کی ہے؟

(الشعراء آیت ۱۱۱)

حضرت صالح کے قصے میں قرآن نے صراحت کی کہ ان کے غریب پیروؤں سے ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ "کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے"؟ انہوں نے کہا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ "ہم تو اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں" اس پر ان بڑے لوگوں نے کہا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ "ہم اس چیز کو ماننے والے نہیں جس پر ایمان لائے ہو" (الاعراف ۷۵-۷۶) یعنی تم جیسے حقیر لوگوں نے جس چیز کو مانا ہے اسے ہم نہیں مان سکتے۔

پھر تمام انبیاء کے بارے میں قرآن نے بتایا کہ ان سب کے مخالف ان کی قوم کے خوش حال لوگ تھے، اور ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جس کو دنیا میں خوب مال و اولاد نصیب وہی حق پر ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ

(سبا ۳۴-۳۵)

اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ اور انہوں نے کہا ہم تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔

یہی سوچنے کا انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفار مکہ اور اہل عرب کا تھا جس کے غلط ہونے پر قرآن مجید میں بار بار ان کو ٹوکا گیا۔ سورۂ مریم میں فرمایا "ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں؟ حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی

ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جو ان سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں، اور ظاہری شان و شوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں۔

(آیات ۷۳-۷۴)

سورۂ مومنون میں فرمایا، کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور اولاد سے نوازے جاتے ہیں، تو انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں۔؟ نہیں اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔ درحقیقت جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں، اور جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، اور جن کا حال یہ ہے کہ (اپنے رب کی خوشنودی کے لئے) جو نیک کام وہ بجالاتے ہیں ان کے بعد بھی ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، وہی دراصل بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے اور سبقت کر کے انہیں پالینے والے ہیں"

(آیات ۵۵ تا ۶۱)

اسی بات کو سمجھانے کے لئے سورۂ فجر میں پہلے عاد اور ثمود اور فرعون جیسی زبردست ترقی یافتہ قوموں اور سلطنتوں کی طغیانی و سرکشی کا انجام بیان کیا اور پھر فرمایا کہ انسان اب بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ دنیا کی ثروت و دولت ہی اصل عزت ہے اور یہاں کی غربت و تنگ دستی ہی اصل ذلت ہے حالانکہ ثروت و دولت ہو یا غربت و تنگدستی، دونوں ہی انسان کی آزمائش کے لئے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اصل عزت کا معیار نہیں ہے

(ملاحظہ ہو الفجر آیات ۱۵-۱۶)

خواہش نفس اور قیاس و گمان کی پیروی

گمراہی کے اسباب بتاتے ہوئے قرآن نے ایک اہم سبب کی بھی نشاندہی کی اور وہ یہ کہ انسان محض قیاس و گمان کی بناء پر کسی چیز کو حق اور کسی چیز کو باطل سمجھ بیٹھے یا اپنی خواہشات نفس کو اپنا خدا بنا کر ایسی بندگی کرے کہ جدھر جدھر وہ چاہیں اور گھسیٹتے ہوئے پھریں، مگر کبھی خدا کی دی ہوئی عقل اور اس کے بخشے ہوئے ذرائع علم سے کام لے کر وہ یہ نہ دیکھے کہ اپنے گمانوں اور قیاسات کی بنا پر اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے، یا اپنی خواہشات کی پیروی میں وہ جس راہ پر چلا جا رہا ہے وہ صحیح اور معقول بھی ہے یا نہیں، اس غلطی پر قرآن نے بار بار لوگوں کو متنبہ کیا تاکہ وہ خیالات اور خواہشات کی وادیوں میں بھٹکنے کے بجائے عقل و خرد کی سیدھی راہ پر آئیں۔

سورۂ اعراف میں ایک شخص کی مثال پیش کی گئی۔ جو علم رکھنے کے باوجود خواہشات نفس کی پیروی میں دنیا کا کتا بن کر رہ گیا تھا، پھر اس جیسے لوگوں کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں، ان کے پاس دل ہے مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں، مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں، مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں،

(آیات ۱۷۳ تا ۱۷۹)

سورہ انفال میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا

جو سب کچھ سننے کے بعد گویا کچھ نہ سنتے تھے، اور پھر فرمایا: "درحقیقت اللہ کے نزدیک تمام جاندار مخلوقات میں سے بدترین مخلوق وہ بہرے اور گونگے ہیں جو ذرا عقل سے کام نہیں لیتے"
(آیت ۲۲)

بہرے اور گونگے سے مراد جسمانی بہرے اور گونگے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو نہ حق سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں۔

سورۂ یونس میں آیت ۳۱ سے ۳۵ تک پے در پے یہ دلائل دینے کے بعد کہ جن جن معبودوں کو مشرکین نے خدائی میں رب کائنات کا شریک بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی بھی خدائی صفات اور اختیارات نہیں رکھتا صاف فرمایا گیا کہ ان کو معبود کسی علم کی بناء پر نہیں بنایا گیا ہے بلکہ محض گمان و قیاس سے اپنی جگہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ بھی خدائی میں کچھ حصہ رکھتے ہیں: "ان میں سے اکثر لوگ گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کر رہے ہیں، حالاں کہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا"
(آیت ۳۶)

سورۂ حج میں پچھلی گذری ہوئی غلط کار قوموں کی تباہی کے آثار کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا" کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ (ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈر دیکھ کر) ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔
(آیت ۴۶)

اسی طرح سورۂ فرقان میں قوم نوح، عاد ثمود، اصحاب الرّس، قوم فرعون اور قوم لوط کے انجام کی طرف توجہ دلانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا، جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے" (آیات ۴۳، ۴۴)

یہی بات سورۂ جاثیہ میں فرمائی کہ "اے نبی؟ کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو ہی اپنا خدا بنالیا اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں پھینک دیا، اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اب اللہ کے بعد کون ہے کہ جو اس کو ہدایت دے"؟ (آیت ۲۳)

برائی کو خوبی سمجھنا اور غیر حق پر مگن رہنا

ایک اور چیز کو جس کو قرآن نے افراد اور معاشرے کی گمراہی کے بڑے اسباب میں شمار کیا وہ یہ تھی کہ انسان برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگے، حق کے خلاف چلتے ہوئے سرے سے کوئی بے اطمینانی محسوس ہی نہ کرے بلکہ الٹا اس پر مگن ہو، اس پر اترائے، اور حق جاننے کی ضرورت سے بالکل بے نیاز ہو۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں فرمایا" بھلا کچھ ٹھکانا بھی ہے، اس شخص کی گمراہی کا جس کے لئے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو" (آیت ۸) اور سورۂ مومن میں فرمایا کہ" جہنم میں جب لوگوں کو عذاب دیا جا رہا ہوگا اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا انجام اس لئے ہوا کہ تم زمین پر غیر حق پر مگن تھے اور اس پر اتراتے تھے،

(آیت ۸۵)

یہ خیال کہ نیکی اور حق پرستی سے انسان کی دنیا برباد ہو جاتی ہے

قرآن مجید میں اس خیال کو بھی ایک بڑا سبب گمراہی بتایا گیا ہے سورۂ اعراف میں ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے اور قافلے لوٹنے اور راہزنی کرنے سے روکا تو قوم کے سرداروں نے لوگوں سے کہا لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ " اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم یقیناً تباہ ہو جاؤ گے (آیت ۹۰)

گویا ان کا مطلب تھا کہ بھلا تجارت میں ایمانداری برتنے سے بھی کاروبار چل سکتا ہے؟ اور جو ہم تجارتی قافلوں کے راستے پر آباد ہیں، اگر رہزنی نہ کریں، اور راستوں کو پرخطر بنا کر قافلوں سے بھاری رہگذر وصول نہ کریں، تو ہماری یہ خوشحالی کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ یہی بات قریش کے سرداروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی کہ إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا " اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے" (القصص ، ۵۷) یعنی ہمارا جو کچھ اثر عرب کے لوگوں پر ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہم یہاں مشرکین عرب کے مذہبی پیشوا بنے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہماری تجارت چمک رہی ہے، اسی وجہ سے ہمارے قافلوں کو سارے ملک کے راستوں میں امن میسر ہے اور اسی وجہ سے عرب کے تمام قبائلی ہمارا احترام کرتے ہیں۔ اگر ہم آپ کی بات مان کر وہ راہ اختیار کرلیں جو آپ پیش کر رہے ہیں تو سارا عرب ہمارا مخالف ہو جائے گا، جو حیثیت ہمیں ملک میں حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ اور ہمارا ملک میں بھی امن چین سے رہنا ممکن نہ رہے گا۔

شفاعت کا مشرکانہ عقیدہ

یہ قدیم ترین زمانے سے ہر دور میں گمراہی کا ایک بڑا سبب رہا ہے اور عرب میں جب اسلام کی دعوت آئی تھی، تو اس کو بھی اس سے سابقہ پیش آیا، لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے کچھ پیارے بندے ایسے ہیں جن کی بات کسی طرح نہیں ٹل سکتی، ان کا دامن آدمی تھام لے، نذر و نیاز اور چڑھاوں سے ان کو خوش کرتا رہے، پھر دنیا میں جو چاہے کرے ان کی سفارش ہر جرم و گناہ کی سزا سے اسے بچا لے گی۔ اللہ کی بخشش اور مہربانیاں حاصل کرنے اور اپنے دل کی مرادیں پانے کا یہ آسان راستہ موجود ہوتے ہوئے کسی کو کیا پڑی ہے کہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال کر ہر گناہ کی لذت اور ظلم وستم کے فائدے سے اپنے آپ کو محروم کرلے، کفارِ عرب کا کہنا یہ تھا، کہ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ " ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں" (الزمر ۳) یعنی اللہ کی بارگاہ بہت اونچی ہے اس تک براہ راست ہماری پہنچ کہاں ہو سکتی ہے اس لئے ہم ان بزرگ ہستیوں کو اس تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں، نیز وہ کہتے تھے ــــ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ " یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"

(یونس ۱۸)

اس غلط عقیدے کی موجودگی میں نیکی اور

بھلائی کی کوئی دعوت کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، اسی لئے قرآن میں پے در پے اس پر ضرب لگائی گئی، اور اس کا سراسر بے بنیاد ہونا ایسے دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا گیا کہ کسی معقول آدمی کے لئے ایسی احمقانہ شفاعت کا قائل ہونا ممکن نہ رہا، مثلاً سورۃ مومن میں فرمایا" اے نبی ان لوگوں کو اس دن سے ڈرا دو جو قریب آ لگا ہے جبکہ کلیجے منہ کو آئیں گے اور لوگ چپ چاپ غم کے گھونٹ پئے کھڑے ہوں گے، ظالموں کے نہ کوئی مشفق درست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی اطاعت کی جاتی ہو اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے، جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں اور اللہ ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ رہے وہ معبود جنہیں یہ لوگ اسے چھوڑ کر پکار رہے ہیں، تو وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں۔ حقیقت میں اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے" (آیات ۱۸ تا ۲۰) ان آیات میں شفاعت کے اس مشرکانہ عقیدے کو بالکل پاش پاش کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اول تو . . . . خود یہ بات خلاف عقل وانصاف ہے کہ ظالم کی سفارش کی جائے۔ پھر یہ خدا کی شانِ خدائی کے قطعی خلاف ہے کہ اس کے بندوں سے کوئی ایسا سفارشی ہو جس کی اطاعت کی جائے، یعنی خدا اس کی سفارش ماننے پر مجبور ہو، اس پر مزید بات یہ کسی طرح تصور تک کرنے کے لائق نہیں ہے کہ خدا کے ہاں ایسے لوگوں کی سفارش چلے جو دنیا میں ظلم کر کے آنے والے مجرم کی حمایت پر اٹھیں اور یہ چاہیں کہ خدا اس کو ان کی خاطر معاف کر دے، اس سے بھی بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ ایک حاکم جو کسی شخص کے

جرائم سے خوب واقف ہے اور جس کو انصاف کے ساتھ اس کے مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے، وہ ایسے لوگوں کو اس کی سفارش کا حق دے جو یہ جانتے ہی نہیں کہ وہ شخص کیا کچھ کر کے آیا

دوسری جگہ اس تصورِ شفاعت کی تردید ایک اور پر زور دلیل سے کی گئی ہے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اِلّا یہ کہ (اس کا دعویٰ کرنے والے) حق کے ساتھ شہادت دیں۔ اور جانتے ہوں" (الزخرف ۸۶) یعنی جو شخص کسی ولی، دیوتا، بزرگ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اسے لازماً شفاعت کے اختیارات حاصل ہیں، اور اس کی ایسی شفاعت کا اعتبار ہے جو رد نہیں کی جا سکتی، وہ سامنے آئے علم کی بنا پر حق شہادت دے، محض سنی سنائی باتوں پر، یا محض قیاس و وہم گمان پر ایسا عقیدہ مان لینا سراسر لغو ہے، جس کے ہونے کی شہادت علم کی بناء پر" نہیں دی بالفاظِ دیگر جو لوگ کچھ ہستیوں کے لئے ایسے اختیارات کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم" ہے کہ انہیں یہ اختیار حاصل ہیں اور ہم اس کی سچی "شہادت" دیتے ہیں۔

لیکن قرآن نے شفاعت کا قطعی انکار نہیں کیا بلکہ بار بار یہ بتایا کہ شفاعت صرف وہ کر سکتا ہے جس کو اللہ نے اس کی اجازت دی ہو صرف اس کے حق میں کر سکتا ہے جس کے لئے سننے پر اللہ راضی ہو، اور اس پر مزید شرط ہے کہ 'وہ حق کے مطابق شفاعت کرے، خلافِ حق وانصاف بات نہ کرے۔ پھر بھی شفاعت کرنا یا نہ کرنا اللہ کے اختیار میں ہے وہ ہے

کی شفاعت سا منے مجموعہ نہیں ہے۔ اس باب میں تین آیات کی ترجمانی یہ ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرہ ۲۵۵)

کون ہے جو اس کے حضور میں اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔؟

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ (سبا ۲۳)

اور اس کے حضور شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی سوائے اس شخص کے جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا ۳۸)

جس روز روح (یعنی جبریل) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمان نے اجازت دی ہو اور وہ ٹھیک بات کہے۔

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر ۴۴)

اے نبی کہہ دو کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

یعنی شفاعت سُننا یا نہ سُننا اور اسے قبول کرنا یا رد کر دینا بالکل اللہ کے اختیار میں ہے وہ کائنات کی بادشاہی کا مالک ہے کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے اور کسی کا یہ مرتبہ نہیں کہ اس کی شفاعت اللہ کو ضرور سننی اور ماننی ہی پڑے۔

(باقی)

اور مقصد یہ ہے کہ دل نماز میں لگا رہے تو ایسا شخص نیک نیتی کی وجہ سے گنا ہگار تو نہیں کہلائے گا البتہ تارکِ سنت اسے بھی کہیں گے۔ اور از راہ جزا اس شخص کی نماز اس کی نماز سے بہتر ہو گی، جو آنکھیں کھول کے نماز پڑھتا ہے۔ دل نماز میں لگے یا نہ لگے لیکن اسے یہ احساس ہے کہ آنحضورؐ نے آنکھیں کھول کر نماز پڑھی ہے، مسئلہ قربانی کا ہو یا کسی اور چیز کا، ہمیں اسوۂ رسول اور شعار صحابہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، دین و شریعت کے معاملہ میں اپنی عقلیں لڑانا غیر مناسب ہے، اور اسی سے فتنہ فساد جنم لیتے ہیں۔

ایک بڑی بی کی رائے

سوالؔ (ایضاً) ایک بڑی بی نے ذبح کے سلسلے میں بڑی حیرت افزا بات بتائی، ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی جانور ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ پڑھنا چاہئے اگر "الرحمٰن الرحیم" بھی پڑھ دیا جائے تو جانور حرام ہو جائے گا!

کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟ یا یہ صرف بڑی بی کی سمجھ کا ہیر پھیر ہے۔

الجوابؔ :- معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ بڑی بی علم دین سے بالکل کوری ہیں، اگر علم دین سے کوری نہ ہوتیں تو ایسی احمقانہ بات ان کی زبان سے خارج نہیں ہو سکتی تھی، جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام کسی بھی طرح سے لیا جائے جانور حلال ہو جاتا ہے مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر۔ کہہ کر ذبح کرے، لیکن اگر جانور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھکر ذبح کیا جائے تو بھی اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں۔

حسن احمد صدیقی

تجلی کی ڈاک

مُردار جانوروں کی کھال کا مسئلہ

سوال:- عبدالقیوم کوٹ پلی

زید تاجر چرم ہے۔ بیل بھیڑ بکری وغیرہ کی کھال خرید و فروخت کرتا ہے دباغت کا کام بھی ہوا کرتا تھا، لیکن عرصہ سے یہ سلسلہ بند ہے صرف کھال ہی خرید و فروخت کرتا ہے،

بکر اس معاملہ میں زید کے اس پیشہ پر اس رُخ سے معترض ہے کہ مردار جانور کی کھال کی خرید و فروخت قطعاً حرام ہے۔

اب قابل استفسار بات یہ ہے کہ آیا مُردار جانور کی کھال خریدی اور بیچی جا سکتی ہے یا نہیں، شرعاً اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز۔

تفصیلی عنایت فرما کر مرہون منت فرمائیں تاکہ مسئلہ ہذا کے شرعی حکم سے آگاہی ہو

الجواب:- بکر اعتراض کر کے غلطی کا مرتکب ہوتا ہے صحیح اور درست بات یہ ہے کہ مُردار جانوروں کی کھالیں خریدنے اور بیچنے میں کوئی حرج نہیں بغیر دباغت کے بھی ان کھالوں کو فروخت کیا جا سکتا ہے البتہ دباغت کے بغیر انھیں استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا۔

بندوق سے مرے ہوئے شکار کی حُرمت و حلت

سوال:- اقبال احمد خاں کلونا ڈاکخانہ چرکی ضلع گیا

بہت دنوں کے بعد ہمارے خط کا جواب تجلی میں شائع ہوا ایک جواب سے اتفاق نہیں ہے براہ کرم توجہ دیں۔ چونکہ بندوق کے شکار کے متعلق میں نے جواب نہ آنے کی صورت میں ایک صاحب کے کہنے پر رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۸۳-۹۲ مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب دیکھی پڑھنے پر مولانا مودودی صاحب کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ دوسری کتاب اسلام میں حلال و حرام۔ علامہ یوسف قرضاوی صاحب کی کتاب ہے جس کا ترجمہ شمس پیرزادہ صاحب بمبئی کے سابق امیر حلقہ جماعت اسلامی نے کیا ہے انھوں نے بھی بندوق کے شکار کو حلال بتایا ہے جو بسم اللہ کر کے چھوڑی گئی ہو اور شکار مر گیا ہو، دلیل ان کی بھی دل کو لگتی ہوئی ہے اب آپ براہِ کرم تفصیل سے جواب دیں کہ کس وجہ کے بنا پر بندوق کے شکار کو حرام بتلایا ہے دلیل کیا ہے؟ جب ایک نوکیلی لکڑی سے جانور کو مار دینے سے شکار حلال ہو جاتا ہے تو پھر بندوق کی گولی جو سارے جسم کو

چھید کر دیتی ہے اور اس کا شکار حرام ہو جائے،
امید ہے کہ تشفی بخش جواب سے مع قرآن و حدیث
کی دلیل کے جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے

الجواب:۔ جو مسئلہ منصوص نہ ہو اس کے کسی ایک
جانب کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث
سے دلیل کیسے پیش کی جا سکتی ہے۔ رسائل و مسائل
کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات تو آپ بھی سمجھ گئے ہونگے
یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر مجتہد کو اپنے اجتہاد پر
عمل کرنے کا حق حاصل ہے ــــ مولانا مودودی نے
اپنے جواب کے آخر میں یہ فرمایا ہے۔

اگر کسی کو اس پر (شکار سے مرے
ہوئے جانور کی حلت پر۔ تجلی) اطمینان
نہ ہو اور وہ اس کو حرام ہی سمجھتا ہو۔ تو
مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ وہ ضرور اسے
حلال مانے اور واجب ہے کہ اسے کھائے
میرا اجتہاد میرے لئے قابل عمل ہے۔
اور دوسروں کا اجتہاد یا کسی مجتہد کا
اتباع ان کے لئے اسی اجتہادی اختلاف
سے اگرچہ میرے اور ان کے درمیان حرام
و حلال کا اختلاف ہو جاتا ہے مگر اس
کے باوجود دونوں فریق ایک ہی
دین میں رہتے ہیں۔
الگ الگ دینوں کے پیرو نہیں ہو جاتے

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ
مولانا مودودی نے کچھ قرائن کی بناء پر اس مسئلہ
میں اجتہاد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ بندوق کی گولی
بھی ان اجناس میں داخل ہے کہ جن کے ذریعہ خون
بہا کر جانور کو حلال کر لیا جاتا ہے ــ مولانا اشرف
علی تھانویؒ مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا عبدالحی
جیسے قابل اعتماد علماء نے بندوق کی گولی سے مرے
ہوئے شکار کو حرام تصور کیا ہے اور اپنے تصور

کو مدلل و مستحکم کرنے کے لئے شامی کی یہ عبارت
پیش کی ہے،

رامیجلی ان الجرح	اس میں کوئی شبہ نہیں
بالرصاص	کہ گولی کا زخم جل کر اور
انما ھو بالاحراق	سختی سے نکلنے کی وجہ سے
والثقل بواسطۃ	توڑ کر ہوتا ہے۔ کیوں کہ
اندفاعہ العنیف	اس گولی میں کاٹ ڈالنے
اذلیس لہ حد	کی صلاحیت نہیں ہے۔
فلا یحل و بہ افتی	لہٰذا اس سے مرا ہوا
ابن نجیم۔	جانور حلال نہ ہوگا۔ اور
	اسی پر علامہ نجیم اور فتوی
	دیا کرتے تھے،

⁂ ⁂ ⁂

اب آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم نے تجلی
میں یہ جواب دیا ہے وہ یوں ہی نہیں تھا بلکہ اس
کی ایک بنیاد ہے،

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس دور کے بہت
بڑے عالم ہیں۔ اور صحیح معنوں میں مفکر اسلام
کہلانے کے حقدار ہیں، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں
کہ جسے مفکر اسلام سمجھ لیا جائے اس کے ہر اجتہاد پر صاد
کرنا ناگزیر ہو اس مسئلہ میں ہم نے مولانا اشرف علی
تھانویؒ وغیرہ کے رجحان کو قابل ترجیح سمجھتے ہوئے
شکار سے مرے ہوئے جانور کی حرمت کا فتوی
دیا ہے اگر آپ کو اس فتوی سے اتفاق نہ ہو، اور
آپ مولانا مودودی ہی کے اجتہاد کو لائق ترجیح سمجھا
کریں۔ تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

(واللہ اعلم)

وہی پرانی لے

سوال:۔ عبدالرحمٰن گنائی
کشمیر

مطلوب ہے، عرض ہے کہ میری نظر ایک
کتاب "تعلیم رحمۃ للعالمینؐ" تحریر۔ راؤ شمیر علی
خاں مدیر دعوت الحق برطانیہ پر پڑی۔ یوں تو

میں اسلامی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق رکھتا ہوں، اس وجہ سے اس کتاب کا نام پڑھتے ہی میں خوش ہو گیا۔ کیوں کہ کتاب پر مقدس نام ہے، مگر بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے جب میں نے کتاب کا مطالعہ کیا تو بہت دکھ ہوا، اس کی وجہ حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے راؤ صاحب نے کتاب کی تعریف کرا دو اپنی تعریفیں زیادہ کی ہیں۔ خود اپنی تعریفیں کرنے والا مجھے پسند نہیں ہے، کتاب میں راؤ صاحب نے جگہ جگہ مولانا مودودی صاحب کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ۴۸، ۵۰، ۵۵، ۵۶، ۷۰، اور صفحہ نمبر ۲۰۳ سے ۲۴۲ تک جہاں میرا اندازہ ہے۔ میں نے مودودی صاحب کی بہت سی لکھی ہوئی کتابیں اور ان کا تفہیم القرآن پڑھا ہے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے پہلے میں کیا تھا اور کتنا گناہ کر چکا ہوں، اس کا علم صرف خدا کو ہے مگر خوش قسمتی سے خود خدا کے مدد سے جب میں نے مولانا مودودی کی کتابیں کا مطالعہ کیا تو اب میں اپنے آپ کو صحیح مسلمان سمجھتا ہوں۔ مگر راؤ صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے یہی خیال گذرا کہ شاید راؤ صاحب نے قرآن کا اور حدیثوں کا صحیح مطالعہ نہیں کیا ہے۔ جس کا ثبوت اس کی تحریر کردہ کتاب "تعلیم رحمۃ للعالمین" ہے کیوں کہ اس نے جگہ جگہ بے لگام ہو کر اور نادان بنکر دوسرے آدمیوں کا نام بے تہذیب سے لیا ہے، جبکہ حدیث ہے کہ اگر دشمن کا نام بھی لینا ہو تو احترام سے لینا چاہئیے۔ دوسروں کو چھوڑئیے اس کتاب میں اس نے وقت کے ایک بہت بڑے مفکر اسلام اور بزرگ مولانا مودودی پر گندے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ صفحہ نمبر ۲۲۵ پر راؤ صاحب لکھتا ہے کہ مودودی کی تنقید سے نہ حضرت امیر معاویہ بچ سکے نہ حضرت عائشہ رض نہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری نہ حضرت عثمان غنی رض ایک جگہ پر لکھتا ہے کہ مودودی صاحب نہ حضرت ابو بکر صدیق رض نہ حضرت عمر فاروق رض کو اور نہ دوسرے صحابہ رض کو برحق مانتے ہیں۔ ایک جگہ پر لکھتا ہے، کہ مودودی صاحب شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب تک میں نے مودودی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے مجھے ایسا ہی لگا کہ، شاید ہی دنیا میں اس وقت کوئی ہستی ایسی ہوگی جس نے اس طرح قرآن کی وضاحت، حدیثوں کی وضاحت اور صحابہ رض کا تذکرہ کیا ہو جس طرح مودودی صاحب نے کیا ہے، مگر راؤ صاحب نے اندھیرے کمرے میں رہ کر یا کسی اور کے کہنے پر ایسے الفاظ لکھ دیئے ہیں یا اس نے اپنے ناقص العقل ہونے کا ثبوت دیا ہے ورنہ منکر حق بھی اور دشمنان اسلام بھی یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مودودی صاحب ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ اور اس وقت تمام مسلمانوں کو راہ نمائی کر رہے ہیں۔ میرے الفاظ کہاں تک صحیح ہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں البتہ آپ کے جواب کا منتظر ہوں، امید قوی ہے کہ آپ خوب وضاحت کے ساتھ راؤ صاحب کے کردار اور اس کا صحیح محل وقوع لکھیں گے جس نے اپنی تعریفیں آسمان تک پہنچا دی ہیں۔

الجواب:۔ ہماری اس ناپاک دنیا میں جب کسی کو مطعون کرنے کی رسم چل جاتی ہے تو پھر وہ لوگ بھی زبان درازی کے مظاہرے کرتے نظر آتے ہیں کہ معاشرے میں جن کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہوتی جس طرح حشرات الارض کسی کو فیض نہیں پہونچا سکتے اسی طرح یہ لوگ بھی کسی کو نفع نہیں دے سکتے، لیکن جب زبان کھولیں گے تو اس انداز میں کھولیں گے کہ جیسے ان سے بڑا

علامہ اور صاحبِ ادراک کوئی نہیں۔

برا ہو بزرگ پرستی کا اور اندھی تقلید کا کہ بڑے اور چھوٹے سمجھدار ناسمجھ عالم و جاہل سب ایسی راہوں میں دوڑ لگاتے ہیں کہ جن راہوں میں غلاظت کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جھوٹ فریب اور الزام تراشی کو ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے میں آج بھی معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن اسے بد نصیبی کے سوا کیا کہا جائے کہ اپنے مخالفین کے خلاف زبان کھولتے وقت ہم ہر بُری بات کے مرتکب ہو جاتے ہیں، گالیاں ہم بک لیتے ہیں، غیبتیں ہم کر لیتے ہیں، بہتان ہم باندھ لیتے ہیں، اور مقابل کو نیچا دکھانے کے لئے طرح طرح کے جھوٹ ہم گھڑ لیتے ہیں، اور یوں بھی بات بنے تو فریب اور مکاری کے تمام زینے طے کر کے "مسلم کشی" کی اس بام تک پہنچ جاتے ہیں کہ جہاں سے کفر و الحاد کی دنیا کچھ زیادہ دور نہیں رہ جاتی، کچھ اسی طرح کا معاملہ مولانا مودودی کے ساتھ بھی ہوا ہے، بعض مذہبی فنکاروں نے ان کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ پھول کانٹے اور حق ناحق محسوس ہونے لگا، پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ہمارے ان بزرگوں نے کہ جن کی بزرگی میں کسی کو کوئی اشکال نہیں مولانا مودودی اور ان کی قائم کردہ جماعت پر گمراہی کے فتوے جڑ دیئے اور یہ تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی جو باتیں اُن کے کانوں میں انڈیلی جا رہی ہیں وہ مبنی بر صداقت ہیں بھی یا نہیں۔

بریلوی حضرات نے عوام کو ورغلانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ دیوبندی رسول کے دشمن ہیں۔ ان کے فریب نہ پھیلے عوام تو کالانعام ہوتے ہی ہیں انھوں نے اسی بات کو قبولیت کے کانوں سے سُنا اور دیوبندیوں کو رسول کا دشمن سمجھ بیٹھے۔ دیوبندیوں نے سیرت کے جلسوں کی لاتعداد مرتبہ آنحضور کی عظمت و رفعت کا اعتراف کیا اور اس وضاحت کیسا تھ اعتراف کیا کہ جو شخص آنحضور کی عظمت و رفعت کا معترف نہ ہو اور خدا کے بعد آپ کو سب سے زیادہ مرتفع نہ سمجھتا ہو وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ــــ دیوبندیوں نے سیرت رسول پر جتنی کتابیں لکھ ماری ہیں اس کا پچاس واں حصہ بھی بریلوی حضرات نے نہیں لکھا ہے لیکن دیوبندیوں کے بارے میں جو غلط فہمی پھیلائی گئی تھی وہ مؤثر ثابت ہوئی اور آج بھی جب کہ علم و عقل کا سورج نصف النہار پر ہے اور حقائق روشن روشنی کی طرح کھل کر سامنے آ گئے ہیں ایک بڑا طبقہ دیوبندیوں کو آنحضور کا دشمن خیال کرتا ہے، بالکل یہی حربہ جماعت اسلامی کے خلاف نام نہاد مولویوں نے بھی اختیار کر رکھا ہے وہ مدت سے یہ غلط فہمی پھیلا رہے ہیں کہ مولانا مودودی اور ان کے رفقاء صحابۂ کرام کے دشمن ہیں، آپ مولانا مودودی کی لکھی ہوئی وہ کتابیں اٹھالیں دیکھئے جن میں انھوں نے صحابۂ کرام کا صحیح مقام متعین کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انبیاء کے بعد سب سے زیادہ متقی، متدین اور مرتاض صحابۂ کرام ہی ہیں۔ اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ولی اور قطب از راہِ رُتبہ کسی معمولی درجہ کے صحابی کے مقابل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایسی کتابیں پڑھنے کے بعد بھی جماعت اسلامی کے دشمن ٹس سے مس نہیں ہوں گے اور وہ وہی پرانی لے میں یہ کہتے نظر آئیں گے کہ مودودی لوگ صحابہ کے دشمن ہیں۔ ان کے بدخواہ ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح بریلوی حضرات کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی رنگ لا کر رہی اسی طرح نام نہاد مولویوں نے جماعت اسلامی

کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلائی تھیں وہ کافی حد تک مؤثر ثابت ہوئیں اور بدنصیبی سے آج معاشرے میں اس قسم کے لوگوں کی کمی نہیں کہ جو الف کے نام بے نہیں جانتے، جنھیں کبھی کتابیں پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، جن کو علم برائے نام اور عقل برائے بیت دی گئی ہے۔ وہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو صحابہ کا بدخواہ کہتے پھرتے ہیں۔

راؤ شمشیر علی خاں اگر نام نہاد مولویوں کی پھیلائی غلاظت اٹھا کر اپنے کپڑوں پر مل لیں تو اس میں مولانا مودودی اور ان کی جماعت کا کوئی نقصان نہیں۔ نقصان تو راؤ صاحب کا ہی ہے کہ وہ اس گندگی کو سینے سے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جس کے متعفن ہونے میں کسی بھی صاحب شعور آدمی کو کوئی کلام نہیں ہے۔

محترم عبد الرحمٰن صاحب! آپ فکر نہ کیجیے۔ جلد ہی یوم انصاف قائم ہونے والا ہے اس دن ہر شخص کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، نیکی کرنے والے کو نیکی کا صلہ مل کر ہی رہے گا، اور بدی کرنے والے کو اس کی پاداش بھگتنی ہی پڑے گی، اللہ محفوظ رکھے، اس دن کی سختی سے جس دن عالم یہ ہوگا کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جس نے ذرے کے برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرے کے برابر برائی کی ہوگی وہ بھی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھے گا، بڑے اور بدقماش اور دوسروں پر بہتان باندھنے والے لوگ اپنے نامۂ اعمال دیکھ کر چیخ اٹھیں گے۔

ہائے یہ کیسی کتاب ہے کہ جس نے بڑے گناہ کو چھوڑا ہے اور نہ چھوٹے گناہ کو اس دن کسی شخص کو اس لئے نہیں بخشا جا سکتا کہ وہ کسی قطب اور غوث کا متوالہ ہے، اور کسی کو محض اس بنیاد پر داخل جہنم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا تعلق فلاں گروہ سے ہے وہاں فرداً فرداً سب کے اعمالنامے ٹٹولے جائیں گے، احتساب سے اولیا بچیں گے اور نہ اقطاب الا یہ ہے کہ پروردگار کسی کو اپنی رحمت اور فضل سے بغیر حساب وکتاب کے داخل جنت کر دے۔ لیکن ازراہِ اصول اور ازراہ قانون احتساب کی منزلوں سے سبھی کو گزرنا پڑے گا۔ مولانا مودودی بھی خدائی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے پر مجبور ہوں گے۔ اگر مولانا مودودی فی الواقعہ صحابہ کے دشمن ہیں۔ تو اللہ کی پکڑ سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ثابت ہوا، یعنی وہ صحابہ کے دشمن ثابت نہ ہو سکے اور ثابت یہ ہوا کہ ارباب جبہ ودستار نے ان کی مقبولیت کو گھٹانے اور کم کرنے کے لئے ازراہِ سیاست ان پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ صحابہ دشمنی میں مبتلا ہے تو ان ارباب جبہ ودستار پر اور ان کی اندھی تقلید کرنے والے نشئوں پر کیا گزرے گی؟ کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بچ جائیں گے؟ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے لوگ تو عین ممکن ہے کہ بے حساب جنت میں داخل ہو جائیں لیکن حقوق العباد میں کوتاہی کرنے والے اور اللہ کے بندوں پر بالخصوص نیک اور پاکباز بندوں پر .... لئے سیدھے الزام لگانے والے لوگ اپنی خطاؤں کی سزا پائے بغیر کس طرح داخل بہشت ہو جائیں گے؟

راؤ صاحب کے بارے میں ہمیں یہ علم نہیں کہ کون ہیں اور کس حیثیت کے مالک ہیں البتہ یہ بات ہم انتہائی وثوق کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ مولانا مودودی جیسے جلیل القدر علماء کے مقابلہ

یں راؤ صاحب جیسے لوگوں کی مثال ستو کے لوٹ کے سامنے انھنی کی سی ہے فقط

عجوبہ

سوال ۴۸ :- غلام حسنین ۱۷ ر اپریل آستانہ دہلی اپریل ۱۹۵۱ء میں باب استفسار کے عنوان سے چند صفحے ہیں اس میں کسی نے سوال کیا ہے وہ ذیل میں درج کرتا ہوں

استفتا: کیا زندگی میں کسی پیر کا بنانا ضروری ہے اگر کوئی شخص کسی کو پیر نہیں بناتا تو کیا حرج ہے ؛ خریدار نمبر ۵۲۹۰ ۔

الجواب : حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں ہوتا اس کا شیطان پیر ہوتا ہے اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ پیر بنانیکی کیا فضیلت ہے اور پیر نہ بنانے میں کیا نقصان ہے ، لیکن پیر ایسا ہونا چاہئے جو متبع سنت ہو ،

برائے مہربانی بذریعہ تجلی جواب دیں تاکہ بہتوں کا بھلا ہو !

الجواب ۴۸ :- ہمارے نزدیک یہ بات عجوبہ سے کم نہیں کہ پیری مریدی کو لوگ منجملہ فرائض سمجھنے لگے ہیں ۔ پیری مریدی کے کچھ فوائد ضروری ہیں ۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ مرید ہونا اور کسی رہنما کو اپنا پیر بنانا ازبسکہ ضروری ہے ، جہالت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے

مجیب محترم نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے یہ آج تک ہماری نظروں سے نہیں گذری ، بہتر ہوگا کہ آپ ان ہی سے مذکورہ حدیث کا حوالہ طلب کریں ۔ تاکہ کچھ دیر کے لئے تو وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہوں ۔

جہالت کا کرشمہ

سوال ۴۹ :- مومن نور الحسن جی ایم تھانہ روڈ ۔ بھیڑی دسمبر ۷۶ء کے تجلی میں آپنے ناچیز کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جو قبرستان میں قربانی سے متعلق تھا ۔ مجھے افسوس ہے بیکہ سوال مبہم ہونیکی وجہ سے جواب بھی مبہم ہی ملا اصل مسئلہ یہ ہیکہ ہمارے شہر میں خاص عیدالاضحیٰ کے موقع پر کچھ لوگ قبرستان جیسی عبرت و نصیحت والی جگہ کو بھی بطور مذبح کے استعمال کرتے ہیں ، جیسا کہ میں نے تحریر کیا تھا میرا اور میرے کچھ دوستوں کا دل اس حرکت کو پسند نہیں کرتا ہمارا خیال ہے کہ جب شہر کی میونسپلٹی نے کئی جگہوں پر قربانی کیلئے عارضی مذبح خانوں کی اجازت دے رکھی ہے تو قبرستان جیسی جائے عبرت کو اس سے مستثنیٰ ہی رکھا جائے ۔ خوامخواہ آداب قبرستان کی بے حرمتی سے کیا حاصل ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قربانی کرنے والوں کی یہ حرکت منجملہ گناہ ہو اور خدا کی ناراضگی کا باعث ہو ۔

الجواب ۴۹ :- قربانی کسی بھی جگہ کی جائے ، اللہ کی بارگاہ میں خلوص کی کمی اور زیادتی کیساتھ اس کا مقام معین کیا جاتا ہے ۔ خلوص اسے نہیں کہتے کہ آدمی قربانی کے لئے مسجد یا قبرستان جیسی جگہوں میں جانور ذبح کرے بلکہ خلوص کا تعلق دل سے ہے پھر یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے اور اللہ کے رسول کے صحابہ نے نہ کیا ہو اس میں خیر اور اولیت نہیں ہوسکتی ، جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں قربانی کرنے کی مثال قائم نہیں کی تو ہمیں کیا حق ہے کہ دین میں یہ نئی راہ نکالیں حیرت ہے کہ لوگ ترک سنت میں اولیت کیسے تلاش کر لیتے ہیں ۔ اولیت تو سنت میں ہے سنت کے خلاف کچھ کر گذریئے اس میں خیر اور اولیت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی ، اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے لگے ، (باقی صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ کریں)

بھٹو کے دورِ ضلالت میں

حلال انور

چوروں کی حکمرانی

وہ سب چور تھے

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ پاکستان پر دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک علی بابا چالیس چوروں کی حکومت تھی، ایسے لوگوں کا راج تھا، جو سب منگ تھے، بلکہ جو موقع ملنے پر ایک دوسرے کو لوٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ پیپلز پارٹی کے دورِ اقتدار کو اگر مختصر ترین الفاظ میں بیان کیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تھی فراڈ کی حکومت، فراڈ کے ساتھ فراڈ کیلئے،

شادی کی تقریب میں ایک ظریف بھانڈ نے دوسرے سے کہا، بھائی ایوب خاں میں نے تو دو دو بند بنوائے تھے جیسے راول بند، منگلا بند وغیرہ، بھٹو نے کیا کیا؟

دوسرے بھانڈ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا:
"چینی بند، گھی بند، آٹا بند، اور زبان بند"

تمام محفل زعفران زار بن گئی،

بظاہر یہ ایک لطیفہ سہی لیکن اظہارِ حقیقت تھا۔ چینی، آٹا، گھی، انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہیں لیکن انھیں مہنگا، نایاب اور بند کر کے پیپلز پارٹی نے لوگوں کو راتوں رات امیر بنا دیا گیا، پیپلز پارٹی کے چیئرمینوں کو عام طور پر "چور مین" کہا جانے لگا، اور یہ سچ ہے کہ وہ لوگ تھے ہی چور اور لٹیرے،

ہمارے ہاں سیاست بھی ایک کاروبار ہے یعنی دولت صرف کر کے اگر ایک سیاستدان برسرِ اقتدار آ جاتا ہے تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کم از کم وہ اس دولت سے چالیس گنا زیادہ دولت پیدا کرے، جو اس نے انتخابی مہم پر خرچ کی تھی، چونکہ ایسا کرنا کسی جائز ذریعے یا وسیلے سے ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے ان ذرائع کا استعمال ایک عرصے سے عام رواج بن چکا ہے ایوب خاں کے زمانے میں روٹ پرمٹوں اور درآمدی و برآمدی لائسنسوں سے نوازنے اور انھیں رام کرنے کی "بینک ہواویت" کا آغاز ہوا تھا، یہ ایک قسم کی رشوت تھی، جو بعد میں کارِ وبا کی طرح پھیل گئی۔ بھٹو کے زمانے میں اس روایت پر

عملدرآمد کچھ اس انداز میں ہوا کہ پورے ملک کو مالِ غنیمت سمجھ لیا گیا، جس حد تک کسی کا بس چلا اس نے عوام اور قومی سرمایہ کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا،

اس سلسلے کا آغاز ملک میں روپے کی قیمت گھٹا کر کیا گیا، یہ دراصل مصنوعی گرانی پیدا کر کے اس کے نتیجے میں منظم لوٹ مار کا ایک بہانہ تھا جسے سرکاری سطح پر اختیار کیا گیا، ایک طرف مزدوروں کی تنخواہوں میں دگنا اضافہ کیا گیا تو دوسری طرف کرنسی نوٹ چھاپ کر اور روپے کی قیمت گھٹا کر عام اشیاء کو پہلے سے دس گنا زیادہ گراں اور نایاب بنا دیا گیا،

یہ ایسی صورت حال تھی جس میں بڑے تاجروں اور آڑھتیوں نے خوب ہاتھ رنگے، راتوں رات ملک بھر میں راشن ڈپوؤں کا جال بچھا دیا گیا، اور ان ڈپوؤں کو الاٹ کرنے کے لئے یہ پالیسی اختیار کی گئی، کہ اوّل تو مقامی ایم پی اے اور ایم این اے یا ان کے قریبی رشتہ رشتہ داروں کو یہ ڈپو الاٹ کر دیئے گئے یا پھر محلے پیپلز پارٹی کے چیئرمینوں کو یہ چیئرمین عام طور پر وہ لوگ تھے جو قبل ازیں لوگوں سے جگا ٹیکس اور غنڈہ ٹیکس وصول کر کے زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جنھیں معاشرے میں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو ان لوگوں کے وارے نیارے ہو گئے، یہ لوگ راتوں رات امیر ہو گئے، ہزاروں اور لاکھوں میں کھیلنے لگے، کل تک جنھیں کوئی گھاس نہ ڈالتا تھا معزز ڈپو ہولڈر بن گئے، شرفاء ان کے پاس چینی آٹے کا سوال لیکر جانے لگے، سینکڑوں بوگس راشن کارڈ بنے اور یہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے کہیں کہیں پہنچ گئے،

سوشلزم ہماری معیشت ہے کے نعرے کی آڑ میں بے شمار کارخانوں کو سرکاری ملکیت میں لے لیا گیا جو پہلے نجی ملکیت میں تھے اور جن کی استعداد اور کارکردگی کے بارے میں قطعاً کوئی شکایت نہ تھی، آٹے، گھی اور چینی کے کارخانوں کو سرکاری کنٹرول میں اس خیال سے لیا گیا کہ عام ضروریات زندگی کی چیزوں کی سپلائی سے بلکہ ہر وقت ضرورت پڑتی ہے ان ذرائع پیداوار کو اپنے کنٹرول میں لے کر نہ صرف پیپلز پارٹی کے لوگوں کو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں، بلکہ راشن ڈپوؤں پر ان کی سپلائی پر کنٹرول بھی کیا جائے، اگر ان کارخانوں کو سرکاری کنٹرول سے آزاد ہی رہنے دیا جاتا تو خدشہ تھا کہ ان کے مالک ان کارخانوں کی پیداوار کا رخ راشن ڈپوؤں کی بجائے کھلے بازار کی طرف نہ موڑ دیں اور اس طرح دولت کا سرچشمہ ان کے قبضے میں آچکا تھا، ان کی گرفت سے نہ نکل جائے،

پیپلز پارٹی کی صنعتی نیشنلائزیشن کی پالیسی کی تاریخ اور اس سلسلے میں کئے گئے اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن کارخانوں کو سرکاری تحویل میں لیا گیا ان میں تھوک کے حساب سے چھانٹیاں اور انتظامی تبدیلیاں کی گئیں، پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو جوق در جوق ملازم رکھا گیا۔ کارخانوں کی پیداوار کو قومی سرمایہ سمجھ کر تقسیم کرنے اور استعمال کرنے کی بجائے بلیک مارکیٹ کے حوالے کر دیا گیا، اور ناجائز منافع خوری سے کروڑوں روپیہ ہضم کر لیا گیا، بعض کارخانوں میں تو اس حد تک دھاندلی کی گئی کہ مشینری تک بیچ ڈالی گئی، زرعی صنعتی یونٹوں کو قومیانے کے سلسلے میں پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو خواہ کوئی بھی دلیل پیش کریں، قوم کو قائل نہیں کر سکتے روئی بیلنے اور چاول چھڑنے کے بے شمار کارخانوں کو قومیانے میں ایسی بے تدبیری اور انتقامی ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگ راتوں رات اپنے سرمایہ سے محروم ہو کر کوڑی کے محتاج اور مقروض ہو کر رہ گئے، ایسے کارخانے عام طور پر اوسط درجے کے لوگوں کے پاس تھے اور ان کی نیشنلائزیشن کے پیچھے مسٹر بھٹو اور اس کے وزیر زراعت شیخ رشید کا یہ خیال کارفرما تھا کہ چونکہ سیاسی بیداری اور مدنی شعور عام طور پر متوسط۔

طبقے میں پایا جاتا ہے، اس لئے اس طبقے کو مکمل طور پر
کچل دیا جائے، ایک خیال یہ بھی ہوگا، کہ اس طبقے کو
اقتصادی مسائل میں ایسا الجھا دیا جائے کہ وہ جمہوریت
اور شہری حقوق کو بھول جائے اور وقت کی زیادہ تر
جدوجہد میں کھو جائے

حقیقت یہ ہے کہ ان کارخانوں کو سرکاری
تحویل میں لینے کا اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی کسی پہلو
سے قطعاً کوئی جواز نہ تھا، بعض کارخانوں کے گوداموں
میں ڈھیروں اور ٹنوں کے حساب سے ایسی چیزوں کی شکل
پر مہنگے داموں پر خریدا ہوا مال موجود تھا، قومیانے کے
بعد خام مال خصوصاً روئی کی قیمتیں بے حد کم کر دی گئیں
اس سے ان کارخانوں کے مالکوں کو دوہرا نقصان برداشت
کرنا پڑا، ایک طرف وہ مہنگے داموں خریدا ہوا مال خصوصاً
کو واپس نہ کر سکتے تھے، دوسری طرف اس مال کو کارخانوں
میں استعمال نہ کر سکتے تھے کیونکہ کارخانے سرکاری قبضے
میں جا چکے تھے تیسری طرف بنک قرضہ وصول کرنے پر اصرار
کر رہے تھے اور چوتھی طرف حکومت نے کارخانے کے
کسی مالک کو، کارخانے کی قیمت ادا نہیں کی تھی، حالت
یہ تھی کہ بعض کارخانے دار جو کل تک لاکھوں میں کھیل رہے
تھے، اچانک دیوالیہ ہو گئے، حکومت نے انھیں کوئی معاوضہ
ادا نہیں کیا، بنکوں اور ساہوکار قسم کے لوگوں نے قرض
وصول کرنے کے لئے ان کے ذاتی مکان تک قبضے میں لے
لئے، وہ لوگ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے، انھیں گھر
کا زیور اور فرنیچر بیچ کر پیٹ پالنا پڑا، لیکن دوسری
طرف پیپلز پارٹی کے جن ورکروں کی تحویل میں یہ کارخانے
دیئے گئے وہ اچانک لکھ پتی اور کروڑ پتی بن گئے،

وہ تمام مختلف ایجنسیاں اور ڈیلر یا لائسنس جن
کا تعلق سرکاری تحویل میں کیے گئے کارخانوں کی
پیداوار کی تقسیم سے تھا، صرف ایسے لوگوں کو عطا کئے گئے
جو یا تو پیپلز پارٹی کے ارکان یا جن کی اس پارٹی اور بھٹو
کی ذات سے وفاداری پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا، ایسی
ایجنسیوں کے مالک راتوں رات امیر بن گئے، جنکی
معاشرے میں کوئی عزت نہ تھی اب "چودھری" اور "جناب"
کہلانے لگے، اس معاشرے میں تو کمینہ بھی شرافت کا مجسمہ
بن جاتا ہے اور جب یہ ایسی دولت تھی جس کا دریا
بہہ رہا تھا، شرط صرف ایک تھی کہ آدمی کے پاس ضمیر نام
کی کوئی چیز نہ ہو، پھر دولت، شہرت عزت ان کے قدم
چومنے لگی تھی، سیمنٹ کی ایجنسیاں، چاول کی ایجنسیاں
تیل کی ایجنسیاں، بنولے کی ایجنسیاں غرضکہ پی پی پی کا
ہر اہم ورکر کمیشن ایجنٹ بن گیا، اور ذھن اس کے اوپر زر
برسنے لگا جیسے بارش۔

۱۹۷۴ء میں مٹی کے تیل کا مصنوعی بحران پیدا کیا
گیا مقصد یہ تھا کہ نجی تقسیم کنندگان کو بدنام کر کے صارفین
کے استعمال کی بنیادی ضروریات کی تقسیم اپنے خاص چمچوں
کے حوالے کر دی جائے بالآخر یہی ہوا، جن دوکانوں پر مٹی
کا تیل فروخت ہوتا تھا وہاں ہر روز عوام کی قطاریں
دکھائی دینے لگیں، آخر یہ قطاریں طویل سے طویل ہوتی
چلی گئیں اور مٹی کے تیل کی نایابی سے عوام چیخ اٹھے، اس
وقت اس مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ اس کی تقسیم کا نظام
تبدیل کر کے پیپلز پارٹی کے ورکروں کو ایجنسیاں الاٹ
کر دی گئیں اور یہ سارا منصوبہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا
سیمنٹ کے سلسلے میں بھی اسی منصوبے پر عمل کیا گیا،
پہلے اسے مہنگا کیا گیا پھر اس کی تقسیم پر اپنے آدمیوں
کی اجارہ داری قائم کر دی گئی، بدقسمتی سے یہ سلسلہ
ابھی تک جاری ہے،

مختصر یہ کہ جیسے زیادہ سے زیادہ رعایت بھی سرکاری
شعبے سے تعلق رکھتی تھی اسے صرف اور صرف پی پی پی کے
ورکروں کے لئے وقف کر دیا گیا، ریلوے پلیٹ فارموں
کے اسٹال ایسے لوگوں کو الاٹ کیے جانے لگے، جو
پیپلز پارٹی سے تعلق یا وفاداری رکھتے ہوں، بڑے بڑے
سرکاری ٹھیکے بھی ایسے لوگوں کو دیئے جاتے تھے، جو
بھٹو کو اپنا پروردگار سمجھتے تھے، سمگلنگ، جوا بازی

اور منشیات کے ناجائز کاروبار کی حوصلہ افزائی کی گئی، اس زمانے میں بعض اطلاعات کے مطابق بعض مرکزی وزیر ایسے دھندوں میں براہ راست ملوث پائے گئے، ملک بھر کے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں میں ملازمتوں پر بھرتی صرف ایک اصول کے تحت ہونے لگی اور وہ تھی رشوت اور سفارش. ہر وزیر اپنے محکمے کی تمام آسامیاں براہ راست احکام سے پر کیا کرتا تھا افسران مجاز اپنی مرضی سے کسی ایک فرد کو بھی محض قابلیت کی بنا پر مقرر نہیں کر سکتے تھے، بھرتی کے معاملے میں ان کے تمام قانونی اختیارات عملی طور پر غصب یا غیر مؤثر بنا دیئے گئے،

صوبہ پنجاب کے ایک سابق وزیر آب پاشی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ کلرکوں اور چپراسیوں تک کی آسامیوں کی فہرست اپنے ڈیسک پر رکھتا تھا اور جسے چاہتا مقرر کر کے اوپر بھیج دیا جاتا، محکمانہ ترقیوں کے معاملے میں بھی یہی چیرہ دستی اختیار کی گئی اور متعدد ایسے افراد کو جو معمولی گریڈوں میں تھے سیاسی بنیادوں پر اعلیٰ گریڈوں تک پہنچا دیا گیا، ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ملک میں جو کچھ موجود ہے اسے ایک فصل سمجھ کر کاٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور شاید پی پی پی کو یقین ہے کہ لوٹ مار کا جو موقع اسے اب میسر ہے وہ شاید پھر کبھی نہ ملے گا،

امپورٹ اور ایکسپورٹ کے سلسلے میں انتہائی ناقص پالیسی اختیار کی گئی. سامان تعیش کی درآمدگی کی حوصلہ افزائی کی گئی، کاروں کی خرید کے سلسلے میں پرمٹ سسٹم رائج ہوا، اور بہت سے "بیکار" لوگ اب نئے ماڈل کی کاروں میں سفر کرتے دکھائی دینے لگے، یہ پرمٹ صرف ایسے لوگوں کو ملتے تھے جو خود کو "اہل" ثابت کر سکتے تھے، پی پی پی سے تعلق یا وفاداری پہلی شرط تھی، یہ ایک قسم کی رشوت کا انوکھا طریقہ تھا، لوگ پرمٹ پر سستے داموں پر کاریں حاصل کرتے اور آگے انہیں کھلی مارکیٹ کے مہنگے نرخوں پر بیچ ڈالتے پی پی پی کے متعدد ایسے ایم پی اے اور ایم این اے تھے جنھوں نے اس سسٹم کی خامیوں سے فائدہ اٹھا کر متعدد پرمٹ حاصل کیے، متعدد کاریں منگوائیں انھیں مہنگے داموں پر بیچ کر پرانی سائیکل کی جگہ ایک نئی کار کے مالک بن گئے

پی پی پی کے عہد اقتدار میں ملک عام طور قدرتی آفات کی زد میں رہا، کبھی سیلاب، کبھی سنگین بارشیں اور کبھی بھونچال غیر ممالک سے "خیرات" مفت امداد کی اپیلیں کارگر ثابت ہوئیں کویت ابوظبی اور سعودی عرب نے کروڑوں ریال کی مفت امداد سیلابی کی، لیکن وہ امداد کہاں گئی؟ اس کا عشر عشیر بھی مستحق لوگوں کو نہ ملا، ثبوت کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں، مارکیٹ میں گھی کے ایسے غیر ملکی ڈبے اور ٹین کھلے داموں فروخت ہوئے جن پر "گفٹ" لکھا ہوا تھا، کیا یہ ٹین کسی سیلاب زدہ کو پہنچے؟ نہیں قیمتی کمبل، گھی، اور دیگر سامان، سب کچھ بعض افسروں کی ملی بھگت سے پی پی پی کے ورکر ہڑپ کر گئے، کروڑوں کی امداد غریبوں اور سیلاب کا شکار عوام پر صرف ہونے کی بجائے پی پی پی کے سرکردہ لوگوں کی جیبوں میں چلی گئی۔

مختصر یہ کہ ایک باقاعدہ اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ملک کی ہری بھری کھیتی کو اجاڑنے اور لوٹ مار کرنے کی کوشش کی گئی، بعض کارخانوں کی مشینری تک فروخت کر دی گئی، ریلوے کے انجن بیچ کھانے کے اسکینڈل اخبارات میں شائع ہونے لگے ہیں ایک طرف ملک کے عوام چکی میں پس رہے تھے اور ان کے افلاس کی شدت پہلے سے زیادہ بڑھ رہی تھی، دوسری طرف پی پی پی کے بڑے اور چھوٹے سب امیر تر ہوتے جا رہے تھے اور ان کی دولت کا اور امارت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا، ان لوگوں نے یہ دولت کیسے اور کن ہتھکنڈوں سے حاصل کی، ہم اس کی مختصر مثالیں پیش کریں گے، کیونکہ تفصیل

قلم بند کرنے کیلئے پورا دفتر درکار ہے،

چوروں کا سردار

اس حقیقت کو پیپلز پارٹی کے بہی خواہ حلقوں میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ بھٹو حکومت کے اہلکین انتہائی بدعنوان تھے وزیر رشوت خور تھے تو اکثر ارکان اسمبلی بھی چور تھے ور کرغنڈے تھے اور عہدے دار لوٹ مار کے ماہر تھے، جس حکومت کے اکثر ارکان بدعنوان اور بد اطوار ہوں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اس حکومت کا سربراہ کس قماش کا ہوگا، اس کا کردار کیسا ہوگا، فارسی کی ایک مثال ہے کہ "لوگ بادشاہ کا مذہب اختیار کر لیتے ہیں" ظاہر ہے کہ اگر حکمراں دیانت دار ہو تو اس کے ماتحت بدعنوانی اور بد دیانتی کی جرأت نہیں کر سکتے، حاکم کا خوف ماتحتوں کو ایمانداری پر مجبور کر دیتا ہے،

پیپلز پارٹی کا دور حکومت اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس زمانے میں ہر قسم کی بدعنوانی، چور بازاری اور ناجائز کاروبار کی کھلی چھوٹ تھی، ایسی اجازت عام چوروں کا سردار یا کم از کم ان کا ساتھی ہی دے سکتا تھا، بھٹو ہمیشہ یہ دعوے کرتے رہے کہ وہ شاہی خزانے سے تنخواہ تک نہیں لیتے لیکن اب جو حقائق سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سال ملک کے کروڑوں روپے کا زرمبادلہ اپنی ذات پر بے دردی سے خرچ کرنے کے عادی تھے، انتہا یہ ہے کہ وہ اس سرزمین کا پانی بھی استعمال نہیں کر سکتے تھے، یورپ سے ان کے لئے "منرل واٹر" بطورِ خاص درآمد کیا جاتا تھا، اس طرح صرف ان کے پانی پر ہر سال قومی خزانے سے ہزاروں روپے کا قیمتی سرمایہ صرف ہوتا تھا، ہر سال لاکھوں روپیہ ایسے سامان پر زرمبادلہ کی صورت میں خرچ کیا جاتا تھا، جو صرف مسٹر بھٹو کی ذات کے لئے منگوایا جاتا تھا اس سامان اور اس پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیل "نصرت بھٹو کیس" میں حکومت کی طرف سے حال ہی میں سپریم کورٹ کے سامنے پیش کی گئی، دھاندلی کی انتہا یہ تھی کہ اس مقصد کے لئے کراچی اور لاڑکانہ میں واقع مسٹر بھٹو کی نجی رہائش گاہوں کو بھی "پرائم منسٹر ہاؤس" کا درجہ دیا گیا اور ان کوٹھیوں کی آرائش و زیبائش اور مرمت وغیرہ پر اٹھنے والے بھاری اخراجات بھی مسٹر بھٹو نے اپنی جیب سے ادا کرنے کی بجائے سرکاری خزانے سے ادا کیئے، ان نجی کوٹھیوں کی آرائش کے لئے جو قیمتی سامان استعمال کیا گیا وہ چین، اٹلی، لندن، اور فرانس وغیرہ ممالک میں واقع پاکستانی سفارت خانوں کی معرفت منگایا گیا، اور اس سامان پر کسی قسم کی کسٹم ڈیوٹی ادا نہیں کی گئی اس طرح چوروں کے اس سردار نے ملک کو دہرا نقصان پہنچایا۔ ایک تو اس سامان کو سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال سے ناجائز مقصد کی تکمیل کے لئے سرکاری خزانے پر ڈاکہ ڈال کر درآمد کیا، دوسرا اسے کسٹم ڈیوٹی مستثنیٰ قرار دے کر سرکاری خزانے کو مزید نقصان پہنچایا، بھٹو کے ذاتی استعمال کی بعض ایسی چیزیں بھی سرکاری خرچ پر بیرونی ملک سے منگائی جاتی تھیں جنہیں کسی بھی ملک کا بدنام سے بدنام اور بدعنوان سے بدعنوان حکمران بھی سرکاری خرچ پر منگانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، ان اشیاء میں سوٹ کے کپڑوں سے لیکر شیشے کے گلاس تک موجود تھے، ایک مرتبہ روم میں پاکستانی سفارت خانے کے توسط سے مسٹر بھٹو کے استعمال کے لئے چھ باتھ روم سیٹ خریدے گئے، ان میں دو سیاہ دو سبز اور دو گلابی رنگ کے تھے، ان میں ڈھائی لاکھ روپیہ امریکی ڈالروں کی صورت میں صرف ہوا، یہ رقم پرائم منسٹر ہاؤس سیکرٹریٹ کے فنڈ سے ادا کی گئی ایک مرتبہ چھری کانٹوں کا ایک قیمتی سیٹ لندن میں پاکستانی سفارت خانے کے توسط سے خریدا گیا جس پر تقریباً دو سو پاؤنڈ ادا کیے گئے، سوال یہ ہے کہ یہ اشیاء پاکستان میں دستیاب نہیں؟ کیا یہ چیزیں

یہاں سستی نہیں ؟ کیا مسٹر بھٹو کو لاکھوں اور کروڑوں روپے کا قیمتی زرِ مبادلہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کا اختیار تھا، نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنی بیوی نصرت بھٹو کیلئے بھی قیمتی سامان کسٹم ڈیوٹی ادا کیے بغیر منگاتے رہے مثلاً پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کے نام سے ایک وقف ۱۸ اگست ۱۹۷۴ء میں قائم کیا گیا اس کی چیئرمین نصرت بھٹو کے لئے ہانگ کانگ سے قالین اور لندن سے قیمتی کرسی اور دیگر آرام و آسائش کا سامان منگایا گیا جس پر کسٹم ڈیوٹی خاص طور پر معاف کی گئی، یہ الزام بھی عام طور پر لگایا جاتا ہے کہ بھٹو کے بچے جو امریکہ اور برطانیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہتے ہیں ان کے تعلیمی اخراجات بھی ان ممالک میں قائم پاکستانی سفارت خانے ادا کیا کرتے تھے،

مسٹر بھٹو نے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ میں نوڈیرو کے مقام پر اپنے زرعی فارم میں کوئی اٹھاسی لاکھ روپے خرچ کئے، انھوں نے کراچی اور لاڑکانہ میں واقع اپنے نجی مکانوں کو گیارہ لاکھ روپے کے زائد خرچ سے ایئر کنڈیشن کرایا، یہ سب کچھ سرکاری خرچ پر کرایا گیا، اس مقصد کے لئے جو ایئر کنڈیشن پلانٹ درآمد کئے گئے ان پر کسی قسم کی کسٹم ڈیوٹی ادا نہیں کی گئی،

مسٹر بھٹو نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنے لئے کچھ نہیں بنایا، لیکن دوسری طرف انتہائی چابکدستی کے ساتھ ایسے ذرائع اختیار کئے جن کا مقصد دونوں ہاتھوں سے اس ملک کی دولت اپنے خاندان میں مرتکز کرنا تھا۔

بھٹو کی مبینہ بیوی حسنہ شیخ کے بارے میں اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ دس کروڑ کا سرمایہ اور زیورات وغیرہ لے کر اس ملک سے فرار ہو گئی، آخر اس کے پاس اس قدر سرمایہ کہاں سے آیا اور کس کی وساطت سے آیا، ایک بنک کے لاکر سے حسنہ شیخ کے ایک کروڑ روپے مالیت کے زیورات کی برآمدگی کی خبریں بھی مختلف اخباروں میں شائع ہوتی رہیں۔

پرائم منسٹر کے سیکرٹ فنڈ کا استعمال بھٹو نے ذاتی مقاصد کیلئے کیا اس فنڈ کو عام طور پر قومی معاملات کیلئے صرف کیا جاتا ہے، لیکن اس بدقسمت ملک کے بددیانت وزیرِ اعظم نے اس فنڈ کو جس طرح استعمال کیا وہ ایک شرمناک کہانی ہے۔ اس فنڈ کا کروڑوں روپیہ مسٹر بھٹو نے سیاسی رشوت کے طور پر ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث لوگوں میں تقسیم کیا۔ یا پھر اپنی ذات پر صرف کیا۔

پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کے نام سے ایک وقف بنایا گیا۔ جسے ایک خیراتی ادارے کی حیثیت سے رجسٹرڈ کرایا گیا، لیکن حقیقتاً اسے مسٹر بھٹو کے خاندان کی "بہبود" کے لئے قائم کیا گیا تھا، اس کے تمام ٹرسٹی بھٹو خاندان کے افراد تھے، کراچی میں ۲۲ کنال آراضی صرف پانچ لاکھ روپے کی برائے نام قیمت پر حاصل کی گئی، جب کہ بازار میں اس کی قیمت کم از کم ساٹھ لاکھ روپے تھی، ٹرسٹ نے ۳ ہزار پانچ سو پچاس مربع گز کا ایک پلاٹ ۳۵/۔ روپے فی مربع گز کے نرخ حاصل کیا، جب بازار میں اس کی قیمت پندرہ ہزار روپے فی مربع گز ہے اس پلاٹ پر دو کروڑ پچاس لاکھ روپے کی لاگت سے وہیں منزلہ عمارت بنائی گئی، جو شہری قواعد کی صریحاً خلاف ورزی تھی کیونکہ متعلقہ محکموں سے اجازت نہ لی گئی تھی، اس کے بعد اس عمارت کے لئے مختلف سرکاری اور نیم سرکاری اداروں سے کوئی پچاس لاکھ روپے کے کرائے پیشگی حاصل کیے گئے یہ رقم بھٹو فیملی نے ہضم کر لی۔ اس ٹرسٹ کے لئے بعض غیر ممالک سے امداد بھی حاصل کی گئی، ابوظہبی کے حکمران نے اسے ایک خیراتی ادارہ سمجھتے ہوئے پاکستانی عوام کے نام پر ڈھائی کروڑ روپے کی رقم بطور عطیہ دی، لیکن یہ ساری رقم ٹرسٹ کے نام پر بھٹو خاندان کی ذاتی تجوریوں میں منتقل کر دی گئی،

غیر ممالک سے عطیات کے نام پر رقم بٹورنے کے لئے ایک اور ٹرسٹ "زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ

کے نام سے قائم کیا گیا زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ جیسے نومبر ۱۹۷۳ء میں قائم کیا گیا تھا، بظاہر پاکستانی عوام کے لئے طبی، تعلیمی اور مذہبی، فلاحی کاموں کے لئے شروع کیا گیا، لیکن اس کی رقوم بھی نہایت غلط طور پر استعمال کی گئیں، اس ٹرسٹ کے لئے ابوظہبی کے امیر نے وقتاً فوقتاً جو عطیات دیئے اور جو غیر ملکی زر مبادلہ کی شکل میں تھے، تین کروڑ تک پہنچے تھے۔ اس ٹرسٹ پر بھی بھٹو فیملی کی اجارہ داری تھی، نصرت بھٹو اس کی چیئرمین تھیں، اور وہ ہی رقوم نکلوانے کے لئے چیک پر دستخط کرنے کی مجاز تھیں، ایک مرتبہ اس ٹرسٹ سے پچاس ہزار روپے کی رقم پیپلز پبلی کیشنز کو منتقل کی گئی، جو بھٹو خاندان کا ایک ادارہ ہے، مساوات اور "نصرت" جیسے پارٹی اخبار شائع کرتا ہے وہ عالیشان اور پر تکلف ریسٹ ہاؤس اس ٹرسٹ کی رقم سے تعمیر کئے گئے جو بھٹو خاندان کی ملکیت اور استعمال میں ہیں، ٹرسٹ کے نام پر کوئی بارہ لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع کی گئی، یہ رقم ٹرسٹ کے قیام سے پہلے منتقل کر دی گئی، صدر پاکستان کے فلاحی فنڈ سے بھی رقم غلط طور پر استعمال کی گئی،

حقیقت یہ ہے کہ پورے پانچ چھ سال تک ملک کے تمام وسائل بڑی بیدردی سے ضائع اور برباد کئے گئے، ملک کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا گیا اور قومی بجٹ کو ذاتی بجٹ تصور کر لیا گیا، اس عرصے میں کسی قسم کے ترقیاتی پلان پر عملدرآمد نہیں کیا گیا، چوتھے پنج سالہ اقتصادی منصوبے کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا، اقتصادی منصوبوں کو ترک کرنے میں مسٹر بھٹو کی منشاء یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مصارف پر کسی قسم کی پابندی پسند نہیں کرتے تھے اور قومی بجٹ کی رقوم کو اپنے آپ پر استعمال کرنے کے عادی تھے، جناب حنیف رامے نے ایک مرتبہ بھٹو حکومت کی اقتصادی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملک کو "ایڈہاک ازم" پر چلایا جا رہا ہے، انھوں نے ایک حقیقت کا اظہار کیا تھا، بھٹو صاحب یہ تأثر دیتے رہے کہ قومی پریس کی دولت ان کے قبضے میں ہے اور وہ جسے چاہیں نواز سکتے ہیں فیڈرل سیکرٹریٹ میں گریڈ ہیں اور اکیس کی بے تحاشا آسامیاں پیدا کی گئیں، ان آسامیوں کی تعداد متحدہ پاکستان کے زمانے سے بڑھ گئی حالانکہ اس وقت مشرقی پاکستان کے بارے میں بھی وفاقی سیکرٹریٹ کو سرکاری اور انتظامی امور کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا تھا، کئی نئی وزارتیں اور ڈویژن قائم کئے گئے وزارت امور خارجہ کو شیطان کی آنت کی طرح پھیلا دیا گیا، تمباکو کمپنی میں کام کرنے والوں کو ٹی وی کارپوریشن کی سربراہی کا کام سونپ دیا گیا، ایسے ایسے لوگوں کو واپس ملازمت میں لے لیا گیا، جنھیں ریٹائر ہوئے مدت ہو چکی تھی اور جن کے قوائے جسمانی و ذہنی بظاہر جواب دے چکے تھے، مقصد صرف ایک غلط یہ تأثر دینا کہ ملک اور اس کی دولت بھٹو کی ذاتی اور موروثی ملکیت ہے اور وہ جسے چاہے امیر اور جسے چاہے غریب بنا سکتا ہے

ایک طرف زرعی اصلاحات کا ڈھونگ رچایا گیا اور متعدد زمینداروں سے انتقامی کارروائی کے انداز میں کسی قیمت کے بغیر اراضی حاصل کی گئی، دوسری طرف ان اصلاحات کا بھٹو کی ذاتی ملکیت میں موجود وسیع اراضی پر بظاہر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ آج بھی لاکھوں روپے کی مالیت کا صرف چاول ہر سال فروخت کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ زرعی اصلاحات کا مقصد زیادہ تر متوسط قسم کے زمینداروں کی زمینوں پر قبضہ کرنا تھا، مصطفیٰ جتوئی اور نواب صادق قریشی اور خود مسٹر بھٹو نے جنھیں ان اصلاحات کے نفاذ کا قبل از وقت علم تھا کچھ ایسا ہی اہتمام کیا کہ وہ ان اصلاحات کے اثرات سے صاف بچ گئے وہ آج بھی اسی طرح بڑے زمیندار ہیں جیسے ۱۹۷۲ء سے قبل تھا،

اخبارات میں اس نوعیت کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں کہ لندن اور سوئٹزرلینڈ کے بعض بنکوں میں بھٹو فیملی کا کثیر سرمایہ زرمبادلہ کی صورت میں جمع ہے بعض حلقوں کے مطابق ایسی اطلاعات بھی شائع ہوئی ہیں کہ بھٹو کے سابق مشیر یوسف بچ کو سوئٹزرلینڈ میں سفیر اسی خیال سے مقرر کیا گیا تھا کہ سوئٹزرلینڈ میں منتقل کردہ بھٹو کے سرمایہ کا تحفظ کر سکیں۔

اخبارات اور رسائل کی بعض اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بھٹو فیملی کے بعض افراد براہ راست سمگلنگ میں ملوث تھے اور ناجائز بین الاقوامی تجارت کے اس کاروبار میں بہت سے اسمگلروں کی پشت پناہی کرتے رہے اس سلسلے میں خاص طور پر حسنہ شیخ کا نام لیا جاتا ہے حسنہ شیخ انتہائی مشتبہ کردار کی خاتون بتائی جاتی ہیں۔ وہ ایک بنگالی غدار کی بیوہ تھیں جسے پاکستانی فوج نے بنگلہ دیش کی تحریک کے دوران گولی مار دی تھی حسنہ شیخ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس نے سابق وزیر اعظم کی منظورِ نظر کی حیثیت سے بے شمار مالی فوائد حاصل کئے اس نے کراچی کے بڑے بڑے ٹھیکیداروں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا، اور وزیر اس کے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار رہتے تھے حسنہ شیخ بھٹو کے سامنے سفارش پیش کرنے کا بے تحاشا رشوت لیا کرتی تھیں، ایسی ہی ایک سفارش کے بدلے میں ایک وزیر نے حسنہ شیخ کو نہایت خوب صورت اور پُر تکلف کوٹھی بنوا کر دی، وزیر لوگ حسنہ شیخ کی خوشامد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ حسنہ شیخ سمگلنگ کے سلسلے میں لانچیں سمندر میں بھجوایا کرتی تھی، یہ لانچیں قیمتی غیر ملکی سامان کراچی میں لاتی تھیں، اس سامان میں غیر ملکی سامان شراب کے علاوہ غیر ملکی کپڑا اور زیبائش کا ساز و سامان ہوتا تھا۔ حسنہ شیخ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس نے بہت سا سونا جمع کر لیا تھا جو زیورات کی شکل میں تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر سرمایہ اپنے ساتھ لندن منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے،

بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بھٹو نے تربیلا ڈیم کی تعمیر میں ۸۶ کروڑ روپے کا غبن کیا تھا، اس رقم کو بھٹو کے نام منتقل کرنے کی مخالفت کرنے والے ایک سیکرٹری محکمہ مال کو برطرف کر دیا گیا تھا،

بھٹو نے پاکستان کے غریب عوام پر یہ جھوٹا تاثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ عوامی سطح پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہے لیکن حقیقت سراسر برعکس تھی، شراب اس کی گھٹی میں تھی، اور وہ انتہائی مہنگی اور غیر ملکی شراب پینے کے عادی تھے، ان کا لباس ہمیشہ غیر ملکی کپڑے سے تیار ہوتا تھا، ان کے جوتے اور موزے تک "فارن میڈ" ہوتے تھے، جب وہ غیر ممالک کا دورہ کرتے تو ان کے ساتھ انتہائی بھاری وفد ہوتا تھا یہ وفد جو کسی برات کی شکل اختیار کرتا تھا، ملک کے قیمتی زرمبادلہ کے ضیاع کا باعث بنتا، کیوں کہ وفد کا ہر رکن بیرون ملک جاکر ہر طرح کی عیاشی میں مشغول ہو جاتا تھا، اور ان عیاشیوں کا تمام خرچ حکومت پاکستان کے ذمہ ہوتا تھا، اس طرح بھٹو نے ملک کا خزانہ بالکل خالی کر دیا، جب ایسے وفد غیر ممالک پہنچتے تو وہاں پاکستانی معیشت اور حکمرانوں کے طرز حکومت کے متعلق انتہائی منفی تاثر پیدا ہوتا تھا،

یہ تھے مسٹر بھٹو، پاکستانی سیاست کے دجال جنھیں دنیا کا مقبول ترین وزیر اعظم کہا گیا، یہ دولت انھوں نے سندھ کے غریب ہاریوں کا خون چوس کر مسلسل چھ سال تک قومی خزانے کو لوٹ کر اور سرمایہ داروں کو بلیک میل کر کے جمع کی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مسز نصرت بھٹو نے اپنے شوہر کے مقدمۂ قتل کے سلسلے میں وکیلوں سے مسلسل رابطہ رکھنے اور لاہور میں بکثرت آمد و رفت کے پیش نظر لاکھوں روپے مالیت کی کوٹھی گلبرگ میں خریدی ہے، اس خبر پر حیرت کے اظہار کی کوئی وجہ

نہ تھی، کیوں کہ یہی وہ مسز بھٹو ہیں جن کے بارے میں اخبارات میں قبل ازیں یہ اطلاعات شائع ہوئی تھیں کہ وہ اکتوبر کے ملتوی شدہ انتخابات پر خرچ کرنے کے لئے صرف لاہور کے پی پی پی کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لئے ایک کروڑ روپے کے کرنسی نوٹ ساتھ لائی تھیں بعض اطلاعات سے علم ہوا ہے کہ بھٹو نے ملک کی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے دو سو کے نمبروں کے کرنسی نوٹ چھاپنے کا حکم دیا تھا، بعض دیگر اطلاعات سے علم ہوا ہے کہ بھٹو نے برسراقتدار آجانے کے فوراً بعد مسٹر پیرزادہ کے توسط سے کراچی کے سیکیورٹی پرنٹنگ پریس میں موجود قیمتی کرنسی نوٹوں کے قیمتی کاغذ کی کچھ پٹیاں حاصل کی تھیں اور اس کاغذ سے بعد میں اپنے لئے ڈھیروں نوٹ چھپوائے تھے، اس طرح ایک طرف مہنگائی میں اضافہ ہوا، مقررہ آمدنی والے طبقہ کی قوتِ خرید پر کاری ضرب لگی اور دوسری طرف بھٹو اور اس کے ساتھیوں کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوا، بعد میں انھوں نے یہ نوٹ یا تو غیر ملکی کرنسی کی شکل میں بیرونی ممالک میں جمع کر دیئے یا اس کے عوض سونا اور جائدادیں خرید لیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب مشہور سمگلر سیٹھ عابد نے بے نظیر بھٹو کو لندن میں اغوا کر لیا تھا تو اسے اس وقت رہا کیا تھا جب سوئٹزرلینڈ کے ایک بنک سے اسے چھ کروڑ روپے کی رقم ادا کی گئی تھی، یہ رقم بھٹو کے ذاتی اکاؤنٹ سے نکلوائی گئی تھی، جہاں محض ایک واقعہ پر چھ کروڑ روپے کی رقم ادا کی جا سکتی ہے تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ویسے مسٹر بھٹو کے غیر ملکی اکاؤنٹس میں کس قدر بھاری مقدار میں دولت جمع ہوگی، بعض حلقے یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کے بیرونی ممالک کے بینکوں میں جمع شدہ تفصیلات اور بنک اکاؤنٹس کے نمبر سیٹھ عابد کو اچھی طرح معلوم ہیں، لیکن مسٹر بھٹو کے ساتھ کیے گئے ایک ذاتی معاہدہ کے مطابق وہ ان تفصیلات کو خفیہ رکھنے کے پابند ہیں۔

اگر بھٹو کو اس بدقسمت قوم پر حکمرانی کا کچھ اور موقع مل جاتا تو وہ اسے مکمل دیوالیہ کر کے چھوڑتے غیر ممالک سے آنے والی سرکاری امداد تک خرد برد کی جاتی رہی، اس خرد برد کی ایک مثال چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنے ایک انٹرویو میں خود بیان کیا کہ لاہور میں متحدہ عرب امارات کی امداد سے ایک ہسپتال تعمیر کرنے کا دعوےٰ بھٹو حکومت نے کیا تھا، جب انھوں نے اس سلسلے میں چھان بین کی تو ہسپتال کی صرف بنیاد ملیں، ہسپتال کا کوئی وجود نہ تھا، بعد میں ایک ملاقات میں جناب ضیاء الحق نے بھٹو سے اس ہسپتال کے لئے ملنے والی امداد کی خرد برد کا ذکر کیا تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ حقیقت یہ تھی کہ کروڑوں روپے کی ساری امداد خود مسٹر بھٹو نے ہڑپ کر لی تھی، یہ تھے، مسٹر بھٹو چوروں کے سردار، لٹیروں کی ٹولی کے سرپرست۔

بدعنوان وزیر، چور گورنر — جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے

"نیک" اور "پارسا" حکمران بھٹو تھے ویسے ہی بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر "پاک باز" اور "دیانت دار" ان کے وزیر تھے، مسٹر بھٹو کے بارے میں ایک حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ وہ اپنے وزیروں کا انتخاب اس اصول کے مطابق کرتے تھے کہ وہ کس حد تک اپنا ضمیر بیچ سکتا ہے ان کے نزدیک ہر شخص کی قیمت مقرر تھی، اور ان کے وزراء انتہائی سستے داموں بکنے والے تھے۔ ان لوگوں نے اپنا ضمیر غیرت اور ایمان بھٹو کے پاس رہن رکھ دیے تھے اور اس رہن کے عوض ہر قسم کی دنیاوی عشرت اور دولت سمیٹنے کا لائسنس انھیں مل گیا تھا، ان وزیروں کی بدعنوانیوں کی داستان شیطان کی آنت کی طرح مکروہ بھی ہے دولت اگر جائز ذرائع سے اکٹھی کی جائے تو اس غریب ملک میں کوئی شخص

انتہائی دولت مند نہیں سکتا..... لیکن سیاستدان تو سیاست میں عام طور پر داخل ہی اس مقصد کے لئے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ناجائز دولت کمانے کے ذرائع آسانی سے آجائیں، اور وہ راتوں رات امیر بن جائیں ایسے سیاست دانوں کو عام طور پر طالع سیاست دان کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بھٹو کے اکثر وزیر طالع آزما تھے، اور وہ پیپلز پارٹی میں ہوا کا رُخ دیکھ کر اس لئے شامل ہوئے تھے کہ جس لوٹ مار کا آغاز بھٹو خود کرنے والے تھے اس میں وہ بھی شامل ہوسکیں، چنانچہ ان وزراء نے ملک کو لوٹا اور دونوں ہاتھوں سے دستانے اتار کر لوٹا، جو لوگ انقلابی نظریات کے ساتھ بھٹو کے ساتھ شامل ہوئے تھے وہ دو چار قدم چل کر ہی ہانپنے لگے، ان کا ضمیر اتنے بڑے سودے کا بوجھ برداشت نہ کرسکا اور وہ بھٹو کے خلاف سرکشی کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے، ان میں جناب جے اے رحیم، معراج محمد خاں، مختار رانا اور محمود علی قصوری شامل ہیں، بعض ایسے تھے جو زیادہ عرصے تک ساتھ رہے اور جب نکلے تو کسی نظریاتی اختلاف کی بناء پر نہیں، بلکہ ذاتی اختلاف یا حد سے زیادہ بے عزتی برداشت نہ کرسکنے کی بناء پر نکلے ان میں خورشید حسن میر اور تاج محمد لنگاہ وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بھٹو صاحب کو بھی اپنے ان نورتنوں کی قدر و قیمت خوب معلوم تھی، وہ انھیں انتہائی گھٹیا کلمات اور بعض اوقات گالی سے مخاطب کرتے تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے وہ اپنے کسی ساتھی کو بد عنوانی کی شاہراہ پر بہت دور نکل جانے کی اجازت دیتے، اس کے بعد اس کی کمزوریوں اور بد عنوانیوں کے ریکارڈ پر مشتمل خفیہ فائل کھول لیتے اس طرح وہ اپنے ان ساتھیوں کو بلیک میل کے ذریعے ہمیشہ وفاداری پر قائم رکھتے، ان خفیہ فائل کی موجودگی میں کوئی وزیر بھٹو کے خلاف سرکشی یا بغاوت کا خیال تک دل میں نہ لا سکتا تھا، اور ایک وفادار کتے کی طرح ہمیشہ اپنے اس مالک کے سامنے دم ہلانے پر مجبور ہوتا تھا،

ان وزیروں نے اپنے عہد وزارت میں بڑے بڑے گل کھلائے، ان میں بعض نامی گرامی سابق سمگلر تھے، بعض جواری اور بعض سابق غنڈے تھے، بعض نے سارا عرصہ اقربا پروری میں گزار دیا بعض نے پرمٹ کی دکان کھولے رکھی، لائسنسوں کی تجارت سے مال اکٹھا کیا، بعض نے سمگلنگ کے لئے لانچیں خریدیں اور ناجائز کرنسی کا کاروبار بھی کیا، بعض نے زیادہ کمیشن کی بولی پر ٹھیکے تقسیم کئے، بعض نے جنرک سکیم کے پردے میں نئی نئی دوا ساز کمپنیوں سے گھٹیا ادویہ فراہم کرنے کے سودے میں لاکھوں کمائے اور بعض نے شہر کے شہر بیچ ڈالے، بلدیاتی اداروں کے پلاٹ کچھ خود الاٹ کرا لیے اور باقی اپنے منظور نظر لوگوں میں بانٹ دیئے کوئی عیاشی تھی جس کا ذائقہ ان وزیروں نے نہ چکھا ہو، شریف لوگوں کی عزتیں سر بازار نیلام کرنے والے بھٹو کے وزیر اور مشیر ہی تو تھے، ان کے زمانے میں شراب مہنگی اور انسانی لہو سستا ہوگیا، پٹواریوں کی بھرتی پر بھی رشوت لی جاتی تھی اور پرائمری اساتذہ (جنھیں نئی نسل کا مستقبل سنوارنا تھا) کی تقرری پر بھی رشوت لی جاتی رہی۔

ملک غلام مصطفےٰ کھر اور ملک معراج خالد۔

مسٹر بھٹو کے قریبی اور دیرینہ ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں بیچ کے عرصہ میں بھٹو اور مصطفےٰ کھر کے درمیان کچھ غلط فہمیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں، اور ان غلط فہمیوں کے نتیجے میں مصطفےٰ کھر کو صوبہ پنجاب میں اقتدار کی گدی سے محروم بھی ہونا پڑا لیکن قومی اتحاد کی تحریک کے دوران مسٹر مصطفےٰ کو

یک بار پھر مسٹر بھٹو کے مشیر بن گئے، بعض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ بباطن دونوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی، اور یہ کہ جن دنوں مصطفےٰ کھر بظاہر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے، وہ درحقیقت مسٹر بھٹو کے ایماء پر اپوزیشن کی مخبری کرنے گئے تھے،

مصطفےٰ کھر تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے ہیں، لیکن جن دنوں وہ ایوب خاں کے خلاف پیپلز پارٹی کی تحریک کے دوران بھٹو کے ساتھ جیل جانے کا تجربہ کر رہے تھے، ان کی زمینداری نام کی رہ گئی تھی انھوں نے اپنی بیشتر آبائی زمینیں بیچ ڈالی تھیں چنانچہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں گورنر ہاؤس پنجاب میں اپنی گورنری کا حلف لے رہے تھے، تو ان کے مالی حالات انتہائی خراب تھے، لیکن برسر اقتدار آجانے کے فوراً بعد کھر کی دولت میں اضافہ ہونے لگا۔ ان کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی، تحصیل کوٹ ادو میں انھوں نے بعض دیگر زمینداروں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر لیا جن کے مقدمات ابھی تک چل رہے ہیں، علاوہ ازیں انھوں نے تھل میں نئی زمینیں خریدیں اپنے گاؤں غربی کھر میں شاندار محل تعمیر کرایا، ایک بے مثال فارم بھی قائم کیا، لائیو سٹاک کے محکمے سے انھوں نے انتہائی قیمتی ڈیپ فریزرز بروستی حاصل کیے۔ جنھیں ابھی واپس نہیں کیا کھر نے یہ طریق واردات اختیار کر رکھا تھا کہ وہ ہفتے میں ایک دن اپنے علاقے کے لوگوں سے ملاقات کر کے ان کے مسائل معلوم کرتے تھے اور اپنے پرائیویٹ سیکرٹری یا کسی بھائی کو موقع پر ہی ان کے مسائل حل کرنے کی ہدایات کر دیتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ یہ اجتماع لوگوں سے رشوت وصول کرنے کے سلسلے میں منعقد کرتے تھے، صرف ایسے لوگوں کو ملنے کی اجازت ہوتی تھی، جنھیں ان کا بھائی غ.ن کھر یا مرتضیٰ کھر "ریکمنڈ" کرتا، ریکمنڈ ہونے سے پہلے رشوت کی ایک رقم لازماً دینی ہوتی تھی جسے مصطفےٰ کھر کا کوئی بھائی مصطفےٰ کھر کی جگہ وصول کرتا تھا رشوت کا یہ سلسلہ انتہائی پیمانے پر پھیلایا گیا، مصطفےٰ کھر کی کوٹھی پنجاب کا سب سے بڑا ایمپلائمنٹ ایکسچینج بنی ہوئی تھی، وہ لوگوں کو خصوصاً ملتان اور مظفر گڑھ کے لوگوں کو نوکریاں دلانے میں دفاتر روزگار کو پیچھے چھوڑ گئے تھے، ہر اسامی کی ایک قیمت مقرر تھی، سکول ماسٹر بننے کے لئے بھی مصطفےٰ کھر کی سفارش درکار ہوتی تھی، محکمہ تعلیم کے افسر بے بس تھے، انتہا یہ ہو گئی تھی کہ بعض پیشہ ورانہ اداروں میں داخلے کے لئے بھی مصطفےٰ کھر کی سفارش شرط ٹھہری اور یہ سفارش صرف اس خوش نصیب پر داخلے کا دروازہ کھولتی تھی جو اس کی قیمت مصطفےٰ کھر کے ایجنٹ کو ادا کر سکتا تھا، پرائمری اساتذہ کی تربیت کے اداروں میں تھرڈ ڈویژن والوں کو بھی داخلہ ملنے لگا، ان کے لئے قابلیت و اہلیت کا واحد سرٹیفکیٹ مصطفےٰ کھر یا اس کے بھائی کی سفارش ہوتی تھی، پولیس میں براہ راست ایس اے آئی بھرتی ہونے یا محکمہ ایکسائز میں بطور سب انسپکٹر بھرتی کے لئے دس ہزار سے بیس ہزار تک کی رشوت ایک عام ریٹ تھا، اگر کسی دوست کی سفارش ہوتی تو اس ریٹ میں کچھ کمی کر دی جاتی، بعض لوگوں سے نقد رقم کی بجائے قیمتی تحائف بھی وصول کئے جاتے تھے، کہتے ہیں، ایک صاحب نے اپنے کسی کام کے سلسلے میں مصطفےٰ کھر کو ایک قیمتی کار تحفے میں پیش کی، لیکن شومیٔ قسمت سے ابھی اس شخص کا کام نہ ہوا تھا کہ کھر صاحب کی چھٹی ہو گئی۔

اپنے دورِ اقتدار میں مصطفےٰ کھر نے لوٹ مار کی

ں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، انھوں نے پنجاب یونیورسٹی
یمپس کے قریب اپنے لئے ایک شاندار وسیع و عریض
ٹھی تعمیر کرائی جس پر بلامبالغہ لاکھوں روپے صرف
دیئے ہوں گے، اسے کوٹھی کے بجائے محل کہا جائے تو
اید زیادہ موزوں ہو انھوں نے اس محل کے اندر
پنے ذوق کی تسکین کے لئے ایک شاندار چڑیا گھر بھی قائم
یا، جس میں بعض جانور سنا ہے لاہور کے چڑیا گھر سے
بردستی حاصل کیے تھے، (ویسے جانوروں کے ساتھ
مر کی دلچسپی موروثی تھی، کسی زمانے میں سنا ہے
دہ کتوں اور ریچھوں کی لڑائی میں بہت دلچسپی لیا
تے تھے اور بہت سے شکاری کتے پال رکھے تھے)
ب انھوں نے شہزادے سے شادی کی تو انھیں لاکھوں
وپیوں کے قیمتی تحائف کے علاوہ مہر میں اراضی بھی
ی لاہور میں ان کی دو شاندار کوٹھیاں ہیں۔

مصطفےٰ کھر نے اپنی سرکاری حیثیت کا کس انتہا
ے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس کا ایک ہلکا اندازہ مصطفےٰ
ھر کے چچا نے بھائی نور رحمانی کھر کے مندرجہ ذیل بیان
ے ہوتا ہے جو انھوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور
ی عدالت میں ۱۹۷۵ء میں دیا تھا،

ملک غلام مصطفےٰ کھر کے لئے رشوت کی رقم ڈاکٹر
لام حسین، پرویز میاں اور مرتضیٰ کھر جمع کرتے تھے۔
یک روز ملک غلام مصطفےٰ کھر ملک غلام مرتضیٰ کھر
ور عربی کھر مل بیٹھے، اور فیصلہ کیا گیا کہ ملک مرتضیٰ کھر
ور ملک مصطفےٰ کھر کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں، اور
لک مرتضیٰ کھر کو مجبور کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ دے در
حقیقت اس کا مقصد ناجائز کمائی کی رقم پاکستان سے
نگلستان منتقل کرنا تھا۔ ۲۵ لاکھ روپے کی رقم ڈالر، پونڈ
سٹرلنگ اور دیگر غیر ملکی کرنسیوں میں بدلوائی گئی،
سے ایک سیاہ چرمی بیگ میں ڈالا گیا اور مرتضیٰ کھر
یگر تین ساتھیوں کے ہمراہ لندن روانہ ہو گیا، لندن
یں اس نے ایک ہوٹل خرید لیا ہے اور ایک

پٹرول پمپ چلا رہا ہے،

ملک غلام مرتضیٰ کھر نے پبلک سرونٹ کی حیثیت
سے اپنی سرکاری پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہت
سا رشوت کا پیسہ جمع کیا، اسلام آباد میں ایک بنگلہ تعمیر کیا
ہے جو ملک عربی کے نام ہے در اصل یہ محض ناجائز پیسہ
کی کمائی سے تعمیر کیا گیا ہے وہ کنیال بنک پر بھی ایک
مکان تعمیر کر رہا ہے اور اس کی زمین کا رقبہ ۲۶ کنال
ہے لاہور کے آغا جمیل حیدر نامی شخص نے ڈاکٹر غلام
محمد نامی ایک شخص سے گلبرگ III میں مکان ۶۰/بی اے
بارہ سو روپے ماہوار کرایہ پر (کھر کو) دیا اور پیشگی
کرایہ کے طور پر مالک مکان کو سات ہزار دو سو روپے
ادا کیئے اس مکان کو ایر کنڈیشن بھی کرایا جس پر مدعی
کے اندازے کے مطابق پچاس ہزار روپے سے کم لاگت
نہیں آئی۔ ملک غلام مصطفےٰ کھر نے میوٹیشن نمبر ۶۷۶، ۶۸۰
اور ۷۱۱ کے تحت ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کی
مالیتی ۲۰/۱۴ کنال اراضی کھر غربی مظفر گڑھ میں خریدی
غلام مصطفےٰ کھر نے گورنر کی حیثیت میں کھر غربی میں اپنے
آبائی بنگلہ کی آرائش کروائی، اس کو رنگ و روغن
اور ائیر کنڈیشنڈ کروایا جس پر لاکھوں روپے کی لاگت
آئی، اس نے بھیڑ بکریوں کے لئے شیڈ اور ریکا پیڈوکس
بھی تعمیر کرائے جس پر ڈھائی لاکھ سے کم لاگت
نہیں آئی ہو گی، اس نے اپنی بیوی اور بیٹے کے نام پر
پانچ ٹریکٹر بھی خریدے اس نے پانچ لاکھ مالیت
کی ساٹھ بھینسیں، بیس گائیں اور اعلیٰ نسل کی چھ سو
بھیڑیں خریدیں، اس نے تین بھینسیں لائیوسٹاک
تجرباتی سٹیشن قادر آباد ساہیوال سے بھی حاصل
کیں، ملک غلام مصطفےٰ کھر کے فارم پر چار ایکڑ اراضی
پر مچھلی فارم بنایا گیا اور تقریباً بیس ہزار پونگ مچھلی
محکمہ ماہی گیری سے حاصل کی گئی، اس نے پراجیکٹ
ڈائریکٹر کو بلوا کر پروڈکشن سنٹر لاہور سے ایک
ڈیپ فریزر حاصل کیا اور اسے حکومت کے علم کے

بغیر اپنے فائدہ کے بیچ دیا اس نے مارچ ۱۹۷۲ء
اور مارچ ۱۹۷۴ء کی درمیانی مدت میں اپنی اراضی اور
اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کی اراضی صوبائی
حکومت کے خرچ پر ٹوکن چارج دے کر ہموار کرائی اس سے
پہلے یہ زمینیں ٹیلوں کی شکل میں تھیں۔ مگر اب اوّل درجہ
کی زمینوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ ملک غلام مصطفےٰ کھر
کے پاس اس وقت دس کاریں ہیں، جن میں سے دو مرسڈیز
ہیں، وہ کوٹ ادو کی کمپنی میسرز عبدالوحید خاں، عبداللہ
خاں کا سلیپنگ پارٹنر بھی ہے اس کمپنی کو لاکھوں روپے
مالیت کے سڑکوں کے تعمیر کے ٹھیکے دیئے گئے، ملک
غلام مصطفےٰ کھر کے پاس چھ لاکھ روپے مالیت کا
اسلحہ ہے،

یہ فقط ایسے شخص کی دولت کا ایک اجمالی سا ذکر
ہے جسے بھٹو حکومت کے دور میں دوبارہ برسر اقتدار آنے
کا موقع ملا، اس کے علاوہ اس دولت کا بھی یہاں ذکر
نہیں آیا جسے کھر نے جمع کیا اور بے دریغ عیاشیوں میں اڑا
دیا، کھر کے تعلقات لاہور کے بازارِ حسن کی متعدد طوائفوں
اور ایکٹرسوں سے تھے، انھوں نے یقیناً بے تحاشا روپیہ
ان عورتوں پر بھی خرچ کیا ہوگا بازارِ حسن کی ناہید کے
بارے میں اطلاعات شائع ہوئی ہیں کہ اسے کھر نے قیمتی
زیورات سے لاد دیا تھا، بعض دیگر عورتوں کے سلسلے
میں بھی ایسے افسانے مشہور ہیں، اندازہ یہ ہے کہ مصطفےٰ
کھر نے جہاں کروڑوں روپے کی جائداد اپنے عہد گورنری
و وزارت علیا میں پیدا کی، وہاں اس نے لاکھوں روپے
اپنی عیاشیوں پر بھی خرچ کر دیئے،

بھٹو کی طرح مصطفےٰ کھر بھی ایک بگڑا ہوا شہزادہ
تھا، اس نے جب تک موقع ملا صوبہ پنجاب کی دولت
اور وسائل کو بڑی بے دردی سے لوٹا، سنا گیا ہے
کہ بلوچستان ۔۔۔۔ سے کوئلہ کی فراہمی کا ٹھیکہ انھوں
نے خود حاصل کیا تھا اور اس ٹھیکے میں کوئلے کی مہنگائی
سے فائدہ اٹھا کر گیارہ کروڑ روپے کمائے تھے،

کھر کے بعد پنجاب کے دوسرے نمبر ۲ پر آنے
والے حکمران اور بعد میں وفاقی وزیر جناب ملک معراج
خالد بھی، مالِ غنیمت کو لوٹنے کی اس اندھی دوڑ
میں کسی سے پیچھے نہ رہے ہے "نوائے وقت" میں شائع
ہونے والے اپنے ایک مضمون میں سابق ایم این اے
ڈاکٹر محمود عباس بخاری (جن کا دامن بھی شاید
اتنا صاف نہیں) نے کھر کے بھید کی حیثیت سے
اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ پنجاب کے ایک سابق
وزیر اعلیٰ جو اپنی سادگی اور درویشی کا بہت
بڑا ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے، پٹواریوں کی بھرتی پر
بھی رشوت وصول کیا کرتے تھے، ان کا اشارہ ملک
صاحب کی طرف تھا، بات دراصل یہ ہے کہ جب
تک کھر گورنر رہے، ملک صاحب اگرچہ وزیر اعلیٰ
تھے، لیکن اس قدر با اختیار نہ تھے اور کھر کے مقابلہ
میں دبے دبے رہتے، اس لئے اگر وہ صرف پٹواریوں
کی بھرتی پر رشوت لینے پر اکتفا کرتے رہے ہوں تو
ہم اسے ان کی قناعت پسندی نہیں، بلکہ مجبوری ہی
کہیں گے، وہ سمجھتے ہوں گے کہ فی الحال لمبے ہاتھ مارنے
کا حق گورنر پنجاب ملک مصطفےٰ کھر کو حاصل ہے، لیکن
وہ ایسے گوشہ نشین بھی نہ تھے، ان کے بارے میں ایسی
افواہیں عام طور پر پھیلتی رہیں کہ بعض ایسے افسروں کو
دوبارہ بحال کرنے کے عوض جنھیں مارشل لاء کے ضابطہ
نمبر ۱۱۴ کے تحت بھٹو نے اوائل ۱۹۷۲ء میں ملازمت
سے جبراً سبکدوش کر دیا تھا، ہزاروں روپے کی
رشوت وصول کی، ان دنوں محکمہ بلدیات کا صوبائی
چارج بھی اس کے پاس تھا، اور انھوں نے بعض اطلاعات
کے مطابق بلدیاتی اداروں میں پائے جانے والے عام
مالی غبنوں کے بارے میں ہونے والی انکوائریوں
میں ملوث بعض افسروں کو بچانے اور معاف
کرانے کے عوض بھاری رقوم بطور رشوت حاصل
کیں ملک صاحب ہمیشہ سادگی کا پیکر نظر آتے اور

اپنی تقریروں اور بیانوں میں بڑے کام کی باتیں کہہ جاتے، لیکن ان کی سادگی اور شرافت صرف دھوکہ کی تھی، اندر سے وہ بھی اتنے ہی لالچی، حریص اور کرپٹ تھے، جتنے کہ پیپلز پارٹی کے دیگر وزراء اور ارکان اسمبلی، ملک صاحب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بعض لوگوں کو علاوہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ اور بلدیات کے ٹھیکے دلوائے اور اس کے عوض رشوت حاصل کی،

بطور وفاقی وزیر ملک صاحب کا عمل دخل پنجاب کی صوبائی سیاست میں تو کم ہو گیا تھا لیکن یہاں کی انتظامیہ اور وسائل سے ان کی دلچسپی بدستور قائم رہی تھا اپنے قیمتی خطبات اور "مواعظ حسنہ" کے لئے وہ عام طور پر لاہور کو "پنجاب کا دل ہے" کو منتخب کرتے رہے لاہور ہی فلیٹیز ایریا علاقے شادمان کالونی میں جہاں زمین مرلوں کے نہیں گزوں کے حساب سے بکتی ہے، ملک صاحب نے لاکھوں روپے مالیت کا ایک شاندار پلاٹ چند ہزار میں حاصل کیا، اور بعد میں لاکھوں روپوں کے عوض اسے فروخت کیا، یہ وہی معراج تھے، جو وزارت علیا کے پہلے دن رکشا میں بیٹھ کر اپنے دفتر پہنچے تھے ملک صاحب نے ایک پر تکلف، اور عالیشان، اور محل نما کوٹھی لاہور سے چند میل دور اپنے گاؤں میں بنوائی ہے جہاں ہر طرح کی آرام و زیبائش کا اہتمام کیا گیا ہے اس کوٹھی پر لاکھوں کا خرچہ آیا ہوگا، ملک صاحب کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی جائداد، اثاثوں اور بینک بیلنس میں اضافہ کرتے رہے ان کی دولت کے بارے میں صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، لیکن ایک بات پورے تیقن کے ساتھ کی جا سکتی ہے کہ ملک معراج اور خالد بھی لوٹ مار میں کسی سے پیچھے نہ تھے، اور انھوں نے جو کچھ کمایا، اسے جمع اور محفوظ بھی کیا، مصطفےٰ کھر یا پیرزادہ کی طرح وہ عیاش نہ تھے، یہ بھی الزام ہے کہ ملک معراج خالد چند وکلاء کی سرپرستی کر رہے تھے، ڈیولپمنٹ بورڈ کے راشی افسروں سے مل کر وہ بوگس کلیم بناتے اور انھیں فرضی نام سے الاٹ کروا کے بیچ دیتے اس گروہ کے بارے میں مارشل لاء حکام سے متعدد شہریوں نے تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

سوشلسٹوں کے چیلے

مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی میں عام طور پر ہر قسم اور قماش کے لوگ شامل تھے، ان متضاد عناصر کا آپس میں نکتۂ اتفاق صرف ایک تھا، غوغائی اور موقع پرستی ایک ایسا نظریہ تھا، جس پر سوشلسٹوں کو بھی اتفاق تھا اور سرمایہ پرستوں کو بھی پیپلز پارٹی میں بائیں بازو یا سوشلزم کی ترجمانی اور نمائندگی کرنے والوں میں شیخ رشید، ڈاکٹر مبشر حسن، خورشید حسن میر، تاج محمد لنگاہ وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے،

شیخ رشید کے کرتوتوں کی کہانیاں اب آہستہ آہستہ منظر عام پر آنے لگی ہیں، شروع میں انھیں ... وفاقی وزیر صحت بنایا گیا، اور آخر میں ان کے پاس وفاقی وزیر برائے زراعت کا چارج تھا، ان دونوں حیثیتوں سے انھوں نے اپنی جیب پُر کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، وہ بظاہر غریبوں اور مزدوروں کے حقوق کا نعرہ بلند کرتے رہے اور اپنے آپ کو انتہائی غریب اور معصوم ظاہر کرتے رہے، لیکن درپردہ دونوں ہاتھوں سے سرمایہ اکٹھا کرنے اور وسائل کو اپنی ذاتی منفعت میں لانے کی کوشش فرماتے رہے اور وہ شلوار پہن کر اور قلینچی کے سگریٹ پی کر عوام کو دھوکا دیتے رہے لیکن یہ ان کے وہ دانت تھے جو دکھانے ... کے تھے، ان کے کھانے کے خفیہ دانت اور مضبوط

دانت غریبوں کو کبھی دکھائی نہیں دیئے، لیکن ان
خفیہ اور خون آشام دانتوں کی مدد سے انھوں نے
لاکھوں روپے سے پر و بھیلے اور بنگلے اپنے جہازی معدے
میں اتار لیئے اور ڈکار تک نہ لی۔ جب مارشل لاء
حکومت کے دولت کے گوشوارے طلب کیے تو شیخ رشید
نے انتہائی ڈھٹائی سے کہا کہ انھوں نے کوئی کوٹھی
نہیں بنائی۔ صرف ایک مکان بنایا ہے ڈیڑھ لاکھ
روپے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ رشید نے شادمان
کالونی لاہور میں چند ہزار روپے میں انتہائی قیمتی پلاٹ
حاصل کیا اور بعد میں اس پلاٹ پر لاکھوں روپے کے
خرچ سے ایک عالیشان کوٹھی تعمیر کی۔

جھزک سکیم کے خالق بھی شیخ رشید ہی تھے
سنا گیا ہے کہ انھوں نے محکمہ صحت کے بعض اعلیٰ
افسران کی ملی بھگت سے بعض دوا ساز کمپنیوں
کو ٹھیکے دلائے اور ان کے عوض بھاری رقوم اور
دیگر تحائف وصول کیے۔ شیخ رشید نے اچھرہ لاہور
کے علاقے میں ایک شاندار مارکیٹ بھی تعمیر کرائی
ہے اور اس مارکیٹ کے دکانداروں سے (ایک
اطلاع کے مطابق) پگڑی اور پیشگی کرایہ کی صورت میں
لاکھوں روپے وصول کیے ہیں۔ کوئی ان شیخ صاحب
سے پوچھے کہ یہ مارکیٹ انھوں نے کس کے سرمایہ سے
تعمیر کی ہے اور لاکھوں روپے کی یہ ناجائز کمائی ان کے
نعرۂ سوشلزم سے کیا تعلق رکھتی ہے شیخ رشید کے
پاس اب اپنی ایک شاندار کار بھی ہے جب کہ وزارت
میں آنے سے پہلے ان کے پاس بعض لوگوں کے مطابق
ایک ٹوٹی سی بائیسکل ہوتی تھی۔

شیخ رشید جنھیں ہمارے قومی اخبارات بابائے
سوشلزم بھی کہتے ہیں، کے بارے میں بعض اطلاعات
سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شادمان کالونی میں انھوں
نے دراصل دو پلاٹ حاصل کیے تھے، پہلے ایک پلاٹ
پر ایک کوٹھی تعمیر کرائی اور اسے اس کی تعمیر
کے ذمہ دار ٹھیکیدار ہی کو ساڑھے تین لاکھ روپے
میں فروخت کر دیا، موجودہ کوٹھی جو ایک کنال کے رقبہ
میں ہے اب بھی ان کے عملی قبضے میں ہے یہ الگ بات
ہے کہ وہ خود جیل کی کسی چھوٹی کوٹھڑی میں مقیم ہیں
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کوٹھڑی کو تعمیر کرنے
دینے والے ٹھیکیدار کو بعد میں صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ
بھی دلوا دیا تھا۔

شیخ رشید کے خلاف اپنی سرکاری حیثیت
سے ناجائز فوائد حاصل کرنے کے بے شمار الزامات
ہیں مثلاً جن دنوں وہ متروکہ ٹرسٹ املاک کے محکمے
کے انچارج تھے انھوں نے کئی متروکہ کوٹھیاں اور
فلیٹوں کو جبراً خالی کرا کے ان کا قبضہ اپنے
گماشتوں کو دلوا دیا۔ لاہور کی دیو سماج روڈ پر متروکہ
ٹرسٹ پراپرٹی نمبر ایس ڈبلیو ۹۸۔ آر ۔ ۵ کے جائز
الاٹی ایم الیف شافی کو فروری ۷۵ء میں پولیس کے
ذریعے متروکہ کوٹھی سے جبراً نکلوانے کے بعد بابائے
سوشلزم نے اپنے ایک ایجنٹ کو خلاف قانون
اس کا قبضہ دلوا دیا، اس متروکہ کوٹھی کا الاٹی متعدد
سال سے اس پر قابض تھا اور عدالت سے اس
سلسلے میں یہ فیصلہ بھی حاصل کر چکا تھا کہ وہی اس
پراپرٹی کا جائز قابض ہے۔

اس کے علاوہ دیال سنگھ مینشن کے بعض
متروکہ ٹرسٹ املاک کے فلیٹ بھی انھوں نے زبردستی
اپنے منظور نظر لوگوں کو دلوائے اور ان پر عوامی جمہوری
محاذ جیسے لیبل آویزاں کر دیئے۔ اپنے دور وزارت
کے دوران شیخ رشید نے خویش پروری کی متعدد
دیگر مثالیں بھی پیش کیں، اگر ہم ہر بات کا ذکر کرنے
لگیں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔

اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا ہے شیخ رشید
نے کنبہ پروری کرتے ہوئے اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں
کو معمولی نوکریوں سے ہٹا کر اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔

انھوں نے اپنے بیٹے شیخ امتیاز کو جو ایک کمپنی میں آئل ہیلپر تھا، ڈسٹرکٹ پاپولیشن پلاننگ آفیسر بنا دیا گیا اپنے ایک بھانجے کو جو فوج میں تھا۔ اسپیشل ڈیوٹی سنٹرل محکمہ زراعت میں گریڈ نمبر ۱۶ سے گریڈ نمبر ۱۹ میں ترقی دلوادی علاوہ ازیں مندرجہ ذیل افراد کو نا اہل ہونے کے باوجود اعلیٰ عہدوں پر فائز کرایا۔

چودھری محمد ناصر کو سولہویں گریڈ سے انیسویں گریڈ میں۔

عبدالرحمٰن کو کلرک کے عہدے سے تیرہویں گریڈ میں۔

اسی طرح رفیع، طارق، الطاف قریشی، جاوید الحسن اور خالد بلوچ وغیرہ کو اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے انھیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز کرایا۔

انھوں نے اپنے داماد، ایس یو خاں کے خلاف لاکھوں روپے کے غبن کیس کو اپنے اثر رسوخ کی بنا پر دبا دیا۔

مسٹر ایس یو خان چیف سٹیٹ لائف انشورنس کمپنی ملتان تھے،

غریبوں کے نام نہاد ہمدرد اور سوشلزم کے علمبردار شیخ رشید کی بے ایمانیوں کی فہرست بہت طویل ہے، اس نے اقربا نوازی اور خویش پروری کے نئے ریکارڈ قائم کیئے روزنامہ "سیاست" لاہور (۳، ستمبر ۱۹۷۷ء) کی ایک اطلاع کے مطابق۔ شیخ رشید اپنی عالیشان کوٹھیوں، کار اور دیگر اثاثوں سمیت جو انھوں نے اپنے عہد وزارت اور پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں ناجائز ذرائع سے حاصل کیئے کم از کم دس کروڑ روپے کی جائداد کے مالک بن چکے ہیں اور یہ دس کروڑ روپے وہ تھے جو اٹھتے بیٹھتے غریبوں اور مزدوروں کے نام کی مالا جپتے تھے،

عوامی انجینیر ڈاکٹر مبشر حسن | بظاہر

مرنجاں مرنج، دھان پان اور نستعلیق شخصیت جناب ڈاکٹر مبشر حسن کا شمار بھی پیپلز پارٹی کے ایسے رہنماؤں میں ہوتا ہے جنھیں غریبوں اور جھگی نشینوں، مزارعوں اور مزدوروں سے بے پناہ محبت اور ہمدردی کا دعویٰ تھا جو گلبرگ کی ایک عالیشان کوٹھی کے مکین یا تمکین ہونے کے باوجود ہمیشہ مظلوم طبقات کے غم میں دبلے ہوتے رہتے تھے،

اطلاعات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ پیپلز پارٹی کے غریب ورکروں کو راتوں رات امیر بنانے کا منصوبہ ڈاکٹر صاحب ہی کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھا (شاید ان غریب ورکروں میں وہ خود کو بھی شامل سمجھتے تھے) ڈاکٹر کسی زمانے میں لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے، پیشے کے اعتبار سے سیاست دان لیکن دعویٰ انجینئرنگ میں مہارت کا کرتے ہیں مسٹر بھٹو نے طنزاً انھیں پولیٹکل انجینئر کہا تھا۔ یونیورسٹی سے انھیں بعض ناپسندیدہ سرگرمیوں کی بناء پر نکالا گیا تھا موقع غنیمت جان کر وہ نئی ابھرتی ہوئی جماعت پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے، بھٹو صاحب برسر اقتدار آئے تو وزیر بنے، معاشیات میں مہارت کے دعویدار تھے اسی لئے وزارت خزانہ کا قلمدان ملا انھوں نے پیپلز پارٹی کے ورکروں کو امیر بنانے کا یہ نسخہ پیش کیا کہ روپے کی قیمت گھٹا دی، پھر بعض اطلاعات کے مطابق سیکیورٹی پرنٹنگ پریس کو نئے نوٹ کثیر تعداد میں چھاپنے پر لگا دیا اور صنعتوں اور کارخانوں کو قومی تحویل میں لینا شروع کیا نئے نئے مالی منصوبے شروع کیئے۔ ملک میں راشن ڈپوؤں کا جال بچھا دیا۔

لاہور کے کوثر علی شاہ سے ڈاکٹر صاحب کی بہت گاڑھی چھنتی تھی، ڈاکٹر صاحب ملک میں پیپلز ہاؤسنگ پراجیکٹ کے بانی مبانی تھے، اس پراجیکٹ کا بظاہر بہت خوش نما نصب العین تھا، اس عوامی رہائشی منصوبے کا مقصد غریب لوگوں کو انتہائی معمولی

قیمتوں پر پلاٹ اور مکان وغیرہ فراہم کرتا تھا، اس
مقصد کے لئے قرضے وغیرہ بھی دیے جاتے تھے، لیکن
آج تک جو کچھ ہوا، وہ پاکستانی قوم کے سامنے ہے،
الزام لگایا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نفسِ ناطق کوثر
علی شاہ جو اس پراجیکٹ کے ذمہ دار تھے، عوام سے
بھاری رقمیں بٹور کر ہضم کر گئے، کہتے ہیں کہ انھیں چونکہ
سارے کھیلے میں ڈاکٹر صاحب کی اشیرباد حاصل
تھی، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے بھی کروڑوں کے ناجائز
منافع اور فراڈ میں اپنا حصہ وصول کیا ہوگا، اس رہائشی
منصوبے کے تحت مستحق لوگوں کی بجائے ڈاکٹر
صاحب اور پیپلز پارٹی کے چمچوں کو عام طور پر قرضے، زمینیں
اور مکان مل گئے، جن دنوں ملک میں بناسپتی گھی کا بحران
شروع ہوا تھا اور ملک میں یہ بنیادی ضرورت قریب
قریب ناپید ہو گئی تھی، گھی کی پیداوار اور فراہمی کے
سلسلے میں سنگین دھاندلیاں سامنے آئی تھیں، بعض
حلقوں کے مطابق اس بحران کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کا
ہاتھ تھا، اور وہ بھی مبینہ دھاندلیوں میں ملوث تھے۔
بناسپتی گھی کی تقسیم کے سلسلے میں منظورِ نظر لوگوں کو زیادہ
کوٹے عطا کئے گئے،

بعض اخباری اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ
ڈاکٹر صاحب کوثر علی شاہ کے ذریعہ رشوت بھی لیتے تھے
انھوں نے کوثر علی شاہ کو انگوری باغ سکیم کا پراجیکٹ
ڈائریکٹر مقرر کیا تھا اس منصوبے کا تعلق نیشنل
کنسٹرکشن کمپنی سے تھا جس میں سنگین بدعنوانیوں کا ارتکاب
کیا گیا تھا،

نیشنل کنسٹرکشن کا قیام بھی جناب ڈاکٹر صاحب
ہی کے زبردست دماغ کی پیداوار تھا ڈاکٹر صاحب
کو ایک انجینئر ہونے کی بنا پر معلوم تھا کہ ٹھیکیداری کے
کام میں دھن کس طرح بارش کی طرح برسا کرتا ہے بظاہر
یہ کمپنی بڑے نیک ارادوں کے ساتھ قائم کی گئی تھی،
لیکن حقیقت میں اس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب بھی
سرمایہ داروں میں شامل ہونا چاہتے تھے اس کمپنی کے
مینجنگ ڈائریکٹر عظیم خان ڈاکٹر صاحب کے قریبی دوست
بتائے جاتے ہیں اور روزنامہ "آغاز" کراچی کے (۲۸
اگست) کی اطلاع کے مطابق وہ اب تک امریکہ میں کروڑوں
روپے جمع کرا چکے ہیں،

ڈاکٹر مبشر حسن اور عظیم خان نے اس ادارے میں
صرف پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والوں کو ملازم رکھا
تاکہ لوٹ کھسوٹ پر پردہ پڑا رہے، عظیم خان جسے
پیپلز پارٹی کی ہائی کمان میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا
پرلے درجے کا عیاش طبع شخص تھا، ہر مہینے متعدد بار
اس کے بنگلے پر شراب پارٹی ہوتی تھی، جس میں نائٹ
کلبوں سے کال گرلز بلا کر عریاں رقص کرائے جاتے تھے
علاوہ ازیں ایک نائٹ کلب کی رقاصہ کو نیشنل کنسٹرکشن
کا ایڈمنسٹریٹو آفیسر مقرر کیا گیا، سعودی عرب میں کمپنی
کے تین پراجیکٹوں کے لئے چار ہزار افراد درکار تھے یہ
افراد کمپنی کے بجائے باہر سے لئے گئے، چنانچہ جام
صادق اور کمال اظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاکر تین
ہزار افراد سعودی عرب بھجوائے اور مبینہ طور پر فی کس
پانچ سے چھ ہزار روپے تک وصول کیے یہ رقم مجموعی طور
پر پونے دو کروڑ روپے بنتی ہے،

ڈاکٹر صاحب کی اقتصادی پالیسیوں کا صرف
ایک طبقہ کو فائدہ پہنچا اور وہ طبقہ تھا پی.پی.پی کے کارکنوں
اور عہدیداروں کا جن کے لئے روزگار کے ہزارہا سربستہ
دروازے کھول دیے گئے، ملک کی معیشت پر انہی
لوگوں کی اجارہ داری قائم ہوتی چلی گئی، آخر جب ہر
طرف سے ان کی حکمت عملی پر نکتہ چینی کی جانے لگی تو مسٹر
بھٹو نے انھیں وزارت سے علیحدہ کر دیا، لیکن اس کے
باوجود وہ بالواسطہ طور پر حکومت کے معاملات میں دخل
دیتے رہے سپریم کورٹ کے سامنے حال ہی میں حکومت
کی طرف سے مسٹر بھٹو کے خلاف جو بیان داخل کیا گیا تھا
اس بیان کے ساتھ منسلک ضمیمہ نمبر۱ کے مطابق ڈاکٹر

... نے اپنی ... کے باوجود وزیر اعظم
کے سیکرٹ فنڈ سے تین ہزار روپے اور انٹیلی جنس
بیورو کے فنڈز سے دو لاکھ تئیس ہزار روپے کی خطیر
رقم حاصل کی تھی۔ اب کوئی ڈاکٹ ... سے پوچھے کہ
بھلا آپ کو یہ ڈھائی لاکھ روپے کی رقم مفت میں
کس قومی یا ملی خدمت کے عوض ملی تھی؟ شاید یہ
رقم ان کی اس خدمت کے عوض ملی ہو کہ انھوں نے
عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کے جھگڑے میں ایسا
الجھایا کہ وہ اپنے بنیادی حقوق تک کو بھول گئے ایک
اطلاع کے مطابق وہ اپنے ذاتی ڈرائیور احمد مسعود
کو تین سرکاری اداروں، سوئی گیس، حبیب
بنک، یا پاپولیشن پلاننگ بورڈ میں متعین دکھا کر بیک
وقت تینوں سے اس کی تنخواہ وصول کرتے رہے،

پیرزادہ کے کرتوت

پیپلز پارٹی کے سو ہینے وزیر عبدالحفیظ

پیرزادہ یوں تو حسنِ خداوندی کی دولت سے بھی
مالا مال تھے، لیکن سونا چاندی اور کرنسی نوٹوں کی
دولت میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہ تھے اگرچہ وہ ایک
امیر باپ کے بیٹے تھے، لیکن انھوں نے بھی عہد وزارت
میں کچھ کمایا البتہ اپنی کمائی کا بیشتر حصہ عیاشیوں پر ضائع
بھی کیا، حقیقت یہ ہے کہ پیرزادہ پرلے درجے کے
عیاش انسان تھے، بہت عرصہ پہلے جب کہ پیپلز پارٹی
ابھی ملک میں نئی نئی ابھری تھی، مسٹر بھٹو نے "الفتح"
اور فلسطینیوں کی مدد کے لئے عوام سے چندے کی اپیل
کی تھی۔ ان دنوں پیپلز پارٹی ایک انقلابی سیاسی
جماعت کے کردار میں لوگوں کے سامنے آ رہی تھی چنانچہ
لوگوں نے لاکھوں روپے فلسطینی عوام کی امداد کے
لئے چندے کی صورت میں پیپلز پارٹی کو دیئے اندرونی
حلقوں میں یہ بات عام ہے کہ ان چندوں کا معتو بہ حصہ
حفیظ پیرزادہ ہضم کر گئے۔
بعض اخباری اطلاعات سے یہ علم بھی ہوا ہے
کہ انھوں نے اپنے عہد وزارت میں سرکاری حیثیت
سے سراسر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر مستحق لوگوں
کو کوآپریٹو سوسائٹیوں اور تعمیراتی کمپنیوں کو زمین
الاٹ کر دی اور اس خلافِ قاعدہ وضابطہ الاٹمنٹ
پر انھوں نے تقریباً ۳۵ لاکھ روپے کمائے،
پیرزادہ نے سرکاری حیثیت کا ایک بالکل ناجائز
فائدہ یہ اٹھایا کہ انھوں نے اپنے رشتہ داروں او
بیگم سعدیہ کے رشتہ داروں کے نوازنے میں کوئی کسر
نہ اٹھا رکھی، انھیں کراچی میں سستے داموں پلاٹ دلوائے
قرضے دلوائے، زمینیں دلوائیں اور اعلیٰ عہدوں پر
فائز کروایا، ہندوستان کی مشہور سابق اداکارہ اور
انکی بیگم سعدیہ کی بہن بیگم پارہ (جو آج کل کراچی میں
مقیم ہیں اور فلم سازی کے تجربے کرنے میں دلچسپی لے
رہی ہیں) کو حکومت کے خزانے سے فلم سازی کے
سلسلے میں بطور قرض پانچ لاکھ (اور بعض خبروں کے مطابق
چھ لاکھ) روپے دلوائے جن کی واپسی کی امید بہت
کم ہے،
پیرزادہ کے کرتوتوں کی گواہی مسٹر بھٹو کے
ریکارڈ میں دستیاب ہونے والی ایک خفیہ فائل سے
بھی ملتی ہے اس فائل میں مندرجہ ذیل نوٹ پڑھنے
کے لائق ہیں۔
پیرزادہ کو وفاقی وزیر برائے تعلیم مقرر کیا
گیا اور وہ ابھی تک اسی حیثیت میں کام کر رہے ہیں
اطلاع یہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد سے
بہت زیادہ دولت جمع کر لی ہے اس کا پردہ دو ولی
محمد جاموٹ جو کراچی کا ایک ہسٹری شیٹر ہے، اور
سمگلر ہے،
آگے چل کر اسی فائل میں لکھا ہے کہ کس طرح پیرزادہ
نے منہٹ ڈیک کے تعلق سے ایکسرسوں سے تعلقات
پیدا کئے ہیں اور کیسے انھوں نے مسٹر جاموٹ کو زمینیں
دلوائیں اور سمگلنگ میں اس کی سرپرستی کی اس

فائل میں یہ بھی لکھا ہے کہ پیرزادہ ایک ایسے سمگلر کی بھی سرپرستی کر رہے ہیں جو ہندوستان کا شہری ہے اور یہ کہ ان کی بیگم سعدیہ ناجائز دولت اکٹھی کرنے میں اور تن آسانی کا مظاہرہ کرنے سے بھی باز نہیں آتیں۔

بیگم پیرزادہ (سعدیہ) آج کل لندن میں بتائی جاتی ہیں ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ اس دولت کو کسی منافع بخش کاروبار میں استعمال کرنے میں مصروف ہیں جو بعض اطلاعات کے مطابق پیرزادہ نے سمگلنگ کے وسیع کاروبار سے کمائی تھی اور جو زیادہ تر بیرونی ممالک میں جمع کرادی گئی تھی۔

پیرزادہ کے تعلقات مشہور سمگلر سیٹھ عابد سے بھی بتائے جاتے ہیں، پیرزادہ نے مچھلی کے شکار کے بہانے لانچیں کراچی میں منگوائی تھیں، لیکن بعد میں ان لانچوں سے مچھلی کے شکار کی بجائے غیر ملکی کپڑے بلیو فلمیں اور سامان آرائش کا شکار کھیلا جانے لگا یہ لانچیں جن پر کسٹم والے ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے تھے، دوہا اور ابو ظہبی تک "شکار" کھیلنے چلی جایا کرتی تھیں اور واپسی پر قیمتی غیر ملکی سامان سے لدی پھندی ہوتی تھیں،

پیرزادہ نے محکمہ تعلیم میں وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کا ارتکاب کیا اور متعدد تقرریاں اور ترقیاں مستحق لوگوں کو نظرانداز کر کے کیں، انھوں نے پشاور کی ایک لڑکی (یا خاتون کہہ لیجیے) کو محکمہ تعلیم میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز کرایا، حالانکہ وہ اس عہدے کے لئے قطعاً لیاقت نہ رکھتی تھی، اس کا نام ثمینہ تھا اور اس کیساتھ مخصوص تعلقات کی بناء پر اسے یہ عہدہ دیا گیا،

اطلاعات کے مطابق ثمینہ سے پیرزادہ نے خفیہ طور پر شادی بھی کر لی تھی، یہ تھے جناب حفیظ پیرزادہ، غریبوں کے دوست، لبرل ازم اور سوشلزم کے علمبردار، اور نتھیا گلی میں زیر تعمیر ایک شاندار کوٹھی کے مالک اس کے بارے میں تحقیقات ہو رہی ہے کہ اس کی زمین کیسے ناجائز طور پر پیرزادہ صاحب کو الاٹ کی گئی اور کیوں کر اس پر تعمیر شروع کروائی تھی۔

منافق مولانا

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بات پیپلز پارٹی کے عوامی لیڈروں کے کارناموں کی چل رہی ہو اور جناب کوثر نیازی کا ذکر نہ ہو، اگر یہ کہا جائے کہ وہ ہماری سیاسی تاریخ کے "منافق اعظم" ہیں تو شاید بے جا نہ ہو گا کوثر نیازی کو ہر سیاسی دور میں اپنی خدمات کے عوض دام کھرے کرنے کی عادت رہی ہے کچھ ایسی ہی عادت نسبتاً چھوٹے پیمانے پر رویت ہلال فیم مولانا احتشام الحق تھانوی کو بھی ہے اور یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں کہ دونوں آپس میں بہترین دوست ہیں۔ دراصل دونوں کا ایمان "ابن الوقتی" اور مشغلہ "دولت کمانا" رہا کوثر نیازی نے عملی سیاست صحافت اور تقریروں سے جو کام لیا وہی کام احتشام الحق نے فتوؤں سے لیا، ان کے فتوے عام طور پر بادشاہ وقت کے مزاج کے عین مطابق ہوا کرتے ہیں، ایک بار جبکہ بھٹو اپوزیشن میں تھے، انھوں نے فتویٰ دیا کہ سوشلزم کفر اور اس کا مدعی کافر ہے، لیکن جب بھٹو برسراقتدار آئے تو انھوں نے اپنے "اس غلط فتوے" سے یوں رجوع کیا کہ ان کی گود میں جا بیٹھے اور بطور چیئرمین رویت ہلال کمیٹی تین چار ہزار روپے ماہانہ وصول کرنے کے علاوہ اپنا اور اپنے خاندان کا مستقبل بھی سنوار لیا۔ پلاٹ حاصل کیے، کوٹے اور لائسنس الاٹ کرائے، ٹھیکے کمائے۔ دولت جمع کی۔

لیکن کوثر نیازی کا کوئی جواب ہی نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وفاقی وزراء میں انھوں نے سب سے زیادہ دولت اکٹھی کی تو شاید یہ مبالغہ آمیزی نہ ہو گی، جناب کوثر نیازی نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ایسے مواقع (جب انسان وزیر بن جاتا ہے) روز روز کہاں ملتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس غنیمت موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں

کہ مولانا کے تعلقات پنجاب کے ایک بدنام سمگلر یوسف چودھری سے نہایت گہرے تھے اور وہ ان کے ساتھ سمگلنگ کے دھندے میں بھی بالواسطہ یا براہ راست شرکت کرتے تھے، اسی سمگلر نے مولانا کے لئے اسلام آباد میں ایک عالیشان کوٹھی بنا کر دی جہاں ہر قسم کی عشرت کا سامان مہیا کیا گیا بعض اخباری اطلاعات سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ مولانا...... اپنے باقاعدہ دلال رکھے ہوئے تھے جو دوسری بار حج پر جانے کے خواہش مند لوگوں سے فی کس پانچ ہزار روپے بطور رشوت وصول کر کے مولانا کو دیتے تھے، اس کاروبار سے مولانا نے لاکھوں روپے کمائے) یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ مولانا ہر سال حاجیوں کے ساتھ اپنے خاص آدمی اسمگلنگ کے لیے سعودی عرب بھیجا کرتے تھے اور وہ جو سامان ساتھ لاتے تھے، اس پر کسٹم ڈیوٹی ادا نہیں کی جاتی تھی،

جس سال انھوں نے خشکی کے راستے پاکستان سے ایک لاکھ حاجی سرزمین حجاز بھیجنے کا "شاندار" بندوبست کیا، سنا ہے، ان میں ایک معقول تعداد سمگلروں اور یورپ و مشرقِ وسطیٰ میں ناجائز طور پر داخل ہو کر روزگار ڈھونڈنے والوں کی تھی جنھوں نے (اس مالکان سمیت) کوثر نیازی کو بھاری رشوت دی تھی۔

روزنامہ "آغاز" کراچی کی ایک اطلاع کے مطابق مولانا کوثر نیازی نے سعودی عرب کے بنکوں میں ۲۱ لاکھ روپے غیر ملکی کرنسی کی صورت میں جمع کرا رکھے تھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سابق وزیر اعظم کو بھی مولانا کی اس بیرونی دولت کا علم تھا اور انھوں نے ایک محفل میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا،

ایک طرف یہ حقیقت سامنے رکھیے اور دوسری طرف مولانا کے گوشوارے پر نظر ڈالیے جو انھوں نے اپنے اثاثوں کے بارے میں حکومت کے حوالے کیا ہے اس گوشوارے کے مطابق مولانا کے پاس ساڑھے پندرہ لاکھ روپے کے اثاثے پائے جاتے ہیں، اگرچہ یہ اقرار بھی دولت کی بہت بڑی مقدار کو ظاہر کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ہے کہ مولانا کے پاس اس سے کہیں زیادہ مقدار میں اندرون ملک اور بیرون ملک دولت موجود ہے جس کا اظہار انھوں نے ابھی تک نہیں کیا۔

مولانا کوثر نیازی نے اپنے دورِ وزارت میں اپنی سرکاری حیثیت سے بے حد ناجائز فائدہ اٹھایا، انھوں نے مذکورہ بالا چودھری یوسف کو مختلف اوقات اور مختلف ناموں پر کاروں وغیرہ کی ایجنسیاں دلوائیں جن میں اسلام آباد آٹوز ایجنسی، اے کے موٹرز، اے کے انٹرپرائزز اور منگلا آٹوز خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ان کی الاٹمنٹ سراسر خلاف قاعدہ تھی، چونکہ مولانا خود اس ناجائز کاروبار میں حصہ دار تھے، اس لئے انھوں نے چودھری یوسف کو جائز حدود سے بڑھ کر نوازا اور کثیر دولت کمانے کا موقع فراہم کیا۔

اخبارات میں اکثر و بیشتر مولانا کوثر نیازی کی دھاندلیوں کی تفصیلات شائع ہوتی رہتی ہیں روزنامہ "صداقت" کراچی (۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء) کے مطابق الکرم سکوائر، بازار فیصل اور مینا بازار کے منصوبوں پر تقریباً چالیس کروڑ روپے کی خرد برد، ناجائز ذرائع سے رقم کمانے اور حکومت سے ناجائز مراعات حاصل کرنے کا انکشاف ہوا ہے معلوم ہوا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر رقم کمانے پر مالکان نے سابق وزیر مولانا کوثر نیازی کو کروڑوں روپے بطور کمیشن ادا کیے، کیونکہ مولانا کوثر نیازی اس لوٹ کھسوٹ میں برابر کے شریک تھے اور ان کی مدد سے ان منصوبوں کے مالکان نے کروڑوں روپے کمائے، معلوم ہوا ہے کہ جس زمین پر الکرم سکوائر تعمیر ہو رہا ہے ایک کی قیمت ایک کروڑ ۲۵ لاکھ روپے ہے اسے ۶۵ لاکھ روپے میں خرید لیا گیا اسی طرح بازار فیصل اور مینا بازار کی زمین کا مارکیٹ

ولیو سے تقریباً ایک کروڑ روپے کم داموں پر خریدی
معلوم ہوا کہ یہ زمین نیلام کے ذریعے خریدی گئی تھی۔
اور ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت نیلام کے دوران قیمت
آگے نہیں بڑھنے دی گئی۔ اس طرح جب ان منصوبوں
کی تعمیر شروع ہوئی تو دکانوں کو جعلی ناموں سے بک
کرادیا گیا۔ بعد ازاں ضرورت مند دکانداروں کو دوگنے
داموں پر دکانیں فروخت کی گئیں اس طرح ان منصوبوں
پر مجموعی طور پر ۴۰ کروڑ روپے غیر قانونی طور پر کمائے
گئے اور یہ رقم پیارے میاں کا ایک بھائی لندن لے کر
فرار ہو چکا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ مولانا کوثر نیازی کے پیارے
سے خصوصی تعلقات تھے، انھوں نے زمین دلانے میں
ان کی مدد کی، نیز پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم کے دوران
پیارے میاں نے روپیہ پانی کی طرح بہایا اور مولانا
کوثر نیازی کو بھی کروڑوں روپے بطور رشوت
ادا کیے گئے، واضح رہے کہ مولانا کوثر نیازی نے
لاہور میں کروڑوں روپے کی لاگت سے ایک پریس
لگوایا ہے۔

مولانا کوثر نیازی نے پریس لگایا ہے وہ مصنف
بھی ہیں، کتابیں لکھتے ہیں اور بعض حلقوں کے مطابق
دوسروں سے لکھوا لیتے ہیں، لیکن ایک گر وہ اچھی
طرح جانتے ہیں اور وہ گر ہے ناشرین سے رائلٹی کی
موٹی رقم بٹورنے کا۔ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اپنی
کتاب "رہنمائے حج" بعض دوسرے علماء سے لکھوائی
اور اسے لاکھوں کی تعداد میں ہر سال حاجیوں کو خرید
نے پر مجبور کیا۔ اس کتاب کی رائلٹی سے مولانا بہت
دولت پیدا کی، اسی طرح انھوں نے بھٹو کی شان
میں کتاب "دیدہ ور" تصنیف کی اور ایک معتبر ذریعہ
کے مطابق انھوں نے لاہور کے ایک ناشر سے
اسی کتاب کے حق اشاعت پر تقریباً ایک لاکھ
روپے بطور رائلٹی وصول کئے، مولانا یوں بھی ناشرین
کے بہت قریب تھے کہ ان کے پاس ایک مدت
تک اطلاعات کا محکمہ رہا اور وہ اپنی سرکاری حیثیت
سے ناشرین پر دباؤ ڈالنا اچھی طرح جانتے تھے
مولانا نے اس قدر دولت جمع کر رکھی ہے کہ موجودہ
مارشل لار حکومت نے ان کے خلاف باقاعدہ تحقیقات
کا آغاز کر دیا ہے ان تحقیقات کے نتیجہ میں امید ہے
کہ ان کی بعض دیگر دھاندلیوں کا انکشاف بھی ممکن
ہو سکے گا۔

اخبارات کی ایک یہ بھی اطلاع ہے کہ کوثر نیازی
صاحب کی تحویل میں نیشنل سفرز بھی تھے۔ ان فنڈز
سے وہ گھریلو ٹیلی فون کے بل اور ہوٹلوں میں شراب
نوشی کے ہزاروں روپے کے بل ادا کیا کرتے تھے۔ بعض
اطلاعات سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وہ بزرگان دین کے
مزاروں کے عطیات اور نقد و نذرانے بھی ان مزارو
پر موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ہضم کر جایا کرتے
تھے، انھوں نے حج ویلفیئر فنڈ کا انتہائی ناجائز
استعمال کیا۔ اس فنڈ کی رقوم سے ایک بار انھوں نے
اپنی کتاب "رہنمائے حج" کی پچاس ہزار کتابیں خریدیں
جن کی پندرہ ہزار روپے قیمت بنتی تھی، لیکن دراصل
صرف ایک لاکھ کی اور کم تعداد میں کتابیں خریدی
گئی تھیں، چنانچہ چودہ لاکھ روپے وہ خود ہضم کر گئے
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولانا حج کے لئے درخواست
دینے والوں کی رقوم اپنے ذاتی بنک اکاؤنٹ میں
جمع کرادیا کرتے تھے، اور بعد میں ان رقوم کی واپسی
میں مختلف حیلوں بہانوں سے تاخیر۔ پیدا کرکے
لاکھوں روپیوں کا سود کماتے تھے، ہفت روزہ
"چنگاری" لاہور (۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء) کی ایک اطلاع
کے مطابق اس طرح مولانا نے چھ سال میں کروڑوں

روپوں پر سود وصول کیا اور اے جی آفس پاکستان ریویڈیو کے پاس اس سلسلے میں سود کی ۵۰ لاکھ روپے کی رقم کا ریکارڈ موجود ہے۔

روزنامہ "سیاست" (۲۲ اگست ۷۶ء)

لاہور کی ایک اطلاع کے مطابق مولانا نے ایک بار بظاہر حج ویلفیئر فنڈ سے لاکھوں روپے کی دوائیں حج کے موقع پر حاجی کیمپ میں بھیجیں، لیکن یہ سب کاغذی کاروائی تھی، عملاً کوئی دوا نہ بھیجی گئی۔ اور ساری رقم مولانا خود ہضم کر گئے، ایک بار انھوں نے اپنے پریس سیکرٹری میراں بخش کی معرفت اسلامی سیکرٹریٹ جدّہ سے تبلیغ وغیرہ کے چکر میں بارہ ہزار ڈالر وصول کر کے ہضم کر لیے، اس نوعیت کی مزید بے شمار دھاندلیوں کی مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں حقیقت میں انھوں نے بہت زیادہ دولت کمائی ہے،

لیٹرے نواب

پیپلز پارٹی کے بارے میں ایک بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے کہ جو کچھ زبان سے کہا گیا۔ عملاً اس کے برعکس کیا گیا۔ بھٹو نے غریبوں کسانوں اور مفلسوں کی حمایت کا نعرہ لگایا گیا، لیکن چاروں کھونٹ نوابوں کی حکومت قائم کر دی، سندھ میں نواب دلاور خاں خانجی کو گورنری عطا کی، بلوچستان میں خان آف قلات کو سیاہ وسفید کا مالک بنایا پنجاب میں بہاول پور کے نواب محمد عباس عباسی کو گورنر اور نواب صادق قریشی کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا۔

صوبہ پنجاب کے خاندانی نواب صادق قریشی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مصطفےٰ کھر کی جگہ سابق وزیر اعظم کے خادم لورے کی لگائی بجھائی اور سازش کی بنا پر پنجاب کے حکمران مقرر ہوئے اس سے پہلے وہ صرف وزیر زراعت تھے، بھٹو صاحب جب ملتان کا دورہ کرتے تو ہمیشہ صادق صاحب کے مشہور ومعروف "وائٹ ہاؤس" میں قیام کرتے تھے۔ "وائٹ ہاؤس" سے بھٹو کی دلچسپی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض اطلاعات کے مطابق وہاں ان کے لئے عیاشی کی ہر چیز مہیا ہوتی تھی۔

پنجاب میں وزیر اعلیٰ مقرر ہونے کے بعد نواب صادق نے خوب خوب ہاتھ رنگے۔ وزیر اعلیٰ کا سیکرٹ فنڈ بجٹ کا ایسا حصہ ہوتا ہے جس کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا۔ اس فنڈ کی ہزاروں لاکھوں روپے کی رقوم نواب صاحب کی ذاتی ضروریات اور عیاشیوں پر صرف ہوتی رہیں، نواب صاحب نے اپنے استعمال (غالبًا جسمانی ورزش) کے لئے لاہور کے ایک تاجر سے پندرہ ہزار روپے کی سائیکل خریدی یہ سائیکل سیکرٹ فنڈ سے خریدی گئی، بطور چیف منسٹر پنجاب اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے ملتان میں اپنے رہائشی محل "وائٹ ہاؤس" کے سامنے کی رابطہ سڑک کو جو پہلے کچی تھی، پختہ بنوا دیا۔ اس سڑک کو پختہ کرنے پر ۶۹ ہزار روپے کی رقم صرف ہوئی۔ جو سرکاری خزانے سے ادا کی گئی۔ اس سڑک کی لمبائی ۱۱۵۰ فٹ اور چوڑائی اوسطاً آٹھ فٹ ہے۔

اسی طرح انھوں نے لاہور میں درآمد و برآمد کے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیپسی کولا کا پلانٹ درآمد کیا، پیپسی کولا کا پلانٹ صادق حسین قریشی کے بیٹے نے نون فیملی کے بعض بااثر افراد کے ساتھ مل کر لگایا اور اس کی مشینری حاصل کرنے کے لئے خاص طور پر درآمدی لائسنس حاصل کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مشروبات کے پلانٹس منگوانے پر پابندی تھی، اور اس پابندی کا مقصد ملکی صنعت کو فروغ دینا اور زرِ مبادلہ کو بچانا تھا۔

اس پابندی کے باوجود جب صادق قریشی نے

یہ پلانٹ درآمد کرنے کی درخواست وفاقی حکومت کے سامنے پیش کی تو اس پر سابق وزیر اعظم نے لکھا اگر صادق ایسا چاہتا ہے تو اسے لائسنس دے دیا جائے اسی پلانٹ کے ذریعے صادق قریشی نے مبینہ طور پر پیپسی کولا کی تیاری میں اجارہ داری حاصل کر رکھی ہے اور لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔

صادق قریشی کی دھاندلیوں اور غلط بخشیوں کی فہرست بہت طویل ہے ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور نے اپنی اشاعت (۳۱ جولائی ۷۷ء) میں اس سلسلے میں ایک مضمون شائع کیا تھا، اس مضمون میں سے ایک اقتباس ہم یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

فوجی حکام نے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ نواب صادق حسین قریشی کے خلاف باقاعدہ تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے اس سلسلے میں نواب صاحب کے سابق سکریٹری راجہ سلیم اختر کا بیان قلم بند کر لیا گیا ہے۔ نیز الائیڈ بنک واپڈا ہاؤس برانچ کی سیکرٹ فنڈ کا حساب بھی تحویل میں لے لیا گیا ہے ۲۴ جولائی تک اسی فنڈ سے تین کروڑ روپے کی رقم نکلوائی گئی۔ اس سلسلے میں صوبائی دار الحکومت کی پولیس کے اعلیٰ حکام فوجی حکام سے تعاون کر رہے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ نواب صاحب کے سابق پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر خیر بخش بھٹی تین ماہ کی رخصت پر چلے گئے ہیں۔

نواب صادق حسین قریشی وزیر اعلیٰ پنجاب نے مارچ ۱۹۷۷ء کے حالیہ انتخابات سے قبل خفیہ فنڈ میں سے صوبائی اسمبلی کے ارکان کو ۵۰ ہزار فی کس رقم تقسیم کی خفیہ فنڈ کے حسابات وزیر اعلیٰ کے سابق سکریٹری راجہ سلیم اختر اور سیکشن افسر (سیکرٹ فنڈ) کی تحویل میں تھے، یہ فنڈ الائیڈ بنک کی واپڈا ہاؤس برانچ میں تھا۔ سابق وزیر اعلیٰ نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی اس خفیہ فنڈ میں سے بھاری رقوم دیں۔ مثال کے طور پر سابق صوبائی وزیر خالد ملک کو پانچ لاکھ روپے، ملک معراج خالد کو پانچ لاکھ روپے اور ڈاکٹر مبشر حسن کو تین لاکھ روپے دیئے گئے ان تمام ادائیگیوں کا باقاعدہ ریکارڈ۔ راجہ سلیم اختر کی تحویل میں ہے الائیڈ بنک واپڈا ہاؤس برانچ سے بھی ان ادائیگیوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

نواب صادق حسین قریشی نے سرکاری گاڑیوں کو ناجائز طور پر خوب استعمال کیا۔

ملتان سرگودھا، راولپنڈی، اور مری تک سرکاری گاڑیوں کا استعمال کیا۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے تصرف میں جو سرکاری گاڑیاں تھیں، ان کو ان کے دوست احباب اور ذاتی ملازم بھی خوب استعمال کرتے تھے، اور کئی کئی ماہ تک یہ گاڑیاں ان کے دوستوں اور رشتہ داروں کے تصرف میں رہتی تھیں۔ گلبرگ کے ہوٹل عمر خیام کی مالکہ مسز ڈینزی کو بھی ان سرکاری گاڑیوں کو استعمال کرنے کا حق اتنا تھا جتنا وزیر اعلیٰ کو تھا، مسز ڈینزی ایک مدت تک گاڑیاں نمبر ایل ای ایم ۷۸۶ (بیوک) ایل ای ایم ۸۵ (مرسڈیز) ایل ای ان ۵۹۵ (ٹیوٹا کراؤن) ایل ای ان ۹۱۶۲ سٹیشن ویگن استعمال کرتی رہیں۔

سابق وزیر اعلیٰ نواب صادق حسین قریشی نے مسز ڈینزی کے شوہر اختر یوسف کو ہوٹل سے اٹھا کر براہ راست ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات بنا دیا چند ماہ بعد مسٹر اختر یوسف ڈپٹی سکریٹری بن گئے، اور پھر وہ وزیر اعلیٰ کے ذاتی سٹاف میں پریس سکریٹری کی حیثیت میں شامل کر لیے گئے۔ ہوٹل عمر خیام میں اختر یوسف کے رہائشی حصہ میں حفاظت کے لئے باقاعدہ پولیس گارڈ متعین تھی۔ جو چند روز قبل ہٹایا گیا ہے۔

سابق وزیراعلیٰ نواب صادق قریشی نے شادمان کالونی میں اپنا بنگلہ نمبر ۱۳۴ بنوایا تو مسلسل ایک سال پی ڈبلیو ڈی کے محکمہ کی ویگن نمبر ۳۶۲ ایل ای ایم تعمیر مکمل ہونے تک استعمال کی جاتی رہی۔

سابق وزیراعلیٰ نواب صادق حسین قریشی کے گھر کی بیگمات جب بھی ملتان، کراچی، اور راولپنڈی اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے یا سیر و تفریح کے لئے جاتیں تو اکثر گورنر کا طیارہ استعمال میں لایا جاتا۔ اس طیارہ میں باقاعدہ لاگ بک ہے، اس طیارہ کے پائلٹ آفیسر مسٹر واحد اور انجینئر مسٹر درانی کے پاس باقاعدہ ریکارڈ ہے جس کی تصدیق کی جاسکتی ہے اس سرکاری طیارہ کا بے جا استعمال کیا گیا۔

حالیہ انتخابات کے دوران اور انتخابات کے بعد تک بلکہ ۵ جولائی تک بے شمار جیپیں اور ٹرک صوبائی اسمبلی کے ارکان اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے زیر استعمال رہیں۔ یہ گاڑیاں جن محکموں سے حاصل کی گئیں، ان میں محکمہ آبپاشی، میونسپل کارپوریشن لاہور، پی ڈبلیو ڈی، رائس ملنگ کارپوریشن اور محکمہ زراعت وغیرہ شامل تھے،

نواب صادق قریشی نے صوبائی دارالحکومت کی فیشن ایبل آبادیوں، گلبرگ، شادمان نیو مسلم ٹاؤن اور سول سوسائٹی سکیم میں اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو ناجائز طور پر رہائشی پلاٹ الاٹ کیئے بعض اوقات وزیراعلیٰ کے سٹاف کے افسر بھی بھاری رشوتیں لے کر پلاٹ الاٹ کراتے رہے درخواستوں کی جانچ پڑتال سے کئی بوگس درخواستیں ملیں گی جن پر خود وزیراعلیٰ کے دستخط ہوں گے، وزیراعلیٰ کے سٹاف کے کارکنان میں سے کئی کو دو دو پلاٹ الاٹ کئے گئے جنہوں نے فوراً ہی پلاٹ فروخت بھی کر دیئے،

نواب صادق حسین قریشی نے شادمان میں اپنے بنگلہ کی توسیع کے لئے دماغی امراض کے ہسپتال کا عقبی حصہ گروادیا اور اس طرح مزید دو کنال اراضی اپنے بنگلے میں شامل کر لی جس پر گاڑیوں کے گیراج اور نوکروں کے کوارٹر تعمیر کیے گئے ہیں۔ اب ان کے بنگلہ کا مکمل رقبہ ۸ کنال ہے۔

نواب صادق حسین قریشی نے اپنے بنگلے۔ اے ۱۳۴ شادمان کالونی کے بالکل ساتھ والا، دو کنال کا پلاٹ ملک معراج خالد سابق وفاقی وزیر سے ساڑھے تین لاکھ روپے میں خرید لیا، ملک معراج خالد نے یہ پلاٹ صرف ساٹھ ہزار روپے میں خریدا تھا، نواب صاحب نے یہ پلاٹ ایک شخص بہادر خان ایڈووکیٹ کے نام پر خریدا،

نواب صادق قریشی نے جب شادمان میں اپنا ذاتی بنگلہ بنوایا تو پی ڈبلیو ڈی کے ایس ڈی او مسٹر اظہر عباس نے اپنے محکمہ کے مزدور، اوورسیئر، ترکھان راج الیکٹریشن استعمال کر کے کام مکمل کرایا، اس محکمہ کے ٹھیکیداروں نے بنگلہ کی تعمیر میں کام آنے والا تعمیراتی سامان مہیا کیا، ایس ڈی او مسٹر عباس نے محکمہ بجٹ سے زر کثیر صرف کر کے نواب صاحب کے بنگلہ کے لئے مفت فرنیچر فراہم کیا، پی ڈبلیو ڈی کا دیگر عملہ اس امر کا شاہد ہے کہ سابق وزیراعلیٰ نے کسی کو ایک دمڑی تک نہیں دی، چیف منسٹر ہاوس کے کمپٹرولر ملک منظور حسین کو بنگلہ کی بلاتاخیر تعمیر پر مقرر کیا گیا۔

محکمہ زراعت کے سیکرٹری ڈاکٹر نسیم کو ناجائز طور پر ترقی دیکر سیکرٹری بنادیا، کیونکہ وہ سابق وزیر اعلیٰ کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ محکمہ زراعت نے ڈاکٹر نسیم کی اجازت سے سرکاری سامان استعمال کر کے نواب صاحب کے ذاتی بنگلہ میں ٹیوب ویل نصب کرادیا، جس کے تمام اخراجات محکمہ زراعت نے اپنے طور پر برداشت کیے۔

سابق وزیر اعلیٰ کی ذاتی رہائش گاہ پر سرکاری خرچ سے تقریباً بارہ ائیر کنڈیشنر لگائے گئے، ایک سال تک پولیس کے بیس سپاہی نواب صاحب کی ذاتی رہائش گاہ کی حفاظت پر مامور رہے اور سرکاری خزانے سے تنخواہیں وصول کرتے رہے۔

پی ڈبلیو ڈی کے ایس ڈی او مسٹر اظہر عباس نے سرکاری خرچ پر سابق وزیر اعلیٰ کی ذاتی رہائش گاہ پر تقریباً ۸ ہزار روپے کی مالیت کے گملے فراہم کئے تاکہ بنگلے کے حسن و زیبائش میں اضافہ ہو سکے،

ڈپٹی کمشنر ملتان نے سابق وزیر اعظم اور نواب صاحب کے سرکاری یا غیر سرکاری دوروں پر ہزاروں روپے خرچ کئے۔ سرکاری خزانے سے یہ رقم وائٹ ہاؤس میں خرچ کی گئی۔ جس کا باقاعدہ حساب ڈپٹی کمشنر ملتان کے دفتر میں موجود ہے،

نواب صاحب نے اپنے ضلع میں انتخابی مہم کے لئے پچاس لاکھ روپے کی خطیر رقم سرکاری فنڈ میں سے لی اور ووٹ حاصل کرنے پر خرچ کی۔ اس رقم کا ریکارڈ ڈپٹی سیکرٹریٹ میں راجہ سلیم اختر اور سکیشن انسر مسٹر یعقوب کے پاس موجود ہے،

چیف منسٹر ہاؤس میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں، ایم پی اے اور ایم این اے صاحبان کی دعوت پر بھاری رقوم صرف کیں۔ اور یہ رقوم بھی سرکاری بجٹ یا سرکاری خفیہ فنڈ سے حاصل کیں۔

شراب نوشی پر پابندی کے باوجود مارشل لاء کے نفاذ تک چیف منسٹر ہاؤس میں کم و بیش روزانہ مے نوشی کی محفلیں سجتی رہیں۔ ان محفلوں میں چند خواص مدعو ہوتے تھے، اور یہ عیش و عشرت سرکاری خرچ پر ہوتی تھی، ان خاص افراد میں ریٹائرڈ میجر وارث، ڈاکٹر ایم اقبال (گلبرگ) ملک خان بیگ، قمر الزماں کھگہ اسد حیات خاں اور سابق وزیر اعلیٰ کے اسٹاف آفیسرز شامل ہوتے تھے،

نواب صادق قریشی نے اپنے ایک افسر بکار خاص برائے سیاسی امور مسٹر آصف ہاشمی کو شادمان کالونی میں ساٹھ ہزار کے عوض دو کنال کا پلاٹ الاٹ کیا تین ماہ کی مدت کے بعد آصف ہاشمی نے یہ پلاٹ سات لاکھ روپے میں فروخت کیا۔ سابق وزیر اعلیٰ نے کمال مہربانی کرتے ہوئے، آصف ہاشمی کو ضلع لاہور میں دو مربع اراضی بھی الاٹ کی جس کی مالیت ایک محتاط اندازے کے مطابق چھ لاکھ روپے ہے۔

سابق وزیر اعلیٰ کا جب بھی دل گھبراتا، وہ لندن کے فون نمبر [illegible] اور نمبر ۶،۵۲۶۲۶ پر اپنے صاحبزادے سے گھری فون پر باتیں کرتے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کے ٹیلیفون بل یا تو ابھی ادا کرنے ہیں، یا پھر سرکاری خزانے سے ادا کئے جا چکے ہیں۔ نواب صاحب کے پاس تو سرکاری ٹیلی فون تھے ان کے ریکارڈ کو چیک کر کے تصدیق کی جا سکتی ہے

نواب صاحب کے اہل خاندان بھی سرکاری طیارے میں سفر کرتے تھے، گورنر کی سیلون بھی ان کے خاندان کے زیر تصرف رہتی تھی۔

سابق وزیر اعظم بھٹو کی ایک پسندیدہ خاتون کے دوروں پر سرکاری خزانے سے نواب صاحب نے لاکھوں روپے خرچ کئے۔ اس خاتون کو گورنر ہاؤس اور چیف منسٹر ہاؤس میں معزز مہمان تصور کیا جاتا تھا، یہ خاتون حکومت کی اجازت سے غیر ملکی دوروں پر جایا کرتی تھی۔ اس کے یہ دورے سیاسی نوعیت کے ہوتے تھے۔

سابق وزیر اعظم کے ذاتی ملازم نور محمد مغل عرف نورا کو زرعی اراضی الاٹ کی گئی۔ معلوم ہوا ہے کہ ۷۰ ایکڑ اراضی اس کے اپنے لئے اور ۵۰ ایکڑ اس کی بہن کے نام الاٹ کی گئی۔ علاوہ ازیں نورے نے اپنے لئے، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے متعدد رہائشی پلاٹ الاٹ کرائے جن کا ریکارڈ

سیکرٹریٹ میں ہل سکتا ہے۔

نواب صاحب نے سیکورٹی آفیسر ڈی ایس پی باجوہ کے ذریعے آزاد کشمیر کے ایک شخص کے نام پر بی ایم ڈبلیو کار درآمد کی۔ یہ کار کوئٹہ کے راستے پاکستان آئی اور حکومت کو کسٹم ڈیوٹی تک ادا نہیں کی گئی بعد ازاں یہ کار ۵ لاکھ روپے میں فروخت کر دی گئی۔ جو ایک شخص علی نے خریدی۔

نواب صادق قریشی نے ۱۹۷۶ء میں گورنر سرحد کی مدد سے چھ ائیر کنڈیشنر سمگل کراتے۔ سرکاری خرچ پر ایک ٹویوٹا جیپ خریدی جسے بعد ازاں بھاری نفع پر فروخت کر دیا۔ نواب صادق قریشی نے صنعت کار بننے کا شوق پورا کرنے کے لئے ساٹھ لاکھ روپے میں پیپسی کولا کی پرانی فیکٹری خرید کر اس میں نئی مشینری نصب کرائی۔ معلوم ہوا ہے کہ فیکٹری کی بلڈنگ کا نقشہ بھی منظور نہیں کرایا گیا۔ تمام سرکاری اداروں نے دن رات ایک کر کے اس فیکٹری کو مکمل کیا۔ ایکسائز کی بھی چوری کی گئی۔ مکمل چھان بین کرنے پر مزید سنگین نوعیت کی بدعنوانیاں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے،

نواب صادق قریشی کو دوسری زرعی اصلاحات کا پہلے سے علم تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک ہفتہ قبل اپنی ۵۰۰ ایکڑ اراضی جو زرعی اصلاحات کی زد میں آنے والی تھی۔ سابق وزیراعظم کی ہدایت پر ڈاکٹر نسیم سیکرٹری محکمہ زراعت کی وساطت سے ان کے بھائی کے پاس ایک خطیر رقم کے عوض فروخت کر دی۔ اس طرح زرعی اصلاحات نے انھیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔

نواب صادق قریشی نے سیکرٹریٹ میں اپنے دفتر اور بی بی پاکدامن کے مزار پر میناکاری کے کام کے ٹھیکہ ملتان کے ایک ٹھیکیدار کو دیا جس نے نواب صاحب کی کوٹھی میں میناکاری کا کام کیا، لیکن اسے معاوضہ سرکاری خزانہ سے ادا کیا گیا۔

سابق وزیراعلیٰ نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور دیگر غنڈہ عناصر کو ان کے کردار کی تصدیق کئے بغیر ہزاروں اسلحہ لائسنس جاری کر دیے۔ ایم پی اے صاحبان نے بھی اسلحہ کے یہ لائسنس ۵ سو روپے فی لائسنس کے حساب سے فروخت کئے۔ نواب صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری نے بھی اسلحہ کے لائسنسوں کا کاروبار کیا۔

سابق وزیراعلیٰ کے ایما سے حلقہ لاہور میں پولیس کے مال خزانہ سے بے شمار غیر ملکی اسلحہ کوڑیوں کے مول فروخت کیا گیا۔ ولایتی بندوق، پستول یا ریوالور کی قیمت پندرہ سو سے دو ہزار تک ہے، لیکن یہ اسلحہ صرف ۵۰ روپے کے حساب سے فروخت کیا گیا۔

محکمہ اطلاعات میں گریڈ اٹھارہ کی درجہ اول کی اسامیوں پر براہِ راست دو افراد کو تمام رولز اور قواعد نظر انداز کر کے سابق وزیراعلیٰ کی ہدایت پر مقرر کیا گیا۔ ان میں سے ایک عمر خیام ہوٹل کے مسٹر اختر یوسف ہیں جن کی لبرٹی مارکیٹ میں شراب کی دکان "لیو جی دابین" ہے، اختر یوسف نے ہزاروں روپے کی ایکسائز ڈیوٹی بھی ادا نہیں کی، کیوں کہ وہ اپنی بیوی کی وجہ سے وزیراعلیٰ کے بہت قریب تھے۔

نواب صادق حسین قریشی نے بے شمار مستحق لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر مستحق لوگوں کو نوازا۔ ان جانواز شانت کی مثالیں مشتے از خروارے کے طور پر مندرجہ ذیل ہیں۔

صوبہ پنجاب میں تمام قواعد و ضوابط کو پسِ پشت ڈال کر تقریباً ۲۲۔ ایسے افراد کو براہ راست ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر کیا جنھیں پبلک سروس کمیشن کے سامنے پیش نہیں کیا گیا تھا، ان میں سے بیشتر کو کمیشن کے معیارِ اہلیت پر پورا نہ اتر سکنے کی بنا پر اب ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔ اسکول میں پڑھانے والی ایک معمولی ٹیچر کو پنجاب سیکرٹریٹ میں بطور ڈپٹی سیکرٹری مقرر کیا

ان خاتون کا نام مس نسیم ارمک تھا اور وہ ملتان میں بدعنوانی کی کئی مثالیں قائم کرچکی تھیں۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ محترمہ کی کس خوبی کی بنا پر انھیں ترقی کی اس معراج پر پہنچایا گیا۔

مقابلہ کے امتحان کے بغیر ایک شخص کو مجسٹریٹ مقرر کیا، ایک اور شخص کو سیکشن آفیسر، قواعد وضوابط کے خلاف مقرر کیا۔ سابق چیف سیکرٹری کے سابق پرائیویٹ سیکرٹری عبدالرحمٰن کو جو بنیادی طور پر سولہویں گریڈ کے سٹینوگرافر تھے، اور صوبہ پنجاب سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا۔ ایک دن سترہویں گریڈ میں بطور سیکشن آفیسر اور چند ہی دن بعد ترقی دیکر بطور ڈپٹی سیکرٹری محکمہ سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن مقرر کیا ان عبدالرحمٰن کو پنجاب میں مفت اراضی بھی الاٹ کی گئی لاہور میں پلاٹ بھی دیا گیا۔ مسٹر عبدالرحمٰن کے علاوہ ایک اور پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر بشیر احمد جو سابق صوبائی وزیر برائے ہاؤسنگ، کے بہت قریب تھے کو بھی شادمان کالونی میں پلاٹ الاٹ کیا، اور زرعی اراضی بھی الاٹ کی۔

اسی طرح انھوں نے مسٹر احسان غنی اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل محکمہ جیل خانہ جات کو بھی شادمان کالونی میں مخصوص خدمات کے عوض ایک کنال کا پلاٹ الاٹ کیا۔ عبدالستار نجم سابق اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل۔ اے یو سلیم سابق ایڈمنسٹر لاہور میونسپل کارپوریشن، منظور ملک سابق چیف سیکرٹری پنجاب کے زیڈ درانی سابق ہوم سیکرٹری پنجاب، چودھری محمد اکرم سیکرٹری خوراک، شیخ عمر اسد اللہ سیکرٹری پنجاب اسمبلی، کیپٹن طارق مجید اے ڈی سی سابق گورنر پنجاب، خالد جاوید سابق کمشنر لاہور، مسٹر شاہد حامد ڈائریکٹر جنرل لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی، مسٹر اقبال مسعود سی ایس پی، مسٹر خالد احمد سابق ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ مسٹر ہمایوں فیض رسول، سابق کمشنر ملتان

وغیرہ ایسے ممتاز افراد تک شامل ہیں جنھیں نواب صاحب نے کمال مہربانی سے شادمان کالونی میں دس مرلے سے دو کنال تک قیمتی پلاٹ معمولی قیمت پر عطا کیے، نواب صاحب کی نظر التفات بعض خواتین پر بھی پڑی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل خواتین کو پلاٹوں اور دیگر عنایات سے نوازا گیا۔ مس شکیلہ شیخ اے آر خان روڈ لاہور، مسز پروین افتخار بہاولپور ہاؤس لاہور، مسز حمیدہ بیگم کچا فیروز پور روڈ لاہور، غلام فاطمہ ماڈل ٹاؤن لاہور، مسز عابدہ پروین گلبرگ لاہور، مسز عاصفہ نسیم ٹمپل روڈ لاہور، مسز یاسمین رشید سمن آباد لاہور، مسز مریم حبیب (صحافی) مسز نیلوفر علی، مسز عاصمہ اعجاز، مسز عفت راٹھور راولپنڈی، مسز سرور مسعود بیگم منیجر الائیڈ بنک، مسز ثمر مرزا گلبرگ لاہور، مس شاہین ملک ریس کورس روڈ لاہور، مسز اختر یوسف گلبرگ لاہور، مس ناہید منظور آف لاڑکانہ، مس سمیرا منظور آف لاڑکانہ، مسز نجمہ سہراب رسول پارک لاہور، مسماۃ نور جہاں راولپنڈی مسز صوفیہ ریاض ملتان، مسز فرحت حسین، اور مسز ذکیہ بیگم آف لاہور۔

نواب صاحب کے ہاتھوں فائدہ حاصل کرنے والوں میں نیشنل کالج آف آرٹس کے غزالہ نثار فہیم منیر علی دادا، اسلام اور سوشلزم فیم بدو نفیس عثمان ٹی وی پر بھٹو کی شان میں بے تکان بولنے والے فرہاد زیدی وغیرہ بھی شامل تھے۔

محکمہ زراعت کے ایک معمولی انفارمیشن آفیسر جو اتفاق سے نواب صاحب کے ہمنام بھی تھے پھر بھی نواب صاحب کی بہت زیادہ شفقت رہی۔ ان صاحب نے نیو مسلم ٹاؤن لاہور کے علاقے میں سرکاری وسائل استعمال کر کے ایک عالی شان محل نما کوٹھی تعمیر کی ہے جس کا نام ہے "صادق قریشی ہاؤس" کہا جاتا ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جب اس وسیع وعریض کوٹھی کی تعمیر جاری تھی اینٹیں

سمینٹ، سرکاری گاڑیوں پر ڈھویا جاتا رہا، کجا ایک معمولی اہل کار اور کجا ایک عالی شان پلاٹ اور محل نما کوٹھی، یہ سب نواب صاحب ہی کی نظرِ عنایت کی بدولت تھا۔

لیکن جس شخص نے نواب صاحب کی قربت کا سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا وہ تھے ان کے سابق پرائیویٹ سیکرٹری نبی بخش بھٹی،

نبی بخش بھٹی نے بھی شادمان میں نواب صاحب کی وساطت سے ایک شاندار پلاٹ حاصل کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ نبی بخش سے نواب صاحب کی واقفیت بہت پرانی ہے جن دنوں نبی بخش ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان میں معمولی کلرک تھا، نواب صاحب بورڈ کے چیئرمین ہوا کرتے تھے، جب نواب صاحب وزیر اعلیٰ ہوئے تو نبی بخش بھٹی ان کے پرائیویٹ اسسٹنٹ بن گئے اس کے بعد نبی بخش پر جیسے ہی عنایات کی بارش ہوئی وہ گریڈ نمبر ۱۶ سے ترقی کرتے کرتے آناً فاناً گریڈ نمبر ۱۹ میں پہنچ گئے اور ایل ڈی کے افسروں میں شامل کر لیے گئے

جن دنوں نبی بخش سابق وزیر اعلیٰ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، انھیں نیو مسلم ٹاؤن میں دو کنال کے پلاٹ الاٹ کئے گئے، جن پر انھوں نے چار لاکھ روپے کا بنگلہ تعمیر کروایا۔ نبی بخش بھٹی نے رہائشی پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں لوگوں سے لاکھوں روپے کی رشوت لی کہا جاتا ہے کہ سابق وزیر اعلیٰ کی قربت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے فرضی ناموں پر کئی رہائشی سکیموں میں پلاٹ الاٹ کرانے کے احکام لیے اور پھر اپنے دوستوں کی مدد سے ان پلاٹوں کو مارکیٹ میں فروخت کر کے تھوڑے عرصے میں لاکھوں روپے کے مالک بن گئے یہ پلاٹ، گلبرگ، شادمان اور رسول سر ایکڑ سکیم میں الاٹ کئے گئے، ان کا ریکارڈ موجود ہے، ایک جریدے کی اطلاع کے مطابق۔

نبی بخش بھٹی نے کوٹ لکھپت میں سرکاری کو اتنا الاٹ کرانے کے کام کا معاوضہ دو سے تین ہزار روپے تک وصول کیا۔ نبی بخش بھٹی کے صاحبزادے کو نمبروں کی بنیاد پر ایم بی بی ایس میں داخلہ نہ مل سکا تو سابق وزیر اعلیٰ نے ان کی مشکل دور کر دی اور صاحبزادے کو میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا، لیکن اچھے نمبروں والے کسی لائق طالب علم کا حق چھینا گیا۔ لوگوں کے ناجائز کام کرا کے بھٹی صاحب ان سے قالین، فرنیچر، کراکری وغیرہ تک وصول کر لیا کرتے تھے، نبی بخش بھٹی نے وزیر اعلیٰ کے خفیہ فنڈ سے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کے فرضی نام پر لاکھوں روپے وصول کیے اور سابق وزیر اعلیٰ کو یہ باور کرایا کہ درخواست دہندگان کے گھر سیلاب کی نذر ہو گئے ہیں۔ خفیہ فنڈ سے ہزاروں روپے فرضی ناموں پر حاصل کئے۔ سابق وزیر اعظم بھٹو کی پسندیدہ خاتون کو نبی بخش بھٹی بھی ہر طرح راضی رکھا کرتے تھے وہ اس خاتون کو کراچی میں قیمتی تحائف بھیجا کرتے تھے یہ اور بات ہے کہ ان تحائف کے لئے وہ خفیہ فنڈ کی رقم خرچ کیا کرتے تھے نبی بخش بھٹی نے سمینٹ کارپوریشن سے سمینٹ کی بے شمار ویگنیں حاصل کر کے مارکیٹ میں بلیک کے بھاؤ فروخت کر دیں۔ اور سمینٹ کی بلیک سے خوب روپے کمایا۔

نبی بخش بھٹی کے علاوہ سابق وزیر اعلیٰ کے ایک اور پروردہ آصف ہاشمی نے بھی نواب صاحب کے ذریعے خوب خوب ہاتھ رنگے، آصف ہاشمی نواب صاحب کے اے ڈی سی تھے، مبینہ طور پر اس نے نواب صاحب کے ہاں ڈیڑھ سال کی ملازمت میں لاکھوں روپے کے پلاٹ حاصل کئے، رشوت لے کر لوگوں کو نوکریاں دلوائیں روپے لے کر پلاٹ اور مکان تقسیم کرائے اور بھاری رقوم کے عوض درخواستوں پر سفارشیں کرائیں۔ اس کا کام صرف دوسرے محکموں کے افسروں کو تنگ کرنا اور نواب صاحب کو جھوٹی شکایتیں پہنچانا تھا۔

ہفت روزہ لیل و نہار کی اطلاع کے مطابق اس

نے لاہور کے مختلف بنکوں میں اپنی ناجائز کمائی کے
لاکھوں روپے جمع کرا رکھے ہیں۔ اس کو نواب صاحب
نے شادمان کالونی میں دو کنال کا پلاٹ عطا کیا جسے
اس نے دو ماہ کے اندر چھ لاکھ روپے میں بیچ دیا۔
نواب صاحب نے مزید عنایت کرتے ہوئے اسے
دو مربع نہایت زرخیز اراضی بھی عطا کی ہے (ان
باتوں کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں) اس کے خلاف
ایک انکوائری کیس تھا جس کا ریکارڈ سپیشل پولیس
کے پاس تھا، لیکن نواب صاحب کی سفارش سے
اس نے یہ کیس ختم کرا دیا، اس نے وزیر اعلیٰ کے خفیہ
فنڈ سے ۵۵ ہزار روپے بھی حاصل کئے۔

بہرحال نواب صاحب کے خلاف سرکاری
حیثیت کے ناجائز استعمال کے الزامات کی فہرست
بہت طویل ہے ہفت روزہ چندگاری کی اطلاع
کے مطابق وہ ہر ماہ اٹھارہ ہزار روپے شراب اور
ستر ہزار روپے پان سگریٹ، صابن اور دیگر ذاتی
ضروریات پر صرف کرتے تھے اور یہ تمام اخراجات سرکاری
خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔

ٹیلنٹڈ کزن کے کارنامے

یہ مسٹر بھٹو تھے جنھوں نے اپنے عم زاد ممتاز علی
بھٹو کو بطور سربراہ حکومت اپنی پہلی تقریر میں ٹیلنٹڈ
کزن کے نام سے یاد کیا تھا لیکن اب یہ نام ممتاز بھٹو
کی شخصیت کے ساتھ کچھ اس طرح چپک کر رہ گیا ہے
کہ وہ اپنے اصلی نام سے بھی زیادہ اسی خطاب سے
پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے ٹیلنٹس کا جو کچھ
اظہار اب تک ملکی پریس میں ہوا ہے، اس سے تو
یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ممتاز بھٹو صرف دو مشاغل میں
خصوصی مہارت رکھتے تھے، عورتوں کو شکار کرنے
میں۔ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے میں
ملکی سیاست کے منظر عام پر ممتاز بھٹو ۔۔۔
پیپلز پارٹی کے عروج کے بعد آئے لیکن جس برق رفتاری
سے وہ کسی غبارے کی طرح پھول کر اوپر اٹھے، اسی
عجلت کے ساتھ آج وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اپنے
سیاسی کیریر کے طبعی اختتام پر پہنچ چکے ہیں۔ آج وہ
اپنے سیاہ کارناموں اور کرتوتوں کی سزا پانے کے لئے
جیل کی تنگ دیواروں کے پیچھے مقید ہیں۔

ممتاز بھٹو سب سے پہلے پیپلز پارٹی کے برسر
اقتدار آتے ہی سندھ کے گورنر، پھر وزیر اعلیٰ اور
بعد میں وفاقی وزیر برائے مواصلات مقرر ہوئے۔ ان
کے موجودہ سیاسی کیریر کا آغاز ہی مسٹر بھٹو کی
اقربا پروری کی گواہی دیتا ہے اور اس اقربا پروری
کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے انھوں نے ممتاز
بھٹو کو اس خطاب سے یاد کیا تھا جس کا ذکر ابھی ہم
کر چکے ہیں، پس ممتاز بھٹو کے اقتدار کا آغاز سیاسی
بدعنوانی پر مبنی تھا اور اس کا اختتام ان بدعنوانیوں
کے انتہا پر پہنچ جانے کا نتیجہ ہے

ممتاز بھٹو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بطور
گورنر اور وزیر اعلیٰ سندھ اور بعد میں وفاقی وزیر
کی حیثیت سے انتہائی سنگین بدعنوانیوں کا ارتکاب
کیا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق وہ خود سمگلنگ
کراتا تھا، اور بعض بدنام سمگلروں کا دوست بھی
تھا، ان اسمگلروں کے ذریعے اس نے لاکھوں روپے
کمائے، وہ ایک متعصب سندھی تھا اور سندھ
میں لسانی فسادات اسی کے متعصبانہ رویے کا نتیجہ
تھے ایک الزام یہ بھی ہے کہ اس کے تعلقات بعض ایسے
ملک دشمن سے بتائے جاتے ہیں جو بھارت کے آلۂ کار
اور پاکستان سے سندھ کو الگ کر دینے کی سازشوں
میں زیر زمین مصروف تھے، ظاہر ہے ایسے شخص کو ملک
یا اس کے وسائل سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی
یہ خبریں بھی شائع ہوئی ہیں کہ ممتاز بھٹو شرابی

اور خوب صورت عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا شخص تھا بعض اخبارات کی اطلاعات کے مطابق وہ سمگلنگ کے ذریعے ننگی، اور قابل اعتراض جنسی مناظر پر مشتمل انگریزی فلمیں منگواتا تھا۔

ممتاز بھٹو کے بارے میں لاہور کے ہفت روزہ چنگاری کی یہ اطلاع ہے کہ اس نے کراچی کے قریب تعمیر ہونے والی متبادل بندرگاہ پورٹ قاسم کی تعمیر کے سلسلے میں وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کا ارتکاب کیا۔ اس بندرگاہ کی تعمیر پر بیس ارب روپے خرچ ہونے تھے ممتاز بھٹو نے اس کے تعمیراتی منصوبوں کے ٹھیکے دینے کے سلسلے میں اخباری اطلاعات کے مطابق کم از کم ایک ارب روپے یا تو خرد برد کر لیے یا ضائع کر دیئے انھوں نے ایک بار بلجیم سے ایک ایسا آئل ٹینکر خریدا جو بالکل ناکارہ تھا اور جسے کسی ملک کی بحری کمپنی خریدنے پر آمادہ نہ ہو سکتی تھی۔ اس ٹینکر کی خریداری میں ممتاز بھٹو کو زرمبادلہ کی صورت میں کس قدر کمیشن ملا، یہ تو معلوم نہیں، البتہ اس قدر سب کو معلوم ہے کہ یہ ٹینکر نیشنل شپنگ کارپوریشن کے ماہرین کے معائنے اور پیشگی چھان بین کے بغیر براہ راست آرڈر سے خریدا گیا تھا۔ پورٹ قاسم کے منصوبے میں سڑکوں اور ہیلی پیڈ کی تعمیر کے منصوبے کے ٹھیکے منظور نظر کنٹریکٹروں کو عطا کر دیے اور اس طرح لاکھوں روپے ناجائز طور پر کمائے۔

ممتاز علی بھٹو نے ایک دلچسپ کام یہ کیا کہ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کراچی پورٹ ٹرسٹ میں بائیسویں گریڈ میں ایک شخص کو صرف اس لئے مقرر کیا کہ وہ کبڈی کی ٹیم تیار کرے، لیکن دو سال گزرنے کے باوجود وہ شخص یہ ٹیم تیار نہ کر سکا، لیکن اس اثنا میں لاکھوں روپے بطور تنخواہ اور الاؤنس سرکاری خزانے سے وصول کر لیے ممتاز بھٹو نے کراچی اور سندھ میں زرعی اراضی اور رہائشی پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں بھی سنگین بدعنوانیوں کا ارتکاب کیا، اپنی منظور نظر اداکارہ حسنہ کو اس نے کراچی میں پلاٹ الاٹ کرانے کے لئے بطور خاص کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل عباس علی شاہ کو ایک ڈی او لیٹر لکھا اور اس طرح اسے ایک ہزار گز کا پلاٹ معمولی نرخوں پر دلوایا، اس کے بعد اسی حسنہ کو کراچی کی بستی ناظم آباد میں دس ہزار گز کا شاندار پلاٹ صرف پچاس ہزار روپے میں دلوایا۔ حسنہ جس کی سالانہ آمدنی کبھی بیس پچیس ہزار سے آگے نہ بڑھتی تھی، اب بہت مالدار بن گئی ہے انھوں نے لاہور میں گلبرگ میں بھی حسنہ کو ۳ کنال کا پلاٹ دلوایا حسنہ کے علاوہ ممتاز بھٹو نے بعض دیگر منظور نظر خواتین اور دوستوں کو بھی کے ڈی اے کے مختلف سکیموں میں پلاٹ دلوائے۔

ممتاز بھٹو نے اقربا پروری کا پورا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کنبے کے افراد، رشتہ داروں اور سندھیوں کو ملازمتیں دلوانے اور مختلف دیگر ذرائع سے فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی عاشق علی بھٹو کو نیشنل شپنگ کارپوریشن کا "فریٹ بروکر" مقرر کر رکھا تھا اور اس کے ذریعے اس ادارے کے تمام انتظامی اور مالی امور میں مکمل طور پر مداخلت کیا کرتے تھے۔

سابق وزیر اعظم نے اپنے جن ساتھیوں اور وزیروں کے بارے میں خفیہ فائلیں کھول رکھی تھیں، ان میں ممتاز بھٹو بھی شامل تھے، چنانچہ ممتاز بھٹو کی کرپشن اور بدعنوانی کی شہادت وہ خفیہ فائل بھی دیتی ہے جس کا ذکر حال ہی میں مارشل لاء حکومت کی جانب سے سپریم کورٹ کے سامنے نصرت بھٹو کیس کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔

اخبارات کی اطلاعات کے مطابق معلوم ہوا ہے کراچی کے ایک مشہور سمگلر لیاقت شاہ خاں عرف پیارے میاں سے ممتاز بھٹو کی بڑی دوستی تھی، جب پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی اور سندھ کی حکومت کی سربراہی

ممتاز علی بھٹو کو ملی تو انھوں نے اس بدنام سمگلر کی اس طرح سرپرستی کی کہ وہ دنوں میں کروڑپتی تاجر اور بزنس مین بن گیا، وہ ہلنسا تعمیراتی پروجیکٹ کا منیجنگ ڈائریکٹر بنا اور الاعظم اسکوائر سے متصل ہلنسا بازار بنانے کے لیے ڈی اے کی زمین حاصل کی۔

اخبارات اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ممتاز علی بھٹو نے بطور وفاقی وزیر مواصلات، سنگین نوعیت کی دھاندلیوں کا ارتکاب کیا، وزیر مواصلات کی حیثیت سے ریلوے، ٹیلی فون اور ڈاک و تار کے محکموں پر ان کا براہِ راست کنٹرول تھا اور یہ کنٹرول ایسا سخت تھا کہ مسٹر بھٹو بھی ان کے محکموں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتے تھے، کراچی اور سندھ میں ٹیلی فون کنکشن مل ہی صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا جب درخواست کے ساتھ مسٹر ممتاز علی بھٹو کی سفارش بھی ہوتی تھی، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان محکموں میں تمام اہم تبادلے اور ترقیاں صرف ممتاز علی بھٹو کی ذاتی کوششوں سے ہوتی تھیں۔

کراچی (لیاقت آباد) کی ایک معروف شخصیت پیر جی اچھن خاں سے ممتاز علی بھٹو کے انتہائی قریبی تعلقات بتلائے جاتے ہیں ان پیر جی نے ممتاز بھٹو کی سفارش سے بہت زیادہ فوائد حاصل کیے۔ ممتاز بھٹو اپنے اس دوست کو خوش کرنے کے لئے ہر قسم کی غیر قانونی کارروائی کے لیے تیار رہتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ممتاز بھٹو نے ان پیر جی کے کہنے پر بے شمار لوگوں کو سرکاری ملازمتیں دلوائیں، پرمٹ اور کوٹے دلوائے، ٹھیکے اور لائسنس دلوائے۔ لیکن پیر جی کی بے وفائی ملاحظہ ہو کہ ہوا کا رخ دیکھ کر اب وہ قومی اتحاد سے اپنا ناطہ جوڑ چکے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کے لئے لاکھوں روپے کی لاگت سے تیار ہونے والی خصوصی ٹرین کا منصوبہ بھی ممتاز بھٹو کی وزارت کے دور میں بنایا گیا تھا، اس ٹرین کے ذریعے بھٹو کو مارچ کے انتخابات میں پورے ملک کا دورہ کرنا تھا، اس کی خصوصی آرائش و زیبائش پر سرکاری خزانے سے لاکھوں روپیہ ضائع کر دیا گیا بعد میں اپوزیشن کی متوقع تنقید سے گھبرا کر بھٹو نے اس ٹرین کو استعمال کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا، یہ ٹرین ابھی تک بے مصرف کھڑی ہے اور اس پر ضائع ہونے والا لاکھوں روپیہ بھٹو اور ممتاز علی بھٹو کی بدعنوانیوں کی شہادت دے رہا ہے۔

بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ممتاز علی بھٹو نے ریلوے اور ٹیلی فون کے تعمیراتی اور سپلائی کے ٹھیکوں میں بھی بد ترین قسم کے گھپلے کئے اور منظورِ نظر لوگوں کو نوازنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح ممتاز علی بھٹو نے بے تحاشا ناجائز دولت کمائی۔ لاڑکانہ میں ان کی محل نما کوٹھی کی سجاوٹ اور آرائش و زیبائش پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا وہ شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے عادی تھے اور ذاتی عیش و عشرت پر روزانہ ہزاروں روپے خرچ کرتے تھے، یہ تمام اخراجات وہ سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال سے پورے کیا کرتے تھے،

شہر نیلام کرنیوالے جام جتوئی، جونیجو۔

کہا جاتا ہے کہ بھٹو کے عہدِ اقتدار میں ممتاز بھٹو کے بعد سندھ کے اصلی حکمران تین تھے، غلام مصطفےٰ جتوئی جو وزیرِ اعلیٰ تھے، جام صادق علی جو سندھ کے وزیر بلدیات تھے، محمد خاں جونیجو جو سندھ کے ہوم سیکرٹری تھے،

جام صادق علی کے بارے میں یہ بات کسی تردد کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ وہ سندھ میں بھٹو کے سب سے بڑے گماشتے اور بدعنوان ترین وزیر تھے جام صادق

ایسے وزیر تھے جو پیپلز پارٹی کے دور میں ممتاز بھٹو سے لے کر جتوئی تک ہر کابینہ میں اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ ایک مرتبہ کراچی میں کئی منزلہ عمارت کے زمین بوس ہوجانے اور بہت سی جانیں ضائع ہوجانے کے حادثے کے بعد جام صاحب کی وزارت خطرے میں پڑ گئی تھی، لیکن جام صادق کو حضور بادشاہ میں جو تقرب حاصل تھا اس کی بدولت وہ خطرے سے محفوظ رہے اور پہلے سے زیادہ خود اعتمادی کے ساتھ کام کرنے لگے، کہا جاتا ہے کہ وہ کراچی میں بھٹو کی تیسری "بیوی" حسنہ شیخ کے معتمد بلکہ خادم خاص تھے اور ان کی تمام ضروریات پوری کیا کرتے تھے، حسنہ شیخ نے اربوں روپے اور کروڑوں کی جائداد جام صادق کے تعاون سے بنائی

جام صادق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آدھا کراچی بیچ کھایا۔ کچی آبادیاں نیلام کر دیں۔ ندی نالے اور جوہڑ تک فروخت کر دیئے، کراچی میونسپل کارپوریشن اور کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کو انھوں نے ذاتی جاگیر اور ان اداروں کے بجٹ کو شیر مادر سمجھ رکھا تھا وزیر بلدیات ہونے کی حیثیت سے وہ ان اداروں کے مختار کل تھے، کراچی کے علاوہ انھوں نے سکھر میونسپل کمیٹی حیدر آباد میونسپل کارپوریشن اور حیدر آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے مالی اور انتظامی معاملات میں بھی لمبے ہاتھ مارے اور انتہائی سنگین نوعیت کی بدعنوانیوں، دھاندلیوں اور غیر قانونی کھیلوں کا ارتکاب کیا۔

دراصل جام صادق نے بدعنوانیوں کے ارتکاب میں ہر قسم کی اخلاقی پابندی، ضمیر کی خلش یا قاعدہ قانون کو پس پشت ڈال دیا تھا، بابر بہ عیش کوش کے مصداق اس نے یہ خیال کر لیا تھا کہ شاید یہ موقع پھر کبھی ملے یا نہ ملے، جہاں تک ہو سکے، ملک کے سرمایہ کو لوٹنے میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑنی چاہیئے، اپنے اس واحد اصول پر عمل کرتے ہوئے جام صاحب ہر قسم کی پستی اور ذلت تک کھیل جاتے تھے۔

اس ذلت کی ایک مثال یہ ہے کہ اپنی والدہ مرحومہ کی برسی انھوں نے سرکاری خرچ پر منائی۔ اس موقع پر کراچی میونسپل کارپوریشن کے ایک افسر جمن سومرو نے خاص کردار ادا کیا۔ انھوں نے بلدیہ کراچی کے فنڈز سے چار پانچ سو من باسمتی چاول، ۹ ہزار روپے کا گرم مصالحہ ۳۵ کنستر گھی اور دیگر اشیاء فراہم کیں۔ جمن سومرو کو ان کی ان خدمات کے عوض بعد میں حیدر آباد میں ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔

جام صادق کی اخلاقی پستی کی دوسری مثال یہ ہے کہ وہ متعدد سمگلروں اور قمار بازوں کے سرپرست ہونے کے علاوہ خود بھی ان ناجائز دھندوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ان کے استعمال میں کے ایم سی اور کے ڈی اے کی پچاس گاڑیاں رہتی تھیں۔ جن کے لئے پٹرول سرکاری ادارے خریدتے تھے،

اگست ۱۹۷۷ء میں کسٹم حکام کو معلوم ہوا کہ ان کے بنگلہ واقع ڈیفنس سوسائٹی میں ایک ایئرکنڈیشنڈ پونٹیاک کار موجود ہے اس پر ایک فرضی نمبر لگا دیا گیا تھا، یہ کار وزیر موصوف کے ذاتی استعمال میں تھی اور اسمگلنگ کر کے لائی گئی تھی۔ اس کار کا نہ تو رجسٹریشن کیا گیا اور نہ ہی اس کی انشورنس کہیں ہوئی تھی۔

سندھ کے سابق وزیر بلدیات نے کراچی میں پلاٹوں کی ناجائز الاٹمنٹ کے سلسلے میں بھی بے ایمانیوں کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے، روزنامہ صداقت کراچی (۵ اگست) کی اطلاع کے مطابق اس سلسلے میں صرف گزشتہ تین سالوں میں، ۳۰ کروڑ کا نقصان کراچی کو پہنچایا گیا، ناجائز اور غیر قانونی الاٹمنٹوں کا یہ کام سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ، وزیر بلدیات اور سابق وزیر اعظم کے دفتر میں ہوتا تھا۔ ان الاٹمنٹوں کے سلسلے میں کسی بھی مرحلے پر کے ڈی اے آرڈر کے مطابق متعلقہ کمیٹیوں یا گورننگ باڈی کی منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی۔ ناجائز الاٹیوں کے ناموں کی فہرست بہت طویل

ہے۔ ہم یہاں چند ناموں کا تذکرہ کرتے ہیں۔
مسٹر نصرت امتیاز ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر ریاض ایم آغا ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر احمد حسین لاہوری ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر جاوید مشہدی ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر ذوالفقار علی ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر ریاض ایم آغا بلاک ۲ کہکشاں، مسٹر نسیم ممتاز بلاک ۳ کہکشاں مسز ذکیہ، مسٹر ایس کے رحیم کہکشاں مسٹر فضل ڈرگ روڈ کراچی، مسٹر عذرا بھرگری گلشن اقبال، مسز زاہدہ حسین بھرگری گلشن اقبال، مسز زرینہ بھرگری، مسٹر مجید سلطان بھرگری گلشن اقبال بلاک نمبر ۲۔

کراچی میں پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے سلسلے میں حلف نامہ دینا پڑتا ہے کہ درخواست دہندہ کے پاس پہلے کوئی پلاٹ نہیں ہے، لیکن اس قاعدے کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے من درجہ ذیل افراد کو دوبارہ اور سہ بارہ پلاٹ الاٹ کئے گئے، فاروق علی خان سابق سپیکر قومی اسمبلی، مسٹر عبدالحی کیپٹن، مسز نصرت سلیم مسٹر محمد خان جونیجو، مسٹر اے آر اخوند، مسٹر افضل سعید مسماۃ مہر النساء۔

منظور نظر افراد کو کوڑیوں کے بھاؤ کمرشل پلاٹ اور پٹرول پمپ کے پلاٹ الاٹ کئے گئے، سی او ڈی ہلز پر ایک خفیہ سیکر ٹریٹ (عیاشی کا اڈہ) کے ذریعے سینکڑوں پلاٹ ایسے الاٹ کئے گئے، جن کا کوئی وجود نہ تھا۔ بعد میں وزیر اعلیٰ کا سیکرٹریٹ، ٹاؤن پلاننگ کے محکمے کے ذریعے پلاٹ ڈویلپ کرا کر الاٹمنٹ جاری کرتا رہا۔ گلشن اقبال میں رہائشی پلاٹوں کی قیمت صرف ۱۲ تا ۱۶ روپے اور کمرشل کی محض ۴۰ روپے گز وصول کی گئی مسٹر امداد علی بھٹو کو پٹرول پمپ کا پلاٹ الاٹ ہوا۔ فیڈرل ایریا میں مسٹر سعید اللہ خاں اور خلیل احمد خاں کو پٹرول پمپ پلاٹ الاٹ ہوئے۔ سابق وزیر اعلیٰ سندھ کے بھائی ڈاکٹر جتوئی، عبد الغفار جتوئی کو دو ہزار گز کا پلاٹ کہکشاں کیں معمولی نرخوں پر دیا گیا۔ پلاٹوں کی ان

غلط بخششوں میں کے ڈی اے کے تمام قواعد و ضوابط کی دھجیاں بکھیر دی گئیں اور اس ادارے کو کم از کم ایک ارب روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ یہ نقصان اس لئے ہوا کہ ان پلاٹوں کو انتہائی غیر مناسب اور کم قیمتوں پر صرف غیر مستحق اور منظور نظر لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا لاکھوں روپے کا ایک پلاٹ چند ہزار روپے میں الاٹ کر دینا ایک معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ کراچی کے دورے کے موقع پر سابق وزیر اعظم نے ہنستے ہوئے جام صادق سے کہا تھا کہیں قائد اعظم کے مقبرے کو الاٹ نہ کر دینا ورنہ قوم میرے پیچھے پڑ جائے گی۔

باتھ آئی لینڈ کراچی کا انتہائی مہنگا علاقہ ہے اس علاقے میں بلدیہ کراچی کے پاس ہزاروں گز زمین تھی جس کی عام مارکیٹ قیمت دو سو روپے فی گز سے کم نہ تھی لیکن جام صادق نے یہ زمین بھی ۲۵ روپے فی گز کے حساب سے منظور نظر لوگوں اور خاص طور پر افسروں میں تقسیم کر دی اور اس طرح سرکاری خزانے کو کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

جام صادق نے سب سے زیادہ پلاٹ پیپلز پارٹی کے ورکروں کے نام الاٹ کئے۔ بعض اوقات رشوت لے کر انھوں نے ایک پلاٹ دو آدمیوں کو الاٹ کر دیا۔ یہ پلاٹ عام طور جعلی درخواستوں کے ذریعے دیئے جاتے تھے، کراچی میں سب سے زیادہ پلاٹ حاصل کرنے والوں میں خود جام صادق اور اس کے رشتہ داروں کے علاوہ کمال اظفر، این ڈی خاں، قاسم پٹیل، عبداللہ بلوچ، عبدالستار گبول، پیرزادہ، امداد حسین شاہ، حنیف سومرو، امان اللہ خٹک، شفیع جاموٹ، اور ولی محمد لاسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بعض افراد کو خوش کرنے کے لئے جام صادق نے قیمتی رہائشی جگہوں پر چار چار پلاٹ دیئے تھے۔ بعض تعمیراتی کمپنیوں کو جام صادق نے منافع میں شرکت کے وعدے پر سستے پلاٹ الاٹ کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک

مرتبہ جام صادق نے ایک قیمتی پلاٹ ایک آدمی سے رشوت لے کر الاٹ کر دیا اتفاق سے جب اس شخص کے مخالفین کو علم ہوا تو انھوں نے جام صادق کو دو گنی رشوت کی پیش کش کر دی اور جام صادق نے انھیں پلاٹ الاٹ کر دیا۔ جب پہلے شخص نے پلاٹ پر حق جتلایا تو جام صادق مکر گئے اور کہا کہ وہ آرڈر جعلی ہے اور اس کو جیل بھجوا دیا۔

اخباری اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جام صادق علی کے پلاٹوں کے دستخط شدہ الاٹ منٹ پرمٹ سندھ سیکریٹریٹ کے نیچے کھلے عام ایجنٹ لوگ بیچتے پھرتے تھے۔

جام صادق کے زمانے میں کے ڈی اے طرز حیدرآباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا وجود عمل میں آیا۔ لیکن دو سال میں اس اتھارٹی نے ماسوائے اس کے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا کہ جام صادق کے منظور نظر لوگوں اور سفارشیوں کی فوج ظفر موج بھرتی کر لی کہا جاتا ہے کہ جام صاحب کی وجہ سے اتھارٹی کو چار کروڑ روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے اور کام دھیلے کا نہیں۔

جام صادق نے جو دولت ناجائز ذرائع سے کمائی اس سے اپنے ایک بیٹے کو ابو ظہبی میں کاروبار کرایا۔ غالباً آج کل بھی وہ ملک سے فرار ہونے کے بعد اس بیٹے کے پاس رہتے ہیں۔ جام صاحب نے اپنے منظور نظر شخص عارف کو جو دیہی ترقیاتی پروگرام کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا، بہت فائدہ پہنچایا، اس شخص نے جام صادق کی سرپرستی میں ٹھیکیداروں سے لاکھوں روپے کمائے اور حکومت کو نقصان پہنچایا۔ پہلے اس شخص کے پاس ذاتی مکان تک نہ تھا، لیکن اب اس نے کراچی کی بستی الہلال سوسائٹی میں لاکھوں روپے مالیت کا شاندار بنگلہ بنوایا ہے عارف نے متعدد پلاٹ اونے پونے لے کر مہنگے داموں بیچ دیئے ہیں۔ جام صادق نے اپنے دوستوں اور نوکروں میں بھی دل کھول کر پلاٹ تقسیم کیے تھے، ان میں جام کرم علی اور غلام قادر جونیجو سر فہرست ہیں۔

لعل محمد، جام صادق علی کا ذاتی ڈرائیور تھا۔ جب جام صادق وزیر بنے تو اس کے دن بھی پھرے، اب وہ ایک بس کمپنی کا مالک ہے اور اس کی ماہانہ چالیس ہزار روپے سے زائد آمدنی ہے اس کے پاس بنگلہ ہے کار ہے اور بھی سب کچھ ہے لیکن اس سب کچھ کا باعث جام صادق تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جام صادق کی ذات سندھ میں برائیوں کا سرچشمہ اور رشوت ستانی اور بدعنوانی کا سمبل بن گئی تھی۔ جام صادق کی بدعنوانیاں کھلی کتاب کیطرح کراچی اور سندھ کے عوام کے سامنے ہیں، انھوں نے حروں کو شہید کرایا۔ وہ اپوزیشن پر ظلم کرنے میں پنجاب کے کھر اور تارڑ سے بازی لے گئے۔ انھیں اپنے خلاف عوامی ردعمل خوب معلوم تھا اس لئے مارشل لاء لگتے ہی کسی بہانے ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ آج کل ان کے خلاف تحقیقات جاری ہیں۔

بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شاید انھیں گرفتار کرنے کیلئے حکومت پاکستان انٹرپول کی مدد حاصل کرے گی۔ ان کے خلاف غیر قانونی کارروائیوں، اقربا پروری خویش نوازی، کرپشن، رشوت ستانی، بدعنوانی، قتل اور لوٹ مار، دھوکا دہی غبن، خرد برد کے ایسے سنگین الزامات ہیں کہ شاید پھانسی یا عمر قید سے کم کوئی سزا مل نہیں سکتی۔

سندھ کے وڈیرے اور سابق وزیر اعلیٰ اور وفاقی وزیر غلام مصطفےٰ جتوئی بھی پیپلز پارٹی کے دور میں جاری لوٹ کھسوٹ میں حصہ لینے میں کسی سے پیچھے نہ تھے، شروع شروع میں انھیں وفاقی وزیر مواصلات بنایا گیا تھا، تیرہ سو افسروں کو ناجائز طور پر سبکدوش کر دینے کا اعلان کر دینے کا شرف بھی انھیں حاصل ہوا تھا۔ وزیر مواصلات کی حیثیت سے انھوں نے اپنے محکموں میں کئی غیر قانونی کارروائیاں کیں۔ بعد میں انھیں ممتاز بھٹو کی جگہ سندھ کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے غلام مصطفےٰ جتوئی نے انتہائی سنگین بدعنوانیوں کا ارتکاب کرنا اپنا معمول بنا لیا تھا۔ انھوں نے اقربا نوازی کی،

خویش پروری کی ناجائز ذرائع سے مال و دولت اکٹھی کی. غیر قانونی کارروائیاں کیں ملک کے وسائل کو بے دردی سے استعمال کیا، سرکاری خزانے کو اپنی ذات کے لئے استعمال کیا اور اس معاملے میں کسی قسم کی اخلاقی رکاوٹ یا ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔

روزنامہ سیاست لاہور کی ایک اطلاع کے مطابق وزیر اعلیٰ نے اپنی سرکاری باختیار حیثیت کا انتہائی غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے نواب شاہ پیپلز پارٹی کے مقامی چیئرمین محمد بخش دعالرو کے ساتھ ملکر لنڈو کے مقام پر مشرقی پنجاب کے ۳۶ مہاجر خاندانوں کی کم از کم چار سو پچاس ایکڑ اراضی پر زبردستی قبضہ کرلیا ان لوگوں پر احتجاج اور فریاد کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے، اس طرح انھوں نے تیس لاکھ روپے کی املاک حاصل کیں۔

قومی اخبارات میں ایسی بھی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ غلام مصطفیٰ جتوئی نے اپنے ایک بھائی مجتبیٰ جتوئی کے ذریعے اندرون سندھ غریب کسانوں اور ہاریوں کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا اپنے اس بھائی کو سابق وزیر اعلیٰ نے کئی طریقوں سے نوازا، اسے پلاٹ دلائے اس کی سفارشوں پر بھرتیاں کیں یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ مجتبیٰ جتوئی لوگوں سے انعام اور رشوت لیکر سابق وزیر اعلیٰ کو سفارشیں کیا کرتا تھا اور اصل دونو بھائیوں نے ملکر کے ڈی اے کو خوب لوٹا اور نہایت قیمتی پلاٹ معمولی نرخوں پر اپنے منظور نظر لوگوں کو دلوائے۔

غلام مصطفیٰ جتوئی ایک شخص ریاض آغا پر خاص طور پر بہت زیادہ مہربان تھے اور انھیں سیاست کارپوریشن کی چیئرمینی پر بھی فائز کر رکھا تھا۔ ریاض آغا پر سابق وزیر اعلیٰ کی اس قدر توجہ اور عنایات کا سبب اس کی بیوی تھی جس کی نیم برہنہ تصاویر کراچی کے شام کے اخباروں میں اکثر چھپا کرتی تھیں۔ ریاض آغا کو کے ڈی اے دو قیمتی پلاٹ برائے نام قیمت پر مصطفیٰ جتوئی نے اپنے ہاتھ سے الاٹ کئے تھے اور دیگر کئی فوائد سے بھی نوازا تھا، حقیقت یہ ہے کہ جتوئی نے ریاض آغا اور اس کی خوبصورت بیوی کو مالا مال کر دیا۔

یہ بھی اخبارات کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ جتوئی اکثر تحفے اپنے خاص لوگوں کو عطا کر دیا کرتے تھے۔ ان تحفوں کے سلسلے میں انھوں نے بہت سا مال کمایا یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کسی قسم کے ضابطہ کی کارروائی کے بغیر انھوں نے کے ڈی اے کی متعدد سکیموں میں ہزار گز کے متعدد پلاٹ ایسے لوگوں کو الاٹ کر دیئے جو الاٹمنٹ کے قواعد کے تحت اس کے ہرگز مستحق نہ تھے اور اس طرح انھوں نے کے ڈی اے کو لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا، ان مستفیض ہونے والوں میں خوب صورت خواتین یا ان کے بے غیرت خاوند اور رشتے دار تھے۔

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ کے زمانے میں سرکاری سکولوں میں ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے ایک ہزار سے پندرہ سو روپے تک رشوت دینی پڑتی تھی حتیٰ کہ کالجوں میں داخلے بھی سفارش اور رشوت کے بغیر نہیں ملتے تھے۔

مصطفیٰ جتوئی کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ بعض بدنام سمگلروں کے بھی دوست تھے اور متعدد جوئے خانے انکی سرپرستی میں تو کم از کم انکی آشیرواد اور اطلاع و علم کے ساتھ چلتے تھے۔ مصطفیٰ جتوئی دراصل ایک عیاش طبع وزیر اعلیٰ تھے اور انھوں نے اپنے زمانے میں ایسے لوگوں کو خاص طور پر بہت فائدہ پہنچایا جو ان کے لئے شراب و شباب کا عملی طور پر بندوبست کر سکتے ہوں۔ اکثر بے ایمان کاروباری لوگوں کو ان کی یہ کمزوری معلوم تھی انھوں نے اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا۔

مصطفیٰ جتوئی پر یہ الزام بھی ہے کہ انھوں نے

متعدد سرکاری مراعات جیسے لائسنس ڈپو اور کوٹے
وغیرہ غیر مستحق لوگوں کو عطا کیے۔ ان پر پورٹ قاسم
کی تعمیر میں گھپلے کرنے کا الزام بھی ہے حالانکہ ہی میں مصطفیٰ
جتوئی نے اپنے اثاثوں کے اعلان میں کراچی میں صرف
ایک پلاٹ اپنے ملکیت میں ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اس اقرار
میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ان کے پاس پانچ لاکھ روپے کا فرنیچر
ہے جس شخص کے پاس اس کے اپنے قول کے مطابق پانچ
لاکھ روپے کا فرنیچر ہو، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس
کے بنگلوں اور ان بنگلوں میں موجود دیگر ساز و سامان کی
قیمت کیا ہوگی۔ اب یہ تو تحقیقات سے ثابت ہو سکے گا
کہ سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ نے اپنی سرکاری حیثیت
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیسے کیسے لمبے ہاتھ مارے
اور کتنی دولت جمع کی۔ لیکن اب تک جو اطلاعات سامنے
آئی ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سندھ
کے صوبے کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ رکھا تھا جسے وہ خود
اور ان کے رشتے دار دونوں ہاتھوں سے لوٹنے میں
مصروف ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سندھ کے اصل حکمران نہ تو مصطفیٰ جتوئی
تھے اور نہ جام صادق، بلکہ ایک سرکاری آفیسر مسٹر محمد خاں
جونیجو تھے۔ اگر اس دعوے میں مبالغہ بھی ہو تو یہ بات
پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ محمد
خاں جونیجو کو سندھ کی انتظامیہ میں انتہائی اہم حیثیت
حاصل تھی۔ اس اہمیت کی بنیادی وجہ یہ حقیقت تھی
کہ مسٹر جونیجو سابق وزیر اعظم بھٹو کے بہت قریب تھے۔
اور شاید ان کی خانہ زاد کابینہ میں شامل تھے، مارشل لا
کے نفاذ کے فوراً بعد ملک سے فرار ہونے کی کوشش
ناکام بنادی گئی اور انھیں متعدد بدعنوانیوں کے الزام
میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔

محمد خاں جونیجو نے بطور سیکرٹری محکمہ داخلہ حکومت
سندھ، اپنی حیثیت سے بہت زیادہ ناجائز فائدہ
اٹھایا، ایک اخبار کے مطابق وہ صوبہ میں سب سے زیادہ
طاقت ور شخصیت اور اختیارات کے مالک تھے، سابق
وزیر اعلیٰ جتوئی سے لے کر پولیس کے کانسٹیبل تک ہر
سرکاری اہل کار کو ان کے اشارے پر چلنا پڑتا تھا لیکن
وہ اکثر وزیر اعلیٰ اور دیگر وزیروں کے احکامات
نظر انداز کر دیتے تھے، سابق وزیر اعظم بھٹو سے ان
کا براہ راست رابطہ تھا اور انھیں وزیر اعظم نے سیکرٹری
داخلہ کے عہدے پر اپنے مخبر کی حیثیت سے تعینات
کیا تھا محمد خاں جونیجو باقاعدگی کے ساتھ سابق
وزیر اعظم سے براہ راست ہدایات لیتے تھے، محمد جونیجو
اپنے انتظامی تجربہ کی بنا پر سیکرٹری داخلہ کے عہدے
پر فائز ہونے کے اہل نہیں تھے، اس لئے انھوں نے
سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے عہدے سے استعفیٰ دیکر
سرکاری ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی۔
اور اسلامی کالج میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر لگ گئے تھے
اس طرح سرکاری اعتبار سے ان کا شمار جونیئر
افسروں میں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن برسر اقتدار آنے کے
بعد سابق وزیر اعظم نے انھیں براہ راست سندھ
کے محکمہ داخلہ کا سکریٹری مقرر کیا اور اس عہدے پر
وہ بھٹو کا تختہ حکومت الٹ جانے تک قائم رہے۔
محمد خاں جونیجو نہ صرف خود بے انتہا با اختیار بن گئے
تھے، بلکہ ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا بھی ہر
سرکاری محکمہ میں زور چلتا تھا۔

محمد خاں جونیجو در اصل سندھ میں بھٹو کے ذاتی
مفادات کی پوری وفاداری کے ساتھ نگہبانی کرتے
تھے، انھیں بھٹو کے ایسے راز معلوم تھے کہ اگر ان کا
انکشاف ہو جائے تو دنیا حیران رہ جائے، کہا جاتا ہے
کہ عطاء اللہ مینگل کا قتل بھی محمد خاں جونیجو کی ذاتی
نگرانی اور ہدایت کے مطابق ہوا تھا اس قتل کے لئے
احکام براہ راست سابق وزیر اعظم سے موصول ہوئے
تھے بہرحال اس سلسلے میں تحقیق جاری ہے اور چھان
بین مکمل ہو جانے کے بعد اصل حقائق کا علم ہو سکے

گا۔

محمد خاں جونیجو بھٹو کی انتہائی نجی محفلوں میں شرکت کیا کرتے تھے، جہاں شراب و شباب کی فراوانی ہوتی تھی وہ کراچی کے بعض بدنام نائٹ کلبوں کے سرپرست تھے عیاشی کی ایک خفیہ محفل پر ایک فرض شناس سرکاری انسر نے چھاپا مارا، اس محفل میں متعدد سیاسی پردہ نشینو کے علاوہ محمد خاں جونیجو بھی موجود تھے، اس وقت سب لوگ بجام بدست ساقی بہ آغوش حضرت آدم کے لباس میں عیش و عشرت میں مستغرق تھے۔ کسی نے ستر پوشی کی ضرورت محسوس نہ کی، محمد خاں جونیجو اس بے جا مداخلت پر بپھر گئے تھے اور سرکاری اہل کار کو ڈانٹ پلائی۔ بعد میں اسے نوکری سے نکال دیا۔

محمد خاں جونیجو نے پیپلز پارٹی کے سنہرے دور میں بہت لمبے ہاتھ مارے، اپنے عزیز و اقارب کے نام پلاٹ الاٹ کرائے، سمگلنگ سے دولت کمائی، جام صادق کے ساتھ مل کر آدھی کراچی کو نیلام کر دیا، اپوزیشن لیڈروں پر ظلم و ستم میں ہٹلر کے گماشتوں کو مات کر دیا۔ سندھ میں مارچ ۷۷ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو جتانے کا ٹھیکہ جونیجو کے پاس تھا۔ جونیجو نے بھٹو کو جس انداز میں بلا مقابلہ کامیاب کرایا۔ اس کی افسوس ناک کہانی جان محمد عباسی پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ غرضکہ اپنی اس حیثیت سے جو انھیں حاصل تھی، جونیجو نے انسانوں پر ظلم و ستم کرنے اور ناجائز دولت جمع کرنے میں تمام ریکارڈ مات کر دیے۔

مچھلیاں اور مگرمچھ

اب تک ہم نے بعض... ایسی اہم شخصیات کا پوسٹ مارٹم پیش کیا ہے جن کا نام پیپلز پارٹی کے عہد میں بدعنوانی اور بدکاری کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا، ان چند اہم اور نسبتاً زیادہ بدنام شخصیات کے ذکر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے علاوہ پیپلز پارٹی میں جس قدر لوگ تھے، وہ سب ایماندار یا کم از کم واجبی طور پر کرپٹ تھے، حقیقت یہ ہے کہ پی پی پی تو ہمہ خانہ آفتاب جماعت تھی۔ اس کان نمک میں جو بھی داخل ہوا، وہ نمک بن کر نکلا شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہو کہ لوگ پیپلز پارٹی میں داخل ہی بے ایمانی اور چوری کے ارادے سے ہوتے تھے، پی پی پی کے چھ سالہ دور اقتدار میں کوئی شخص اس پارٹی میں نئے سرے سے ایسا داخل نہیں ہوا جس کا ماضی بے داغ ہو، جس کا حال بہتر ہو، جو صرف اس کے منشور سے متاثر ہو کر اس میں آیا ہو۔ پیپلز پارٹی کے منشور سے متاثر ہو کر داخل ہونے والے، اس کے برسراقتدار آنے سے پہلے اس میں شامل ہوئے تھے، اور بھٹو کو فرعون بنتے دیکھ کر رخصت بھی ہو گئے تھے۔ اس کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے یا جو نئے شامل ہوئے، وہ سب لوٹ مار اور چور اور عیاری کے ارادے سے پارٹی میں رہے اور اپنے اس نیک ارادے کی تکمیل میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت بھی نہیں کیا۔

پیپلز پارٹی کے کس کس روشن تارے کا ذکر کیا جائے وہاں تو سب ایک سے ایک بڑھ کر آفتاب تھے، فرق اگر کچھ ہے تو وہ نسبت کا ہے کسی کو زیادہ موقع ملا تو زیادہ لمبا ہاتھ مارا، کم موقع ملا تو چند لاکھ تک اکتفا کیا۔ ہمارا یہ محتاط اندازہ ہے کہ پی پی پی کے ایک عام اور جاہل ایم پی اے نے بھی کم از کم چالیس پچاس لاکھ روپے کی جائداد ناجائز ذرائع سے اکٹھی کی۔ پارٹی کے عام چیرمین بھی لاکھوں میں کھیلنے لگے۔ وزیروں کا تو کیا ذکر ہے بہت سے وزیروں کے خلاف محکمہ انسداد رشوت ستانی کے مقدمات بھی زیر سماعت ہیں۔ ابھی تحقیقات مکمل نہیں ہوئی ہیں۔ جب ساری چیزیں قوم کے سامنے آئیں گی تو پھر معلوم ہوگا کہ ایک بے چارے صوبائی وزیر نے بھی چند ماہ کی وزارت میں کسقدر سرمایہ جمع کیا، کتنے قواعد کی دھجیاں اڑائیں۔

کتنی عورتوں کی عصمت دری کی، کتنے سرکاری ریسٹ ہاؤسوں کو عیاشی کے اڈوں میں بدل کر رکھ دیا۔

سندھ کے سابق صوبائی وزیر حاجی قاسم پیٹل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حسنہ کو انھوں نے ہی بھٹو سے متعارف کرایا تھا۔ لیکن بعد میں جیسے ہی بھٹو صاحب ان کی طرف سے سرد مہری اختیار کرنے لگے تو اس کا انتقام انھوں نے یوں لیا کہ کراچی کے ایک جلسہ میں بھٹو پر جوتوں کی بارش کروادی۔

حاجی قاسم پیٹل کی ناجائز دولت کے بارے میں الف لیلوی کہانیاں مشہور ہیں۔ وہ کے ڈی اے کی گورننگ باڈی کے بھی رکن تھے، اس حیثیت میں "کے ڈی اے" کے کروڑوں کے فنڈز میں زبردست دھاندلیاں کیں۔ کہا جاتا ہے کہ سندھ میں عہدۂ وزارت پر براجمان ہونے سے قبل حاجی قاسم ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے، لیکن آج ایک اندازہ کے مطابق ان کے پاس پچاس کروڑ روپے کے اثاثے ہیں اور متوقع احتساب کے خدشے کے پیش نظر انھیں ان بھاری اور قیمتی اثاثوں کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ درپیش ہے حاجی قاسم پیٹل کی ملکیت میں عرشی سینما نام کا ایک سینما تھا جہاں ایکسائز ڈیوٹی کے گھپلے کیے جاتے تھے یہ سینما حال ہی میں اسّی لاکھ روپے میں کسی تاجر کو فروخت کردیا گیا ہے۔

قاسم پیٹل کے بارے میں اخباری اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ٹھیکوں کا کاروبار بھی کرتے تھے، اور ان ٹھیکوں میں اپنی ناقص کارکردگی کی بنا پر حکومت کو لاکھوں روپے کا نقصان پہنچا چکے ہیں کراچی کے روزنامہ آغاز (۲۸ اگست) کی اطلاعات کے مطابق:۔

باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ قاسم پیٹل پر جو سرکاری ٹھیکدار بھی ہیں، ناجائز ذرائع سے جائیداد بنانے کا الزام ہے اس کے ساتھ ان کے خلاف لیاڑی لیز کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے دھاندلی کے الزام میں بھی تحقیقات کی جارہی ہے یہ امر یہاں قابل ذکر ہے کہ لیاڑی لیز کمیٹی میں ان کی دھاندلیوں کے خلاف ان کی اپنی پارٹی کے ترجمان اخبار نے بھی خبر شائع کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خود ان کے اپنے ساتھی بھی ان کی ان حرکتوں سے نالاں تھے، اس کے علاوہ مختلف ٹھیکوں میں خرد برد کے الزامات کے سلسلے میں کے ڈی اے اور کے ایم سی وغیرہ کے متعلقہ عملے سے بھی پوچھ گچھ کی گئی ہے۔

کراچی کے ایک اور اخبار "صداقت" کی ایک اطلاع کے مطابق:۔

قاسم پیٹل ممتاز بھٹو کے دور میں صوبائی وزیر صنعت تھے۔ اور جتوئی حکومت میں وزیر صحت رہے بعد ازاں انھوں نے اپنا کاروبار اپنے بیٹے اور بھائیوں کے نام کر دیا۔ قاسم پیٹل نے فیڈرل بی ایریا میں ایک دہرا سینما تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ جسٹس نورالعارفین کے لیے سیاسی فضا ہموار کرنے کی خاطر اسی اور ایک سو بیس گز کے تین سو پلاٹ حاصل کرکے ان میں تقریباً چھ سو پلاٹ خرد برد کر لیے ۱۹۷۶ء میں سابق وزیر اعظم کے ایما پر قاسم پیٹل کے خلاف تحقیقات اس وقت شروع کی گئیں جب نورالعارفین نے بھٹو کو خط لکھا کہ پلاٹوں کی تقسیم کے سلسلے میں اپنی جان چھڑانے کے لئے حسنہ شیخ کا سہارا لیا اور اس سے سفارش کرا کے تادیبی کارروائی سے بچ گئے۔

یہ تھے حاجی قاسم پیٹل جو اپنے اقرار کے مطابق اب کروڑوں کے سرمائے سے کاروبار کر رہے ہیں لیکن ابتداء میں وہ ایک معمولی ٹھیکدار تھے اور سرکاری افسروں کی منت وخوشامد کرکے ٹھیکے حاصل کیا کرتے تھے اور انھوں نے وزیر کی حیثیت سے سنگین قسم کی بدعنوانیوں کا ارتکاب کیا اور اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو ناجائز طور پر فائدے پہنچائے۔ اب سنا ہے کہ ایف آئی

چھان بین کر رہی ہے۔

سندھ کابینہ کے سابق وزیر صحت عبدالوحید کپٹر پر بھی سنگین قسم کی بے قاعدگیوں، اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے، عبدالوحید نہ صرف کابینہ کے وزیر صحت تھے بلکہ انھیں سینیئر وزیر کا عہدہ بھی حاصل تھا۔ اپنی اس حیثیت کی بنا پر وہ وزیر اعلیٰ کے صوبے سے غیر حاضری کی صورت میں قائم مقام وزیر اعلیٰ بھی بنتے تھے، روزنامہ سیاست لاہور کی ایک اطلاع کے مطابق انھوں نے ایک مرتبہ قائم مقام اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ایک سو ستائیس قیدیوں اور مجرموں کو رہا کر دیا تھا جنھیں سنگین جرائم کی پاداش میں عمر قید کی سزا ہوئی تھی۔ لیکن رہائی کے احکام کے بدلے انھوں نے ان قیدیوں سے دو کروڑ بارہ لاکھ روپے کی رشوت وصول کر لی۔

جب وہ وزیر صحت تھے تو انھوں نے اپنی سرکاری حیثیت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض ناپسندیدہ کردار کی حامل شخصیات کو بعض ضروری ادویات کی امپورٹ اور سپلائی کے پرمٹ جاری کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً انھوں نے کراچی میں بلتستان کے عوام کی نمائندگی کا دعوے کرنے والی سوشل خاتون ملکہ بلتستان کو پیتھیڈین کا پرمٹ عطا کیا تھا۔ یہ دوائی نشہ بازوں کے ہاتھوں بہت جلد بک جاتی ہے، اس لئے اس کی فروخت سے ملکہ بلتستانی اور سابق وزیر صحت دونوں نے خوب دولت کمائی، اخبارات میں کپٹر کے خلاف اپنے اختیارات سے تجاوز، اقربا پروری۔ خویش پروری اور ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی اطلاعات شائع ہوتی رہی ہیں۔ سنا ہے کہ وہ بھی تحقیقات کی زد میں ہیں۔

سابق وفاقی وزیر برائے ریلوے ڈاکٹر غلام حسین کے بارے میں انکشاف ہوا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے مختصر عرصۂ وزارت میں سنگین بدعنوانیوں کا ارتکاب کیا اور اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کو نوازنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ڈاکٹر صاحب کے خلاف یہ الزام عام طور پر لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ریلوے کے معاملا میں انتہائی غیر قانونی کارروائیاں کیں اور پیپلز پارٹی کے افراد اور اپنے دوستوں کو ریلوے اسٹیشنوں پر بے شمار نئے سٹال بنا کر الاٹ کر دیئے ان الاٹمنٹوں کے سلسلے میں متعلقہ قواعد و ضوابط کو بالکل پس پشت ڈال دیا گیا تھا، انھوں نے لاہور پیپلز پارٹی کی ایک خاتون ورکر (جس کے کردار سے اس کا سابق خاوند بھی نالاں رہا ہے) شمیم نیازی کو ریلوے کا ایک دفتر سیاسی سرگرمیوں کے لئے دے رکھا تھا اس دفتر کی آرائش پر پچاس ہزار روپے کا خرچ سرکاری خزانے سے ادا ہوا۔ شمیم نیازی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ ریلوے کا ٹیلی فون بھی استعمال کیا کرتی تھی جس کا ہزاروں کا بل محکمۂ ریلوے کو ادا کرنا پڑتا تھا، شمیم نیازی نے ڈاکٹر صاحب پر اپنا رسوخ استعمال کرتے ہوئے اپنی دو بیٹیوں کوثر نیازی، اور اقبال نیازی کو ٹکٹ کلکٹر مقرر کروایا حالانکہ دونوں لڑکیاں انڈر میٹرک تھیں اور اس نوکری کے لئے قطعاً اہل نہ تھیں۔

ڈاکٹر غلام حسین نے سیاست میں ہمیشہ منافقانہ کردار ادا کیا ہے شروع میں مصطفیٰ کھر کے معتمد ساتھی تھے، لیکن بھٹو صاحب کھر کے خلاف ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنے قبلہ کا رخ کھر کی بجائے طاقت کے اصل سرچشمہ بھٹو صاحب کی طرف موڑ لیا اور کھر کے ساتھ بے وفائی کے انعام میں وزارت کے مستحق بنے۔ سنا ہے کہ ان کے خلاف بھی بھٹو صاحب کی ذاتی سکرٹریٹ میں خفیہ فائل کھلی ہوئی تھی۔

روزنامہ سیاست (۲۲ر اگست) کے مطابق ڈاکٹر غلام حسین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ ۷۰ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے سے قبل جادرگڑھ اور کالا گوجراں ضلع جہلم میں ۲۰ ایکڑ

اراضی کے مالک تھے۔ جبار گڑھ میں ان کے تین پکے مکان اور دو ٹیکسی ویگن چلتی تھیں۔ وہ ایک ہیڈ کانسٹیبل کے بیٹے تھے۔ ۱۹۷۰ء تک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی حیثیت میں منڈی بہاؤالدین میں کلینک کرتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انتخابات کے فوراً بعد انھوں نے پانچ سو ایکڑ اراضی اپنے نام منتقل کرائی اور اپنے چچا کے نام سے سڑک کی تعمیر کے لئے پی ڈبلیو ڈی سے ایک لاکھ ۳۴ ہزار روپے کا ٹھیکہ حاصل کیا۔ حیدرآباد میں دو کمرشل پلاٹ حاصل کیے۔ پہلا پلاٹ ۷۷۱ گز کا ہے اور یہ ۱۹۷۲ء میں ۸۸۸۴۲ روپے میں خریدا گیا جب کہ دوسرا پلاٹ ۱۹۷۶ء میں خریدا۔ اس کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار روپے بنتی ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین کے دو تعمیرات سازی کے ٹھیکے ہیں جو ان کے رشتے داروں کے نام سے چل رہے ہیں۔ انھوں نے غلام جعفر کے نام پر اپنے بھائی غلام محمد کے لئے ایک کوٹھی۔ ایک کوئلہ کی کان لیز پر حاصل کی۔ زرعی ترقیاتی بنک سے مختلف ناموں کے ذریعے قرضے حاصل کیے۔ جبار نامی شخص کے لئے ڈالڈا گھی کی ایجنسی اور راشن ڈپو حاصل کیا۔ مبینہ طور پر ان دونوں ایجنسیوں میں ان کا حصہ ہے۔ انھوں نے پرویز احمد ناصر کو جہلم ٹول ٹیکس کا ٹھیکہ دلوایا۔ اس میں بھی ان کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین نے اپنے بھائی غلام مصطفےٰ کے لئے موٹروں کے فاضل پرزہ جات کے لئے لائسنس حاصل کیا۔ چھ سو کنال اراضی دیہی اسکیم کے تحت اپنے گاؤں میں اپنے نام منتقل کرائی۔ جب کہ ان کا حصہ دو کنال بنتا تھا۔ راجہ مختار اور راجہ نذر نامی دو اشخاص کو ٹنڈال والا اسکول کی عمارت کی تعمیر و مرمت کے لئے علی الترتیب ۳۵ ہزار اور ۱۶ ہزار روپے دلوائے جو بعد میں خرد برد کر لیے گئے۔ اپنے گاؤں جبار گڑھ میں چار لاکھ روپے کی لاگت سے ٹیلی فون بوتھ لگوایا جس کے اخراجات محکمہ ٹیلی فون نے برداشت کئے

سرکاری خرچ پر اپنے گاؤں تک سڑک بنوائی۔ جس زمین پر سڑک بنائی گئی، اس کے مالک کو آج تک اس کا معاوضہ نہیں دیا گیا۔ انھوں نے اپنے گاؤں جبار گڑھ میں فیملی پلاننگ کے فنڈز سے ۶۰ ہزار روپیہ کی لاگت سے ریسٹ ہاؤس تعمیر کرایا جس کو ڈاکٹر غلام حسین اور ان کے دوست استعمال کرتے رہے۔ ڈاکٹر غلام حسین نے محمد شفیع نامی ایک پٹواری کو اس لئے معطل کرا دیا کہ اس نے [illegible] میں قائم ایک جنگی تبدیلی کی زمین ڈاکٹر غلام حسین کے نام سے منتقل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کنٹونمنٹ بورڈ جہلم کا ٹول ٹیکس کا ٹھیکہ انھوں نے اپنے آدمی کو صرف ۴۴ ہزار روپے میں دلوایا جبکہ گذشتہ سال اس ٹھیکہ سے بورڈ کو ایک لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی تھی، اسی طرح انھوں نے میلہ مویشیاں جہلم کا ٹھیکہ عبدالغفار سابق ایم پی اے کو صرف ۲۵ ہزار روپے میں دلوایا جبکہ اس ٹھیکہ سے عام طور پر ۹۵ ہزار روپے تک کی آمدنی ہوتی تھی۔

پنجاب کے سابق صوبائی وزیر اور صوبے میں پیپلز پارٹی کے کرتا دھرتا، خالد ملک کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے عہدۂ وزارت کے دوران بہت دور دور تک شکار کیا اور ناجائز دولت کے سیلاب میں خوب ہاتھ رنگے۔ خالد ملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھٹو صاحب کے ایک "نوبالغ" صاحبزادے کو فلمی اداکارہ بابرہ شریف کے پاس "تجارت" کے لئے لے گئے تھے۔ ویسے خالد ملک بڑے کائیاں آدمی تھے اور موقع سے فائدہ اٹھانا خوب جانتے تھے، وزیر اعظم کے خفیہ فنڈز کے علاوہ انہوں نے بیورو آف انٹیلی جنس کے فنڈز سے بھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کی رقوم وصول کیں۔ یہ رقم انھوں نے کسی قومی اور ملکی خدمت کے صلے میں نہیں، بلکہ صدر پنجاب پیپلز پارٹی کی حیثیت سے محض سیاسی مقاصد کے لئے حاصل کی۔

لاہور کے ہفت روزہ "آثار" کی اطلاع کے مطابق

خالد ملک نے مارچ ۷۷ کی انتخابی مہم میں پیپلز پارٹی کے امیدواروں کی کامیابی کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا لاکھوں روپے کی رقم ادھر سے ادھر کی تھی، ایک مبینہ اطلاع کے مطابق خالد ملک کے ہاتھوں جو رقم انتخاب کے سلسلے میں صرف ہوئی تھی کروڑوں کے ہندسو میں تھی۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا یہ حقیقت ہے کہ خالد ملک لاکھوں اور کروڑوں روپے میں کھیلتے رہے۔

اخبارات کی اطلاع کے مطابق خالد ملک نے دربار سلطانی میں جو تقرب حاصل کر لیا تھا۔ اس کا بڑا سبب ان کی سوشل اور خوبصورت بیگم جنابہ سلویہ تھیں جنھیں یورپ میں بود و باش کا موقع بھی مل چکا ہے بہرحال پی پی پی کے صدر اور وزیر کی حیثیت سے خالد ملک نے کافی دولت جمع کی۔ ان کے پاس پارٹی کے کروڑوں فنڈز رہتے تھے اور انھوں نے اس موقع کو ایک ہوشیار شخص کی طرح غنیمت سمجھتے ہوئے خوب فائدہ اٹھایا۔

سابق وفاقی وزیر، انور عزیز صاحب کا عرصہ وزارت مختصر سہی لیکن انھوں نے بھی اس زریں موقع سے خوب فائدہ اٹھایا، انور عزیز، مارچ کے انتخابات کے بعد وجود میں آنے والی جعلی قومی اسمبلی کے ممبر تھے اور مارچ سے ۵ جولائی تک وزیر رہے وزارت میں آنے سے قبل وہ لائیو سٹاک اینڈ ڈیری ڈیولپمنٹ بورڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے اور اس حیثیت میں ان پر قومی سرمایے کے ضیاع، خرد برد اور غبن کا الزام عائد کیا گیا لیکن چونکہ وہ پیپلز پارٹی کے سایۂ عاطفت میں پناہ لے چکے تھے اسی لئے ان الزامات کی کوئی باقاعدہ انکوائری نہ ہو سکی، تاہم مرکزی وزیر کی حیثیت سے انھوں نے کروڑوں روپے کے غبن اور خرد برد کا مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے جس کی سماعت کی جا رہی ہے

انور عزیز کے پاس چاولوں کے پرمٹوں کی تقسیم کا محکمہ تھا۔ انھوں نے ان پرمٹوں کی الاٹمنٹ میں منظور شدہ دکانداروں اور تاجروں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اپنے خاص لوگوں اور پیپلز پارٹی کے چمچوں کو نوازا ان غلط بخشیوں اور دھاندلیوں کی ایک مثال اخباری اطلاعات کے مطابق، ہیرا منڈی لاہور کے مراثی گلوکار شوکت علی ہیں۔ جنھیں قائد عوام کی شان میں ووٹ مانگنے اور سمن آباد لاہور کے عوام سے اس کے بدلے جوتے کھاتے کھانے کے بدلے چاول کا پرمٹ دیا گیا۔ جس پر انھوں نے بے اندازہ روپیہ کمایا۔

پنجاب کے صوبائی وزیروں، صاحب داد خاں اور افضل وٹو کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے وزیر برائے ٹرانسپورٹ کی حیثیت کو غلط طور پر استعمال کرتے ہوئے قومی سرمایہ کو خوب لوٹا بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دونوں وزیر محکمہ ٹرانسپورٹ میں ہر چھوٹے بڑے فیصلے پر رشوت لیا کرتے تھے، ان وزیروں نے اپنی جگہ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے نئی بسیں خریدنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ ان وزیروں کے اصرار پر رومانیہ سے ڈھائی سو "سپیشل" بسیں درآمد کی گئیں جن پر پاکستان کا سوا دو کروڑ سے زائد روپیہ زرمبادلہ کی شکل میں ضائع ہو چکا ہے۔

یہ بسیں کارکردگی کے لحاظ سے نہایت نکمی، قیمت کے لحاظ سے مہنگی اور ٹرانسپورٹ بورڈ پر بوجھ بن چکی ہے کہا جاتا ہے کہ بسیں خریدنے کے اس سودے پر دس سے بیس فی صدی تک کمیشن لیا گیا، خریداری کے آرڈر کی تکمیل افضل وٹو کے زمانہ وزارت میں ہوئی تھی اور رومانیہ سے بسیں خریدنے کے سب سے بڑے موئید بھی افضل وٹو تھے، افضل وٹو نے وزیر اعظم کے خفیہ فنڈز سے ساٹھ ہزار روپے کی رقم بھی وصول کی تھی۔ افضل وٹو پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے اپنی وزارت میں اقربا پروری اور خویش نوازی اور رشوت کو ایک معمول بنا لیا تھا۔

اسی طرح کے سنگین الزامات صاحب داد خان پر

بھی ہیں جنھوں نے اس سلسلے میں انتہا کر دی تھی۔ راولپنڈی میں پی ڈبلیو ڈی کے ایک ریسٹ ہاؤس کے تین سویٹ ان کی عشرت سامانیوں کے لئے ہر وقت بک رہتے تھے۔ ان ریسٹ ہاؤسوں میں نہ صرف عصمتوں کی نیلامی کے سودے ہوتے تھے، بلکہ ٹھیکوں اور سرکاری کاموں کے سودوں کے لئے مول بھی طے کئے جاتے تھے۔

اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال اور دیگر قسم کی بدعنوانیوں کے الزامات پنجاب کے سابق صوبائی وزیر جنگلات، اکبر منہاس پر بھی ہیں، ان کے خلاف محکمہ انسداد رشوت نے الگ الگ آٹھ مقدمات درج کر رکھے تھے ان پر یہ الزام تھا کہ جب وہ وزیر تھے تو انھوں نے اپنے دور میں متعدد بدعنوانیاں کیں جن میں سرکاری ریسٹ ہاؤس کو عیاشی کے اڈے میں تبدیل کرنا بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مختلف طریقوں سے حکومت کو لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا۔ سپیشل جج اینٹی کرپشن نے ان مقدمات کا فیصلہ سناتے ہوئے، اکبر منہاس کو حال ہی میں چودہ سال قید اور ایک لاکھ ۷۲ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی ہے یہ تھے ہمارے وزیر، عوام کے خادم جن کے کرتوتوں کی داستانیں اب آہستہ آہستہ منظر عام پر آرہی ہیں۔

پنجاب کے سابق وزیر آبپاشی، نصر اللہ خاں دریشک کے خلاف بھی کرپشن، بدعنوانی، ناجائز احکامات اور اپنے اختیارات کے غلط استعمال کے متعدد الزامات ہیں۔ ان وزیر صاحب کے ایک پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر صفدر بھی بدعنوانی میں اپنے وزیر سے پیچھے نہ تھے، بلکہ وہ اپنے محکمے کے افسروں کو براہ راست احکام جاری کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ کہانی عام طور پر مشہور تھی کہ اوورسیئر سے لے کر ایس ای تک کے تبادلہ کی ایک قیمت مقرر ہے محکمہ آبپاشی میں کوئی بڑا تبادلہ دریشک کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا، افسران، ان کی بے جا مداخلت سے تنگ آئے ہوئے تھے، دریشک نے اپنے اختیارات کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد اوورسیروں کو ایس ڈی او بنوایا۔ حالاں کہ کسی کمیٹی نے ان کا کیس منظور نہیں کیا تھا، انھوں نے متعدد ناجائز اور غیر مستحق موگے لگوائے اور اپنی زمینوں کی آبپاشی میں انتہائی دھاندلی سے کام لیا ان کے زمانے میں چپراسی تک کی بھرتی ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ انھیں پر وہ بعض اطلاعات کے مطابق رشوت لیا کرتے تھے، محکمہ آبپاشی کے ٹھیکوں میں بھی انھوں نے مداخلت کی اور کئی منظور نظر ٹھیکداروں کو غلط ریٹوں پر ٹھیکے دلوا دیئے۔

اسی طرح کے ایک بدعنوان وزیر، پنجاب کے سابق وزیر بلدیات رئیس شبیر بھی تھے۔ جن دنوں نواب صادق حسین قریشی پنجاب کی وزارت علیا کے عہدے پر فائز تھے، رئیس شبیر وزیر بلدیات ہوا کرتے تھے، رئیس شبیر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خاندانی رئیس اور امیر ہیں لیکن اپنے عہد وزارت میں انھوں نے ذاتی نفع کی خاطر جس طرح اپنے سرکاری عہدے اور حیثیت کا غلط فائدہ اٹھایا، اسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ خاندانی چور بھی تھے انھوں نے اپنے عہد وزارت میں میونسپل کمیٹیوں اور کارپوریشنوں میں بے شمار افراد کو کسی قسم کے استحقاق اور اہلیت کے بغیر بھرتی کرایا۔ روزنامہ سیاست لاہور (۶ اگست ۷۷ء) کے مطابق فقط لاہور میونسپل کارپوریشن میں انھوں نے ایک سو سے زائد سفارشی افراد کو مختلف آسامیوں پر فائز کیا۔ انھوں نے بعض ایسے افراد کو اہم پوسٹوں پر لگایا جو قانونی طور پران پوسٹوں کے اہل نہ تھے، کم و بیش ایک سو دس ایسے افراد کو ان حالات میں جبکہ نئی ملازمتوں پر عام پابندی تھی انھوں نے اپنے خصوصی احکامات کے تحت بھرتی کرایا، رئیس شبیر نے سب سے بڑی دھاندلی یہ کی کہ محکمہ بلدیات میں متوازی انتظامیہ قائم کر رکھی تھی۔ جو اس محکمہ کے انتظامی سربراہ سیکرٹری کی جگہ اس سے براہ راست احکام حاصل کرتی تھی۔ انھوں نے تمام قواعد کو پس پشت ڈال کر سیکرٹریٹ

میں محکمہ بلدیات کے اندر او ایس ڈی کی ایک نئی پوسٹ پیدا کروائی اور اس میں پیپلز پارٹی کے گماشتے مسٹر فضل کریم کو مقرر کیا۔ مسٹر فضل کریم محکمہ بلدیات میں متوازی سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے اور اکثر رئیس شبیر کے احکام انہی کے احکام ہوتے تھے منسٹر کی طرف سے سیکرٹری منظور منیر کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ایک معمولی ٹرانسفر کا فیصلہ کرنے سے پہلے بھی فائل فضل کریم کو دکھائی۔ چونگیوں کے ٹھیکوں سے لے کر بلدیات اور محکمہ پبلک ہیلتھ انجنیئرنگ کے تعمیراتی کاموں کے ٹھیکوں کی منظوری تک، مسٹر فضل کریم ہر معاملے میں مداخلت کیا کرتے تھے اور فیلڈ کے افسران ان کے دفتر کے ارد گرد سارا سارا دن چکر لگاتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ جو کچھ مسٹر فضل کریم کو کرنا ہے وہی رئیس شبیر کو کرنا ہے اس طرح مسٹر فضل کریم، محکمہ بلدیات میں رئیس شبیر کے ایجنٹ بھی تھے اور مشیر بھی۔ لوگ عام طور پر یہ کہتے تھے کہ مسٹر فضل کریم رئیس شبیر کے لئے مال اکٹھا کرتا رہتا ہے مسٹر فضل کریم نے بھی موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے خوب خوب ہاتھ رنگے۔ جیسے ہی مارشل لاء کی حکومت آئی، مسٹر فضل کریم کی او ایس ڈی کی سیاسی آسامی بھی ختم کر دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی محکمہ بلدیات کے افسران نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ رئیس شبیر اور فضل کریم دونوں نے بعض سنگین انکوائریوں کو پیسہ لے کر دبا دیا تھا اور ملزم افسروں کو معافی دے دی تھی۔

سابق پنجاب کابینہ کے ایک اور وزیر، ملک غلام نبی کا ذکر نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔ ملک صاحب ویسے تو بڑی خوبیوں کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک عادت ایسی ہے کہ، اس کے باعث انہیں ایک مدت تک وزیر نہ بنایا جاسکا اور وہ تھی ان کی گالیاں دینے کی عادت ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور مخاطب کی حیثیت سے گالیاں دیتے ہیں صادق قریشی نے شاید اس لئے انہیں وزیر بنا لیا ہو کہ ملک صاحب کی طرح نواب صاحب کو بھی گالیاں دینے کی عادت ہے۔

ملک صاحب کو محکمہ تعلیم دیا گیا تھا، اور ان کے زمانے میں مشہور تھا کہ محکمہ تعلیم کلی پرائمری ٹیچر کا بھی جائز تبادلہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ملک صاحب کی سفارش اس بیچارے کے شامل حال نہ ہو اور یہ سفارش عام طور پر مہنگے داموں ہی دستیاب ہوتی تھی، ملک صاحب کے زمانے فیض میں جعلی تعلیمی ڈگریوں کا کاروبار بہت زوروں پر رہا۔ اور ملک صاحب کا اس سلسلے میں اغماض یا دانستہ چشم پوشی لوگوں کو سمجھ نہ آئی۔ ملک صاحب ہی کے زمانے میں زنانہ کالجوں میں عصمت دری کے واقعات پیش آئے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے مقدمات کو غلط رخ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ کوئی بھی چھوٹی بڑی آسامی ملک صاحب کے حکم کے بغیر افسر مجاز پر نہیں کر سکتے تھے، تعلیم کا معیار گر گیا، تعلیمی اداروں میں بد اخلاقی کا چرچہ بڑھ گیا۔ لوگ ملک صاحب پر چھوٹے سے چھوٹے معاملے کے فیصلے پر بھی رشوت کا الزام لگاتے تھے، مختصر یہ ہے کہ ملک غلام نبی نے خوب دولت بنائی۔ اخباری خبروں کے مطابق وہ تبادلے سے لے کر ایڈ ہاک تقرری تک پانچ چھ ہزار روپے رشوت لیا کرتے تھے۔ ماڈل ٹاؤن میں چھ کنال پر مشتمل ایک متروکہ پلاٹ پر ان کی نظر تھی، لیکن یہ پلاٹ پہلے ہی کسی شخص کو الاٹ کیا جاچکا تھا۔ ملک صاحب نے اپنے وزارتی دباؤ سے کام لے کر یہ پلاٹ اپنی بیوی شمشاد بیگم کے نام الاٹ کرالیا، لیکن ابھی ناجائز قبضہ حاصل نہیں کیا تھا کہ بھٹو حکومت کی بساط الٹ دی گئی۔

پنجاب کے ایک اور بدعنوان وزیر، رانا شوکت محمود تھے، جو پہلے وزیر مال اور پھر وزیر بحالیات بنے وہ اپنے محکمہ کے افسروں پر حکم چلانے کے عادی تھے اور

حکم عدولی کو اپنی شان کے خلاف سمجھا کرتے تھے، چونکہ بنیادی طور پر وکیل تھے، اس لئے اپنے خلاف قانون احکام ضابطۂ تحریر میں لانے کی بجائے زبانی دیا کرتے تھے رانا صاحب نے اقرباپروری میں سنگین قسم کی دھاندلیوں کا ارتکاب کیا انھوں نے اپنی برادری کو مالامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ان کے حکم پر (ہفت روزہ لیل و نہار کے مطابق) ماڈل ٹاؤن کی بستی میں دو متروکہ پلاٹ میاں محمد ادریس اور بشیر احمد کو منتقل کئے گئے۔ ایک پلاٹ کا رقبہ ۷ کنال تھا لیکن اسے صرف ۱۸ ہزار روپے میں دیا گیا دوسرا پلاٹ بھی چھ کنال کا تھا اور اسے ۳۶ ہزار روپے میں عطا کیا گیا، ان کی بیگم صاحبہ نے فرضی ناموں پر تین پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے بلاک ایچ۔ جی اور ڈی میں منتقل کرائے۔ ان پلاٹوں کی فائلیں بھی رانا صاحب نے غائب کر دیں۔ رانا صاحب وزیر بحالیات کی حیثیت سے خود کو نصف لاہور کا مالک سمجھنے لگے تھے لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے متروکہ جائیداد کے ہیر پھیر میں اتنی دولت کمائی ہے کہ کروڑپتی بن چکے ہیں پہلے وہ ایک معمولی وکیل تھے۔

سابق پنجاب کابینہ کے ایک ان پڑھ اور جاہل وزیر ملک حاکمین خان کی حاکمانہ چالاکیوں اور دیدہ دلیریوں کا حال کیمبل پور کے اکثر عوام معلوم ہے وزیر بننے سے پہلے وہ ایک معمولی ٹھیکیدار تھے اور افسروں کی خوشامد اور دعوتیں کر کے چھوٹے موٹے ٹھیکے حاصل کر لیا کرتے تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ لاکھوں میں کھیلنے لگے۔ یہ امارت اور تمول سب ان کی وزارت کا اعجاز تھا، ملک حاکمین جب تک وزیر جیل خانہ جات رہے، ہر روز اخبارات میں زیادہ جیلیں تعمیر کرنے کے بارے میں دے دیا کرتے تھے، جیل خانے تعمیر کرنے کی خواہش انہیں ٹھیکیدار ہونے کے ناطے سے بھی تھی۔ ایک اخبار کے مطابق، آپ جب ۱۹۷۰ء میں اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تو اس وقت سٹینڈرڈ بنک کیمبلپور کے تقریبًا ستر ہزار روپے کے مقروض تھے، لیکن اب مختلف بنکوں میں مختلف ناموں کے ساتھ بے حساب رقم جمع کر رکھی ہے حاکمین خان نے اپنے بھائیوں اور سسرال والوں کو ہزاروں روپے کے ٹھیکے لاکھوں کر حساب سے دلوائے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ کمائی کر سکیں ان کا بڑا بھائی رب نواز اٹک آئل کمپنی اور چھوٹا لیاقت اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل تعینات ہوا، ایک سالا لیبر آفیسر اور ایک سالا پی ایل میں ملازم کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ بعض رشتے دار مثلاً لال محمد اور قادت اجازت خان محکمہ جیل میں اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ ملک حاکمین خان نے اپنے دورِ وزارت میں اپنے لئے ٹریکٹروں اور کاروں کے پرمٹ نمبر ۴ CR اور ۴۹ CC حاصل کئے بھائیوں اور سسرال رشتے داروں کو مختلف ترقیاتی محکموں سے ناجائز ٹھیکے دلوائے اپنے لئے موضع شکردرہ میں ایک لاکھ کی زمین خریدی اور لاہور اور کیمبل پور میں لاکھوں روپے خرچ کر کے کوٹھیاں تعمیر کرائیں۔ پیپلز پارٹی کے اس وزیر نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اپنے ایک سالے کو موضع سروالہ میں کھی کی ایک ایجنسی دلوائی اور ارباب ٹریڈرز کے مالکان کو بلیک میل کر کے اس میں اپنے والد کو ۱/۲ کا حصہ دار بنایا۔۔

وغیرہ وغیرہ۔ کہاں تک کہانی بیان کی جائے۔

پنجاب کابینہ کے سابق وزیر برائے ہاؤسنگ و فزیکل پلاننگ، مسٹر عبدالقیوم کے بارے میں بھی بعینہ یہی بات کہی جا سکتی ہے، انہوں نے اپنی سرکاری حیثیت سے بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ وہ مکانوں کی تعمیر اور کچی آبادیوں کو پکی آبادیوں میں بدلنے کے منصوبوں کے وزیر تھے۔ اس حیثیت میں انھوں نے اپنے منظورِ نظر لوگوں کو بہترین پلاٹ، معمولی قیمت پر عطا کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری مسٹر بشیر احمد کے ساتھ مل کر محکمۂ ہاؤسنگ میں وسیع

پیمانے پر دھاندلیوں کا ارتکاب کیا اور رشوت وصول کی بشیر احمد پر اپنی نوازشات کی انتہا یوں کی کہ انہیں بنیادی سولہویں گریڈ سے اٹھا کر پنجاب سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوٹ میں گریڈ ۱۹ کی آسامی پر ڈائریکٹر لگوا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ مسٹر بشیر احمد اگرچہ سرکاری ملازم ہیں، لیکن اپنے مربی وزیر کی دھاندلیوں کا انکشاف اسی لئے نہیں کر سکتے کہ وہ خود بھی ان دھاندلیوں میں شریک تھے اور انہیں ان کے وزیر نے شادمان کالونی لاہور میں دس مرلے کا قیمتی پلاٹ بھی نہایت معمولی معاوضے پر دلایا تھا عبدالقیوم نے اپنے محکمے میں بے جا مداخلت کا ریکارڈ قائم کر دیا اور سرکاری ٹھیکوں سے لے کر افسروں کے تبادلے تک سب کچھ ان کی منظوری سے ہوتا رہا، اور اس منظوری کے عوض انہوں نے خوب دولت کمائی۔

سابق پنجاب کابینہ کے بہت سے دوسرے وزراء مثلاً افتخار احمد تاری، چودھری ارشاد، طالب حسین، حنیف کاردار، ایس ایم مسعود، (جو بعد میں وفاقی وزیر بنے) مختار اعوان، اور انور سماں وغیرہ کے متعلق بھی، ایسے ہی الزامات لگائے جاتے ہیں۔

ان سب وزیروں نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ انتظامی امور میں بے جا مداخلت کی مثالیں قائم کیں افسروں کو تنگ کیا اور ان سے غیر قانونی کام کروائے، جن افسروں نے ہچکچاہٹ یا انکار کیا، انہیں معطل یا سبکدوش کر دیا کہا جاتا ہے کہ مختار اعوان، اپنی زرخیز وزارت "سٹیلمنٹ" کے ذریعے راتوں رات امیر ہو گئے، انور سماں، پی ڈبلیو ڈی کے ٹھیکوں اور پراجیکٹوں میں کھیلتے رہے چودھری ارشاد، محکمہ صحت کے طفیل اپنی اور اپنے خاندان کی

مالی صحت میں اضافہ فرماتے رہے چودھری طالب حسین، محکمہ بلدیات میں اپنے جوہر آشکار کرتے رہے اور افتخار تاری، سیاسی مخالفوں کو ڈرانے دھمکانے کے علاوہ بی اینڈ آر کے افسروں کو ڈراتے رہے۔

ان سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ دولت کمانے اور سرکاری حیثیت کا غلط فائدہ اٹھانے میں کوئی کمی باقی نہ رہنے دی۔ ایک طرف یہ وزیر پنجاب کو لوٹ رہے تھے تو دوسری طرف سندھ۔ سرحد اور بلوچستان میں ان کے بھائی۔ یہی کام اپنے اپنے صوبے میں انجام دے رہے تھے۔

بلوچستان کے سابق وزیر اعلیٰ جام غلام قادر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانۂ وزارت میں بدعنوانیوں اور دھاندلیوں کی انتہا کر دی تھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے "اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔ وہاں کے حق دار ٹھیکیداروں کے بجائے اپنے عزیز و اقارب کو ٹھیکے دیئے، جنھوں نے سرکاری رقم کو بڑے پیمانے پر خرد برد کیا، وہ سرکاری زمینوں کو ناجائز طور پر قبضے میں لیے ہوئے ہیں۔

جام آف بسبیلہ نے اپنے منظور نظر بے تاج بادشاہ میر محمد جاموٹ کو ایک سڑک کا ٹھیکہ دیا۔ جس پر صرف پانچ ہزار روپے لاگت لگی۔ لیکن انہیں سرکاری خزانے سے دو لاکھ روپے دیئے گئے لسبیلہ کے عوام کو ناکارہ راشن سپلائی کی گئی جب لوگوں نے اس کی شکایت کی تو انہیں

ڈپٹی کمشنر کے ذریعے اس بات کی دھمکی دی گئی کہ وہ خاموشی اختیار کریں، ورنہ انہیں بند کر دیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کے ذریعے مقامی لوگوں کو ڈومی سائیل پانچ پانچ ہزار روپے اور میڈیکل میں داخلے کا کوٹہ دو دو ہزار روپے تک فروخت کیا۔"

(روزنامہ آغاز)

بلوچستان میں تعلیم عام نہیں اور لوگ عام طور پر جاہل ہیں، اس لئے وہاں لئے وہاں "کرپشن" کرنا اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بلوچستان کے سابق وزرائے اعلیٰ، اکبر بگٹی سے لے کر جام غلام قادر تک سب بدعنوانیاں کیں، خاص طور پر معدنیاتی ٹھیکوں اور لیزوں کے سلسلے میں بے پناہ دھاندلیوں کا ارتکاب کیا گیا، ان دھاندلیوں کے نتیجے میں یہ لوگ کروڑوں کے اثاثوں کے مالک بن گئے۔

سابق مرکزی وزیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی، سعید الرشید عباسی کے بارے میں بھی سنگین دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کا انکشاف ہوا ہے اخباروں کی اطلاع کے مطابق اپنے عزیز، اسلم عباسی کو کاٹن ٹریڈنگ کارپوریشن میں ڈپٹی سرکل منیجر مقرر کرایا، حالانکہ وہ صرف میٹرک پاس ہے۔ ان کے پاس سیاحت کے امور کا شعبہ بھی تھا۔ اور اس حیثیت کی بنا پر ان کے قریبی عزیز اور رشتے دار سرکاری ہوٹلوں میں مفت قیام کرتے تھے۔

کو اپریٹو بنکوں کے قرضے اپنے عزیزوں کو دلوائے اور اس طرح خویش پروری میں شہرت حاصل کی۔

پیپلز پارٹی کے دور کے بڑے میاں خان عبدالقیوم خان نے بھی اپنے اختیارات کے غلط استعمال میں کوئی اخلاقی رکاوٹ محسوس نہ کی۔ ان کے پاس امور داخلہ کا محکمہ تھا اور وہ لوگوں کو ملک سے باہر جانے کے سلسلے میں این او سی جاری کرنے اور پاسپورٹ وغیرہ کے محکموں کے بھی انچارج تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پاسپورٹ کے محکمے میں بے شمار بے ضابطگیاں کیں، انہوں نے ایسے ایسے لوگوں کو پاسپورٹ افسر بنا دیا جو پہلے کلرک تھے پاسپورٹ کا محکمہ جب تک خان صاحب کے پاس رہا۔ دھاندلیوں اور رشوت ستانیوں میں مشہور رہا۔ کسی شخص کا پاسپورٹ اس وقت نہیں بن سکتا تھا جب تک رشوت کی ایک معقول رقم متعلقہ اہل کار وصول نہ کر لیتا تھا۔

بھلو کے "خاندانی وکیل" اور سابق اٹارنی جنرل، یحییٰ بختیار کے بارے میں اخبارات میں اس نوعیت کی خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ ان پر بھٹو کی خصوصی نظرِ عنایت تھی، انہیں مرکزی حکومت میں وفاقی وزیر کے مساوی مقام و مرتبہ اور دیگر مراعات حاصل تھیں کہتے ہیں کہ انہوں نے روزنامہ سیاست لاہور ۱۲ر دسمبر ۷۷ء کے مطابق تیسری جیورسٹ کانفرنس میں تقریباً تین لاکھ روپے کی رقم ہضم کر لی تھی، یہ رقم اس کانفرنس پر ہونے والے سرکاری اخراجات میں سے بچ رہی تھی۔ لیکن اسے واپس خزانے میں جمع نہیں کرایا گیا تھا

یحییٰ بختیار نے مارچ کے انتخابات میں اپنے حلقۂ انتخاب میں دھاندلیوں کا ارتکاب بھی کیا تھا۔

لاہور کی ککے زئی برادری سے تعلق رکھنے والے پستہ قد کاٹھ، لیکن تیز و طرار زبان کے مالک، ملک اختر عرف "پستول والے" بھی بھٹو کابینہ میں وزیر باتدبیر کے مقام و منصب پر فائز تھے۔ اپنے عہد وزارت میں جب کوئی سائل ان کے پاس کسی کام سے جاتا تو وہ کہا کرتے تھے کہ بھئی اتنا کیا کم ہے کہ تم نے ایک وفاقی وزیر سے ملاقات کی ہے۔

ملک اختر، پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں فرعون بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی حیثیت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اپنی ذات اور اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو فائدہ پہنچایا انھوں نے اپنے بلیوڈ اور اقرباکو اونچے عہدوں پر فائز کردیا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی وزارت کے محکموں میں افسروں کو بہت پریشان کیا اور انہیں متعدد ناجائز احکامات پر عمل درآمد کے لئے مجبور کیا لوگ ملک اختر پر رشوت خوری، بلیک میل اور اسمگلنگ کا الزام بھی لگاتے ہیں، جب مارچ کے انتخابات کی مہم چلائی جارہی تھی تو ان کے خلاف خود ان کی اپنی برادری میں اس قدر نفرت پائی جاتی تھی کہ ان کے "سنہری کارناموں" کے سلسلے میں ایک دلچسپ کتابچہ شائع کیا گیا تھا کہ ایسے خائن اور لٹیرے شخص کو ووٹ نہ دیئے جائیں۔

سابق وفاقی وزیر، یٰسین وٹو پر بھی متعدد دھاندلیوں کے مخصوص الزام موجود ہیں، موصوف ایوب خانی دور میں بھی وزیر تھے، وزارت کا چسکا شاید ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ چونکہ جو فوائد وزارت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اپوزیشن میں کہاں۔ جناب یٰسین وٹو "عوامی دولت" میں اس وقت وزیر بنے جب بھٹو حکومت کا زوال ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا ان کا دور وزارت مختصر رہا لیکن پھر بھی اس دور کی نعمتوں اور برکتوں میں انہوں نے بھی اپنا حصہ وصول کیا۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اقربانوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اپنے لئے نیشنل بنک کے قرضے سے ایک کار خریدی اور یہ قرضہ ابھی تک واپس نہیں کیا سُنا ہے کہ یہ قرض، جو بنک کے ضوابط کے سراسر خلاف تھا اوپر سے دباؤ اور سفارش کی بنار پر انہیں ملا تھا۔

سابق اسپیکر قومی اسمبلی، فاروق علی خان کی حرص کی کہانیاں ملتان کے عوام کی زبان پر ہیں، انہیں یہ عظیم الشان عہدہ محض بھٹو کی چاپلوسی کے صلے میں نصیب ہوا تھا، ورنہ ان کی عوامی مقبولیت کا اندازہ تو صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مارچ کے انتخابات میں دھاندلیوں کی تمام تر کوشش کے باوجود وہ قومی اسمبلی کا انتخاب ہار گئے تھے۔

صاحب زادہ فاروق علی کا نام بھی اسی فہرست میں شامل ہے جنھوں نے نیشنل بنک کی اسلام آباد شاخ سے کار کے لئے "ناجائز" قرضہ حاصل کیا تھا۔

صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والے سابق وزیر عبدالقادر گبول پر بھی اپنی سرکاری حیثیت سے تجاوز اور ناجائز فوائد حاصل کرنے کے الزامات لگائے جاتے ہیں، انہوں نے اپنے ذاتی استعمال کے واسطے جیپ خرید نے کے لئے نیشنل بنک کی اسلام آباد شاخ سے چوّن ہزار سے زائد رقم کا اوور ڈرافٹ بھی حاصل کیا تھا جسے ابھی تک واپس جمع نہیں کرایا۔ عبدالستار اس سے پہلے سندھ کی صوبائی کابینہ میں شامل تھے، ان پر سندھ کے بعض علاقوں میں غنڈوں کی سرپرستی اور ناجائز ذرائع سے دولت کمانے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر بننے سے پہلے وہ ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے، لیکن آج ان کے پاس پلاٹ، کار، جیپ، بنگلہ وسیع جائداد اور نقد اثاثہ، غرضیکہ پیپلز پارٹی کا "سب کچھ ہے"۔

صوبہ سرحد کے سابق گورنر میجر جنرل نصراللہ خاں بابر اور سابق وزیر یوسف خٹک پر بھی اقرباپروری، ناجائز دولت کے انبار جمع کرنے اور متعدد دھاندلیوں کے سنگین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) نصراللہ خاں بابر پر صوبہ سرحد سے افغانستان کی طرف غلہ اور خوراک کی اسمگلنگ کے الزامات قومی اخبارات میں چھپ چکے ہیں، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ عمارتی لکڑی کے ٹھیکو اور پرمٹوں میں گڑبڑ کیا کرتے تھے۔

یوسف خٹک کو صوبہ سرحد کی انتہائی ناپسندیدہ شخصیت شمار کیا جاتا ہے۔ موصوف نے ماضی میں اپنے محسن سے غداری کی اور غدار سے دوستی کے بدلے دولت، پرمٹ اور جائداد سمیٹی۔ جن دنوں وہ صوبہ سرحد کے وزیر تھے، انھوں نے ظلم، قتل وغارت، حتیٰ کہ لوگوں کے گھروں کی بے حرمتی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ سب سے بڑھ کر ان پر پشاور یونیورسٹی کے مشہور اسکینڈل میں ملوث ہونے کا الزام ہے اس سکینڈل میں صوبائی وزیر حنیف خاں، عبدالصمد اور مزمل شاہ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے اور وائس چانسلر عبدالعلی کے ہاتھوں مار بھی کھائی تھی۔

دھاندلیوں، اقرباپروری، خویش نوازی، کرپشن، رشوت ستانی اور غبن کے الزامات صوبہ سرحد کے سابق وزراء اعلیٰ اقبال جدون اور نصراللہ خاں خٹک پر بھی لگائے جاتے ہیں۔

دوسری بڑی مچھلیوں میں پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے جن سابق وزیروں پر بے اندازہ دولت جمع کرنے رشوت ستانی، اقرباپروری اور بدعنوانی کے الزامات عام طور پر عائد کئے جاتے ہیں، ہم ان کارناموں کے ذکر پر اکتفا کریں گے، ان کے خلاف سرکاری سطح پر تحقیقات شروع ہو چکی ہیں، ان انکوائریوں کے نتیجے میں ان مگرمچھوں کے سیاہ کارنامے کرتوت اور واقعات واردات منظرعام آ سکیں گے۔

(۱) وفاقی وزیر برائے امورِ خارجہ عزیز احمد ان پر سفارت خانوں کے معاملات اور وزارت

خارجہ کے فنڈز میں گھپلوں اور ناجائز تقرریوں کے الزامات ہیں۔

۲:- رانا محمد حنیف۔ وفاقی وزیر اول تا آخر تجارت، لوکل گورنمنٹ اور خزانہ کے محکموں میں ناجائز مداخلت اور اقربا پروری اور بدعنوانیوں کے الزامات ہیں۔

۳:- غوث بخش رئیسانی، بلوچستان کے گورنر اور بعد میں وفاقی وزیر رہے۔ سنا ہے کہ انھوں نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے میں کوئی کمی نہ کی۔

۴:- رفیع رضا۔ مشیری سے وزیری تک انھوں نے چاپلوسی اور کرپشن کے کئی مرحلے طے کئے۔ بھٹو کے بہت قریب تھے۔

۵:- میر افضل خاں۔ پانی، بجلی اور متعلقہ امور کی وزارت کے وزیر رہے واپڈا کی دولت اور اختیارات سے انھوں نے بھی فیض اٹھایا۔

۶:- حفیظ اللہ چیمہ۔ نہایت تیز وزیر اعلیٰ تھے اور اپنی اہم وزارت میں روپے پیسے کی بہنے والی نہروں میں وہ بھی غسل فرماتے رہے۔

۷:- سید قاسم علی شاہ۔ وفاقی وزیر تھے اقربا پروری میں شہرت حاصل کی۔

۸:- تاج محمد خاں جمالی۔ بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں، وفاقی وزیر ہونے کی حیثیت سے اپنے قبیلے اور دوستوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

۹:- ناصر علی شاہ رضوی۔ وفاقی وزیر تھے پارٹی کے سلسلے میں خفیہ فنڈز سے دس ہزار اور انٹیلی جنس بیورو کے فنڈز سے دو لاکھ دس ہزار روپے کی خطیر رقم وصول کی۔

۱۰:- محمد حنیف خاں۔ امورِ کشمیر اور قبائلی علاقوں کے وفاقی وزیر رہے اقربا پروری اور کرپشن کے الزام میں ملوث کہے جاتے ہیں۔

۱۱:- ملک محمد جعفر۔ وفاقی وزیر مملکت رہے اقربا نوازی میں شہرت پائی۔

۱۲:- میاں عطاء اللہ وفاقی وزیر مملکت برائے ریلوے تھے اور ریلوے کے سکریپ سے منافع حاصل کرنے کا الزام سر لے بیٹھے۔

۱۳:- چودھری جہانگیر علی، وفاقی وزیر برائے ہاؤسنگ و تعمیرات تھے۔ اپنے زرخیز محکموں سے خوب فائدہ اٹھایا

۱۴:- ایس ایم مسعود:- وفاقی وزیر برائے پارلیمانی امور تھے، پھر بھی اپنی اہمیت سے فائدہ اٹھانے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔

۱۵:- فاروق لغاری مختصر عرصے کے لئے وفاقی وزیر تھے اقربا پروری کرتے رہے

۱۶:- نیاز محمد ارباب۔ سندھ سے تعلق رکھنے والے کم سن وفاقی وزیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی۔ بریف کیس میں اپنی ہی بدکاریوں کے مناظر پر مشتمل ننگی فلمیں لیے پھرتے تھے۔ کرپشن میں نام پایا۔

۱۷:- طاہر محمد خاں۔ اطلاعات کے وفاقی وزیر تھے، ٹی وی آرٹسٹوں کو نوازنے میں کوثر نیازی سے پیچھے نہ تھے اقربا پروری اور غلط بخششیوں میں مشہور ہوئے۔

۱۸:- ارباب محمد جہانگیر خاں۔ مختصر عرصے کے لئے ہاؤسنگ کے وفاقی وزیر تھے۔ لیکن پھر بھی موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے۔

خوب کام دکھائے۔

۱۹:۔ ملک نور حیات خان نون۔ ثقافت وغیرہ وفاقی وزیر تھے۔ اور ثقافت کی حوصلہ افزائی میں کسی ترقی پسند سوشلسٹ سے پیچھے نہ تھے، اقربا نوازی اور خویش پروری میں بہت نام پیدا کیا۔

ان بھاری بھرکم شخصیات کے علاوہ مخدوم حمید الدین (وفاقی وزیر) مخدوم محمد امین (وزیر مملکت) مسٹر حبیب اللہ چیرمین سینیٹ، کمال ظفر (صوبائی وزیر سندھ) مسٹر اشرف عباسی (ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی) شیخ رفیق (سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب) بدیع الحسن (وزیر سندھ) اور بعض دیگر سرکردہ شخصیات نے بھی بہتی گنگا میں خوب ہاتھ دھوئے۔

چیلیں اور چمگادڑیں

کسی خاص فرد پر ناجائز الزام تراشی مقصود نہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ پیپلز پارٹی کا شاید کوئی رکن ایسا ہو جو اپنے دامن کی صفائی دے سکے۔ اب تک ہم نے اس پارٹی کے چیرمین اور وزیروں کی چوری کا ذکر کیا ہے، لیکن کیا اس پارٹی کے وزیر ہی حقیقت میں کرپٹ اور بدعنوان تھے۔ دوسرے لوگ خاص طور پر ارکان اسمبلی بری الذمہ اور معصوم تھے؟ نہیں۔ بات یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے حمام میں تمام لوگ ہی ننگے تھے۔ کسی ایم پی اے یا ایم این اے کے بارے میں یہ کہنا بہت دشوار ہے کہ اس نے پیپلز پارٹی کے تعلق کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حال ہی میں سپریم کورٹ کے سامنے نصرت بھٹو کیس میں جناب اے کے بروہی نے وکیل سرکاری کی حیثیت سے بھٹو اور اس کے ساتھیوں کی مبینہ بدعنوانیوں کے بارے میں دستاویزی ثبوت پیش کئے تھے۔ ایک فہرست میں ایسے لوگوں کے نام تھے جنھوں نے پرائم منسٹر سیکرٹ فنڈز اور بیورو آف انٹیلی جنس فنڈ سے خطیر رقوم قومی مقاصد کی بجائے ذاتی اور جماعتی مقاصد کے لئے وصول کی تھیں ایک دوسری فہرست میں ان لوگوں کے نام دیئے گئے ہیں جنھوں نے برائے نام ڈیپازٹ کے سہارے محض سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال سے بھاری رقوم قرضے اور اوور ڈرافٹ کی شکل میں کاروں اور جیپوں کی خریداری کے لئے حاصل کی تھیں۔ یہ قرضے ابھی تک پوری طرح واپس نہیں کئے گئے۔ ہم اس فہرست میں شامل بعض ایم این اے اور سینیٹر حضرات کے نام درج کر رہے ہیں۔

نام رکن اسمبلی	اوور ڈرافٹ کی رقم
سید محمود عباس	۴۲۲۴۲۰۰/۰
میر سندر خاں	۲۰۸۵۷/۰

نام	رقم
ملک محمد صادق	۴۰۸۵۷۰۰/۰
مہر منظور حسین سمرا	۴۲۸۲۸/۰
حکیم تجلی زرداری	۴۰۸۵۷/۰
غلام رسول جتولانی	۸۱۷۱۴/۰
ملک سکندر خاں	۴۲۸۹۱/۰
میر دریا خاں کھوسہ	۴۰۸۵۷/۰
علی حسن منگی	۴۲۸۹۱/۰
پیر سید عبدالقادر شاہ	۴۰۸۵۷/۰
مسز اشرف عباسی	۴۰۸۵۷/۰
سید عباس حسین گردیزی	۴۰۸۵۷/۰
عبدالحمید میمن	۴۰۸۵۷/۰
سید منظور حسین شاہ	۴۰۸۵۷/۰
قمرالزماں شاہ	۴۰۸۵۷/۰
سید قربان علی شاہ	۴۰۸۵۷/۰
سردار غلام محمد خاں	۴۰۸۵۷/۰
محمد خاں چوہدری	۶۱۴۶۰/۰
بیگم نسیم جہاں	۳۳۰۷۰/۰
رائے ظہور رشید علی خاں	۳۳۰۷۰/۰
محمد افضل رندھاوا	۶۱۴۶۰/۰
مسز نرگس نعیم	۶۱۴۶۰/۰
ساجد پرویز میاں	۷۱۲۴۰/۰
سید رفیق محمد شاہ	۶۱۴۶۰/۰
گلاب خاں	۴۲۸۲۸/۰
نور محمد	۶۱۴۶۰/۰
نیامت علی شلوزاری	۷۱۲۴۰/۰
غلام حیدر	۱۶۶۵۰۲/۰
میاں حامد یٰسین	۶۷۷۷۶/۰
ایم ہاشم خاں	۷۱۲۴۰/۰
خیال سعید	۵۵۶۵۰/۰
محمد سلیمان سمیجہ	۳۳۰۷۰/۰
عبدالواحد	۶۱۴۶۰/۰

نام	رقم
حفیظ بخش	۴۲۸۲۸/۰
میاں احسان الحق	۷۱۲۴۰/۰
رانا تاج احمد نون	۷۱۲۴۰/۰
چوہدری منظور حسین	۷۱۲۴۰/۰
میاں شہادت خاں	۶۱۴۶۰/۰
شیر محمد خاں	۶۱۴۶۰/۰
کرنل حبیب اللہ	۳۳۰۷۰/۰
میاں مسعود احمد	۵۵۶۵۰/۰
احسان الحق	۵۴۲۸۰/۰
غلام حسین	۲۸۰۷۰/۰
صاحبزادہ فاروق علی	۵۵۶۵۰/۰
خواجہ غلام سلیمان	۶۱۴۶۰/۰
ذوالفقار علی شاہ	۷۱۶۷۰/۰
محمد نذیر سلطان	۷۱۲۴۰/۰
پیر صفی الدین	۳۳۰۷۰/۰
مسز سمیعہ عثمان فتح	۳۳۰۷۰/۰
ظہور الحق	۳۳۰۷۰/۰
ملک محمد سلیمان	۳۳۰۷۰/۰
نثار احمد پنوں	۳۳۰۷۰/۰
غلام حسین ڈھانڈلہ	۳۳۰۷۰/۰
شیخ محمد خورشید	۳۶۳۹۵/۰
سردار حبیب اللہ	۳۱۲۰۰/۰
میاں غلام عباس	۷۱۲۴۰/۰
مسز شیریں وہاب	۳۳۰۷۰/۰
محمد سردار خاں	۳۳۰۷۰/۰
چوہدری محمد اسلم	۳۳۰۷۰/۰
خان ارشاد خاں	۷۱۲۴۰/۰
رائے شہادت علی	۸۳۵۰۶/۰
نذر حسین کیانی	۶۰۰۲۸/۰
ملک مشتاق احمد	۴۳۰۰۰/۰
حاجی اکبر خاں	۴۵۵۷۳/۰

پیپلز پارٹی کے ان ایم این اے اور ایم پی اے حضرات نے ملک میں لوٹ مار کا محاذ کھول رکھا تھا ان کی مبینہ کرپشن کے واقعات اس قدر عام اور مشہور ہو گئے تھے۔ کہ لفظ ایم پی اے چور اور ڈاکو کے مترادف سمجھا جانے لگا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ ان معزز... اراکین اسمبلی نے لوٹ مار اور رشوت خوری کو ہی اپنے الیکشن کا مقصد سمجھ لیا تھا۔ وہ خود کو عوام کے سامنے جواب دہ تو کبھی سمجھتے ہی نہ تھے۔ اس حقیقت کی طرف بلیغ اشارہ ایک مرکزی وزیر با تدبیر نے جو بخیر سے عالم دین بھی کہلاتے ہیں، فیصل آباد میں اپنی ایک تقریر میں ان الفاظ کیا تھا کہ مسٹر بھٹو ایک درخت ہے اور ہم اس کی شاخیں ہیں، وہ سورج ہے اور ہم اس کی کرنیں ہیں۔ مجمع میں ایک صاحب نے اٹھ کر کہا"۔ مسٹر بھٹو دیگ ہے اور آپ ایک چمچے ہیں۔

جہاں ذہنیت یہ ہو کہ ہم عوام کے سامنے نہیں مسٹر بھٹو کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہاں ایسے ارکان اسمبلی خلق خدا کو نفع پہنچانے کے بجائے اپنی ذات اور اپنے عزیز و اقارب کو فیض یاب نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان محترم اور معزز ارکان نے بالکل وہی کیا جو ایسے حالات میں ان سے متوقع تھا۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ ضمنی انتخابات جیتے نہیں جتوائے جاتے ہیں۔ ان کے لئے عوامی نہیں، صرف بھٹو کی تائید کافی ہے چنانچہ ان کی تمام وفاداریاں اپنی یا بھٹو کی ذات کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی تھیں۔ انھوں نے پورے ساتھ پانچ سال ملک کو لوٹ کر کنگال کر دیا۔ رشوت ستانی میں وہ راشی اور بے ایمان افسروں کو مات کر گئے۔

ان کے پاس اسلحہ کے لائسنس ایشو کرنے کے اختیارات تھے۔ اس اختیار کو انھوں نے اس طرح استعمال کیا کہ فی لائسنس پانچ پانچ سو روپے رشوت ایک معمول بن گیا۔

راشن ڈپو ان کے اور ان کے رشتہ داروں کے نام الاٹ ہونے لگے۔

کئی ایم پی اے اور ایم این حضرات نے اپنی سیاسی حیثیت سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنے سیاسی مخالفوں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنوائے، انھیں گرفتار کروایا۔ ان کی عورتوں کی بے عزتی کی۔ ان کی زمینیں اور جائیدادیں زبردستی چھین لیں۔

انھوں نے چاول سیمنٹ، آٹے اور دیگر اشیاء کی سپلائی اور نقل و حرکت کے پرمٹ لئے اور لیکر آگے منافع پر بیچ دیئے۔

پلاٹ معمولی قیمت پر حاصل کئے اور آگے مارکیٹ کی قیمت پر لاکھوں روپے کے نفع پر فروخت کر دیئے۔

گاڑیوں اور ٹریکٹروں کے پرمٹ حاصل کئے اور آگے زبردست منافع کے ساتھ بیچ دیئے

بھیڑ پال اسکیم کے تحت بھاری قرض لیے اور ہضم کر گئے۔

بنکوں سے جعلی ناموں پر اپنی ذاتی سفارش سے قرضے لیئے اور ڈکار گئے۔ اب بنک انھیں ڈھونڈتے ہیں۔ تو جعلی ناموں کا کہیں سراغ ہی نہیں ملتا۔

زرعی قرض لئے اور کھا پی گئے۔

ٹھیکے حاصل کئے اور ایڈوانس پے منٹ لے کر کام ادھورا چھوڑ دیا۔

افسروں کے تبادلوں کے سلسلے میں ان کے رشتہ دار بن کر سفارشیں کیں اور رشوت میں ہزاروں روپے کمائے۔

سرکاری ریسٹ ہاؤس ان کی عیاشیوں کے اڈے بن گئے۔

انٹر کان قسم کے بڑے ہوٹلوں میں ان کے لئے
کمرے ہمہ وقت بک رہتے تھے۔

عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ کسی کو کوئی کام کرانا
ہو تو وہ کام کتنا ہی جائز کیوں نہ ہو، اس وقت تک
نہیں ہو سکتا تھا کہ جب تک کسی ایم پی اے ایم
این اے کا دامن نہ پکڑا جائے۔

اسمبلیوں کی سیٹ عیوں پر سفارشیوں کے غول
منتظر رہتے تھے، ہر سفارش کی ایک قیمت مقرر تھی
پیپلز پارٹی کے ایم پی اے ایم این اے حضرات
کی بدعنوانیوں کی داستانیں بے شمار ہیں اور ہر
داستان کسی دوسری داستان سے کم دلچسپ اور
عبرت انگیز نہیں۔ ہم یہاں محض چند مثالوں پر اکتفا
کریں گے۔

سابق ایم پی اے (پنجاب) سید منیر احمد کے
بارے میں اخبارات کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے
کہ انھوں نے ملتان میونسپل کارپوریشن میں اودھم
مچا رکھا تھا۔ انھوں نے اپنی حیثیت سے ناجائز فائدے
اٹھاتے ہوئے۔ بلدیہ کے متعدد تعمیراتی ٹھیکے حاصل
کیے اور سرکاری خزانے سے پیسے وصول کر کے ہضم
کر گئے۔ مظفر گڑھ کے ایم پی اے ابراہیم برق نے بیشمار
دھاندلیوں کے علاوہ اپنے ایک نالائق بیٹے کو براہ راست
مرکزی سیکرٹریٹ میں ڈپٹی سیکرٹری بنوایا۔

سابق ایم پی اے عبدالعزیز ڈوگر نے، اطلاعات
کے مطابق اپنے علاقے میں دس مربع زرعی اراضی ناجائز
طور پر حاصل کر لی اور وہاں پر قابض مزارعین اور
کسانوں کو مار بھگایا کر وہ اراضی اپنے رشتہ داروں
میں بانٹ دی، حالانکہ اس اراضی کی الاٹمنٹ پر کسی
بھی اصول کی رو سے ان کے عزیزوں کا کوئی حق نہ تھا۔

سینیٹر قمر الزماں نے سندھ میں مخالفین کی زرعی
اراضی کے وسیع رقبوں پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ ان سے
بہت سی دیگر دھاندلیاں بھی منسوب کی جاتی ہیں۔
اپنے عزیزوں کو انھوں نے بڑے بڑے عہدوں پر لگوایا
اور ناجائز ذرائع سے خوب دولت کمائی۔ سینیٹر قمر الزماں
کی عیاشی کی داستانیں بھی زبان زد خلائق ہیں۔

بہت سے ایم این اے اور ایم پی اے حضرات
اپنے حلقوں میں پیپلز ورکس پروگرام کے ضلعی چیئرمین
تھے۔ اور حکومت نے ان کے اختیار میں پیپلز ورکس
پروگرام کے متعدد منصوبوں (جن میں آب رسانی۔
سڑکیں، پل اور تعلیم بالغان شامل تھے) پر عملدرآمد
کے سلسلے میں لاکھوں روپے کے بجٹ دے رکھے تھے
لیکن ان معزز اراکین نے ان منصوبوں پر اس طرح
عمل کیا کہ ٹھیکے اپنے عزیزوں کو عطا کر دیئے اور سارا
بجٹ خود ہضم کر گئے۔ اعداد و شمار میں جو کچھ دکھایا
جاتا تھا، وہ صرف کاغذی منصوبے تھے۔ فی الحقیقت
بہت کم منصوبوں پر عمل درآمد ہو سکا اندازہ ہے
کہ اس ہیر پھیر میں کم از کم کروڑوں روپے خرچ ہو گئے
صرف چھ منصوبوں کے سلسلے میں پنجاب کے معزز اراکین
اسمبلی نے دو کروڑ روپے کے سرکاری فنڈز ہضم کر لیے۔

تعلیم بالغاں کے سلسلے میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں
کی گئی تھیں۔ جن دنوں یہ پروگرام شروع کیا گیا تھا
ہمیں پتا چلا کہ تعلیم بالغاں کے مراکز کے بجٹ اور
اس سلسلے میں اساتذہ کی بھرتی ایم پی اے ایم این
اے حضرات کے اختیارات میں دیدی گئی تھی معزز
ارکان کروڑوں روپے کے اس قومی منصوبے پر بھوکی
چیلوں کی طرح جھپٹے۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے
دیکھا، کہ ایک ایم پی اے مکمل طور پر جاہل یا انڈر میٹرک
نوجوان ریکروٹنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے گیا اور
کمیٹی نے انھیں ان پڑھ بالغوں کو پڑھانے کے لئے
منتخب، ایم اے اور بی اے پاس نوجوانوں کو چھوڑ کر
منتخب کیا۔

ان مکمل طور پر غیر تربیت یافتہ اور انڈر میٹرک
نوجوانوں نے تعلیم بالغاں کے سلسلے میں جو کارنامے دکھائے

گئے ہوں گے، ان کا فقط تصور ہی طبیعت پر کتنا گراں
گزرتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جاہلوں کو پڑھانے والے ان جاہل اساتذہ نے آج تک کسی ایک بالغ دیہاتی یا شہری کو بھی پڑھنے کے قابل نہیں بنایا۔

دوسری طرف ہزاروں ایسے کام چور اور جاہل اساتذہ مفت میں ہر ماہ ڈیڑھ دوسو کے الاؤنس اور دیگر مراعات سے بہرہ مند ہوتے رہے، تعلیم بالغان کے مراکز میں قطعاً کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ بالغوں کے حاضری کے رجسٹر سب جعلی ہوتے تھے۔ خود افسران بالا کو بھی اس جعل سازی کی حقیقت معلوم تھی، لیکن وہ کچھ نہ کر سکتے تھے، کیونکہ یہ تمام جعلی اساتذہ کسی ایم پی اے یا ایم این اے کے رشتہ دار ہوتے تھے، اور انھیں چھیڑنے کا مطلب ملازمت سے ہاتھ دھونا تھا۔

سیلاب زدہ لوگوں کے لئے امدادی سامان اور غریب لوگوں کے لئے مکان بنانے کے لئے پانچ چھ ہزار روپے فی کس قرضے کے سلسلے میں بھی ان معزز ارکان اسمبلی نے اسی ہنرمندی کا مظاہرہ کیا جیسے وہ تعلیم بالغان اور پیپلز ہال سکیم کے معاملے میں بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کر چکے تھے۔ بیشتر سیلابی امداد جس میں گرم کمبل، لباس، سامان خورد و نوش گھی اور خشک دودھ وغیرہ شامل تھا، ضلعی سطح پر ان غریب ارکان اسمبلی کے درمیان ہی تقسیم ہوگیا۔ نئے مکانوں کی تعمیرات اور مرمت کے سلسلے میں ملنے والے بیشتر قرضے بھی جعلی اور فرضی ناموں پر انہی ایم پی اے اور ایم این اے حضرات ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے نگل لیے۔ غریب لوگ ویسے کے ویسے منہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

یہ ایک دل خراش حقیقت ہے کہ ۱۹۷۳ء کے سیلاب میں لاکھوں خاندان بے گھر ہوگئے۔ لیکن جیسے ہی سیلاب کا پانی اترا، سردی کا موسم شروع ہوگیا۔ ایک طرف پنجاب کے لاکھوں دیہاتی باشندے سخت سردی میں مکانوں سے محروم درختوں کے نیچے بوسیدہ گدے اور ٹاٹ بچھا کر زندگی کے ساتھ جدوجہد کرنے میں مصروف تھے۔ دوسری طرف بھٹو حکومت کے گماشتے اپنے محل نما گھروں میں مڈل ایسٹ اور یورپ سے کروڑوں روپے کی امداد سے گھی کے چراغ جلاتے تھے۔ سیلابی امداد میں آنے والے گھی کے ڈبے آج بھی بازار میں پچھتر روپے فی کلوگرام کے حساب سے فروخت ہو رہے ہیں، لیکن بٹر آئل کا تحفہ ہمارے غریب اور سیلاب زدہ عوام تک کبھی نہ پہنچ سکا شاید وہ اس بیرونی امداد کے حقدار بھی نہ تھے۔

کچھ ایسی ہی صورت حال ٹیوب ویل لگانے کے لئے میں حکومت کی مفت امداد کے سلسلے میں بھی دکھائی دیتی تھی۔ اسکیم خوش نما تھی۔ مقصد یہ تھا کہ درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے کسان جو اتنے متمول اور سرمایہ دار نہیں تھے کہ خود ایک ٹیوب ویل قائم کر سکیں، حکومت کی پانچ چھ ہزار کی مفت امداد اور کچھ اپنے پلے سے ڈال کر ٹیوب ویل لگا[illegible] تصدیق مقامی اہل کاروں کو کرنی تھی، لیکن ہوا کہ نصف نصف پر سودا طے ہوگیا، یہ امداد ریوڑیوں کی طرح غیر مستحق لوگوں میں معزز ارکان اسمبلی کی سفارشوں سے تقسیم ہوگئی۔ زیادہ تر امدادی رقم انہی ارکان یا ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے دوسرے لوگوں کے نصف شدہ ٹیوب ویل دکھا کر ہڑپ کر لی۔

ان ارکان اسمبلی کے کردار پر کہاں تک بحث کی جائے۔ وہاں تو ہمہ خانہ آفتاب والی بات تھی یا لوگوں کے ہاں لائسنسوں، پرمٹوں کا بھاؤ مقرر تھا۔ کوئی سائل خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ شرط یہ تھی کہ اس کے پاس روپیہ ہو یا کوئی خوب صورت

چہرہ، عیاشی اور بدعنوانی کی انتہا ہو گئی تھی۔ جھوٹ اور فریب سکۂ رائج الوقت ٹھہرا۔

ایم پی اے اور ایم این اے حضرات کی دیکھا دیکھی پیپلز پارٹی کے عام رکن بھی "حلِ من فریہ" کا نعرہ لگانے لگے، ان لوگوں کی کارستانیوں کی انتہا تو پاکستان کا ہر شہری دے سکتا ہے زیادہ تر ڈپٹی اور سرکاری محکمے کے ٹھیکے انہی غریب کارکنوں کو ملے۔ یہ لوگ چور بھی تھے اور دسہ گیر بھی ان میں سے بیشتر مقامی تھانوں کے بدنام ہسٹری شیٹر تھے۔ ان لوگوں نے شریفوں پر عرصۂ حیات پہلے ہی تنگ کر رکھا تھا۔ اب بالکل ہی دلیر ہو گئے۔ ان میں طارق محمود بٹ ایسے افراد بھی شامل تھے۔ جنھوں نے لاکھوں روپے ناجائز طریقے سے کمائے جو سرآباد کے ورکر، مختار احمد آہیر نے ستر لاکھ روپے مالیت کا ۲۴۴ ایکڑ زرعی رقبہ صرف دو لاکھ روپے میں الاٹ کرالیا۔ اس طرح کی ناجائز الاٹمنٹوں، پرمٹوں اور پلاٹوں کے سلسلے میں بے شمار پارٹی ورکروں کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ در اصل ملک کے تمام وسائل پیپلز پارٹی کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔

پیپلز پارٹی کو اس طرح پاؤں پھیلاتے دیکھ کر افسر شاہی کس طرح خاموش اور قانع رہ سکتی تھی۔ چنانچہ بہت سے افسروں نے ہوا کا رخ دیکھ کر پیپلز پارٹی کو اپنا مسجود و مقصود ٹھہرالیا اور پھر جن کی پناہ میں لوٹ مار شروع کی تو خود پیپلز پارٹی کے بعض انتہائی چالاک کارکنوں سے بھی بازی لے گئے۔ ان افسروں نے اپنے سفر کا آغاز چاپلوسی اور خوشامد سے کیا اور انتہائی گریڈوں میں ترقی پاسکے، میں اضافے اور اپنے لئے ناجائز دولت اندازی پر کی۔ ایسے افسروں کی تعداد بے شمار ہے لیکن ہم صرف چند بڑی مچھلیوں کا ذکر کریں گے۔

سب سے اہم غالباً ڈاکٹر نصیر شیخ تھے۔ ان کی بھٹو کے ساتھ دوستی مشہور رہی تھی۔ وہ بھٹو کے ذاتی معالج بھی تھے۔ بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بھٹو کی ختنہ بھی اس وقت کیا تھا جب وہ وزیر خارجہ تھے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ نصیر شیخ کو بھٹو کی نجی زندگی میں بہت کچھ دخل تھا اور اس دخل کا انھوں نے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ ڈرگ ایکٹ ۱۹۷۶ء کو منظور کروایا اور اس طرح ملک میں جعلی دواساز کمپنیوں کو تھوک کے حساب سے لائسنس دلوا کر ملک کو مجموعی طور پر دس کروڑ روپے کا نقصان پہنچایا۔ نصیر شیخ مرکز میں ڈائریکٹر جنرل تبلیغ تھے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق انھوں نے مبینہ طور پر دو دواساز اداروں اور متعدد ڈاکٹروں سے ناجائز طور پر کئی کروڑ روپے کی رشوت وصول کی۔ علاوہ ازیں وہیں انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ ڈیڑھ کروڑ روپے ہیروئن فروخت کی جسے نشہ کے عادی لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔

بھٹو کے آبائی ضلع لاڑکانہ کے ڈپٹی کمشنر خالد احمد بھی بہت بااختیار افسر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں اطلاعات شائع ہوئی ہیں کہ انھوں نے سندھ کے زدگان کی امداد کے سلسلے میں ایک کروڑ روپے کا غبن کیا۔ علاوہ ازیں کنڈیشنر ایک کار جن کی کل مالیت ۷ لاکھ روپے بھی خرد برد کر لی۔

سیاحت کارپوریشن کے چیئرمین آغا ریاض سابق سیکرٹری داخلہ سندھ محمد خاں کے بارے میں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ ایف ایس ایف کے بعض افسران جن میں ڈائریکٹر محمد عباس۔ ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود، چیف سیکورٹی آفیسر سعید احمد خاں۔ بھٹو کے پرائیویٹ سیکرٹری راؤ رشید، صوبہ پنجاب کے سابق چیف سیکرٹری بریگیڈ۔ یر مظفر احمد اور سب سے بڑھ کر سابق سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ

وقار احمد کا شمار بیوروکریسی کے ان کاسہ لیس افسروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے ضمیر کو پس پشت ڈال کر صرف بھٹو کی چاپلوسی کو اپنا ایمان ٹھہرا لیا تھا اور ترقی کی متعدد منازل طے کر رہے تھے۔ ان افسروں نے پلاٹ حاصل کیے۔ بنگلے بنوائے۔ کاریں حاصل کیں۔ بنکوں سے موٹے قرضے حاصل کیے۔ مفت میں زرعی اراضی الاٹ کروائی اور یہ تمام فوائد انھوں نے اس طرح حاصل کیے کہ انھوں نے بھٹو کی ذات کو اپنا رازق تصور کر لیا تھا۔ اور اس نجھوٹے رازق نے ان کے لئے رزق کے تمام دروازے کھول دیے تھے۔ متعدد افسروں کو راتوں رات زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا گیا۔ بعض کو ہمرکابی کا شرف بخشا گیا۔ بعض کو سفیر بنا کر باہر بھیج دیا گیا۔ صوبہ پنجاب میں سابق چیف سیکرٹری کے علاوہ فضل کریم (او ایس ڈی) نبی بخش بھٹی (پرائیویٹ سیکرٹری وزیر اعلیٰ) اور راجہ سلیم اختر (سیکرٹری وزیر اعلیٰ)۔ کافی طاقتور افسر سمجھے جاتے تھے۔ ان افسروں کے خلاف اقرباپروری اور ناجائز منفعت کے متعدد الزامات ہیں۔ محکمہ زراعت میں ڈاکٹر نسیم اور صادق قریشی سیاہ سفید کے مالک تھے۔ اور بھی متعدد افسر تھے جنھوں نے شاہ کج کلاہ کی جانب اپنا قبلہ راست کر کے اپنی اور اپنے عزیزوں کی دنیا سنواری تھی۔ لیکن کہاں تک تفصیلات بیان کی جائیں۔ اس افسانے کا تو کوئی انجام ہی نہیں۔

چوروں کا سردار

کتاب کے آغاز میں ہم نے "چوروں کے سردار" کے عنوان سے بھٹو کی بعض بدعنوانیوں کی مثالیں پیش کی تھیں۔ اس کے بعد ہم نے ان کی حکومت کے ارکان، خصوصاً ان کے وزراء کے کچھلوں پر سے پردے ہٹائے، لیکن کیا یہ سب لوگ محض ایک اتفاق سے، چوری اور بدعنوانی کرنے کے اتفاق سے اکٹھے ہو گئے تھے۔ جواب یہ ہے کہ انھیں اکٹھا کیا گیا تھا۔ جس طرح سے ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا سردار اپنے اردگرد چوروں کی جماعت اکٹھی کیا کرتے ہے۔ اس طرح اسے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ چوروں کے تعاون سے اس کی اپنی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر غداری کا خطرہ مجموعی طاقت سے زیادہ ہونے کی بنا پر کم ہونے لگتا ہے۔

بھٹو نے ملک کو بڑی بے دردی سے لوٹا۔ اقربا نوازی میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ انھوں نے اپنے بہنوئی اور سندھ میں الہلال کنسٹرکشن کمپنی کے کرتا دھرتا نسیم الاسلام کو ساٹھ ہزار ٹن سیمنٹ کی فراہمی کا خصوصی پرمٹ عطا کیا جس کا کوئی ریکارڈ نہ رکھا گیا۔ اس طرح ان کے بہنوئی نے لاکھوں روپے کمائے علاوہ ازیں سیمنٹ کی بلیک مارکیٹ سے بھی نسیم الاسلام نے کافی پیسہ کمایا۔ بھٹو کی ایک بہن ہے جو کراچی میں رہتی ہے اپنی اس بہن (اختر بیگم) کو انھوں نے کراچی کی فیشن ایبل کالونی میں تین قیمتی پلاٹ دلوائے۔ یہ پلاٹ کے ڈی اے کے تمام قواعد و ضوابط کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے دیے گئے تھے اور اختر بیگم نے اس سودے میں خوب دولت کمائی۔

بھٹو کے بارے میں مزید یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی جو عیسیٰ خیل کا رہنے والا تھا، ریلوے سکریپ کے ٹھیکے کی درخواست پر لکھا۔ درخواست دہندہ میرے اے ڈی سی کا بھائی ہے، اسے ریلوے کا لوہا دے دیا جائے، چنانچہ اسے ایک ہزار ٹن سکریپ فی ٹن پانچ سو روپے کے حساب سے دیا گیا، حالانکہ بازار میں تین ہزار پانچ سو روپے ٹن اس کی قیمت مقرر کی تھی۔ بعد میں اس

نے سیل آرڈر جاری کر کے آٹھ لاکھ روپے کا نفع کمایا اسی طرح بھٹو کے پرائیویٹ سیکرٹری کے ٹیلی فون پر افضل ٹریڈنگ کارپوریشن کو ریلوے سکریپ کا ٹھیکہ ملا جس کی تفصیل لاہور کے ہفت روزہ "چنگاری" نے بیان کی ہے۔

بھٹو نے اپنے خادم خاص نورے (نور محمد مغل) کو بہت ڈھیل دے رکھی تھی، اسے سینکڑوں ایکڑ اراضی، پلاٹ اور ناجائز دولت کے بے شمار ذرائع بھٹو صاحب نے عطا کئے اور وہ جو ایک معمولی نوکر تھا، چند دنوں میں کروڑپتی امیر بن گیا۔

اخبارات کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے، کہ بھٹو صاحب نے ایک ٹرسٹ کے فنڈز سے اپنی کراچی اور لاڑکانہ کی کوٹھیوں کی آرائش اور مرمت کے لئے ایک شخص رکن دین کو ساٹھ لاکھ روپے کا ٹھیکہ دیا تھا۔ مسٹر رکن دین کا بھٹو صاحب سے بہت قریبی تعلق بتایا جاتا ہے۔

اخبارات کی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے سوات کے زلزلے (دسمبر ۷۴ء) کے سلسلے میں موصول ہونے والی غیر ملکی امداد میں سے کوئی اٹھائیس کروڑ روپے ہضم کر لیے۔ کیوں کہ زلزلہ زدگان کو بالکل ہی کوئی امداد نہیں دی گئی۔

بھٹو کے بارے میں یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ انھوں اسٹیٹ بنک سے مبینہ طور پر نوے کروڑ روپے قرض لئے اور ہضم کر گئے (روزنامہ سیاست ۲۲ نومبر ۷۷ء)

بھٹو صاحب نے برطانیہ کی مشہور یونیورسٹی آکسفورڈ سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری کے حصول کے لئے ۱۹۷۵ء میں لندن کے سفارت خانہ کی وساطت سے کوئی تین کروڑ روپے کی رقم مبینہ طور پر یونیورسٹی کی متعلقہ ایوارڈ کمیٹی کے ارکان کو رشوت دینے کے لئے خرچ کی لیکن ممبروں کی اکثریت کو پھر بھی ہمنوا نہ بنایا جاسکا، اس لئے یہ ڈگری انہیں پھر بھی نہ مل سکی

ان کے ایک ولایتی نسل کے کتے کا روزانہ کا خرچ پانچ سو روپے بتایا جاتا ہے۔ یہ کتا جو لاڑکانہ میں بھٹو صاحب کی کوٹھی میں فروکش بتایا جاتا ہے ایئرکنڈیشن کمرے میں رہتا ہے اور درآمدی غذا پر گزارا کرتا ہے

بھٹو صاحب کے زمانے میں ملک ۳۴ ارب روپے کا مقروض ہو گیا۔ دوسری طرف ان کی فضول خرچیوں کا یہ عالم تھا کہ ایک کتے کی غذا پر روزانہ پانچ سو روپے خرچ کئے جاتے رہے بھٹو صاحب کی انتخابی مہم کے لئے لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک خصوصی ایئرکنڈیشنڈ ٹرین بھی تیار کی گئی تھی جس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

بھٹو کی کہانی ایک نئے فرعون اور ایک نئے شداد کی کہانی ہے اس کہانی میں حسرت اور عبرت کے کئی پہلو چھپے ہوئے ہیں جو فقط اہل نظر ہی دکھائی دے سکتے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ بھٹو تو جا چکا ہے اور شاید اپنی سیاسی موت بھی ہمیشہ کے لئے مر چکا۔ کیا ہمارے آئندہ کے سیاست دان اس فرعون اور شداد کے انجام پر غور کریں گے، کیا وہ بھی بھٹو کی طرح اپنے اقتدار کو دائمی اور لافانی سمجھ لیں گے اور ناجائز دولت سمیٹنے میں مصروف ہو جائیں گے؟ اگر اس عبرت انگیز داستان کا تکرار پھر کبھی ہوا تو شاید پاکستان کا پودا ہمیشہ کے لئے خزاں رسیدہ ہو جائے۔ خدا نہ کرے ایسا دن ہمیں دیکھنا نصیب ہو!

یہ تمام الزامات جن کا ذکر اوپر بیان کیا گیا، ملکی اخبارات میں آئے اور ان میں سے بعض کے بارے میں احتسابی کاروائی بھی ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے بعض الزامات درست نہ ہوں یا ان میں مبالغہ ہو، اسکا صحیح فیصلہ تو عدلیہ کے ادارے ہی کر سکتے ہیں، البتہ ان الزامات کا دس فیصد بھی حقیقت پر مبنی ہو تو یہ شرمناک اور افسوس ناک ہوگا۔

حیدرآباد سے شائع ہونے والے "ماہنامہ الحق" کی اشاعت خاص ہمارے سامنے ہے اس میں جادو کو بے اثر اور بے حقیقت ثابت کرنے کے ساتھ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی پرزور مخالفت کی گئی ہے۔ کسی بھی مسئلہ کی پرزور مخالفت فی نفسہٖ معیوب نہیں کہلا سکتی اگر وہ معروف طرز فکر اور معقول دلائل سے آراستہ ہو، لیکن اگر طرزِ فکر کے نام پر زیادہ سادہ لوحی اور دلائل کے نام پر تک بندیوں کا جمِ غفیر کاغذ پر بکھیر دیا گیا ہو تو پھر پرزور مخالفت تو درکنار معمولی درجہ کا اختلاف اور جھڑپیں اس قابل نہیں ٹھہر سکتیں۔ کہ کوئی فہیم انسان اسے گوارہ کرے۔

ماہنامہ الحق والوں نے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دلائل کا جو ڈھیر لگایا ہے وہ ریت کی دیوار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اور وہ ہمارے نزدیک اس لائق بھی نہیں ہے کہ باقاعدگی کے ساتھ اس کا رد کیا جائے۔ لیکن تجلی کے ایک کرم فرما کی خواہش و فرمائش کا احترام کرتے ہوئے ہم طوعاً و کرھاً اس موضوع پر قلم اٹھا رہے ہیں، اور اس مضمون کا رد کرنے کی ٹھان چکے ہیں۔ جس کے نسوانی دلائل کسی بھی طور قابل التفات نہیں ہیں حق والوں کی کسی بات پر گرفت کرنے سے قبل ہم بطور تمہید یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ تعویذ گنڈوں کے نام پر جو مکر و فریب اور دھاندلی پورے معاشرے میں بکھری ہوئی ہے اس کے ہم بھی سخت مخالف ہیں تعویذ گنڈوں کی اونچی اونچی دکانیں اور لمبے چوڑے کاروبار جو شہر در شہر گاؤں در گاؤں وجود میں آچکے ہیں اس سے ہم بھی برگشتگی و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان عوام و خواص کا بھی ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں کہ جو تعویذ گنڈوں کی زلفِ گرہ گیر کے کچھ اس طرح اسیر ہو کر رہ گئے ہیں کہ جب تید

حیات سے نجات ملے گی تب ہی اس زلف گرہ گیر سے چھٹکارا حاصل ہوگا ورنہ چھٹکارے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ایسے تمام لوگوں کا حال یہ ہے کہ سر کے درد کو بھی بدی اثر کا نام دیتے ہیں۔ ٹانگ میں اگر موچ آجائے تو یہ کج فکر یہ یقین کر بیٹھتے ہیں کہ کسی نے کچھ کرا دیا ہے۔ میاں بیوی کی تکرار جہاں ذرا طول ہوئی تو یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ ہو نہ ہو کسی نے تعویذ گاڑ دیئے ہیں۔ بالاتفاق دو چار روز جسم کے کسی حصہ میں درد ہو جائے تو پھر یہ تصور قائم و دائم ہو جاتا ہے کہ حضرت آسیب جسم کے اندر حلول کر چکے ہیں۔ یہ سب باتیں یقیناً قابل گرفت ہیں لیکن ان خرافات کو آڑ بنا کر تعویذ گنڈوں کے پیچھے لاٹھی لے کر دوڑ پڑنا دین و دانش سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

کسی دنیا میں اگر ایسے وہمی لوگ پیدا ہو جائیں جو طبیعت کے معمولی اضمحلال کو بڑا مرض خیال کرنے لگیں۔ اور اسی طرح کی معمولی سستی اور تھکان کو علّتِ عظیمہ سمجھ کر طبیبوں کا ناک میں دم کر دیں تو مزاج پرسی ان ہی وہمیوں کی ہونی چاہئے نہ کہ یہ سارا نزلہ علاج و تشخیص پر بہہ جائے، اور اطبّاء کے خلاف نعرے بلند کئے جانے لگیں۔

دیکھا جائے تو اصل خرابی تعویذ گنڈوں میں نہیں بلکہ اس افراط میں ہے کہ تعویذ گنڈوں پر یقین رکھنے والے جس کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور سوچا جائے تو صرف ایک تعویذ گنڈوں کا معاملہ ہی لے دے کے ایسا نہیں ہے کہ جہاں افراط کی گھنگھور گھٹائیں لہرا رہی ہوں۔ بلکہ اور بھی ہزاروں مسائل ہیں کہ جن میں امت مسلمہ افراط و تفریط میں بری طرح ملوث ہے۔

اعتدال اور توسط کے مبین راستہ کو جب بھی مسلمانوں نے ترک کیا ہے معاشرے میں فتنہ و فساد کی ریل پیل ہو کر رہی ہے تعویذ گنڈوں کے سلسلے میں بھی امت نے توسط کی راہ چھوڑ کر افراط کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ نامحمود بھی ہے اور مضرت رساں بھی ہے لیکن صرف تعویذ گنڈوں میں ...... افراط و تفریط نامحمود اور مضرت رساں نہیں بلکہ افراط و تفریط کا تلوث اور اعتدال و توسط سے بیزاری جہاں جہاں بھی ہے وہاں وہاں مضرت ہے نامحمودیت ہے نقصانات ہیں۔

کچھ لوگ تبلیغ کے سلسلے میں افراط کا شکار ہیں کچھ لوگ عبادات کرنے میں اعتدال کی ڈگر سے ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگ اور دوسرے معاملات میں افراط و تفریط کے زر خرید غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ سبھی لوگ اس قابل ہیں کہ انھیں ڈانٹا جائے۔ اور انھیں افراط و تفریط کی خاردار راہوں سے واپس بلانے کی کوشش کی جائے۔ تو اصل جرم افراط ہے نہ کہ تعویذ گنڈوں سے عقیدت رکھنا؛ اور جب اصل جرم افراط ٹھہرا تو پھر ماہنامہ الحق والے بھی اس جرم سے بری الذمہ قرار نہیں پا سکتے۔ اس لئے کہ انھوں نے تعویذ گنڈوں کی مخالفت میں افراط سے کام لیا ہے۔ اور افراط بہر حال افراط ہے خواہ وہ کسی امر کی موافقت میں ہو یا مخالفت میں۔

~~~~~~~~

الحق کی اس اشاعت خاص میں پہلا مضمون محمود قیصر صاحب کی فہم کاریوں کا نتیجہ ہے انھوں نے جادو پر تبرّا کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جادو کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اور اگر حقیقت ہے تو صرف اتنی ہے کہ دیکھنے والی آنکھیں متاثر اور متحیر ہو جاتی ہیں اور بس ــ مضمون کی ابتدائی سطروں میں انھوں نے تعویذ گنڈوں پر حملہ کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ چوں کہ تعویذ گنڈے حقائق سے گریز کا رجحان پیدا کرتے ہیں اور مصائب و نوائب اور امراض و علل کا مردانہ
~~~~~~~~

مقابلہ کرنے سے روکتے ہیں لہٰذا ان کی قباحتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گویا کہ محمود صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بیماریوں کا علاج در اصل ایک طرح کی بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ بلند ہمتی اور مردانگی تو یہ ہے کہ اگر بخار آئے تو آدمی اس سے کشتی لڑتا رہے اور اسے رفع دفع کرنے کے لئے علاج و معالجہ کی طرف مائل نہ ہو۔ یہ شوشہ چھوڑنے کے بعد انھوں نے سحر کو بے حقیقت اور بے اثر ثابت کرنے کے لئے آیات در آیات کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے اب ذرا اسے بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

اولاً محمود قیصر صاحب نے قرآن حکیم کی یہ تین آیتیں پیش کی ہیں۔

(۱) قَالَ اَلْقُوْا ج فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ۝ (۱۱۶ الاعراف)	موسیٰ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو ڈالا اور ان کو ڈرا دیا اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلا دیئے۔
(۲) قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ج فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی (۶۶ طٰہٰ)	موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی پہلے ڈالو پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے دوڑتی ہیں۔
(۳) فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (۶۷ طٰہٰ)	پس موسیٰ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔

ان آیات قرآنیہ کو نقل کرنے کے بعد محمود صاحب نے یوں گل فشانی کی ہے۔

سباق و سیاق کے تحت ان آیات قرآنی پر غور کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ فرعون کے ماہر جادوگروں (سحار علیم) کی منتہٰی کوشش حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتے ہوئے سانپوں کی طرح نظر آنے لگی تھیں۔ اور جادو کے ماہرین کی جماعت حضرت موسیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔

جہاں تک نقصان نہ پہنچانے والی بات ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اعجاز موسوی کے سامنے جادوگروں کی جادوگری پہنچ ہو کر رہ گئی۔ اور وہ موسیٰ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ جادو اپنے اندر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ بندوق کی ایک گولی انسان کی جان لے لیتی ہے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کی موت واقع نہیں ہوتی۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد کیا جا سکتا ہے کہ کارتوس میں حقیقتاً کوئی اثر ہوتا ہی نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا تھا۔ لیکن آگ ان کے جسم میں معمولی درجہ کی سوزش بھی پیدا نہ کر سکی، تو کیا اس واقعہ کو دلیل بنا کر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آگ میں جلانے کی تاثیر سرے سے ہے ہی نہیں اور اگر ہوتی تو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ابراہیم کو جلا کر راکھ کر دیتے۔ صحیح اور قرین عقیدہ بات یہ ہے کہ آگ ہو یا آندھی، کارتوس ہو یا جادو، ان میں سے کوئی بھی چیز خدا وند عالم کی رضا کے بغیر کسی کو گزند پہنچا ہی نہیں سکتی موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کی جماعت اگر کوئی نقصان نہ پہنچا سکی تو اس کا سیدھا سادا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کی قدرت موسیٰ کا ساتھ دے رہی تھی۔ اور اللہ کی قدرت کے

آگے نہ جادو کی کوئی حقیقت، نہ فرعون کے لاؤ لشکر کی۔ ان آیات سے یہ استدلال کرنا غلط در غلط ہے کہ جادو اپنے اندر کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔ اور وہ ایک بے اثر اور بے حقیقت چیز ہے محمود صاحب نے یہ لکھ کر مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جادوگروں کی متحدہ کوشش بجز اس کے کچھ ہی کیا نہ اکی لاٹھیاں اور رسیاں موسیٰ کو اور تمام تماشہ بین کو دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہونے لگیں۔

محمود صاحب نے تو یہاں بلا وجہ خامہ فرسائی کی زحمت کی ہے۔ قرآن تو خود ہی یہ کہہ رہا ہے کہ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔ گویا جادوگروں صرف نظر بندی کی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ اس کے بعد بھی کچھ حرکت کرتے اور موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب و مغلوب کر دیتے مگر خداوند قدوس نے موسیٰ کی مدد کی اور جس نظر بندی سے انھوں نے لوگوں کو متاثر کرنا چاہا تھا۔ اسی نظر بندی کے ذریعہ انھیں سراسیمہ کر دیا۔ اور وہ مزید حرکتیں کرنے سے باز آئے۔ حیرت ہے کہ محمود صاحب نے منقولہ بالا آیات سے یہ مطلب کیسے نچوڑ لیا کہ جادو کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ وہ انسان کی آنکھوں کو فریب اور دھوکے میں مبتلا کر سکتا ہے، اپنے نچوڑے ہوئے اسی مطلب میں اور زیادہ تراوٹ پیدا کرنے کے ساتھ انھوں نے ذرا آگے چل کر ایک جگہ پھر یہ فرمایا ہے کہ

> جادو کی حقیقت نظر بندی
> کے سوا کچھ اور نہیں جادو سے
> انسان کی صرف نظر متاثر
> ہوتی ہے۔

اور یہ ایسی بات ہے کہ کوئی بھی صاحب علم جس سے متفق نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی اس دانشِ موودہ سے متفق ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اسلاف کی آرا اور تفاسیر کو دریا برد کر دے۔ اس لئے کہ ان کی موجودگی میں محمود صاحب کی رائے صحت مند کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی۔

آیئے یہ بھی دیکھتے چلیں کہ قابلِ اعتماد مفسرین نے ان آیات کے ضمن میں کیا فرمایا ہے۔ اور سحر و نظر بندی کے سلسلے میں ان کی کیا رائے ہے سورۂ اعراف والی آیت کے ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانی رح فرماتے ہیں کہ

> ساحرینِ فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا، اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا، بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں شاید انھوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی سی کارروائی سے موسیٰ کو دبا لیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ وہ اس سحرِ عظیم سے بڑا کوئی اور سحرِ اعظم دکھلاتے تو مگر اعجازِ موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی آگے موقعہ ہی نہیں رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔
>
> (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اسی آیت کے ذیل میں مولانا اشرف علی تھانوی رح کا ارشادِ گرامی یہ ہے کہ

> اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کا منتہا اتنا ہی ہے کہ نظر بندی ہو جاتی ہے بلکہ بعض انواعِ سحر سے تبدیل حقیقت ممکن ہے۔ (بیان القرآن)

صاحبِ روح المعانی کی رائے بھی ملاحظہ فرمایئے۔ انھوں نے اسی آیت کے ضمن سحر کے موضوع پر کلام فرماتے ہوئے یہ تفصیل پیش کی ہے۔

واستدل بالآیۃ من قال کالمعتزلۃ ان السحر لا حقیقۃ لہ وانما ھو مجرد تخییل وفیہ انھم ان ارادوا ان ما وقع فی القصۃ من السحر کان کذالک مسلم والآیۃ تدل علیہ وان ارادوا ان کل سحر تخییل فممنوع والآیۃ لا تدل علیہ۔

معتزلہ جیسے لوگوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ محض تخییل کا نام ہے۔ اگر انھوں نے اس قصہ میں واقع ہونے والی بات کو بھی منجملۂ سحر سمجھا ہے ان کی بات قابلِ تسلیم ہے اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ سحر ازسرتاپا تخییل ہی ہوتا ہے تو یہ بات ممنوع ہے اور آیت اس پر دلالت بھی نہیں کرتی۔

٭ ٭ ٭

والذی ذھب الیہ جمھور اھل السنۃ ان السحر اقسام وان منہ ما لا حقیقۃ لہ ومنہ ما لہ حقیقۃ
(روح المعانی جلد ۹)

ویسے جمہور اہلِ سنت کی رائے یہ ہے کہ سحر کی مختلف قسمیں ہیں ان میں سے بعض کی کچھ حقیقت نہیں (یعنی وہ صرف نظر کا فریب ہوتی ہیں) اور بعض کی حقیقت ہے (یعنی وہ نظر کا فریب نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ واقعات کی دنیا میں ان کا تحقق ہوتا ہے اور وہ نفع و نقصان پہنچا سکتی ہیں)

٭ ٭ ٭

اس آیت کی تشریح میں اقوال تو اور بھی ایسے نقل کئے جا سکتے ہیں جن سے دو اور چار کی طرح جادو کی حقیقت کا اثبات ہو جاتا ہے۔ مگر کیا فائدہ کاغذ سیاہ کرنے سے۔ ہمارے خیال میں تین قابلِ اعتماد تفسیروں کی رائے جاننے کے بعد اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ مزید تفاسیر کی ورق گردانی کی جائے، تفسیر کشاف، بیضاوی، خازن وغیرہ تفاسیر میں سے کوئی تفسیر بھی ایسی نہیں ہے جس میں سحر کی حقیقت کا مذاق اڑایا گیا ہو۔ اور محمود قیصر صاحب کی طرح جادو کو بے اثر ثابت کرنے کے لئے حقائق سے روگردانی کی گئی ہو۔

ذرا آگے چل کر محمود صاحب نے موضوع سے متعلق قرآن کی چند آیات نقل کی ہیں۔ اور اس کے بعد خالص فلسفیانہ انداز میں یوں لب کشائی کی ہے۔

> بلاشبہ یہ واقعات اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی ہستی نافع وضار نہیں۔

خدا جانے ان سے یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ جادو بذاتِ خود نافع وضار ہے یہ تو ایک ظاہر سی بات ہے کہ ہر معاملہ میں کارسازِ حقیقی خدا ہی ہوتا ہے۔ خدا کی ایما اگر شاملِ حال نہ ہو تو دنیا کی کوئی چیز نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ یہی حال جادو کا بھی ہے۔ وہ بھی خدا کی مرضی کے بغیر اپنا کوئی اثر قائم نہیں کر سکتا۔ تاہم اگر دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو جادو کو بذاتِ خود نافع اور ضار سمجھتے ہوں تو پھر ان کے کافر و مشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک جادو ہی کی کیا تخصیص دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی ہستی کے بارے میں کسی انسان کا یہ تصور کہ وہ بذاتِ خود نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے اس کے کافر و مشرک ہونے کے لئے کافی ہے، الغرض اگر اس خام خیال میں مبتلا ہے

کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی رضی
مختار کل اور مشکل کشا ہیں۔ تو اس کے مشرک
ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جیم اگر اس عقیدے
کا شکار ہے کہ بزرگانِ دین بذاتِ خود ہر قسم
کا نفع پہونچا سکتے ہیں۔ تو اس کے بھی غیر مومن
ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ دال اگر یہ دعویٰ
کرتا ہے کہ آگ اللہ کے اذن کے بغیر بھی
جلا ڈالنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اسے بدعقیدہ
کہے بغیر چارہ نہ ہوگا، تو پھر آخر ایک جادو کے بارے
میں یہ فرما دینا کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ بذاتِ
خود نافع وضار نہیں ہے بلکہ نافع وضار تو صرف
قدرتِ خداوندی ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جادو کی حقیقت
کے بارے میں علماء کے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض
لوگ اس کی حقیقت کو تسلیم کرنے میں تذبذب
کا شکار ہیں جبکہ اکثریت شدت سے اس بات کی
قائل ہے۔ کہ جادو اپنے اندر حقیقت بھی رکھتا ہے
اور اثرات بھی۔ روح المعانی کی عبارت ہم ابھی
نقل کر چکے ہیں۔ اس میں بالصراحت پر فرمادیا
گیا ہے کہ جمہور علماء جادو کی حقیقت کو تسلیم کرتے
ہیں۔

مفکر اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے
جادو کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا
ہے۔

> بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ
> بالکل درست ہے کہ بندوق
> کی گولی اور ہوائی جہاز سے
> گرنے والے بم کی طرح جادو
> کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن
> کے بغیر ممکن نہیں ہے
> مگر جو چیز ہزارہا سال سے
> انسان کے تجربے اور مشاہدے
> میں آرہی ہو، اس کے وجود
> کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی
> ہے

(تفہیم القرآن جلد ششم)

اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمٰن یوں رقم طراز
ہیں۔

> جمہور علماء اہلِ سنت کی
> یہ رائے ہے کہ سحر واقعی ایک
> حقیقت اور مضرت رساں
> اثرات رکھتا ہے حق تعالے
> نے اپنی حکمت بالغہ اور مصلحتِ
> کاملہ کے پیش نظر اس میں
> اس طرح مضر اثرات دکھلائے
> ہیں۔ جس طرح زہر میں یا دوسری
> نقصان رساں ادویہ میں۔

(قصص القرآن جلد اوّل)

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابوعبداللہ
قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارے نزدیک سحر
حقیقت ہے اور واقعتاً ایک شے ہے پروردگار
اس ذریعہ سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ فتح الباری
کی دسویں جلد میں حافظ ابن حجر عسقلانی یوں
تحریر فرماتے ہیں۔

واختلف فی السحر	اور سحر کے بارے میں اختلاف
فقیل هو تخییل	ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ وہ
فقط ولا حقیقة	بس تخییل ہے اور اس کی
له وهذا اختیار	کوئی حقیقت نہیں اور اسی
ابی جعفر الاستر	رائے کو اختیار کیا ہے ابو
ابادی من الشافعیة	جعفر شافعی اور ابوبکر رازی

وابی بکر الرازی من الحنفیۃ وابن حزم الظاہری و طائفۃ قال النووی والصحیح ان لہ حقیقۃ وبہ قطع الجمہور و علیہ عامۃ العلماء

حنفی نے اور ابن حزم ظاہر اور ایک چھوٹی سی جماعت کی بھی یہی رائے ہے نووی فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ سحر ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور علماء کی قطعیت کے ساتھ یہی رائے ہے اور مسلک ہے عام علماء کا ہے

٭ ٭ ٭

ہمارے خیال میں یہ تفصیل یہ سمجھانے کے لئے بہت کافی ہے کہ سحر صرف خام خیالی اور نظر بندی کا نام نہیں بلکہ سحر کی ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اور سحر کے ذریعے نفع بھی پہنچایا جا سکتا ہے اور نقصان بھی، لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جو تفصیل ہمارے لئے اور تمام قارئین کے لئے کافی ہوا سے محمود تیمر صاحب بھی اپنے لئے کافی سمجھیں۔ لہٰذا دل چاہتا ہے کہ کچھ تفصیل اور پیش کر دی جائے۔ ممکن ہے کہ اس تفصیل پر نظر ڈالنے کے بعد وہ ان خیالات سے رجوع کرلیں جو جمہور اہلِ سنت سے متصادم ہے۔

جادو کو برحقیقت اور پُر اثر ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل بخاری کی وہ روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کئے جانے اور جادو ہو جانے کی خبر دی گئی ہے یہ روایت حضرت عائشہ رضؓ حضرت زید ابن ارقم اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے۔ اور اس روایت کو مختلف سندوں کے ساتھ بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، احمد، عبد الرزاق حمیدی ابن سعد طبرانی، بیہقی، حاکم وغیرہ جیسے قابل اعتماد محدثین نے نقل کیا ہے اس روایت کے ہوتے ہوئے جادو کی حقیقت و تاثیر کا انکار عین دوپہر میں سورج کے انکار کے مترادف ہے روایت یہ ہے،

عن عائشۃ قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل من بنی زریق یقال لہ لبید بن الاعصم حتی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخیل الیہ انہ یفعل الشیئ وما فعلہ حتی اذا کان ذات یوم او ذات لیلۃ و ھو عندی لکنہ دعا ودعا ثم قال یا عائشۃ اشعرت ان اللہ افتانی فیما استفتیتہ فیہ اتانی رجلان فقعد احدھما عند راسی و الآخر عند رجلی فقال احدھما لصاحبہ ما وجع الرجل؟ قال مطبوب قال من طبہ قال لبید بن الاعصم قال فی ای شیئ قال فی مشط و مشاطۃ وجب

حضرت عائشہؓ راوی ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید ابن عاصم نامی ایک شخص نے جادو کیا اس سے آپ کی یہ حالت ہوگئی کہ جس کام کو آپ نے نہ کیا ہوتا اس کو کرنے کا گمان ہوجاتا ایک دن یا ایک رات آپ میرے پاس تھے، لیکن دعا کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بتادیا ہے جو میں نے معلوم کرنا چاہا تھا، میرے پاس دو شخص آئے اور ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا پھر ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس آدمی کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا کہ اس پر جادو کیا گیا ہے پہلے والے شخص نے پوچھا کہ جادو کیا کس نے ہے دوسرے شخص نے۔

طلع نخلة ذكر قال واين هو قال في بئر ذي اروان فاتاها رسول الله صلى الله عليه وسلم في اناس من اصحابه فجاء فقال يا عائشة كان ماءها نقاعة الحناء او كان رؤس نخلها رؤس الشياطين فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم افلا استخرجته قال قد عافاني الله فكرهت ان اثور على الناس فيه شرا فامر بها فدفنت

(بخاری جلد دوم)

کہا کہ لبید ابن اعصم نے پہلے والے شخص نے پوچھا کہ جادو کس چیز پر کیا گیا ہے دوسرے نے جواب دیا کہ کنگھی، سر کے بال اور تر و تازہ کھجور کے خول میں پہلے نے دریافت کیا یہ چیزیں ہیں کہاں؟ دوسرے نے جواب دیا ذروان کے کنوئیں میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ اس کنوئیں کے پاس پہنچے۔ پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ کنوئیں کا پانی مہندی کے نچوڑ کی طرح سرخ ہو گیا ہے اور اس کنوئیں کے پاس والے درخت کا سر شیطان کے سروں کی مانند تھا قلت یا رسول اللہ۔ حضرت عائشہ نے فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں اس کی تحقیق نہ کروں آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے عافیت دیدی اس لئے میں نے برا محسوس کیا کہ لوگوں میں اس کی برائی کو پھیلاؤں پھر آپ نے اس کنگھی کو دفن کرنے حکم دیا اور وہ دفن کر دی گئی۔

جمہور علماء اور مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا۔ اور اس کے دفاع کے لئے "معوذتین" نازل کی گئی تھیں۔ ان کے ذریعے اللہ نے آپ کو جادو کے اثرات سے نجات عطا فرمائی۔ لیکن دانشمندوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر محال ہے۔

اور محمود قدیر صاحب جیسے ارباب فہم کا تصور یہ ہے کہ جادو کی کوئی حیثیت نہیں خواہ حدیث سے ثابت ہو یا قرآن سے۔ ایسے فہم اور دانشمند لوگ دراصل اپنے توہمات و مفروضات کے کچھ دھاگوں میں اسی درجہ جکڑے ہوئے ہیں کہ انہیں ہر حقیقت وہم اور ہر سچائی خیال خام محسوس ہوتی ہے آنحضور پر جادو کا اثر نہ خلاف عقل ہے اور منافی نبوت لیکن کہا کیا جائے دنیا میں کچھ ایسے ضرورت سے زیادہ سمجھدار اور محتاط لوگ موجود ہیں کہ جو نہ حقائق کو مانتے ہیں۔ اور نہ صحابہ کرام جیسے احتیاط پسندوں کی بات کو۔ ایسے لوگوں کے نزدیک ہر وہ چیز وہم ہے جسے وہم سمجھ لیں اور ہر وہ چیز موجود ہے جسے وہ موجود خیال کریں۔

جو حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کو مانتے ہیں ان کی خدمت میں اس قدر عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن حقائق و واقعات کو بیان فرمایا ہے کیا وہ غلط ہیں؟ کیا اللہ کی کتاب کے مقابلہ

میں تاریخ و روایات کی
صحت کو مانا جا سکتا ہے؟
جن کو ہمارے ہی طرح کے
انسانوں نے مرتب و جمع کیا
ہے؟

(صفحہ ۹)

کاش کوئی محمود صاحب کے کان میں یہ بات ڈالدے کہ محترم قرآن حکیم ان پر براہ راست نازل نہیں ہوا، بلکہ یہ قرآن ان ہی لوگوں کی توسط سے ان تک پہونچا ہے جنھیں وہ اپنے جیسا انسان کہہ کر ان کے مقام کو گھٹانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ صحابہ کرام اس اعتبار سے یقیناً محمود صاحب جیسے تھے۔ کہ ان کے بھی محمود صاحب کی طرح ایک ناک تھی دو کان تھے۔ دو آنکھیں تھیں۔ دو ٹانگیں تھیں، دو ہاتھ تھے ایک پیٹ تھا۔ وغیرہ۔ لیکن کیا اخلاق و کردار۔ احتیاط و تقویٰ، اور ایمان و ایقان کے اعتبار سے بھی وہ محمود یا حسن جیسے لوگ تھے۔ کیا اُن اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی تفاوت نہیں۔ مغالطہ دہی کی انتہا ہے کہ محمود صاحب نے صحابہ کرام کو اپنا جیسا انسان کہہ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ احادیث کا ذخیرہ قابل اعتبار نہیں۔ لیکن مغالطہ دیتے وقت وہ یہ بھول گئے۔ کہ قرآن حکیم لوح محفوظ سے براہ راست ان پر نازل نہیں ہوا بلکہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور صحابہ کرام ہی کے توسط سے ساری دنیا تک پہونچا۔ اگر صحابہ کرام کی بیان کردہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں تو پھر اس قرآن ہی کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے جسے ہم اللہ کی کتاب سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ کیوں ہے کہ یہ برحق ہے برصحت ہے کیا خدا وند عالم نے براہ راست ہمارے دلوں میں اس کی حقانیت کے ثبوت پیدا کر دیئے ہیں۔ کیا جبرئیل امین نے ہماری کنڈیاں کھٹکھٹا کر فرداً فرداً یہ اطلاع دی تھی۔ کہ جس کتاب کو ہم خدا کی کتاب سمجھتے ہیں وہ واقعی خدا کی کتاب ہے اور واقعی اس کا ایک ایک حرف حرف اور ایک ایک لفظ برحق ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں بلکہ اس کو برحق سمجھنے کی ایک ہی دلیل ہمارے پاس ہے۔ اور وہ یہ کہ جن مبارک ہاتھوں سے ہم تک پہونچا ہے۔ وہ دین اور روایات کے معاملہ میں سر تا پا احتیاط کہلانے کے مستحق تھے۔ دین کی باتیں نشر کرنے کے معاملہ میں وہ جتنے محتاط تھے۔ اتنا محتاط کوئی مسلمان تیرہ سو سال میں پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ فرما دینا کہ وہ ہماری ہی طرح کے انسان تھے۔ کورا فریب ہے ورنہ پھر جہالت فاحشہ!

محمود قیصر صاحب دراصل یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ جادو اور اس کی حقیقت کو غلط ثابت کر کے رہیں گے خواہ ایسا کرنے کے لئے عقائد کی بنیادیں ڈھانی پڑ جائیں۔ اسی چکر میں آکر انھوں نے احادیث پر اپنی دانش مندی کا آرا چلا دیا ہے۔ اور اپنے قارئین پر یہ تأثر چھوڑنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن میں جادو کی حقیقت کا انکار کیا گیا ہے اور صحابہ کرام یعنی ہم جیسے انسان چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ جادو برحق ہے اور اس کا وجود امر واقعہ ہے۔ حالاں کہ قرآن حکیم میں کہیں بھی جگہ جادو اور اس کے اثر کو بے حقیقت نہیں کہا گیا ہے ہم محمود صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ

قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت کریں کہ جادو قطعاً بے اثر ہوتا ہے۔ اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو ساحرین آئے تھے ان کے ایک کرتب کو ثبوت بنا کر یہ یقین کر بیٹھنا کہ جادو کی حقیقت نظر بندی کے سوا کچھ نہیں۔ ناسمجھی ہے، یہ تو بالکل ایسا ہی ہو گیا جیسے اثرات بیماری کا مخالف دوسرے درد چار ہونے کے بعد یہ ثابت کرنے کی فکر میں اٹھ کھڑا ہو کہ بیماری کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ سر دکھنے لگتا ہے، ایک عام سی بات ہے کہ بیماری کا لفظ تمام بیماریوں پر محیط ہوتا ہے۔ درد سر پر بھی، تپ دق پر بھی کھانسی نزلہ پر بھی، چیچک اور کینسر پر بھی، گویا کہ بیماری کا لفظ بول کر کبھی بیماریاں مراد لی جا سکتی ہیں۔

اب اگر کوئی شخص دردسر کے بارے میں یہ خیال کر بیٹھے کہ بس بیماری کا کل جغرافیہ یہی ہے، تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا کہ جیسے محمود قیصر صاحب نظر بندی اور شعبدہ گری کو کل جادو سمجھ بیٹھے ہیں۔

قابل تعجب بات یہ ہے کہ محمد نعیم الدین جیسے لوگ، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کی مخلوق سمجھتے تھے، جادو کے قائل اس کی حقیقت کو تسلیم کرتے تھے، کہ نبی کریم پر جادو کیا گیا اور آپ اس کا زبردست اثر ہوا تھا۔ اور آپ اس کے اثر سے نہ صرف پریشان تھے بلکہ مسلسل اس سے نجات پانے کی دعائیں کیا کرتے تھے، چنانچہ احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> لبید ابن اعصم یہودی نے
> اور اس کی بیٹیوں نے حضور
> سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
> پر جادو کیا اور حضور کے
> جسم مبارک اور اعضائے
> ظاہرہ پر اس کا اثر ہوا۔

اعضائے ظاہرہ کی قید تو یہاں بلاوجہ لگا دی گئی ہے، صحیح بات تو یہ ہے کہ حضور انور کا قلب بھی جادو سے متاثر تھا، البتہ آپ کا عقیدہ اور آپ کی نبوت جادو کے اثر سے بالکل محفوظ تھی۔ روایات میں آپ کے بارے میں یہ آتا ہے کہ جن دنوں آپ پر جادو اثر انداز ہو رہا تھا، ان دنوں آپ اکثر کاموں کے بارے میں مغالطہ اور نسیان کا شکار ہو جاتے تھے۔ جن کاموں کو نہ کیا ان کے بارے میں یہ گمان ہوتا تھا کہ میں انھیں کر چکا ہوں، بعض اوقات یہ بھی ہوا کہ ازواج مطہرات سے خلوت نہیں کی۔ لیکن یہ وہم ہو رہا ہے کہ شاید خلوت کر چکا ہوں، اس قسم کی باتیں یہ ثابت کرتی ہیں۔ آپؐ کا قلب مبارک بھی جادو کی لپیٹ میں تھا البتہ یہ ایک یقینی بات ہے کہ آپؐ کی نبوت اور آپؐ کا ایمان کلیتہً محفوظ تھے، انھیں کوئی آنچ نہیں آئی تھی، کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں آپ نے قرآن کو غلط سلط انداز میں پڑھا ہو یا آپ کی زبان پر ناروا باتیں آئی ہوں۔ یا اور حرکت آپ سے اس طرح کی سرزد ہوئی ہو جو دین وشریعت کے خلاف پڑتی ہو، لہذا یہ وہم کرنا درست نہیں ہے کہ مسحور ہونے کی حالت میں آپ کی نبوت بھی ضرور متاثر ہوئی ہوگی۔

اس واقعہ جادو کو مولانا مودودی نے بڑی تفصیل کے ساتھ بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد آیا۔ اور ایک مشہور جادوگر لبید بن اعصم سے ملا جو انصار کے قبیلۂ بنی زریق سے تعلق رکھتا تھا[1] ان لوگوں نے اس سے کہا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے ہم نے ان پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیوں کہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو لو۔ یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں۔ انہیں قبول کرو اور محمد پر ایک زور کا جادو کرو۔ اس زمانے میں حضور کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا۔ جس میں آپ کے موئے مبارک تھے، انہی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ لبید بن اعصم نے خود جادو کیا تھا، بعض روایات میں یہ ہے کہ اس کی بہنیں اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں، ان سے اس نے جادو کروایا تھا، بہر حال ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت ہو، اس جادو کو ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف[2] میں رکھ کر لبید نے بنی زریق کے کنویں ذروان یا ذی اروان نامی کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس جادو کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا۔ دوسری ششماہی میں کچھ تغیر مزاج محسوس ہونا شروع ہوا، آخری چالیس دن سخت اور آخری تین دن زیادہ سخت گزرے، مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے چلے جا رہے تھے، کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کر لیا ہے، مگر نہیں کیا ہوتا تھا، اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں۔ مگر نہیں گئے ہوتے تھے، اور بعض اوقات آپ اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپ کی نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل پیدا نہ ہونے پایا کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں آپ قرآن کی کوئی آیت بھول گئے ہوں، یا کوئی آیت آپ نے غلط پڑھ ڈالی ہو۔ یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو، یا کوئی ایسا کام وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو، جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو، یا نماز آپ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ

---

[1] بعض راویوں نے اسے یہودی کہا ہے اور بعض نے منافق اور یہود کا حلیف۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ وہ بنی زُریق میں سے تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ بنی زُریق یہودیوں کا کوئی قبیلہ نہ تھا، بلکہ خزرج میں سے انصار کا ایک قبیلہ تھا، اس لئے یا تو وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اہل مدینہ سے یہودی ہو گئے تھے، یا یہود کا حلیف ہونے کی بنا پر بعض لوگوں نے اسے بھی یہودی شمار کر لیا۔ تاہم اس کے لئے منافق کا الفاظ استعمال ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ مسلمان بنا ہوا تھا۔

[2] ابتدا میں کھجور کا خوشہ ایک غلاف کے اندر ہوتا ہے اور نر کھجور کے غلاف کا رنگ انسان کے رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور اس کی بو انسان کے مادۂ منویہ جیسی ہوتی ہے۔

پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو، ایسی کوئی بات ماذاللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی۔ اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ نبی کو کوئی طاقت چوٹ نہ کر سکتی تھی۔ اسے ایک جادوگر کے جادو نے چوٹ کر دیا۔ لیکن آپ کی حیثیتِ نبوت اس سے بالکل غیر متأثر رہی، اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ اپنی جگہ اسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہؓ کے ہاں تھے، کہ آپؐ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اسی حالت میں نیند آگئی، یا غنودگی طاری ہوئی، اور پھر آپؐ نے بیدار ہو کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی، وہ اس نے مجھے بتادی ہے، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا دو آدمی (یعنی فرشتے دو آدمیوں کی صورت میں) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف تھا۔ اور پائنتی کی طرف، ایک نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟۔ جواب دیا لبید بن اعصم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زریق کے کنوئیں ذی ذروان (یا ذروان) کی تہ کے پتھر کے نیچے ہے پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کنوئیں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اوسے نکالا جائے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا، ان کے ساتھ جبیر بن ایاسؓ الزرقی اور قیس بن محصن الزرقی (یعنی بنی زریق کے یہ دو اصحاب) بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں حضورؐ خود بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے، پانی نکالا گیا اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا۔ اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ اور ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں، اور ایک موم کا پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں، جبریل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں، ساری سوئیاں نکل گئیں، اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا کھل گیا، اس کے بعد آپ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیوں کہ اپنی ذات کے لئے آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اس معاملہ کا چرچہ کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

(تفہیم القرآن)

علیہ السلام کو بشر سمجھتے ہیں۔ لیکن جو لوگ انبیاء کو بشر ہی تصور نہیں کرتے شاید انھیں مندرجہ بالا تفصیل مطمئن نہ کر سکے، جو لوگ تفہیم القرآن کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں، اور مولانا مودودی کے افکار و خیالات سے مطمئن نہیں ہو پاتے ان کے لئے مفتی شفیع کے مندرجہ ذیل تحریر کافی ہو سکتی ہے مفتی صاحب سحر کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> سحر درحقیقت اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثرات سے متأثر ہوتے ہیں، یہ تأثر شان نبوت کے خلاف نہیں جیسے ان کا بھوک پیاس سے متأثر ہونا بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا۔ ظاہری اسباب سب جانتے ہیں۔ اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے بھی انبیاء متأثر ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تأثر شان نبوت کے منافی نہیں۔
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کا سحر کرنا اور اس کی وجہ سے آپ پر بعض آثار کا ظاہر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا۔ اور اس کا ازالہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(معارف القرآن جلد اول)

آدمی ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو تو اس تفصیل کے بعد اسے یقین کر لینا چاہئے کہ جادو ایک حقیقت کا نام ہے یہ حقیقت عوام و خواص میں درکنار انبیاء پر اثر انداز ہو سکتی ہے،

حقیقت یہ ہے کہ جادو کو برحق ثابت کرنے کے لئے اس مضبوط ترین دلیلوں کے بعد کسی دلیل کے بیان کی احتیاج محسوس نہیں ہوتی۔

~~~~~~

ایک جگہ محمود قیصر صاحب نے جادو والی روایات کا نو طریقوں سے رد کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے پہلے وہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

> جادو سے حضورؐ کی شخصیت جب ایک سال تک متأثر رہی تو لازماً فرائض رسالت کا متأثر ہو جانا بھی لازمی ہے کیوں کہ جادو سے پہلے نظر متأثر ہوتی ہے پھر ذہن متأثر ہوتا ہے یہ تو اثر کی بات ہے۔ جس کے خلاف کوئی بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، جادو کے اثر سے فرائض رسالت کو غیر متأثر ثابت کرنے کے لئے حضورؐ کے بیمار ہونے اور زخمی ہونے کی دلیل بھی صحیح نہیں کیوں کہ زخمی اور بیمار ہونے کی حالت میں بھی آپ کا ذہن صحیح و سلامت رہا ہے کیا ان صورتوں میں بھی حضورؐ کے ذہن کی یہی کیفیت ہو گئی تھی، جو جادو کے اثر سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔
~~~~~~

دنیا میں ان گنت لوگوں کے بارے میں یہ سن
نے میں آیا ہے، کہ ان پر سحر کیا گیا ہے، لیکن آج تک
یہ بات کسی کے بارے میں بھی سننے میں نہ آسکی
کہ فلاں سحر زدہ شخص نے بوجہ سحر اپنے نظریات
تبدیل کر لیے۔ اور وہ اپنے نظریات کے خلاف
آواز بلند کرنے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا یہ
مطلب نکالنا غلط ہے کہ ان کے وہ نظریات۔ جو بحالت
سحر ملت کے سامنے آئے وہ مشکوک ہیں۔ پھر اس
سلسلے میں ایک عقلی دلیل اور بھی ہمارے پاس
ہے جس کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے
کہ سحر کا اثر آپ کی ذات تک محدود رہا اور
آپ کی شانِ نبوت یکسر اس سے محفوظ رہی۔
دلیل یہ ہے کہ پروردگار عالم نے قرآن کے
الفاظ و معانی کے تحفظ کا وعدہ فرمایا ہے کہ ہم
ہی نے اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ
بھی ہیں۔ اس وعدے اور دعوے پر ایمان رکھنے
کے بعد عقل خود یہ کہنے پر مجبور ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم تکالیف کے کسی بھی اسٹیج سے گذر جاتے
لیکن ان کی شانِ نبوت پر کوئی آنچ آنے والی
نہیں تھی۔ یہاں تو اللہ کی قدرت اور زیادہ
کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک نبی پر جادو کا
اثر ہو رہا ہے اس کا ذہن بھی متاثر ہے اور قلب
بھی۔ جسم کا رُواں رُواں جادو کی لپیٹ میں ہے
لیکن اس کے باوجود اس کی زبان کوئی بات خلاف
دین خارج نہیں ہوتی، اور یہ اس بات کا بیّن
ثبوت ہے کہ کوئی غیبی طاقت ہمہ وقت اس دینِ
نبوی کے تحفظ میں لگی رہتی تھی، جو بذریعہ محمد صلی
اللہ علیہ وسلم دنیا میں پھیلایا جا رہا تھا۔

نمبر ۲ کے تحت محمود صاحب رقم طراز ہیں۔

> حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو
> کے اثر کو ثابت کرنے کے لئے
> حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
> خوف کھانے کے واقعہ کو پیش
> کیا جاتا ہے حالانکہ یہ صحیح استدلال
> نہیں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام
> اس وقت اور اسی جگہ موجود
> تھے۔ جہاں جادو کے ذریعہ رسیوں
> کو سانپ دکھلایا جا رہا تھا
> لیکن حضور نہ تو جادو کرنے کے
> وقت اس مقام پر تشریف
> فرما تھے۔ اور نہ ہی جادو کرنے
> والا سامنے تھا، اور نہ ہی اس
> کا آپ کو علم تھا، روایات تو
> یہ بتلاتی ہیں کہ آپ کے سر کے
> بالوں اور آپ کے پتلے پر جادو
> کیا گیا تھا جو سوچنے کی بات ہے

جو سرے جادو کا قائل نہ ہو
تو فی الواقعہ عمر بھر سوچنے کے بعد بھی اس کے یہ
بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کہ دوریوں اور فاصلوں
کے ہوتے ہوئے کسی کو گزند کیسے پہنچایا جا سکتا
ہے۔ جو لوگ عقل اور ظاہر پرستی کی دلدل میں مبتلا
ہیں۔ ان کو سمجھانے کا ابھی کوئی ایسا طریقہ ایجاد
نہیں ہو سکا جس کا سہارا لے کر انھیں جادو جیسی
چیزوں پر مطمئن کیا جا سکے۔

نمبر ۳ کے ذیل میں محمود صاحب نے یہ
گل افشانی کی ہے۔

> ان روایات سے یہ بات ثابت
> ہوتی ہے کہ آپ پر جادو کا
> اثر ہوتے ہوتے پورا ایک سال
> لگا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی
> ششماہی میں آپ غیر متاثر
> رہے البتہ دوسری ششماہی

کے آغاز سے مزاج میں تغیر
ہونا شروع ہوا، یعنی شک
اور بھول پیدا ہو جائے ۔
آخری چالیس دن بالخصوص
آخری تین دن زیادہ سخت
گزرے لیکن موسیٰ علیہ السلام
پر جادو کا اثر صرف وقتی تھا

اگر محمود صاحب جادو اور اس کی چھوٹی بڑی قسموں سے واقف ہوتے ... تو ایسی بات قلم سے نکالنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے کہ جسے پڑھ کر ہنسے بغیر نہ بنے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ جادو ضرور تھا لیکن صرف نظر بندی کی حد تک یا الفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ وہ جادو کا پہلا اسٹیج تھا، اور آنحضور صلی اللہ علیہ السلام کیساتھ پیش آنے والا حادثہ اس سے قطعی مختلف تھا یہ جادو کا تیسرا یا چوتھا اسٹیج تھا۔ اس کی نوعیت بھی مختلف تھی، اور اس کی تاثیر بھی، ان دونوں واقعات کو بیان کر کے حقیقت سحر کا مذاق اڑانا یا حقیقت سحر کے بارے میں تردد و تشکک کا اظہار کرنا ایسی شخص کا شیوہ ہو سکتا ہے جو حقائق کے صغریٰ و کبریٰ ادراک کی لِم اور کُنہ ناواقف ہو۔

نمبر ۲ کے ضمن میں موصوف نے جو کچھ فرمایا ہے اسے پڑھ کر ہنسی کے بجائے رونا آیا۔

ارشاد ہوتا ہے،

اگر واقعی ایسا ہوا ہے (یعنی آنحضور
صلی اللہ علیہ السلام پر سحر کا اثر
واقع ہوا ہے) تو فرائض رسالت
ہی نہیں بلکہ دین کا جادو کے
اثر سے پاک ہونا ثابت کرنے
کے لئے وحی الٰہی کے سوا مد

کوئی بھی دلیل قطعی ناکافی ہے

ہم پھر یہ عرض کریں گے کہ جو لوگ کسی بھی وجہ سے احادیث کے بارے میں مخمصہ کا شکار ہوں ان کے لئے وحی الٰہی پر یقین کرلینا کس دلیل کی بنا پر درست ہے وحی الٰہی براہ راست نہ محمود صاحب پر اتری ہے اور نہ ہی کسی ایسے علامہ کے قلب منزہ پر کہ جو معمولی باتوں کی وجہ سے تاریخ و سیر کو جھٹلانے کے لئے لنگوٹ کس لیتا ہو،

وحی الٰہی اسی پیغمبر کے قلب مبارک پر نازل ہوتی تھی، کہ مسحور سمجھ لینے کے بعد جس کی نبوت محمود صاحب کے نزدیک قابل اعتبار نہیں رہتی۔ الافسوس فالافسوس محمود صاحب نے جادو کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے احادیث کے ذخیرہ کو "پیچ" بنا کر رکھدیا ہے، لیکن شاید وہ اس بات سے واقف ہیں کہ احادیث کے ذخیرہ پر ایمان نہ لانے والے کسی بھی فرد کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کے کل پر تو درکنار قرآن کے کسی بھی جز پر ایمان لانے کا دعوے کرے، اُن پڑھ قسم کے زبان دراز یہ کہہ سکتے ہیں کہ پروردگار نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ تو فرمایا ہے لیکن کسی بھی آیت قرآنی سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس نے احادیث و سنن کے تحفظ کی ذمہ داری بھی لے لی ہو۔ تو ایسے حضرات سے ہماری مؤدبانہ گذارش ہے کہ جس آیت میں قرآن کے تحفظ کی بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہاں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ حفاظت کا وعدہ اور دعویٰ قرآن کے الفاظ کے بارے میں کیا گیا ہے، یا قرآن کے معانی کے بارے میں ۔ دونوں میں سے کسی ایک چیز کی حفاظت کا کھلا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ نے حفاظت کی ضرور

فرمائی لیکن نامکمل۔ ظاہر ہے کہ مکمل حفاظت تو اسی صورت ہیں کہلائے گی جب الفاظ کے ساتھ معانی۔ اور معانی کے ساتھ الفاظ بھی محفوظ کر دیئے جائیں۔ احادیث کے فنا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نصف حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ فلہٰذا ہر مسلمان کے لئے یقین رکھنا ضروری ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ... گذر گئی ہو ... نبوت ... ہر آفت سے ... رہی۔ جو لوگ کسی بھی وجہ سے حدیث رسول ... ناقابل یقین قرار دے دیں۔ ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ قرآن کے عدم اعتماد کا اعلان بھی کریں اس لئے کہ احادیث کے مٹ جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معانی محو ہو چکے ہیں۔ اور ایک مسلمان کے نزدیک یہ بات کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ پروردگار عالم جس کے تحفظ کا عہد فرمالیں وہ چیز دنیا سے نیست ہو جائے۔

(جاری ہے)

از جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(یہ تقریر ریڈیو کویت کی اردو سروس میں ۱۸ر اگست ۷۶ء کو نشر کی گئی)

اسلام کا انسان مطلوب مسلمان ہے اور اس کا بے خطا کامل ترین اور بے مثال نمونہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے انسان کا پورا خاکہ قرآن مجید میں دے دیا گیا ہے گویا قرآن مجید کی مطلوبہ انسان کا مستند مرقع ہے اسی لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے جب لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔

"کیا تم نے قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی ہے۔

گویا قرآن کے مثالی اور کامل نمونۂ انسان کی معیاری صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اسی لئے تمام مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں اور آپؐ کے اسوۂ مبارک کی پیروی کریں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ پیش ہے۔

اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عملی طور پر انسان مطلوب کا یہ مثالی اور کامل نمونہ پیش کرنے کے بعد قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ انسان کے خدوخال اور اوصاف کو بھی جا بجا بیان کیا ہے۔ اگر ہم "اسلام کا مطلوبہ انسان" کا عنوان دے کر قرآن کا مطالعہ کرتے چلے جائیں اور قرآن میں جا بجا مومن کی ہوئی گئی ہے صفات کو اس عنوان کے تحت لکھتے چلے جائیں۔

تو بالآخر بصیرت، اعمال، کردار، افکار واوصاف کا ایک ایسا خاکہ تیار ہو جاتا ہے، جسے ہم اسلام کے انسانِ مطلوب کا خاکہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر ان صفات کو اپنے کردار و اعمال میں جذب کرنے کی کوشش کریں تو ہم کے انسانِ مطلوب کے نقشے میں حسبِ حیثیت اور بقدرِ صلاحیت رنگ بھر سکتے ہیں۔ یہ رنگ جو قرآن کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق کسی کردار میں بھرا جا سکتا ہے صبغۃ اللہ کہلاتا ہے اور جس قدر صبغۃ اللہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اسلام کے انسانِ مطلوب کے نقش ونگار نکھرتے چلے جاتے ہیں۔

اسلام کا انسانِ مطلوب کسی نمازیں میں نہیں پایا جاتا بلکہ دنیا بھر پور مصروفیات میں رہ کر وہ کارِ دنیا کو خدا کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ دنیا سے فرار ہو کر کسی خانقاہ میں گزین نہیں ہوتا۔ بلکہ دنیا کو خدا کی بندگی میں لانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ مارکس کا معاشی حیوان نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک معتدل، معقول، خدا ترس، سنجیدہ اور اور متوکل انسان ہوتا ہے جسے خدا کی ذات اور پھر اپنی ذات پر اعتماد ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو پورے شعور کے ساتھ جانتا ہے اور اسی شعور کی مدد سے وہ اپنے مالک اور خالق کو بھی پہنچاتا ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے قول مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ کے مصداق اپنی ذات کے عرفان کی روشنی میں اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور اس کے حقوق ادا کرتا ہے وہ خدا کا ایک ایسا سیدھا سادا شریف اور با اصول بندہ ہوتا ہے جو نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے، اور نہ کسی سے خوف اور طمع کا تعلق رکھتا ہے وہ بقولِ حضرت عیسیٰؑ کبوتر سے زیادہ معصوم اور سانپ سے زیادہ ہوشیار اور چوکنا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم نے فرمایا تھا کہ:

"مومن کی بصیرت سے ڈرو وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے"

اور یہ کہ:

"مومن ایک بل سے دو بار ڈسا نہیں جاتا۔"

اسلام کا انسان مطلوب، مسلمان ایک خاص وضع کا انسان ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد بنی نوع انسان ہے اور اس پوری نوع کے مختلف گروہوں میں سے مسلمانوں کو چھانٹ چھانٹ کر علیحدہ کر کے ایک گروہ بنا دیا گیا ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یعنی مسلمان ایک بہترین امت ہیں جسے لوگوں کی خاطر کھڑا کیا گیا ہے اس کا کام نیکی کا حکم بدی کی ممانعت اور خدا کا کلمہ بلند کرنا ہے۔

اسلام کے انسانِ مطلوب میں تین بنیادی شرائط کا پایا جانا لازم ہے۔

★ وہ سخت قسم کا موحد انسان ہوتا ہے وہ خدا کی ذات کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں بناتا اور اپنی تمام توقعات اور عبادات صرف اسی سے وابستہ رکھتا ہے۔

★ وہ سب انبیاء کو مانتا ہے اور حضور اکرم کی ہدایات کا پابند اور علمبردار ہوتا ہے۔

★ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے دنیا کے تمام اعمال وافکار کے لئے جوابدہی کا شاید واضح شعور رکھتا ہے۔

یہ تینوں صفات اسی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے بغیر اسلام کے انسان مطلوب کا ہیولیٰ تیار نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد پھر وہ اضافی صفات ہیں جن

کی مدد سے وہ بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرتا چلا جاتا ہے جس کے سبب وہ معیاری اور مثالی بننے کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔
قرآن نے مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر مفصل ارشادات ان صفات کو بیان کرنے کے لئے وقف کئے ہیں جو سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ الفرقان، سورۂ لقمان، سورۂ انعام، سورۂ مومنون میں ہم کو ملتے ہیں، اس کے علاوہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس کی پوری تصویر کشی کی گئی ہے۔ سورۂ الفرقان میں اسلام کے انسان مطلوب کی تصویر یوں پیش کی گئی ہے،

★ وہ زمین پر نرم روی کی چال اختیار کرتے ہیں جو کبر و غرور اور جبر و تشدد کے منافی ہے۔
★ وہ جہلا سے واسطہ پڑ جائے تو سلام کہہ کر پہلو تہی کر لیتے ہیں۔
★ وہ راتوں کو جاگ جاگ کر اللہ کی عبادت اور بندگی بجالاتے ہیں۔
★ خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔
★ وہ خدا کے ساتھ کسی کو پکار کر اسے خدا کا شریک نہیں بناتے۔
★ وہ ناحق کسی کی جان ہلاک نہیں کرتے۔
★ وہ زنا سے اجتناب کرتے ہیں
★ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔
★ وہ فضولیات اور لغویات کے ہجوم میں باوقار طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

سورۂ مومنون میں اس انسان کی تصویر یوں دی گئی ہے۔
★ ان کی نمازوں میں خشیتِ الٰہی کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

★ وہ اپنی آبرو اور عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔
★ وہ امانتوں اور وعدوں کے امین اور محافظ ہوتے ہیں۔

پھر سورۂ لقمان میں اُن کی جھلک یوں دکھائی گئی ہے،
★ زمین پر تکبر اور سرکشی سے نہیں چلتے۔
★ وہ معاملات میں اعتدال اختیار کرتے ہیں۔
★ وہ اپنی آواز کو غیر سنجیدہ طریقے پر بلند نہیں کرتے بلکہ دھیمی رکھتے ہیں۔

سورۂ توبہ میں ان کے بارے میں فرمایا گیا:
★ وہ اپنے گناہوں پر توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔
★ وہ خدا کی حمد کے خوگر ہوتے ہیں۔
★ وہ اللہ کی راہ میں گھر سے نکلتے ہیں۔
★ وہ رکوع و سجود کرتے ہیں۔
★ وہ بدیوں کی روک تھام کرتے ہیں۔
★ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے سختی سے پابند ہوتے ہیں۔

یہ وہ چند قرآنی خدوخال ہیں جو اسلام کے انسانِ مطلوب میں کسی نہ کسی درجے میں ہونے ضروری ہیں۔ چنانچہ انہی کی روشنی میں اسلام کے معلمینِ اخلاق نے پھر مزید صفات اور بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً
★ وہ صحبتِ صالح اختیار کرتے بھلے لوگوں کے ساتھ رفاقت رکھتے ہیں۔
★ وہ نیک لوگوں کے اچھے اعمال کو اپنے لئے مثال بناتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔
★ وہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

★ وہ علم کے طالب حق کے جو یا اور بزستاد
بتِ خیر کے عامل اور بیدار ضمیر ہوتے ہیں۔

★ وہ بلند اخلاق، فراخ حوصلہ، فیاض
م خو، حسان اور دین کی تڑپ رکھنے والے ہوتے
ں۔

★ وہ باہمی محبت کرنے والے، خدا ترس
مکر، حق گو، نفاق سے پاک، صابر و شاکر
فاشعار اور ہر وقت توبہ و استغفار کرنے والے
تے ہیں۔

ان خوبیوں کے ساتھ جن برائیوں سے وہ
سختی سے بچتے ہیں ان کا بھی جا بجا ذکر کیا گیا ہے
وہ فحش، جھوٹ، غیبت، بدگوئی، بدگمانی
عدہ خلافی، الزام، ترافسی، خوشامد، بخل، غیظ
غضب، بغض، کینہ، فضول خرچی، اور حسد سے
ں طرح بچتے ہیں۔ جس طرح سارے انسان سانپ
سے بچتے ہیں۔

غرض اسلام کا انسانِ مطلوب کوئی۔
ھوکا چھپا انسان نہیں ہوتا۔ وہ معاشرے میں
پنے اطوار و اعمال سے جانا پہچانا انسان ہوتا
ہے۔

★ وہ دین سے مخلصانہ محبت کا حامل ہوتا
ہے اور اس کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے

★ وہ دین کی معرفت، یعنی علم دین حاصل
رتا اور خدا رسولؐ کے احکام سے آگاہ ہوتا ہے۔

★ وہ دین کی حفاظت کرتا اور اس کو اپنے
کمال میں محفوظ کرتا ہے،

★ وہ دین کے راستے میں ہر مشکل کے وقت
ستقامت کا راستہ اختیار کرتا ہے،

★ اور وہ دینی خدمات میں مسابقت کرکے
وسروں سے زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی سعی
رتا ہے۔ یہ ہیں وہ چند صفاتِ مطلوب، جو اگر
کوئی انسان اپنے اندر پیدا کرے تو وہ حقیقی طور
اسلام کا انسانِ مطلوب بن جاتا ہے۔

بھٹو کو معاف کرنے کا مشورہ دینا

سنگدلی اور سفاکی کی سرپرستی ہے

بھٹو کو سزائے موت

پاکستان کے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو موت کی سزا سنادی گئی تھی یہ فیصلہ ہائی کورٹ کے پانچ ججوں کی ایک بینچ نے متفقہ طور پر دیا ہے ان پر الزام تھا کہ انھوں نے ایک سیاسی حریف مسٹر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کے لئے خفیہ پولیس کو پابند کیا لیکن مسٹر قصوری بچ گئے اور ان کے والد اس سازش کا نشانہ بن گئے۔ مسٹر بھٹو اور ان کے مداحوں نے اس مقدمے میں اپنی صفائی پیش کرنے کی بجائے اسے سیاسی رنگ دینے اور سیاسی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ کبھی ان کی صاحبزادی نے یہ دھمکی دی کہ اگر بھٹو صاحب کا بال بھی بیکا ہوا تو پاکستان کے دریاؤں میں خون ہی خون بہے گا کبھی ان کے مداحوں نے ججوں کے گھروں کو لیاں چلا کر انہیں فیصلہ بدلنے کے لئے آمادہ کیا اور کبھی خود مسٹر بھٹو نے یہ دھمکی دی کہ ان کو سزا دینے کا نتیجہ پاکستان میں افراتفری پر منتج ہوگا

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہے کہ اس سزا کی تعمیل ہو تو اس کا سیاسی ردِ عمل اتنا ہی شدید ہو جتنا کہ اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے لیکن اس کا یہ پہلو حد درجہ خطرناک ہے کہ سیاسی اثرات کا دباؤ ڈال کر کوئی شخصیت اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرے

ہولناک دور

مسٹر بھٹو نے اپنی مملکت کے قائد کی حیثیت سے اسے سیاسی انتظامی اور اقتصادی لحاظ سے جس سطح پر لا گرایا وہ اپنی جگہ ایک اندوہناک حادثہ تو ہے ہی لیکن جو اخلاقی دیوالیہ پن انہوں نے اپنے دور میں پیدا کیا ہے وہ سب سے زیادہ دردناک سانحہ ہے۔ ان کی شخصیت اور ان کی پارٹی نے جس طرح پوری مملکت کے وسائل و ذرائع کو اپنی خواہشات کا غلام بنا کر رکھ دیا تھا اس کے بعد خوف اور وحشت کی ایسی ہولناک گھٹن وہاں پیدا ہو گئی تھی جو کسی ایسے ملک ہی میں دیکھی جا سکتی ہے جس میں پوری آبادی غلاموں کی طرح زندگی گذار رہی ہو۔ اپنے سیاسی حریفوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے انہوں نے جو کھیل کھیلے وہ انتہائی شرمناک تھے۔ ہمارے ملک میں جس طرح دلی اور اس کے اطراف میں لوگ ایک سنجے گاندھی اور اس کے حواریوں کی سنگدلی سے عاجز تھے، اس سے کہیں زیادہ وہاں غالباً ہر ہر قصبہ اور محلے میں سینکڑوں سنجے پیدا ہو چکے تھے جو عوامی پارٹی کے نام سے جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے، لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال سب ہی طرح کے خطرات سے گزرتا پڑ رہا تھا جو اس درجہ میں ہمارے یہاں بہر حال نہیں تھا۔

سیاسی محاذ کی خواہش

بعض ہندوستانی اخبارات یہ تاثر دینا چاہ رہے ہیں

کہ اس مسئلے کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جانا چاہیئے اور یہ بات بدیہی ہے کہ ایک اخلاقی جرم کو سیاسی مصالح کا تابع بنا دیا جائے تو پھر مجرم کی شخصیت کو سامنے رکھ کر اس کے ہر جرم کی پردہ پوشی ہو جانا لازمی ہے۔ ہم اگر ہندوستان میں یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اخلاقی جرائم کو معاف کیا جائے خواہ کا ارتکاب کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے ہوا ہو تو انصاف کا تقاضا ہے کہ اسی عینک سے ہم دوسرے ملکوں کے حالات پر بھی نظر ڈالیں۔ اپنے لئے ایک پیمانہ مقرر کرنا اور دوسرے کے لئے دوسرا باٹ رکھنا انصاف پسندی سے بعید ہے۔

مسٹر بھٹو نے اپنے مداحوں کو جس طرح سرکاری ملازمتوں، صحافت، کارپوریشنوں اور دواخانوں، خارجہ کے نئے نئے منصبوں پر فائز کیا تھا اس سے انہیں یہی توقع تھی کہ اب ان کے ہاتھ سے اقتدار کو چھیننے والا کوئی نہیں رہا لیکن حالات کے ایک موڑ نے انہیں اس منطقی برتاؤ کے لئے مجبور کر دیا کہ فوج اگر اپنے ہاتھوں میں اقتدار نہ لیتی تو عوام بھٹو اور بھٹو نوازوں کی تکا بوٹی کر ڈالتے یہ اور بات ہے کہ بعد میں متحدہ محاذ اپنے اتحاد کو باقی نہ رکھ سکا اور اس میں پھوٹ پڑ گئی یا کچھ بیرونی عناصر اور مقامی شاطر اس صف میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے، پھر یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ کئی بار مارشل کے نفاذ نے پاکستان میں فوجی اقتدار کا رعب داب ختم کر دیا ہے ادھر جنرل ضیاء الحق ایک نیک طبع شخصیت ہونے کی بنا پر اپنے ہی عوام کو جبر و استبداد کی نئی زنجیروں میں مضبوطی کے ساتھ جکڑنا نہیں چاہتے

بھٹو اور اندرا

بھٹو اور اندرا اس برصغیر کی دو ایسی شخصیتیں رہی ہیں جن کو ان کے ملکوں نے اپنا بھرپور اعتماد سونپا لیکن دونوں نے اپنی شخصیتوں کے گرد اپنی پوری مملکت کی مشینری کو گھما دیا، البتہ دونوں ہی ضدی تھے اور دونوں ہی کے ذہن میں یہ خبط سما گیا تھا کہ ان کے ساتھ ان کی مملکتوں کا مستقبل وابستہ ہے، البتہ ان میں سے ایک اپنی صنفی کمزوری اور اپنی ابتدائی تربیت کی بنا پر سنگدلی کی وہ حدیں پار نہیں کر سکی جو پاکستانی شخصیت سے منسوب کی جا رہی ہیں۔ بھٹو فرد جرم میں اگر اخلاقی زوال اور ظلم و شقاوت، قتل و غارت گری کی داستانیں نہ ہوتی تو شاید ہم بھی یہ کہتے کہ اسے سیاسی موت مرنے دیا جائے لیکن اس نے جو لرزہ خیز جرائم کئے ہیں اس کے بعد ایسا مشورہ دینا سنگدلی اور سفاکی کی حمایت کے ہم معنی ہے۔

(ایشیا، لاہور)

از قلم ——————— نالش عامری

جب کسی قوم یا ملک میں اخلاقی و مذہبی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، پورے معاشرے پر جہالت و نادانی غالب آجاتی ہے، حق و ناحق کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے عدل و انصاف مفقود اور صدق و دیانت داری ناپید ہو جاتی ہے، لوگ اپنی زندگیوں کو الٰہی اصول و ضوابط سے بے نیاز و لاتعلق کر کے انسانی نظام و ضابطے کے پابند ہو جاتے ہیں، اچھے بُرے کی تمیز خواب و خیال کی حیثیت میں آجاتی ہے، ہر بُرائی میں حُسن اور ہر عیب میں دل کشی نظر آنے لگتی ہے، وہ یہ تک بھول جاتے ہیں کہ کوئی ان کا پیدا کرنیوالا یا اُن کے ہر عمل نیک و بد کا محاسبہ کرنے والا بھی ہے اور اُن پر ان کے پیدا کرنے والے کی طرف سے کیا کیا پابندیاں عائد ہوتی ہیں یا اُن پر عام انسانوں کے کیا حقوق عائد ہیں ——————

تو اس صورت میں وہ خدا جو ساری دنیا کا خالق اور مالک ہے ——— اُن کی اصلاح و ہدایت کے لئے کوئی مصلح و ہادی (Reformer) برپا کرتا ہے جو خدا کے حکم کی تعمیل کے طور پر خود کو مشکلات و خطرات میں مبتلا کر کے اُن کی اصلاح و رہبری کا بیڑا اُٹھاتا ہے، اُن کی خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تمام لوگوں کو صرف اس حاکم اعلیٰ کی حاکمیت کا تابع بناتا ہے جو واقعی اور حقیقی طور پر ساری کائنات کا حاکم و بادشاہ ہے ——— پورے معاشرے کو انسانی اصول و ضابطے سے نجات دلا کر خدائی اصول و ضابطے کے مطابق زندگی گذارنے کی دعوت دیتا ہے، اچھے بُرے اور حق و ناحق کا فرق ظاہر کرتا ہے، پوری قوم یا خاندان کے خدا فراموشانہ رویوں کو ختم کر کے اُن میں خدا پرستی و حق نوازی کا جذبہ پیدا کرتا ہے ——— لیکن اس ہادی یا ریفارمر کی اس تحریک کو دیکھ کر قومیں برہم ہو جاتی ہیں، اس کی جان کی دشمن ہو جاتی ہیں نہ صرف اس کے بلکہ ہر اُس فرد کے خون کی پیاسی ہو جاتی ہیں جو اس تحریک کے داعی کا موئد و ممد ہو ——— وہ قومیں یا افرادِ معاشرہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص ہمیں گمراہ کر رہا ہے، ہمارے قدیم

رسم و رواج کو ختم کرنا چاہتا ہے یہ ہمارے پرکھوں کے قائم کئے ہوئے مذہب کو مٹا رہا ہے ۔

ہم نے طاہر جس نگری میں جا کر کی تبلیغ وفا کی
اُس نگری کے سارے باسی دوڑ پڑے لے کر پتھر

(طاہر مظہری)

اب آپ ذرا تاریخ کے اُس نازک مقام پر آ جایئے ــــــ جب پوری دنیا میں عموماً اور ملکِ عرب میں خصوصاً طرح طرح کی مذہبی، اخلاقی اور سماجی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں، انسانوں کی زندگیاں اُن کے لئے کھلونوں کی حیثیت رکھتی تھیں، عورتوں کے وجود کو خاندان کے حق میں بدنما داغ تصور کیا جاتا تھا کسی گھر میں لڑکی پیدا ہو جاتی تھی تو لوگ اسے نحوست سے تعبیر کرتے تھے اور کئی کئی دنوں سوگ منائے جاتے تھے عموماً انھیں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اُن کے مرجانے پر والدین کو مبارکبادیاں ملتی تھیں۔ غلاموں کی تجارت عام تھی، حالتِ نشہ میں وہ ایسی ایسی غیر انسانی حرکتیں کرتے تھے کہ اُن کے ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ مردوں کی دیکھا دیکھی عورتیں بھی بیک وقت کئی کئی مردوں سے رشتۂ زوجیت قائم کر لیتی تھیں اور اسی قسم کی دوسری بہت ساری برائیوں کو فیشن اور ثقافت قرار دے لیا گیا تھا ــــــ

اُس وقت کی اسی افسوسناک حالت اور بگاڑ کو دیکھ کر ساری دنیا کے مالک و حاکم نے اُن کی بگڑی ہوئی حالت میں سدھار پیدا کرنے کیلئے انھیں تاریکی سے روشنی میں لانے کے لئے اور اُن کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور پیغامبر بنا کر بھیجا

آپ نے اس دنیا میں آکر سب سے پہلے لوگوں کو اپنے اخلاق و محبت سے اُن کے دلوں کو جیتنے کی کامیاب کوشش کی ۔ پھر رفتہ رفتہ خفیہ طور پر تلقینِ حق کرنے لگے، لوگوں کو ان کی خامیوں اور برائیوں پر ٹوکنے لگے ۔

ایک دن آپ نے تمام قبیلے والوں رشتے داروں اور عزیزوں کو جمع کیا۔ اور پھر اسی مجمع میں آپ نے فرمایا کہ :-

"اے لوگو! میں خدا کی طرف سے
رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ مجھے میرے
خدا نے تم میں اس لئے بھیجا ہے کہ
میں تم تک خدا کا پیغام پہونچاؤں ۔
تمہیں برائیوں سے روکوں ا
تمہیں اُس دن سے آگاہ و خبردار کروں
جس دن ہم کو، تم کو اور ساری کائنات
کے بسنے والوں کو اُس کے پاس جانا
ہے اور ہر ایک کو اُس کے عمل کے مطابق
سزا یا جزا ملے گی ــــــ
لہٰذا اے لوگو! کان کھول کر سن لو ــ
اب تک جو کیا سو کیا۔ اب ان حرکتوں
سے باز آجاؤ۔ ان بتوں کو توڑ ڈالو۔
یہ پتھر کے بت تو اتنی بھی قدرت نہیں
رکھتے کہ اپنی جگہ سے ہل سکیں، یہ تو
خود محتاج ہیں ــــ ان سے تمہاری
کیا مدد ہو سکے گی ــــ"

بس آپ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع منتشر ہو گیا، چاروں طرف کہرام مچ گیا، وہی جو کل تک اُن کی سچائی اور دیانت داری کے صدقِ دل سے قائل تھے آج دشمنِ جان بن گئے ۔ کہاں تو کل تک وہ اس بات کی تشہیر میں لگے ہوئے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قریش کے سب سے زیادہ ذی رائے اور صاحب فہم

دراست انسان ہیں اور کہاں آج اُنھیں کی زبان سے اپنے اس ممدوح کے لئے پاگل، مجنوں اور نہ جانے کیسے کیسے گھٹیا الفاظ خارج ہونے لگے ۔۔ پورا خاندانِ قریش اُن کی جان کا بھوکا اور بدخواہ دشمن ہوگیا ———— ...

آپ جانتے ہیں کہ ایسے عالم میں غیر تو غیر اپنے عزیز اور رشتہ دار تک ساتھ دینے میں نہ صرف یہ کہ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں بلکہ سماج کی خوشنودی کے لئے یہ لوگ دشمنانہ سلوک پر امادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ہم نے فلاں شخص کی تائید و تصویب میں ایک لفظ بھی کہہ دیا تو زندگی کے لالے پڑ جائیں گے، ———— خواہ دل میں اس مظلوم شخصیت کے لئے کتنی عظمت و ہمدردی کیوں نہ ہو ————

لیکن ———— مرحبا جرأت ابوبکر رضی

———— ا ـــ ملک شام ———— کے طویل سفر کے بعد آپ مکہ واپس آئے اور گھر پہونچے ہی تھے کہ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ نے انہیں یہ خبر دی کہ ابوطالب کے یتیم بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، کہتے ہیں کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے، میں پوری قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔ بھلا بتائیے یہ مجنونانہ باتیں ہیں یا نہیں ۔۔ عرب کا کون عقلمند ان کی اس قسم کی باتوں کو قابلِ توجہ سمجھے گا؟ ———— حضرت ابوبکر رضی خاموش اُن کی تمام باتیں سُنتے رہے ۔ اور دل ہی دل میں کچھ سوچتے رہے ———— کیونکہ یہ نام (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے لئے کوئی اجنبی نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس نام اور نام والے دونوں سے پوری طرح نہ صرف واقف و متعارف تھے بلکہ اس عظیم و مقدس شخصیت کے خلوص و ایثار اور دوستانہ طور طریقوں کے دل سے گرویدہ تھے۔ عرب سے باہر تجارتی اسفار میں اکثر و بیشتر ایک دوسرے سے ملنے ملانے اور دیکھنے پرکھنے کے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، اور آگے چل کر آئے دن کی ملاقاتوں نے دوستی اور یگانگت کی شکل اختیار کر لی تھی ——— وقتاً فوقتاً دونوں ایک دوسرے کے یہاں آنے جانے بھی لگے تھے ———— حضرت ابوبکر رضی نے اُن سب کی باتوں کو سُنا اور بلا کسی تردد کے وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ ————

انھوں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ بھی کہا ہے صحیح کہا ہے اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ اور فریب کی آمیزش نہیں ہوسکتی ———— جب ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ اپنی بات ختم کر چکے تو ان کے دل میں مزید اشتیاق پیدا ہوا ۔ اور اُن سب کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے، بعثت کے متعلق دریافت کیا اور اُسی نشست میں قبول اسلام کر لیا ———— اس سلسلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اُس میں ایک قسم کی جھجک اور تردد و فکر ضرور پائی مگر ابوبکر! کہ جس وقت میں نے اُن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی انہوں نے بے جھجک قبول کر لی ———— اس بات میں تو اختلاف ہے کہ اسلام لانے میں اوّلیت کا شرف کسے حاصل ہے اس لئے کہ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے ۔ اور کچھ کا قول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے ————

لیکن قولِ فیصل یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر رضی، لڑکوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ،

عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور غلاموں میں زید بن حارث رضؓ سب سے اول شرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ وحی نازل ہونے کے ساتویں روز دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دولت ایمان حاصل کر چکے تھے ——— حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسلام سے قبل مکہ کے بڑے اور صاحب حیثیت تاجروں میں شمار ہوتے تھے، کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اسلام کے بعد اپنی ساری دولت اسلام کے راستے میں وقف فرما دی۔ جس کے نتیجہ میں آپ پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ پہننے کو ایک کرتا اور تہہ مت تک نہیں رہا۔ ایک کمبل اوڑھ کر وقت بسر کیا۔ غرضیکہ قبول اسلام کے بعد ان کی پوری زندگی ارشاد خداوندی "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً" (یعنی اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) کی صحیح و مکمل و تصویر تھی ——— جسم، جان، شان، عقل و فراست، اولاد و مال، جائداد اور آرام و آسائش جو کچھ بھی اُن کی بساط میں تھا وہ سب کچھ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم پر قربان تھا ——— یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے متفقہ طور پر فرمایا تھا کہ "ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر (ہم جس نیکی کی طرف جھپٹے اُس میں ابوبکر رضؓ ہم پر سبقت لے گئے) اپنی وجاہت کے اثر سے عرب کے اونچے اونچے لوگوں کو خدمت رسولؐ میں لاکر مشرف بہ اسلام کرایا، مال و منال خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا، مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعہ بڑھایا اور اُسے راہِ اسلام میں صرف کیا، اُن کمزور اور غریب لوگوں کو خرید خرید کر اُن کے ظالم آقاؤں کے پنجہ جبر و تشدد سے نجات دلائی جو محض اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ظلم و ستم کی کڑیاں توڑی جارہی تھیں، ———

غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لاکر حاضر کر دیا ——— حضور نے اسے دیکھا اور فرمایا ——— اے ابوبکر بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ ——— جواب میں عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ حضرت ابوبکر اپنی جان و مال کو اپنی ملکیت نہیں تصور کرتے تھے، بلکہ دونوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے، جب ایک مرتبہ زبان رسولؐ سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ: "جو نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا ہے اور کسی کے مال نے نہیں دیا" ——— تو حضرت صدیق اکبر نے رو کر عرض کیا: یا رسول اللہ کیا میں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں۔" (سیرۃ الصدیق رضؓ ص۳۲)

حضرت ابوبکر رضؓ کی جان نثاری و عشق نبوی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قریش کا ایک سردار عروہ ایک اہم مسئلہ پر گفت و شنید کرنے کی غرض سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو کے دوران عروہ نے یہ گستاخانہ جملے بھی منہ سے نکالے کہ "اگر قریش کے ساتھ آپ کی مصالحت نہ ہوئی تو آپ اور آپ کے تمام ساتھی گرد کی طرح فضاؤں میں اڑ جائیں گے اور پھر اُن کا نام و نشان تک باقی نہ رہ سکے گا" ——— ان جملوں کا سننا تھا کہ حضرت ابوبکر رضؓ طیش میں آگئے، اُن کی رگِ جاں نثاری بھڑک اُٹھی ——— اور انہوں نے اُسے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ وہ سخت متحیر ہوا ——— اُسے اس بات کا وہم و گمان تک نہ تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والوں اور جاں نثاروں میں اس قسم کے لوگ بھی ہیں ——— اُس (عروہ) نے اپنی

اس حیرت و تعجب کا اظہار جا کر اُن اربابِ قریش کے سامنے کیا جنہوں نے اسے بھیجا تھا، اور اس نے کہا۔ جو جذبۂ عشق و جاں نثاری مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چاہنے اور ماننے والوں میں ملا وہ میں نے بڑے سے بڑے بادشاہوں کے درباریوں میں کبھی نہیں پایا۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ قبلِ اسلام مکّہ کے ممتاز و متمول لوگوں میں سے تھے۔ بڑے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن عام اُمراء و رؤسا کی طرح شراب نوشی، جھوٹ، دغا اور فریب جیسے بڑے گناہوں کا ارتکاب کبھی نہیں کیا۔ آپ کی شرافت عدل و انصاف، محبت، مروّت، اخلاق اور غربا نوازی ایامِ جاہلیت میں بھی مشہور و معلوم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کفارِ مکّہ ایمان لانے کے بعد اُن کے ساتھ وہ سفاکانہ برتاؤ کرنے سے احتراز کرتے تھے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بڑی بے رحمی و سنگدلی کے ساتھ روا رکھے جاتے تھے۔

شروعِ اسلام میں تقریباً تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ اسلام کا کام خفیہ انجام دیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی پوشیدہ طور پر خدمتِ اسلام کرتے ۔۔۔۔۔ لیکن جب نبوت کے چوتھے سال خدا کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کو اعلانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منھ پھیر لو۔)

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا کام اعلانیہ شروع کر دیا اور کھلم کھلا شرک و جہل کی مذمت کرنے لگے۔ اس بات سے مشرکینِ عرب مشتعل ہو گئے۔ اُن کا اشتعال وحشیانہ انداز اختیار کر گیا۔ رسول اللہ صلعم کو ہر قسم کی اذیت دینے لگے۔ ان اذیتوں میں حضرت صدیقِ اکبر بھی شامل تھے۔ ۔۔۔۔ ایک مرتبہ حرمِ کعبہ میں کفار و مشرکین کا کثیر جم گھٹا تھا۔ تذکرہ اس بات کا ہو رہا تھا کہ اس نئے نبی نے ہمارے معبودوں کی توہین و تکذیب کیسے اور کیونکر کی ۔۔۔۔ اتفاقیہ اُسی اثنا میں طوافِ کعبہ کی غرض سے حضورؐ داخلِ حرم ہوئے۔ حضور کو دیکھنا تھا کہ اُن کا شعلۂ قہر بھڑک اُٹھا۔ اور اُن میں سے ایک شخص نے بڑھ کر آپ سے دریافت کیا" اے شخص تو ہی ہے وہ جو ہمارے بتوں کو جھٹلاتا ہے؟" ۔۔۔۔ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا "بے شک" ۔۔۔۔ یہ سنتے ہی تمام مجمع آپ پر ٹوٹ پڑا ۔۔۔۔ وہ سفاک آپ کو زدوکوب کرتے جاتے اور یہ کہتے جا رہے تھے کہ:۔ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۝ (کیا تو سب خداؤں کو ایک خدا کر دے گا) آپ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جا کر اطلاع دی حضرت صدیق دوڑتے ہوئے آئے اور بے تحاشہ کفار کے مجمع میں گھس گئے ۔۔۔۔ اور یہ فرماتے جا رہے تھے:۔ وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (افسوس ہے تم پر کہ تم ایک شخص کو محض یہ کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے روشن دلیلیں لیکر آیا ہے)

یہ مداخلت اُن لوگوں کو نہ صرف پسند نہیں آئی بلکہ وہ سارے کے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر انھیں پر ٹوٹ پڑے عتبہ بن ربیعہ نے اپنے مضبوط تلے دار جوتوں سے انتہائی سفاکی اور بے دردی سے ونڈ بیٹ پر لات ماری اور اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا۔ لہو لہان ہو گئے ۔۔۔۔ کچھ با اثر عزیزوں نے آکر

بچایا۔ آپ چلتے جا رہے تھے اور زبان سے یہ کلمات فرماتے جا رہے تھے :- تبارکت یا ذا الجلال والاکرام ہ (اے عزت وجلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے) ــــ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق گھر پہونچے ہیں تو حالت یہ تھی کہ سر پر جہاں بھی ہاتھ لگتا بال الگ ہو جاتے، آپ بے حس وحرکت ہو گئے تھے۔ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ انتقال ہو چکا ہے انھیں گھر پہونچا کر بنی تیم پھر مسجد میں آئے اور یہ اعلان کیا کہ اگر ابو قحافہ ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کئے بغیر نہیں مانیں گے۔ (تیم حضرت صدیق کے خاندان کا نام تھا) ــــ

یہ اعلان کر کے وہ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس واپس آ گئے۔ یہ سب کے سب اور ان کے والد ابو قحافہ عثمان ان کے سرہانے کھڑے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آواز بھی دیتے رہے۔ کافی دیر کے بعد حواس لوٹے۔ شام تک کہیں اس قابل ہو سکے کہ کچھ بول سکیں۔ اس طویل تشویشناک بے ہوشی کے بعد سب سے پہلے جو بات ان کی زبان سے نکلی وہ یہ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں"؟ ــ یہ بات بنی تیم کو بری معلوم ہوئی ــــ وہاں سے چلے گئے۔ لیکن آپ نے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کر لی برابر یہی دریافت فرماتے رہے اور اپنا یہ قطعی فیصلہ سنا دیا کہ جب تک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ مل آؤں کچھ بھی نہ کھاؤں گا ــــ اسی قسم کے نہ جانے کتنے واقعات تاریخ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں جن سے حضرت صدیق کی بے پناہ محبت رسول ؐ اور غیر معمولی جذبۂ حق پرستی کی سند ملتی ہے ــــ آنحضور ؐ نے وفات سے پانچ دن پہلے جو خطبہ پیش کیا تھا

اس میں اس بات کا اظہار فرمایا کہ جس نے ہمارے ساتھ کوئی احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا سوائے ابوبکر ؓ کے ان کی خدمات کا بدلہ قیامت کے دن ان کے خدا کی طرف سے ملے گا۔

لاریب اصحاب رسول ؐ میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مقام سب سے بلند و ارفع ہے خدائے قدوس نے آپ کو عدل و انصاف دوستی و وفاداری ، حلم و تدبر ، اور فکر و تفکر کی حسین پیکر اور دولت سے مالا مال کیا تھا۔ وہ انبیاء کو مستثنیٰ کر کے دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حصے میں نہیں آ سکیں۔ اُن کی بلندی و رفعت کے لئے یہ ثبوت ہی کافی ہے کہ اجماع اُمّت کی طرف سے اُنھیں افضل البشر بعد الانبیاء (نبیوں کے بعد انسانوں میں سب سے افضل) کہا گیا ہے ــ

یاد پڑتا ہے کہ کسی مضمون میں ایک انگریز کا قول بیان کیا گیا ہے کہ اس نے سیرتِ نبوی کا اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت اور پیغمبر خدا ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر جیسا ذہین و فہیم اور صائب رائے رکھنے والے انسان نے ان کی نبوت کو تسلیم کیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر ؓ کی شخصیت سے متعلق دنیا کے بڑے بڑے رہنمایانِ قوم و مصلحینِ وقت نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق دنیا کے عظیم ولافانی اشخاص میں سے تھے ــ میں وقت کی کمی کا لحاظ رکھتے ہوئے نیچے صرف چند معزز و مقدس ہستیوں کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کروں گا ــ

دنیا کے سب سے عظیم و رفیع انسان اور نبیوں کے خاتم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ۔ اپنے رفیقِ غار حضرت صدیق کے بارے میں ا...

خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے :-

فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا كَانَ أَفْضَلَ فِي الصُّحْبَةِ عِنْدِي يَدًا مِنْهُ فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا ۔

(۱) لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا ۔ (میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں احسانات کے اعتبار سے ابوبکر سے افضل ہو۔ پس اگر میں کسی کو قلبی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا)

(۲) أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ ـــ میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں ۔

(۳) ایک مرتبہ اور کسی موقع پر آنحضور نے فرمایا تھا کہ :-

۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہلِ آسمان میں سے اور دو وزیر اہلِ زمین میں سے نہ ہوں ۔

۔ دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے ابوبکر اور عمر ۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کے خیالات بایں الفاظ ملاحظہ فرمایئے :-

(۱) ابوبکر ہمارے سردار ہیں

(۲) ابوبکر رضؓ کا ایمان زمین کے سارے اہلِ ایمان سے تولا جائے تو ابوبکر رضؓ کے ایمان کا پلہ بھاری رہے گا ۔

(۳) سوائے انبیاء کے کبھی سورج کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ :-

(۱) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ہم جس نیکی کی طرف بھی جھپٹے اُس میں ابوبکر ہم سے سبقت لے گئے ۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں ۔ میری محبت اور اِن دونوں شخصیتوں سے بغض کسی مومن کے دل میں نہیں جمع ہوسکتا ۔

(۳) اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکر کا نام صدیق رکھا ہے ۔

(لفظ صدیق کے معنی بہت زیادہ سچ بولنے والے کے ہیں ۔ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی اپنی کتاب صدیقِ اعظم صفحہ ۳ کے حاشیے میں رقم طراز ہیں کہ "صدیق کے معنی بڑا سچا اور شریعت میں خاص مرتبہ ہے جس کی سرحد نبوت کی سرحد سے ملی ہوئی ہے" آپ کا ایک لقب "عتیق" بھی ہے ۔ جس کے معنی عذابِ آخرت سے بری ہونے کے ہیں ۔)

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ نے اوصافِ صدیقؓ کا ذکر بایں طور فرمایا ہے :-

"ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوقِ الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان"

جناب محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اپنی کتاب سیرۃ الصدیق میں ۔ حضرت ابومریم رضؓ کا بیان بایں انداز نقل کیا ہے :-

ابومریم کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا حسن بن علی نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اے لوگو! رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا میں نے رب کریم کو عرش پر دیکھا ۔ اسی عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پائے کے پاس قیام فرمایا پھر ابوبکر آتے اور دوشِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے پھر عمر آئے اور ابوبکر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے

ہو گئے۔ پھر عثمان آئے اُن کے ہاتھ میں
اُن کا سر تھا۔ عرض کی الٰہی اپنے بندوں
سے پوچھ کہ انہوں نے مجھ کو کس قصور
میں قتل کیا۔ اس کہنے پر آسمان سے
خون کے دو پرنالے زمین میں بہنے لگے
یہ خطبہ سنکر لوگوں نے حضرت علی سے کہا
کہ "آپ دیکھتے ہیں حسن کیا کہتے ہیں"
فرمایا "جو دیکھا وہ کہتے ہیں"

حضرت امام باقر حضرات شیخین (صدیق و عمرؓ) کے
متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔
"میں نے کسی کو اپنے اہل بیت میں سے نہیں
دیکھا جو ان دونوں (حضرت صدیق و حضرت عمر) سے
محبت نہ رکھتا رہا ہو"۔

انھیں بزرگ یعنی حضرت امام باقر کا ایک
قول اور ملاحظہ فرمایئے فرماتے ہیں:۔
"جو شخص حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو نہیں
جانتا وہ سنت کو نہیں جانتا"۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت امام زین العابدین سے
استفسار کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
نزدیک ابو بکر اور عمر کا کیا مرتبہ تھا۔ آپ نے
فرمایا وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے یعنی روضۂ
مقدس میں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے۔

میں نے مقالے کے شروع میں تمہیداً نبوت
کے دور اول کا بھی اجمالی ذکر کر دیا ہے۔ اس
سے شاید آپ میں سے بعض حضرات یہ خیال کریں
کہ آخر۔ مقالہ۔ حضرت صدیق سے متعلق
ہے اس میں نبوت کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔
اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جس طرح سے سیرت
رسول بغیر ذکرِ صدیق رضؓ کے ناقص اور بے ربط نظر
آنے لگتی ہے اسی طرح سے سیرتِ صدیق کے لئے
بھی نبوت کے دور اول کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہے

خدا ہم سب کو صدیقیت کا علمبردار اور ایثار و
وفاداری کا پیکر بنائے۔

مومن کوئی صدیق سے بہتر نہ ہوا
بہتر تو بڑی بات ہے ہمسر نہ ہوا
صدیق تو دنیا میں ہوتے اور بھی چند
لیکن بجز اُن کے کوئی اکبر نہ ہوا
(شہباز صدیقی)

یہ مقالہ ۲۳ مئی ۱۹۶۸ء کو بزم صدیق امروہا کی بزم مقالات
میں پڑھا گیا۔ (تابش عامری)

ایک صاحب جو جماعت اسلامی ہند سے ہمدردی اور عقیدت رکھتے ہیں اپنے ایک حالیہ مکتوب میں دریافت کرتے ہیں

"میں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا ہے اور جب توفیق قرآن حکیم اور احادیث کا مطالعہ بھی کرتا رہتا ہوں۔ مجھے جماعت کی دعوت اور اس کے طریقہ کار سے کلی طور اتفاق ہے مگر ایک بات میری ذہنی الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے وہ یہ کہ اس قدر صاف اور واضح اور برحق ہونے کے باوجود کیا وجہ ہے کہ عام طور پر لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جب میں دیکھتا ہوں تبلیغی جماعت کی طرف لوگ جوق در جوق آتے ہیں، ان کے معمولی معمولی اجتماعات میں بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد آناً فاناً اکٹھا ہو جاتی ہے۔ مگر جماعت اسلامی کے ڈیژنل اجتماعات تک میں تعداد شرکاء چار چھ سو سے زائد نہیں ہوتی تو میں سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟"

مزید فرماتے ہیں:-

"دوسری اہم بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات جگہ جگہ جماعت اسلامی کی نہایت گھناؤنی مخالفت کرتے ہیں۔ کیا جماعت کے ذمہ دار حضرات ان کے ذمہ داروں سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال نہیں کر سکتے؟"

جواب:- سب سے پہلے آپ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ کسی جماعت اور اسکی دعوت کو پرکھنے کا معیار اس کے افراد کی کثرت تعداد اور اس کے اجتماعات میں شرکت کرنے والا جم غفیر نہیں ہے۔ اصل چیز جو دیکھنے کی ہے

وہ یہ کہ کیا آپ کی دعوت ٹھیک وہی دعوت ہے جو قرآنِ حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ میں پیش کی گئی ہے۔ آپ دین کے اسی تصور کے حامل ہیں جو تصور اللہ نے اپنی کتاب کے اندر اور اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی کے اندر پیش فرمایا ہے اور جسکے علمبردار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اور آپ کے بعد ملت کے تمام بزرگانِ دین۔ ائمہ کرام اور علمار حق رہے ہیں۔

دوسری بنیادی بات یہ کہ اللہ اور اسکے رسول نے ہمیں صرف دین اور تصور دین ہی نہیں دیا ہے بلکہ اس دین کی اقامت، اس کی حفاظت، اس کی خدمت، اور اس کی دعوت وتبلیغ کا اب واضح اور بے آمیز طریقہ کار بھی عنایت فرمایا ہے جو دین اسلام کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

ان دو حیثیتوں سے اگر آپ کو انشراح قلب حاصل ہے تو تیسری بات یہ دیکھنے کی ہے کہ دین حق کے علمبرداروں، اس تصور دین کو قبول کرنیوالوں اور اس کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والوں میں جو بنیادی صفات رونما ہونی چاہئیں۔ وہ رونما ہو رہی ہیں، یا نہیں انھیں اپنے کارکنوں میں پیدا کرنے، پروان چڑھانے اور مستحکم بنانے کا اہتمام پورے طور پر ہو رہا ہے یا نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیئے کہ انتہائی بگڑے ہوئے ماحول اور ناساز گار حالات کے اندر جب دین اسلام اپنی حقیقی تصویر کے ساتھ بندگانِ خدا کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو داعیانِ حق کو کس طرح کی دشواریوں رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ باطل اور بے خدا اقتدار نے خدا پرستی کی دعوت اور داعیان حق کے ساتھ کیا سلوک کیا وقت کے بگڑے ہوئے مذہبی رہنماؤں اور اقتدار وقت کے حاشیہ بردار علمار و مفتیان کرام نے اس دعوت اور اس کے داعیوں کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کئے اور ناقص اور محدود مذہبیت کے نام لیوا اور فکر و فہم سے عاری، اپنے مشیوخ کو حق و باطل کا معیار تصور کرنے والے عوام کا اس دعوت حق اور اس کے علمبرداروں کے ساتھ کیا رول ہوا ہے

قرآنِ حکیم اور احادیث رسول کے اندر یہ حقائق سورج سے زیادہ روشن نظر آتے ہیں۔ انبیار کرام نے بندگانِ خدا کے سامنے کیا دعوت پیش کی انکی دعوت کا اندازہ کیا رہا، ان کے ساتھ ان کی قوم کے " بڑوں، اور اس وقت کے حکمرانوں، مذہبی پیشواؤں اور دینی متاع فکر و فہم کو اپنے شیوخ کے ہاتھوں میں رہن رکھدینے والے عوام نے ان انبیار کرام اور داعیانِ حق کے پیغام اور دعوت کے ساتھ اور خود ان مبارک ہستیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ قرآنِ حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر وہ شخص بآسانی دیکھ سکتا ہے جو فی الحقیقت دیکھنا اور سمجھنا چاہتا اگر ان سب پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ تاثر رکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی دعوت ٹھیک وہی دعوت ہے، جسکے داعی انبیار کرام اور ان کے مبارک ساتھی تھے، اس کا پیغام وہی ہے جو بعد کے ادوار میں بھی علمار حق، ائمہ کرام اور بزرگانِ دین، خلق خدا کے سامنے پیش ہے کہ یہ قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہے تو آپ کو یہ بات بھی بآسانی سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ کام اتنا مشکل کیوں ہے کہ لوگ جوق درجوق اس کام میں حصّہ لینے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔

یہ تبلیغی جماعت پر کوئی الزام نہیں ہے کہ اس کا سب سے بڑا طرہ امتیاز یہی ہے کہ وہ دین اسلام کے رائج الوقت تصور اور مفہوم کی علمبردار ہے تاکہ اس دین کی جو اپنے کارکنوں اور علمبرداروں کو معرکہ حق و باطل میں کھڑا کرتا ہے جو زندگی کی تقسیم کو باطل قرار دیتا ہے جو انسان کے لیے کم و کاست زندگی میں اس کی بھرپور رہنمائی کرتا ہے جو امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ نہی عن المنکر کو بھی ایک اہم فریضہ قرار دیتا ہے۔

تبلیغی جماعت کے دوستوں کی دینی معلومات کا محور، ماخذ اور منبع "تبلیغی نصاب" نام کی ایک کتاب ہے یہی کتاب ان کے اجتماعات میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔

مسجدوں میں نہایت اہتمام کے ساتھ یہی کتاب آپکو رکھی ہوئی ملیگی، حیرت انگیز بلکہ افسوسناک بات ہے کہ اسی حلقہ اثر کے بعض ممتاز اور معروف علماء دین کی ترجمانی میں نہایت عمدہ کتابیں لکھی ہیں مثلاً مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہ کی کتب جن سے دین کا فہم حاصل ہوسکتا ہے اس جماعت میں ان کتب کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ آپ معلوم کر کے دیکھ لیں کہ اس جماعت کے نوے فی صد افراد ان بزرگوں کی کسی ایک کتاب کا نام بھی نہیں بتا سکتے "تبلیغی نصاب" کیا کچھ ہے ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ تبلیغی جماعت شاید مسلمانوں کی وہ واحد تنظیم ہے جس میں قرآن حکیم اور احادیث رسول کے مطالعہ کا اہتمام بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ میں عرض کروں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہاں تو لوگوں کو قرآن حکیم کے مطالعہ سے باز رکھا جاتا ہے اور برجستہ کہا جاتا ہے اگر ترجموں کی مدد سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے گا تو آدمی گمراہ ہو جائے گا۔

تبلیغی جماعت کو اجتماعی معاملات و مسائل سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی، باطل افکار و نظریات کے غلبہ و تسلط سے اسے کبھی کوئی تشویش نہیں ہوتی، وہاں تو ہر مرض کی دوا "فضائل اور تبلیغی نصاب" کا پڑھنا پڑھانا ہے۔

تبلیغی جماعت اپنے کارکنوں کو خصوصیت سے ہدایت دیتی ہے کہ وہ کبھی اپنی تقریروں اور گفتگوؤں میں برسر اقتدار گروہ یا حکومت پر کوئی تنقید نہ کریں۔ ملت اسلامیہ کے کسی بھی مسئلہ پر کبھی اظہار خیال نہ کریں خواہ وہ دینی تعلیم کا مسئلہ ہو، مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو، مظلومین کی امداد کا مسئلہ ہو یا کوئی اور مسئلہ ہو۔

ایمرجنسی کے دور میں اس جماعت ذمہ داروں تک کا یہ رویہ اکثر مقامات پر دیکھا گیا کہ وہ ہمارے کارکنوں کے پاس آئے اور فرمایا کہ آپ لوگ تبلیغی جماعت میں آجائیں تو ہم آپ پر سے کیس کو ختم کرا دیں گے اور حکومت کو پھر کوئی شکایت نہ ہوگی، ہمارے ارکان نے شکریہ کے ساتھ ان کی اس پیش کش کو نظر انداز کر دیا، اور اس "پناہ گاہ" میں پناہ لینا گوارہ نہیں کیا۔

آپ جانتے ہیں کہ ان دوستوں نے یہی نہیں کیا۔ بلکہ ان کے عظیم شیخ الحدیث نے ایمرجنسی کے آغاز میں جب کہ جماعت اسلامی خلاف قانونی قرار دیدی گئی تھی اور اس کے کارکنوں کو بڑی تعداد میں آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ وقت اور غالباً تبلیغ کا یہ اہم تقاضہ تصور کیا کہ اپنی اس تحریر کو جو رسالہ میں مولانا قدوسی رح کے نام انھیں جماعت سے باز

رکھنے کے لئے لکھی گئی تھی کتابی شکل میں "فتنۂ مودودیت" کے نام سے شائع کرایا اور تبلیغی جماعت کے دوستوں کے ذریعہ اس کی تقسیم و تشہیر کی "مقدس مہم" چلائی۔

تبلیغی جماعت جس دعوت و تبلیغ کی علمبردار اور داعی ہے اس میں غیر مسلموں کے لئے کوئی۔ نہیں ہے اس کی دعوت فضائل دعوت ہے، نماز روزے اور کلمے کی دعوت ہے، اس نماز روزے اور اس کلمے کی جس میں اجتماعی معاملات و مسائل کے لئے کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی کی مخالفت کر رہی ہے اس کی مخالفت کا جواب دیا جائے۔ آپ کی بات درست ہے ہم جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے دوستوں کی طرف سے جماعت اسلامی کی مخالفت آج نہیں بلکہ کافی عرصہ سے ہو رہی ہے مگر آپ جواب کس بات کا اور کس سے چاہتے ہیں، آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ ان دوستوں میں نہ اتنی صلاحیت ہے اور نہ اتنی جرأت کہ یہ کوئی بات کھل کر کہہ سکیں، جماعت کی گمنام مخالفت ان کے یہاں "کانا پھوسی" کے انداز میں ہوتی ہے اور جب آپ ان سے بات کیجئے تو نہایت، معصومانہ انداز میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم بحث میں نہیں پڑتے"، بعض مقامات پر ان کے ذمہ داروں نے "فتنۂ مودودیت" کی تشہیر و تقسیم کی اور وہاں کے بجائے اختیار سے جب ان سے بات کی تو ارشاد ہوا، کہ "ہم کچھ جانتے یہ سب تو علماء جانیں"

میرا اندازہ تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے دوستوں کی بڑی اکثریت ایسی ہے جس نے اپنے شیخ کی کتاب "فتنۂ مودودیت" خود بھی نہیں پڑھی ہے اور وہ اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے البتہ چونکہ وہ کتاب شیخ کی طرف سے ہے اس لئے وہ اس کی تقسیم کو کارِ ثواب ضرور تصور کرتے ہیں بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ حضرت شیخ نے بھی خواہ مخواہ کا تکلف کیا کہ ایک کتاب شائع کرائی وہ تو صرف اس قدر عرض کر دیتے کہ "جماعت اسلامی گمراہ اور بے دین ہے" تو یہی بات ان دوستوں کے لئے سرمۂ بصیرت بن جاتی، اور شیخ کا منشا بھی پورا ہو جاتا، مگر نہیں حضرت شیخ کی اس کتاب کا مارکیٹ میں آجانا ان لوگوں کے لئے یقیناً عبرت کا باعث بنا جو خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت کو کسی کے ہاتھ رہن رکھنے کے عادی نہیں ہیں۔ وہ اس کتاب کو پڑھکر بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس جماعت کا شیخ جماعت اسلامی کی مخالفت میں عدل و دیانت اور تقویٰ و تقدس کو داؤں پر لگا سکتا ہے اس جماعت کے لوگ جماعت اسلامی کے خلاف کیا کچھ نہیں کر سکتے۔

آپ کے علم میں یہ بات آگئی ہوگی کہ حضرت شیخ کی اس کتاب پر ایک بے لاگ تبصرہ "ردِ فتنہ" کے نام سے مکتبہ الحسنات نے شائع کیا ہے اس کتاب سے اتنا فائدہ تو ضرور ہو سکتا ہے کہ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ ـ جنکی تعداد بھی خاص ہے ـ جو کسی کی اندھی عقیدت میں گرفتار نہیں ہیں، اور حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ کرکے صحیح صورت حال سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

آپ کی الجھن پر جو کچھ میں نے تبلیغی جماعت کے تعلق سے کیا عرض ہے اس کو عرض کرتے ہوئے خدا جانتا ہے کہ مجھے کوئی خوشی نہیں ہے کاش کہ تبلیغی جماعت کے رفقاء اور ان کے ذمہ دار حضرات جماعت اسلامی کے سلسلہ میں

حسن احمد صدیقی

دوسری قسط

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے مضمون پر کی گئی تنقید کی دوسری قسط

انھوں نے (مولانا مودودی نے) یہاں دیے لفظوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ درست اور صحیح ہے تو یہ وساوس دل میں انگڑائیاں لینے لگتے ہیں کہ قرآن حکیم تحریف سے محفوظ نہیں رہا ہے ــــ آخر ایسی کتاب کو تحریف سے محفوظ کیسے مان لیا جائے جس کے بعض اجزا کے بارے میں یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ یہ اس سے متعلق نہیں ہیں ــــ اگر یہ کہہ کر بات ٹال دی جائے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے معوذتین کی قرآنیت کا انکار سرے سے کیا ہی نہیں تھا، بلکہ بعض غیر معتبر لوگوں نے ان کی طرف ایک غلط بات منسوب کر دی ہے تو یہ تاریخ روایات کے ساتھ مذاق ہو گا ــــ اور اس بات کی علامت سمجھا جائے گا کہ آدمی ہٹ دھرمی پر اترا ہوا ہے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے آگے نہ مورخین کی مانتا ہے اور نہ راویوں کی۔

مولانا مودودی نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے تو یہ فرمایا ہے۔

وہ (عبداللہ ابن مسعودؓ) ان سورتوں کو مصحف سے ساقط قرار دیتے تھے بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جز نہیں ہیں، یہ دونوں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ یہ

ایک حکم تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپ ان الفاظ میں خدا کی پناہ مانگیں۔ بعض روایات میں ان پر یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ ان سورتوں کو نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔

اس کے بعد مولانا مودودی نے یہ فرمایا ہے کہ۔

> ان روایات کی بنا پر مخالفین اسلام کو قرآن کے بارے میں یہ شبہات ابھارنے کا موقعہ مل گیا کہ معاذاللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں، ہے بلکہ ان میں جب دو سورتیں عبد اللہ ابنِ مسعود رضؓ جیسے صحابی کے بیان کے مطابق الحاقی ہیں تو نہ معلوم کیا کیا حذف اور اضافے اس کے اندر ہوئے ہوں گے۔
>
> (تفہیم القرآن جلد ششم)

یوں سمجھئے کہ ایک طرف مجموعۂ قرآن کی صحت کا معاملہ ہے اور ایک طرف تنہا ایک صحابی کی رائے ہے۔ صحابی یقیناً جلیل القدر اور عظیم المرتبت کہلانے کے حقدار ہیں۔۔ لیکن اگر ان کی رائے کو مان لیا جائے۔ تو قرآن کی صحت کے ساتھ ساتھ اجماع صحابہ پر بھی حرف آتا ہے۔ لہذا اب تین صورتیں ہی ممکن العمل ہیں نمبر ۱ ایک یہ کہ ان تمام روایات کی تکذیب کر دی جائے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضؓ معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہیں تھے۔ اور یہ یقین کر لیا جائے کہ جن محدثین نے یہ روایات نقل کی ہیں وہ بہت زیادہ محتاط اور قابل اعتماد نہیں ہیں۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی رائے بھی یہی ہے وہ اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں۔

> یہ روایت کسی مستند محدث نے نقل نہیں کی بزاز، طبرانی، ابو یعلی ابونعیم وغیرہ اس درجہ کے محدث نہیں ہیں کہ جن کی نقل کردہ روایات کو ایک ایسے مسئلہ میں اہمیت دی جائے جو مستند روایات اور اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہے
>
> (ماہنامہ دارالعلوم)

لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی طرف منسوب کی گئی اس روایت کو غیر معتبر اور غیر مستند قرار دے دیں تو بخاری جیسی کتاب کی ثقاہت پر آنچ آتی ہے، اس لئے کہ امام بخاری ؒ نے اپنی بخاری میں ایک ایسی روایت تخریج کی ہے جس سے صد فی صد یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضؓ معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہیں

تھے،

روایت یہ ہے۔

عربی	ترجمہ
حدثنا عاصم عن زر قال سالت ابی بن کعب قلت یا ابا المنذر ان اخاک ابن مسعود یقول کذا وکذا. فقال ابی سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی قیل لی فقلت قال فنحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.	عاصم زر راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابی ابن کعب سے کہا کہ اے ابو المنذر تمہارے بھائی ابن مسعود ایسا ایسا کہتے ہیں (یعنی معوذتین قرآن میں شامل ہیں) تو ابی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا مجھ سے کہا گیا تھا کہ (یہ قرآن میں شامل ہیں) تو میں بھی وہی کہتا ہوں ابی نے کہا اور ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا ہے

(بخاری جلد ثانی)

اس روایت سے یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اپنی جلالت و عظمت کے باوجود اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ معوذتین قرآن حکیم کا جز نہیں ہیں۔ اگر طبرانی اور بزار وغیرہ کی نقل کردہ روایت کو مولانا اخلاق قاسمی کے کہدینے کی وجہ سے غیر مستند مان لیں تو بخاری کی مذکورہ روایت باعث تردد بن کر رہ جاتی ہے اور پھر اس تردد کو رفع کرنے کی صورت اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتی کہ بخاری کی اس روایت کو بھی جھٹلا دیا جائے۔ اس اعلان و وضاحت کے ساتھ کہ جس روایت سے مولانا مودودی کے موقف کی تائید ہوگی۔ ہم اسے مستند اور معتبر ماننے کے لئے تیار نہیں۔

بات اگر صرف تفہیم القرآن سے متعلق ہوتی تو چلئے ہم اتنے ہونے کے باوجود دلیو اور پیر دے مارتے کہ یہ ان مودودی صاحب کی رائے ہے جنھیں ہم خصومت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ان تفاسیر کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے جن پر ہمیں ناز ہے اور جن کی سطر سطر کو ہر آڑے وقت ہم بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔۔ روح البیان کی چوتھی جلد اٹھا کر دیکھئے تو مندرجہ ذیل عبارت نظر آئے گی۔

عربی	ترجمہ
انہ کان لایعد المعوذتین من القرآن و کان لا یکتبھا فی مصحفہ یقول انھما منزلتان من السماء ھما من کلام رب العالمین ولکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرقی و یعوذ بھا فاشتبہ علیہ افھما من القرآن	عبداللہ ابن مسعودؓ معوذتین کو قرآن میں شمار نہیں کرتے تھے اور ان سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے ان کی رائے یہ تھی کہ یہ دونوں سورتیں آسمان ہی سے نازل ہوئی ہیں اور رب العالمین ہی کا کلام ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور رقیہ اور بطور تعوذ ان کا ورد رکھتے تھے شبہ یہ پیدا ہوگیا۔ کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں

(جاری ہے)

سے کے ہاتھ تو عوام ہی مضبوط کئے تھے۔ لہٰذا ایمرجنسی میں ہونے والے تمام مظالم کے اصل ذمہ دار تو وہ عوام ہی ہوتے جنہوں نے ایک سنگدل عورت کو اقتدار کی باگ ڈور سونپ دی تھی۔ اور اسے پورے ملک کا مالک بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ بھلا اندرا کا اس میں کیا قصور؟ ان کا قصور تو بس اتنا سا ہے کہ جن عوام نے انھیں عزت و عظمت عطا کی ان ہی عوام کے احساسات کو انہوں نے کچل کر رکھدیا۔ انھیں ایمرجنسی میں ہونے والے حادثات کا ذمہ دار ٹھہرانا واقعی غلط ہے۔ مستقبل میں اگر اندرا نے پھر آنکھیں بدلیں اور پھر وہی ظلم و طغیان کی تاریکیاں بکھریں تو ہم اس وقت بھی اندرا گاندھی کو ذمہ دار ٹھہرانے کی غلطی نہیں کریں گے بلکہ ہونے والی زیادتیوں کا ذمہ دار چک منگلور کے ان عوام کو ٹھہرائیں گے جن کی داد و دہش سے اندرا کی پشت مضبوط ہوئی۔

ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لیڈرانِ کرام اور مدیرانِ جرائد حقِ نمک خواری ادا کرنے کی غرض سے ظالم اور فاجر لوگوں کی اعانت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں لاکھ برائیاں ہیں لیکن یہ اچھائی ان کے اندر اب بھی موجود ہے کہ جس کا کھاتے ہیں اسی کا گاتے ہیں۔ اسی کو "حاصلِ کائنات" باور کرانے کے لئے طرح طرح کی حماقتیں کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ دجل و فریب سے کام لیتے ہیں اور حتی کہ اپنے عقائد و ایمان کا ملیامیٹ کر لیتے ہیں۔ خیر نمک حرامی کی تو ہم اجازت کسی مدیر اور کسی لیڈر کو نہیں دے سکتے لیکن ہم ادب و احترام کے ساتھ ظالم نواز لوگوں کی خدمت میں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ خود نمک کھا کر ساری قوم کو ظالموں کے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا انتہا درجہ کی زیادتی اور آخری درجہ کا گناہ ہے۔ جن جن حضرات نے اندرا گاندھی کا نمک کھایا ہے ان کا فرض ہے کہ وہ لب و لہجہ بدل بدل کر اندرا کی منقبت بیان کرتے پھریں لیکن انھیں اس بات کا حق قطعی نہیں پہونچتا کہ وہ اپنے مجلات میں اس طرح کے مضامین سمو دیں جو پوری ملت کے لئے گمراہی کی وجہ اوّل ثابت ہوں۔

قارئین سمجھیں گے کہ اندرا کی اس درجہ مذمت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنتا پارٹی کے ہمنوا ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم جنتا پارٹی کے بھی ہمنوا نہیں ہو سکتے جنتا پارٹی نے بھی ہمیں رستے ہوئے زخموں، دردانگیز چوٹوں، آہوں کراہوں اور فرقہ وارانہ فسادات کے سوا کچھ نہیں دیا۔ لیکن جب تک ہمارے ہوش و حواس باقی ہیں اُس وقت تک ہم عثمان اسعد جیسے دانش مندوں کی طرح مسلمانوں کو یہ مشورہ دینے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے قاتل سے جان بچا کر اس پہلے قاتل کے گھر میں پناہ لے لیں جو ماضی قریب و بعید میں ہمارے اور ہمارے مذہب کے حق میں "ننگی تلوار" ثابت ہوا تھا۔

پہلی قسط

رودادِ ابتلاء احمد رائف مصری

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

سنہ ۱۹۶۵ء میں جب سید قطب اور اخوان المسلمون کے دیگر افراد کو جمال عبد الناصر کی حکومت نے گرفتار کیا تھا، ان میں ایک صاحب احمد رائف بھی تھے، جو سنہ ۱۹۷۲ء تک جیل میں رہے۔ رہائی کے بعد انہوں نے اپنے ایامِ اسیری کے حالات کتابی صورت میں شائع کئے ہیں کتاب کا نام "البوابۃ السوداء" (سیاہ دروازہ) ذیل میں اسی کتاب کا ترجمہ "رودادِ ابتلاء" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ مترجم۔

"صرف پانچ منٹ...... ابھی ہم واپس آجائیں گے"

میجر محمد عبد الغفار ترک نے مجھے گھر سے گرفتار کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے۔ ۲۵ / اگست سنہ ۱۹۶۵ء کی صبح کو یہ گرفتاری عمل میں آئی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میجر کا رویہ میرے ساتھ شریفانہ تھا، اس کٹھن دن کا سورج چڑھنے کے ساتھ ہی اس نے مجھے قلعہ کے حوالات (جس میں سیاسی نظر بند رکھے جاتے ہیں۔) کے سپرد کر دیا۔

میں امریکی مصنف جان چانک کا ڈرامہ "آدمی اور چوہے" پڑھ کر فارغ ہی ہوا تھا۔ رات کا ایک بجا چاہتا تھا، کہ دروازے کی گھنٹی بجی، رات کے اس ہولناک سمے میں دستک دینے والے صاحب سمیر الھضیبی تھے، ان کا چہرہ بڑا مردہ تھا، نگاہیں تھکی ہوئی تھیں اور وہ سراسیمگی میں ڈوبے ہوئے تھے، ہم پاس پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے نئی خبریں سنانی شروع کر دیں۔ بتانے لگے کہ ہمارے دوست یحییٰ حسین

جو ایر کمپنی میں پائلٹ ہیں۔ خرطوم کے راستے اوپس ابابا جا رہے تھے، جب انہوں نے اپنا خرطوم میں اتار اتو وہاں سے وہ یکایک غائب ہو گئے ہیں۔ — یہ خبر سنتے ہی مجھ پر سراسیمگی چھا گئی، میں نے سوچا یہ ہمارا دوست یحییٰ حسین، جس نے زرعی کالج سے فراغت حاصل کی، پھر شہری ہوابازی کے انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہوا۔ اور پائلٹ بن گیا اسے اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی۔ کالج کی ایک ہم سبق لڑکی کے ساتھ اس نے شادی کر لی۔ اب اس کے یہاں دو پیاری سی بچیاں ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام میری یادداشت کے مطابق سمیّہ ہے، یہ نوجوان بڑی پرسکون زندگی بسر کر رہا ہے۔ کوئی بات اس کے عیش کو منغص کرنے والی نہ تھی، میرے علم کے مطابق اسے کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا،

میں نے سمیر سے پوچھا: یہ خبر آپ کو کیسے معلوم ہوئی۔؟ اس نے جواب دیا۔ میں اپنے بھائی محمد الغنام اور ضیا طوبجی کے پاس بیٹھا تھا۔ ان لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، میں نے پھر پوچھا کہ: یحییٰ حسین پر آخر کیا اُفتاد پڑی؟ سمیر نے مجھے حسرت واندوہ میں ڈوب کر جواب دیا: مجھے کچھ معلوم نہیں ہے یہ لوگ مختلف باتیں اور قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ سب سے انوکھی قیاس آرائی یہ کی گئی ہے کہ سی آئی اے نے اسے اغوا کرایا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خرطوم ایرپورٹ کے کیفے ٹیریا میں قہوے کی ایک فنجان پینے کے لئے گیا اور وہاں اس پر یکایک بیہوشی کا دورہ پڑ گیا۔ یا عارضی طور پر اس کی قوت یادداشت مسلوب ہو گئی۔ اس بات نے ایک رخ اور اختیار کر لیا ہے،

سمیر نے کہا: یہ بڑی پختہ خبر پھیل رہی ہے کہ حکومت اخوان المسلمون کے لوگوں کو گرفتار کر رہی ہے میں یوں سوچنے لگا کہ: حسین کی گمشدگی کا کہیں گرفتاریوں کی خبر سے تو تعلق نہیں! بہرحال ہم اِدھر اُدھر کے تیر تکے چلاتے رہے اور لاحاصل تجزیے، تاویلیں اور قیاس آرائیاں کرتے رہے اسی میں صبح کے تین بجنے لگے۔ میرے دوست نے مجھ سے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ مجھے یہ تفکر انگیز خبر سنا کر چلا گیا۔ اور میں نے اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دیا۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ڈرائنگ روم میں کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ ڈرائنگ روم کی روشنی جل رہی ہے میرا خالہ زاد بھائی رمزی، جس کے ہاں میں رہ رہا ہوں، وہاں کھڑا ہے۔ اور اس کے چہرے پر دہشت، حیرت، اور اضطراب کے آثار طاری ہیں۔ مکان کا دروازہ زور سے بجا رمزی نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا: " یہ خفیہ پولیس کے لوگ ہیں۔ اب کیا خیال ہے؟ دروازہ کھول دینے کے سوا اور کیا خیال ہو سکتا تھا، نیند آنکھوں سے اڑ گئی، پولیس افسر اندر گھس رہا ہے اور اس کے ساتھ سپاہیوں مخبروں کا ایک جتھہ ہے جنھوں نے ریوالور تان رکھے ہیں۔ میں حواس باختہ ہو گیا۔ خفیہ پولیس یہاں کیسے۔ یہ کیا چاہتے ہیں کیا ان کی آمد یحییٰ حسین کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں، ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چچا ہاشم چوکیدار بھی اندر گیا — یہ چوکیدار بھی ...... مصر کا باشندہ ہے ہماری طرح کچھ نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔

رمزی نے پولیس افسر سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟

پولیس افسر! میں ہوں میجر عبدالغفار، ترک

رمزی! میں آپ کا شناختی کارڈ دیکھ سکتا ہوں؟

اس سوال پر سپاہیوں اور مخبروں کی ٹولی ہمیں بڑی غضب آلود نگاہوں سے دیکھنے لگی میجر نے کارڈ نکالا اور ہماری آنکھوں کے سامنے اسے گردش دی۔ ہم اس میں سے کوئی چیز نہ پڑھ سکے، ہماری نظریں پتھرا چکی تھیں۔ اور کارڈ کی سیاہی اور سفیدی میں تمیز نہ کر رہی تھیں۔ پولیس نے چچا ہاشم کو باہر نکال دیا۔ جو سخت پریشان تھا، اور ایک سپاہی کو حکم دیا کہ دروازہ بند کر دو، حیرت زدہ نگاہوں پر گو خاموشی چھا گئی تھی، مگر وہ اُچک اُچک کر بھی دیکھ رہی تھیں۔ سانس کی بے ترتیبی صاف سنی جا رہی تھی۔ پولیس افسر کی آواز نے مہر سکوت توڑ دی، وہ میرا نام لے کر پوچھنے لگا، آپ میں سے رائف کون ہے؟

میں ہوں۔

تمہارا کمرہ کونسا ہے؟

میں نے کمرے کی طرف خاموشی کے ساتھ اشارہ کر دیا۔

وہ کمرے کی طرف منہ کر کے وہ کہنے لگا:

ہم اس کی تلاشی لے سکتے ہیں!

رمزی نے اسے روکنے کی کوشش کی اور تفتیش کے احکام کا مطالبہ کیا۔ پولیس افسر نے ایک تلخ اور تمسخر انگیز مسکراہٹ کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے رمزی کو اس بے فائدہ کوشش سے روک دیا۔

تلاشی کے لئے ہم سب کمرے میں داخل ہو گئے

سپاہی گھر کے کونے کونے کے اندر پھیل گئے میں پولیس افسر سے دریافت کرنے لگا کہ کیا میں اس تمام کاروائی کی وجہ معلوم کر سکتا ہوں؟ یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ لوگوں کو کس چیز کی تلاش ہے؟ میرے ذہن میں یہ مجنونانہ خیال آیا کہ شاید یہ لوگ یحییٰ حسین کی تلاش میں ہیں لیکن اسے کیوں ڈھونڈ رہے ہیں۔؟ خفیہ پولیس سے کیا تعلق ہے؟ کیا یہ سب کہانی اخوان کے لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے تو نہیں ہے؟ پولیس افسر کے جواب پر چونک پڑا، اس کا جواب نہایت ہی شریفانہ لہجے میں تھا: ہم تمہاری کتابوں اور کاغذات پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں،

یہ سنتے ہی میں طیش میں آگیا۔ کتابیں! میری زندگی کا سب سے مقدس ترین سرمایہ ہیں۔ میں نے انہیں نہایت محفوظ مقام پر رکھا ہے۔ انہیں چھیڑنے کی کسی کو اجازت نہیں ہو سکتی ـــ مجھے شاید غصہ آیا۔ مگر اسے پی لیا۔ اور اس وقت غصہ پی لینے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ کتابوں اور کاغذوں کو الٹ پلٹ کیا جاتا رہا۔ انہوں نے مختلف علوم وفنون کی کتابوں میں سے ایک نہایت قیمتی ڈھیر چن لیا اور انہیں موٹروں میں رکھ لیا۔ جو نیچے مکان کے سامنے کھڑی تھیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جب ہمارے گاؤں میں میرے چھوٹے بھائی کو گرفتار کرنے کے لئے گئے تھے، تو وہاں بھی۔ انہوں نے میری کتابوں کے آٹھ صندوق ـــ جو میں نے وہاں محفوظ رکھی ہوئی تھیں ـــ اٹھا لیے تھے ـــ بہر حال تلاشی مکمل ہو گئی۔ میں یہ اندازہ لگانے لگا۔ کہ اب اس کے بعد کیا ہو گا۔ اتنے میں پولیس افسر بولا۔

آپ کپڑے پہن سکتے ہیں۔؟

کیوں نہیں۔ لیکن کس لئے؟

میجر نے دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ بات کچھ نہیں ہے۔ انٹیلی جنس کے دفتر میں معمولی سی۔ پوچھ گچھ ہوگی، ہم پانچ منٹ میں واپس آجائیں گے۔ میں نے تامل کرتے ہوئے کہا۔ رات کے اس آخری حصہ میں؟ میجر نے اس بار قدرے شدید لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا: "جی ہاں، رات کے . . . اسی آخری حصہ میں!"

میں سمجھ گیا اب بحث فضول ہے۔ بڑے سکون کے ساتھ کپڑے پہن لئے اور مکمل سپردگی کے عالم میں میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ گو موسم بڑا گرم تھا، مگر نہ معلوم میں نے اون کے بھاری ... کپڑے کیوں پہن لیئے۔

فجر دم کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ موٹر نیند میں ڈوبے ہوئے استونیسے قاہرہ کی سڑکیں غیر معمولی سرعت کے ساتھ طے کر رہی تھی۔ میجر ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا، میں پچھلی سیٹ پر مخبروں کے درمیان بیٹھا اپنے انجام پر انگشت بدندان تھا، دو سپاہیوں نے میری باہیں پکڑلیں گویا ان میں سے ایک نگران فرشتہ تھا۔ اور دوسرا سائق، میرا ذہن طرح طرح کے سوالات سے ابل رہا تھا۔ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے میں مجھے کچھ دیر نہ لگی۔ کیوں کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ان کا جواب مجھے مل چکا تھا۔ ایک ایسا دن جو میری زندگی کا سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرتناک دن تھا۔

خفیہ پولیس کے دفتر میں جب ہم داخل ہوئے تو اس وقت صبح بڑی شکستہ رفتاری سے اور اکتاہٹ کے ساتھ پھوٹ رہی تھی۔ پورا دفتر سکوت کے عالم میں غرق تھا، بڑا وحشت انگیز دفتر تھا۔ گویا کوئی قبرستان ہے۔ پہلی نظر میں مجھے یہ ماحول ایسا ہی محسوس ہوا۔

مخبروں کے گھیرے میں میں گاڑی سے اترا۔ میجر کے پیچھے پیچھے ہم چل دیئے۔ جس نے قاہرہ کے دوسرے اکثر انسانوں کی طرح قمیص اور پتلون پہن رکھی تھی۔ شاید سڑک پر چلتے ہوئے سینکڑوں لوگوں کے ہجوم میں آتے جاتے کبھی میرا اس سے آمنا سامنا بھی ہوا تھا، مگر کیا اس دور میں یہ تصور بھی کرسکتا تھا کہ اس مرنجاں مرنج شخص کے ہاتھ میں انسانوں کی تقدیریں ہیں --- جی ہاں یہی مرنجاں مرنج انسان ہے جو کسی شخص کو بھی اس کے گھر سے جب چاہے پکڑ سکتا ہے۔ اور جہاں چاہے اسے لے جاسکتا ہے اس کے لئے صرف ایک چھوٹا سا کارڈ دکھا دینا ہی کافی ہے۔ کارڈ بھی ایسا جسے کوئی شخص اچھی طرح پڑھ نہیں سکتا۔ مگر وہ کارڈ کیا ہے، گویا سلیمانؑ کی انگشتری ہے جس کی تاثیر سے تمام مقفل دروازے یکا یک وا ہوجاتے ہیں۔ یا الٰہ دین کا چراغ ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کارڈ دکھائے بغیر بھی جو چاہے کرسکتا ہے اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا۔ اس سے بھی بڑھ کر تلخ حقیقت یہ ہے کہ ان دنوں مصر کی حالت یہ تھی، کہ ہر سرکاری افسر جو چاہے کرسکتا تھا، کوئی اس کا حساب لینے والا یا (۳۱) پر گرفت کرنے والا نہ تھا، مگر کوئی اس سے سوال تک کرلے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

اگر کسی پولیس افسر کا کسی شہری سے کوئی جھگڑا ہے وہ پولیس افسر بڑی آسانی اور بیحد سادگی کے ساتھ سپاہیوں کی ایک پارٹی لے کر اس مسکین کے گھر چلا جائے گا اور اسے گرفتار کرکے ایسی جگہ پہنچا دے گا، جہاں اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی۔ اور گرفتار کرلینے کے کئی ماہ بعد اس کی گرفتاری کا معاملہ ریکارڈ پر لاجائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ اس مسکین کا بیان لے لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی بیان نہ لیا جائے اور وہ سالوں جیل میں سڑتا رہے۔

ان سنگین ایام میں سب سے زیادہ حیرت انگیز جو صورت پیش آیا کرتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ کوئی شہری جب انکوائری افسر کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی گرفتاری کا خود ہی کوئی وزنی اور معقول سبب بتائے، ایسا نہ کرنے والے کیلئے عذاب الیم ہے۔ جی ہاں ایسی ہی صورت حال سے انسان گزر رہے تھے،

بعد میں مجھ پر جو کچھ گذری اسی زمانے کی بات ہے کہ میں فوجی جیل میں ملٹری انٹیلی جنس کا مہمان تھا ایک روز دفتر کے باہر اپنی تحقیق کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، ایک آدمی کو طلب کیا گیا۔ اور متعلقہ افسر کی طرف سے اس کی گرفتاری کی وجہ پوچھی گئی۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے وجہ معلوم نہیں۔ اور وہ بیچارہ واقعی اپنی گرفتاری کی وجہ سے بے خبر تھا۔ افسر تحقیق نے تعذیب دینے والے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو ذرا مزا چکھاؤ۔ چنانچہ پورے آٹھ گھنٹے تک اسے کبھی کوڑوں سے مارا گیا۔ اور کبھی لوہے کی سلاخوں سے داغا گیا اور وہ بیچارہ حقیقت حال سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تاکہ اسے کوئی ایسا جواب القاء ہو جائے۔ جسے پیش کر کے وہ اس دوزخ سے نجات پا سکے۔ جس کے دروازے یکایک اس کے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔ اتنے میں مجھے ایک انکوائری افسر کے پاس بھیج دیا گیا پھر مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا گزری۔

ایک اور بدقسمت انسان کی کہانی سن لیجئے یہ ایک ہی عمارت میں ایک فوجی افسر کے پڑوس میں رہتا تھا، ایک مرتبہ اس کی بیوی اور فوجی افسر کی بیوی باہم لڑ پڑیں، فوجی افسر نے اس سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ جب ۱۹۵۴ء میں عام پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو وہ شخص بھی گرفتار کر لیا گیا۔ فوجی افسر کو انتقام لینے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ایک مرتبہ اچانک اس نے فوجی جیل کے صحن میں اپنے پڑوسی کو دیکھ لیا۔ چنانچہ اس نے متعلقہ ریکارڈ میں اس کا نام بھی درج کر دیا۔ چند ہی لمحے گذرے تھے کہ اس شخص کو بھی دوسرے بے شمار نظر بندوں کے ساتھ فوجی ٹرک میں لاد کر فوجی عدالت (جسے پیپلز کورٹ عوامی عدالت کہا جاتا ہے) بھیج دیا گیا۔ اس کی بدنصیبی میں مزید اضافہ یہ ہوا کہ اس روز فوجی عدالت کی طرف سے کسی کارروائی کے بغیر ہی ملزموں کو سزائیں سنا دی گئیں۔ تمام ملزموں کو خوف و ہراس کی فضا میں دو قطاروں میں کھڑا کر دیا گیا۔ ایک فوجی سپاہی آیا اس نے ہر قطار کے لوگوں کے نام ایک فہرست میں درج کر لئے اور پھر ایک حوالدار آیا اور اس نے بے ہنگم طریقے سے باآواز بلند یہ اعلان کیا کہ دائیں بازو والی قطار کے اندر جو لوگ ہیں عدالت نے انہیں دس سال بامشقت کی سزا دی ہے۔ بائیں بازو والی قطار کے لوگوں کو مزید پانچ سال سزا بھگتنی ہوگی۔ یعنی ۱۵ سال اس روز یا اس سے اگلے روز مذکورہ بالا فوجی افسر کا مسکین ہمسایہ لیمان طرہ کی جیل میں ڈال دیا گیا جہاں وہ برسوں جبل مقطم کے دامن میں سورج کی شدید تمازت کے اندر پتھر توڑنے کی مشقت سرانجام دیتا رہا۔

خیر...... ہم ۲۵ ر اگست ۱۹۶۵ء کی صبح

ذکر کرتے ہیں۔ ہم ملٹری انٹیلی جنس کے دفتر میں پہنچ چکے تھے۔ میجر اڑاس کے ہمراہ سپاہی پھرتی کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا، مگر قدم بھاری ہو رہے تھے، میں قلق و اضطراب میں مبتلا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں کسی ایسے انجام کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ جس کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ہے۔

اس وسیع و عریض عمارت کے اندر ایک انسان بھی نظر نہ آرہا تھا۔ کیا یہی انٹیلی جنس کا مرکز ہے جس کا نام سنتے ہی بہادر سے بہادر انسان کا پتہ بھی پانی ہو جاتا ہے میں نے میجر کو جھنجھوڑ کر کہا کہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اور کیوں لے جا رہے ہو؟

میجر نے میری چیخ و پکار پر کچھ کان دھرا۔ وہ اب اور ہی انسان بن چکا تھا، کچھ دیر پہلے تک وہ مجھ سے بڑی نرمی اور مٹھاس سے باتیں کرتا تھا، مگر اب اس کا طرز بدل چکا تھا۔ وہ مجھے دو محافظوں کے حوالے کر کے خود ایک کمرے میں چلا گیا۔ میں دیر تک وہاں کھڑا رہا خاموش اور مضطرب میرے تصور میں یہ تھا کہ اتنی بڑی بلڈنگ "بے رحم پہرہ داروں" اور "شہاب ثاقب" سے بھری ہوئی ہوگی۔ مگر وہاں ایسی کوئی چیز دکھائی نہ دے رہی تھی۔ تاہم میں سوچ رہا تھا کہ یہ خوفناک سناٹا یقیناً اپنے اندر کوئی بات پنہاں رکھے ہوئے ہے جس کی تہ میں نہیں سمجھ رہا ہوں، اور میری اس قدر کیف حالت ہو گی۔ جب چاروں طرف سے میرے اوپر بلائیں ٹوٹ پڑیں گی۔

میں نے ایک پہرہ دار کو دیکھا وہ مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے بیخودی کے عالم میں یہ سوال کر ڈالا۔

کیا وہاں تعذیب دی جاتی ہے؟

کہاں؟

جہاں تم مجھے لے جا رہے ہو؟

پہرے دار نے مجھے تکتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا کیا تم پہلی بار گرفتار ہوئے ہو؟

اب بات کھلی کہ میں گرفتار ہو چکا ہوں مگر سبب گرفتاری کا کیا ہے؟ کچھ معلوم نہیں "گرفتار" کا لفظ میرے کانوں کے لئے سخن غیر مانوس تھا۔

اب میں نے اس صورت حال کا گہرا جائزہ لینا شروع کیا، میجر نے کہا تھا کہ پانچ منٹ میں واپس آتے ہیں۔ مگر اس کی بات درست نہیں ہے۔ پہرہ دار کی آواز پر پھر چونکا۔ بہرحال آپ مت گھبرائیے میں نے کہا: کیوں نہ گھبراؤں؟ کہنے لگا: معمولی مار دی جائے گی۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرہ ہے۔ اس پھندے سے میں کیسے نکلوں، معمولی مار؟ معمولی مار اور غیر معمولی مار میں کیا فرق ہے؟ اس وقت تک میں معمولی مار اور غیر معمولی مار میں فرق نہ کر سکا تھا، مگر بعد میں، میں سمجھ گیا کہ "معمولی مار" اور "غیر معمولی مار" میں زمین و آسمان کا فرق ہے آگے میں بتاؤں گا کہ کیا فرق ہے۔

میجر جس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ مجھے بھی اسی کمرے میں داخل کر دیا گیا۔ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے صبح کی نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ مجھے یہ اجازت دے دی گئی، میں نے میجر سے قبلہ کا رخ دریافت کیا، اس نے لاعلمی کا اظہار کیا مجھے یاد آگیا کہ ایسے موقع پر جس سمت بھی اطمینان ہو جائے میں نماز پڑھ سکتا ہوں۔

میجر نے ان تمام خطوط اور کتابوں کو اور بعض مقامات کی، جو میں نے تاریخ اسلامی کے بارے میں لکھے تھے، اور میری جائے قیام سے قبضہ میں لے لئے گئے تھے۔ ایک فہرست تیار کی، پھر مجھے قلم

تھماتے ہوئے کہنے لگا، اس فہرست پر دستخط کر دو۔ میں نے دیکھا کہ جو کتابیں اس نے میرے ہاں سے اٹھائی تھیں ان میں سے اکثر اس فہرست میں درج نہیں ہیں۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ اور پورے سکون اور دلجمعی سے اس پر دستخط کر دیئے چند منٹوں کے بعد ہم دوبارہ گاڑی میں سوار ہو گئے اور قاہرہ کی مختلف سڑکیں عبور کر گئے، منیجر نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ ہمیں "اوپر" لے چلے۔ یہی لفظ تھے،

قلعہ کے برج نمودار ہوتے، اور قریب ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ میری نظروں میں یوں جھلکنے لگے، جیسے کوئی دیو آسمان کو سینگ مار رہا ہو۔ نہ معلوم مجھے کیوں اس وقت یہ محسوس ہوا، کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی روح میرے سامنے جلوہ افروز ہے اس عظیم انسان کی روح جس نے مصر کو مصر کی رومن سلطنت کے مظالم سے نجات دلائی تھی۔ اور اس عظیم انسان کی برکت سے ہیں آج مسلمان ہیں۔ اسی وقت مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ اسلام کی روح سنگین حالات اور کٹھن آزمائشوں کے باوجود قاہرہ کے در و دیوار پر چھائی رہے گی۔

گاڑی عجیب و غریب ٹیڑھی اور پیچدار سرنگوں کے اندر سے گذرتی رہی اور ہیں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اب کوئی عام شخص ادھر ادھر چلتا نظر نہیں آرہا تھا۔ سرنگیں صرف سپاہیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جنھوں نے رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔ اور ان کی نوکوں پر چمکتی ہوئی سنگینیں آویزاں تھیں۔ انھوں نے سروں پر آہنی خود داڑھ رکھے تھے گویا۔ وہ کہیں جنگ کو جا رہے ہیں۔ ایک دروازے کے پاس پہنچ کر ہم گاڑی سے اتر پڑے ہیں۔

نے اندازہ لگایا کہ میرے ساتھیوں کا سلوک اب میرے ساتھ زیادہ سخت ہوتا جا رہا ہے۔ ہم ایسی جگہ داخل ہو گئے جیسے ہم کسی بڑے محل کے اندر کسی قدیم قبر کے اندر ہو رہے ہوں — ہم دراصل قلعہ کی جیل کے دروازے پر تھے۔ اسی جیل میں ایسا خون آشام ڈرامہ دیکھا جو عہد گذشتہ میں محمد علی پاشا کے خونی ڈراموں سے بھی زیادہ انسانیت سوز تھا — مجھے یاد ہے کہ اس جیل میں میں نے اگلے ہی روز ایک انسان کی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائی تھی۔ جو اس خون آشام ڈرامہ کی بھینٹ چڑھ گیا تھا — اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(باقی)

بقیہ:- افہام و تفہیم ......

سلسلہ میں اپنی اس شرمناک روش سے باز آکر یکسوئی کے ساتھ اپنی "چھ باتوں" پر عمل پیرا ہوتے۔ اگر واقعی انہیں جماعتِ اسلامی پر کوئی اعتراض ہے تو براہِ راست جماعت کے ذمّہ داروں کی طرف رجوع کرتے۔ اور سنجیدگی اور ٹھوس استدلال کے ساتھ سامنے آتے۔

مستقل عنوان

از ملا ابن العرب مکی

بقول ایک ترقی پسند شاعر کے معشوقۂ بہار کے دانتوں میں ابھی مشاطۂ فطرت کی زرنگار کرنوں نے خلال نہیں شروع کیا تھا کہ فدوی کا لحاف کھینچ لیا گیا اردو میں یوں سمجھئے کہ ابھی صرف سات بجے تھے اور جنتری کے مطابق طلوعِ شمس میں ابھی دس منٹ باقی تھے لیکن فدوی کا سورج موسم سرما میں اب نو بجے سے پہلے طلوع نہیں ہوتا۔ اب سے مراد یہ ہے کہ حالیہ دو سالوں سے قبل فدوی بھی صبح خیزی کے مرض میں مبتلا تھا۔ لیکن خدا بھلا کرے صوفی نجیب الحسن بختیاری رحمۃ اللہ علیہ کا، جب ان سے ملاقات ہوئی تو کتنے ہی حقائق کا انکشاف ہوا، وہ عاجز کو ازراہِ بندہ نوازی اپنے ساتھ درگاہ میں لیجاتے تھے وہاں ختم شریف ہوتا، پھر بارہ بجے تک قوالی کا دور چلتا۔ واپسی میں مجھے ایک بج جاتا اور سونے کی نوبت دو بجے آتی نتیجہ ظاہر ہے۔ سحر خیزی کا پرانا مرض آپ سے آپ کافور ہو گیا۔ نو بجے آنکھ کھلتی تو دس بجے ناشتہ ہوتا، موصوف سے شکوہ کیا کہ حضرت درگاہ کی عبادتیں صبح کی نماز کو کھا گئی ہیں۔

جواب ملا "درگاہ میں گذارا ہوا ایک لمحہ ہزار سال کی عبادتوں کے برابر ہے قرآن میں نہیں پڑھا "لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ" فدوی چونکہ عربی سے کورا ہے آیت کا مطلب دریافت کیا فرمانے لگے،

"اللہ جل شانہٗ حبیب پاک کے صدقے سے فرماتا ہے کہ ایک لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے لیلۃ القدر سے مراد اہل سنت والجماعت کے علماء حقہ کے نزدیک وہی رات ہے جو اولیاء اللہ کے قدموں میں گذرے"

"مگر فدوی نے سنا ہے کہ درگاہ فلفلی میں کوئی دیوانہ دفن ہے"

"استغفر اللہ۔ کیا کفر بکتے ہو، وہ شاہ بختیاری بلبل تھے زبردست مجذوب تھے، انکی قطبیت تو مشرق و مغرب کے تما اولیاؤں نے تسلیم کی ہے"

"بیشک بے شک۔ معلوم ہوتا ہے مولوی نفیس احمد بھی یہی کہہ رہے تھے کہ درگاہ فلفلی میں جو قبر ہے اس میں ایک پاگل دفن ہے جو افیم کھا کھا کر پاگل ہو گیا تھا"

"تم ایسے مردوں کی صحبت میں نہ بیٹھا کرو، وہی مولو نفیس احمد ہیں نا جو وعظ میں بکا کرتے ہیں کہ رسول اللہ بش

"جی ہاں"

"لاحول ولا قوۃ۔ وہ تو پیدائشی وہابی ہے کمبخت نا تو رسول کو حاضر و ناظر مانتا ہے نہ اولیاء اللہ کے قدموں میں حاضر دیتا ہے، پکا جہنمی ہے"

اس دن سے مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ نماز صبح کی خاطر کی قوالی اور دیگر اشغال مخصوصہ کا ترک نقصان کا سودا ہے عرض یہ کر رہا تھا کہ ٹھیک سات بجے لحاف کھینچ لیا گیا، کھینچنے خود ایڈیٹر تجلی تو نہیں تھے، مگر کارفرمائی یقیناً انہی کی تھی کھینچنے والا ایک ایسا شخص تھا جسے آپ میری بیوی بھی کہہ سکتے ہیں بھیا یعنی مدیر تجلی کی موجودگی میں میری بیوی نہیں رہتی بلکہ "شخص" بن جاتی ہے شخص کا لفظ میں حضرت پرویز صاحب کی جدید لغات القرآن کی رو سے بول رہا ہوں۔ اس بے مثال لغت نے الفاظ کی معانی لینے کی جو لطیف ترکیب سمجھائی ہے اس کے اعتبار سے "شخص" ایسے جاندار کو کہیں گے جس کی خود اعتمادی ربوبیت کاملہ کا مظہر اتم ہونے کے باوجود داخلی طور پر جوہر حیات کے شعور و ادراک سے تہی مایہ ہو

ویسے شخص کے ایک یہ معنی بھی منہاج اللغات میں آتے ہیں کہ ہاتھوں سے مارے اور آنکھوں سے معافی مانگے۔ بیگم صاحبہ کی یہی کیفیت تھی لحاف تو بھیا کے آرڈر پر انھوں نے کھینچ لیا تھا لیکن آنکھوں میں استغفار اور چہرے پر ہوائیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ پہلے ہی دن میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فتنہ کی حرکت ہے فتنہ عاجز کا خاندانی ملازم ہے اس بیچارے کے والدین اسی وقت فوت ہو گئے تھے، جب وہ اکسٹھ سال کا تھا اب اس کی عمر پینسٹھ ہے لیکن عقل کے اعتبار سے آج بھی وہ نابالغ ہی ہے، جب کبھی میں اس کی کسی حماقت پر برسنا شروع ہوتا ہوں تو بیگم صاحبہ تڑپ اٹھیں بلکہ درد بھرے لہجے میں فرماتی ہیں۔

"چچ چچ۔ رہنے دیجئے بیچارہ یتیم و یسیر ہے"

میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

میں اس سے بھی بڑا یتیم و یسیر ہوں بیگم" میں جھلا کے کہتا ہوں" میری والدہ تو میری پیدائش سے دس سال پہلے فوت ہو گئی تھیں"

تو میں سمجھا کہ بیگم کے سکھائے پڑھائے میں آکر فتنو لحاف کھینچ بیٹھا ہے بیگم کی وہابیت اور میری رات کی قوالی بازی سے بڑی چڑ تھی، میں آنکھیں بند کئے کئے فرط غضب میں دہاڑا،

لیکن آنکھیں کھلنے پر بیگم پر نظر پڑی تو طبیعت چہ رنگ ہو گئی ظاہر ہے مہبوبیں صدی کا سب سے بڑا وہابی ایڈیٹر تجلی آس پاس ہی کہیں موجود تھا ورنہ اسکی بہن، جسے نیرنگ زمانہ سے میری بیوی کہا جاتا ہے، ستر برس بھی لحاف کھینچنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

"اب اٹھ جائیے بھیا منتظر بیٹھے ہیں" وہ جلدی سے لپکتا ہوئیں۔

"کہاں بیٹھے ہیں ..... پاگل ہوئی ہو آدھی رات کو تمہارے بھیا کہاں سے آگئے"

"یہ تم انہی سے پوچھ لو..... باورچی خانے میں چائے پی رہے ہیں"

"استغفر اللہ"

میں مجبوراً اٹھ کھڑا ہوا، جلدی جلدی وضو کر کے بہت دنوں میں نماز فجر علی الحساب پڑھی، مگر پڑھی! عام طور پر چار رکعتیں میں تین منٹ میں پڑھتا ہوں، کیوں کہ پیر و مرشد صوفی نجیب الحسن رحمتہ اللہ علیہ کی رفتار یہی تھی۔ ان کا وعدہ تھا کہ مرشد کے نقش قدم پر چلو گے، تو بے حساب جنت میں پہنچاؤں گا۔ لیکن آج تقریباً پندرہ منٹ اس خیال سے لگائے کہ ایڈیٹر تجلی کی بد گمانی کچھ تو کم ہو یہ ایک الگ بات ہے کہ جب فرض کا پہلا رکوع کرتے ہوئے کنکھیوں سے باورچی خانے کی طرف دیکھا تو دیوار پر لرزتی ہوئی سورج کی کرن صاف نظر آرہی تھی۔

بارے سلام علیک ہوئی وہ وہابیوں کے انداز میں رومال لپیٹے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے کٹا پھٹا سا جواب سلام دیکر غرائے" شرم آنی چاہئیے تمہیں۔ اتنی بڑی رات ہوتی ہے اور پھر نماز فجر کی توفیق نہیں"

جی میں تو آئی ترکی بہ ترکی کہدوں۔ معاف کیجئے جناب میں وہابی نہیں ہوں کہ اس کڑاکے کی سردی میں لحاف جیسی نعمت ربانی کا حق شکر ادا کرنے کے عوض ہوا بھاگتا تہجد پہنچوں اور روحانیت کا سارا سرمایہ ناک رستے پانی بنا کر بہا دوں"

مگر زبان ان کی سامنے چل سکتی تو رونا ہی کس بات کا تھا، بمشکل عرض کیا۔

"تہجد کے بعد ذرا اونگھ آگئی تھی۔

"اب شاید اشراق پڑھ کر آرہے ہو، افسوس چہل سال عمر عزیز گزشت ......"

ان کا لہجہ بڑا دردناک تھا۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں جناب" میں نے انکا موڈ بدلنے کی سعی کی" میری عمر ابھی پینتیس سے آگے نہیں بڑھی نو چندی جمعرات کو پینتیسواں پورا ہو گا،

"خیر خیر" وہ بیزاری سے بولے" تمہاری قبر میں مجھے نہیں سونا" یہ لو ......" انھوں نے ایک لفافہ مجھے پکڑایا" آنے والے تجلی کیلئے اس پر کچھ لکھ لو آج ہی کاتب کو دینا ہے"

میں نے لفافہ کھولا۔ اس میں ایک عدد پوسٹر تھا اور ایک خط "لیکن اس میں تو آپ سے مشورہ طلب کیا گیا ہے" میں نے خط پڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ مگر میں تمہارے سپرد کر رہا ہوں، انسانیت کے دائرے میں رہ کر لکھنا"

میں نے پوسٹر پڑھا۔ انسانیت کی بھونک تو اس کے عنوان ہی پڑھ کر نکلنے لگی، آگے جوں جوں پڑھا اندر کا پُرانا مُلّا جاگنے لگا، سردی کافور ہوگئی، ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"انسانیت کی قید تو بڑی سخت ہے" میں نے احتجاج کیا" یہ پوسٹر کسی انسان کا نہیں صوفی کا لکھا ہوا ہے"۔

ان کے لبوں پر پھیکی سی ہنسی آئی "تم تو صوفی نہیں ہو"۔

"برابر ہوں، آپ کو معلوم ہے پہلے میرے پیر بو قلندر رحمۃ اللہ علیہ تھے، پھر وہ واصل بحق ہوئے تو میں کے خواجہ نجیب الحسن بختیاری ......"

"بکواس بند کرو، مضمون شام تک کاتب کو پہنچ جائے"

"پہنچ جائے گا، مگر آپ افسردہ کیوں ہیں"

"پھر کیا ایسے پوسٹر دیکھ کر بشاش ہونا چاہیئے"

"لاحول ولا۔ بھلا ان پوسٹروں کی پروا اور آپ؟"

"چھوڑو"

"نہیں جناب اگر آپ بھی ان ہفوات و ہذیانات سے متاثر ہونے لگے تو میں کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردونگا۔"

"کیا بات ہوئی!"

"یہ بات ہوئی کہ جب بھی میں دفتر کی طرف جاتا ہوں لالہ قصائی کا کتا بھونک بھونک مجھے چیلنج کرتا ہے لالہ قصائی کا دعویٰ ہے کہ میرا کتا سات پردوں میں وہابیوں کو پہچان لیتا ہے"۔

"میں اس وقت تمہاری ظرافت سے محظوظ نہیں ہوسکوں گا عزیزم زمانے کی نزاکت دیکھو اور ان بریلویوں کے وطیرے ملاحظہ کرو۔ یہ تو اتنا بھی نہیں دیکھ سکتے کہ امت مسلمہ کو اس وقت کن نازک مسائل کا سامنا ہے"۔

"معاذاللہ! آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ جیسے... بریلویوں کے بھی آنکھیں ہوتی ہیں"

"کچھ بھی ہو ہیں تو وہ مسلمانوں ہی میں شامل"

"ہوں گے، آدمی کے دماغی اسکرو ڈھیلے ہوجائیں تو میرے نزدیک وہ مسلمان ہندو کچھ نہیں ہوتا صرف پاگل ہوتا ہے پاگلوں کی گل افشانیوں پر دل برداشتہ ہونا خود ایک پاگل پن..... اور میرا مطلب ہے آپ کیوں ملول ہوتے ہیں"۔

لیکن وہ جتنی دیر بیٹھے افسردہ ہی رہے افسردگی کی وجہ سے ایک کی بجائے ڈیڑھ پیالی پی گئے۔ جب چلے گئے تو بیگم نے ملائن کی خبر لی "کیوں جی تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ لحاف کھینچ لینے سے نمونیہ بھی ہوسکتا ہے"

"بھیا کا حکم چل جائے تو خیال و بال کا کسے ہوش رہتا ہے"

"بس تو بھیا کے حکم پر مجھے کسی دن ذبح بھی کردینا پھر بھیا سے کہنا گوندلگا کر دن جوڑ دیں"

"کلا تو میں اپنا کاٹوں گی بھائی خلیل کہہ رہے تھے کہ اب درگاہ میں قوالی پڑھنے رنڈیاں بھی آنے لگی ہیں"

"توبہ کرو بیگم توبہ۔ ارے وہ رنڈیاں ہیں۔ جانتی ہو شہناز بانو اجمیر شریف کی ڈیوڑھی دیکھے ہوئے ہے اور یاسین تو کلیر والے میاں کی بلبل ہے ہی........"

"بس بس رہنے دیجئے میں انھیں بھی جانتی ہوں اور آپ کو بھی اچھا قسم کھاکے بتایئے کل شہناز حرّانہ کی چھولداری میں نہیں گئے تھے"

"ارے تم سے کس نے کہہ دیا۔ الّا قسم شہناز سے تو میں تین دن سے نہیں ملا۔ وہ چھولداری اس کی چھوٹی بہن کی ہے"

بیگم نے کھانے والی نظروں سے مجھے گھورا" تو یوں کہئے چھوٹی بہن سے بھی پینگیں بڑھ رہی ہیں"

"العیاذ باللہ" میں نے عین اور ذال کو قلب کی گہرائیوں سے نکالتے ہوئے کہا" وہ بچاری تو بڑی معصوم ہے اس کے بھائی نے کہا ہے کہ میں اسے دو چار چیزیں پھڑکدار یاد کرادوں کل وہ چیز یاد کرائی ہے وہ ہے نا دنیا کا تصبیہ جاگا وہابی دم دبا کر بھاگا....."

نصف گھنٹے ہم میں اسی نوع کا تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ قریب تھا کہ وہ ناراض ہوکر اپنے گھر چلی جائیں۔

ہیں نے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کو بین الاقوامی مسائل کی طرف پھیر دیا عالمی سطح پر انھیں یہ باور کرایا کہ آج کے دور پر آشوب میں ہمارا باہمی اتحاد و اتفاق بہت ضروری ہے۔ لکڑی سوا روپے سے سوا تین روپے من پر پہنچ چکی ہے اور کلکتہ میں وہ مار کاٹ مچی ہے کہ برلن کی سرحدوں پر بکھری ہوئی روسی اور امریکن فوجیں شراب کی جگہ آب زمزم ہی مانگ کر رہی ہیں "۔

بیگم سے تو جوں توں نمٹا ہوا لیکن یہ جان کا لاگو پوسٹر کیسے نمٹے گا یہ سمجھ میں نہیں آرہا، پوسٹر مع خط نقل کرتا ہوں آپ ہی کچھ مشورہ دیں۔

خط بنام ایڈیٹر تجلی

مدیر "ماہنامہ تجلی" ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں آپ کی توجہ جنوبی سنتھال پرگنہ (صوبہ بہار) کے ایک مقام کرما ٹاڑ کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جہاں پر کافی مسلمان آباد ہیں، اس علاقے میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہیں تاہم جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کی کوشش سے یہاں کے لوگ بہت متاثر ہیں اکثر صوم وصلوٰۃ کے پابند نظر آتے ہیں۔ اور آپ کا ماہنامہ تجلی بھی پہنچتا ہے لیکن ادھر چند مہینوں سے بریلوی حضرات نے اس علاقے میں اودھم مچا رکھا ہے ہر ہفتہ جلسہ جلوس کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا ہے،

بطور نمونہ ایک اشتہار بھیج رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا، یہ اشتہار ہر شاہراہ ہر نکڑ پر جگہ بجگہ چسپاں کیا گیا ہے، ہم لوگ اس سلسلے میں ماہنامہ تجلی کے ذریعے آپ سے مفید مشورہ چاہتے ہیں اس کا جواب دینا دینی فرض ہے،

منتظر جواب　　ہارون رشید　　ڈاکخانہ کرماٹاڑ
ضلع سنتھال پرگنہ (صوبہ بہار)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

پوسٹر مطبوعہ بہ رنگت سرخ

تبلیغی جماعت کے متعلق سرکار پٹنہ کا ایک نہایت اہم پیغام

متوسلین، معتقدین، مریدین، اور تمام سنی مسلمانوں کے نام!

جمشید کے مسلمانوں کو یاد ہوگا کہ آج سے چند سال بیشتر یہاں کے ائمہ مساجد نے جماعت اسلامی کی خلاف ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں مسلمانوں کو متنبہ کیا تھا کہ جماعت اسلامی گمراہ اور باطل جماعت ہے، کلی طور پر اس کا بائیکاٹ کرنا چاہئے، لہذا جن بنیادوں جماعت اسلامی کا وہ اشتہار شائع کیا گیا تھا ٹھیک اسی بنیاد پر تبلیغی جماعت کے خلاف عارف زمانہ قطب دوراں۔ تاج المشائخ، فخر بہار حضرت مولانا سید شاہ فدا حسین صاحب قبلہ سرکار پٹنہ کا یہ ضروری پیغام قوم کے نام نشر کر رہا ہوں۔

(سکریٹری بزم صوفیہ)

......

مُبَسْمِلاً وَّمُحَمِّدًا وَّمُصَلِّیًا!

میں نے اپنی کتاب "راہ حق نما" میں اپنے بھائیوں کی ہدایت کے لئے دیوبند کے گمراہ کن اور باطل عقیدوں کی قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح طور پر تردید کی ہے تاکہ لوگ ان کے شر سے اپنے آپ کو بچائیں۔

اس وقت ہندوستان میں تبلیغی جماعت کا ایک نیا فتنہ سر اٹھا رہا ہے جس کے پیچھے وہابی عقیدے کے لوگ کام کر رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ کلمہ ونماز کے نام پر مسلمانوں کو جمع کر کے ان کا عقیدہ خراب کریں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد واعمال کے

خلاف نفرت کا بیج بوئیں اور جماعت حق جب دشت کرتے جائے، تو رسولِ خدا، اولیائے کرام کی بارگاہوں میں گستاخ بنا دیں۔

باوثوق ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ کے پردہ میں وہابی عقائد پھیلانے کے لئے تبلیغی جماعت کو نجد کی وہابی حکومت سے کافی مالی مدد ملتی ہے اور اسی بل پر وہ ہر طرف دینی ایثار کی نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ لہٰذا میں اپنے تمام متوسلین معتقدین، مریدین کو خصوصاً اور تمام سنی احباب کو عموماً متنبہ کرتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کے کلمہ و نماز کی نمائش سے کبھی دھوکہ نہ کھائیں۔ ان کے فتنہ و شر اور فریب دہی سے خود بچیں اور اپنے دوست بھائیوں کو بھی بچائیں، ان کے اجتماع اور تبلیغ گشت میں ہرگز شریک نہ ہوں، میں اپنے مشائخ سلاسل کے روحانی فیضان کی روشنی میں ہر سنی مسلمان کو یقین دلاتا ہوں کہ اور خدا اور رسول کی بتائی ہوئی عرفانی ضیاء میں ہر خاص و عام کو مطمئن کرتا ہوں کہ اسی میں ایمان کی سلامتی، عقیدے کی خیر، آخرت کی بھلائی اور بزرگانِ اسلام کے ساتھ روحانی تعلقات کی حفاظت اور خدا اور رسول کی خوشنودی ہے،

اخیر میں دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہوں کہ خدائے پاک تبلیغی جماعت اور اس کے مثل تمام فرقہائے باطلہ کے شر و فساد سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

فقیر فدا حسین کان اللہ لہ
سجادہ نشین خانقاہ فیاضیہ۔ سملی۔ پٹنہ سٹی

شائع کردہ :- خاکسار نور محمد ابو العلائی مناعمی۔
جنرل سکریٹری۔ بزم صوفیہ۔ صدر دفتر جگسلائی، جمشید پور

اس پوسٹر پر عاجز کا کچھ کہنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہوگا، سورج کو چراغ آسانی سے دکھایا جا سکتا ہے لیکن "سرکاری" اعلان اور فیصلے کے خلاف کچھ کہنا بہت بڑا خطرہ مول لینا ہے سرکار غدّار قرار دے سکتی ہے مقدمے چلا سکتی ہے کچھ بس نہ چلے تو "سیفٹی" ایکٹ کے تحت دھر سکتی ہے،

وہ آپ نے سنا ہوگا پاگل خانے میں ایک پاگل چہک رہا تھا:

"میں پیغمبر ہوں۔ مجھ پر ایمان نہیں لائے تو بھسم ہو جاؤ گے"

سامعین نے ازراہِ احترام سر جھکا دیئے، داد کے ڈونگرے برسائے اور کچھ قہقہے اڑائے، لیکن ایک قطب الاقطاب قسم کا پاگل اوپر ٹانڈ پر چڑھا بیٹھا تھا اس نے سوچا میں اوپر ہوں یہ نیچے ہے نیچے والا پیغمبر ہو تو میرے خدا ہونے میں کیا شک ہے فوراً گرجا

"اے بھائی میں نے تو تجھے مبعوث نہیں کیا پھر تو پیغمبر کہاں سے ہو گیا"

یہ تاریخی قصہ مجھے لفظ سرکار پر مجھے یاد آ گیا ہے مزا ہی آجائے اگر لوک سبھا کا کوئی ممبر سرکار پٹنہ سے سوال کر بیٹھے کہ اے بھائی! ہم نے تو تمہیں سرکار بنایا نہیں پھر تم سرکار کہاں سے بن بیٹھے؟

خیر یہ تو اپنی اپنی پالیسی ہے فدوی خود فکر میں ہے کہ اگر چند روز کے لئے تجلی آفس یا اور کوئی آفس قبضے میں آجائے تو سارے چپراسیوں اور کلرکوں کو لائن میں کھڑا کر کے صاف صاف کہہ دوں کہ اے حکم کے غلامو! آج سے تم ہمیں ہز ہائینس کہو گے، مائی لارڈ بھی کہہ سکتے ہو، حضور عالی بھی چلے گا، زیادہ بہتر سرکار عالی جاہ رہیگا، لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ عالم پناہ یا سلطان زمن کہا کرو، ہماری تصویر لگا کر ایک بڑا سا پوسٹر چھاپو جس میں ہماری طرف سے اعلان کرو کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں عرش پر بلا کر اطلاع دی ہے کہ عرب و عجم کے سارے مسلمان کافر ہو گئے کیوں کہ انھوں نے اپنے وقت کے قطب و مجدد ملا ابن العرب مکی کو نہیں پہچانا

اب بھی موقع ہے کہ وہ ملّا کے آستانے پر سر جھکائیں، اس کی جوتیاں سیدھی کریں اور جتنا نان نفقہ ہو سکے اس کے گھر پہنچائیں، اس اعلان میں ہمارے نام نامی اسم گرامی کیساتھ کم سے کم ذیل کے القاب و آداب ہونے از بس ضروری ہیں۔

زبدۃ الاولیاء، شیخ الاتقیاء، روحٌ مِّنْ ارواح اللّٰہ، عالم پناہ، و عالی جاہ، وزیر الوزراء امیر الامراء، قطب الاقطاب، ہستی نایاب مخزن المکارم، سب سے بڑا عالم، شاہ ہفت اقلیم، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ تو سب خواب کی باتیں ہیں، جن کی تعبیر جوتیاں چٹخانے کے سوا کچھ نہیں، غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اب اس جنت کی ویرانی کا کیا ہوگا جن پر چند سنیوں نے قبضہ جما کر اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے دیوبندی بھی گمراہ۔ جماعت اسلامی بھی گمراہ، جماعت تبلیغی بھی گمراہ اہل حدیث بھی گمراہ یہاں تک کہ حجاز والے بھی گمراہ، رہ گیا کون، صرف سرکار پٹنہ ان کے مریدین و معتقدین بہت ہوا تو مولوی رضا خاں مرحوم کے متوسلین کو بار مل جائے گا، اتنی بڑی جنت اور یہ مٹھی بھر آدمی۔ دوسری طرف جہنم کی وہ کا پیل الامان والحفیظ عاجز کا خیال ہے۔ اگر اللہ میاں کسی بریلوی شیخ یا سرکار پٹنہ سے مشورہ کر کے جنت و دوزخ بناتے تو جنت کے لئے چند سو ایکڑ زمین بہت تھی۔ اس میں کچھ شاندار کوٹھیاں بن جاتیں، جس میں چودھویں صدی کے مادر زاد سنّی رہا کرتے، دس پانچ اسٹیج بن جاتے جن پر میاں کی بلبلیں ناچتیں، قوال گاتے اور صوفیاء رقص کرتے۔ دو چار قبریں بنا دی جاتیں۔ جن پر ہر جمعرات کو عرس ہوا کرتا۔ بس باقی سب زمین جیسے فی الحال جنت کا حصہ بنایا گیا ہے، جہنم میں شامل کر دی جاتی اور قبوری شریعت کے مٹھی بھر متوا[لوں] کے سوا سارے عالم کو دوزخ کی طرف ہانکتا ہوئے فرشتے کہتے۔ چلو پیارے تم نے صو[فیوں] کا بہت دل دکھایا ہے، تم وہابی ہو۔ دیو[بندی] ہو، چکھو مزا۔

آغاز اسلام میں مسلمانوں کا رعب اہل کفر پر کچھ ایسا چھایا تھا کہ جہاں انھ[وں] نے سنا مسلمانوں کے لشکر آرہے ہیں، پڑے "دلیواں آمدند" ——— کچھ ایسا معاملہ قدوری کو فی زمانہ نظر آرہا ہے کہ شریعت کے حاملوں پر وہابیت کا کا[بوس] سوار ہو گیا ہے، پتا کھڑکا اور چیخے "وہا[بی] آمدند"

میں اپنے پیر بو قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان روشنی میں قسم کھا کے عرض کر[تا ہوں] کہ چودھویں صدی کے سنیوں نے اگر ج[نت] کا دروازہ گھیر لیا تو میں اور آپ کس شمار میں صحابہ و تابعین کو بھی داخلہ نہیں ملے گا، صح[ابہ] و تابعین وغیرہ کے اعمال و عقائد ہیں۔ وہ ٹھیک وہی ہیں جن پر یہ مادر[زاد] سنّی وہابیت اور گمراہی کی پھبتی چسپ[اں] کرتے ہیں۔ آثار و تواریخ کو چھان ما[رئیے] کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام و مجتہد [کے] یہاں ان حرکات ناشائستہ کی پرچھائیں نہیں ملے گی۔ جو آج کل کے مردہ پرستو[ں] کی دین و ایمان بنی ہوئی ہیں۔ قوالی صحا[بہ و] تابعین کے فرشتوں نے بھی نہیں سنی، و[ہ] راگ و رنگ کی آواز پر لاحول پڑھ کر کا[نوں] میں انگلیاں دے لیتے تھے، عرس کس

کا نام ہے، یہ تخیل کسی صحابی و تابعی کو چھو کر بھی نہیں گیا، قبروں پر دھونی رمانا اور مُردوں سے امدادیں چاہنا کبھی کار خیر سمجھا جائے گا، یہ بات خواب میں بھی صحابہ و تابعین نہیں سوچی تھی، وہ سب آجکل کے نخالص سنّیوں کے نقطۂ نظر سے پکے وہابی تھے، وہ اگر سن لیتے کہ کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر کہہ رہا ہے تو چانٹا مار دیتے، چانٹا کیا مار دیتے کوڑے مار مار کر بھس بھر دیتے، اس کی قدرت نہ ہوتی تو زندگی بھر کے لئے کنارہ تو ضرور کر لیتے رہی عرس قوالیوں کی محفلیں تو ان کا نام ونشان تک چھٹی صدی ہجری سے پہلے نظر نہیں آتا،

عاجز کو تو اندیشہ یہ ہے کہ اگر لنو من تیل ہوتا اور رادھا ناچ جاتی تو آجکل کے نخالص سُنّی و حنفی بزرگ اللہ میاں تک کو لوٹکنے سے باز نہ آتے وہ تیور ہی چڑھا کر کہتے،

"دیکھئے اللہ میاں اور آپ جو چاہے اپنے رسول سے کہلوا لیں۔ مگر اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مت کہلوائیں، بھلا اتنا بڑا رسول اور بشر! یہ کیسے ممکن ہے"

پھر تین دفعہ انگلیوں کی نوکیں چوم کر کہتے،

"دیکھئے اللہ میاں! یہ جو آپ بار بار کہے جاتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی غیب نہیں جانتا یہ بھی مناسب نہیں۔ آپ کو پتا نہیں آپ کا آخری پیغمبر تو پکا عالم الغیب ہے۔ حاضر و ناظر ہے آپ کو یہ بھی پتا نہیں کہ وہ ہر مصیبت زدہ کی دستگیری کرتا ہے اور جہاں سے چاہے اسے پکارو فوراً سُنتا ہے وہ تو کیا اس کے معمولی خادم بھی ــــ یعنی اولیاء اللہ غوث و دستگیر ہیں، آپ شاید مصروفیت میں دیکھ نہیں پاتے ہیں کہ ہماری مدد تو صدہا سال پہلے کے اولیاء بھی برابر کئے جا رہے ہیں اور نوکری سے لے کر اولاد تک ہر چیز بخشتے ہیں"

خلاصہ مطلب یہ کہ فلم "دال میں کالا" کے ایک ماسٹر پیس گانے پر خود ہی اپنی بکواس ختم کرتا ہے،

میں بھی کافر تو بھی کافر، کافر کل سنسار
سکھی ری کافر کل سنسار

جو پاجی در بحث طریقت منطق لائے کتابی
سمجھو وہ شیطان کا چیلہ ہے بے دین وہابی
اس پر خدا کی مار سکھی ری، اس پر
خدا کی مار سکھی ری کافر کل سنسار

(ملا زندہ صحبت باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرِ حق کی ۲۹ ویں منزل

انتیسویں ۲۹ منزل کا بارہواں اقدام

ماہنامہ تجلی دیوبند

فی شمارہ ــــــ ڈھائی روپے
اس شمارے کی قیمت ــــــ تین روپے

ایڈیٹر

حسن احمد صدیقی

فاضلِ دیوبند

عمومی زرِتعاون چھ ماہ کیلئے ... تیرہ روپے
" ایک سال کیلئے ... چوبیس ۲۴ روپے
" دو سال کیلئے ... بیالیس ۴۲
" تین سال کیلئے ... ساٹھ ۶۰
" چار سال کیلئے ... پچھتر ۷۵ روپے
" پانچ سال کیلئے ... نوّے ۹۰ روپے

خصوصی زرِتعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک ۲ پونڈ

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سال بھر کیلئے ازراہِ تعاون جو رقم ارسال کی تھی، اس کی مدت ختم ہوچکی ہے تجلی کو اگر آپ نے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس ۲۴ روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنے کی اجازت دیں، ورنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع کر دیں۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی پی کر دیں گے اور وی پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر حسن احمد صدیقی نے محبوب پریس دیوبند سے چھپوا کر دفتر رسالہ تجلی دیوبند سے شائع کیا۔ (Marrow79)

دستک

نقادِ اعظم، مولانا، عامر، عثمانی، نور اللہ مرقدہ

اسلام کے کسی بھی اقدام کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے خود اسلام کی آفاقی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، اسلام کسی خاص قوم یا فرد کا وضع کردہ مذہب نہیں وہ خدا کا نازل کردہ مذہب ہے اور خدا کسی ایک ملک اور قوم کا خدا نہیں، بلکہ ساری زمین اسی کی ہے، لہٰذا جس طرح پاکستان آئین کا اطلاق فقط کراچی یا راولپنڈی تک محدود نہیں ہے بلکہ پورے پاکستان کا چپہ چپہ اس کے دائرے میں آتا ہے، اور اس آئین کو نافذ کرنے والی ٹیم کے ایک ایک فرد کی کوشش اور خواہش یہی ہونی چاہیئے، کہ ملک کے کسی بھی کونے میں آئین شکنی نہ ہو بغاوت کے جراثیم پرورش نہ پائیں ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنے والی سرگرمیاں جنم نہ لیں اسی طرح امت مسلمہ کی بھی کوشش اور خواہش لازماً یہی ہونی چاہیئے کہ اس پوری سرزمین میں کہیں اس قانون کو نہ توڑا جائے جو اس زمین کے مالک اور آقا کا قانون ہے ایک ایک چپہ پر اسی آئین کا تسلط ہو کیونکہ ہر چپہ اسی آئین کے وضع کرنے والے خدا کی سلطنت میں ہے مسلمانوں کی حیثیت اس باب میں ایسی ہی ہے جیسے دنیاوی سلطنتوں کے افسروں کی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے قانون کا احترام کرانے اور قانون شکنوں کو دار وگیر کے شکنجے میں کسنے پر مامور ہیں وہ اگر اپنے بس بھر کوشش نہیں کریں گے اور خلاف آئین سرگرمیوں کی طرف سے غفلت برتیں گے تو انھیں فرض ناشناس سمجھا جائیگا اس طرح امتِ مسلمہ اگر اپنی استطاعت اور وسائل کی حد تک دعوت اسلام اور آئین اسلامی کے نفاذ و اجراء کی سعی نہیں کرے گی تو وہ مجرم قرار پائے گی۔

(از تجلی جون ۶۴ء)

اللہ کا فضل و احسان ہے کہ خاص نمبر توقع سے زیادہ پسند کیا گیا، اب تک درجنوں خطوط تعریف و تحسین پر مشتمل ہمیں موصول ہو چکے ہیں۔ ان خطوط نے ہمارے ارادوں کے اندر ایک نئی روح پھونک دی ہے اور اب ہم یہ عزم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ تجلی کو اور زیادہ دلچسپ اور معیاری بنانے کی جد و جہد کریں۔ قارئین خدا سے دعا کریں کہ یہ نیا سال تمام مسلمانوں کے لئے بہر اعتبار درخشاں ثابت ہو، اور تجلی کے لئے بھی یہ سال ترقی و معیار کے انمول خزانے لیکر آیا ہو، ہماری زندگی کی سب سے اہم آرزو یہی ہے کہ تجلی پائندہ اور تابندہ رہے اور اس کے ذریعہ حق و اسلام کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کرتے ہوئے ہم موت سے ہمکنار ہو جائیں، قارئین یہ بھی دعا کریں کہ پروردگار عالم ہمارے حالات سدھارے اور ہم تجلی کو بروقت شائع کر کے سرخروئی حاصل کر سکیں، اور روز روز کی معذرتوں اور شرمندگی کے غموں سے آئندہ ہمیں دو چار نہ ہونا پڑے۔ کتابت و طباعت کی اغلاط پر اگرچہ بڑی حد تک قابو پا لیا ہے، لیکن آخری حد تک اب بھی نہیں، اب بھی بعض غلطیاں ایسی باقی رہ جاتی ہیں جو قارئین کو کوفت اور جھلاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہوں گی ــــ اور وہ ہماری نااہلی پر دو چار فقرے ضرور کس دیتے ہوں گے۔

خاص نمبر کے صفحہ ۱۰۳ کالم نمبر ۲ کی آخری سطریں پریس والوں کے رحم و کرم کا شکار ہو گئیں جسکی وجہ سے مضمون میں اہمال پیدا ہو گیا ہے۔ فائل رکھنے والے حضرات اس خالی جگہ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ لیں۔

یہ تفصیل انھیں حضرات کے لئے مفید ثابت ہو گی جن کا عقیدہ کسی
توہم کا شکار نہیں، اور جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کے بعد سب
سے ارفع ماننے نہ ہونے پیکر خاکی اور تمام انبیاء (فقط)

ہمیں احساس ہے کہ تجلی کی ڈاک اور کھرے کھوٹے جیسے اہم عنوانات کئی دفعہ سے پھیکے پھیکے چل رہے ہیں، اور تجلی کی ڈاک تو اس شمارے میں نادارد ہی ہے قارئین کسی بدگمانی کا شکار نہ ہوں، انشاء اللہ اگلے ماہ سے تجلی کی ڈاک پر خصوصی توجہ دی جائے گی ــــ اور کھرے کھوٹے کے کالم کو بھی سونا نہیں چھوڑا جائے گا۔

آغازِ سخن

حسن احمد صدیقی

۱۹۸۶ء ادارہ تجلی کے لئے بڑا ہی صبر آزما اور بڑا ہی حوصلہ شکن ثابت ہوا، امسال ہم نے جن پریشانیوں، کلفتوں اور الجھنوں کا سامنا کیا ہے خدا ان سے کسی دشمن کو بھی دوچار نہ کرے، تکالیف و شدائد اور مصائب و آلام کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جس نے دل و دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں، کئی بار تو ایسا ہوا کہ آس کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگا اور فلکِ ایمان پر مایوسی کے سیاہ بادل چھا گئے لیکن پھر فوراً ہی علم دین کی ضیاؤں نے یاوری کی اور باطن کی گہرائیوں سے یہ آواز آتی محسوس ہوئی کہ اے ناشکرے اور اے ظلوم و جہول انسان! تو محرومیوں اور تکلیفوں پر کیوں خواہ مخواہ مایوس ہوتا ہے اور یہ دیکھنا اور سوچنا گوارہ نہیں کرتا کہ آندھیوں اور طوفانوں کی کثرت میں تیرے چراغ کا جلتا ہی رہنا تیرے رب کا وہ بے کراں فضل اور بے پایاں احسان ہے جس کی کوئی قیمت تجھ جیسے بے سروسامان انسان سے ادا نہیں ہو سکتی۔

باطن کی گہرائیوں سے آنے والی آواز کے بعد ہمارے پردۂ دماغ پر ان احوال و کوائف کی فلم چلنے لگتی ہے جس سے ہم سال بھر تک دوچار رہے، اس فلم کا ہر ہر سین اور ہر ہر منظر ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ واقعتاً تجلی کی زندگی اور بقا حضرت رب العالمین کا فضل و انعام ہے، ماحول ناسازگار، وسائل نایاب، ہمدردیاں مفقود، حوصلہ شکن سب، معاون کوئی نہیں، غیروں کی آنکھوں میں بدگمانی اپنوں کے دل حسد و جلن سے بھرپور، ہر طرف رنج و آلام کی خاردار جھاڑیاں اور محرومیوں کے اندوہناک گھیرے، ایسی ناگفتہ بہ صورتِ حال حکمت و سیاست کا تقاضہ تو یہ ہے کہ سفینۂ گیتی پر جو ماحول رچ بس چکا ہے اس میں غرق ہو جاؤ۔ بے حیائی کے حمام میں کپڑے اتار پھینکو۔ اور الحاد و خدا بیزاری سے ہم آغوش ہو جاؤ جس کی چمک دمک نے نگاہ ایمان کو خیرہ کر دیا ہے اور اربابِ ایمان کے قدم ڈگمگا دیئے ہیں۔

اگر ہم سیاست و حکمت کے تقاضوں پر لبیک کہہ دیتے تو کچھ بعید نہیں اگر تجلی کے لئے عروج و ترقی کی راہیں کشادہ ہو جاتیں، اور اس کی تقدیر بھی عریاں اور حیا سوز ماہناموں کی طرح تابناک ہو جاتی۔ تجلی بھی انتہائی آب و تاب اور سولہ سنگھار کے ساتھ۔ سج دھج کر مارکیٹ میں جلوہ گر ہوا کرتا اور شائقین اس پر اس طرح ... ٹوٹا کرتے جیسے دنیادار دنیا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے گناہوں کی فہرست میں اس گناہ کا اضافہ نہیں کیا ہم نے سیاست و حکمت کے تمام تر تقاضوں کو اپنے پیروں سے روند ڈالا، ہم نے تنزل و پسپائی کو ترجیح دی اور اس عروج و ترقی کو نظر انداز کر دیا، جو ایمان و عقیدے کے حق میں سمِ قاتل سے کم درجہ نہیں رکھتی، ہم نے اس راہ کو اپنا لیا جس میں قدم قدم پر ٹھوکریں ہیں جراحتیں ہیں۔ طنز کی ضرورت نہیں، ہم خود واقف ہیں کہ کفرانِ نعمت

اور بے شعوری و بے غیرتی کے گھٹا ٹوپ اندھیارے ہیں۔
ہمارے اس تجلّی کی حیثیت ایک معمولی سی دیے کی سی
ہے جو سیاہ رات میں "جگنو" سے زیادہ روشنی فراہم کر
سکنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس سے راہیں اُجاگر نہیں
ہو سکتیں، اس سے وہ تاریکیاں خوف زدہ نہیں ہو سکتیں
جو اپنی تمام تر پشت پناہیوں کیساتھ ایمان و اسلام کا چراغ گل
کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ لیکن مایوسی اور
نامرادی کے اس تہہ در تہہ دریا میں اُمید کی ایک کرن
بھی پوشیدہ ہے وہ یہ کہ ہمارے پالنہار کا اعلان ہے
لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ اللہ نے کسی بھی انسان
پر اس کی طاقت و استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں
ڈالی ہے۔ لہذا ہم سے آخرت میں یہ باز پرس نہیں
ہوگی کہ دنیا میں جو اندھیرے بکھرے ہوئے تھے تم
نے انھیں روشنیوں میں کیوں متبدل نہیں کیا؟

بلکہ غور اس پر ہوگا کہ اندھیروں سے ہم کس حد
تک برسر پیکار رہے اور نورِ حق پھیلانے کی کوششیں
ہم نے کس حد تک کیں۔ اور ہماری زندگی کی اکثر ساعتیں
کن مصروفیات میں کٹیں۔ الحمد للہ ہم مطمئن ہیں کہ ہمارے
پروردگار نے ہمیں جتنی طاقت، اور استعداد عطا کی
ہے اس کے بقدر ہم کفر و الحاد کے اندھیروں سے لڑ
رہے ہیں۔ اور حق کی روشنی کو پھیلانے کی کوشش
وکاوش میں لگے ہوتے ہیں، کوششیں کرنا ہی ہمارا
فرض منصبی ہے۔ نتائج و عواقب کی باگ ڈور
مشیت کے اختیار میں ہے مشیت چاہے تو خشکی میں،
سفینے چل سکتے ہیں، مشیت چاہے تو سمندر میں آگ
بھڑک سکتی ہے مشیت چاہے تو الاؤ میں گلزار کھل سکتے
ہیں اور مشیت چاہے تو تجلّی جیسے معمولی چراغ کفر و الحاد
کے بڑے بڑے اور سیاہ در سیاہ اندھیروں کے گلے گھونٹ
سکتے ہیں اور جا بجا نورِ حق کی اجارہ داری قائم کر سکتے ہیں
ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ تجلّی نے اَن گنت دلوں کی
دنیاؤں میں حق کے دیپک روشن کر دیئے ہیں ہم اس
دعوے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ
ہمارا کام چراغ جلانا ہے دنیا اس سے فائدے حاصل کرے
یا نہ کرے، ہم بہر صورت کامیاب ہیں۔ اور انشاء اللہ
کفر و الحاد کے ہیبت ناک اندھیروں میں ایک ٹمٹماتا
ہوا دیا جلانے کی مکافات ہمیں مل کر ہی رہے گی

بات کہاں سے شروع کی گئی تھی اور کہاں تک
پہنچ گئی بتانا ہم یہ چاہ رہے تھے کہ ۱۹۶۳ء نے تجلّی کو
درد و غم اور مصائب و نوائب کے ماسوا کچھ بھی نہیں دیا،
امسال جد و جہد اور بھاگ دوڑ کے باوجود صرف چھ ۶
شمارے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر سکے، اور ان میں
بھی وہ سب کچھ موجود نہیں تھا، جس کی قارئین ضرورت
محسوس کرتے تھے، اور جو سب کچھ تجلّی کو دوسرے
مذہبی ماہناموں سے ممتاز کرتا تھا۔ اس وقت
عالم یہ ہے کہ قارئین کی شکایتوں کا ایک کوہ گراں ہماری
سماعت پر رکھا ہوا ہے اتنی شکایتیں اور گلے کہ سننے والے
کے ہوش و حواس مختل اور معطل ہو جائیں، مگر قرآن پاک
اور استعداد علم ہمیں سہارا دیتی ہے اور اس عقیدے کو
تر و تازہ کرتی رہتی ہے کہ ان مع العسر یسرا۔
سختی کے ساتھ کچھ آسانیاں ہیں، ہر الم کے بعد خوشیوں
سورج کا طلوع ہوتا ہے، جن دروں سے ہچکیوں کی صدا
بلند ہوتی ہیں، وہاں سے قہقہے بھی ابلتے ہیں، ہم آج بھی
ہیں بےکس و بےبس ہیں بے نوا ہیں لیکن انشاء اللہ آنے
والی کل ہمارے لئے مسرت و طمانیت کی پیش بہا دولت

لے کر آئے گی، تجلی کا معیار بلند ہوگا، تجلی وقت پر چھپے
گا قارئین خوش ہوں گے اور شکایتیں خود بخود ماضی کے
قبرستان میں دفن ہوجائیں گی، مایوسی کفر ہے اور کفر
سے بدتر کوئی برائی کوئی بھی نہیں، اللہ ہمیں بھی اس
برائی سے محفوظ رکھے اور ہمارے تمام قارئین کو بھی اس
برائی سے محترز رہنے کی توفیق دے،

تجلی کی باگ ڈور جس وقت ہمارے ہاتھ میں
آئی تھی، اس وقت اندیشوں اور فکرات کی رنگ
برنگی منطق نے ہمارے حوصلوں کو پست اور عزائم کو
کھوکھلا کر دیا تھا،

دشمن یہ سننے کے لئے منتظر تھے کہ تجلی بند ہوگیا،
لیکن اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے ہم جیسے بے مایہ
بے بضاعت بے علم اور زار و نحیف انسان کو ہمت بخشی
اور اس چراغ میں صلاحیتوں کا تیل ڈالتے رہنے کی
توفیق دی، جب کوئی دشمن یا دوست ہماری
ناقص صلاحیتوں کا مذاق اڑاتا ہے تو ہم مولانا عامر
عثمانیؒ کا وہ جواب پڑھکر مطمئن ہوجاتے ہیں، جو
انھوں نے تجلی کی ابتدائی زندگی میں معترضین کو دیا
تھا۔ معترضین کیا تھا کہ مذہبی پرچہ زیادہ دنوں تک
نہیں چل سکتا اس لئے کہ حالات سازگار نہیں ہیں،
تو اس وقت مولانا عامر عثمانیؒ نے ایمان و یقین سے
بھرے ہوئے لہجہ میں فرمایا تھا کہ

حالات کی ذمہ داری ہم پر نہیں
خدا نے کہا ہے کہ اپنی سی کوشش کرو
نتیجہ ہم پر چھوڑ دو، رسالہ نہ چلا تو ہم حشر
میں کہہ دیں گے کہ ہم نے آندھیوں میں
شمع جلانے کی کوشش کی آندھیوں
سے نہ جیت پائے تو اس میں ہمارا
کیا قصور؟
(از تجلی نومبر ۱۹۵۶ء)

ان چند جملوں میں بڑی حکمت و فراست سمٹی ہوئی
ہے یہ جملے مولانا مرحوم کی ہمت و استقلال اور ایمان و یقین
کا ثبوت دیتے ہیں، انھیں پڑھ کر کوئی مایوسی مایوسی
نہیں رہتی، بلکہ ہر مایوسی کے اندر امید و آس کی پریاں
رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، دل و دماغ کے احاطہ میں
سکون و طمانیت کی چاندنی بکھر جاتی ہے اور روح
سجدے میں گر کر چیخ اٹھتی ہے کہ اے پروردگار تیرا شکر
اور ہزار ہا بار تیرا شکر کہ تو نے ایک ناکارہ بندے کو اپنے دین
کی خدمت کے لئے منتخب کیا اور اسے الحاد کی کالی تحریکوں
میں حق و صداقت کے دیپ روشن کرنے کی توفیق و
صلاحیت نصیب کی۔

اپریل ۸۰ء میں راقم الحروف نے تجلی کے سلسلہ میں
ایک سفر بھی کیا تھا جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے مکمل نہیں
ہوسکا تھا، اس سفر کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ مخلص
و محسن حضرات کو ہم ادارہ تجلی کے حالات سے روشناس
کرائیں اور ان سے دعاء خیر کی استدعا کریں، دوران سفر
جن حضرات نے محبت و احسان کا برتاؤ کیا تھا، اس کی
فہرست تو بہت لمبی ہے لیکن ان حضرات کا ذکر نا کرنا
تو ناسپاسی ہوگا جنھوں نے تجلی کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ
کی اور تجلی کے خاصے خریدار مہیا کر کے دیئے ان میں
جودھپور کے قاری فرید الحسن صاحب۔ احمد آباد کے
امیر الحسینی صاحب، گلاب احمد خان صاحب اللہ

مالک شریف صاحب بمبئی کے عبد اللہ انتولے صاحب[1] غنی بھائی اطلس والے وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب کا رسمی شکریہ ادا کرنے کے بجائے ہم نے ان کے حق میں دعاءِ خیر کی تھی اور یہ حضرات آئندہ بھی دعاءِ خیر میں یاد رہیں گے،

آخیر میں قارئین سے کچھ کہنے سننے کی بجائے ہم پروردگار کے حضور میں یہ دعا کریں گے، کہ۔

اے پروردگارِ عالم! بارہا ہمیں اپنی بے مائگی اور تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے، اور سفینۂ امان یاس و قنوط کے بھنور میں پھنس جاتا ہے ایسے اوقات میں تو ہماری یاوری کر اور ہمیں صبر و تحمل اور ضبط و استقلال کے سرمایۂ لازوال سے مالا مال کر دے،

اے بار الٰہا ہم لاکھ پریشانیوں اور صعوبتوں سے دوچار ہوں، لیکن ہمارا سر تیرے در کے سوا کہیں نہ جھکنے پائے، ہمارا دامن پھیلے تو صرف تیرے آگے ہم دستِ سوال دراز کریں تو صرف تیرے آگے، بھیک مانگیں تو صرف تجھ سے، اپنی بے بضاعتی اور تنگ دامانی کا اظہار کریں تو بس تیرے رُو برو،

اے رب العالمین! ہم زندگی بھر تیری عنایتوں کے محتاج رہیں۔ مصائب کے وقت صرف تجھے پکاریں اور ہر برے وقت میں تجھ ہی سے مدد چاہیں، تو ہی ہمارا آقا اور مولیٰ ہے تو ہی ہمارا ناصر و مددگار ہے تو ہی ولی ہے تو ہی داتا۔

اے ربِ ذو الجلال ہمارا ایمان ہے کہ تیری مرضی کے بغیر کسی درخت کا پتہ تک نہیں کھڑکتا کائنات میں تیرے سوا کسی کو قدرت و دسترس حاصل نہیں ہے تو ہی قادرِ مطلق ہے اور تو ہی مختارِ کل، تیری قدرت و معبودیت میں کوئی شریک و سہیم نہیں، عزت و ذلت، تخت و تاج عزت و امارت کی کل کنجیاں تیرے قبضۂ قدرت میں ہیں، تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوا کر، جسے چاہے مال و منال بخشے جسے چاہے افلاس کی تاریکیاں دے اے اللہ ہمیں عزت و سرخروئی کے ساتھ زندہ رکھ اور حمیت و خودداری کے ساتھ موت دے۔ اور ہمارا مرنا جینا خالص اپنے لئے کر دے،

اے ربِ دو جہاں ہم تجھ سے دنیا کی راحتیں بھی مانگتے ہیں۔ اور دین و آخرت کی سرفرازیاں بھی، اے اللہ ہمیں توحیدِ خالص کا پرستار بنا، اور ہمیں اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے،

اے ہمارے پالنہار! بدعات و خرافات کے اندھیارے دور کرنے کے لئے مولانا عامر عثمانی نے جو چراغ جلایا تھا، اسے باقی رکھ، اس کی لو میں اضافہ کر دے اور ہر ہر قدم پر اس کی دستگیری فرما،۔ ہماری بے جان صلاحیتوں میں رُوح پھونک دے تاکہ ہم تجلّی کے ایک ایک صفحہ کو نکھار کر پیش کر سکیں، اور اپنے قارئین کی جملہ شکایات کو دور کر سکیں،

ربنا تقبل منا انک

انت السمیع

العلیم

[1] کرلا کے عبد الرحمٰن انصاری صاحب گورنڈی کے مولوی صدیق اور مولوی حسین احمد صاحب نے بھی خاصا تعاون کیا۔

اخلاقی تعلیمات

بہ سلسلہ سیرت سرورِ عالم

تاریخ انسانی سے اچھے اور برے کرداروں کی مثالیں اسبابِ ضلالت کی یہ تفصیلات جو قرآن میں دی گئی تھیں یہ سب قریش اور عرب کے معاشرے میں پائی جاتی تھیں اور ایک ایک شخص جوان کو سنتا تھا وہ سمجھ جاتا تھا کہ فی الواقع ہمارے اندر گمراہی کے یہ سارے اسباب کارفرما ہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید نے تاریخ انسانی سے پے در پے ایسے کرداروں کی مثالوں کو بھی نمایاں کر کے بیان کیا جو بہترین یا بدترین تھے، تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلام کیسے انسان بنانا چاہتا ہے، اور کیسے انسان اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جن کی یا تو اصلاح ہونی چاہیے، یا پھر ان کے وجود سے معاشرے کو پاک کر دینا چاہیے، یا جن کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے غضب کا نشانہ بنا کر اس دنیا میں تباہ کر دیا۔ قرآن کے اس بیان کو ذرا سلسلہ وار تاریخی ترتیب کے ساتھ دیکھتے جائیے۔

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سب سے پہلا عبرتناک واقعہ جو تاریخ انسانی میں پیش آیا وہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ہے جس میں دو کردار ایک دوسرے کے مقابلے میں سامنے آتے ہیں۔ دونوں بھائی قربانی کرتے ہیں۔ ایک کی قربانی مقبول ہوتی ہے، دوسرے کی نہیں ہوتی۔ وہ حسد میں آکر اپنے بھائی سے کہتا ہے کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس کا بھائی کہتا ہے کہ اللہ تو پرہیزگاروں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے (یعنی تیری قربانی قبول نہ ہونے میں میرا کوئی قصور نہیں، تو اپنے اخلاق و اعمال کی اس خامی کو دور کرنے کی فکر کر جس کی وجہ سے تیری قربانی نہیں ہوتی) لیکن اگر تو میرے قتل ہی کے درپے ہو گا تو میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں گا، کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ بجائے اس کے کہ تجھ سے لڑ کر میں بھی تیرے ساتھ خونِ ناحق کے گناہ میں شریک ہوں میں اس کو ترجیح دوں گا کہ میرے اور اپنے گناہ کو تو خود ہی سمیٹ لے۔ آخر کار اس ظالم بھائی نے اپنے نیک بھائی کو قتل کر دیا اور پھر اس پر بہت پچھتایا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد دیکھیے کہ عرب کے اس ماحول میں، جہاں انسانی جان کی کوئی حرمت نہ تھی، اور ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا، قرآن نے کتنی عظیم بات کہی کہ "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کوئی ایک جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی" (المائدہ آیات ۲۷ تا ۳۲)۔

حضرت نوحؑ اور ان کی قوم تاریخ کی پہلی قوم جس نے زمین میں سرکشی کا طوفان اٹھایا وہ حضرت نوحؑ کی قوم تھی۔ قرآن میں کئی جگہ اس کا قصہ بیان کر کے ایک طرف اس قوم اور اس کے سرداروں کا کردار پیش کیا گیا جس کی وجہ سے آخر کار وہ سب مبتلائے عذاب ہوئے، اور دوسری طرف خود حضرت نوحؑ کے کردار کی درخشاں مثالیں پیش کی گئیں۔ سورۂ عنکبوت میں بتایا گیا کہ انتہائی شدید مخالفت و مزاحمت کے مقابلے میں ساڑھے نو سو برس تک وہ انتہائی صبر کے ساتھ اس قوم کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہے (آیت ۱۴) انہوں نے ہر ممکن طریقے سے نہایت دردمندی کے ساتھ لوگوں کو راہ راست دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر قوم کے سرداروں نے ان کی ایک نہ چلنے دی (سورۂ نوح مکمل)، ان کو مجنون کہا گیا اور سخت ڈانٹ پھٹکار کی گئی (القمر ۹)

ان کی اور ان پر ایمان لانے والے غریب لوگوں کی تذلیل کی گئی (ہود - ۲۷ - الشعرا - ۱۱۱)۔ اُن کو دھمکی دی گئی کہ تم اگر باز نہ آؤ گے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا (الشعراء ۱۱۶)۔ مگر انہوں نے ڈٹ کر کہا کہ اگر میرا وجود اور میری نصیحتیں تمہارے لئے ناقابل برداشت ہیں تو جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ میرے خلاف کر ڈالو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو، میرا بھروسا اللہ پر ہے (یونس - ۷۱)۔ پھر جب کشمکش انتہا کو پہنچ گئی تو اُن کی قوم نے کہا کہ جس طوفان کا تم ڈراوا ہمیں دیتے ہو وہ لے آؤ۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے اُن کی آنکھوں کے سامنے وہ کشتی بنانی شروع کی جس میں بیٹھ کر وہ اور اُن کے ساتھ اہل ایمان اُس آنے والے طوفان سے بچنے والے تھے، مگر ان کی قوم کے لوگ انہیں کشتی بناتے دیکھ کر اُن کا مذاق اُڑاتے پھرتے تھے کہ بڑے میاں کی دیوانگی آخر یہاں تک پہنچ گئی کہ خشکی پر جہاز چلانے کی تیاری کر رہے ہیں، اور انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ عنقریب یہی خشکی ایسا سمندر بننے والی ہے جہاں ایک ایک موج پہاڑوں کے برابر ہوگی، جس میں خود حضرت نوحؑ کے بیٹے سمیت سب غرق ہو جائیں گے، اور یہی سطح زمین پر رکھی ہوئی کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹکے گی (ہود ۳۲ تا ۴۴)۔

آخری منظر اس قصے کا یہ پیش کیا گیا کہ حضرت نوحؑ نے جب اپنے بیٹے کو بھی دوسرے کافروں کے ساتھ ڈوبتے دیکھا تو بشریت سے مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کو بچا لیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈانٹ دیا کہ جاہل نہ بنو، یہ تمہارا بیٹا ہی سہی، لیکن تمہارا "اہل" نہیں ہے بلکہ عملِ غیر صالح ہے، اس لئے ایسی درخواست مجھ سے نہ کرو۔ اس پر حضرت نوحؑ نے فوراً معافی مانگی اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا" (ہود - ۴۵ تا ۴۷)۔

قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام عرب کی مشہور قوم، عاد، جس سے اہلِ عرب کا بچہ بچہ اُس زمانے میں واقف تھا، اور جس کے متعلق لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ خدا کے عذاب سے تباہ ہوئی تھی، اس کے بارے میں قرآن نے بتایا کہ شرک و بت پرستی کے ساتھ اُس کے اندر کیا اخلاقی عیوب پائے جاتے تھے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے کہ انہوں نے زمین میں حق کے بغیر تکبّر کیا اور کہا کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟" (آیت ۱۵)۔ سورۂ فجر میں ہے کہ انہوں نے "دنیا میں بڑی سرکشی دکھائی اور بہت فساد برپا کیا" (آیات ۶ تا ۱۲)۔ سورۂ شعرا میں ہے کہ حضرت ہودؑ نے ان سے فرمایا "تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ ہر اُونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو، اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو، جبّار بن کر ڈالتے ہو" (آیات ۱۲۸ تا ۱۳۰)۔ سورۂ ہود میں ہے کہ "انہوں نے ہر جبّار دشمنِ حق کے حکم کی پیروی کی" (آیت ۵۹)، حضرت ہودؑ نے ان کو سمجھانے کی جتنی کوششیں کیں ان سب کا جواب وہ تمرّد اور عناد اور مخالفانہ چالوں ہی کے ساتھ دیتے چلے گئے، حتیٰ کہ حضرت نوحؑ کی طرح انہیں بھی اپنی قوم سے کہنا پڑا کہ "تم سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو" (ہود - ۵۵ - ۵۶)۔ آخرکار انہوں نے خدا کے پیغمبر سے کہہ دیا کہ "اگر تو سچا ہے تو لے آ وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے" پھر جب وہ عذاب سامنے سے آتا نظر آیا تو وہ بیوقوف یہ سمجھے کہ یہ بادل ہے جو ہماری وادیوں کو سیراب کرے گا، مگر وہ ایک تباہ کن آندھی تھی جس نے ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیا (الاحقاف - ۲۲ تا ۲۵)۔

ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام

عاد کے بعد ثمود عرب کی اقوام قدیمہ میں سے مشہور ترین قوم تھی جس کے چھوڑے ہوئے آثار پورے شمالی حجاز میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلے ان پر سے گزرتے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ ایک خوفناک زلزلے نے اس قوم کو تباہ کیا جس کے اثر سے اس علاقے کے پہاڑ آج تک کھیل کھیل ہو رہے ہیں۔ قرآن میں بتایا گیا کہ اس قوم نے خدا سے بغاوت کر کے صرف شرک و بت پرستی کا جرم ہی نہیں کیا تھا بلکہ خدا کی زمین میں سرکشی اور فساد کا طوفان بھی برپا کیا تھا (الفجر۔ آیات۔ ۶ تا ۱۲۔ الاعراف ۷۴) اس کے سردار حد سے گزرے ہوئے مفسد لوگ تھے جن کے ہاتھوں کوئی اصلاح کا کام نہ ہوتا تھا (الشعراء۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲)۔ وہ اپنے عیش اور اپنی شان دکھانے کے لئے میدانی علاقوں میں قصر اور پہاڑوں کو تراش تراش کر عمارتیں بناتے تھے (الاعراف ۷۴۔ الشعراء ۱۴۹)۔ یہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی خصوصیت ہوتی ہے کہ ایک طرف غریب لوگ سر چھپانے کو ڈھنگ کی جگہ تک نہیں پاتے اور دوسری طرف بڑے لوگ شاندار محل تعمیر کرتے ہیں۔ ان بڑے لوگوں کے نزدیک حضرت صالحؑ اس لیے ایمان لانے کے قابل نہ تھے کہ اُن پر غریب لوگ ایمان لائے تھے (الاعراف ۷۵۔ ۷۶)۔ حضرت صالح نے جب ان کو خدا پرستی کی دعوت دی اور ظلم و فساد اور عیش پرستی سے روکا تو اُن کے ۹ بڑے بڑے مفسد قبائلی جتھہ داروں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا "خدا کی قسم کھا کر فیصلہ کر لو کہ رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے، پھر صالح کے ولی (یعنی اُن کے قبیلے کے سردار) سے کہہ دیں گے کہ ہم اُس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں" (النمل۔ ۴۸۔ ۴۹) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چال کو ناکام کر دیا۔ انہوں نے حضرت صالح سے معجزے کا مطالبہ کیا اور ان کے اپنے مطالبے ہی پر اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی ان کے سامنے لا کر رکھ دی جس کا وجود خود ایک صریح معجزہ تھا۔ اس کے بعد حضرت صالح کے ذریعہ سے ان کو خبردار کر دیا گیا کہ یہ اونٹنی تمہاری زمینوں میں جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی اور ایک دن تنہا یہ پانی پیئے گی اور دوسرا دن تم سب اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے۔ اس کو تم نے بری نیت سے ہاتھ لگایا تو پھر تمہارے اوپر عذاب آ جائے گا (الاعراف ۷۳، ہود ۶۴۔ الشعراء ۱۵۵)۔ کچھ مدت تک وہ لوگ اس اونٹنی سے ڈرتے رہے۔ آخرکار انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ اونٹنی ایک معجزہ ہے، اپنے ایک سب سے زیادہ سر پھرے سردار کو پکارا کہ اس بلا سے ہمارا پیچھا چھڑا، اور اس نے اس کام کا بیڑا اُٹھا کر اسے مار ڈالا (القمر ۲۹۔ الشمس ۱۲۔ ۱۴)۔ یہ سرکشی دکھا کر انہوں نے حضرت صالح کو چیلنج دیا کہ لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے (الاعراف ۷۷)۔ حضرت صالح نے کہا بس اب تین دن اپنے گھروں میں مزے کر لو۔ اس کے بعد وہ زبردست کڑاکے دار زلزلہ آیا جس نے حضرت صالح اور اہل ایمان کے سوا پوری قوم کو ہلاک کر دیا اور اُن کے گھر اس طرح پڑے رہ گئے کہ گویا وہاں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا۔ (الاعراف ۷۸۔ ہود ۶۵ تا ۶۸۔ القمر ۳۱)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

سب سے بڑا مثالی کردار قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا پیش کیا گیا جنہیں اہل عرب اپنے دین کا پیشوا مانتے تھے، اور جن کے ساتھ نسبت ہی پر قریش کے سارے فخر و ناز اور رسوخ و اثر کی بنا قائم تھی قرآن نے اُن کو بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی وہ کیا خوبیاں تھیں جن کی بنا پر اللہ رب العالمین نے اپنے اُس بندے کو اپنا خلیل (دوست) قرار دیا (النساء۔ ۱۲۴) اور فرمایا کہ میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بنانا ہوں ۔ (البقرہ۔ ۱۲۴)۔ اُن پر جب یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی رب اور الٰہ نہیں ہے

اور اُن کا باپ اور ان کی قوم سب گمراہ ہیں تو انہوں نے باپ دادا کی اندھی تقلید کو چھوڑنے، اپنے قومی مذہب کو ترک کردینے، اور بالکل یکسو ہو کر صرف خالقِ ارض و سما کی بندگی اختیار کرلینے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہیں کی، اور صرف اپنی جگہ خالص خداپرست بن کر رہ نہیں گئے، بلکہ علی الاعلان اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہہ دیا کہ میں تمہارے اس دینِ شرک سے بیزار ہوں اور میرے نزدیک تم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو (الانعام ۷۴ تا ۸۱)۔ انہوں نے باپ سے صاف صاف کہا کہ تو اندھے بہرے بے اختیار معبودوں کی بندگی کرکے دراصل شیطان کی بندگی کر رہا ہے، اور باپ نے انہیں سختی کے ساتھ جھڑک کر گھر سے نکال دیا (مریم ۴۲ تا ۴۸)۔ انہوں نے جب قوم کو دلیلوں سے سمجھانے کی کوشش کی اور وہ نہ مانی تو موقع پاکر اس کے بُت خانے میں گھس گئے، اور اس کے بتوں کو توڑ کر عملاً اسے یہ دکھا دیا کہ جن کی وہ بندگی کر رہی ہے وہ اُس کو تو کیا، خود اپنے آپ کو بھی بچانے پر قادر نہیں ہیں (الانبیاء ۵۲ تا ۷۰۔ الصافات ۸۵ تا ۹۶)۔ اُن کو ملک کے بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کیا گیا جو رب ہونے کا مدعی تھا۔ انہوں نے بالکل بے خوف ہو کر کہا کہ میں اُس ہستی کے سوا کسی کو رب نہیں مانتا جس کے ہاتھ میں زندگی و موت ہے۔ نمرود نے کہا زندگی و موت میرے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے یہ منہ توڑ جواب دے کر اسے مبہوت کردیا کہ تو سورج کو مشرق سے نکال کر دکھا دے (البقرہ ۲۵۸)۔ اُن کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ انہیں اس میں پھینک کر زندہ جلا دیا جائے۔ مگر وہ پھر بھی باطل کے آگے نہ جھکے اور حق کی خاطر جل مرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اُس نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور اسے ان کے لیے بے ضرر بنا دیا۔ مگر انہوں نے اپنی طرف سے یہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی کہ وہ آگ میں پھینکا جانا قبول کرسکتے ہیں مگر حق کو چھوڑ کر باطل کی بندگی کرنا قبول نہیں کرسکتے۔ (الانبیاء ۶۸ تا ۷۰۔ الصافات ۹۷-۹۸)۔ آخرکار جب اُن کے لئے اپنے دین اور اپنے وطن دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو انہوں نے دین کو نہ چھوڑا اور گھر، خاندان، قوم اور وطن سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر خدا کے بھروسے پر نکل کھڑے ہوئے، اور یہ جانتے ہوئے کہ غریب الوطنی کیا چیز ہوتی ہے بے تکلف کہہ دیا کہ اِنِّي ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا" (الصافات ۹۹)۔ بڑھاپے کی عمر میں جب بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اُن کے رب نے اُن کو ایک اور سخت آزمائش میں ڈالا۔ اُنہیں اشارہ کیا گیا کہ اس دودھ پیتے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لے جا کر مکہ کی سنسان، بے آب و گیاہ وادی میں اس جگہ چھوڑ آؤ جہاں ہم اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اس حکم کی تعمیل کے لیے بھی بلا تامل آمادہ ہو گئے اور فلسطین سے جہاں وہ رہتے تھے، سیکڑوں میل دور لے جا کر بیوی اور بچے کو بالکل خدا کے بھروسے پر چھوڑ دیا (الحج ۲۶۔ ابراہیم ۳۷)۔ پھر ایک اور اس سے بھی زیادہ شدید آزمائش کی گئی۔ جب وہی لڑکا بڑا ہو کر اس عمر کو پہنچ گیا کہ باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرسکے تو اشارہ کیا گیا کہ اسے ہمارے لیے ذبح کر دو۔ وہ اس فرمان پر بھی عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور بیٹے کے گلے پر چھری پھیرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی قبول فرما کر ایک "ذبح عظیم" کو اس کے فدیے میں دے دیا (الصافات ۱۰۰ تا ۱۰۷)۔ خدا اور اس کے دین کے معاملے میں وہ کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وطن چھوڑتے ہوئے انہوں نے صاف صاف اپنی قوم سے کہا کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ" (الممتحنہ ۴)

اپنے باپ سے انہوں نے دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا اور دعا کی بھی، مگر جب انہیں احساس ہوا کہ وہ تو اللہ کا دشمن تھا تو انہوں نے اس سے محبت کا یہ تعلق بھی ختم کر دیا (التوبہ ۱۱۴)۔ یہ تھی وہ سیرت اور یہ تھا کردار جسے دعوتِ اسلامی نے نمونے کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

حضرت لوطؑ اور قوم لوط | حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے فلسطین کی طرف آئے تھے۔ یہاں جس جگہ انہوں نے اپنا مسکن بنایا تھا اس کے قریب ہی ایک نہایت خبیث قوم آباد تھی جو دنیا میں خبیث کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اس کی اصلاح کا کٹھن کام سپرد کیا اور انہیں نبی بنا کر اس کے علاقے میں بھیج دیا۔ اس قوم کا حال یہ تھا کہ اس میں مرد کی مرد سے مباشرت عام تھی جس کا ارتکاب چھپ کر بھی نہیں بلکہ علانیہ ایک دوسرے کے سامنے اور بھری محلسوں میں کیا جاتا تھا۔ اس پر مزید وہ ایک رہزن قوم تھی، کسی شخص یا قافلے کا اس کے علاقے سے بخیریت گذر جانا ممکن نہ تھا (النمل ۵۴، العنکبوت ۲۹)۔ حضرت لوطؑ نے رسول اس کو خدا سے ڈرایا اور ان حرکتوں سے باز آجانے کی تلقین کی، مگر اس کا جواب یہ تھا کہ "اے لوط، اگر تو نے یہ باتیں نہ چھوڑیں تو ہم تجھے اپنے ہاں سے نکال دیں گے" (الشعراء ۱۶۷)۔ حضرت لوط نے ان دھمکیوں کی پرانہ کی اور اپنی تبلیغ جاری رکھی تو ان لوگوں نے آپس میں طے کیا کہ "آل لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں" (الاعراف ۸۲۔ العنکبوت ۵۲)۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے اُن کو سزا دینے کا فیصلہ فرما دیا اور اُس پر عملدرآمد کے لیے ایک عجیب طریقہ اختیا کیا۔ چند فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں مہمان بنا کر بھیج دیے گئے۔ ان کا آنا تھا کہ سارے شہر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوگ جُوق در جُوق حضرت لوطؑ کے گھر کی طرف چڑھ دوڑے تاکہ ان لڑکوں کے ساتھ فعلِ بد کریں۔ حضرت لوطؑ نے ان کی بے انتہا منت سماجت کی کہ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟ مگر ان لوگوں پر ایک نشہ سا سوار تھا، انہوں نے حضرت لوطؑ کی ایک نہ سنی بلکہ اُلٹا اُن کو ڈانٹا کہ "کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے ہیں کہ دنیا بھر کے ٹھیکیدار نہ بنو" (الحجر ۷۰)۔ تب فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ "ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، آپ صبح سے پہلے پہلے اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں"۔ جو لوگ اُن کے مکان پر چڑھ آئے تھے ان کو تو اسی وقت اندھا کر دیا گیا (القمر ۳۷) اور صبح سویرے باقی ساری قوم کا تختہ الٹ دیا گیا، اس کی بستیاں تلپٹ کر دی گئیں اور اس پر ایسے پتھروں کی بارش کی گئی جن میں سے ہر ایک نشان زدہ تھا کہ کس کو ان میں سے کس آدمی کا خاتمہ کرنا ہے (ہود ۸۲۔۸۳)۔ یہ ایسی بدبخت قوم تھی کہ اس کے پورے علاقے میں ایک حضرت لوط کے گھر کے سوا کسی باایمان کا گھر نہ پایا جاتا تھا (الذاریات ۳۶) اور اس ایک گھر میں بھی خود حضرت لوطؑ کی بیوی بے ایمان تھی جس کے متعلق اُن کو حکم دیا گیا کہ اسے ساتھ نہ لے جائیں، کیونکہ اسے بھی مبتلائے عذاب ہونا ہے (ہود ۸۱)۔ قرآن میں یہ قصہ جگہ جگہ بیان کر کے لوگوں کو بتایا گیا کہ ایک بدکردار قوم کیسی ہوتی ہے، اس کا انجام کیا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کیسے کیسے سخت حالات میں کام کیا ہے۔

قصہ یوسف علیہ السلام | اس کے بعد تاریخی اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی باری آتی ہے جس پر ایک پوری سورۃ قرآن میں نازل کر کے اچھے اور برے کردار ایک دوسرے کے بالمقابل پیش کر دیے گئے۔ اس میں ایک طرف برادرانِ یوسف کا کردار ہے، جنہوں نے صرف اس لیے کہ والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام

اپنے کم سن بیٹے یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے ہیں آپس میں طے کیا کہ ان کو قتل کر دیں یا کہیں پھینک دیں اور اس کے بعد صالح لوگ بن جائیں۔ باپ کو دھوکا دیکر بھائی کو سیر و تفریح کے بہانے لے گئے، اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا، پھر جھوٹ موٹ کا خون اس کے قمیص پر لگا کر لے آئے اور باپ سے کہا کہ اسے تو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا۔ اس تجارتی قافلے والوں کا کردار ہے جنہوں نے حضرت یوسف کو اندھے کنویں میں پایا تھا۔ انہوں نے اس مظلوم بچے کو اپنے لیے مالِ تجارت بنا لیا اور مصر لے جا کر بیچ ڈالا۔ عزیز مصر کی بیوی کا کردار ہے جس کے شوہر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا اور جس کے گھر میں پل کر وہ جوان ہوئے تھے۔ اس کی بے شرمی کا حال یہ تھا کہ اس نے ان کو گناہ کی دعوت دی، وہ انکار کر کے بھاگے تو ان کا پیچھا کیا، عین اس موقع پر اس کا شوہر آ گیا تو الٹا ان پر الزام لگایا کہ وہ اس کی عصمت خراب کرنا چاہتے تھے۔ اس کا جھوٹ جب صریح طور پر ثابت ہو گیا اور شہر کے اونچے طبقوں کی عورتوں میں اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا تو اس نے انہیں اپنے ہاں دعوت پر بلا کر حضرت یوسف کو ان کے سامنے یہ بتانے کے لیے پیش کیا کہ ایسے حسین جوان پر میں مر نہ مٹتی تو اور کیا کرتی، اور بے تکلف بھری مجلس میں کہا کہ اگر یہ میرے ساتھ ناجائز تعلق پر راضی نہ ہوا تو میں اسے قید کرا دوں گی۔ مصر کے اونچے طبقے کی عورتوں کا کردار ہے جنہوں نے اس محفل میں حضرت یوسف کا حسن دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پڑ گئیں اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مصر کے حاکموں کا کردار ہے جنہوں نے اپنی عورتوں کے اخلاق بگاڑ کی سزا الٹی حضرت یوسف کو دی اور بے قصور انہیں قید کر کے برسوں جیل میں ڈالے رکھا۔ اس کے مقابلے میں دوسری طرف حضرت یوسف کا کردار ہے جس میں اخلاق کی پاکیزگی کا ایک سے ایک بہتر نمونہ سامنے آتا ہے۔ انہوں نے قید ہو جانا گوارا کر لیا مگر اپنے دامن کو گناہ سے داغدار کرنا گوارا نہ کیا۔ اس پر بھی انہیں اپنے تقویٰ کا کوئی زعم لاحق نہ ہوا بلکہ انہوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے میرے پروردگار، قید مجھے اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں، اور اگر تو نے ان عورتوں کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف جھک پڑوں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔" انہوں نے جیل میں بھی خدا کے بندوں کو وعظ و نصیحت کے راہ راست دکھانے کی کوشش کی اور تبلیغ حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کا صرف ایک واقعہ سورہ یوسف میں آیت ۳۶ سے ۴۲ تک بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قید کے اس طویل زمانے میں وہ کس طرح دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ پھر جب بادشاہِ مصر کے ایک خواب کی تعبیر انہوں نے دی اور بادشاہ نے اس سے متاثر ہو کر انہیں رہا کرنا اور اپنے پاس بلانا چاہا تو انہوں نے اس وقت تک رہائی قبول نہ کی جب تک عزیز مصر کی بیوی اور اس کے ساتھ کی دوسری عورتوں نے ان کی پاک دامنی اور خود اپنے قصوروار ہونے کی شہادت نہ دے دی۔ اس کے بعد وہ دور آیا جب مصر میں انہیں شاہانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس زمانے میں ان کے وہی بھائی جنہوں نے ان کو اندھے کنویں میں پھینکا تھا ان کے پاس بار بار غلہ مانگنے کے لیے آتے رہے اور وہ انہیں غلہ دیتے رہے اور ایک مرتبہ بھی ان کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ ان سے اس ظلم کا بدلہ لیں جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ اول اول تو یہ بھائی اس بات سے ناواقف تھے کہ مصر کے جس فرمانروا سے وہ غلہ حاصل کر رہے ہیں وہ کون ہے اور صرف حضرت یوسفؑ ہی ان کو پہچان رہے تھے۔ مگر جب تیسری مرتبہ وہ آئے اور حضرت یوسف نے انہیں بتایا کہ میں تمہارا وہی بھائی ہوں جس

ساتھ تم نے وہ ظلم کیا تھا جو تم جانتے ہو، اور انہوں نے اپنے خطاکار ہونے کا اعتراف کیا، تو حضرت یوسف کا جواب یہ تھا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔
"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔" پھر صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو وطن سے مصر بلوایا، بلکہ ان بھائیوں کو بھی ان کے سارے اہل وعیال سمیت بلاکر وہاں عزت کے ساتھ آباد کیا۔ آخری شان اس عظیم انسان کے کردار کی سورۂ یوسف میں یہ دکھائی گئی کہ اپنے اس عروج پر وہ کسی فخر وغرور کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر بندگی خم کر کے عرض کرتا ہے کہ "اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین وآسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ مسلم و فرمانبردار کی حیثیت سے کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل مَدْیَن واصحابُ الایکہ | قرآن مجید میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ کا حال بھی لوگوں سے بیان کیا گیا جن کا علاقہ شمالی حجاز میں واقع تھا۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کے ساتھ جو اخلاقی خرابیاں ان کے اندر خصوصیت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں وہ یہ تھیں کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن لوگ تھے اور انہوں نے بڑا فساد برپا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین میں اپنا نبی بنا کر مبعوث کیا اور ایکہ والوں کی اصلاح کا کام بھی ان کے سپرد فرمایا۔ وہ مدتوں ان لوگوں کو خدا کا خوف دلا کر ان برئیوں سے باز آنے کی تلقین کرتے رہے مگر صرف ایک قلیل تعداد ان پر ایمان لائی اور باقی سب اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے مدین کے سرداروں نے حضرت شعیبؑ سے کہا "کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں، یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کریں" (ہود ۸۷)۔ بالفاظِ دیگر انہیں اس بات پر بھی اصرار تھا کہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی بندگی صرف اس وجہ سے کی جائے کہ باپ دادا ان کی بندگی کرتے رہے ہیں، اور وہ اس بات پر بھی مُصر تھے کہ اپنے مالوں میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق ہر طرح کے تصرف کی آزادی ہونی چاہیے خواہ وہ لوٹ مار ہو، یا تجارت میں بے ایمانی ہو، یا کمزور لوگوں پر ظلم وستم ہو۔ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ "اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو برباد ہو جاؤ گے" (الاعراف ۹۰)۔ گویا ان کے نزدیک قوم کا پھلنا پھولنا اسی پر منحصر تھا کہ وہ ہر طرح کے ناجائز طریقوں سے مال ودولت حاصل کرے، اور صرف جائز طریقوں کی پابندی قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ قوم برباد ہو جائے۔ انہوں حضرت شعیب کو دھمکیاں دیں کہ "ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو نکال باہر کریں گے" (الاعراف ۸۸) اور ان سے کہا کہ "تم کو تو ہم اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے۔ تمہارا اپنا بل بوتا اتنا نہیں ہے کہ ہم پر تم بھاری ہو" (ہود ۹۱)۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے یہ فرما کر انہیں شرم دلائی کہ "میرا قبیلہ کیا تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے؟ اس کو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا" (ہود ۹۲)۔ ایسا ہی رویہ اصحاب ایکہ نے بھی حضرت شعیبؑ کے ساتھ اختیار کیا۔ ان کی کسی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا تو یہ کہ "اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو" (الشعراء ۸۷) آخر کار دونوں قومیں خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئیں اور تباہ کر کے رکھ دی گئیں۔ قریش کے لوگ اپنے تجارتی سفروں میں شام جاتے ہوئے ہمیشہ ان علاقوں سے گزرتے تھے جہاں یہ قومیں مبتلائے عذاب ہوئی تھیں، اس لیے وہ قرآن کے اس بیان سے اثر لیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

اپنے کم سن بیٹے یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے ہیں آپس میں طے کیا کہ ان کو قتل کر دیں یا کہیں پھینک دیں اور اس کے بعد صالح لوگ بن جائیں، باپ کو دھوکا دیکر بھائی کو سیر و تفریح کے بہانے لے گئے، اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا، پھر جھوٹ موٹ کا خون اُس کے قمیص پر لگا کر لے آئے اور باپ سے کہا کہ اسے تو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا۔ اُس تجارتی قافلے والوں کا کردار ہے جنہوں نے حضرت یوسف کو اندھے کنویں میں پایا تھا۔ انہوں نے اُس مظلوم بچے کو اپنے لیے مالِ تجارت بنا لیا اور مصر لے جا کر بیچ ڈالا۔ عزیزِ مصر کی بیوی کا کردار ہے جس کے شوہر نے حضرت یوسفؑ کو خریدا تھا اور جس کے گھر میں پل کر وہ جوان ہوئے تھے۔ اس کی بے شرمی کا حال یہ تھا کہ اس نے ان کو گناہ کی دعوت دی، وہ انکار کر کے بھاگے تو ان کا پیچھا کیا، عین اس موقع پر اس کا شوہر آگیا تو الٹا ان پر الزام لگایا کہ وہ اس کی عصمت خراب کرنا چاہتے تھے۔ اس کا جھوٹ جب صریح طور پر ثابت ہو گیا اور شہر کے اونچے طبقوں کی عورتوں میں اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا تو اس نے انہیں اپنے ہاں دعوت پر بلا کر حضرت یوسفؑ کو ان کے سامنے یہ بتانے کے لیے پیش کیا کہ ایسے حسین جوان پر میں فریفتہ نہ ہوتی تو اور کیا کرتی، اور بے تکلف بھری مجلس میں کہا کہ اگر یہ میرے ساتھ ناجائز تعلق پر راضی نہ ہوا تو میں اسے قید کرا دوں گی۔ مصر کے اونچے طبقے کی عورتوں کا کردار ہے جنہوں نے اس محفل میں حضرت یوسف کا حسن دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پڑ گئیں اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مصر کے حاکموں کا کردار ہے جنہوں نے اپنی عورتوں کے اخلاق بگاڑ کی سزا الٹی حضرت یوسف کو دی اور بے قصور انہیں قید کر کے برسوں جیل میں ڈالے رکھا۔ اس کے مقابلے میں دوسری طرف حضرت یوسف کا کردار ہے جس میں اخلاق کی پاکیزگی کا ایک سے ایک بہتر نمونہ سامنے آتا ہے۔ انہوں نے قید ہو جانا گوارا کر لیا مگر اپنے دامن کو گناہ سے داغدار کرنا گوارا نہ کیا۔ اِس پر بھی انہیں اپنے تقویٰ کا کوئی زعم لاحق نہ ہوا بلکہ انہوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے میرے پروردگار، قید مجھے اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں، اور اگر تو نے اِن عورتوں کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف جھک پڑوں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔" انہوں نے جیل میں بھی خدا کے بندوں کو وعظ و نصیحت کے راہ راست دکھانے کی کوشش کی اور تبلیغِ حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اِس کا صرف ایک واقعہ سورۂ یوسف میں آیت ۳۶ سے ۴۰ تک بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قید کے اِس طویل زمانے میں وہ کس طرح دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ پھر جب بادشاہِ مصر کے ایک خواب تعبیر انہوں نے دی اور بادشاہ نے اُس سے متاثر ہو کر انہیں رہا کرنا اور اپنے پاس بلانا چاہا تو انہوں نے اس وقت تک رہائی قبول نہ کی جب تک عزیزِ مصر کی بیوی اور اس کے ساتھ کی دوسری عورتوں نے اُن کی پاک دامنی اور خود اپنے قصوروار ہونے کی شہادت نہ دے دی۔ اِس کے بعد وہ دور آیا جب مصر میں انہیں شاہانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ اُس زمانے میں ان کے وہی بھائی جنہوں نے ان کو اندھے کنویں میں پھینکا تھا ان کے پاس بار بار غلہ مانگنے کے لیے آتے رہے اور وہ انہیں غلہ دیتے رہے اور ایک مرتبہ بھی ان کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ اُن سے اُس ظلم کا بدلہ لیں جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ اوّل اوّل تو یہ بھائی اِس بات سے ناواقف تھے کہ مصر کے جس فرمانروا سے وہ غلہ حاصل کر رہے ہیں وہ کون ہے اور صرف حضرت یوسفؑ ہی ان کو پہچان رہے تھے۔ مگر جب تیسری مرتبہ وہ آئے اور حضرت یوسف نے انہیں بتایا کہ میں تمہارا وہی بھائی ہوں جس کے

ساتھ تم نے وہ ظلم کیا تھا جو تم جانتے ہو، اور انہوں نے اپنے خطاکار ہونے کا اعتراف کیا، تو حضرت یوسف کا جواب یہ تھا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔
"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔" پھر صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو وطن سے مصر بلوایا، بلکہ ان بھائیوں کو بھی ان کے سارے اہل و عیال سمیت بلا کر وہاں عزت کے ساتھ آباد کیا۔ آخری شان اس عظیم انسان کے کردار کی سورۂ یوسف میں یہ دکھائی گئی کہ اپنے اس عروج پر وہ کسی فخر و غرور کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر بندگی خم کر کے عرض کرتا ہے کہ "اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ مسلم و فرمانبردار کی حیثیت سے کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل مَدْیَن و اصحابُ الایکہ | قرآن مجید میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ کا حال بھی لوگوں سے بیان کیا گیا جن کا علاقہ شمالی حجاز میں واقع تھا۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کے ساتھ جو اخلاقی خرابیاں ان کے اندر خصوصیت کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں وہ یہ تھیں کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن لوگ تھے اور انہوں نے بڑا فساد برپا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین میں اپنا نبی بنا کر مبعوث کیا اور ایکہ والوں کی اصلاح کا کام بھی ان کے سپرد فرمایا۔ وہ مدتوں ان لوگوں کو خدا کا خوف دلا کر ان برائیوں سے باز آنے کی تلقین کرتے رہے مگر صرف ایک قلیل تعداد ان پر ایمان لائی اور باقی سب اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے۔ مدین کے سرداروں نے حضرت شعیبؑ سے کہا "کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں، یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کریں" (ہود ۸۷)۔ بالفاظ دیگر انہیں اس بات پر بھی اصرار تھا کہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی بندگی صرف اس وجہ سے کی جائے کہ باپ دادا ان کی بندگی کرتے رہے ہیں، اور وہ اس بات پر بھی مُصِر تھے کہ اپنے مالوں میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق ہر طرح کے تصرف کی آزادی ہونی چاہیے خواہ وہ لوٹ مار ہو، یا تجارت میں بے ایمانی ہو، یا کمزور لوگوں پر ظلم و ستم ہو۔ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ "اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو برباد ہو جاؤ گے" (الاعراف ۹۰)۔ گویا ان کے نزدیک قوم کا پھلنا پھولنا اسی پر منحصر تھا کہ وہ ہر طرح کے ناجائز طریقوں سے مال و دولت حاصل کرے، اور صرف جائز طریقوں کی پابندی قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ قوم برباد ہو جائے۔ انہوں نے حضرت شعیب کو دھمکیاں دیں کہ "ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو نکال باہر کریں گے" (الاعراف ۸۸) اور ان سے کہا کہ "تم کو تو ہم اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے۔ تمہارا اپنا بل بوتا اتنا نہیں ہے کہ ہم پر تم بھاری ہو" (ہود ۹۱)۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے یہ فرما کر انہیں شرم دلائی کہ "میرا قبیلہ کیا تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے؟ اس کو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا" (ہود ۹۲)۔ ایسا ہی رویہ اصحاب ایکہ نے بھی حضرت شعیبؑ کے ساتھ اختیار کیا۔ ان کی کسی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا تو یہ کہ "اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو" (الشعراء ۱۸۷) آخر کار دونوں قومیں خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئیں اور تباہ کر کے رکھ دی گئیں۔ قریش کے لوگ اپنے تجارتی سفروں میں شام جاتے ہوئے بعینہٖ ان علاقوں سے گزرتے تھے جہاں یہ قومیں مبتلائے عذاب ہوئی تھیں، اس لیے وہ قرآن کے اس بیان سے اثر لیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

حق وصداقت کا بے باک ترجمان اور شستہ تنقیدوں کا امین

پندرہ روزہ اجتماع

وقت کی پابندی اور کتابت وطباعت کی شائستگی کے ساتھ چھپ رہا ہے گمراہی اور ضلالت بدعت وخرافات کے خلاف کھلا جہاد کرنے والے اس اخبار سے رشتہ قائم کر کے حق پرستی اور حق پسندی کا ثبوت دیجئے آنے والے شمارہ سے جماعت اسلامی کے خلاف چھپے ہوئے ایک پوسٹر پر سلسلہ وار تنقید شائع ہورہی ہے۔ شائقین حضرات تجلی کے ایجنٹوں سے رابطہ قائم کریں یا سالانہ چندہ دس ۱۰ روپے ارسال کر کے ایک سال کی خریداری قبول فرمائیں۔ عنقریب ہی دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن پر بھی بے لاگ اظہار خیال ملاحظہ فرمائیے مدارس عربیہ کے اندر جو گندی سیاست پھل پھول رہی ہے اس پر بھی جلد ہی مفصل گفتگو کی جائے گی۔ ہر شہر اور ہر گاؤں کے باشندوں سے گذارش ہے کہ وہ اپنے یہاں ہونے والی خرافات سے آگاہ کریں تا کہ ان کے خلاف لکھکر لوگوں کی اصلاح کی جائے۔

منیجر اجتماع دیوبند

محمد عبدالرحمن
ناظم حلقۂ طلباء
(کھمم)

ہفتہ وار "بلٹنر" بروز سنیچر بتاریخ ۲۰ر مئی ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۵ پر مولینا اشفاق احمد صاحب کے مضمون بہ عنوان "کیا تفہیم القرآن" قرآن پاک کی تشریح ہے ؟ میں مولانا مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی پر جو کیچڑ اُچھالی گئی ہے اسکے ازالے کیلئے ماہنامہ "تجلی" میں میری نیچے دی ہوئی تحریر کو شائع کریں تو عام لوگوں میں جو بدظنی پھیلی ہے وہ دور ہو جائے گی۔

آیت :- وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۸)

ترجمہ :- اور دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال ۹۹ اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے ۱۰۰ (ترجمہ مولانا مودودی صاحب)

تفسیر ۹۹ اس دعا کی تلقین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا وقت اب بالکل آلگا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ تمہاری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ صداقت کا دامن کسی حال میں تم سے نہ چھوٹے، جہاں سے بھی نکلو صداقت کی خاطر نکلو اور جہاں بھی جاؤ صداقت کے ساتھ جاؤ۔

تفسیر ۱۰۰ یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اسکی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں، اور تیری قانون عدل کو جاری کر سکوں، یہی تفسیر ہے اس آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کرتی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ، یعنی "اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جنکا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اسکو عمل میں لانے کیلئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے جبکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت

دین اور نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کیلئے حکومت چاہنا اور اسکے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے حکومت کا طالب ہو۔ رہا خدا کے دین کے لئے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔

(مفسر مولانا مودودی صاحب)

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ نمبر ۶۳۷ اور ۶۳۸)

اسی آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند مولنا محمود حسنؒ صاحب نے یوں کیا ہے۔ اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔

تفسیر:- ف۲ یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے پہنچا کر حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ) سے تو وہ بھی آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل و خوار اور دوست شاداں و فرحاں ہوں اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔

تفسیر ف۳:- یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو تاکہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں دنیا میں کوئی قانون ہو سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کیلئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں انکے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ (مفسر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ)

(۱) مولانا مودودی صاحب کی تفسیر نمبر ۱۰۰ میں حکومت کی مدد طلب کرنے کا بیان ہے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی تفسیر حاشیہ نمبر ف۳ میں حکومت کی مدد طلب کرنے کا بیان ہے۔ پھر مولانا اشفاق احمد صاحب کو ایسی غلط فہمی کیسے ہو گئی ہے کہ مولانا مودودی صاحب ہی نے اپنی تفسیر میں حکومت کی مدد طلب کے بارے میں لکھے ہیں۔

(۲) مولانا مودودی صاحب کی تفسیر جو تحریر کی گئی ہے اس میں کہیں بھی یہ بیان نہیں ہے کہ کسریٰ یا روما کی حکومتوں کو میرا مددگار بنا دے مولانا اشفاق احمد صاحب نے ہفتہ وار بلٹز صفحہ ۵ پر قیصر و کسریٰ کے الفاظ پڑھ کر مولانا مودودی کو مطعون کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے جس کی جواب دہی انھیں آخرت میں کرنی پڑے گی۔

(۳) مولانا اشفاق احمد صاحب کو شاید یہ نہیں معلوم کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ ہیں اور وہ اخبار میں شیخ الہند مولانا احمد حسین مدنیؒ کو لکھ گئے ہیں ●●

تجلّی آخرت کی جواب دہی تو بعد کی چیز ہے۔ مولانا مودودی کے بیشتر مخالفین کا عالم تو یہ ہے کہ وہ آدمیت اور شرم دنیا سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگ کچھ بھی کر گزریں اور کسی پر کچھ بھی الزامات عائد کر دیں خلافِ توقع نہیں۔

مشکل یہ ہے کہ جب سے مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کی مخالفت فیشن میں داخل ہوئی ہے تب سے وہ حضرات بھی زبان درازی کرنے میں لگے ہوئے ہیں جو اردو کی چند سطریں بھی صحیح طور پر نہیں لکھ سکتے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صبر کیا جائے اور ایسے تمام حضرات کے حق میں دعائے خیر کی جائے۔

جہاں تک مولانا مودودی کی عزت و عظمت کا معاملہ ہے تو اس پر پھر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ چاند کا تھوکا ہمیشہ اپنے منھ پر گرتا ہے۔ یہ بات عام مشاہدہ میں آچکی ہے مولانا مودودی کو رسوا کرنے والے حضرات اب خود رسوائی اور بدنامی سے دوچار ہیں۔ اس کے باوجود کسی اشفاق صاحب کا اول فول بکنا باعثِ افسوس کم اور باعثِ عبرت زیادہ ہے۔ ●●

تبلیغی جماعت کا اجتماع اور کارکنانِ جماعتِ اسلامی

از سہ روزہ دعوت دہلی۔

قصبہ وزیر پور ضلع سوائی مادھوپور میں ۱۶، ۱۷ دسمبر کو ضلع کی سطح پر تبلیغی جماعت کا اجتماع منعقد ہوا۔ ضلع کے قصبات و دیہات سے تقریباً پانچ چھ سو مسلم افراد نے شرکت کی۔ اجتماع کے تمام انتظامات قیام، طعام، روشنی و شامیانہ پانی و فرش وغیرہ کارکنان جماعت اسلامی کے ہاتھوں انجام پاتے دیکھ کر شرکائے اجتماع حیرت زدہ تھے۔ تمام ذمہ داریاں بحسن خوبی امیر اجتماع حاجی فیاض صاحب جے پور کے زیر نگرانی کارکنان جماعتِ اسلامی اور ایس آئی ایم کی مقامی یونٹ کے طلباء و نوجوان بڑی سرگرمی سے انجام دے رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اس موسم سرما کی راتوں میں رات کے ۱۲-۱ بجے تک فرش و برتن کی صفائی اور مہمانوں کو چائے سپلائی دوڑ دوڑ کے کرتے نظر آتے۔

شرکائے اجتماع کا ایک عام تاثر یہ تھا کہ ہم تو وزیر پور کے بارے میں بڑے خائف تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہاں تبلیغی جماعت کا اجتماع کیسے ہوگا یہ تو جماعت اسلامی کا گڑھ ہے لیکن جب افواہوں کے برخلاف یہ مشاہدہ ہوا تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہاں تو سارا نظم ہی جماعت اسلامی کے کارکنان پوری ذمہ داری سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ بیشتر افراد نے اپنے تاثرات کا اظہار جب سوالیہ انداز میں جماعت اسلامی کے ذمہ داران سے کیا تو انکا ایک ہی جواب تھا ہم ہر بھلائی کے کام میں تعاون و اشتراک کی پالیسی روز اوّل سے اپنائے ہوئے ہیں تبلیغی جماعت کے افراد تو ہمارے دینی بھائی ہیں اور یہ ایک دینی اجتماع ہے۔ ہم تو اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی بھلائی کے کاموں میں تعاون پیش کرتے رہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت دین کا ایک کام کر رہی ہے اسکا اپنا ایک طریقۂ کار ہے۔ جماعت اسلامی ہند بھی دین اسلام کی اقامت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ اور وہ اپنا ایک طریقۂ کار رکھتی ہے اس حیثیت سے جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت میں ٹکراؤ یا مخالفت کا کوئی سوال ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے پروپیگنڈہ کرنے والے اشخاص یا تو نادان قسم کے لوگ ہیں یا پھر وہ دینی جماعتوں کے باہمی ٹکراؤ ہی میں اپنا مفاد سمجھتے ہیں اس لئے ایسی باتیں پھیلاتے رہتے ہیں امت مسلمہ ایک ہی جسم کی حیثیت رکھتی ہے ہم سب اسکے اعضاء ہیں۔ ہمیں مل جل کر اللہ کے دین کی سربلندی کا فریضہ انجام دینا چاہیئے۔

تبلیغی جماعت کے کئی ذمہ داران و نمائندے جے پور

سے بھی تشریف لائے تھے۔ اور اسی موقع پر جماعت اسلامی سوائی مادھوپور کے ناظم ڈویژن بھی تشریف لائے اور جے پور سے دفتر جماعتِ اسلامی حلقہ راجستھان کے سکریٹری بھی جو اسی بستی کے رہنے والے ہیں پہلے سے موجود تھے ہر دو جماعت کے نمائندوں نے باہمی صلاح و مشورہ سے اجتماع کا پروگرام ترتیب دیا۔ سکریٹری جماعت اسلامی نے اجتماع کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل اہل بستی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں نے جس فراخ دلی سے اجتماع کیلئے کثیر چندہ پیش کیا ہے یہ دین سے محبت کا ایک ثبوت ہے لیکن محض اجتماع کر لینا ہی آپکا مقصد نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس اجتماع میں آپ کی زندگی گذارنے کے بارے میں اسلام کی جو ہدایات سامنے آئیں انھیں زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرنے کی پوری پوری جدوجہد میں لگ جانا چاہیئے۔ آپ نے کلمہ طیبہ کے اقرار میں تمام الہٰوں کا انکار کیا ہے آپ یہ کلمہ پڑھ کر ایک اللہ اور ایک ہادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نعرہ لگا رہے ہیں بلا شبہہ مسلمان حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بتوں سے تو بخوبی واقف ہیں اور ان کی پرستش و اطاعت کو شرک سمجھتا ہے لیکن اس دور کے جدید بتوں کی اطاعت و بندگی لاشعوری طور پر پوری طور پر اس طرح کر رہا ہے کہ اس میں گناہ تک نہیں سمجھتا آپ دین کا شعوری علم حاصل کیجئے اور زندگی کے ہر معاملے میں آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے سے روشنی حاصل کیجئے۔ دین و دنیا کی تفریق و تقسیم کا نظریہ جو عام ہو گیا ہے اسے ختم کیجئے اور متحد و متفق ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامیئے اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے۔ آپ نے جماعت اسلامی کے کارکنان کو ہدایت کی کہ اجتماع سے متعلق جو امور آپ کے سپرد ہوئے ہیں۔ پوری پوری ذمہ داری سے انھیں انجام دیں اور دینی کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون اور مسابقت کا جذبہ زیادہ سے زیادہ پروان چڑھایئے۔ قرآن کی یہ واضح ہدایت ہر وقت سامنے رہنی چاہیئے۔ کہ نیکی کے کاموں میں تعاون کرو اور بدی و بغاوت کے کاموں سے دور رہو۔

اس موقع پر ایس آئی ایم کی مقامی یونٹ کی جانب سے ایک بک اسٹال اور ایک ٹی اسٹال کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ٹی اسٹال پر چھوٹی چھوٹی عمر کے طالب علم بڑی مستعدی سے مہمانوں کو اس سردی بھری رات میں چائے پلائی کرتے نظر آئے۔ دوسری جانب بک اسٹال پر بڑے سنجیدہ نوجوان دیکھے گئے۔ ان کا یہ شباب اور اس قسم کے کاموں میں دلچسپی اور انہماک، میرے لئے ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ محو حیرت ہو کر سوچنے لگا کہ اس پرفتن گندے ماحول اور مادہ پرست و لذت پسند دور میں یہ کتنا سنگین مقابلہ ہے کہ یہ نوجوان ایک صالح نوجوان کی حیثیت کو اجاگر کر رہے ہیں ان کے لسانی چہرے، معصوم نگاہیں، حلاوت آمیز گفتگو اور پرکشش انداز، لوگوں کو کھینچ کر بک اسٹال پر لا رہا تھا۔ نہایت متانت و سنجیدگی سے معترضین کے اعتراضات پر خاموشی اور افہام و تفہیم کی غرض سے آنے والے حضرات کو مدلل گفتگو سے مطمئن کرنا انکا طرز کلام تھا کارکنان کے نظم و ضبط اور وسیع نظری کا یہ عالم بھی دیکھا گیا کہ اجتماع کی کارروائی کے دوران بک اسٹال پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ بک اسٹال پر تحریک اسلامی سے متعلق لٹریچر ہندی، اردو، انگلش میں تھا معلوم ہوا کہ ایک ہزار روپیہ سے زائد کا لٹریچر فروخت ہوا مزید خوشی کا باعث یہ بات رہی کہ بستی کے متعدد غیر مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں نے کافی مقدار میں لٹریچر خریدا

ہندی ترجمہ قرآن مجید کے نسخہ صرف دو ایک ہی

تھے اس لئے یہ مانگ غیر مسلم حضرات کی پوری نہ ہو سکی۔
اس بستی میں غیر مسلم حضرات کو کئی بار جماعتِ اسلامی کے پلیٹ فارم سے خطاب کیا جاچکا ہے اس لئے اس موقع پر بھی بڑے اشتیاق سے غیر مسلم حضرات کی کافی تعداد شریک اجتماع رہی لیکن تھوڑی دیر بیٹھ کر ہی واپس ہو گئے ان کا تاثر یہ رہا کہ یہاں تو صرف مسلمانوں ہی سے کچھ باتیں کہی جارہی ہیں۔ یہ لوگ متمنی تھے کہ غیر مسلموں سے بھی خطاب کیا جاتا۔

راقم ایک مشاہد کی حیثیت سے شریک اجتماع رہا۔ یہاں دو دینی جماعتوں کے باہمی اشتراک و تعاون کا منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ میں ملت اسلامیہ کے تمام اکابرین کی خدمت میں پر خلوص درخواست پیش کرتا ہوں کہ کاش ملت کے تمام ہی افراد و پارٹیاں، انجمن و ادارے اسی طرح ایک دوسرے کا تعاون و اشتراک ہر خیر کے کاموں میں پیش کرنا اپنا لائحہ عمل لیں تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہم علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں رہتے ہوئے بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے دین اسلام کی سربلندی کے نصب العین کو زیادہ سے زیادہ قوت بہم پہنچانے میں ممد و معاون بن سکتے ہیں اس اجتماع میں میرے لئے جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کے کارکنان کا باہمی اشتراک و تعاون اور خلوص و محبت بڑی مسرت اور تسکین کا باعث بنا اور میں خدا سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگا کہ بار الٰہ تمام مسلم تنظیموں کو یہ توفیق عطا فرما کہ وہ اس چھوٹے سے نمونہ سے سبق حاصل کریں اور ملت کے اتحاد و اتفاق کی ایک بہت بڑی مثال دنیا میں کر دکھائیں تاکہ ملت کی زبوں حالی و انتشار دور ہو اور حقیقی معنی میں ایک جسد واحد بنکر دین اسلام کے غلبہ کی جد و جہد میں لگ جائیں۔ خدانخواستہ ملت کی اس اہم ضرورت کی طرف اکابرین نے توجہ نہ فرمائی تو بر مخلص کارکنان جو ہر جماعت میں محض اللہ و رسول کی محبت میں ساتھ ہیں روز حشر ایسے تمام قائدین کا دامن تار تار کر

دیں گے جو اللہ کی رسی کے بجائے اپنی قیادت کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

تجلّی

قابلِ شکر ہے یہ بات کہ تبلیغی جماعت کے اجتماع میں جماعت اسلامی والوں نے بھاگ دوڑ کی اور اس بھاگ دوڑ کو تبلیغی جماعت کے افراد نے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تبلیغی جماعت اور جماعتِ اسلامی اپنے فروعی اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی از راہِ اسلام اور از راہِ اخوت ایک دوسرے کو گوارہ کرنے لگیں تو ملتِ اسلامیہ میں پھیلی ہوئی بے چینی اور ناچارگی کافی حد تک ختم ہو جائے۔

کون شخص اس کا انکار کر سکتا ہے کہ ان دونوں جماعت کے غیر محدود اختلاف نے کتنے ہی صلح پسند افراد کو "لڑاکو" بنا دیا ہے۔ یہ لوگ شریف اور اعتدال پسند ہونے کے باوجود اپنے اپنے نظریات کی خاطر ہمہ وقت بر سرِ پیکار ہی نظر آتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا پر اسی کے نظریات کا سکہ جاری رہے۔

اپنی جماعت کو وسیع اور مضبوط کرنے کی خواہش غلط نہیں غلط یہ ہے کہ آدمی وسعتِ جماعت کی خاطر غلط طور طریقے استعمال کرے اور اپنا قد اونچا کرنے کیلئے دوسروں کی گردنیں کاٹنے پر تل جائے۔

جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت فروعی اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی ہمنوائی کر سکتی ہیں جیسا کہ اس ہونے والے اجتماع میں ہوا ہے۔

بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر جماعت اسلام کی اشاعت کو اصل مقصد تصور کرے۔ اور صرف اپنے نظریات میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ ہم تبلیغی جماعت کے تمام افراد سے یہ گزارش کریں گے کہ وقتاً فوقتاً خود اپنا احتساب کرتے رہیں کہ وہ کسی غلطی اور خطا کا شکار

تو ہو کر نہیں رہ گئے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا اپنا حساب خود ہی کر لو اس سے پہلے کہ آخرت میں تم سے باز پرس ہو۔ اپنا احتساب کرنے سے تبلیغی جماعت والوں کو خود اپنی بعض غلطیوں کا احساس ہو گا اور وہ لامحالہ انھیں رفع کرنے کی کوشش کریں گے۔

ادھر جماعت اسلامی والوں سے ہماری گذارش یہ ہو کہ وہ تبلیغی جماعت والوں سے ربط ضبط رکھیں اور ان کی کمزوریوں کو یہ سوچکر گوارہ کرلیں کہ کمزوریاں تو خود ان کے اندر بھی موجود ہیں۔ اور دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہو کہ جو انسانی کمزوریوں سے مبرّا ہو اور کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جسکے طور طریقوں میں کچھ جھول نہ ہو۔

اگر اس انداز میں سوچکر دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو گوارہ کرنے کی روش اپنالیں تو معاشرے میں پھیلے ہوئے اختلافات کے بھیانک اندھیرے انشاءاللہ بڑی حد تک چھٹ جائیں گے۔ اور اشاعت اسلام کیلئے راہیں اور زیادہ ہموار ہو جائیں گی۔ ■ ■

بقیہ۔ جشن مودودی

سب گندے کام ہیں۔ اور اس طرح رشوت جیسے مرض کو ان لوگوں میں پھیلایا جارہا ہے۔ جہاں یہ ابھی عام نہیں ہے۔

دوسری طرف روزگار دلانے والے ایجنٹوں کا محاسبہ ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ پاکستانیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح سوار کرتے ہیں اور ان کی تنخواہیں بہت کم مقرر کراتے ہیں۔ دونوں طرف سے کمیشن کھاتے ہیں اور بعض اوقات پاکستانی مزدوروں کی زندگی بھر کا اثاثہ ہڑپ کر جاتے ہیں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں انہی جھگڑوں میں ملوث سینکڑوں مزدوروں جن کو کویت سے واپس بھیجا جارہا ہے وہ دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپے دیکر ملازمت کرنے آتے ہیں۔ اور بعض نے اپنے مکان اور زمین تک فروخت کردی تھیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ نام لیڈروں کو لڑا بھڑا کر ملک بدر بھی کرا رہے ہیں۔

حکومت پاکستان کو بھی خون پسینے کی گاڑھی کمائی بھیجنے والے ان پاکستانیوں کی طرف سے اتنی غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ کہ بس گا ہے بگا ہے کسی وزیر نے ایک بیان دے دیا کہ اتنا مزید سامان لے جانے کی اجازت ہے یا سرمایہ کاری کی ایک سکیم زیر غور ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ بیرون ملک پاکستانیوں کی ایک علیحدہ وزارت بنائی جائے اور اگر یہ کسی وزارت کے ساتھ منسلک ہے تو اس کی تنظیم نو کی جائے جہاں جہاں بڑی تعداد میں پاکستانی برسر روزگار ہیں وہاں وزارت کے دفاتر قائم کئے جائیں جن کا کام ان کے تمام مسائل اور معاملات کی نگہداشت ہونا چاہیئے یہ روزگار سے متعلق ہوں۔ پاکستانیوں کی ہر طرح رہنمائی ہونی چاہیئے بنکنگ میں بھی روزگار میں بھی تنازعات میں بھی، قانونی معاملات میں بھی اسی طرح کے دفاتر اگر سرگرم عمل ہوجائیں تو نام نہاد ایجنٹوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ یا کم از کم ان کے گندے کاروبار کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ سفارت خانوں کی اضافی ذمہ داریاں بھی کم ہوسکتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی تندہی سے انجام دیں۔ ■ ■

مکتوب کویت

کویت میں جشنِ مودودی کی تیاریاں

خاص طور پر کویت کی مسجد و ں
ؤں بازاروں میں جگہ جگہ یہی موضوع چھڑا رہتا ہے
رسب لوگ دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاکستان میں اسلامی
ام کے قیام میں مدد دے اور لوگوں کو ہمت واستطاعت
ے جنہوں نے اس بات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اللہ کا
ہ لاکھ شکر ہے کہ اس نے سید مودودی کی زندگی میں
ے افکار و نظریات کی عملی تعبیر کا موقع فراہم فرمایا
ے۔ جشن مودودی دراصل اسی رجل عظیم کو خراج عقیدت
ش کرنے کیلئے منایا جا رہا ہے۔ اس میں ہر طبقہ خیال
ے لوگ شامل ہیں کیونکہ سید مودودی کی شخصیت آنکھوں
ہ سامنے آجاتی ہے پاکستان سے۔ اس پروگرام میں
رکت کرنے کیلئے مولانا کے پرائیوٹ سکریٹری خلیل
مدی اور شعلہ بیان مقرر اور جماعت اسلامی پاکستان
ے نوجوان رہنما منور حسن تشریف لا رہے ہیں۔ جشن
ا صدارت کویت کے معروف وزرا کرام کریں گے۔ اور
ابوں کی نمائش کا افتتاح عالم اسلام کے ایک مشہور
لم دین فرما رہے ہیں جشن کمیٹی جلد ہی ایک کتابچہ شائع
ر رہی ہے جس میں پروگرام کی تفصیلات ہونگی۔

گذشتہ دنوں کویت کے ایک نواحی علاقے میں
لستانی مزدوروں کی عرب مزدوروں سے خوفناک
ائی کی افواہیں بڑی تیزی سے گشت کرتی رہیں۔ افواہ
ازوں نے خوب مرچ مسالحہ لگاکر اپنی افواہ کو موثر بنایا
عربوں نے پاکستانیوں پر اچانک حملہ کیا اور ان کے
بہت سے آدمی مارے گئے، جن کو خفیہ طریقے سے کویت
میں دبا دیا گیا بے تحاشہ لوگ زخمی ہوئے اور اس سے
پہلے بھی اس قسم کی کارروائیاں ہوتی رہیں ہیں۔ سفارت
خانہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر رہا ہے اور پاکستانی
مزدور یہاں بے یار و مددگار ہیں۔

راقم الحروف نے جائے وقوع پر جاکر حالات کا
جائزہ لیا۔ مزدوروں سے ملاقات کی اور پاکستانی سفارت
خانے سے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ جھڑپ ضرور
ہوئی تھی مگر معمولی تھی جیسے بعض لیڈری چمکانے والوں
نے بڑھا چڑھا دیا تھا۔ ایسی ہی دو تین جھڑپیں اس سے قبل
بھی ہو چکی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس سلسلے میں کوئی
مستقل تدارک یا ان جھگڑوں کا سدباب نہ کیا جائے تو
ہوسکتا ہے کہ چند مفاد، موقع پرست، اور احمق لوگ کہیں
اس حساس مسئلے کو نازک نہ بنا دیں۔

واقعہ بہت معمولی تھا۔ اس علاقے میں صرف ایک
بقالہ تھا۔ بقالہ یہاں پرچون فروش کو کہتے ہیں رمضان کا
زمانہ تھا ایک تو اس دکان پر سودا پہلے حاصل کرنے پر
اکثر جھگڑا رہتا تھا دوسرے چونکہ سب مزدور ایک ہی
سائٹ پر کام کر رہے تھے۔ اور اللہ کے فضل سے پاکستانی
مزدوروں کی کارکردگی دوسرے مزدوروں سے ہمیشہ اچھی
ہوتی ہے تو یہ بات بھی اکثر چشمک کا باعث رہتی تھی۔ ساتھ
ہی نام نہاد لیڈروں مزدوروں کو اکسانے کا کام بھی انجام
دیتے رہتے تھے۔ ان سب وجوہات نے مل کر جھگڑے

کی صورت اختیار کر لی تھی۔ مگر ہمارا [illegible] خوش [illegible]
بڑھ سکا اور بڑی خوش اسلوبی سے حسل کر لیا گیا۔ یہ پہلا
موقع ہے کہ ہمارا سفارت خانہ بروقت میدان میں آیا۔ اور
اسکے کارکنوں نے سفیر کی رہنمائی میں مثبت رول ادا کیا۔
پاکستانیوں کا نقطہ نظر پیش کیا۔ مسائل کے حل کے لئے
علیحدہ کینٹین اور دوکان کھلوائی۔ کام کاج کے سلسلے میں
قابلِ عمل فارمولا انتظامیہ سے منظور کرایا اور کئی سو
پاکستانی مزدوروں کا ـــــ اخراج کو رکوا دیا۔ ہم
امید کرتے ہیں کہ ہمارا سفارت خانہ آئندہ بھی پاکستانیوں
کے ساتھ اس طرح تعاون کرتا رہے گا اور پرانے سیاسی
گماستوں کی طرح صرف ثقافتی مجلسوں اور شراب وکباب
کی رنگ رلیوں ہی میں مست نہیں رہے گا۔ کویت میں رہنے
والے پاکستانیوں نے سفیر پاکستان اور قونصلر کی
کوششوں کو سراہا ہے۔

ہماری اپنے پاکستانی بھائیوں سے بھی دردمندانہ
گذارش ہیکہ وہ جب غیر ملک میں مزدوری کرنے آئیں
تو حالات کے فرق اور تبدیلی کو ضرور مدنظر رکھیں۔ کویت
میں لوگ "ہڑتال" کے لفظ سے ناآشنا ہیں۔ نہ یہاں
موثر طور پر کوئی ٹریڈ یونین میں سرگرمی ہے آجر و مستاجر
کا معاملہ بس اس معاہدہ کی روشنی میں طے پاتا ہے۔ جو دونو
کے درمیان ہو چکا ہو۔ اسلئے پہلے تو یہ کوشش کرنی چاہئے
کہ بہتر سے بہتر شرائط پر ملازمت حاصل کی جائے آپ
جس ملک میں جا رہے ہیں وہاں کی اجرتوں کا معیار ضرور
معلوم کر لیجئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اور مزدوری کس
طرح نہیں طے کرنی چاہیئے کہ روپوں میں کیا ملیگا۔ آپکو یہ
سوچنا چاہیئے کہ آپ اپنے محبوب وطن کو چھوڑ رہے ہیں۔
اپنے بال بچوں اور دوست احباب سے جدا ہو رہے ہیں۔
اس سب ایثار کی کوئی قیمت ہے۔ آپ خدمت خلق کے
کام سے دوسرے ملک میں نہیں جا رہے ہیں۔ آپکو باعزت
طور پر نوکری کرنی ہے۔ اور انھیں شرائط پر کرنی ہے
جو اس ملک میں مروج ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ معلومات نہ
[illegible] اگر بہت
کم اجرت طے کرلیں اور یہاں آکر آپکو پریشانی ہو یہ ہم
اسلئے کہہ رہے ہیں کہ بعض اوقات ہمارے بھائی بہت کم
اجرت، اور غلط معاہدے پر باہر چلے آتے ہیں بہت سے
لوگوں کے پاس مزدوری کا غذات بھی نہیں ہوتے کاش حکومت
اور سفارت خانوں کی مداخلت اور مدد سے پہلے آپ خود
اپنے طور پر لوٹ مار کرنیوالے ایجنٹوں اور استحصال کرنے
والوں کے حربوں کو ناکام بنائیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ کام کاج کرتے ہوئے
یہاں بالکل دوسرے مزدوروں کے ساتھ بھائیوں کی طرح
رہیں۔ یہاں کی حکومت پاکستانی کارکنوں کا بہت خیال کرتی
ہے۔ اور دوسرے عرب مزدور بھی پاکستانی مزدوروں سے
ایسی مخاصمت نہیں رکھتے جسکا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے زبان
کی عدم واقفیت کی وجہ سے بدگمانیاں پردرش پاتی ہیں
وگرنہ عربوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی ان کا
کتنا خیال کرتے ہیں اور انکو بالکل بھائیوں کی طرح سمجھتے
ہیں تو ساری غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اس سلسلے میں ہمارا
سفارت خانہ مناسب کردار ادا کرسکتا ہے۔ لیڈری چمکانے
والوں کو لڑائی جھگڑے کرا کر پاکستانیوں کو بے روزگار
کرانے کی بجائے یہ کام سرانجام دینا چاہیئے۔ تاکہ انکے
ملک کا وقار بھی بلند ہو اور پاکستانیوں اور عربوں کے تعلقات
اچھے ہوں نہ کہ خراب اس سارے عمل میں پاکستانیوں کی
عزت اور وقار کہیں بھی مجروح نہیں ہونا چاہیئے ویسے تو یہ
سب کچھ آدمی کے اپنے انفرادی رویہ پر ہوتا ہے مگر سفارت
خانہ اور یہاں رہنے والے معزز پاکستانی بہت کچھ کرسکتے
ہیں۔ یہاں پاکستان کا احترام کیا جاتا ہے اور دوسرے ملکوں
کی طرح مزدوروں کا معاملہ بھی مختلف ہے ہمارا خیال ہیکہ
اسکو برقرار رکھا جائے اور چھوٹے آقاؤں، پاسپورٹوں،
سندوں اور چالبازوں سے اسے خراب نہ کیا جائے کچھ لوگ
عربوں میں بھی رشوت عام کر رہے ہیں۔ ورک پرمٹوں کو
خریدنے اور بیچنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ

باقی صفحہ ۲۲ پر

اشفاق حسین

(تیسری قسط)

اہلِ حق سے عناد

قرآن مجید کے تراجم کا ایک دوسرے سے مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان میں بہت سارے مقامات پر اختلاف موجود ہیں۔ ہر عالم نے اپنے مطالعہ اور فہم کے مطابق الفاظ کے معنی اور مفہوم کو ظاہر کیا ہے، لیکن علمائے حق کا یہ وطیرہ اور طرزِ عمل ہے کہ اس فرق اور علمی وفکری اختلاف کا وہ سنجیدگی سے اظہار کرتے ہیں، نیت اور عقیدہ پر جاہلانہ اور جارحانہ حملہ نہیں کرتے۔ لیکن مولانا ارشد القادری کی یہ کم ظرفی، گھٹیا پن، اور گندی ذہنیت ملاحظہ ہو کہ ان کے ہاں علم وفہم کا فطری فرق اور اختلاف کوئی چیز ہی نہیں بلکہ وہ ہر فرق، اور ہر غلطی اور ہر سہو کو شدید ترین ضلالت و گمراہی، کفر اور بد دیانتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر وتوہین پر محمول کرتے ہیں جس سے ان کی حق اور اہلِ حق سے عناد ودشمنی، تعصب اور ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا اور ان کی باطل پرستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

حضور سے جاہلانہ عقیدت

مولانا ارشد القادری نے مولانا پالن حقانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک اور خود ساختہ گستاخی کی تشہیر کی ہے، حقانی صاحب کی تحریر ہے،

"پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ کہف لیکر نازل ہوئے اس میں انشاء اللہ نہ کہنے پر آپ کو ڈانٹا (ص ۱۷۰)

اس پر ارشد صاحب مصنوعی اور بناوٹی انداز میں ایک بے جان مسئلہ میں جان ڈالنے اور بات کا بتنگڑ بنانے کیلئے ان الفاظ میں تنقید کرتے ہیں۔

"خدا کی پناہ کلیجہ کانپ گیا۔ اس ــــ جملہ پر حقانی صاحب نے ڈانٹا گیا کا لفظ، اپنی طرف سے صرف اس

بڑھایا ہے تاکہ رسول کی تحقیر ہو (شریعت ص ۴۴)
حالانکہ مفسرین نے یہاں ڈانٹا کے دیگر ہم معنیٰ اور مترادف الفاظ استعمال کئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ یہ لفظ ذرا موٹا ہے ورنہ اس میں جو مفہوم مضمر ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ امر واقعہ اور حقیقت کا اظہار ہوتا ہے یہ تو ابھی کچھ بھی نہیں قرآن میں متعدد ایسی آیات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید ہیں۔

"اے محمدؐ! اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے اعمال حبط و برباد ہو جائیں گے"

ارشد صاحب اپنے کلیجے کو کاٹنے مت دیجئے اور خدا کی پناہ مانگئے کہ یہ حقانی صاحب یا کسی دیوبندی عالم کا جملہ نہیں، بلکہ ارشاد ربانی اور آیت قرآنی ہے جو سورۂ زمر رکوع نمبر میں موجود ہے،

"اور اگر یہ (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) ہمارے ذمہ کچھ جھوٹی باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے"

ٹھہرئیے ذرا جگر مت تھام لیجئے کہ یہ کسی دیوبندی یا حقانی کا بیان نہیں۔ بلکہ خدا کا کلام ہے جو سورۂ (قلم ...) میں موجود ہے،

ارشد صاحب ایک اور آیت خون کے آنسو سے جگر تھام کر پڑھیں۔

"اے نبی! جس چیز کو اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں اپنی... بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، (تحریم)

اگر اس آیت کے ترجمہ کو ارشد القادری کے سامنے حقانی صاحب یا کسی دیوبندی عالم کی تحریر کے طور پر پیش کر دیا جائے کہ انھوں نے اپنی فلاں کتاب میں ایسا لکھا ہے تو اس پر وہ برافروختہ اور لال بھبوکا ہو کر انھیں اکفر الکافرین کا زوردار فتویٰ داغ دیں کہ دیکھنا یہ حقانی یا دیوبندی نے خاک بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام کر لینے والا اور وہ بھی اپنی ازواج کی خاطر قرار دیا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا توہین اور کیا تحقیر کی جا سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ تحریم کی اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے" اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی لغزش خطا و نسیان کا صدور ہوا ہی نہیں تو پھر یہاں کس بخشش اور معافی کا ذکر ہو رہا ہے؟

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

"عام روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں۔ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، اس لئے انھوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا، اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری۔

اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ (انفال۔۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ یہ سنکر رو پڑے (سیرۃ النبی۔ جلد اول)

اگر ارشد القادری اور علماء بریلوی کا بس چلے تو وہ ان تمام آیات کو قرآن سے (نعوذ باللہ) نکال پھینک دیں اس جاہلانہ تصور کی بنا پر اللہ میاں نے ان آیات میں حضورؐ کی توہین و تحقیر فرمائی ہے۔

ایک لطیفہ ایک اور لطیفہ سنئے، لیکن ہنسئے نہیں بلکہ ارشد صاحب کی عقل پر رو دیئے کہ وہ لکھتے ہیں۔

"اور مان لیا تھوڑی دیر کے لئے کہ خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے اس نے ڈانٹا بھی تو کیا ایک خادار

متی کا بھی شیوہ ہونا چاہیئے کہ تشہیر کرتا پھرے" (شریعت ص ۴۴۳)

تو کیا ایسی آیات کو قرآن سے نعوذ باللہ نکال پھینک دینی چاہیئے. ان کی تلاوت اور ان کو حفظ نہ کرنا چاہیئے اور ان کی تفسیر نہ کرنی چاہیئے. اور کیا ان کو عوام سے چھپانا اور پوشیدہ رکھنا چاہیئے، اور کیا کوئی آیت، حدیث اور سنت چھپائے چھپ بھی سکتی ہے اور اس کی تشہیر اور وضاحت نہ کی جائے تو وہ گمنامی کے سرد خانے میں پڑی رہ جائے گی؟ اور کیا قرآن و حدیث میں ایسی کوئی بات بھی ہو سکتی ہے جس کی تشریح و توضیح اور تبلیغ نہ کی جائے؟ ہر الٰہی اور نبوی تعلیم میں ایک حکمت اور مصلحت ہوتی ہے جسے ارشد القادری محسوس نہیں کر سکتے اور مارے شرم کے چھپانا چاہتے ہیں تو.. دوسروں کی عقل بھی قبر پرستی اور مزاروں کی آمدنی سے ماری نہیں گئی ہے کہ خواہ مخواہ انھیں چھپایا اور عوام سے پوشیدہ رکھا جائے قرآن مجید کے مطالعہ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض دیگر انبیاء و رسل اور بزرگوں سے لغزشوں اور قصوروں کا صدور ہوا تھا اللہ تعالےٰ نے ان پر سختی سے گرفت فرمائی ہے اور متنبہ فرمایا اور خطا و نسیاں کی نوعیت کے لحاظ سے سزا بھی دی گئی اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں انبیاء و رسل کی علمی اور بشری کمزوریوں مختلف امور میں ان کی بے اختیاری، مجبوری اور عدم قدرت ان کی بیماری، بے کسی، غربت اور ہمہ اقسام کی کمزوریوں کا ذکر کیا ہے یہ اس لئے نہیں کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو توہین اور تحقیر کی جائے، بلکہ ان بالوں کے ذریعہ اللہ تعالےٰ عقیدۂ توحید کا تحفظ اور شرک و غلو کا سدِّ باب اور تدارک کرنا چاہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ کہ خدا کے محبوب اور برگزیدہ ہستیاں تو ضرور ہوتی ہیں. لیکن وہ بہرحال خدا کی کمزور مخلوق اور بے اختیار بندے ہی تھے. ان حقائق کے پیش نظر انھیں معبود و مستعان، نافع و ضار اور متصرف کائنات نہ بنالے کہ انبیاء سابقین کی ان کی امتوں نے ان کی عظمت کے پیش نظر انھیں خدا کا اوتار، خدا کا بیٹا اور خدائی صفات و اختیارات کے حامل، مالک اور مختار قرار دے کر ان سے دعائیں اور فریادیں کرنے لگتے تھے۔

کیا رسول اللہ صلعم بشر نہ تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور انسانیت کی وضاحت کرتے ہوئے حقانی صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان نہیں تھے تو پھر جوتا سی لینا، کپڑا سی لینا اور بکری کا دودھ دوہ لینا یہ سب کام انسان کے ہیں یا اور کسی کے؟" (شریعت یا جہالت ص ۱۹۲)

جاہل عوام کو حقانی صاحب سے ٹکرانے کے لئے مذکورہ بیان کا ارشد صاحب اپنی چرب زبانی اور مکاری کے ذریعہ یوں تجزیہ کرتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتا سینے والا، کپڑا سینے والا اور دودھ دوہنے والا ثابت کر کے حقانی صاحب کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ (شریعت۔ ص ۳۶)

لیکن اے قارئین کرام! یہ بات حقانی صاحب نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خود آپ کی چہیتی بی بی حضرت صدیقہ رض فرماتی ہیں۔ یہ حدیث پڑھیئے..... کوشش کیجئے، خون کے آنسو سے پڑھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ حدیث ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتیاں خود سی لیتے تھے، اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے، اور اپنے گھر کا کام اسی طرح کرتے تھے، جس طرح تم اپنے گھروں میں کرتے ہو اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں سے ایک آدمی ہی تھے، اپنے کپڑوں میں جوئیں خود دیکھ لیتے تھے، اور اپنی بکری

کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت خود کر لیتے تھے۔" (مشکوٰۃ جلد دوم)

ایسی ہی ایک اور حدیث شمائل ترمذی میں بھی موجود ہے، جسے حقانی صاحب نے اپنی کتاب "شریعت یا جہالت" کے ص ۱۹ پر درج فرمایا ہے،

ان ہی امور کی بنیاد پر ارشد صاحب، حضرت حقانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا بہتان لگاتے ہیں، لیکن چونکہ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے، یا لن حقانی کی دل سے گھڑی ہوئی بات نہیں۔ اس لئے اس الزام کی زد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور وہ تمام محدثین اور علماء بھی آجاتے ہیں، جنھوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس روایت کے ذریعہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، اندرون خانہ مصروفیات اور عادت شریفہ کو منظر عام پر لانے کے لئے کئی اغراض و مقاصد ہیں۔ جن میں سے غلو، شرک اور غرور کا ابطال اور سد باب بہت اہم ہیں۔ اس روایت میں حضورؐ کی سادہ زندگی کو بیان کیا گیا ہے تاکہ آپ کی امت بھی اس سنت اور اسوۂ حسنہ کو اختیار کر سکے اور اپنے کام کاج خود اپنے ہاتھوں سے انجام دے لینا عار نہ سمجھے اس حدیث سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب انسان و گھریلو اور فطری امور بالا سے مفر نہ تھا، جب انسان کے سر، جسم اور کپڑوں میں جوئیں پڑ جائیں اور وہ انھیں تلاش کر کر کے نکالتا اور ختم کرتا ہو جو اپنے جوتے اور کپڑے سی لیتا اور بکری کا دودھ دوہ لیتا ہو بھلا اس قدر بے اختیار مجبور اور بے بس انسان مرنے کے بعد کس طرح متصرف کائنات، ساری مخلوقات کا سمیع الدعا اور نافع و ضار ہو سکتا ہے۔؟

قانونی اور جذباتی انداز کا فرق

مولانا ارشد القادری صاحب اپنی کتاب کے ص ۳۷ سے "الزام الٹ گیا" کے زیر عنوان ایک اور نئی بحث کا آغاز کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کے درجہ سے بڑھاتے ہیں لیکن علمائے دیوبند اپنی جماعت کے بزرگوں کے بارے میں غلو آمیز تعریف کرتے اور انھیں فرشتہ اور انسانیت سے بالاتر ہستی قرار دیتے ہیں انھوں نے اس سلسلے میں بطور ثبوت بعض تحریروں کو پیش کیا ہے

یہاں بھی ارشد صاحب نے چالاکی اور عیاری سے کام لیتے ہوئے بھولے اور ناسمجھ عوام کو فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش فرمائی ہے بھلا شاعرانہ اور ادیبانہ انداز بیان سے بھی کہیں قانونی نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص کسی کی تعریف میں یہ کہے کہ وہ تو فرشتہ ہے تو اسکا مطلب سچ مچ کا فرشتہ ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی نیک سیرت اور پاکیزہ طبیعت انسان ہے کسی کی بداخلاقی اور بدکاری کا اظہار مقصود ہو تو عموماً کہا جاتا ہے کہ "وہ بھی کوئی انسان ہے؟" اس جملہ کا ٹھیٹ قانونی مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ کوئی اور مخلوق ہے کیا فی الواقع کہنے والے کا یہی مطلب ہوتا ہے اسکا فیصلہ سیاق کلام اور سلسلہ بیان سے بخوبی کیا جا سکتا ہے

درحقیقت مولانا ارشد القادری اس بات میں علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کے لئے بعض اکابر دیوبند کے بارے میں شاعرانہ انداز کے چند تعریفی جملوں کو لے آئے ہیں اور ان کے قانونی نکات اخذ کر کے داد لیا چاہتے ہیں کہ دیکھو اپنے گھر کے بزرگوں کی شان میں ایسا ویسا کہا گیا ہے حالانکہ جن علمائے کی جذباتی تحریروں پر ارشد صاحب نے گرفت فرمائی اور ان سے زبردستی جو عقائد اور قانونی نکات کو نچوڑ کر ان کے سر تھوپ دیا ہے، وہ ان علمائے کی دیگر سنجیدہ تحریروں میں ان کے برعکس عقائد موجود ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اہل بدعت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کے بارے میں جو کچھ غلوئے عقیدت اور افراطِ محبت میں لکھتے ہیں وہ محض شاعری اور جذباتی باتیں نہیں بلکہ ٹھوس اور مستقل عقائد ہیں جن سے اسلام کے مسلّم تصوّرات پر کاری ضرب پڑتی ہے اور بری طرح مجروح و پامال ہو جاتے ہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ ارشد صاحب نے علمائے دیوبند کی جس غلطی پر گرفت فرمائی ہے بریلوی لٹریچر اس قسم کی غلطیوں سے بھرا پڑا ہے خود ارشد القادری کی ایک کتاب "تبلیغی جماعت" کے پیش لفظ کے آخر میں علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نئی پود کے اندر حق پرست اور شوریدہ سروں کے قافلہ سالار ہیں۔ بلکہ خود قافلہ بھی اب تو انتہا اور انتہار سب انہی پر ختم ہے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ (ص ۱۲)

اگر یہاں کوئی قانونی زبان میں یہ کہدے کہ ارشد صاحب تو فردِ واحد ہیں بھلا "قافلہ" کیسے ہو سکتے ہیں؟ قافلہ تو وہ ہوتا ہے، جس میں سینکڑوں اور ہزاروں افراد ہوں، تو یہ بات انہیں کیسے لگے گی! اور پھر ارشد صاحب کے بارے میں یہ جو لکھا گیا ہے،

"اب تو ابتدا اور انتہا ان ہی پر ختم ہے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے"

اگر کوئی سرپھرا ارشد القادری کے انداز و تکنیک سے اس تحریر پر گرفت کرنا چاہے تو اس میں سینکڑوں کیڑے نکال سکتا ہے! اس طرح سے وہ اپنی ہی قائم کردہ سرخی "الزام الٹ گیا" کی زد میں آجاتے ہیں، بلکہ یوں سمجھئے کہ جو جال انھوں نے دوسروں کو پکڑنے کے لئے بنایا تھا اس جال وہ خود ہی بری طرح پھنس گئے ہیں۔

مولانا ارشد القادری کا قلم چالیس صفحات تک حرام خوری کرنے اور غلاظت اگلنے کے بعد "دلائل و مسائل" کے زیرِ عنوان علمی مسائل پر جاہلانہ اور احمقانہ بحث کا آغاز کیا ہے،

وہابی کا چکر؟

موصوف لکھتے ہیں کہ حقانی صاحب لفظ "وہابی" کو گالی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن اکابر دیوبند اور تبلیغی جماعت کے ممتاز علمائے نے اس لفظ کو اپنے لئے فخر یہ اور بخوشی استعمال فرمایا اور خود کو بخوشی "وہابی" قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے حضرت اشرف علی تھانوی اور مولانا منظور نعمانی کے بیانات کو نقل کیا ہے ملاحظہ ہو (ص ۴۴)

اور ہم اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھاتے ہیں تاکہ قارئین کرام ارشد صاحب کی ایک اور شاندار عیاری اور مکاری پر عش عش کریں،

یہ حقیقت محتاجِ وضاحت نہیں کہ اہلِ بدعت اور حاملین قبوری شریعت، محمد بن عبد الوہاب نجدی حنبلیؒ کو کافر اور نئے دین و ایمان کے خالق، مبلغ تصوّر کرتے ہیں اور جو مسلمان عرس، فاتحہ، قبروں پر سجدہ وطواف، نذر و نیاز اور دُعاء و فریاد جیسے شرکیات اور بدعات کے منکر ہیں، انھیں "وہابی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہابؒ کے یہی عقائد اور تصوّرات تھے! گویا کہ "وہابی" کا لفظ لقب یا خطاب ان کے نقطۂ نظر سے ایک شرعی گالی اور پھبتی ہے اہلِ بدعت جب عاملین توحید وسنت کو وہابی کہتے ہیں تو گویا وہ انھیں شدید ترین گمراہی میں ملوث سمجھتے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف جو حضرت محمد بن عبد الوہابؒ نجدی کے طرزِ فکر وعمل کو عین حق اور اسلام قرار دیتے ہیں وہ اگر خود کو یا آپس میں ایک دوسرے کو وہابی کہتے ہیں تو یہ گالی نہیں بلکہ قابلِ تحسین اور اچھی بات ہوگی کہ ہم محمد بن عبد الوہابؒ جیسے مصلح العقیدہ مصلح کے فکر وعمل کے حامل اور مبلغ ہیں، غرض کہ لفظ "وہابی"

کی پشت پر جو تصور، نیت اور مفہوم ہو گا اس لحاظ سے اس کی حیثیت اور حقیقت متعین ہو گی۔ لیکن قبر پرستوں، شیطان کے ماروں اور عقل و توحید کے دشمنوں کے دماغ میں اتنی سیدھی اور واضح حقیقت بھلا کیسے سما سکتی ہے یا تو جان بوجھ کر عوام کو عمداً گول پھرایا اور بیوقوف بنایا جاتا ہے یا یہ بیچارے خود اتنے عقل کے کوتے اور معذور ہیں کہ معاملہ کی تہہ تک اور روح کو وہ سمجھ ہی نہ سکے۔

کافر کو کافر کہنے کی بحث

کافر کو کافر کہنے کی بحث کے زیر عنوان ارشد صاحب نے ایک اور ٹیڑھی اور بے تکی بحث اٹھائی اور ایک واضح حقیقت کو غبار آلود کرنے کی سعی فرمائی ہے، اہلِ بدعت اور علمائے سوء صحیح العقیدہ اور حقیقی مسلمانوں کو نام بنام کافر اور خارج از اسلام کہتے ہیں، بلکہ جو مسلمان انھیں کافر نہ سمجھیں، انھیں بھی کافر قرار دیا جاتا ہے، مولانا یالن حقانی نے اپنی کتاب میں یہ تلقین فرمائی ہے کہ جب کھلے کافروں کو کافر کہنا منع ہے تو مسلمانوں کو ان کا نام لے کر کافر کہنا بدرجہ اولیٰ منع ہے اور اس سلسلہ میں انھوں نے قرآن حدیث اور فقہ کی مشہور و مستند کتابوں جیسے عین الہدایہ، دُرِّ مختار، فتاویٰ عالمگیری اور تفسیر ابن کثیرؒ وغیرہ سے دلائل و شواہد پیش فرمائے ہیں جس سے خود ارشد صاحب اور ان کے ہم عقیدہ افراد کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر حقانی صاحب کافر کو کافر کہنے کے حق میں ہوتے تب بھی ان کے خلاف یوں واویلا مچایا جاتا ہے کہ دیکھو! حقانی نے فقہ کے مسلم اور متفقہ مسئلہ کے خلاف یہ عقیدہ اس لئے گھڑا ہے کہ ہم "اہل سنت" کی تکفیر کی جائے۔

قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا کر

مولانا یالن حقانی کی متضاد بیانی پکڑنے کے جذبۂ باطلہ نے انھیں آیاتِ قرآنی کو بازیچۂ اطفال بنانے پر مجبور کر دیا، وہ فقہ کی مستند کتابوں اور مسئلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی احمقانہ اور بے تکی منطق کا یوں مظاہرہ کرتے ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کی قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ "کہ اے کافرو! لیکن حقانی صاحب کافر کو کافر کہنا حرام قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت یہاں حقانی صاحب کوئی غلطی اور متضاد بیانی کا صدور نہیں ہوا بلکہ یہ ارشد صاحب کے دماغ اور نیت کا فتور اور قصور ہے جیسے اہلِ حق کی عبارات میں ٹیڑھ اور کجی نظر آتی ہے، سورۃ کافروں کی پہلی آیت قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے انھوں نے جو من مانا مفہوم اخذ کیا ہے وہ تلبیس ابلیس کا ایک شاندار نمونہ ہے قرآن مجید میں تنہا ایسی متعدد آیات ہیں، جن سے کوئی مکمل مفہوم، معنیٰ اور حکم نہیں واضح ہوتا، بلکہ اس سے پہلے یا بعد کی آیات سے کوئی واضح بات اور مکمل حکم یا عقیدہ سامنے آتا ہے، مثلاً سورۃ عصر کی پہلی اور مکمل آیت وَالْعَصْرِ یعنی "زمانہ کی قسم" ہے، جس کا کوئی مستقل بالذات مطلب نہیں، سورۃ قارعہ کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے "کھڑکھڑانے والی"... دوسری آیت کا ترجمہ ہے "کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ پھر تیسری آیت سے ان دونوں آیات کا مفہوم واضح ہوتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہ قیامت ہے اسی طرح سورۂ رحمٰن کی آیت نمبر ۵۸ کا ترجمہ ہے "گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں" آیت مکمل ہے لیکن بات اور مفہوم نامکمل اور غیر واضح ہے یاقوت اور مرجان کسے کہا گیا ہے اس کا ذکر سورۂ رحمٰن آیت نمبر ۵۶ میں کہا گیا ہے کہ یہ جنت کی حوریں ہیں، اسی طرح سورۃ الکٰفرون کی زیرِ بحث یہ پہلی آیت قل یاایھا الکٰفرون ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! کوئی مستقل بالذات اور مکمل حکم نہیں۔ بلکہ اس آیت کے مفہوم اور مرادِ الٰہی کی تکمیل بعد کی اس آیت لا اعبد ما تعبدون یعنی میں ان کی عبادت

نہیں کرتا، جن کی عبادت تم کرتے ہو" سے ہو جاتی ہے ان دونوں آیتوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے سے جو مکمل مفہوم اور حکم اخذ ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ "اے نبی" آپ ان کافروں سے کہدیجئے کہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو،، یہاں کسی کافر کو اے کافر کہنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ حضور ؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد ابوجہل کو "اے کافر ابوجہل" ،، فرمایا۔

قرآن مجید میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "قل یاایہاالناس" "اے انسانو" کہدینا بجائے خود کوئی حکم نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ "اے نبی ؐ" آپ انسانوں سے کہہ دیجیے کہ (جو حکم بھی ہے) یہی مفہوم قل یاایہاالکفرون کا بھی ہے،

میلاد کی باتیں

مولانا ارشد القادری کی زیر تبصرہ کتاب "شریعت،، کا ایک عنوان "میلاد کی بحث،، ہے مولانا حقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

میلاد میں قریب قریب سب ہی لوگ جاہل ہوتے ہیں، شریعت کا پابند شائد ہی اس میں سے کوئی ملے نہ تو میلاد پڑھنے والوں میں شریعت کی پابندی ہوتی ہے اور نہ گھر والوں میں اور نہ ہی سننے والوں میں، کیوں میلاد پڑھنے والے بھی رسمی طور پر پڑھتے ہیں اور پڑھوانے والے بھی جہالت سے پڑھواتے ہیں۔ (شریعت یا جہالت۔ ص ۱۸۰)

ارشد صاحب کی اس پر پہلی گرفت جو تفصیلی ہونے کی وجہ سے چھوٹ گئی ہے یہ ہے،

شاباش! یہ ہے میلا کے حرام ہونیکی دلیل، اب آپ ہی بتایئے اسے دلیل کہیں کہ دلال۔

یقیناً وہ حضرات جنھوں نے مولانا حقانی کی اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، ارشد صاحب کی اس تنقید اور گرفت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے لیکن آیئے ہم آپ کو بتلائیں کہ حقانی صاحب کے پیش کردہ وزنی اور قیمتی دلائل کا سامنا کرنے سے وہ کس طرح کتراتے اور بے ہودہ بکواس کرتے ہیں،

حقانی صاحب نے اپنی کتاب "شریعت یا جہالت" میں میلاد اور قیام کے موضوع پر تقریباً ۲۵ صفحات پر مشتمل چھ ابواب میں تفصیلی گفتگو کی اور مختلف نوعیت کے دلائل پیش فرمائے ہیں اس طویل بحث اور کثیر دلائل کو تو انھوں نے نظر انداز کر دیا کہ ان میں اتنی ہمت اور علمیت نہیں کہ ان کا سامنا کر سکیں اور جواب دے سکیں، اس لئے حقانی صاحب نے میلاد کے آداب و شرائط کے سلسلے میں "تین شرطیں" کے زیر عنوان جو کچھ لکھا، ان میں سے ارشد صاحب نے چند سطور کو لے لیا اور اسے بقلم خود "دلیل" کا نام دیکر اس پر زور دار تبصرہ جھاڑ دیا کہ ان کے نادان اور جاہل معتقدین جو حق و باطل میں تمیز نہیں رکھتے اور علمی فریب اور مغالطوں میں جلد گرفتار ہو جاتے ہیں، تالی پیٹ دیں، جو بات آداب و شرائط کے تحت کی گئی ہے اسے دلیل قرار دینا اور پھر اس کا مضحکہ اڑانا۔ بجائے خود ایک مضحکہ خیز بات ہے ان کا یہ طرز عمل ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک شکست خوردہ پہلوان اپنے مد مقابل سے کھائے ہوئے کئی کاری ضربوں اور زخموں کو چھپا کر اپنے لوگوں میں صرف ایک چھوٹا سا زخم دکھائے کہ بس مجھے اتنی ہی چوٹ آئی ہے،

مولانا حقانی صاحب مذکورہ بیان میلاد کے خلاف کوئی دلیل تو نہیں جیسا کہ اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے البتہ واقعات کی سچی تصویر ضرور ہے انھوں نے ان حقائق کا اظہار کیا ہے جس سے کسی کو انکار اور اختلاف نہیں ہو سکتا جب نمازیں تک رسماً اور عادتاً پڑھی جا رہی ہیں تو پیدا نہ ہوں۔ حقانی صاحب میلادیوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ نماز تک نہیں پڑھتے اور اگر نماز پڑھتے ہیں تو روزے نہیں رکھتے، اور اگر نماز روزے کرتے ہوں گے تو شریعت کے مطابق شکل یا لباس نہیں ہوگا اور اگر یہ بات ہوگی تو اخلاق تو شائد ہی کسی

کے ٹھیک ہوں گے۔ (شریعت یا جہالت۔ ص ۴۶۸)

اس پر ارشد القادری کا شر انگیز تبصرہ یہ ہے۔

" داد دیجئے تلاش کرنے والی اس نگاہ کا جس نے زندگی کا کوئی گوشہ تک نہیں چھوڑا ہے،

(شریعت۔ ص ۴۷)

آج یہ حقیقت محتاج وضاحت نہ رہی کہ عرصہ دراز سے مسلمان شریعت کی پابندی نہیں کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا ظاہر و باطن غیر اسلامی ہو گیا ہے خود ارشد القادری بھی اپنی کتابوں میں مسلمانوں کی بے عملی اور بدکرداری کا اعتراف کرتے آرہے ہیں پھر حقانی صاحب مسلمانوں کی اسلام سے دوری کا رونا روتے ہیں تو انھیں کیوں غصہ آتا ہے؟ حضرت عبدالقادر جیلانی رح جنھیں اہل بدعت اپنا معبود، سمیع الدعا، نافع وضار اور متصرف کائنات سمجھتے ہیں آج سے تقریباً آٹھ سو قبل مسلمانوں کو اے کافرو اے مشرکو اے منافقو، اے ریاکارو، اے جاہلو، غافلو، اور اے نفس کے بندو سے خطاب کرتے ہیں، اور آج کے یہ قوال اور میلاد خواں حضرات آسمان سے تو نہیں اترے اور معصوم تو نہیں ہو گئے۔ جو ان گمراہیوں سے پاک ہوں یہ حقیقت ہے کہ قوال ہوں کہ میلاد خواں، علمی دینی اور اخلاقی لحاظ سے انتہائی گھٹیا اور پست ہوتے ہیں، محض چائے اور چار پیسوں کی خاطر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے، چلاتے اور مشرکانہ کلام راگ راگنیوں پر گاتے پھرتے ہیں اگر انھیں اسلام سے کچھ بھی لگاؤ اور حقیقی دلچسپی ہوتی تو وہ رات رات بھر گلا پھاڑ کر عین نماز فجر کے وقت خراٹے بھرتے سو نہ جاتے جیسا کہ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے،

حقانی صاحب بیان کرتے ہیں۔

" آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھر کے اندر میلاد پڑھی جاتی ہو تو باہر بیٹھنے والے مزے سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ (شریعت یا جہالت ص ۴۸۱)

اس اقتباس میں حقانی صاحب نے میلاد کے دوران ہونے والی بدعملیوں اور عدم احترام کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی یہ تحریر " تین شرطیں " کے عنوان کے تحت ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ بے عملی اور عدم احترام پر تنقید ہے لیکن ارشد القادری کا مکر و فریب ملاحظہ ہو کہ وہ اسے بھی میلاد کے حرام ہونے کی دلیل قرار دے کر چوٹ کرتے ہیں۔

مولانا حقانی نے میلاد کے دوران ہونے والی جن خرافات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ واقعی قابل اعتراض اور لائق اصلاح و توجہ ہے اکثر مسلمانوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ محفل میلاد منعقد کرانے سے خیر و برکت حاصل ہوتی ہے، اس لئے عموماً نئے مکانوں، دوکانوں کے افتتاح کے وقت۔ اور شادی بیاہ کے موقعوں پر میلاد خوانی کے انتظام کیا جاتا ہے کہ اس سے خیر و برکت اور ترقی ہوگی بگڑے کام بنیں گے اور افلاس و بلائیں دور ہوں گی اس لئے اسے غور اور توجہ سے سننے کے جذبات مفقود ہیں کہ اشلوک اور منتر بھی کہیں غور سے سنے جاتے ہیں؟ یہ تو محض پوجا پاٹ اور خیر و برکت کے لئے پڑھے جاتے ہیں، حصول علم و ہدایت کا تصور تو کسی کے دل و دماغ میں موجود نہیں ہوتا۔

حقانی صاحب نے میلاد کے بارے میں فقہ حنفی کی ایک قدیم معروف اور مستند عربی کتاب سے فتویٰ نقل کیا ہے اس فتوے کی اہمیت کو جہلا میں گرانے اور بدنام کرنے کے لئے وہ " عین الہدایہ"، جیسی علمی حلقوں میں معروف مستند ترین کتاب کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ ایک یونہی سی کوئی اردو کی معمولی کتاب ہے اگر ان میں رمق برابر بھی ہدایت کی طلب اور آخرت کی فکر ہوتی تو " عین الہدایہ" جیسی فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب کی تحقیر اور تذلیل نہ کرتے ایسا دراصل انھوں نے اس لئے کیا کہ حقانی صاحب کی دلیل کو کمزور اور بے اثر قرار دیا جائے جس کے لئے انھیں اسلاف کی عظمت کو بھی روندنا اور پامال کرنا پڑا، قوی سے قوی دلیل اور مستند ترین مسئلہ کو چت کر کے اس کا خون ناحق کرنے میں ارشد صاحب کو ماہرانہ صلاحیت " شیطان داد " طور پر حاصل ہے جس کا ہم تہہ دل سے

اعتراف کرتے ہیں۔

"عین الہدایہ" کا فتویٰ

عین الہدایہ کا فتویٰ یہ ہے،

"جو لوگ مجلس میلاد میں راگ کے اشعار پڑھتے ہیں تو پڑھنا اور سننا حرام ہے اور پڑھنے والوں پر خوف شدید ہے (کفر کا)

(شریعت یا جہالت ص ۴۷۵)

مولانا ارشد القادری کو اعتراض ہے کہ حقانی صاحب نے اپنی طرف سے بریکٹ میں "کفر کا" کے الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقانی صاحب نے الفاظ کا نہیں بلکہ بریکٹ کا بلا ضرورت اضافہ فرمایا ہے اگر وہ بریکٹ نہ دیتے تو بھی، مناسب تھا۔ اور نفقہ کے اس فتوے کا مفہوم یہی ہے۔ چنانچہ اس فتوے کو انھوں نے اپنی اسی کتاب کے ص ۴۸۷ پر بھی نقل کیا ہے لیکن قوسین کے بغیر! کیا ارشد صاحب یہ بتلا سکتے ہیں کہ اس فتوے میں کس بات کے شدید خوف کا اظہار کیا گیا ہے؟ دراصل یہاں کفر ہی کے خوف شدید کا اظہار کیا گیا ہے،

اندھی مخالفت

مولانا ارشد القادری نے بعنوان "قیام کی بحث" زیر گفتگو موضوع سے متعلق حقانی صاحب کی غلطیوں پر گرفت کرنے کی سعی کا ناشکور فرمائی ہے۔ ان کے دل و دماغ پر مولانا یاسین حقانی کی مخالفت کا اتنا بڑا بھوت سوار ہے کہ وہ حقانی صاحب کو گرانے اور عوام میں بدنام کرنے کے لئے احادیث نبویؐ اور معروف و مستند کتب فقہا اور جلیل القدر علمائے سلف کی عظمت، علمیت اور رفعت کو بھی روندتے چلے جاتے ہیں وہ اس سلسلے میں منکرین حدیث کی طرح احادیث کو ایک دوسرے سے ٹکراتے اور ان کے متضاد کو واضح کرتے اور فقہاء کی آراء کو اس طرح پامال کرتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات بھی دانتوں میں انگلی دبالیں، وہ تمام حقائق اور مسلمات کو بری طرح نظر انداز کرتے اور دیانت سے اراں سے کترا تے ہوئے میدان میں جہاں

میں بھاگتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ حقانی صاحب نے اپنی کتاب میں میلاد سے متعلقہ تمام مفاسد اور گمراہیوں کی قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں بہت عمدہ وضاحت فرمائی ہے لیکن افسوس کہ ارشد صاحب حالت اس شخص کی سی ہے جو دریا کے کنارے بھی پیاسا ہی دم توڑ دے۔

مروجہ سلام

"مروجہ سلام" میں درود و سلام پر مشتمل نعتیہ کلام ہوتا ہے جو مساجد میں اجتماعی طور پر بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور پڑھتے وقت ادب اور تعظیم کے خیال سے قیام بھی کیا جاتا ہے درود وسلام اور نعت شریف کا پڑھنا بجائے خود حرام، اور منع نہیں، لیکن اہل بدعت جو سلام پڑھتے ہیں، اس میں شرکانہ اشعار ہوتے ہیں، صحابہ کرام نے بھی درود وسلام پڑھا اور انھوں نے نعت لکھی اور سنائی لیکن مساجد میں اجتماعی طور پر اور بلند آواز سے نہیں۔ تمام جلیل القدر علمائے سلف اور فقہاء نے مذکورہ تمام صورتوں کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب "البحر الرائق" میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے سنا کہ فلاں مسجد میں کچھ لوگ جمع ہوئے ہیں اور ذکر (لا الہ الا اللہ) اور درود شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں، حضرت ابن مسعودؓ یہ سنکر اس مسجد میں پہونچے اور ان لوگوں سے فرمایا کہ ہم نے یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں پایا میں تو تم کو اس عمل کی وجہ سے بدعتی سمجھتا ہوں۔

صاحب "بزازیہ" امام بزازی حنفی لکھتے ہیں۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے صحیح روایت کیساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے (لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں۔

(شامی جلد ۵)

جب بلند آواز سے مسجد میں اجتماعی طور پر درود شریف

پڑھنا بدعت ہے تو سلام جس میں درود کے علاوہ نعتیہ کلام بھی ہوتا ہے وہ بھی قیام کے ساتھ پڑھنا کس طرح صحیح و درست ہو سکتا ہے،

فقہ حنفی کی ایک اور قدیم اور مستند کتاب "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے،

" بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا حرام ہے کیونکہ ابن مسعودؓ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے خارج کر دیا تھا کیوں کہ وہ جماعت بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور ان سے فرمایا تھا کہ میں تو تمہیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

(بحوالہ شامی حنفی، فتاویٰ بزازیہ)

لیکن آج معاملہ اس کے برعکس یوں ہے کہ مذکورہ بدعت پر عمل کرنے والے تو مسجد میں چیخ چیخ کر سلام پڑھتے اور اس بدعت کی مخالفت کرنے والے صحیح الفکر مسلمان مسجدوں سے نکال دیئے جاتے اور مسجد دھونے کی فکر کی جاتی ہے حالانکہ انھیں چاہئے کہ قرآن کے آب پاشی سے اپنے مشرکانہ دل و دماغ کو پاک کریں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر اور کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں اور جو اس بدعت کی مخالفت کرتے ہیں وہ گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کئے جاتے ہیں حالانکہ فقہ کی قدیم معروف و مستند کتابوں میں اس کی مخالفت کی گئی ہے بھلا وہ حضرات جو اسلاف کی راہ پر چلتے ہیں کیسے گستاخ رسول کہلا سکتے ہیں۔

"مرقات" جلد اول اور "الاعتصام" میں لکھا ہے

" مسجدوں میں آواز بلند کرنا تو دین کے اندر جھگڑا کرنے کیلئے بدعت گھڑی گئی ہے،

"بحر الرائق" میں لکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تین موقع پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے ان میں سے ایک وقت ذکر اللہ کا ہے،

جب حمد باری تعالیٰ اور ذکر الٰہی بلند آواز سے منع ہے، تو ذکر رسول، درود و سلام اور نعت کا چیخ چیخ کر پڑھنا کیسے صحیح و درست ہو سکتا ہے؟ اور جو لوگ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ حسنہ صحابہ کرام اور جلیل القدر علماء اور فقہاء کی حق تلفی کرتے ہیں وہ بھلا کیسے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں۔

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں۔

" حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کیساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو "

(کبیری)

مشہور حنفی عالم ملا علی قادری لکھتے ہیں۔

" ہمارے بعض علمائے نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے کیساتھ ہو حرام ہے۔

(مرقات، شرح جلد دوم)

اور یہی بات امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام بغویؒ نے شرح السنہ میں لکھا ہے۔

بعض مساجد میں عموماً فجر کی دعا کے فوری بعد بلند آواز سے سلام پڑھا جاتا ہے حالانکہ اس وقت فجر کا وقت باقی رہتا ہے اور دیر سے آکر نماز پڑھنے والوں کی نمازوں میں یہ سلام بری طرح مخل اور حارج ہوتا ہے بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرنا اور بعض حضرات فجر کے بعد کچھ اوراد اور وظائف پڑھنا چاہتے ہیں لیکن برا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام نہاد جھوٹی جاہلی شیطانی اور بے لگام عشق و محبت کا کہ وہاں تمام اذکار اور اچھی باتوں میں مداخلت بے جا کی بری طرح مرتکب ہوتی اور تمام حاضرین مسجد پر اپنا سلام مسلط کر دیتی ہے

قیام بوقت سلام

بریلوی اور بدعتی حضرات کا یہ عقیدہ یا خیال بھی ہے کہ سلام پڑھتے وقت محفل سلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ یا آپ کی روح مبارک آتی ہے اس لیے آپ کی تعظیم کے لئے سلام کے وقت قیام کرنا چاہئے اور ان میں سے بعض حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے حضور کے بغیر سلام کے

وقت قیام کو حضور کے ادب و تعظیم کا قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں بھی بے دلیل اور باطل ہیں۔

یہ عقیدہ بالکل غلط اور گمراہ کن ہے کہ محفل سلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس یا آپ کی روح مبارک تشریف لاتی ہے وفات کے بعد کسی کی روح یا جسم کا اس دنیا میں لوٹ کر آنے کا تصور بالکل باطل ہے، چنانچہ مشہور حنفی عالم ملا علی قاری کہتے ہیں۔

"یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مومنوں کے گھروں میں موجود ہے۔ بلکہ بتوسط ملائکہ آپ تک سلام پہنچایا جاتا ہے"

(شرح شفاء)

اب آیئے قیام بوقت سلام کی طرف اس کا فیصلہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی ہو چکی اور صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی فرمایا، مشہور حدیث ہے

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھکر اور کوئی محبوب نہ تھا، لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو قیام نہ کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کے عمل کو مکروہ سمجھتے تھے،

(مسند احمد و آداب المفرد، امام بخاری)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے اور صحابہ کرام کا اس حدیث اور حکم رسول کے مطابق عمل بھی جس سے اس حدیث کا حکم متعین ہو جاتا ہے اور کسی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند نے بڑی اچھی اور دل لگتی بات کہی ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجودیکہ ان کو آپ سے انتہائی محبت تھی، قیام نہ کرتے تھے عجیب بات ہے کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہ کرتے ہوں، اور کمال محبت کے باوجود صحابہ کرام بھی اس پر عمل نہ کرتے ہوں جب کہ بنفس نفیس آپ موجود بھی تھے اور صحابہ کرامؓ کو نظر بھی آتے تھے تو پھر آج جب کہ آپ نہ ہیں مجلس میلاد نظر آتے ہیں تو پھر کس طرح قیام کو جائز اور مستحب قرار دیا جاتا ہے اور قیام نہ کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔

(المنہاج الواضح۔ ص ۲۵۸)

زیر گفتگو میں حدیث سے قیام تعظیمی کی ممانعت جو اخذ ہوتی ہے اس کی تصدیق اور تائید درج ذیل ایک اور حدیث سے بھی ہو جاتی ہے،

"حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک مرتبہ ایک مجلس میں تشریف لاتے ہیں ایک شخص انھیں دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے آپ اس پر ناراض ہوتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے،

(ابو داؤد)

"برہان" شرح مواہب الرحمٰن، حنفی مذہب کی ایک مشہور کتاب میں ہے کہ تعظیم کے طور پر کھڑا ہونا مکروہ ہے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

"اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان سُنکر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں یہ قیام بدعت ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔

(سیرت شامی)

"چلپی،، حاشیہ شرح وقایہ میں ہے کہ تعظیم کے لئے قیام کرنا مذکور نہیں۔

یعنی مذکور نہ ہونا اور حکم و اجازت کا نہ پایا جانا بجائے خود قیام تعظیمی کی مخالفت کے لئے کافی ہے، اور قرآن مجید کے متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور فضیلت کا ذکر موجود ہے جن کی ہم تلاوت کرتے ہیں لیکن اس وقت سلام پڑھنے کے دوران تعظیمی قیام کرنے والوں کے دماغ میں کھڑے ہونے کا ادنیٰ سا تصور کبھی نہیں آنے پاتا اس کے علاوہ ہم سیرت کی کتابیں اور واقعات بیٹھ کر پڑھتے اور سنتے

ہیں اس وقت بھی نہیں ہوتے اور پھر شعراء نعتیہ کلام بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر پڑھتے اور سامعین تو اس وقت بیٹھے ہی رہتے ہیں، قیام نہیں کرتے لیکن بعض مخصوص شعراء کا مخصوص سلام، مساجد میں مخصوص اوقات میں ہی قیام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ عقیدت کی نہیں بلکہ جہالت اور بڑی حماقت کی بات ہے جس میں شرارت کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے،

چند مزید وضاحتیں

یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں قیام تعظیمی کو ناپسند فرمایا ہے اس سلسلے میں بہت سی احادیث اور آثار صحابہ موجود ہیں جنھیں حقانی صاحب نے اپنی کتاب میں پیش فرمایا ہے اگرچہ ایک دو احادیث اس کے برعکس بھی ہیں، لیکن ان کی حیثیت واقعات کی سی ہے، جنھیں ارشد صاحب نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے جب کہ ممانعت کی احادیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام کو تعامل کا اظہار ہوتا ہے، اور قولی احادیث کو واقعاتی احادیث پر اس وقت چار چاند لگ جاتے ہیں، جبکہ اس کی تصدیق اور تائید میں صحابہ کرام کا اجتماعی عمل بھی موجود رہے۔ ہو سکتا ہے کہ قیام تعظیمی کی برعکس جو احادیث ہیں وہ منسوخ شدہ ہوں یا یہ مسئلہ کی خاص اور استثنائی صورت ہو سکتی ہے ہمارا یہ خیال اور موقف اقوام سابقہ کی گمراہیوں اور شرک و غلو کے پیش نظر بھی مبنی برحق و حکمت ہے متعدد ایسی احادیث ہیں جن میں سد باب ذریعہ شرک کے طور پر غلوئے عقیدت، اور افراط محبت سے منع کیا گیا ہے اور قیام تعظیمی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، کہ جب زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام تعظیمی سے منع فرماتے تھے تو آپ کی یا آپ کے کسی امتی کی قبر پر سجدہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ بہرحال زیر بحث مسئلہ میں حقانی صاحب کا موقف ہی مبنی برحق ہے جس کی تائید و وضاحت میں انھوں نے مختلف النوع اور بکثرت دلائل پیش فرمائے ہیں چند دلائل کی کمزوری اور ایک آدھ تضاد و بیانی سے امر واقع اور حقیقت نفس الامری میں کوئی فرق واقع نہیں ہو سکتا، حق کی رسائی کے دوران لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں لیکن حق تک پہنچنا اور منزل مقصود کو پانا بہرحال کامیابی ہے ایک شخص کسی مسئلہ میں دس دلائل پیش کرتا ہے اور نو دلائل بھی غلط ثابت ہو جائیں اور ایک دلیل کی صحت اٹل ہو اور جس کا رد نہ کیا جا سکے تو اس کی بات صحیح ہو گی۔ اس وقت تک اس کی بات غلط نہیں قرار دی جا سکتی جب تک کہ اس کے پیش کردہ تمام دلائل کا ابطال نہ کیا جائے،

لیکن ارشد القادری صاحب کی یہ خوش فہمی اور نادانی ملاحظہ ہو کہ وہ دلائل کے کثیر انبار میں سے ایک دو پر جاہلانہ اور عامیانہ تنقید کر کے تالی پیٹ دیتے ہیں کہ میں نے حقانی کے عقیدہ اور اس کے دلائل کو پاش پاش کر ڈالا یہ بات ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص تناور درخت کی کسی کمزور ڈالی کو توڑ کر مسرت سے چیخ اٹھے کہ میں نے سارے درخت کو اکھاڑ پھینکا ہے۔

مولانا یالن حقانی نے میلاد و قیام کی نفی اور تردید میں کافی، شافی اور وافی دلائل و شواہد پیش فرمائے ہیں اس سلسلے میں چند مزید نکات اور دلائل پیش خدمت ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں شعر و سخن کا کافی چرچا تھا اور گویا عرب کا بچہ بچہ اس فن کا دلدادہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کلام اور اس کے اثرات کی تعریف بھی فرمائی ہے لیکن باوجود صحابہ کرام کو شاعری سے اتنا شغف و تعلق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وافر عشق و محبت رکھنے کے انھوں نے کبھی بھی اجتماعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش حیات طیبہ اور وفات کے بارے میں اشعار نہیں گائے۔ جب دور صحابہ میں محفل میلاد کے تمام اسباب و محرکات بدرجہ اولیٰ واتم موجود تھے، لیکن اس کے باوجود اس دور

مسعود میں اس کا رواج نہ تھا تو پھر آج شدید گمراہیوں اور اختلافات کے درمیان اس پر عمل اور مصر رہنا فہم و بصیرت اور عقل و دیانت کی کونسی قسم ہے؟ اگر میلاد و سلام کے وقت قیام، حب نبوی ؐ کا مظہر اور عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ اور طریقہ ہوتا جیسا اس کے قائلین کا تصور ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کرانے کے لئے نماز کا نظام اور طریقہ کچھ اس طرح مقرر کرتا کہ درود ابراہیم جسکی حیثیت ایک اسلام کی ہے۔ بجائے قاعدہ کے قیام میں پڑھنے کا حکم دیتا اگر اللہ تعالیٰ نماز کا طریقہ فی الواقع اسی طرح مقرر فرماتا تو یقیناً اہل بدعت اور قائلین قیام اس سے یہ استدلال کرتے کہ دیکھو! کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ؐ کی تعظیم و احترام کرانے کے لئے درود ابراہیم حالت قیام میں پڑھنے کا حکم دیا اور نماز کا طریقہ مقرر فرمایا ہے اس لئے.. سلام کے وقت کھڑا ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر موجود ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی ان آیات کی تلاوت اور دنیا کے سب سے پہلے انسان، پہلے نبی اور ساری انسانیت کے جدِ اعلیٰ .... کی ولادت اور ذکر خیر کے وقت تعظیماً کھڑے ہوتے یا صحابۂ کرام کو اس کی ہدایت و تلقین فرماتے تھے؟ یہ حقیقت ہے کہ حضرت آدم عؑ بحیثیت نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کم رتبہ کے تھے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ باپ بہر حال باپ ہی ہے آخر چودھویں صدی کے یہ نام نہاد عاشقان رسول ؐ کس کھیت کی مولی اور کس درخت کی ڈالی ہیں کہ ان کی غالی جاہلی اور مشرکانہ دماغوں کی سر انکل پچو باتوں اور اوہام و خرافات پر آنکھ بند کر کے ایمان لایا جائے علامہ شامی اہل بدعت اور ان کے قیام تعظیمی کے بارے میں کہتے ہیں۔

"جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا ذکر سنتے ہیں تو سر دھنتے ہیں، کھڑے ہو جاتے ہیں، حالاں کہ یہ حرکتِ قیام۔ بدعت ہے جس کی کوئی اصل دین میں نہیں۔

(رسائل شامی)

جس بادشاہ نے محفل میلاد کا آغاز کر دیا اس کے بارے میں

علامہ ذہبی ؒ المتوفی ۸۴۰ھ نقل کرتے ہیں

"وہ ہر سال میلاد (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کرتا تھا، دول الاسلام، جلد دوم

(بحوالہ المنہاج الواضح)

اور جس عالم نے اس بادشاہ کو اس کا مشورہ اور فتویٰ دیا تھا اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں"۔

"وہ دین اور اسلاف کی شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتا تھا گندی زبان کا مالک تھا، بڑا احمق اور متکبر تھا دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا،

(لسان المیزان جلد چہارم)

حضرت مجدد الف ثانی حنفی ؒ مکتوبات حصہ پنجم ص ۲۲ میں محفل میلاد کی مذمت اور مخالفت کرتے ہیں اور علامہ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں

"اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو، تب بھی وہ دین کے اندر ایک جدید امر کا اضافہ کرنا ہے جو سلف صالحین کے عمل میں نہ تھا، حالانکہ اسلاف کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا ہی زیادہ بہتر ہے"؟

(المدخل، ابن الحاج)

امام جلال الدین سیوطی ؒ المتوفی ۹۱۱ھ قیام میلاد کی حرمت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اس کے جواز پر نص تو کوئی نہیں البتہ قیاس ہے"۔

(حسن المقصد عمل المولد بحوالہ المنہاج الواضح)

اور امام ذہبی ؒ، امام سیوطی ؒ، اور صاحب المدخل وغیرہم تیمی تھے، نہ وہابی اور نہ دیوبندی۔

مولانا ارشد القادری لکھتے ہیں،

"سوال یہ ہے کہ حقانی صاحب کی تحریر کے مطابق جب حدیثوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیام کی ممانعت ثابت ہے۔ تو فقہائے احناف نے امتی کے لئے کیوں اسے جائز قرار دیا کیا اس بات سے فقہاء پر رسول ؐ کی نافرمانی کا الزام نہیں عائد ہوتا؟"

(شریعت ص ۵۲، ۵۳)

یہ ایک انتہائی بھونڈی منطق اور بچکانہ طرز فکر ہے اگر ہر مسئلہ میں اس انداز سے سوچا جائے تو کوئی صحابی، امام اور عالم بھی احادیث سے انحراف اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے الزام سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ نزاعی مسائل میں فریق ثانی کے اختلاف کی بنیاد احادیث اور سنت رسولؐ ہی تو ہے اور متعدد احکام و مسائل میں ائمہ اربعہ کے درمیان کافی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ یہ تو تھی ایک عمومی اور اصولی بات — مولانا پالن حقانی کی اس بات کا کہ جب حدیثوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیام کی مخالفت ثابت ہے تو فقہائے احناف نے امتی کے لئے کیوں اسے جائز قرار دیا!" جواب یہ ہے کہ آخری نبویؐ خصوصیات اور فضائل بھی تو کوئی چیز ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی، آپکے عقد میں چار سے زائد بیبیاں تھیں اور آپ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات کا عقد ثانی حرام قرار دیا گیا۔ آپؐ سے متعدد معجزات اور خرق عادات قسم کے امور سرزد ہوجاتے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جو ہستی بھی غیر معمولی صفات اور خصوصیات کا حامل رہی، اسے جاہلوں، نادانوں اور غلو پسند طبیعتوں نے خدائی میں شریک و دخیل قرار دے دیا! ان ہی حقائق کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بننے دینا جس کی پوجا کی جائے، آپ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کو کارساز اور ان کی قبروں کو صنم کدہ اور بت خانہ بنا دیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کو شرک سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ وصیت بھی فرما دی تھی، کہ مجھے کھلے مقام پر نہ دفن کیا جائے آپؐ کو اپنی ذات کے تعلق سے یہ خدشہ لاحق تھا کہ لوگ کہیں فرط عقیدت اور غلوئے محبت کے سبب معبود نہ بنا بیٹھیں، اس لئے آپؐ نے سدِ باب ..... کے طور پر اپنی حیات طیبہ ہی میں شرک کے اسباب محرکات اور متعلقات پر امتناع عائد فرما دیا کہ آج میری زندگی میں تعظیماً کھڑے ہوں گے تو کل میری وفات کے بعد قبر پر تعظیماً سجدہ و طواف بھی کرنے لگیں گے، جب زندگی میں ہی تعظیماً کھڑا ہونے سے منع کر دیا جائے تو مرنے کے بعد قبر پر سجدہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا چونکہ انبیاء کے مقابلہ میں علماء اور بزرگوں کا وسیلہ شرک بننے کے نسبتاً کم امکانات ہیں اس لئے بعض فقہاء نے ان کی تعظیم کے لئے قیام کی اجازت دے دی۔

رہا زیارت قبر نبویؐ کے وقت قیام کا مسئلہ تو یہ کوئی خاص بات نہیں، جب کوئی فرد کسی قبر کی زیارت کیلئے جاتا ہے خواہ وہ قبر کسی عالم و بزرگ کی ہو یا والدین کی یا بال بچوں اور دوستوں کی، ہر صورت میں ہر شخص قبرستان میں کھڑا ہی رہتا ہے وہ مقام اور ماحول ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہاں بیٹھنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حقائق سے فرار

مولانا ارشد القادری بیان کرتے ہیں کہ۔

"یونہی حقانی صاحب کا یہ الزام بھی ہم پر نہایت بھونڈا افتراء ہے کہ میلاد کی محفل میں ہم اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور تشریف لاتے ہیں۔ یہ اگرچہ ناممکن ہے لیکن اس اعتقاد کو قیام کی بنیاد بنانا غلط ہے۔

(شریعت، ص ۵۶)

یہاں بھی ارشد صاحب حقائق کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور اپنے ہی حلقہ کے ایک مشہور و معروف عقیدہ کا انکار کر بیٹھے۔ یہ ان کی عیارانہ معصومیت و تجاہل عارفانہ ہے۔ حالانکہ کم از کم احتیاطاً وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اگرچہ کہ بعض سرپھروں اور جاہلوں کا یہ عقیدہ ہے لیکن ہم علماء سے صحیح تسلیم نہیں کرتے وہ ایسا اس لئے کہہ سکتے کہ اس تحریر کی زد میں ان کے اکابر آجاتے ہیں، اس سلسلے میں زیادہ نہیں صرف دو ہی، لیکن اہم شہادتیں پیش کی جاتی ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا واجب ہے،

(انوار ساطعہ ص ۲۰۸ بحوالہ المنہاج الواضح)

بدعتی حلقوں کی ایک اور مشہور کتاب مجموعۂ فتاویٰ یعنی
غایۃ المرام میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر محفل میلاد
میں تشریف لاتے ہیں، تعظیم کے واسطے کھڑا ہونا فرض ہے قیام
نہ کرنے والا کافر ہے،

(بحوالہ المنہاج الواضح ص ۲۴۹)

علمائے بدعت کے مذکورہ بیانات مطلب کے لحاظ سے واضح
اور صاف صاف ہے جن کی مزید وضاحت کر کے علامہ
موصوف کو شرمندہ کرنا چاہتے ہیں۔

کیا رسول اللہ ہمارے بھائی نہ تھے؟

ارشد القادری صاحب علمائے دیوبند پر یہ فرد جرم بھی عائد کرتے ہیں کہ
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔

"عالم اسلام کی طرف سے دیوبندی جماعت کے علماء
پر سالہا سال سے یہ الزام عائد ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو اپنا بھائی کہتے ہیں بھائی کے مفہوم میں چونکہ برابری
کا تصور شامل ہے اس لئے نبی کو بھائی کہنا نبی کی تحقیر
شان ہے (شریعت، ص ۷۵)

یہ "عالم اسلام کی طرف سے" والی بات بھی خوب
رہی۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ صرف برصغیر ہی میں بریلوی
نسل کے گدھے پائے جاتے ہیں گدھوں کی یہ قوم اللہ
کے فضل سے ہند و پاک کے باہر مفقود ہے اور آج عالم اسلام
"وہابی" سعودی اور دیوبندی عقائد مکتب فکر جو ٹھیٹ
کتاب وسنت اور توحید خالص کا علمبردار ہے اور بدعات
ومشرکیات اور قبوری خرافات کا شدید مخالف ہے۔
سر آنکھوں پر بٹھاتا اور عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے
جب عرس فاتحہ اور نذر ونیاز وغیرہ کی وافر اور مرغن غذائیں
معدہ میں سڑ جاتی ہیں تو متعفن گیس بھیجے سے ٹکراتی اور
قلم سے بہکی بہکی باتیں نکلنے لگتا ہے جس کا ایک شاندار نمونہ
مولانا ارشد القادری کا مذکورہ اقتباس ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بھائی
یا بڑا بھائی یا ہم جیسا انسان ہی سمجھنے والا اور کہنے
والا دنیا میں آج تک کوئی مسلمان پیدا نہیں ہوا،
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حیثیتیں ہیں۔
جن میں سے ایک یقیناً بھائی کی بھی حیثیت ہے حضور
بلاشبہ ایک انسان، آدمی اور عبد تھے، کسی کے بیٹے، کسی
کے باپ، کسی کے شوہر، کسی کے بھائی اور کسی کے بھتیجے
تھے، آپ کی حیثیت نبی اور رسول کی ہے اور آپ افضل البشر
سید الانبیاء اور ختم الرسل بھی ہیں اور تمام اہل ایمان اور
مسلمانوں کے دینی بھائی بھی جوان تمام حیثیتوں اور حقیقتوں
کو تسلیم کرے اور جس کا اس پر ایمان واعتقاد ہو ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اور اس کے ساتھ ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو بھائی بھی سمجھے تو ایسی واضح صورت میں صرف وہی
واویلا مچا سکتا ہے جس کا دماغ سڑ کر گل کر تباہ اور ناکارہ
ہو چکا ہو،

قرآن پاک اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ انما المومنون
اخوۃ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حدیث اس
بات کی شہادت دیتی ہے کہ المسلم اخو المسلم ہر
مسلمان دوسرے کا بھائی ہے کیا حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم مومن ومسلم نہ تھے؟ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی سے فرماتے ہیں۔

"تم میرے بھائی ہو، اور میں تمہارا بھائی ہوں دین
اسلام میں۔ (زرقانی جلد سوم)

مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے کہ بعض صحابہ کرام حضور کو
سجدہ کرنا چاہتے تھے، تو آپ نے انھیں سمجھایا کہ بندگی کرو
اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی" اگر کوئی مسلمان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ تمام حیثیتوں
اور حقیقتوں کو تسلیم نہ کرتے ہوئے صرف بھائی قرار دے
تو ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف گمراہی ہوگی بلکہ صریح کفر بھی، لیکن عجز
تماشہ ملاحظہ ہو کہ اہل بدعت اور عاملین قبوری شریعت
نبی کا ترجمہ "غیب کی خبر دینے والے" کرتے ہیں، چنانچہ
تمام بریلوی مترجمین قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ "نبی" آیا

ہے وہاں انھوں نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے کیا نبیؐ کو صرف غیب کی خبر دینے والے۔ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا نہیں؟

رسولِ خدا صرف بھائی نہیں

ارشد القادری صاحب نے ایک دعویٰ یہ بھی کیا ہے کہ علمائے دیوبند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہتے ہیں، لیکن حقانی صاحب اس کی نفی اور انکار کرتے ہیں کہ دیوبندی علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی نہیں کہتے۔

(ملاحظہ ہو شریعت ص ۶۰)

درحقیقت حقانی صاحب نے اس بات کا انکار اور تردید فرمائی ہے کہ علمائے دیوبند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بھائی ہی سمجھتے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے۔ چنانچہ خود ارشد صاحب نے مولانا حقانی کا اپنی کتاب میں یہ بیان نقل کیا ہے،

"آج ہندوستان میں بعض جگہ اس بات پر جھگڑے چل رہے ہیں کہ فلاں فلاں لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے کوئی شخص مسلمان ہو کر ایسا کلمہ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔

(شریعت یا جہالت ص ۲۱۶)

یعنی کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنے بڑے بھائی کے برابر اور مماثل نہیں سمجھتا بلکہ آپؐ کی ان تمام حیثیتوں، حقیقتوں، مرتبوں اور فضیلتوں پر ایمان رکھتا ہے جن کا ذکر قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی اہل حق پر توہین انبیاء اور عداوت رسولؐ کا احمقانہ الزام عائد کرتا ہے تو ایسے شخص کو ہمارا ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ کسی ماہر امراض دماغی سے رجوع کرے اور اپنے دماغ کی خرابی سے دوسروں کے اوقات اور عقائد برباد نہ کرے۔

وہ قتل بھی کرتے ہیں

لیکن یہ ظلم اور دھاندلی ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ داں اور کامل غیب داں ثابت کرنے کا بھوت اہل بدعت پر اس قدر سوار ہے کہ وہ آیات قرآنی اور اسلامی مسلمات پر ہاتھ صاف کرنے میں بھی شرم و عار اور تکلف محسوس نہیں کرتے ان کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ وہ اس سلسلے میں "نبی" کا ترجمہ (قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے) "غیب کی خبر دینے والا" کرتے ہیں گویا نبیؐ کی حقیقت، فضیلت، عظمت، وقعت، اہمیت اور منصب فقط اتنا ہی محدود ہے کہ وہ صرف غیب پر مطلع اور مخفیات سے آگاہ اور خبردار کرنے والا ہے حالانکہ "نبی" ایک وسیع المفہوم اور پر عظمت اصطلاح ہے جس میں عظمتوں کے بے کراں سمندر پوشیدہ ہیں نبیؐ صرف غیب کی خبر دینے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ کتاب علم وحکمت اور دانائی کی تعلیم دینے اور اس کے مطابق انسانوں کی اصلاح و تربیت اور ان کے قلوب کا تزکیہ کرنے والا حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کرنے والا بھی ہوتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں انبیاء و رسول کے سینکڑوں مناصب، فضائل اور فرائض بیان کئے گئے لیکن حاملین قبوری شریعت کو نبیؐ کی صرف ہمہ دانی اور غیب دانی ہی سے دلچسپی ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں اس بھوت نے عرش سے فرش پر لا بٹھا دیا اور لفظ نبیؐ کی عظمت کو پامال کردیا ہے۔

ابن رشید صدیقی

ہندومت اور اسلام کا امتزاج؟

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب شمس نوید عثمانی ہندوستان کے قدیم مذاہب کا تحقیقی مطالعہ کر رہے ہیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے جو باطل نظریات ان میں شامل ہو چکے ہیں انھیں چھان پھٹک کر مذہب کی اصل اور الحاقی اجزار سے پاک الہامی بنیادوں کو سامنے لانے کی کوشش لائق ستائش ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام بڑا دقت طلب اور صبر آزما مراحل سے گذارنے والا ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی، رسول و پیغمبر آتے رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ" سورہ رعد ۱ "وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ" سورہ یونس "وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرًا" سورہ فاطر ۲ "وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ نَّذِیْرًا" سورہ فرقان۔ اور اس بنار پر ہم یہ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے ہونگے۔ ہمارے محققین کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ حق کو باطل سے چھانٹ کر الگ کر دکھائیں۔

جناب شمس نوید عثمانی کے مضمون کی بنیاد دویکانندجی کے خط کے ایک مختصر سے اقتباس پر رکھی گئی ہے اور وہ یہ کہ "ہماری مادر ارض کی بھلائی اس میں ہے کہ اسکے دونوں مذہب (ہندو اور اسلام) مل کر ایک ہوجائیں ویدک ذہن اور اسلامی جسم کے امتزاج سے جو مذہب قائم ہوگا وہی بھارت ورش کی امید ہے۔ معلوم نہیں اس اقتباس سے کیوں صاحب مضمون اس قدر متاثر ہوئے کہ اس پر ایک خیالی عمارت تعمیر کرکے اپنے تاثرات کچھ اس نیازمندانہ انداز میں پیش کیے ہیں جسکے لئے مجھ جیسے عامی کو بھی کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ کسر نفسی اپنے رب کے تعلق سے اپنی جگہ درست لیکن دین کے معاملہ میں اس طرح کی حد سے بڑھی ہوئی خوش گمانی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ویسے تو پورا مضمون ہی قصیدہ خوانی سے کم نہیں۔ پھر بھی نمونے کے طور پر چند فقرے پیش ہیں۔ مثلاً "یہ ہیں وہ تاریخی الفاظ جو دویکانندجی جیسے پر جلال، دور اندیش اور مجسم ایثار ہندو نے اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے" چند سطور کے بعد اسطرح رقم طراز ہوئے کہ "آہ! کیا مخلص تھا وہ دویکانند کہ جس کی مذہبی فکر کا یہ انداز تھا۔" آگے پھر تحریر فرمایا "اخلاص اور نورانیت نے اس چہرہ کو کیسا منور کردیا ہوگا جس کے منھ سے ایسے بے غرضانہ الفاظ نکلے ہونگے جن طاقتوں سے مجھے دینی مفاد حاصل نہ ہوکر صرف شہرت ہی حاصل ہوا نکی مجھے ضرورت نہیں ہے میں اگر اس وقت موجود ہوتا تو شدت جذبات میں اسلام کی جانب سے اس ویدانتی چہرہ کو چوم لینا اپنا مذہبی فریضہ تصوّر کرتا۔"

اس مضمون میں مندرج باتوں کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے فاضل مضمون نگار ہندو مذہب، سناتن دھرم اور ویدک دھرم میں فرق نہ کرسکے۔ بات در اصل یہ ہے کہ ہندوستان کا قدیم ترین مذہب "سناتن دھرم" کہلاتا ہے اور یہ کبھی بھی عالمی مذہب ہونے کا مدعی نہیں رہا۔ ہندوستان کا دوسرا مذہب ویدک مذہب ہے۔ یہ مذہب

ﮯ دویکانندجی کا تعلق ویدک دھرم سے نہیں ہے وہ ہندو مذہب کے ماننے والے اور اسکے پرجوش مبلغ رہے تھے!

ان دو مذاہب کے علاوہ آج کل جسے ہندو مذہب کہا جاتا ہے وہ اپنی اصل کے اعتبار سے کوئی مذہب ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشترک و مرکب تہذیب ہے جو سناتن دھرم اور ویدک دھرم اور ویدک دھرم کے امتزاج سے تشکیل دی گئی ہے۔ "ہندو" نہ تو کسی ہندوستانی زبان کا لفظ ہے اور نہ ہی ہندوستانی قدیم مذہبی کتابوں میں کہیں استعمال ہوا ہے۔ یہ باہر کا لفظ ہے جو اپنے معنوں کے اعتبار سے ہمارے ملک کو باہری اقوام نے مخاطب کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اس طرح اس ملک کا نام ہندوستان پڑ گیا۔ اور اسی مناسبت سے وہ تہذیب جو سناتن دھرم اور ویدک دھرم کے امتزاج سے تشکیل دی جا چکی تھی ہندو تہذیب اور بعد میں ہندو دھرم کہلائی۔ چنانچہ ماضی قریب کی تاریخ میں اس ہندو تہذیب و مذہب کے خلاف سرسوتی دیانند جی نے علم بغاوت بلند کیا اور ویدک دھرم کو ہندو دھرم سے الگ کرنے کی کوشش کی۔ آج بھی ان کی تحریک (آریہ سماج) اس مشن کو پورا کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اسکے برعکس ہندو مذہب اور اس کے احیاء کے لئے جہاں بہت سی ممتاز شخصیتیں کام کرتی رہی ہیں اور جن میں سوامی رام کرشن پرم ہنس اور سوامی دویکانند جی کا ایک خاص مقام ہے وہیں آج بھی انکی تحریک کو بڑھاوا دینے کیلئے سینکڑوں مدارس اور اعلیٰ تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔

اس تاریخی پس منظر میں دویکانند جی کے خط کے اس اقتباس پر نظر ڈالیں تو چند حقائق بڑی آسانی سے سامنے آ سکتے ہیں وہ یہ کہ ہندو تہذیب، جو اپنے اصل میں کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ سناتن دھرم اور ویدک دھرم کا امتزاج ہے، اس کو دویکانند جی ایک مذہب تسلیم کرتے ہیں اور صاحب مضمون کچھ اور آگے ہی نظر آتے ہیں جو تحریر فرماتے ہیں کہ "ہندو مت تمام مذاہب کی ابتداء ہے اور اسلام اس کا آخر" حالانکہ اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو ہندو مذہب کے بانی کی نشاندہی مشکل ہے اور ساتھ ہی ایسی ہندو مذہب سے منسوب و تعلق کسی ایسی مذہبی کتاب تک رسائی بھی ممکن نہیں ہے جس میں لفظ ہندو کسی بھی معنی میں استعمال ہوا ہو۔ بہرحال ان حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مذہبی تاریخ کے ریسرچ کرنے والے طالب علموں کو یہ کھوجنا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ "ہندو" والی اصطلاح کب اور کیسے ہمارے ملک میں وارد ہوئی اور مذہبی تقدس کا مقام حاصل کر پائی۔

دویکانند جی کا یہ فرمانا کہ "ویدک ذہن اور اسلامی جسم کے امتزاج سے جو مذہب قائم ہوگا وہی بھارت درشن کی امید ہے" جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے یہ بات صاف ہو گئی کہ ویدک دھرم (ذہن) سناتن دھرم سے بالکلیہ الگ اور آزاد وجود رکھتا ہے۔ دویکانند جی خود ویدک دھرم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی وہ سناتن دھرم کو اپنی قدیم شکل ہی میں ماننے کو تیار ہیں بلکہ وہ اس "ہندو مذہب" کے نہ صرف ماننے والے ہیں بلکہ اس کے بہت بڑے علمبردار بھی ہیں جو سناتن دھرم اور ویدک دھرم کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ اس ذہنی پس منظر میں موصوف کا یہ کہنا کہ "دونوں مذاہب (ہندو اور اسلام) مل کر ایک ہو جائیں" اور "ویدک ذہن اور اسلامی جسم کے امتزاج" کی بات خود اپنے اندر زبردست تضاد رکھتی ہے۔ دویکانند جی کی اس آرزو کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہوا کہ موصوف ویدک ذہن کو اسلام کے جسم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ذہن (ویدک) جو جسم پر غالب ہے وہ اسے بے جان جسم (اسلام) میں داخل کر کے اسے اسی "ویدک ذہن" کے زیر اثر حرکت دینا چاہتے ہیں کیا اس آرزو کی تکمیل اسلام کے مفاد میں ہے اور کیا کوئی اسلام کی جانب سے

ح۱ سرسوتی دیانند جی ۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء ویدک دھرم کے مبلغ۔

ح۲ سوامی رام کرشن پرم ہنس ۱۸۳۶ء تا ۱۸۸۶ء ہندو دھرم کے مبلغ۔

ح۳ سوامی دویکانند جی ۱۸۶۳ء تا ۱۹۰۲ء سوامی رام کرشن پرم ہنس کے شاگرد۔

ح۴ مذہبی کتاب۔ منو ایک مقنن ہے۔ منو سمرتی ہندو مت کا ماخذ اور ہندو تہذیب کی اساس مانی جاتی ہے۔

ایسے ویدانتی چہرہ کو چوم لینا اپنا مذہبی فریضہ تصور کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا جواب صرف نفی ہی میں دیا جاسکتا ہے۔ ودیکانندجی کی اسطرح کی آرزو اور خواہش ایک مغالطے کے سوا کچھ نہیں۔ لائق مضمون نگار ذرا دیر رک کر اگر اس "آرزو" کا تجربہ کرتے اور اسکے مضمون تک پہنچنے کی کوشش کرتے تو انہیں صاف نظر آتا کہ "ودیکانندجی جیسے پُر جلال، دور اندیش اور مجسم ایثار ہندو" نے کبھی سے اس قابل نہ تھی کہ نیاز مندانہ طریقہ اپنا کر کچھ دل خوش کن تصورات کے محل تعمیر کرلیے جاتے۔ اب اسی سادہ لوحی کو کیا کہئے! آج خود اس امتزاجی ہندو مذہب کی ایک ممتاز شخصیت (سرسوتی دیانندجی) نے اس مذہب سے برأت کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کی موجودہ ہیئت سے بغاوت کرڈالی۔ اس نے دیکھا کہ اس طرح کے امتزاجی عمل نے ویدک دھرم کی حقیقت ہی کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ وحدانیت اور انسانی مساوات کی جگہ ہندو مذہب کی بنیاد ورن آشرم پر رکھی گئی ہے جو نسلی تفوق اور انسانی درجہ بندی کو انسانی سوسائٹی کی بنیاد مانتا ہے۔ اس طرح کے امتزاجی مذہب یا تہذیب کی حوصلہ افزائی تو کجا اسکا تصور کرنا بھی کار عبث کے سوا کچھ نہیں۔ ویدک ذہن کا اسلام کے جسم میں داخل کرکے نہ تو آج کی دنیا کی سسکتی ہوئی انسانیت کی ہم کوئی خدمت کرسکتے ہیں اور نہ ہی اسلام کی۔

تاریخ انسان گواہ ہے کہ جب بھی الہامی دین میں روایات و خرافات کو دخل اندازی کا موقع ملا اور اس کے ماننے والوں نے رواداری کا غلط اور خود ساختہ طریقہ عمل اختیار کیا تو اصل دین ان روایات و خرافات میں کھو کر رہ گیا۔ خود دین محمدی کی تاریخ میں بار بار ایسے مواقع آتے رہے ہیں۔ ایسے ہر موقع پر دین اسلام کے سچے علمبردار باطل نظریات سے اسلام کو پاک کرنے کے لئے میدان میں اتر پڑے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ ان عظیم الشان ہستیوں کو دنیا مجددین اور مجتہدین کے نام سے یاد کرتی ہے۔ وحدت مذاہب کا ذکر ہو، یا وحدت ادیان کا نعرہ، امتزاج کی باتیں ہوں یا اتصال کا تذکرہ، اس طرح کی تمام اصطلاحیں نرا فریب ہیں اور کچھ نہیں۔ ستم ظریفی ہے کہ اسلام کی ترقی اور پھیلاؤ کا حد سے بڑھا ہوا غیر متوازن جذباتی رویہ رکھنے والے ایسے اشخاص کی ہماری صفوں میں کمی نہیں جو متحدہ قومیت، مشترک تہذیب اور قومی دھارے کی باتیں کرنا دین مذہب کی خدمت سمجھتے ہیں۔ کیا اس طرح کی باتوں کو کسی بھی درجہ میں دین و مذہب کی خدمت کہا جاسکتا ہے؟ میری نظر میں یہ انداز فکر ذہنی کجروی کا شاخسانہ ہے۔

اس سلسلہ میں صاحب مضمون کا ایک اقتباس پیش ہے وہ اپنی بات کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں "پھر ایک روز ایسا حیرت انگیز خیال آیا جس نے ان دونوں ہی کو نہیں سارے عالم کے مذاہب کی وحدت کا فردوسی دروازہ میری تمناؤں پر وا کردیا اور یہ تھا خیالات کی جگہ ان مفکرین (اشخاص) کی تلاش جو ان دونوں ہی کو نہیں ساری دنیا کے بڑے مذاہب میں یکساں طور سے تمام انسانوں کو ایک خون اور ایک خدا کی دہری بنیاد پر عالمی وحدت کے لئے آدمؑ (پہلا مرد) (نوحؑ وآدم ثانی) اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نام کے تین انسانوں کو پیش کرتے ہیں ۔ اگر ہندومت میں آدمؑ، منو اور برہما۔ مندرجہ بالا تینوں ناموں کے بھارتی نام ہیں ہندو دھرم کو عالمی مذہب کے قیام کی۔ انسانی بنیاد مل گئی جو ایک طرف خون کی وحدت کی بنیاد پر ابتدائی مرد پہلے اور دوسرے تک ساری انسانیت کو پہچاننے والا ہے۔ تب دوسری طرف ان تینوں خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ایک ہی اصل علم الٰہی کو اور ایک ہی خدا کو حاصل کرا دینے والا ہے"

سب جانتے ہیں کہ حضرت آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہندومت میں آدم، منو اور برہما کے ناموں کو پیش کرنا ایک عجیب سی بات ہے

جب کہ آدم کا لفظ ہندو مت میں مستعمل ہی نہیں ہے۔ منو کی حیثیت مقنن کی ہے اور منو سمرتی (منو کی تصنیف) ہندو مت کا ماخذ اور ہندو تہذیب کی اساس مانی جاتی ہے۔ برہما ہندومت میں خالق کائنات کیلئے بولا جاتا ہے۔ ہندومت اور اسلام میں اس طرح کے بے بنیاد اشتراک کا انکشاف کرنا ایک زبردستی کی بات ہے۔

اسلام ایک عالمگیر اور آخری الہامی دین (نظام حیات) ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ زمانہ کے تقاضوں اور اس کے پیچیدہ تر مسائل کا حل ہم اسلام ہی میں تلاش کریں اور اسلام کو انتہائی حکمت کے ساتھ بلا تکلف بے لاگ طریقہ سے پیش کرنے کا طریقہ اپنائیں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس وسیع و عریض دنیا میں مختلف علاقوں میں مختلف مذاہب اور ان کی بنیاد پر استوار کی جانے والی تہذیبوں کا عمل دخل ہو جس سے انسانی سوسائٹی مختلف خانوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ جس ملک میں ہو اس ملک کی "تہذیب" کا گہری نظر سے جائزہ لے اور ان کی نفسیات کا گہرائی سے مطالعہ کرکے اپنی بات کو کچھ اس ڈھنگ سے پیش کرے کہ جن تک بھی ہماری دعوت پہنچے وہ اسے اپنا کھویا ہوا سرمایہ سمجھیں۔ اس سلسلہ میں پہلا کام ان میں اصل دین کی طلب اور خواہش کو پیدا کرنے کا ہو اور یہ کام مخلصانہ اور بے لاگ تنقید کے بغیر ممکن نہیں۔ ہمارے صوفیاء کرام اور علماء دین نے مختلف علمی و عملی طریقہ ہائے کار اختیار کرکے اپنے طور پر کوششیں تو کیں لیکن ہمارے اطراف پھیلی ہوئی تہذیب پر مناسب حد تک تنقیدی کام کا کوئی تحریری ریکارڈ کہیں بھی نہیں چھوڑا۔ ایسا کیوں ہوا؟ یہ سوال اپنے اسباب کی تلاش کے لئے آج بھی اسکالر کو دعوت تحقیق دیتا ہے۔

ہندوستانی تہذیب کی اساس یعنی ورن آشرم (چار ذاتیں) کی کھلی مخالفت و مزاحمت صوفیاء و علماء کرام کے مقابلہ میں ہندو مفکرین کے کارناموں میں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر راجہ رام موہن رائے، سنت گیانیشور سنت نامدیو، سنت ایکناتھ، سنت گاڈ گے، جیوتی با پھولے، بابا صاحب امبیڈکر اور گاندھی جی کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ان حضرات کی کوششیں بھی ہندو سماج کو بدلنے میں بری طرح ناکام رہیں۔ بعض حضرات نے ہندو تہذیب کے ورن آشرم کا حل سیاست کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سیاست کسی تہذیب کو نہ تو جنم دے سکتی ہے اور نہ ہی سماجی خرابیوں کو سچے دین سے اکھاڑ سکتی ہے۔ ان حضرات کی یہ کوشش تجربہ کے مراحل سے گذر رہی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ تجربہ ناکام ہی رہے گا۔

اس صدی کی ابتدائی تاریخ پر ہم سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں پہلے سے کچھ زیادہ کام ہوتا ہوا دکھائی پڑتا ہے۔ پھر بھی ہندوستانی تہذیب پر اطمینان بخش توجہ نہیں دی گئی۔ جماعتی اور تنظیمی سطح پر اگر ہم دارالندوہ اور جماعت اسلامی کی طرف نگاہ اٹھائیں جو اپنے لٹریچر کی وجہ سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں وہاں بھی ہر قسم کا خصوصاً مادی تہذیب اور اس کی بنیاد پر اٹھائی جانے والی سیاسی تحریکات وغیرہ پر بھرپور تنقیدی لٹریچر ملتا ہے، اگر نہیں ملتا تو وہ ہے ہندوستانی مذاہب اور ان پر اٹھائی گئی تقریبوں پر۔ اس صدی میں غازی محمد دھرم پال اور صدیق دیندار وغیرہ حضرات نے اس میدان میں ضرور پیش قدمی کی ہے ان کی اسطرح کی کوششیں ایک محدود حلقہ میں کیوں نہ ہوں، موثر ثابت ہوئی ہیں۔ آج بھی پنڈت امام الدین رام نگری باوجود ضعف العمری کے اس کام میں لگے ہوئے ہیں؛ انکی کاوشوں نے بھی مثبت نتائج بر آمد ہوئے ہیں گو کہ ان حضرات کے انداز بیان میں مناظرہ کی شان جھلکتی ہے جو آج اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے اسلوب میں اپنی بات کو پیش کرنے کا تجربہ کریں۔ کیا اس ضرورت کی تکمیل وقت کا تقاضہ نہیں ہے؟

III

مکتوب نگار
قاری فرید الحسن جودھپور

I

مجیب
حسن احمد صدیقی

ایک مکتوب مع جواب

مئی و جون ۱۹۷۸ء کے شمارہ میں تجلی کی ڈاک کے تحت امیر الحسینی صاحب کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ اس خط کے ذریعہ انہوں نے ہمیں اس بات کی اطلاع دی تھی کہ گودھرا میں تبلیغی جماعت کا جو اجتماع ہوا تھا اس میں جماعت اسلامی کے افراد کے ساتھ یہ زیادتی ہوئی کہ انھیں تبلیغی جماعت والوں کی طرف سے کتابوں کا اسٹال لگانے کی اجازت نہیں مل سکی صرف یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک گھناونی حرکت اور بھی ہوئی کہ ان کی کتابوں کو چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیا گیا اور اجتماع کے اختتام تک بھی ان کی کتابیں واپس نہیں کی گئیں۔ ممکن تھا کہ امیر الحسینی صاحب ہمیں خط لکھنے کی بجائے فریاد کسی اور سے کرتے لیکن انہوں نے غالباً مدیر تجلی کے وجدان پر دستک دینے کو ترجیح محض اس لئے دی کہ وہ فروری مارچ ۱۹۷۸ء کے تجلی میں گودھرا کے اجتماع پر تعریفی مضمون لکھ چکا تھا۔ اور اپنے تبلیغی بھائیوں کی جد وجہد کو خراج تحسین پیش کرچکا تھا۔

امیر الحسینی صاحب کے خط کا جواب دیتے ہوئے ہم نے ذرا سخت انداز میں تبلیغی جماعت کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ دسیوں خطوط ہمارے دفتر میں نازل ہوگئے۔ ان میں بعض خط تو ایسے تھے کہ ان میں ہمارے لب ولہجہ کی سختی پر تو افسوس کا اظہار کیا گیا تھا لیکن بحیثیت مجموعی ہماری بات کی تائید کی گئی تھی۔ ایک بار خیال ہوا تھا کہ ہم ان خطوں کو چھاپ دیں لیکن پھر معاً یہ خیال بھی آیا کہ ان کی اشاعت تبلیغی جماعت کے حلقہ میں مزید بدگمانی پیدا کردے گی اور وہ ہمیں اپنا پکا مخالف بلکہ معاند سمجھ بیٹھیں گے۔ بعض خطوط ہمیں ایسے بھی موصول ہوئے کہ جن میں اگرچہ ہمارے احساسات کی تائید وتصدیق نہیں تھی لیکن انداز تخاطب نرم اور مصلحانہ تھا جبکہ بعض مراسلے ہمیں ایسے بھی ملے جن میں ہمیں صاف اردو میں لتاڑا گیا تھا۔ کفر کے فتوے بھی جڑے گئے تھے۔ اور سورت کے ایک صاحب نے تو ہمارے بارے میں یہ فیصلہ بھی کردیا تھا کہ ہم "ناری" ہیں اور ہماری بخشش کا کوئی سوال ہی نہیں۔ تکلیف وہ بات یہ نہیں تھی کہ انہوں نے ہمیں دوزخی کہدیا بلکہ تکلیف دہ اور شرمناک بات یہ تھی کہ انہوں نے مولانا عامر عثمانی مرحوم کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ بھی دوزخ میں اپنے کرتوت کی سزا بھگت رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے بارے میں یہ بیہودہ گوئی بے وقت کی راگنی کے سوا کوئی درجہ نہیں رکھتی تھی۔ خیر ہم ان تمام حضرات کے شکر گذار ہیں جنہوں نے ہماری بعض غلطیوں کا احساس دلاکر ہمیں اسی زندگی میں غور وفکر اور معافی تلافی کرنے کا موقعہ دیا۔ اور ان تمام حضرات کو معاف کرتے ہیں جنہوں نے "گروہ پرستی" کی وجہ سے ہمیں کافر بادر کراکے جہنمی کے خطاب سے نوازا۔ اللہ بھی انہیں معاف کرے اور انہیں اس بات کی توفیق بخشے کہ وہ

اپنی جماعت کی خاطر عداوت و محبت کرنے کی بجائے اسلام کی خاطر دشمنی و دوستی کریں اور آئندہ کسی مسلمان کو دوزخی اور ناری کہنے کی غلطی کے مرتکب نہ ہوں۔

فرداً فرداً بھی ہم کئی خطوط کا جواب دے چکے ہیں۔ لیکن زیر نظر مکتوب میں چونکہ اس بات کا اصرار کیا گیا تھا کہ اس کا جواب تجلی کے ذریعہ دیا جائے لہٰذا اس کا جواب ہم تجلی ہی کے ذریعہ دے رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس جواب سے دوسرے حضرات بھی مستفیض ہوں گے۔ جواب دینے سے پہلے ہم اللہ رب العزت سے یہ دعا کریں گے کہ وہ ہمیں حق بات کہنے کی اور مکتوب نگار کو حق بات مان لینے کی توفیق دے۔

مکتوب نگار نے القاب و آداب اور مروجہ تسلیم و نیاز کے بعد خط کی ابتدا ان سطور سے کی۔

> گذشتہ اشاعت میں آپ نے گودھرا کے اجتماع پر جو کچھ لکھا تھا۔ بالخصوص دعا کے بارے میں جن تاثرات کا اظہار کیا تھا وہ اپنی مثال آپ ہی تھا۔

قارئین کی رسائی اس جملہ کے مفہوم تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ اقتباس بھی ان کی نظروں کے سامنے نہ آجائے جس کی طرف مکتوب نگار نے اشارہ کیا ہے۔ لیجئے یہ ہے وہ اقتباس۔

> علاوہ ازیں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جنھیں بطورِ خاص ذکر کیا جا سکتا ہے ان میں اصل اور اہم چیز ہمارے نزدیک یہ تھی کہ ذکر و اذکار اور وعظ و تقریر کے دوران مسلسل سکوت چھایا رہا۔ ایک عجیب طرح کی سکینت تھی جس نے سارے ماحول کو نورانی بنا کر رکھا تھا ایک عجب قسم کا کیف تھا جو احساسات کی دنیا میں اپنا جادو بکھیر رہا تھا اور یہ سکینت و کیف اس بات کی علامت تھے کہ فضلِ ایزدی اجتماع کے ارد گرد موجود تھا۔ کتنا پُر درد اور پُر تاثر نظارہ تھا جب دس لاکھ سے زیادہ انسان تڑپتے ہوئے دل اور لرزتی ہوئی آوازوں میں اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے پروردگارِ عالم سے اس کی رحمت و مغفرت کی بھیک مانگ رہے تھے۔

صرف یہی نہیں۔ بلکہ ہم نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ

> تبلیغی جماعت دین اسلام کی جو خدمت انجام دے رہی ہے وہ کسی اور اسلامی جماعت کے بس کا کام نہیں دیہاتوں و ریتیلے علاقوں اور پہاڑوں کے دامنوں تک پہونچکر حق کی آواز پہونچا دینا اتنا سہل نہیں ہے کہ جسے ہر گروہ اور ہر جماعت نبھالے۔ قابلِ تعریف ہے تبلیغی جماعت کہ اس نے سنگلاخ اور خار دار وادیوں میں پہونچکر اسلام کی روشنی کو فروغ بخشا۔
> (تجلی فروری و مارچ ۱۹۶۰ء)

ان سطور کو پڑھنے کے بعد کون انصاف پسند مسلمان یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ ہم تبلیغی جماعت کے مخالف ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہم تبلیغی جماعت کے اندھے معتقد بالکل بالکل نہیں۔ یعنی ان لوگوں میں شامل نہیں کہ جو تبلیغی جماعت کو "گروہِ صحابہ" سے تشبیہ دینے میں ذرا نہیں ہچکچاتے۔ اور جو تبلیغی جماعت کی کسی بھی کوتاہی کو بدعنوانی سے تعبیر کرتے ہوئے اس طرح لرز جاتے ہیں جیسے ذکر انسانوں کا نہیں۔ فرشتوں کی جماعت کا ہو۔ اوپر کی سطور سے یہ بات دو اور چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہم تبلیغی جماعت کی واجبی تعریف سے گریز نہیں کرتے۔ جو خوبیاں اس میں موجود دیکھیں ان کا ہم بانگ دہل اعتراف کرتے ہیں البتہ جو اچھائیاں اس کے اندر نہیں ہیں انکا سہرا ہم اس کے سر پر باندھکر ان اندھے عاشقوں کی پیروی نہیں کر سکتے جنھوں نے اپنے کاسۂ دماغ میں یہ

بات بٹھالی ہے کہ مسیحا کہلانے کی واحد مستحق تبلیغی جماعت ہے. اور یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ جس کا دامن زندگی ہر قسم کے داغ دھبوں سے پاک صاف ہے.

ہم کھلے طور پر اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں ایک دو نہیں بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو ولی اور پاک باز کہلانے کے سولہ آنے حقدار ہیں. لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ اسی جماعت میں کچھ ایسے لوگ بھی گھس پڑے ہیں کہ جن کا وجود نہ صرف اس جماعت کے لئے بلکہ پورے اسلام کے لئے باعثِ رسوائی بنا ہوا ہے. جس طرح تالاب کی سڑی ہوئی ایک مچھلی تالاب کے سارے ہی پانی کو گندا اور متعفن بنا دیتی ہے اسی طرح ان لوگوں نے پوری تبلیغی جماعت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے ـــ اور بے شمار لوگ ان اور ان ہی جیسے افراد کی وجہ سے تبلیغی جماعت سے بدگمان ہو گئے ہیں. ہر ذی فہم آدمی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نمازی کبھی بھی چور نہیں ہو سکتا. البتہ چور نمازی بن کر مسجد میں آجاتا ہے اور نمازیوں کے جوتے اٹھا کر لے جاتا ہے. بالکل اسی طرح ہر فہیم و علیم آدمی کو یہ بھی مان لینا چاہیے کہ دین ہدیٰ کی دعوت پیش کرنے والا کوئی بھی شخص نہ بداخلاق ہو سکتا ہے نہ جھگڑالو نہ فرقہ پرست ہو سکتا ہے نہ لکیر کا فقیر. البتہ بداخلاقی اور فرقہ پرستی جیسی معیوب صفتوں سے متصف لوگ داعی اور مبلغ بن جاتے ہیں اور اپنی جہالت و سفاہت سے نہ صرف اپنے طائفہ کو بدنام کرتے ہیں بلکہ کل مذہب اسلام کو نکتہ چینی کا ہدف بنا دیتے ہیں. اور ہمیں شکایت تبلیغی جماعت سے نہیں ان ہی حضرات سے ہے جو اپنی کج فکری اور جہالت خالصہ کی وجہ سے تبلیغ کے نام پر اضطراب اور خدا ترسی کے نام پر فرقہ پرستی کو فروغ دے رہے ہیں. اور شدت کے ساتھ اس خوش گمانی میں مبتلا ہیں کہ ہم "چلوں" میں نکل کر بنام تبلیغ جو کچھ بھی کریں گے وہ سب خیر ہی خیر ہوگا. اسی خوش گمانی نے ایسے ایسے فتنے رونما کئے ہیں کہ بس اللہ کی پناہ ـــ جھوٹی روایات بیان کرنے کا مسلم معاشرہ میں ایک ایسا لامتناہی سلسلہ قائم ہو گیا کہ جس کے سدِ باب کی اب کوئی سبیل نظر نہیں آتی. فخرِ کائنات اور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ صریح یہ فرمایا تھا کہ جس نے کوئی جھوٹی اور غلط بات میری طرف منسوب کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا (او کما قال) اس فرمان کے ہوتے ہوئے دنیادار مسلمانوں کی تو کبھی مجال نہیں ہو سکی کہ وہ آنحضورؐ کی طرف غلط سلط باتیں منسوب کر دیں البتہ دین پھیلانے والے حضرات نے ہر اس چیز کو حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا جس کی فوقیت و فضیلت انہیں ثابت کرنی ہوئی. نتیجہ یہ نکلا کہ فضائل کے دفتر کے دفتر مرتب ہو گئے. اور جن موضوع روایات کا نقل کرنا اسلاف کے نزدیک متفقہ طور پر حرام اور ناجائز تھا بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مترادف تھا وہ روایات انتہائی آب و تاب حسن و شائستگی کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آئیں اور عوام المسلمین تو در کنار خواص المسلمین نے انھیں اپنے سینہ سے لگا لیا. صرف اس ناقص دلیل کی بنا پر کہ فضائل میں سب چلتا ہے. اور سب گوارہ ہے. پھر بات یہیں تک محدود نہیں رہی کہ آنحضورؐ کی طرف غلط باتوں کا انتساب کر دیا گیا بلکہ یار لوگوں نے تبلیغ کو فروغ دینے کے لئے اور لوگوں پر اپنا سکہ جمانے کے لئے ایسی ایسی کذب بیانیاں اور دروغ بافیاں کیں کہ جن کی توقع کسی دنیادار مسلمان سے بھی نہیں کی جا سکتی ـــ فی الحال جھوٹی روایات اور من گھڑت کہانیوں کی تفصیل بیان کرنے کا موقعہ نہیں ہے کہنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ تبلیغ کے نام پر جانے والی ہر غلطی کو جائز سمجھ لینے کی روش چل پڑی. اور وہ لوگ جو اردو زبان بھی صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتے کھٹا کھٹ روایات بیان کرتے نظر آئے. اس سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر کہ جو میں بیان کر رہا ہوں اس میں صداقت اور واقعیت کسی درجہ میں ہے بھی یا نہیں ـــ تبلیغ دین کی خاطر کذب بیانی کے اس فتنے نے ایسے ایسے کذاب پیدا کئے کہ جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی. دیوبند کے قریب ایک شہر مظفر نگر ہے یہاں ایک

ماہر روحانیت کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے گھر ایک جن صحابی تشریف لاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت صرف تبلیغی جماعت ہی حق پر ہے۔ سہارنپور میں ایک ایسے صاحب رہتے ہیں جو بسا اوقات اپنی تقاریر میں یہ فرماتے ہیں کہ جو حضرات دین کے لئے وقت نہیں دیتے حضرت جی کی بددعائیں ان کا پیچھا کرتی ہیں۔

ایک صاحب کو ہم نے خود اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خواب میں دیکھا کہ ان کے سینے پر ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ مختلف جماعتوں کے لوگ آرہے ہیں اور اسے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ پتھر کسی سے ہلاتک نہیں۔ پھر آنحضور نے از خود یہ فرمایا کہ تبلیغی جماعت والوں کو بلاؤ چنانچہ جماعت کے لوگ حاضر باش ہوئے اور انہوں نے ذرا سی ہی کوشش سے پتھر کو ہٹا دیا۔ وغیرہ

خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ بتایا جائے کہ کیا اس قسم کے واقعات حقائق کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔؟ کیا کمزور سے کمزور عقل انہیں درست مان لے گی۔ اور کیا قرآن و حدیث ان پر صاد کر دیں گے؟ اور صرف اسی پر قناعت نہیں بلکہ کشف و کرامات کے عجیب در عجیب ایسے قصے سنائے جاتے ہیں کہ جسے سن کر عقل بھی حیران رہ جائے اور علم بھی۔ اور یہ قصے جنھیں متکلم خود بھی مبنی پر صداقت نہیں سمجھتا محض اس لئے سنا معین کے کانوں میں انڈیلتا ہے کہ وہ ان ہی سے متاثر ہو کر دین کے لئے وقت دے دیں۔ کچھ طبیعتیں دنیا میں ایسی بھی ہے کہ جو یوما لائی واقعات کو سن کر دین کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہیں دین کے لئے وقف کرنے والا تو از راہِ جھوٹ گناہگار رہا۔ اسے وبالِ گناہ سے نجات دلانے کی سبیل کیا ہو؟ الغرض کذب بیانی کے فتنے نے اتنا زور پکڑ لیا ہے کہ اگر پروردگارِ عالم اپنے فضل سے کام نہ لے تو اسی ایک خرابی کی وجہ سے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اور سارا اجر و ثواب غتر بود ہو کر رہ جائے۔ زندگی رہی تو برائے اصلاح اس موضوع پر گفتگو ہوگی سردست تو ان اعتراضات سے نمٹ لیں جو ہماری تحریر پر وارد کئے گئے ہیں۔

مکتوب نگار رقم طراز ہیں۔

> اس مضمون میں بھی آپ نے تبلیغی جماعت کی بعض باتوں پر گرفت کی تھی اور انہیں کچھ مشورے دیئے تھے لیکن ان میں غلط بیانی نہیں تھی۔

لگے ہاتھوں قارئین۔ یہ مشار الیہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ تاکہ بات عیاں بیاں ہو جائے۔

> (تبلیغی جماعت کے) پچاس فی صد افراد غلط روش اختیار کئے ہوئے ہیں جو بہر اعتبار ان کے لئے اور ان کی جماعت کے لئے ضرر رساں ہے۔ ایسے افراد کے لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنی خصلتوں کو بدلیں اور ہر خادمِ دین سے اسی طرح محبت کریں جسطرح وہ ان حضرات سے کرتے ہیں جو ان کے شانہ بشانہ تبلیغی جماعت میں کام کر رہے ہیں، تبلیغی جماعت میں چلّے دینے والے لوگوں سے محبت و عقیدت اور دوسرے طریقوں سے دین اسلام کے خدمت کرنے والے حضرات سے اظہار بیزاری ذی علم اور ذی فہم حضرات کے دل و دماغ میں یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ شاید اسلام اور تبلیغی جماعت دو الگ الگ مذہب ہیں۔ اگر یہ تاثر غلط ہے اور یقیناً غلط ہے تو پھر ہمارے تبلیغی بھائی ان حضرات سے محبت و عقیدت کا اظہار کیوں نہیں کرتے جو اپنے انداز میں اسی اسلام کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں جس کی خدمت کے لئے تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی ہو۔
> (تجلی فروری مارچ ۱۹۷۸ء)

غنیمت سمجھئے کہ مکتوب نگار نے ان خیالات کو غلط بیانی کی
تعبیر نہیں کیا۔ حالانکہ تبلیغی جماعت کے بعض حساس لوگ تو
ان خیالات کی وجہ سے بھی ہم سے خفا ہیں۔ اور اس بارے میں
بھی ہمیں کئی تنقید نامے مل چکے ہیں۔

آگے بڑھ کر مکتوب نگار نے ہمارا مندرجہ ذیل جملہ
نقل کیا ہے۔

> ان نونہالوں کا کوئی قصور نہیں انھیں تو بڑے
> بھی یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے سوا کسی کو خدا
> ترس سمجھو نہ دیندار بلکہ یہ سمجھو کہ تم ہی حق پرست
> ہو تم ہی دانش مند ہو اور تم ہی جنت کے واحد
> مستحق۔ (مئی وجون ۱۹۷۸ء)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا ہے کہ
آپ نے یہاں پر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور تبلیغی جماعت کے
بزرگوں پر الزام تراشی کر کے سنجیدگی کے دامن کو چھوڑ دیا ہے۔

غالباً مکتوب نگار کو غلط فہمی لفظِ تعلیم سے ہوئی۔ وہ تعلیم
سے ٹھیٹ تعلیم مراد لے بیٹھے۔ جو طالب علم کو اپنے سامنے بیٹھا کر
دی جاتی ہے۔ حالانکہ تعلیم سے ہماری مراد یہ تھی کہ ان کے
بڑوں کا طرزِ فکر اور طرزِ عمل کچھ اس طرح کا ہے جو خواہی
نخواہی یہ تاثرات پیدا کرتا ہے کہ ماسوا ہمارے کوئی حق پرست
اور حق نگر نہیں۔ اور جب واحد حق پرست ہم ہوئے تو
لامحالہ بہشت کے واحد حقدار بھی ہم ہی ہوئے۔

کسی گھر کے بڑے اگر ہر وقت بر سر پیکار رہتے ہوں
تو ان کے بارے میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ لوگ اپنے
چھوٹوں کو نفرت وخصومت اور تکرار وجھڑپ کی تعلیم
دیتے ہیں۔ انسان کا طرزِ عمل ایک طرح کا درس ہی ہے
کہ ہر وقت دیکھنے والے جس کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔
ہم نے تبلیغی جماعت کے کئی بڑے حضرات کو اس انداز میں کرتے
ہوئے دیکھا جیسے وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہوں کہ بس ہمارا
تو بیڑا پار ہو ہی گیا۔ ایسے حضرات کے ماتحت لوگ اگر تبلیغ
کے دوران جھلا کر اپنا ساتھ نہ دینے والوں کو کوسنے اور
بددعائیں دے ڈالیں تو ہمارے نزدیک تو ان کا کوئی قصور
ہی نہیں۔ قصور تو فی الواقعہ ان حضرات کا ہے جن کے طرزِ
فکر اور طرزِ عمل کی یہ نقل کر رہے ہیں۔ مکتوب نگار خود اس
بات کے معترف ہیں کہ تبلیغی جماعت میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے
وہ سینہ بسینہ ہو رہا ہے۔ ورنہ نہ ان لوگوں کا کوئی اخبار
ہے نہ کسی قسم کا لٹریچر۔ اس کے بعد مکتوب نگار نے ہماری
مندرجہ ذیل عبارت کو اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔

> آپ نظام الدین اولیاء سے رابطہ قائم
> کریں اور بعض حضرت جیوں کی توجہ اس
> طرف مبذول کرائیں امید ہے کہ خاطر خواہ
> نتیجہ برآمد ہوگا اور دفن شدہ کتابوں کا کچھ
> حرجانہ تبلیغی جماعت کے مرکز سے مل جائیگا
> لیکن اگر حضرت جیوں نے بھی اس لوٹ مار
> کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو پھر یقین کر لیجئے کہ
> نظام الدین اولیاء کے اردگرد جو بندگی
> بکھری ہوئی نظر آتی ہے وہ سیاست سے
> قریب ہے ڈھونگ ہے حق اور حقیقت سے
> اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کوئی واسطہ نہیں۔

یہاں واقعی ہم سے تلخ کلامی کا گناہ سرزد ہو گیا۔ اس
انداز میں بات کرنا ہم جیسے بے بضاعت انسان کو زیبا نہیں دیتا۔
لاکھ ہم کسی جماعت کی نا سمجھی پر واویلا کر رہے ہوں لیکن ہمیں
تلخ کلامی اور کسی جماعت کے بزرگوں کے بارے میں توہین
آمیز الفاظ کہنے کا کوئی حق نہیں۔ ہم اس سلسلہ میں صرف
مکتوب نگار ہی سے نہیں ان تمام حضرات سے معافی کے
طلب گار ہیں جنھیں نظام الدین کے بزرگوں سے عقیدت
ہے۔ لیکن ہم اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کریں گے کہ
اس عبارت میں ہماری تلخ کلامی تو مسلم۔ لیکن غلط بیانی
اس میں بھی موجود نہیں ہے۔ مثلاً اسی بات کو بایں الفاظ
کہا جاتا تو اس میں غلط بیانی ہوتی۔

> آپ نظام الدین سے رابطہ قائم کریں
> یقین ہے کہ وہ حضرات کتابیں غصب کرنے
> والوں کی گوشمالی کریں گے اور کسی بھی جماعت

کے ساتھ زیادتی کرنے پر روک لگائیں گے اور جماعت اسلامی کے افراد کا جو بھی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کریں گے اور انہوں نے بھی اس سلسلہ میں کچھ توجہ نہ دی تو یہ اس بزرگی اور عظمت کے شایانِ شان نہ ہوگا جس سے وہ بہرہ ور سمجھے جاتے ہیں۔

اب تک کی اطلاع کے مطابق نظام الدین اولیار کے بزرگوں نے اس نقصان کی کوئی تلافی نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی اخبار و رسالہ کے ذریعہ اس ہونے والی حرکت پر شرمندگی کا اظہار کیا۔ فلہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ نظام الدین اولیار کے بزرگوں نے اپنی جماعت کے افراد کی ایک ایسی حرکت کو گوارہ کرلیا ہے جو دین و دنیا کے قانون کی رُو سے مستوجب سزا تھی۔

مکتوب نگار فرماتے ہیں۔

میں خود گو دھرا گیا تھا خدا شاہد ہے کہ کوئی جملہ کسی بھی ذمہ دار نے ایسا نہیں کہا تھا کہ جس سے ذرا بھی اس بات کی بو آتی ہو کہ بس تم ہی سب کچھ ہو۔ بلکہ تقریروں میں یہاں تک کہا گیا کہ عاجزی وانکساری کو اپناؤ اکرامِ مسلم کو ضروری سمجھو اور جب لوگ تمہارے دعوت پر لبیک نہ کہیں تو اپنا ہی قصور خیال کرو اور اسے اپنے خلوص کی کمی سمجھو۔

واقعی کتنی عمدہ اور سچی باتیں کہی ہیں مولانا پالنپوری صاحب نے ۔ لیکن ہمیں یہ بتایا جائے کہ ان ہدایات پر عمل کیوں نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ ان ہدایات کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہیں کیا وہ اپنے عمل سے اپنے بزرگوں کے اقوال کی دھجیاں نہیں بکھیر دیتے۔ افسوس ہے کہ ان مسلمانوں پر کہ جنھیں ایک جلسے میں اکرام مسلم اور عاجزی وانکساری کی تاکید کی جائے اور وہ اسی جلسے میں عاجزی وانکساری تو برطرف۔ اخلاقِ عامہ اور احتساب آخرت سے بے نیاز ہوکر مسلمانوں کی املاک لوٹ لیں۔ اور ذرا نہ شرمائیں۔ نہ پھر کبھی اس سے تائب ہوں، آخر یہ کیسے لوگ ہیں؟ یہ اُن حضرات کی بات بھی نہیں مانتے کہ جن کی تقاریر سننے کیلئے یہ دور دراز سے آتے ہیں۔ گھر بار چھوڑ کر آتے ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرکے آتے ہیں۔

اس کے بعد مکتوب نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

حضرت مولانا عمر پالن پوری کو روانہ کرتے وقت کچھ ایسی نصیحتیں کیں کہ مجھے بھی جماعت کے بعض نادان لوگوں سے سُنی ہوئی باتوں سے جو تشویش تھی وہ رفع ہوگئی۔

گویا کہ مکتوب نگار نے یہ تسلیم کرہی لیا کہ تبلیغی جماعت میں کچھ ایسے نادان لوگ ضرور موجود ہیں کہ جن کی باتوں سے تشویش پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ اور پھر یہ تشویش اس وقت تک رفع بھی نہیں ہوتی جب تک تبلیغی جماعت کے کسی ذمہ دار کی تقریر نہ سُن لی جائے۔ اب دنیا کے انصاف پرست لوگ ہمیں یہ بتائیں کہ جب مکتوب نگار بعض نادان مبلغین کی ہفوات سُن کر تشویش میں مبتلا ہوجائیں تو وہ قصوروار نہیں ہوتے۔ لیکن جب مدیر تجلّی اور اس ہی جیسے کچھ لوگ کچھ نادانوں کی نادانیاں دیکھکر تشویش میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور رفع تشویش سے قبل اگر کچھ لکھ مارتے ہیں تو وہ قصوردار کس دفعہ کے تحت مان لئے جاتے ہیں؟ کیا تشویش میں مبتلا ہونے والے لوگوں کو دو پیمانوں سے ناپا جاتا ہے؟

پھر حیرتناک بات یہ ہے کہ جہاں تشویش پیدا ہونی چاہئیے تھی وہاں ان کی تشویش رفع ہوگئی۔ انہوں کانوں سے سُنا کہ اگر کوئی تمہاری ترغیب پر چلّہ نہ دے تو اسے اپنا ہی قصور سمجھو اور مسلمانوں کے احترام کو ضروری سمجھو اور عاجزی وانکساری کا دامن نہ چھوڑو۔ اور مکتوب نگار اپنی آنکھوں سے ان ہدایات کی خلاف ورزیاں بھی دیکھ چکے ہیں۔ کہ چلّوں کی تشکیل کرتے وقت کیا کیا کارنامے رونما ہوتے ہیں۔ اور ساتھ نہ دینے والوں کے ساتھ کس انداز کا

برتاؤ کیا جاتا ہے۔ تو مکتوب نگار ہی ہمیں بتائیں کہ ہدایات سے کھلم کھلا انحراف پر تشویش پیدا ہونی چاہیئے یا رفع؟ یہ بات تو تشویشناک ہوئی کہ تبلیغی جماعت کے عوام تبلیغی جماعت کے خواص کی بات نہیں مانتے۔ اور دوران کارگزاری میں اپنی من مانی کرتے ہیں۔

مکتوب نگار نے ایک جگہ جذباتی ہو کر یہ بھی فرمایا ہے۔

> غالباً امیر الحسینی صاحب نے جل کر آپ کو خط لکھا ہے۔ انہوں نے اتنا بڑا مجمع کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اور اتنا بڑا مجمع نہ کبھی جماعت اسلامی نے اکٹھا کیا اور نہ جمعیۃ العلماء نے نہ مسلم لیگ نے اور نہ کسی بھی مسلم جماعت نے ـــ

اگر بالفرض امیر الحسینی صاحب نے کثرت افراد سے جل کر ہمیں خط لکھا تھا تو پھر ان کی نادانی مسلّم۔ اس لئے کہ جماعت اسلامی جیسی ٹھوس جماعت سے وابستہ ہونے کے بعد بھی اگر وہ کسی جماعت کے پلیٹ فارم پر لگی ہوئی بھیڑ سے متأثر ہو بیٹھے تو واقعی ان کی بھول ہے۔ لیکن امیر الحسینی صاحب کی نیت پر گفتگو کرنے سے بہتر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مکتوب نگار کے لاشعور نے افراد کی کثرت پر جو عش عش کی ہے اسے جھنجھوڑیں اور یہ بتائیں کہ کسی جلسہ میں افراد کی کثرت دنیاوی لحاظ سے خواہ جلسہ کی کامیابی پر محمول کر لی جائے لیکن اخروی اعتبار سے اسے کامیابی کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ جو جماعت صرف حصول ثواب اور خوشنودی رب کی خاطر جد وجہد کر رہی ہو وہ اگر اپنے اردگرد کے جمع غفیر کو یہ سمجھ لے کہ ہم سب سے زیادہ کامیاب ہیں کیونکہ سب سے زیادہ افراد ہمارے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں تو یہ اس کا بہت بڑی سہو ہوگا۔ افراد کی کثرت ہی کو اگر معیار بنا لیا جائے تو پھر قبوری شریعت کے حاملین سب سے زیادہ برحق ہیں اس لئے کہ ہندوستان میں ان ہی کی برادری کثیر ہے۔ ہم قلت کو بھی معیار نہیں کہہ سکتے ورنہ پھر قادیانی جیسے گمراہ حضرات فرمائیں گے کہ ہم ہیں سب سے زیادہ کم لہٰذا ہم ہی ہوئے سب سے زیادہ برحق ـــ حقیقت یہ ہے کہ نہ قلت کو حق کا معیار کہا جاسکتا ہے نہ کثرت کو بلکہ معیارِ حق تو قرآن و حدیث ہی ہیں۔ جس جماعت کے نظریات قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پورے نہ اتر سکیں وہ بہرحال ناکام ہے خواہ وہ ساری دنیا کو اپنے پلیٹ فارم پر کھینچ لے۔ اور جس جماعت کے نظریات اور طور طریقے قرآن وحدیث سے ہم آہنگ ہیں وہ بہرحال کامیاب ہے خواہ وہ اپنے اجلاس میں درجن بھر افراد جمع کرنے پر بھی کامیاب نہیں ہو سکی ہو۔ گذارش کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت حق پر نہیں۔ بلکہ کہنے کا منشاء یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی حقانیت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کے اجلاس میں سب سے زیادہ افراد جمع ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی حقانیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے عقائد قرآن وحدیث کے قرین ہیں۔ جب معیارِ حق اور معیارِ کامیابی افراد کی قلت وکثرت نہیں بلکہ قرآن وحدیث ٹھہرے پھر کسی شخص کا یہ کہنا کہ ہماری جماعت جتنے افراد جمع کر لیتی ہے دوسری جماعتیں نہیں کر سکتیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالفرض اگر بقیہ مسلم جماعتیں یہ دعوٰی کر بیٹھیں کہ تبلیغی جماعت کے اجلاس میں جو حضرات شرکت فرماتے ہیں ان کی حیثیت تو ریزگاری کی ہے دیکھنے میں تو وزنی ہوتی ہے لیکن حقیقتاً وزنی نہیں ہوتی۔ تو مکتوب نگار اس کا کیا جواب دیں گے؟ یہ تو ظاہر سی بات ہے کہ ایک ہزار کا ایک نوٹ ایک لاکھ پیسوں پر بھاری ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ جیب کے ایک گوشہ میں پڑا رہتا ہے۔ اور ایک لاکھ پیسوں کو اگر آپ سلیقے سے لگائیں تو تین گز کا چبوترہ تیار ہو جائے۔

مکتوب نگار فرماتے ہیں۔

> تبلیغی جماعت کا نہ اپنا کوئی پرچہ ہے نہ اشتہاری چرچہ ہے نہ یہ چندے کی قائل ہے اس کے باوجود دنیا بھر کے لوگ کھینچے چلے آتے ہیں۔ صرف دینی نسبت پر۔

یہاں مکتوب نگار یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ تبلیغی جماعت

اپنے اجتماعات کا پروپیگنڈہ تک نہیں کرتی اسکے باوجود لوگ جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کو پرچوں اور پرچوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جس جماعت کی جماعتیں ہر وقت گردش میں رہتی ہوں اور جس جماعت کو سینہ بہ سینہ اور واسطہ در واسطہ خبریں پہونچانے کی سہولتیں حاصل ہوں اسے کیا ضرورت ہے کسی اخبار وغیرہ کے سہارا لینے کی۔ رہی دینی نسبت پر جمع ہونے والی بات تو وہ بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن کاش یہ دیکھنے میں آتا کہ جس دین کے لئے لوگ اپنا گھر بار اور راحت و آرام چھوڑ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اس دین کی خاطر وہ ان مسلمانوں سے محبت کا معاملہ کرتے جو ان کی جماعت سے متعلق نہ ہونے کے باوجود ہیں اسی دین کے خادم۔ دینی نسبت پر صرف وہ کام کرنا جسے اپنا نفس مرغوب سمجھے حق پرستی کی اعلیٰ نہیں ادنیٰ قسم ہے۔ خدا ترسی اور تقویٰ کی معراج تو یہ ہے کہ آدمی اپنے مخالفین کی عزت اپنے موافقین سے زیادہ کرے۔ اور انہیں یہ تاثر دے کہ ہمارے نظریات و احساسات ایک دوسرے سے مختلف اور متفرق سہی لیکن ہیں ہم ایک ہی ڈھانچہ کے دست و پا۔ اور ایک ہی درخت کی شاخیں۔ یہ شکایت ہمیں صرف تبلیغی جماعت ہی سے نہیں تقریباً سبھی مسلم جماعتوں سے ہے کہ وہ خیر خواہِ امت کی دعویدار ہونے کے باوجود صرف ان لوگوں کو اپنے التفات کا مستحق سمجھتی رہیں جو ان کے ہم نوا اور ہم رنگ ہوں۔ کاش ایسا ہوتا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نظریات و فروعیات کے اختلاف کے باوجود دوسری جماعت کے حق میں ننگی تلوار کی بجائے شاخ گل ثابت ہوئی۔ اور ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے کہ مسلمان دینی نسبت پر کام کرتے ہوئے موافقین ہی کو نہیں مخالفین کو بھی سینہ سے لگانے کا جذبہ رکھتا ہے۔

مکتوب نگار نے خط کے آخیر میں جو کچھ فرمایا ہے اسے پڑھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ

بات صرف اتنی ہی تو تھی کہ انہوں نے جماعتِ اسلامی کا اسٹال لگانے کی اجازت نہیں دی اور کتابیں فری تقسیم کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ تو آخر جماعتِ اسلامی والوں کو ضرورت ہی کیا تھی اسٹال لگانے کی جبکہ انھیں منع کر دیا گیا تھا۔

قابلِ افسوس بات یہ ہے مکتوب نگار نے تبلیغی جماعت کی محبت میں عدل اور انصاف کو کلیتہً نظر انداز کر دیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ تبلیغی جماعت کے ان افراد کو متنبہ کرتے جنھوں نے جماعتِ اسلامی والوں کے ساتھ غیر شریفانہ اور غیر مسلمانہ برتاؤ کیا وہ الٹا جماعتِ اسلامی ہی کو قصور وار ٹھہرا رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر تبلیغی جماعت کے کچھ مخلص لوگ زید کے محلہ کی مسجد میں تبلیغ کی غرض سے آئیں اور زید انھیں تبلیغ کی اجازت نہ دے وہ پھر بھی نہ مانیں تو زید ان کا سامان ضبط کر لے اور انھیں وہاں سے بھگا دے۔ اس کے بعد تبلیغی جماعت والے بکر کی عدالت میں فریاد رسی کے لئے مقدمہ دائر کریں تو کیا بکر کا یہ فیصلہ کر دینا درست ہوگا کہ قصور وار زید نہیں بلکہ خود تبلیغی جماعت ہے۔ جب اسے تبلیغ سے روک دیا گیا تھا تو اس نے تبلیغ کی جرأت کی کیوں؟ اگر بکر کا کیا ہوا فیصلہ مبنی پر انصاف نہیں کہلا سکتا تو پھر مکتوب نگار کے رائے کو کس طرح مبنی انصاف سمجھ لیں۔؟ مکتوب نگار نے فرمایا ہے کہ جماعتِ اسلامی والوں کو اسٹال لگانے کی کیا ضرورت تھی جب انہیں منع کر دیا گیا تھا: ہم یہ کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والوں کو منع کرنے کی کیا ضرورت تھی کیا گودھرا کی ساری زمین ان کے نام لکھدی گئی تھی: اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر جتنا حق انہیں حاصل تھا اتنا ہی حق جماعتِ اسلامی والوں کو بھی حاصل تھا۔ تبلیغی جماعت والے دین کے واحد اجارا دار تو نہیں کہ ان کے سوا کسی کو اپنے انداز پر کام کرنے کی اجازت ہی نہ دیجائے۔ اور جو ان کی اجازت کے بغیر کچھ کرے تو اس پر چیل کوؤں کی طرح ٹوٹ پڑو۔ اور ان کا سامان تک ہتھیالو۔ لاحول ولا قوۃ۔

مکتوب نگار نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ:

> کیا جماعت اسلامی اپنے اجلاس کے دوران تبلیغی جماعت کو تشکیل کی اجازت دیدے گی۔ ہر جماعت کا اپنا اپنا طریقۂ کار ہے۔

یہ کہنا تو اس وقت درست ہوتا جب جماعت اسلامی کا کوئی فرد اسٹیج پر جاکر مائک چھین کر تقریر شروع کر دیتا۔ یا جماعتِ اسلامی کے نظریات بیان کرنے لگتا۔ تو پھر بیشک یہ کہنا صحیح ہوتا کہ اے مسٹر ہم تمہارے جلسوں میں جاکر تم پر مسلط نہیں ہوتے تم کیوں اپنے نظریات ہمارے کانوں میں ٹھونس رہے ہو۔ لیکن یہاں تو بات ہی دگرگوں تھی وہ تو بیچارے اپنی کتابیں بیچنے کے ارادے سے آئے تھے۔ ان پر اچھے تاثرات چھوڑنے کی بجائے تبلیغی جماعت کے بعض افراد نے کچھ ایسا رویہ اختیار کیا کہ اختلاف کی خلیج اور وسیع ہو کر رہ گئی۔ اور یہ ثابت ہوگیا کہ دین کے نام پر کام کرنے والے لوگ بھی صرف ان حضرات کو گوارہ کر سکتے ہیں جو ان کے نظریات کے حامی ہوں ــ اور جو لوگ ان کے نظریات کے حامی نہیں وہ دین پر کتنے ہی فریفتہ کیوں نہ ہوں لیکن دینی نسبت پر بھاگ دوڑ کرنے والوں کے نزدیک ان کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ طریقۂ کار والی بات کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اسلام طریقۂ کار کو وہ اہمیت تو نہیں دیتا جو اہمیت اس کے نزدیک مقاصد کی ہوتی ہے لیکن طریقۂ کار اور مقاصدِ اصلیہ میں وہ ہم رنگی اور یک جہتی کو ضروری سمجھتا ہے اچھے مقصد کے لئے وہ اچھے ذرائع اور اچھے وسائل کو پسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ ادا مذموم اور ناپسندیدہ اور ناقابلِ اجر ہے کہ آدمی منزلِ حق تک پہونچنے کے لئے غلط راہیں اور ناروا طور طریقے اختیار کرے۔ یتامیٰ اور بیواؤں اور مفلوک الحال انسانوں کی مدد اور خیر خواہی کی حد درجہ تاکید کی گئی ہے اور جو لوگ انسانوں کے ہمدرد و بہی خواہ ہوں انھیں بڑے بڑے اجر و انعام کی بشارتیں دی گئی ہیں لیکن انسانوں کی نصرت و مدد کی خاطر غلط ذرائع اختیار کرنے اور ناجائز کاروبار کی داغ بیل ڈال لینے کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ طریقہ قابلِ قبول اور لائق مکافات نہیں ہو سکتا کہ بیواؤں اور مجبور و بےکس انسانوں کی امداد کی غرض سے شراب کی بھٹی کھول لی جائے یا سنیما ہال قائم کر لیا جائے۔ شراب کی بھٹی اور سنیما ہال کا قیام اگرچہ انسانی ہمدردی کے لئے تھا اور انسانی ہمدردی کا جذبہ دین کی نسبت ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا لیکن اسلام نے اسے مذموم اور ناقابلِ اجر قرار دیا۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو خاطی اور گناہگار سمجھا کیونکہ ان کاروباروں سے خدا کے ان گنت بندے غلط راہوں پر پڑ جاتے ہیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ جائز مقصد کے لئے طریقۂ کار کا جائز ہونا بھی ضروری ہے ـــــ کسی بھی جماعت یا فرد کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ اشاعتِ اسلام کی خاطر کوئی ایسا طریقۂ کار بنالے جو دوسروں کے لئے باعثِ اذیت اور مستوجب نقصان ہو۔ مثلاً تبلیغی جماعت اسی کو اپنا طریقۂ کار بنالے کہ ہمارے اجتماع گاہ میں کوئی دوسری جماعت اپنا اسٹال لگالے تو اسے لوٹ لیا جائے تو اس طریقۂ کار کو اچھی نگاہوں سے کیسے دیکھا جا سکتا ہے ـــــ تبلیغی جماعت کا معروف طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ اپنے سامعین کو چلّوں پر اکساتی ہے اور مختلف طریقوں سے چلّوں کی اہمیت کو واضح کر کے انھیں گھربار چھوڑ دینے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ چلّے دینا سنت و مستحب نہ ہوتے ہوئے بھی ناجائز بالکل نہیں۔ بلکہ عام طور پر مفید ہی ثابت ہوتا ہے لیکن تشکیل کے وقت جماعت والوں کی زور زبردستی اور اکراہ و استکراہ اور یہ فرمانا کہ جو وقت نہ دے گا وہ ہدایت سے ہٹ جائے گا وغیرہ غلط طرزِ عمل ہے۔ جو اس اجر و ثواب کو بھی غارت کر دیتا ہوگا جو چلّہ کشی اور تبلیغ دین کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ بعض نادان قسم کے مبلغ جوشِ اسلام میں ہوشِ اسلام کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جس ذات نے ہم پر ابلاغ و تبلیغ کی ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ اپنے گناہگار

اور نافرمان بندوں کے حق میں بھی انتہا سے زیادہ نرم اور مہربان واقع ہوا ہے۔ اسی لئے اس نے خود یہ فرمایا ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کسی قسم کی کوئی سختی نہیں ہے۔ گمراہی اور ہدایت کی حقیقتیں ایک دوسرے سے ممیز کردی گئی ہیں۔ نور وظلمت کے مابین واضح لکیریں کھینچ چکی ہیں اس کے بعد اب ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اس بات کی کہ لوگوں کو پکڑ دھکڑ کر اور کھینچ تان کر حق کی راہوں میں ڈال دیا جائے۔ حق اور باطل صاف صاف ایک دوسرے سے ممتاز ہو چکے ہیں اب جس کا دل چاہے وہ حق کے راستہ کو اختیار کرلے اور جس کا دل چاہے وہ باطل کی سڑی ہوئی دلدل میں ہاتھ پیر مارتا رہے۔

پھر یہ بھی تو ایک واضح حقیقت ہے کہ تبلیغی جماعت غیر مسلمین میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے اندر تبلیغی جدوجہد کرتی ہے یعنی اُن لوگوں میں دین کی خدمت کا کام انجام دے رہی ہے جو ایمان وہدایت کی دولت سے نصیبہ ور ہیں۔ اور اُن میں کہ بعض مسلمان بداعمال اور بدکردار بھی لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی پاکیزگی نفاست اور تقدس وطہارت کی قسمیں تک کھائی جاسکتی ہیں۔ ان سب مسلمانوں کو محض اسلئے حقارت کی نظروں سے دیکھنا یا محض اس لئے کمتر سمجھنا کہ انھوں نے چلہ کشی کی خود ساختہ سنت ادا نہ کی تجاہل نہیں تو بوالعجبی ضرور ہے۔ ورنہ پھر سو نمبر کی سادہ لوحی ہے۔ — ہم بارہا تجلی میں اس بات کی وضاحت کرچکے ہیں کہ چلہ کشی کا مروّجہ طریقہ سنت واستحباب سے تو کوئی تعلق نہیں رکھتا البتہ ہے یہ مباح اور اسے اختیار کرنے میں قطعاً کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسے ضروری اور ناگزیر سمجھکر نہ اختیار کیا جائے۔ اس لئے کہ دین میں کسی بھی نئے طریقہ کو ضروری سمجھ لینا متفقہ طور پر منجملہ بدعت ہے۔ اتنی جھک کرنے کے بعد ہمیں کہنا یہ تھا کہ ہر جماعت کو اپنے طریقۂ کار پر عمل کرتے ہوئے کم از کم یہ تو سوچ لینا چاہیئے کہ ہم خدا اور رسولؐ کے کھینچے ہوئے حصار سے باہر تو نہیں چلے گئے۔ صرف اداء بے نیازی کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ ہر جماعت کا اپنا اپنا طریقۂ کار ہے آخر اسلام پر کسی کے کس باپ کا اجارہ ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے؟ اور اگر ہر جماعت کو از روئے شریعت یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہے کوئی اس سے باز پرس اور چیں چناں کرنے والا نہیں تو پھر بریلوی حضرات ہی کا کیا قصور ہے؟ پھر تو انہیں بھی طریقۂ کار پر عمل کرنے کے لئے کھلی چھٹی دے دینی چاہیئے۔ اگر بریلوی حضرات تشدد اور غلو کی وجہ سے راہِ حق سے بھٹک جائیں۔ تو پھر کوئی اور جماعت تشدد اور غلو کی راہیں اختیار کر کے قابلِ اجر وانعام کی مستحق کیسے ہو سکتی ہے۔

مکتوب نگار نے خط کے اختتام پر یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

> کیا آپ کی دیانت داری کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ چند آدمیوں کی زیادتی کو بڑوں کے سر مڑھ دیں اور پوری جماعت کو موردِ الزام ٹھہرائیں اور تبلیغی جماعت کی خدمات کو یکسر بے کار اور جماعت کو نکمی باور کرانے لگیں۔

اللہ ہی جانے کہ مکتوب نگار کے قلم سے یہ عبارت کن وجوہات کی بنا پر نکل گئی ہے۔ ہم نے تو اپنے جواب کو بار بار پڑھا ہمیں تو تلاشِ بسیار کے باوجود اپنی تحریر میں ایسا کوئی جملہ ہاتھ نہیں لگا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تبلیغی جماعت جو خدمات کر رہی ہے وہ یکسر بے کار ہے۔ اس کی خدمتوں کو ہم نے بارہا سراہا ہے اور بارہا ہم نے کھلے لفظوں میں یہ لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت ایک مخلص جماعت ہے اور وہ جو جدوجہد کر رہی ہے وہ قابلِ قدر بھی ہے قابلِ تحسین بھی قابلِ اجر بھی ہے۔ مکتوب نگار نے یہ بھی غلط ہی لکھا ہے کہ ہم ساری ہی تبلیغی جماعت کو نکمی اور بے کار سمجھتے ہیں۔ ہم بارہا یہ وضاحت کرچکے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں بیشتر افراد انتہائی مخلص، دیانت دار، اور ذی فہم ہونے کیساتھ مخلوقات سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں اور ان کے درد کو اپنے دل کی گہرائی میں دھڑکتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ہم نے

جب . . . تنقید کی ہے صرف ان حضرات پر کی ہے جو علم سے نابلد ہونے کے ساتھ پرلے درجہ کے بے شعور بھی ہیں ۔ جنھیں نہ اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہے نہ اسلام کے مزاج سے ۔ یہی لوگ فتنے پیدا کرتے ہیں ۔ یہی لوگ دوسری جماعتوں کے ساتھ نامناسب برتاؤ کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ یہی لوگ اس پندار میں مبتلا ہوتے ہیں کہ امر بالمعروف کے اصل اور قابلِ قبول ٹھیکدار ہم ہی ہیں ان ہی حضرات کے نادیدہ خواب اور لن ترانیاں معاشرے کے اندر فتنہ و فساد کے ایسے درخت اگاتی ہے کہ جن کی ہر شاخ پر افتراق و انتشار اور مناظرے مباحثے باہم آنکھ مچولی کھیلتے نظر آتے ہیں ۔۔۔ ایسے ہی چند در چند حضرات کا نام اگر " پوری تبلیغی جماعت " ہے تو پھر تو ہم واقعی قصور وار ہیں کہ ہم نے سچ بول کر اتنے بہت سارے افراد کو ٹھیس کیوں پہونچائی ۔ لیکن اگر تبلیغی جماعت کا جغرافیہ ان چند معدودے افراد کی روحوں میں سمٹا ہوا نہیں ہے تو پھر مکتوب نگار کا لکھ دینا کہ ہم نے کل تبلیغی جماعت کی ہر خدمت کو بے کار قرار دے دیا ہے چہ معنی دارد ؟

رنج ہمیں اس بات پر ہوا کہ مئی و جون ۱۹۷۸ء کے تجلی میں جو دو سوالنامے شائع ہوئے ہیں ان کے بارے میں موصوف مکتوب نگار نے دو لفظ کہنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی ۔ ان میں کا ایک سوالنامہ امیر الحسینی صاحب نے احمد آباد سے ارسال کیا تھا جس میں اس بات کی اطلاع دی گئی تھی کہ گودھرا کے اجتماع میں جماعتِ اسلامی والوں کے ساتھ یہ یہ درگھٹنا پیش آئی ۔ اور یہ یہ ان کا حشر ہوا ۔ دوسرا سوالنامہ سید آصف علی صاحب نے مہاراشٹر سے روانہ کیا تھا اور اس میں انہوں نے ایک صاحب کا یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ وہ گودھرا کے اجتماع میں اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تو کسی تبلیغی فنکار نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ اجتماع میں شرکت ضروری تھی خواہ تمہاری ماں مر بھی جاتی ۔

مکتوب نگار نے ان دونوں واقعات کی تردید بھی نہیں کی ۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ مکتوب نگار کے نزدیک ان واقعات کی صداقت امرِ محال نہیں ۔ ان واقعات کو کسی بھی مقدار میں صحیح مان لینے کے بعد بعض تبلیغی جماعت والوں کی کم علمی اور بے شعوری پر ایک سطر بھی نہ لکھنا حیرتناک حد تک قابلِ افسوس ہے ۔ مکتوب نگار ہماری معروضات ملاحظہ فرمانے کے بعد سو فی صد یہ یقین کر بیٹھیں گے کہ ہم جماعتِ اسلامی کے آدمی ہیں اسی لئے ہم اس کی حمایت پر کمر بستہ ہیں ۔۔۔ حالانکہ ایسا سوچنا ہمارے حق میں ایک ظلم ہوگا ۔ ہم نہ جماعتِ اسلامی کے رکن ہیں اور نہ اس سے کسی حد تک وابستہ ۔ بس ہمارا جرم تو یہ ہے کہ ہم اسے گمراہ سمجھنے کی دانش مندی میں مبتلا نہیں ۔ جماعتِ اسلامی کو ہم اس دور کی سب سے زیادہ مظلوم جماعت سمجھتے ہیں ۔ یہ بے چاری وہ جماعت ہے جس سے اپنے بھی خفا ہیں اور بیگانے بھی ناخوش ۔۔۔ تبلیغی جماعت سے بعض اپنے تو خفا ہیں لیکن الحمد للہ بیگانے ناراض نہیں ۔ ایمرجنسی کے منحوس دور میں بھی تبلیغی جماعت کو اپنا مشن چلانے اور گشت کرنے کی کھلی اجازت اُن بیگانوں کی طرف سے ملی رہی جنہوں نے جماعتِ اسلامی کے تمام افراد کو جیلوں میں ٹھونس دیا تھا ۔ اور آج بھی کوئی دشمنِ اسلام تبلیغی جماعت کو ترچھی نظروں سے نہیں دیکھتا جبکہ جماعت اسلامی کو مسلمان بھی قہر آلود نظروں سے دیکھنا اپنے عقائد کے حق میں مفید سمجھتے ہیں اور غیر تو ہیں اس کی جان کے دشمن ۔ ان حقائق کی بناء پر مکتوب نگار ہی کو نہیں ہر سلیم الطبع اور حساس انسان کو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ فی زمانہ سب سے زیادہ مظلوم اور قابلِ رحم جماعت جماعتِ اسلامی ہے ۔ پھر فرمائیے مظلوم کا ساتھ دینے میں زیادہ اجر ہے یا غیر مظلوم کی حمایت کرنے میں ؟ مظلوم اور غیر مظلوم کی بحث کو بھی چھوڑیئے اور معاملہ کو صرف گودھرا میں ہونے والے حادثہ تک محدود رکھیئے اور انصاف سے بتائیے کہ کیا جماعتِ اسلامی والوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی کیا تبلیغی جماعت کے بعض افراد نے مساواتِ اسلامی کا خون کر کے بربریت

کا ثبوت فراہم نہیں کیا؟ یہی ظلم اگر جماعت والوں کے
ساتھ ہوتا اور زیادتی اور ظلم کرنے والے جماعتِ اسلامی
والے ہوتے تو ہم اس وقت بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتے
تھے بلکہ تبلیغی جماعت کے آنسو پونچھتے اور جماعت اسلامی
والوں کو للکار کر انھیں شرم دلانے کی کوشش کرتے اس لئے
کہ ظلم ہر حال میں ظلم ہے خواہ اس کے کرنے والے جماعتِ
تبلیغی سے منسلک ہوں یا جماعت اسلامی سے۔ خدا کرے
محترم مکتوب نگار نے ہمیں خط لکھنے کے ساتھ نظام الدین
اولیاء کے بزرگوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہو اور انھیں
اس بات کا احساس دلایا ہو کہ تعلیم و تربیت سے بے
بہرہ لوگوں کی شمولیت نے تبلیغی جماعت کو ایک نازک
موڑ پر پہونچا دیا ہے۔ اگر اس طرف توجہ مبذول نہ کی
گئی اور تبلیغی جماعت کے بعض افراد نے تشدد، غلو اور
خود پرستی جیسے مصائب کو طلاقِ مغلظہ نہ دی۔ اور اپنی
جماعت کے ماسوا مسلمانوں کو ترچھی نظروں سے دیکھنا
نہ چھوڑا ــــ اور پھر سوئے اتفاق سے گودھرا میں ہونے
والی زیادتی کے بہن بھائی اور چند اجتماعات کے بطن
سے پیدا ہوگئے تو پھر اندیشہ اس بات کا ہے کہ دوسری
جماعتوں کے نادان اور کم علم لوگ اینٹ کا جواب پتھر
سے دینے کو اپنی روش نہ بنالیں۔ اگر خدا نخواستہ ہمارا
یہ اندیشہ رنگ لے آیا تو شیاطین کے گھروں میں عید
آجائے گی کہ چلو وہ تمام حضرات بھی اب ایک دوسرے
کی ڈاڑھیاں نوچنے کی خدمت انجام دینے لگے ہیں جنکے
بزرگوں نے رو رو کر احترامِ مسلم اور ماسوا اشرافت سے
کٹ جانے کی ہدایت کی تھی۔ محترم مکتوب نگار اگر خدا
کی گواہی کو معتبر مان لیں۔ تو ہم خدا کو گواہ بنا کر یہ کہتے
ہیں کہ تبلیغی جماعت سے ہمیں کوئی بغض ہے نہ عداوت۔
ہم تبلیغی جماعت کو اسلام کی بہترین خادمہ تصور کرتے ہیں۔
اس کی بہت سی ادائیں ہمیں محبوب ہیں۔ اس کے بہت سے
اطوار سے ہمیں دلی لگاؤ ہے۔ اس کے عاملین کی اکثریت
سے ہمیں عقیدت بھی ہے اور انسیت بھی۔ وہ ہمارے بھائی

[illegible] بزرگ بھی سمجھتے ہیں لیکن اس
کے ساتھ ساتھ ہماری چند گذارشات یہ ہیں۔

(۱) چلہ کشی از روئے شرع نہ فرض ہے نہ سنت نہ مستحب۔
البتہ چلہ کشی بعض حالات میں مفید ضرور ثابت ہوتی
ہے لہٰذا چلہ کشی کی تلقین و ترغیب میں کوئی حرج نہیں۔
بس زور زبردستی سے احتراز کیا جائے لوگ مان جائیں
تو کیا کہنے۔ کسی مجبوری کی وجہ سے اگر عذر پیش کریں تو
ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ تشکیل
کے وقت اگر نام لکھوانے والے حضرات سے اس بات
کی بھی تحقیق کرلی جائے کہ ان پر دین و دنیا کی ذمہ داری
تو نہیں؟ ان کے گھر میں کوئی بیمار تو نہیں تو پھر یہ سنتِ
رسولؐ کے عین مطابق ہوگا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت کے
طریقۂ کار سے متفق نہیں ہیں انھیں حقارت سے دیکھنا
یا ان کے بارے میں لمحہ بھر کے لئے بھی یہ سوچنا کہ راہِ
ہدایت پر گامزن نہیں۔ بہت بڑی جہالت ہے۔ ورنہ
ایسی سادہ لوحی ہے کہ بروزِ قیامت جس پر اللہ میاں کو
ہنسی آجائے تو معافی کا امکان ورنہ گرفت لازمی۔ جو
لوگ تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار سے تو متفق ہوں لیکن
دنیاوی جھمیلوں کی وجہ سے چلہ کے لئے وقت نہ نکال
سکیں انھیں بھی برا کہنا اور برا سمجھنا غلط ہے۔ اس
بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ بعض مرتبہ نیکی نہ کرنے
والا فائدہ میں رہتا ہے اور نیکی کرنے والے کے ہاتھ
کچھ بھی نہیں لگتا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ اور
ایک مقولہ سنیئے۔ واقعہ تو شیخ سعدیؒ سے متعلق ہے
وہ شب بیدار آدمی تھے پھر ان کے ساتھ ان کے صاحب
زادے بھی تہجد کے لئے اٹھنے لگے ایک بار صاحبزادے
نے اپنے ارد گرد خرّاٹے لینے والوں کے بارے میں
فرمایا کہ ابا جان ہم اللہ کو راضی کرنے کے لئے مشقت
اٹھا رہے ہیں اور ہمارے یہ اہلِ خانہ نیند اور غفلت
میں غرق ہیں۔ شیخ سعدیؒ نہ صرف بزرگ نہیں تھے بلکہ

عالم دین بھی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی بات سُن کر اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ وہ سونے والے تجھ سے بہتر ہیں تو مصلّے پر بیٹھ کر ان کی غیبت کر رہا ہے اور اس غرّہ میں مبتلا ہے کہ میں عبادت گذار ہوں۔ جبکہ وہ لوگ نہ غیبت کے مرتکب ہو رہے ہیں نہ اس تکبر کا شکار ہیں کہ ہم عابد و مرتاض ہیں۔

مقولہ حضرت علیؓ کا ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ نیکی نہ کر کے شرمسار رہنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آدمی نیکی کرنے کے بعد اس غرور میں مبتلا ہو جائے کہ ہم پاکباز ہیں۔ اور دوسروں سے بہتر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض حضرات چلّے دیکر اپنی آخرت سنوار لیتے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ بعض لوگ تبلیغی جماعت میں چلّے دیکر اپنی عمر ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں کر پاتے۔ وہ چلّے دینے کے ساتھ ساتھ بعض حرکتیں اس طرح کی کر گذرتے ہیں کہ ثواب کے بجائے عذاب لازم ہو جاتا ہے۔ جبکہ بعض لوگ چلّے نہ دیکر بھی چلّوں کا ثواب کما لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جنھیں اپنی مصروفیات کی وجہ سے چلّہ کشی کا موقعہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ خواہش مند ہونے کے ساتھ اپنی بے توفیقی اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے نادم و شرمندہ رہتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کے تمام افراد کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان کو اپنے سے حقیر نہ خیال کریں ممکن ہے کہ وہ کچھ نہ کر کے بھی عظیم المرتبت ہو اور ہم بہت کچھ کرنے کے بعد بھی خالی دامن ہی رہ گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ تبلیغی جماعت والوں کو شیطان سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ نیکیوں کا اسٹاک ظاہراً ان ہی کے پاس سب سے زیادہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں مال زیادہ ہوتا ہے ڈاکہ پڑنے کے امکانات بھی وہیں زیادہ ہوتے ہیں۔

زید اگر مفلس قلّاش ہے اور ایک پھوٹی کوڑی اس کے جیب میں نہیں ہے تو وہ اپنے گھر کے دروازے بھی نہ بند کرے تو کوئی خلافِ عقل بات نہیں۔ کون بے وقوف شخص چوری کی نیت سے اس کے گھر آنے کی زحمت گوارہ کرے گا لیکن اگر وہ بکر اپنے گھر کی کیواڑ کھول کر اور بے پرواہ ہو کر سو جائے جو لکھ پتی اور کروڑ پتی ہے تو اسے حماقت کبریٰ کے سوا اور کیا کہیں گے؟ مسلمانوں میں بے شمار نفوس ایسے بھی ہیں جن کے دامنِ ایمان میں ایک نیکی بھی نہیں۔ شیطان ایسے لوگوں کے لئے اپنا وقت خراب نہیں کرتا وہ تو خود ہی برباد ہیں لیکن ان حضرات کا شیطان سے غافل اور بے پرواہ ہو جانا جن کے دامنِ ایمان میں ڈھیروں نیکیاں موجود ہوں تعجب خیز ہے۔ پھر ہمارے مذہب نے تو ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ہم نے نیکیوں کا اسٹاک جمع کر کے کسی کے ساتھ زیادتی کی تو ہماری نیکیاں اسی کو مل جائیں گی جس کے مال کو ہم نے دنیا میں ہتھیالیا تھا۔ یا جس کو ہم نے کسی اور انداز سے پریشان کیا تھا۔ کتنے نادان ہیں وہ لوگ۔ جو مشکل سے نیکیاں کماتے ہیں اور آسانی سے دوسروں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ دروغ گوئی اور غلط بیانی سے احتراز کیا جائے خواہ معاملہ روایات کا ہو یا عام واقعات کا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ صرف اپنی کتابوں ہی کو لائقِ التفات نہ سمجھا جائے۔ نہ یہ عقیدہ بنا لیا جائے کہ جو کتابیں ہمارے بزرگوں نے لکھدی ہیں وہ تو بس حق اور مفید۔ باقی سب باطل اور مُضر ہیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کے اجتماعات میں خندہ پیشانی کے ساتھ شریک ہوا جائے اور ان کی کتابیں بھی پڑھی جائیں اسلئے کہ وہ بھی اسلام کی اشاعت ہی کے لئے لکھی گئی ہیں۔ گو دھرا میں جماعتِ اسلامی کی کتابیں لوٹ کر تبلیغی جماعت کے لوگوں نے خود اپنے ہی ساتھ زیادتی کی تھی۔ انہوں نے یہ تاثر قائم کر دیا تھا کہ ان کے دلائل کمزور اور اضعف ہیں

بہ نسبت جماعت اسلامی کے دلائل کے۔ لہٰذا انہوں نے ضروری سمجھا کہ ان کتابوں کی ہوا کسی کو نہ لگنے دو ورنہ جماعت اسلامی کا سکہ جم جائے گا اور ہماری کتابوں کی قلعی کھل جائے گی۔ جس دکاندار کے پاس مال اچھا اور خالص ہوتا ہے اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ دوسرے لوگ بھی کچھ بیچتے پھر رہے ہیں لیکن جس دکاندار کے پاس مال گھٹیا اور بیکار ہوتا ہے اسے فکر لاحق ہوجاتی ہے اور وہ فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اچھا مال رکھنے والی تمام دکانیں نذرِ آتش ہوجائیں یا ان تک لوگوں کی رسائی نہ ہو ورنہ اپنی دکانداری تو ہوجائے گی ٹھپ — تبلیغی جماعت والوں کو اگر اپنے بزرگوں کے دیئے ہوئے دلائل پر بھروسہ ہے کہ وہ مضبوط ہیں تو پھر انھیں جماعتِ اسلامی کی کتابوں پر پابندی عائد نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ سمجھدار لوگ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ یہ لوگ مارکیٹ میں گھٹیا مال کی کھپت کے لیے خالص اور عمدہ مال کی مخالفت کر رہے ہیں۔ باتیں تو ابھی اور بھی قابلِ بحث و نظر ہیں لیکن صفحات کافی سیاہ ہوچکے ہیں لہٰذا اب مکتوب نگار سے اجازت چاہیں گے۔ اس شرح و بسط کے باوجود بھی اگر مکتوب نگار کی غلط فہمی رفع نہ ہوسکی تو پھر مزید مغز زنی کرنے کی بجائے ہم غالب کا یہ شعر پڑھ کر صبر کرلیں گے۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

حضرت یہ سب تر مرزا کی پالیسی درست نہیں ہے اگر وہ خود جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے تو کوئی جواب اور ہر مشکل کا حل ضرور ہی پیش کر دیتے ان کی کمزوری کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قادیانی حضرات کا موقف (۱۰) غلط ہے، جماعت کے کوئی اور بزرگ تسلی بخش جوابات عنایت فرما سکتے۔ تو اس خاکسار کو آخر اتنا نا معقول کیوں سمجھ لیا کہ امینی صاحب کے غالب نہ ہوجانے کی صورت میں وہ تالیاں بجانے لگتا کہ قادیانی ہار گئے،

بہر حال اب کوئی اور بزرگ تمام بنیادوں کا مطالعہ کر کے یعنی [illegible] میں میرے [illegible] و جواب امینی صاحب کو مطالعہ کر کے مجھے پھر سے جواب عنایت فرمائیں۔ مشکور ہوں گا۔

حسن احمد صدیقی

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے

مضمون پر کی گئی تنقید کی تیسری قسط

علامہ علاؤ الدین علی ابن محمدؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "خازن" کی چوتھی جلد میں اسی موضوع پر کلام کرتے ہوئے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے۔

عن عقبۃ ابن عامر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الم تر آیات انزلت ھذہ اللیل لم یر مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس الی آخرہ۔

عقبہ ابن عامر راوی ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے غور نہیں کیا ان آیات کے بارے میں جو آج کی رات نازل ہوئیں۔ ان جیسی آیات کبھی نہیں دیکھی گئی ہونگی۔ (اور وہ آیات یہ ہیں) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس الی آخرہ۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد صاحب خازن فرماتے ہیں۔

فیہ بیان عظیم فضل ھاتین السورتین وفیہ دلیل واضح علی کونھما من القرآن وفیہ رد علی من نسب

اس روایت میں ایک عظیم بیان مخفی ہے جو دونوں سورتوں کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ اور روایت میں ایک ایسی واضح دلیل موجود ہے جو ان دونوں

الی عبد اللہ بن مسعودؓ خلاف ھذا۔ تفسیر (خازن جلد رابع)

سورتوں کے جزوِ قرآن ہونے کو بتلاتی ہے۔ اور اس روایت میں رد کیا گیا ہے اسکا جو اسکے خلاف عبد اللہ ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

. . . .

صاحب خازن نے یہ نہیں فرمایا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے وہ جھوٹ اور غلط ہے۔ بلکہ اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ معوذتین قرآن ہی کا حصہ ہیں اور فلاں روایت ان کے جزوِ قرآن ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک عبد اللہ ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کردہ روایت من گھڑت اور بے بنیاد ہوتی تو مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کی بجائے وہ کوئی ایسی روایت نقل کرتے جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ دونوں کو قرآن کا جز سمجھتے ہیں۔ یا پھر یہ فرماتے کہ ان کی طرف ایسی بات کا انتساب کرنا جارحانہ قسم کی الزام تراشی ہے۔ لیکن انہوں نے نہ تو کوئی ایسی روایت نقل کی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت کے قائل تھے۔ اور نہ ہی اس روایت کو

جھٹلایا جو جمہور صحابہ کی رائے کے برخلاف ان کی طرف منسوب ہوتی چلی آرہی ہے۔

علم قرآن کے موضوع پر علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تالیف "الاتقان" کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اصول تفسیر کے موضوع پر گفتگو کرنے والے حضرات اکثر و بیشتر الاتقان سے استفادہ کرتے ہیں۔ قرآن کے مختلف موضوعات پر علم و تحقیق کے انبار لگانے کیساتھ انہوں نے اس موضوع پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور اکثر اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اس بات کو مبنی بر صحت تسلیم کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ معوذتین کی قرانیت کے قائل نہیں تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں ایک جگہ مندرجہ ذیل باب قائم کیا ہے۔

النوع التاسع عشر	انیسواں موضوع۔ قرآن حکیم
فی عدد سورہ و آیاتہ	کے حروف اسکی آیات و کلمات
و کلماتہ و حروفہ	اور اس کی سورتوں کی تعداد
....	کے بارے میں۔

اس باب میں انہوں نے قرآن کے رکوع، اس کے حروف اس کی آیتیں، اور اس کی سورتوں کی تعداد بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں جو محدثین و مفسرین کے مابین اختلاف رہا ہے اس کی وضاحت کی ہے۔ اس باب میں وہ مختلف لوگوں کے جمع کردہ مضمون کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وفی مصحف ابن مسعودؓ	عبداللہ ابن مسعودؓ کے
مائة و اثنا عشرة سورة	مصحف میں ایک سو بارہ
لانہ لم یکتب المعوذتین	سورتیں تھیں۔ اس لئے کہ
(الاتقان جلد اول)	انہوں نے معوذتین کو درج
....	نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں علامہ سیوطیؒ نے اپنی الاتقان ہی میں "مشکل القرآن" کے حوالہ سے عبداللہ ابن قتیبہؒ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

ظن ابن مسعودؓ ان المعوذتین	عبداللہ ابن مسعودؓ کا گمان
لیستا من القرآن لانہ رأی	یہ تھا کہ معوذتین قرآن میں
النبی صلی اللہ علیہ	شامل نہیں ہیں اس لئے کہ
وسلم تعوذ بھما	انہوں نے دیکھا تھا کہ نبی کریم
الحسن والحسین فاقام	صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں
علی ظنہ ولا نقول انہ	سورتوں کے ذریعہ (نواسے)
صاب فی ذالک و اخطاء المھاجرین	حسن و حسین کے لئے پناہ
والانصار۔	چاہتے تھے بس وہ قائم ہو گئے
	اپنے گمان پر۔ اور ہم نہیں
(الاتقان جلد اول ص)	کہتے کہ اس بارے میں انکی
....	رائے مبنی بر صحت تھی اور
....	مہاجرین و انصار نے (معوذتین
....	کو قرآن کا حصہ سمجھ کر)
....	غلطی کی تھی۔

اس تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے "تفرد" کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ بیسیوں قابل اعتماد مفسرین و محدثین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن کا حصہ نہ سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔

قد صح ابن مسعودؓ	عبداللہ ابن مسعودؓ نے ان
انکار ذالک فاخرج	سورتوں کے قرآن ہونے کا
احمد و ابن حبان عنہ	انکار کیا ہے اور احمد و ابن
کان لا یکتب المعوذتین	حبان سے مروی ہے کہ وہ
فی مصحفہ۔	انھیں اپنے مصحف میں نہیں
....	لکھتے تھے۔

علاوہ ازیں طبرانی وغیرہ نے بسند صحیح یہ روایت کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو اگر کسی مصحف میں دیکھتے تو مٹا دیتے تھے — اس طرح کی روایات کے ہوتے ہوئے اگر مولانا مودودی نے

یہ لکھ دیا کہ ابن مسعودؓ معوذتین کی قرآنیت کے منکر
تھے تو اس میں کونسی ایسی آفت برپا ہو گئی کہ انکے خلاف
نعرے بلند کرنا ضروری ہو گیا ہو ــــ متعدد روایات
سے یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعودؓ معوذتین کو قرآن
کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ اور جب متعدد روایات سے
یہ بات ثابت ہو گئی تو پھر لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ ان
سے بات کو سمجھنے میں چوک ہو گئی۔ اور وہ اپنی عظمت
اور جلالتِ علمی کے باوجود اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے
کہ یہ دونوں سورتیں صرف "تعوذ" کے لئے اتاری
گئی تھیں۔ ان کی تلاوت کرنا اور انھیں نماز میں پڑھنا
خلافِ احتیاط ہے۔ اگر انھیں غلط فہمی کا شکار نہ
مانیں تو اجماع صحابہ پر حرف آنے کے ساتھ ساتھ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوجھ بوجھ بھی مشکوک
ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات متعدد روایات
سے ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سورتوں
کو قرآن کا جزو سمجھتے تھے اور انھیں نہ صرف نماز میں
پڑھتے تھے بلکہ دوسروں کو نماز میں پڑھنے کی
تلقین و تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ نسائی کی ایک
روایت ہے کہ عقبہ ابن عامر سے یہ ہے کہ آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں
پڑھیں۔ ابن حبان نے ان ہی عقبہ ابن عامر سے یہ
روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
سے فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو تمہاری نمازوں سے ان دونوں
سورتوں کی قرارت چھوٹنے نہ پائے وغیرہ۔

اب آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صحابی کی رائے
کو تقویت دینے کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور
تمام صحابہ کی رائے کو نظر انداز کر دیا جائے ــــ یا یہ
کہ ایک صحابی کو معصوم عن الخطاء ثابت کرنے کیلئے
تمام روایات صحیحہ کو روند دیا جائے۔ ہمارے سمجھ
میں نہیں آتا کہ عقیدت و احترام کی یہ کونسی قسم ہے کہ آدمی
حقائق و شواہدات کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جائے۔
لیکن یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہو کہ صحابہ بھی انبیاء کے
بعد سب سے بہتر اور سب سے زیادہ متقی ہونے کے
باوجود تھے انسان ہی۔ انسانی کمزوریاں ان میں
بھی موجود تھیں۔ تعقل کی کمی زیادتی ان میں موجود تھی۔
سہو ان سے بھی ہو جاتا تھا۔

ہم نے اوپر جن تفاسیر و کتب کے حوالوں سے
گفتگو کی ہے ان سب کا شمار "خاص قسم" کی کتابوں
میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ تفاسیر و کتب عوام کے ہاتھوں
میں نہیں پہونچ پاتیں اور تفہیم القرآن بقول مولانا
قاسمی کے عوامی تفسیر ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک
اس تفسیر میں یہ بحث نہیں آنی چاہیئے تھی کہ عبداللہ
ابن مسعودؓ معوذتین کو شاملِ قرآن نہیں سمجھتے تھے۔
مولانا قاسمی صاحب اپنے مضمون میں فرمایا ہے۔

> یہ مسئلہ اس قابل نہیں تھا کہ عوام کے
> ہاتھوں میں جانے والی تفسیر میں اس کا
> ذکر کیا جاتا۔

گویا کہ بات تو اپنی جگہ درست ہی ہے لیکن یہ
بات عوام تک نہیں پہونچنی چاہیئے اور نہ ہی اس کا ذکر
ایسی تفسیر میں ہونا چاہیئے جسے صرف عوام ہی خریدنے
کی غلطی کرتے ہوں ــــ چلئے خیر ہم نے فرض کر لیا کہ
تفہیم القرآن کو خواص چھونا بھی پسند نہیں کرتے عوام
ہی اسے خریدتے ہیں اور عوام ہی اس سے استفادہ
کرتے ہیں۔ لیکن یہ فرض کرنے کے بعد ہمارا دعویٰ ہے
کہ تفہیم القرآن عوام کے اندر اس درجہ رائج نہیں جس
درجہ رائج مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی وہ تفسیر ہے جو
ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیوں پر چڑھی ہوئی ہے۔ ترجمہ
شیخ الہندؒ تفہیم القرآن کے مقابلہ میں زیادہ چھپا ہے
اور عوام ہی نے اسے زیادہ خریدا ہے۔ اس لئے
کہ اس کی تفسیر عام فہم ہونے ساتھ ساتھ مجمل اور مختصر
بھی ہے اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا شبیر احمد

عثمانی نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کیا لکھا ہے۔ سنیئے وہ لکھتے ہیں۔

> معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے صرف ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں سورتوں کو اپنے مصحف میں نقل نہیں کرتے تھے۔

اب ہم مولانا قاسمی صاحب سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کریں گے کہ کیا آپ کے یہاں حق و باطل طور پر مناسب اور نامناسب کو ناپنے کے پیمانے دو ہیں۔ ایک سے آپ اپنا اور اپنے بزرگوں کا عقیدہ ناپتے اور دوسرے سے صرف مولانا مودودی کا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک بات کو دو آدمی کہتے ہیں تو ایک آپ کی نظروں میں قصور وار ہوتا ہے اور دوسرا بے قصور۔ بلکہ عظیم ترین۔ معوذتین پر گفتگو کرتے ہوئے اگر مولانا مودودی نے ایک علمی بحث چھیڑ دی تو وہ مجرم ہو گئے۔ اور ان پر تنقید کے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اور یہی بحث مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے چھیڑی تو "شیخ الاسلام" سمجھے گئے اور کسی ہاشمی و قاسمی نے ان پر اعتراض کرنے کی جسارت نہیں کی۔ اگر مولانا اخلاق صاحب اپنے موقف میں مخلص تھے۔ اور واقعتاً وہ چاہتے تھے کہ یہ خاص موضوع عام تفسیر میں بیان نہ کیا جائے تو پھر انہیں مولانا مودودی کے ساتھ ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو بھی تنقید کا نشانہ بنانا چاہئے تھا۔ اور ان تمام حضراتِ اکابر کو بھی تنقید کا نشانہ بنانا چاہیئے تھا جو ببانگِ دہل یہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ معوذتین کو خارج از قرآن سمجھتے تھے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے مولانا مودودی کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ انہوں نے یہ بحث محض صحابہ کرام پر تنقید کرنے کے لئے اور یہ فرمانے کے لئے چھیڑی تھی۔ کہ

> صحابہ کرام کو بے خطا کہنا اور کمزوریوں سے مبرا سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے اور صحابہ کرام کی کسی بات کے لئے غلط کا لفظ سنتے ہی توہین صحابہ کا شور مچانا کس قدر بے جا حرکت ہے

ہم یہ عرض کریں گے کہ یہاں مولانا قاسمی صاحب نے کھلی خیانت سے کام لیا ہے۔ خیانت کا لفظ سن کر وہ چراغ پا ہو جائیں گے۔ لیکن یہ واضح حقیقت ہے کہ انہوں نے مولانا مودودی کا ادھورا جملہ نقل کر کے خیانت ہی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اگر وہ پورا جملہ نقل کر دیتے تو کوئی ہوش مند آدمی مولانا مودودی کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ جبکہ مذکورہ بالا ادھورا جملہ پڑھ کر اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ مولانا مودودی صحابہ کرام کی عظمت و رفعت کے قائل نہیں۔ مولانا مودودی نے مذکورہ بالا جملہ کے متصلاً یہ بھی فرمایا ہے۔

> یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوک ہو گئی ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبہ کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسروں سے بھی چوک ہو جانی ممکن ہے۔ ہم علمی تحقیق کیلئے اس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں۔ اور کسی صحابی کی کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انہیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ سخت ظالم ہو گا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبان طعن دراز کرے۔ (تفہیم القرآن جلد ششم)

اس پوری عبارت سے کون ہوش مند یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ مولانا مودودی صحابہ کرام کی

غلطی کے قائل نہیں ہیں۔ یہ عبارت واضح طور پر یہ
بتا رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام عظیم المرتبت اور رفیع
الشان تصور کرتے ہیں۔ لیکن انھیں بشریت سے
ماورا نہیں سمجھتے۔ انھیں انسان اور انسانی کمزوریوں
سے بہرہ ور خیال کرتے ہیں۔ جو عقیدہ کی رُو سے غلط
نہیں ہے۔ نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ شخص صرف
گناہ گار نہیں۔ بلکہ ظالم یعنی آخری درجہ کا خطا
کار ہے جو صحابہ کرام کی بھول چوک پر علمی انداز کی
گفتگو کرنے کی بجائے ان پر کسی قسم کا طعن کرے یا
ان کی توہین کا مرتکب ہو۔ اس واضح تحریر کے باوجود
بھی کسی "مولانا" کا یہ سمجھنا مولانا مودودی صحابہ کرام
کی احترام نہیں کرتے کور اتعصب ہے جو عداوتِ
مودودی کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے الفتِ صحابہ کے
بطن سے نہیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب۔ مولانا
مودودی کی تعریف میں چند جملے اگل کر یہ بھی
فرمایا تھا کہ

لیکن مصنف بہرحال انسان ہیں
اور ضروری تھا کہ ایک انسانی تالیف
میں کچھ نہ کچھ کمزوریاں موجود ہوں۔

بات سولہ آنہ درست۔ ہم تفہیم القرآن کو آسمانی
صحیفہ نہیں سمجھتے۔ لہٰذا غلطیوں سے مبرا ہونے کا کوئی
سوال ہی نہیں۔ لیکن یہ بات صرف مولانا مودودی
ہی کے حق میں صحیح نہیں ہے بلکہ ہر "مولانا" کے بارے
میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسان ہے اور اسکی
تالیفات انسانی کمزوریوں سے غیر مبرا ہیں۔
قاسمی صاحب کو ہم مخلص اور دیانت دار اس وقت
سمجھیں گے جب کبھی وہ یہ لکھ کر دکھلائیں کہ مولینا
حسین احمد مدنی بھی انسان تھے اور انسانی کمزوریاں
ان کی تالیفات میں موجود ہیں۔ دوسروں کے بزرگوں
کے بارے میں یہ کہدینا کوئی کمال نہیں کہ وہ انسان
ہیں اور انسانی کمزوریاں ان میں اور انکی تعلیقات
میں موجود ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ آدمی اپنے بزرگ
کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ انسان ہے اور
انسانی کمزوریوں سے پاک صاف کہلانے کا حقدار
نہیں۔

اسی مضمون میں ایک جگہ انہوں نے یہ بھی
ارشاد فرمایا ہے کہ۔

مصنف کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ
توجہ دلانے پر قابلِ اصلاح مقامات
کی اصلاح کر دیتے ہیں اگرچہ اعتراف
واعلان کو مصنف کا علمی پندار پسند
نہیں کرتا۔

میں قاسمی صاحب سے یہ دریافت کروں گا کہ
ان کے حلقہ میں کون ایسا آدمی ہے۔ یا کون ایسا
بزرگ ہے جو اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتا ہو اور اپنی
تصنیف کے نئے ایڈیشن میں رد و بدل کر لینے کی نیکی
کا مظاہرہ کر گزرتا ہو۔ کوئی ایک نام بھی اگر وہ
بتا دیں تو میں ان کا ممنون ہوں گا۔ مجھے تو دور
دور تک۔ بزرگانِ دین کی صف میں بھی کوئی ایسا شخص
نظر نہیں آتا جو ثابت ہو جانے پر بھی اپنی کمزوریوں
کی اصلاح کر لیتا ہو۔ بلکہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جتنا
جتنا دنیا ثابت کرتی جائے گی حضرتِ بزرگ اتنی اتنی
ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ ایسی صورتِ
حال میں اگر مولانا مودودی کسی کے توجہ دلانے پر
قابلِ اصلاح مقامات کی اصلاح اور درستگی کر لیں تو
تنہا وہی مبارکباد کے حقدار ہیں۔

قاسمی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ
(مولانا مودودی) قابلِ اصلاح مقامات کی اصلاح
تو کر دیتے ہیں لیکن اعتراف واعلان نہیں کرتے۔
یعنی کہ قاسمی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مودودی
شہر در شہر، اور گاؤں در گاؤں ڈھنڈورے پٹوا کر

یہ اعلان نہیں کر لیا کرتے کہ بھائیوں فلاں صاحب کے توجہ دلانے سے میں اپنی فلاں غلطی کا معترف ہو گیا ہوں اور اگلے ایڈیشن میں فلاں عبارت میں رد و بدل کر رہا ہوں ــــ لاحول ولا قوۃ، مولانا اخلاق قاسمی جیسے دانش مند آدمی سے ہم جیسے طالب علم کو یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ کتاب کے نئے ایڈیشن میں عبارت کو بدل ڈالنا بجائے خود غلطی کا اعتراف اور غلطی کا اعلان ہے ــــ جو لوگ نخوت و پندار میں مبتلا ہوتے ہیں وہ کسی کی سنتے ہی نہیں رد و بدل تو درکنار۔ موٹی سی مثال ہم مولانا زکریا صاحب کی دیں گے ان کی علمی غلطیاں پچاس بار پکڑی گئیں لیکن انھیں آجتک اس بات کی توفیق نہ ہو سکی کہ وہ تبلیغی نصاب کی بعض عبارات کو بدل دیں۔ اور بعض موضوع روایات کو خارج از کتاب کر دیں۔ پندار تو صحیح معنوں میں ان لوگوں کو ہے اور انھیں پندار کا حق بھی ہے اسی لئے کہ قوم نے انھیں ہر طریقہ سے نواز رکھا ہے یہ جتنا بھی غرور کریں کم ہے۔ مولانا مودودی جیسے لوگوں کو غرور و پندار کا کیا حق ــــ وہ تو عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کر کے بھی ملاؤں کا نشانہ بنتے ہیں۔ اور پندار و انانیت کے مجرم گردانے جاتے ہیں۔

آخر میں میں مولانا اخلاق قاسمی صاحب سے یہ گذارش کروں گا کہ وہ مولانا مودودی کی کتابوں میں غلطیاں تلاش کرنے کی بجائے جمعیۃ العلماء کی نبض پر ہاتھ رکھیں۔ وہ موت سے بیمار ہے۔ اور اس کا علاج اس لئے ضروری ہے کہ اس کے مریضہ ہو جانے کی وجہ سے پوری قوم کا دماغ بیمار ہو کر رہ گیا ہے ــــ اگر آپ نے جمعیۃ العلماء کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھا تو وہاں آپکو اتنا کوڑا کرکٹ نظر آئے گا کہ آپکی ساری عمر اسی کی صفائی کرنے میں کھپ جائیگی اور مولانا مودودی کے مکان میں جھاڑو لگانے کی مہلت [illegible]ی نہ مل سکے گی۔

●●

دوسری قسط

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

میجر محمد عبدالغفار ترک نے برآمدے کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ ایک شخص نے کھولا جس نے غیر فوجی لباس پہن رکھا تھا، اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں، بیوقوفی اور سنگدلی کی علامات صاف جھلک رہی تھیں، اس نے میجر کو فوجی انداز میں سلام کیا، اور ہمیں اندر آنے کی اجازت دیدی۔

یہ جگہ ایک تنگ کوٹھڑی سی تھی، جیسے جیل کی کوٹھڑی ہوتی ہے جس دروازے سے ہم داخل ہوئے تھے، اس کے بالمقابل ایک دروازہ تھا جو بہت ہی چھوٹا تھا اور مقفل تھا، اسے دیکھ کر مجھے دانشمندوں کا یہ مقولہ یاد آیا کہ لا تدخلوا من الباب الضیق (تنگ دروازے سے کبھی داخل نہ ہو) میں اب اس تنگ وقت میں اس طرح کی حکمتوں اور فلسفوں پر کیا عملدر آمد کر سکتا ہوں، اندر ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی تھی، جس پر گہرے رنگ کی پالش کی ہوئی تھی، لکڑی کے اندر متعدد نام کھدے ہوئے تھے، اسی طرح کے رجسٹر جو بالعموم تھانوں کے اندر ہوتے ہیں، میز کے ایک پہلو میں سبز رنگ کا لوہے کا ایک بہت بڑا سیف رکھا ہوا تھا جس کا دستہ چمکدار تانبے کا تھا، مجھے وہم ہوا کہ مجھے اسی سیف کے اندر قیامت تک کے لیے بند کر دیں گے، ــــ اے کاش وہ ایسا کر دیتے ــــ میز کے پیچھے ایک چھوٹی سی چارپائی رکھی تھی جس پر ایک قوی ہیکل انسان سویا ہوا زور زور سے خراٹے لے رہا تھا، وہ اس قدر لمبا تھا کہ اس کی پنڈلیاں چارپائی سے نیچے لٹک رہی تھیں

ہمارے داخل ہونے کے باوجود وہ نیند سے نہ اٹھا وہ یوں نظر آتا تھا جیسے کسی ٹھوس اور سرد چٹان کا ٹکڑا رکھا ہوا ہو۔ میز کے ساتھ ایک اور فوجی افسر بیٹھا ہوا تھا جس نے اپنا کوٹ قریب والی کرسی پر لٹکا رکھا تھا اور اس کے کوٹ کے کندھوں پر تین ستارے اس بات کی علامت تھے کہ وہ کیپٹن کے عہدے کا افسر ہے اس نے میجر ترک کا استقبال کیا اور وہ دونو آپس میں گفتگو کرنے لگے، اور میں گویا وہاں موجود ہی نہ تھا۔

میجر ترک اور اس کے ساتھی جلدی واپس چلے گئے، اور اب میں نئے فوجی افسر کی تحویل میں تھا۔ اور اس کے بالکل سامنے بیٹھا ہوا تھا، اس نے کسی توقف کے بغیر مجھ سے سوالات شروع کر دیئے، پے در پے بڑی سرعت کے ساتھ تمہارا نام کیا ہے، تمہاری عمر کیا ہے، تمہارا پیشہ کیا ہے تمہارا پتہ کیا ہے کیا تمہارے پاس کوئی چیز ایسی ہے جسے یہاں بطور امانت رکھنا چاہتے ہو۔ پیٹی اتار دو عینک بھی اتار دو ـــ میں نے اعتراض کیا کہ عینک تو میرے لئے بڑی ضروری ہے۔ ـــ اسوقت مجھے یہی محسوس ہوا کہ عینک میرے لئے بڑی ضروری ہے وہ دیو ہیکل انسان جو چارپائی پر سو رہا تھا اور تھوڑی دیر پہلے بیدار ہو چکا تھا، اس نے گرجتی ہوئی آواز سے کہا۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ عینک اتار دو۔

میں نے کہا اس سے تمہارا کیا مطلب ہے،

وہ بولا: اس دروازے کے اندر جو چیز تمہارا انتظار کر رہی ہے تم اسے نہیں جانتے؟

یہ سنکر مجھ پر شاید مردنی چھا گئی۔ میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ عینک اس کے حوالے کر دی۔ کیا چیز میرا انتظار کر رہی ہے اور کیوں؟ مجھے محمد علی پاشا اور مملیک کا زمانہ یاد آ گیا۔ اسی قلعہ میں محمد علی پاشا کی کچہری لگتی تھی وہ اپنی سفید داڑھی اور عقابی نگاہوں کے ساتھ یہاں بیٹھتا تھا، ابن بک شاہین یاد آ گیا ـــ میری ہر چیز جب کیپٹن اور اس کے دیو ہیکل کارندے نے لے لی اور مجھے بالکل خالی ہاتھ کر دیا تو مجھے تیزی کے ساتھ تنگ دروازے کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی ایک ایسا منظر دکھائی دیا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، اور مجھے یقین ہے کہ میری زندگی کے آخری لمحات تک یہ منظر میرے ذہن سے محو نہ ہوگا۔

دروازے کے اندر میں نے قدم رکھا ہی تھا کہ اسے بند کر دیا گیا۔ میرے قدموں نے محسوس کیا کہ آگے دو پتھر کی سیڑھیاں ہیں، میں سنبھلتے سنبھلتے ان پر اتر گیا، میں نے سامنے کھلی جگہ پر نظر دوڑائی۔ دھوپ داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھی، دونوں طرف چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں جن کے دروازے کھلے ہوئے تھے، ہر کوٹھڑی کی پیشانی پر نمبر درج تھے، انسانوں کا ایک عجیب و غریب گروہ قطار اندر قطار کھڑا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مجبور انسان قلعہ کی حوالات میں تشدد و تعذیب کی بھرپور رات گذارنے کے بعد اب بیت الخلا جانے کے لئے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ تیس یا چالیس آدمی ہوں گے ان میں سے ہر شخص درد سے کراہ رہا تھا، ان پر جو وحشیانہ طریقے سے تشدد کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے چہرے مسخ ہو رہے تھے، ان میں سے دو آدمیوں نے ایک تیسرے شخص کو ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا جس کے دونوں پاؤں بڑی طرح سوج رہے تھے، جسم کے مختلف حصوں کی پھٹی ہوئی کھال میں سے پیپ ٹپک رہی تھی، چہرہ بڑی طرح

سوجا ہوا تھا، اسے جگہ جگہ سے نوچا گیا تھا اور اس کی وجہ سے بے شمار سرخ اور نیلے نشان پڑے ہوئے تھے، اسی وجہ سے اس کے چہرے کے نقش و نگار واضح نہ ہو رہے تھے، یوں نظر آتا تھا جیسے اس انسان نے کوئی غلیظ اور بدنما لباس اوڑھ رکھا ہو تاکہ اس سے دوسروں کو خوف زدہ کیا جائے، ایک اور شخص نظر آیا۔ اس کا سر بُری طرح پھٹا ہوا تھا اور سرخ خون کی دھاریں اس کے سیاہ بالوں میں سے گذر رہی تھیں، گویا تلوار کے ساتھ اس کے سر میں چھید کیے گئے ہوں، ایک جو تھا انسان پیٹ کے بل رینگ رہا تھا، اس کے پاؤں پر اور دوسرے حصوں پر اس قدر شدید ضربیں لگ چکی تھیں کہ اس سے چلا نہ جا رہا تھا، اسے اٹھانے والا بھی کوئی شخص نہ تھا، سب لوگ ان افراد کو اٹھا رہے تھے، جن میں رینگنے کی سکت بھی نہ تھی، ——— یہ تھی وہ "معمولی مار" جس کے بارے میں پہرہ دار نے مجھے پہلے آگاہ کر دیا تھا اور یہی وہ "معمولی مار" اس نئی دنیا کے انجانے سفر میں میرا بشدت انتظار کر رہی تھی،

میں چپ چاپ کھڑا ان مناظر کو دیکھ رہا تھا ان کی ہولناکی کی وجہ سے میری زبان خشک ——— ہو رہی تھی، لیکن یہ بھی دلچسپ پہلو ہے کہ میرے اندر خوف باقی نہ رہا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ حالات دیکھتے ہی میرے دل سے خوف زائل ہو گیا تھا اور ابھی تک میں اس امر کی کوئی توجیہ نہیں کر سکا کہ کیوں خوف کی جگہ بے خوفی نے میرے دل میں یکایک گھر کر لیا اچانک میرے سامنے ایک نوجوان آیا، گندمی رنگ کا، عمر تقریباً ۲۵ سال اس کی باریک باریک اوپر کو اٹھی ہوئی مونچھیں جیسے نیا سوڈا فی کوڑا جسے اب تک استعمال نہ کیا گیا ہو، یہ

نوجوان کس طرف سے آیا، یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا میں اس قطار کو دیکھنے میں منہمک تھا جو بیت الخلا کے انتظار میں لگی ہوئی تھی، یہ نوجوان میری طرف بڑھا، بالکل میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اور گہری نظروں سے تاکنے لگا گویا کہ وہ یہ مطالعہ کر رہا تھا کہ میرے ظاہر کے پیچھے میرا باطن کیسا ہے میں بھی اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اور پھر مجھ سے اس نے پوچھ ہی لیا۔ کیا تم احمد رائف ہو؟ ———

جی ہاں، میں احمد رائف ہوں، یہ جواب سنتے ہی اس نے بجلی کی طرح اچانک میرے منہ پر زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، میری آنکھوں سے غصّے کے شرارے پھوٹنے لگے، پھر اس کے منہ سے موسلادھار بارش کی طرح گالیاں برسنے لگیں۔ اور گالیوں کی ڈکشنری میں ——— اگر ایسی کوئی ڈکشنری کل دنیا میں موجود ہے جس میں سب سے زیادہ غلیظ اور مبتذل گالیاں ہو سکتی تھیں وہ اس نے مجھے پیش کیں۔ میں نے بے شعوری کے عالم میں اس کا گریبان پکڑ لیا اور اعصابی حالت میں بغیر دیکھے بھالے اسے دیوار کے ساتھ دے مارا، اور اسے ڈانٹ کر کہا تم مجھے اس طریقے سے کیوں مارتے ہو؟ ——— تم یقیناً پاگل ہو اس ملک کا ایک دستور ہے، قانون ہے، پارلیمنٹ ہے، اگر تم ان چیزوں کو بھول رہے ہو تو کیسے کا مزا چکھو گے!! ——— ان دنوں میں یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ میرے ملک کے اندر انسانوں سے ایسا بھی سلوک کیا جا سکتا ہے، اچنبھے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور پاس کھڑے ہوئے نظر بندوں میں سے کسی نے میری طرف توجہ نہ کی۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوئی تھی۔

چند سپاہی میری طرف فوراً لپکے ——— میرے ہوش بھی ٹھکانے آ گئے ——— اور یہ تلخ

اور ہولناک حقیقت مجھ پر عیاں ہو گئی کہ اب میں ایسی جگہ ہوں جہاں میں کچھ نہیں کر سکتا اور اپنی ذات کیلئے کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے، وہ ذات بزرگ و برتر جو چاہے کرے، سپاہی میری تکا بوٹی کرنا چاہتے تھے، مگر اس نوجوان نے انہیں روک دیا جس نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کا نام احمد راسخ تھا، جب مجھے کچھ سکون نصیب ہوا تو وہی نوجوان مجھے ہاتھ سے پکڑ کر آگے لے چلا، ہم راستوں اور گلیوں سے گزر رہے تھے جن کے دونوں طرف تنگ و تاریک کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں، جیسے موت کے سایے لہرا رہے ہوں یہ تھا اس المناک قصے کا آغاز ــــ گلی کے خاتمے پر لکڑی کی سیڑھی تھی جو دوسری منزل پر جانے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اس فوجی افسر کے پیچھے پیچھے میں بھی سیڑھیاں چڑھ گیا، یہ خوفناک اور دلگداز مناظر دیکھ کر ہونٹوں پر مہر لگ چکی تھی، جذبات منجمد ہو گئے تھے، احساس و شعور کی رگ سرد پڑ چکی تھی،

سیڑھی ختم ہوتے ہی ایک چھوٹا سا کمرہ سامنے آیا۔ یہ کمرہ دو بڑی بیرکوں کے درمیان واقع تھا ان میں سے ایک بیرک تقریباً ۲۵ میٹر لمبی اور دس میٹر چوڑی تھی، میں نے بائیں طرف مڑ کر دیکھا کہ بیرک میں کوئی فرنیچر وغیرہ نہیں ہے صرف ایک لکڑی کا تخت، دو بائیں کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز جو بالعموم اسکولوں میں ہوتی ہے وہاں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ البتہ دیواریں مدھم خون کے فواروں سے رنگیں تھیں، وہاں میں نے موت کی بو محسوس کی۔ پھر دائیں طرف جھانکنے لگا۔ احمد راسخ بھی خاموشی

کیساتھ میرا جائزہ لے رہا تھا، اس کے لبوں پر تمسخر انگیز تبسم تھا، اس نے جب مجھے دائیں جانب کی بیرک کو تاکتے ہوئے دیکھا تو اپنے ہاتھ سے بیرک کے اندر موجود لوگوں کی طرف اشارہ کیا ــــ یکدم میں نے شور و غل سنا۔ شدید شور و غل، درد و کرب سے لبریز آوازیں، انسانوں کی چیخیں جو درندوں کے آگے آگے دوڑتے تھے اور وہ مسلسل ان کے در پے تھے، اب مجھے خوف محسوس ہوا،

یہ سب کچھ کیا ہے؟ ایک اور منظر۔ انسان بیرک کے طول میں گھوم گھوم کر دوڑ رہے ہیں، ان کے لباس اترے ہوئے ہیں۔ بالکل مادر زاد ننگے انسان، ان کے ہاتھ آہنی زنجیروں میں بندھے ہیں بیرک کے ہر گوشے میں تین سپاہی کھڑے ہیں ہر سپاہی کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ جو اس کے قد سے زیادہ لمبی ہے ان بدنصیب انسانوں پر یہ سپاہی لاٹھیوں کی بارش کر رہے تھے، میں نے سراسیمگی اور حواس باختگی کے عالم میں احمد راسخ کو دیکھا، ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مجھ سے پوچھا:

ان لوگوں میں سے کسی کو آپ جانتے ہیں؟

ہرگز نہیں!

اچھی طرح نظر ڈالیں۔

میں نے از سر نو نظر دوڑائی، اور یکبارگی صدمے کی وجہ سے میں زمین پر گرا چاہتا تھا، فی الواقع ان بدنصیب انسانوں کے اندر تین میرے دوست تھے جنھیں میں پہلی نظر میں پہچان نہ سکا تھا اس لئے کہ سب لوگ برہنہ تھے، احمد راسخ نے مجھے چبھاتے ہوئے کہا۔ دیکھ لیا آپ نے ملکی دستور اور قانون اور پارلیمنٹ ہے ان خرافات کی کوئی حقیقت۔ میں تھوکنے لگا۔ مجھ سے کوئی جواب

زبن پڑا یہ معاملا جواب اور دلیل سے بالاتر ہے اس نے دوبارہ اپنی بات دہرائی، اس بار اس کی آواز زیادہ گرجدار تھی اور ہر طرف سے گونج رہی تھی۔ کہنے لگا:

آؤ ہم چاہتے ہیں کہ کچھ بتاؤ؟

میں نے بے ساختہ کہا: کیا بتاؤں؟

معلوم ہوتا ہے تم کچھ تھکے ہوئے ہو۔

ہرگز نہیں آپ سوال کریں۔ میں جواب دوں گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بات آپ سے چھپا کر رکھوں۔

اے بدبخت! ابھی ہم دیکھے لیتے ہیں۔

اس وقت تک مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ کیا چیز ان لوگوں کو بتاؤں! لیکن اندازہ ہو گیا کہ اگر میں نے ان لوگوں سے کوئی بات نہ کی تو مجھے مار مار کر ختم کر دیں گے، اور میں نے زندگی میں آج تک زدوکوب کا مزہ نہ چکھا تھا، صرف وہ ایک مجنونانہ تھپڑ جو احمد راسخ نے مجھے مارا تھا ان دنوں وہاں انسانوں پر جو کچھ بیت رہی تھی۔ اس کے مقابلہ میں وہ تھپڑ تو ایک معمولی بات تھی۔

احمد راسخ مجھے الٹے ہاتھ بیرک کی طرف لے گیا اور لکڑی کے بنچ پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہو، کیا کہتے ہو؟ میری زبان پھر خشک ہو گئی۔ میں انتہائی بدحالی اور خستگی میں مبتلا ہو گیا اس کے چہرے پر میری نگاہیں گڑ گئیں، ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکل سکا، میں یہ نہ جانتا تھا کہ کس موضوع پر کیا کہوں۔ میں نے دبی زبان سے احمد راسخ سے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے پوچھیں اور میں آپ کے ہر سوال کا جواب دیتا جاؤں اور اس نے ایک خوفناک اور کرخت قہقہہ لگایا اور پھر گلا پھاڑ کر جلاد کو بلایا، اتنا کہنا تھا کہ چار جلاد لپک پڑے، ان کی آنکھوں سے غلیظ آنو دشرارے برس رہے تھے، ہاتھوں میں انھوں نے ویسی ہی لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں جن کا میں ابھی ذکر کر آیا ہوں۔ ان کے چہروں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ اس کام کو بخوبی سمجھ رہے ہیں جو ان سے کروایا جانے والا ہے۔

آدھے منٹ کے اندر میرے کپڑے اتار کر مجھے ننگ دھڑنگ کر دیا گیا تعذیب کے کوٹھے میں مجھے جوت دیا گیا ہر طرف سے مجھ پر لاٹھیاں برسنے لگیں گویا کمر کی چھت لاٹھیوں اور آگ کے کوڑوں کی بارش کر رہی تھی۔ یہ ضربات مجھے اس قدر شدید اذیت دیتیں کہ بیان سے باہر ہے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میرے جسم اور میری جان کے ٹکڑے اڑ اڑ کر ہوا میں تحلیل ہو رہے ہیں اور اس عذاب الیم کے دھوئیں کا جز بن رہے ہیں جس سے پوری بیرک بھری ہوئی تھی۔ خیال ہے کہ پورے ایک گھنٹہ تک زدوکوب کا سلسلہ جاری رہا، یہ گھنٹہ بھی میرے لئے صدیوں سے کم نہ تھا خستہ دورماندہ زمین پر گر گیا، ایک بے جان لاشہ۔ بایں ہمہ سپاہیوں نے مجھے نہ چھوڑا۔ اپنی لاٹھیاں اور تازیانے لے کر میرے ارد گرد جمع ہو گئے، اور مجھے مارنے لگے —— بالکل اس طرح جیسے قصاب ذبح شدہ دنبے کو لٹکا کر اس میں ہوا بھرتا ہے اور پھر اسے ڈنڈے سے مارتا ہے تاکہ آسانی سے اس کی کھال اتاری جا سکے۔

ہماری کھال اتارنے کا یہ فعل انٹیلی جنس والوں کی اصطلاح میں "تحقیق و تفتیش" تھا چند لمحات گذرے ہوں گے کہ احمد راسخ نمودار ہوا، اس کے کشادہ قدموں کے سامنے تعذیب کے آلات بچھ رہا تھا جنہیں وہ گھسیٹ کر لا رہا تھا۔ ان آلات سے جو جھنکار اٹھ رہی

تھی وہ جری سے جری انسان کے بدن میں بھی جھرجھری پیدا کر دینے والی تھی، وہ بڑی درندگی اور سنگدلی کے ساتھ مجھ سے کہنے لگا،

آؤ ہم چاہتے ہیں کہ کچھ بتاؤ۔

میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے مزید کہا: فیلڈ مارشل نے ہمیں اجازت دے دی ہے کہ تم میں سے پچاس کتوں کو ہم مارنا چاہیں تو مار ڈالیں۔

میرا ذہن غبار آلود ہو گیا، لیکن میں نے اپنے بدن کے اندر ایک لذیذ مستی سرایت کرتی ہوئی محسوس کی۔ سوچا لو اب جھٹکارا قریب تر ہو گیا ہے چند لمحوں کی بات ہے یہ انسان نما درندہ مخلوق میرے قتل کا فیصلہ کر دے گی، اور میں انہیں۔ پاؤں سے مسلتا ہوا اللہ تعالیٰ کی وسیع بارگاہ میں پہنچ جاؤں گا، سوچ کے چند حیرت انگیز لمحات مجھ پر طاری ہو گئے۔ کیا جب میں مر جاؤں گا تو شہادت نصیب ہو گی؟ میں ان پاکیزہ و بلند خیالات میں محو تھا کہ تعذیب کا سلسلہ شروع ہو گیا یہ مار پیٹ کا نیا دور تھا مگر اب زیادہ درندگی اور وحشت کا مظاہرہ کیا گیا۔ میں جان لیوا ضربات کے اندر اس سے کہہ رہا تھا۔ مجھے بتاؤ وہ کس موضوع کے بارے میں تم چاہتے ہو کہ میں بات کروں؟ اس نے ایک لفظ کہا جس سے بات کا راستہ کچھ واضح ہوا، مگر وہ لفظ سنتے ہی مجھے پھر تاریکی نے دبوچ لیا۔ وہ ایک ہی لفظ تھا، مگر اس میں تیزی تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تھی، وہ تھا "اخوان المسلمون" میں نے جرأت کے ساتھ اس سے کہا: اخوان المسلمون کی کونسی بات کے بارے میں کہوں؟ اس نے کہا "ان کی تنظیمیں۔ سازش، ہتھیار، ٹریننگ دینے والے ہر چیز کے بارے میں بتاؤ" —— یہ کہا اور پھر زد و کوب بڑی سخت تند اور روح فرسا۔

اس حالت میں کتنا وقت گزرا، میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ پر غنودگی چھائی رہی، جب آیا تو یوں محسوس ہوا کہ میں عالم خواب میں ہوں، دن آدھا گزر چکا تھا، احمد راسخ بیرک سے جا چکا تھا، دو متعدد فوجی افسر آچکے تھے، سپاہی اسی طرح ڈیسک لے آئے جو اسکول کی کلاسوں میں ہوتے ہیں۔ پھر فوجی افسر بیرک کے ایک کونے میں جا میرے جیسے دوسرے نظر بندوں کو ایک ایک فوجی افسر کے سامنے پیش کیا جاتا رہا، مجھے انہوں کچھ دیر کے لئے نظر انداز کر دیا۔

یہ نازک اور جان گسل دن گزرنے سے پہلے ہی میں "تحقیقاتی کارروائی" کے دوران اصل کو سمجھ چکا تھا، فوجی افسران ملزموں سے یقین کیسا کہہ رہے تھے اخوان المسلمون نے ضرور کوئی سا تیار کی ہے مگر ملزم بے خودی اور وارفتگی کی حالت میں مبتلا تھے، یہ سب لوگ گو اخوان المسلمون کے ارکان تھے، مگر انہیں فوجی افسروں کی یقین دہانی کے باوجود اس امر کا قطعاً علم نہ تھا اخوان نے جمال عبد الناصر کی حکومت کے خلاف کوئی سازش تیار کی ہے اور شمس بدران (سا وزیر جنگ) کی سرپرستی میں ملٹری انٹیلی جنس نے اسے بروقت پکڑ لیا ہے خود سول انٹیلی جنس کو ایسی کسی سازش کا کوئی علم نہیں تھا یہ معاملہ بنیادی طور پر ملٹری اینٹلی جنس کی نگرانی میں تھا اور جنگی جیل کے اندر اصل تحقیقاتی کارروائی کی جا رہی تھی، ملٹری اینٹلی جنس کے لوگ اس بات کی اجازت نہ دے رہے تھے کہ اس کہانی کے بارے میں کسی قسم کی معلومات سول اینٹلی جنس کے افسران تک پہنچ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ سول اینٹلی جنس کے لوگ بھی ہرا پھیرے کو پکڑ لیں اور اس معاملہ کے بارے میں وہ بھی کو

کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی پوزیشن میں ہوں،
ان دنوں فوج کی کریمنل انٹیلی جنس کا شعبہ مصر کا اصل حکمراں ادارہ تھا، اس کے فیصلے قضا اور قانون کا درجہ رکھتے تھے، مصری عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج کیا جا سکتا تھا اور اس کے احکام کو رد کیا جا سکتا تھا، مگر اس شعبے کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا تھا، اس شعبے کا سربراہ بریگیڈیر سعد زغلول عبدالکریم تھا جو براہِ راست شمس بدران کے ماتحت تھا، شمس بدران فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر کے دفتر کا انچارج تھا، اور چونکہ عبدالحکیم عامر شدید ذمہ داریوں کے اندر دبا ہوا تھا، اس لئے اس نے تمام اختیارات اپنے دفتر کے انچارج کو دے رکھے تھے تاکہ وہ مصر کی "بہبود و فلاح" کے لئے جو مناسب اقدام ہو کرتا رہے یہ شخص بالکل مطلق العنان تھا، خلق خدا کے ساتھ جو سلوک چاہتا تھا کرتا تھا۔ عبدالحکیم عامر کی طرف رجوع کرنے یا اس سے کوئی بات دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا،
بیرک کے فوجی افسروں کے پاس ایک ایک شخص کو تحقیقات کے لئے بلایا جاتا اور اسے اس قدر مارا جاتا کہ وہ حواس کھو بیٹھتا۔ وہ کچھ بات بھی نہ کر سکتا تھا کیوں کہ اُسے کہانی ہی سرے سے معلوم نہ تھی، پھر دوسرا شخص بلایا جاتا اور اس کے ساتھ بھی یہی داستان دہرائی جاتی۔
پھر تیسرا...... پھر چوتھا۔
سپاہی لوگوں کو بہت شدت کے ساتھ مارتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ اقرار کر لیتے کہ وہ واقعی مجرم ہیں۔ تحقیقاتی افسر صرف اس بات پر اکتفا نہ کرتا کہ کسی شخص نے اقرارِ جرم کر لیا ہے بلکہ اس شخص کا یہ فرض تھا کہ وہ تحقیقاتی افسر کو اپنے مجرم ہونے کا پوری طرح قائل کرے اور جو

جھوٹی باتیں وہ اپنی طرف منسوب کر رہا ہے، ان میں اگر کوئی خامی یا خلا رہ گیا ہے تو اسے اچھی طرح پُر کرے۔ اس خون آشام دن میں میں نے وہاں جو کہانیاں خود سُنیں اور جو میرے سامنے روایت کی گئیں ان میں سے ایک کہانی "چاول کی بوری" کے عنوان سے مشہور ہوئی۔ وہ کہانی یہ تھی۔
مصلح زریق نامی مزدور ایک ایسی کمپنی میں مزدوری کرتا تھا، جو ملک کے مختلف حصّوں میں سڑکیں پختہ کرنے کا کام کرتی ہے ۱۹۶۰ء کی بات ہے یہ کمپنی دمیاط شہر کے قریب کسی سڑک کو پختہ کر رہی تھی، یہ پورا علاقہ اچھی قسم کے چاول پیدا کرنے میں شہرت رکھتا ہے مصلح زریق جب اپنے کام سے فارغ ہوا اور قاہرہ واپس لوٹنے لگا تو اس نے اپنے ایک ساتھی احمد السید اسماعیل کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ قریبی قصبہ جس کا نام کفر البطیخ ہے سے گزر چلیں، وہاں چاولوں کا ایک تاجر رہتا ہے عبدالفتاح اسماعیل، اسی حیثیت سے وہ مشہور تھا، عبدالفتاح اسماعیل اخوان المسلمون کی تیسری نسل کے لیڈروں میں سے تھا، مسکین مصلح زریق کے ذہن سے یہ پہلو اوجھل ہو گیا مصلح اور اس کا ساتھی احمد السید اسماعیل کفر البطیخ کی طرف چل دیئے تاکہ دمیاط کے اعلیٰ قسم کے چاولوں کی ایک بوری خرید سکیں اگر ان دونوں انسانوں کو یہ خبر ہوتی کہ اس شوق کے سبب ان پر کیا وبال ٹوٹنے والا ہے تو وہ نہ صرف اپنے آپ پر چاول حرام کر لیتے بلکہ اپنے بعد آنے والی نسلوں پر بھی قیامت تک چاول حرام ٹھہرا دیتے۔
دونوں ساتھی کفر البطیخ پہنچ گئے اور عبدالفتاح اسماعیل کا پتہ دریافت کرنے لگے، شومئ قسمت

کہیے یا تقدیر کہ وہ دونوں انٹیلی جنس کے کسی کارندے سے ملے جو اتفاق سے انہیں راہ چلتے مل گیا اس سے وہ عبدالفتاح اسماعیل کا پتہ ابھی پوچھنے نہ پائے تھے کہ اس نے دونوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور ان سے شناختی کارڈ لے کر ان کے نام ڈائری میں نوٹ کرنے شروع کر دیئے پھر ان کی آمد کا سبب پوچھ کر انہیں نصیحت کی کہ وہ واپس لوٹ جائیں اور آئندہ اس بستی میں نہ آئیں، انٹیلی جنس کے کارندے نے اس کی رپورٹ لکھی اور اپنے دفتر کو پیش کر دی چونکہ یہ واقعہ معمولی اور ہیچ تھا، اس لیے اس رپورٹ پر دھیان دینے کی ضرورت نہ محسوس کی گئی۔ البتہ عبدالفتاح اسماعیل کی فائل میں اسے نتھی کر دیا گیا۔ مصلح اور احمد السید اسماعیل اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے اور پھر یہ بات بھی نسیاً منسیاً ہو گئی۔

کئی سال گزر گئے ۱۹۶۵ء کا سال آ گیا۔ عبدالفتاح اسماعیل گرفتار کر لیا گیا، اور تحقیقاتی کارروائی کے لئے اسے جنگی جیل میں بند کر دیا گیا۔ یعنی ملٹری انٹیلی جنس کے پاس، سول انٹیلی جنس جو اس پوری کہانی سے بے خبر تھی آخر کار جب اس کے علم میں یہ مسئلہ آیا تو اس نے بھی اس کا مطالعہ اور تحقیق شروع کر دی عبدالفتاح اسماعیل کی فائل میں منسلکہ رپورٹوں کے اندر جن لوگوں کے نام درج تھے ان سب کو گرفتار کر کے ان کے خلاف تحقیقات شروع کر دی مصلح اور اس کے ساتھی پر بھی وہ گھڑی آ دھمکی جو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی، یہ دونوں بھی گرفتار ہو چکے تھے، فوجی افسران یہ کوشش کرتے رہے کہ مصلح زریق یہ بتائے کہ چند سال پیشتر کفر البطیخ جا کر وہ عبدالفتاح اسماعیل کو کیوں تلاش کر رہا تھا؟ وہ کیا راز تھا؟ ...... مسکین بالکل آسان سیدھا سادھا سا جواب دے دیتا تھا کہ وہ اس ساتھی دمیاط کے چاول خریدنے کے لیے گئے تھے۔ مگر اس کا یہ جواب اس کے عذاب میں کمی کے بجائے اضافہ کر دیتا، اس مسکین کے سر پر عذاب و اذیت کی آگ کی بارش کی گئی، کبھی لاٹھیوں کی بارش ہوتی کبھی نوبہ کے علاقے یا سوڈان کے گندھے ہوئے تازہ تازیانوں کی، مصلح مسکین بڑی چیخیں مارتا، اس کی زبان سے مختلف الفاظ نکلتے، کچھ بامعنی اور کچھ بے معنی، جو ایسی زبان سے تعلق رکھتے جنہیں انسانی مخلوق نہیں سمجھتی۔ يَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ (ہر طرف سے موت اور اس پر حملہ کرتی مگر وہ نہ مر پاتا)

جب جلاد تعذیب کی کارروائی سے ہانپ جاتا، اور کچھ سستانے لگتا تو مصلح بلند آواز سے واویلا کرتا، خدائے عظیم کی قسم ہم نے صرف چاول خریدنے کی خاطر عبدالفتاح اسماعیل کا پتہ پوچھا تھا، حضور، ہم صرف ایک بوری چاولوں کے لئے وہاں گئے تھے یا ہتھیاروں کی بوری لیے؟ مصلح زریق نے جب یہ جواب سنا تو اسے عذاب سے جان چھڑانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ پورے زور سے چیخا گویا اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو،

"حضور آپ نے کیا فرمایا؟ ہتھیاروں کی بوری؟ جی ...... جی ...... ہم جب کفر البطیخ گئے تھے تو یہی چیز ہمارے پیشِ نظر تھی، حقیقت بہر حال کھل کر رہتی ہے ہم ہتھیاروں کی بوری کی خاطر وہاں گئے تھے، ہاں بے شک ہمیں ہتھیاروں کی بوری چاہیے تھی" مصلح اس حالت جنون میں ہنس بھی دیا۔ تعذیب کا کیا ہو رک گیا، تحقیقاتی

کارروائی کا رُخ بھی بدل گیا، اب وہ دوسرے رُخ پر چل پڑی، عجیب ستم ظریفی دیکھنے میں آگئی یہ المیہ بھی تھا اور طربیہ بھی۔ یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ المیہ تھا یا طربیہ مصلح کی بیڑیاں کھول دی گئیں، عذاب بھی ختم ہوگیا کیونکہ اس نے تسلیم کر لیا کہ اس نے ہتھیاروں کی بوری کفر البطیخ سے کسی اور جگہ منتقل کی تھی۔ احمد السید اسماعیل نے بھی مصلح کی روایت کی بڑے جوش و جنون کے ساتھ توثیق کر دی۔ دونوں کے سامنے سوال یہ تھا کہ وہ اس کہانی کی توثیق کرنا پسند کرتے ہیں یا موت!

وزارتِ داخلہ میں تبدیلی آچکی تھی، سول انٹیلی جنس بھی حرکت میں آگئی تھی قلعہ کی جیل میں کرنل احمد صالح داؤد آیا جو سول انٹیلی جنس کا رکن رکین سمجھا جاتا تھا، وہ بذات خود تحقیقات کی نگرانی کے لئے آیا۔ مصلح کے لئے اب یہ ناگزیر ہوگیا کہ وہ ان ہتھیاروں کا پتہ بتائے جن کے بارے میں اس نے اعتراف کر لیا ہے ــــ جھوٹا اعتراف ــــ کہ وہ اس نے کفر البطیخ سے باہر منتقل کیے ہیں ــــ مصلح نے فوری طور پر اس کا جواب بھی سوچ لیا۔ یہ قصہ چونکہ اخوان المسلمون سے متعلق ہے لہذا یہ ہتھیار بھی ان کے قبضے میں ہی ہونے چاہئیں۔ اس کے ذہن میں اخوان کے دو آدمی آگئے جو اس کے محلے میں رہتے تھے، اور یہ دونوں ابھی ابھی ۱۹۶۴ء میں جیل سے رہا ہوئے تھے۔ ایک احمد شعلان اور دوسرا زکریا المشولی ــــ ہم تیسرے کا بھی ذکر کیے دیتے ہیں۔ بدر القصبی اللہ تعالیٰ ان تینوں پر اپنی رحمت و مغفرت کی بارش برسائے۔

مصلح نے یہ بیان دیا کہ ہتھیار ان تینوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو دیئے گئے ہیں، پوری طرح یاد نہیں ہے۔ چنانچہ ان تینوں کو فیوم جیل سے یہاں قلعہ میں لایا گیا، اور ان تینوں کو بڑی زہرہ گداز اور بہیمانہ تعذیب دی گئی ــــ تینوں اسی تعذیب میں شہید کر دیے گئے، ان میں یہ تینوں مار مار کر شہید کر دیے گئے، مگر انہیں تا دم آخریں ہتھیاروں کی بوری کا قصہ معلوم نہ ہو سکا وہ اس کہانی سے بالکل بے خبر تھے۔

جیل والوں کا طریقہ یہ تھا کہ جو نظر بند تعذیب سے مر جاتا کاغذات میں اس کے نام کے آگے "مفرور" کا لفظ لکھ دیا جاتا، جیل کا ریکارڈ جب پولیس والوں کو پہنچتا تو وہ لوگ "مفرور" کے گھر پر چھاپے مارتے گھر کا ساز و سامان توڑ پھوڑ دیتے۔ پورے گھر میں تباہی مچا دیتے جو ملتا اسے زد و کوب کرنے لگتے۔ بعض اوقات گھر کے مردوں اور عورتوں تک کو جیل میں لے آتے، اس الزام میں کہ ان لوگوں نے "مفرور" کو بھاگنے میں مدد دی ہے ــــ اور "مفرور" بے چارا زندگی کی آزمائشوں اور بوجھوں سے نجات حاصل کر کے اپنے رب کے حضور پہنچ چکا ہوتا تھا، رہا مصلح زریق، تو وہ اور اس کا ساتھی قلعہ سے جنگی جیل بھیجد یئے گئے وہاں ملٹری انٹیلی جنس کے افسروں نے ــــ جو مصر کے اصل اصحاب اقتدار و ارباب جاہ تھے ــــ چند روز کے بعد ہی ان دونوں کو رہا کر دیا۔

میں وہ تاریخی لمحات نہیں بھول سکتا جب میں قلعہ میں ایک مرتبہ دیکھ کر کہ نگران فوجی افسر دوپہر کے کھانے کے لئے چلا گیا ہے مصلح زریق کے قریب ہوگیا اور اس سے کہا:

جو بات ابھی ابھی تمہارے منہ سے نکلی ہے (یعنی "اقبال جرم") اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غلط ہے۔ لیکن یہ بھی امکان ہے کہ یہ بیان تمہیں لیمان طرہ کی جیل میں پہنچائے،

معلم نے بھٹکی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا: آپ کا کیا مطلب؟

میں نے از راہ تعجب اس سے کہا: تمہارا "اقبالِ جرم" ۲۵ سال قید با مشقت سے عبارت ہے،

اب اس نے مجھے ذرا سنجیدہ اور خوف سے لرزتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

"وضاحت سے بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا: جب یہ واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ (یعنی چاولوں کی بوری کی بجائے ہتھیاروں کی بوری وصول کرنے کا) تو تمہیں لازماً اپنے بیان سے رجوع کرنا پڑے گا۔

اس کی نگاہیں جو خوف و ہراس سے لبریز تھیں، اب وہ حقارت کا پیکر بن گئیں۔ اس نے مجھے باآواز بلند کہا: آپ بیوقوف معلوم ہوتے ہیں۔

میں؟

جی ہاں! خدا کی قسم۔ اگر "اقبالِ جرم" کی پاداش میں مجھے دو سو پچاس سال بھی جیل میں ڈال دیا جائے تو میں اپنے بیان سے سرمو بھی انحراف نہ کروں گا!!

میں نے اسے کہا: اچھا تو کیا تو مجھے یہ اجازت دے گا کہ میں فوجی افسر کو اصل واقعہ سمجھا دوں (یعنی یہ کہ ہتھیاروں کی بوری وصول کرنے کا قصہ جھوٹ ہے)؟

وہ یہ سُن کر بے تحاشا رونے لگا، اور مجھے خدا کا واسطہ دے کر کہنے لگا کہ میں ایسی کوئی بات افسروں سے نہ کہوں ـــــ اور آخر مجھے ان افسروں سے بات بھی کیا کرنی تھی، میں خود مصائب و شدائد اور آفات و بلیات کے نرغے میں تھا،

میری اور معلم کی گفتگو یکدم منقطع ہو گئی۔ کیونکے جیل کے افسر واپس آگئے۔ اب ان کے پیٹ طعام و شراب سے پُر تھے، اور مظلوم قیدیوں کو تعذیب کی وجہ سے جو طاقت وہ کھو چکے تھے وہ اب عود کر چکی تھی۔

جو باتیں قابلِ ذکر ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ان دنوں احمد صالح داؤد فوجی افسروں سے ملاقات کے لئے قلعہ آیا تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ تحقیقات کی رفتار کیا ہے اور ان کا رخ کدھر ہے طویل اجتماع کے بعد، احمد صالح داؤد جیل کے صحن میں ایک افسر کے ساتھ باتیں کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا، مجھے جہاں عذاب دیا جا رہا تھا یہ جگہ وہاں سے صرف چند میٹر کے فاصلے پر تھی میں نے احمد صالح داؤد کو یہ کہتے سُنا، "دوستو، یہ لازماً پیشِ نظر رکھو کہ ایک ایسی تنظیم ضرور پائی جاتی ہے جس میں اخوان المسلمون کے تمام افراد شامل ہیں۔" دوسرے فوجی افسر نے اسے جواب دیا: "پاشا صاحب! اب تک تحقیقات کے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں، ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی" پاشا صاحب نے تندی کے ساتھ اسے ٹوکتے ہوئے کہا: "صدر صاحب فرماتے ہیں: ملک میں ایسی تنظیم ضرور پائی جاتی ہے، ایسی تنظیم ہونی چاہئے، سمجھے آپ۔ اسی نہج پر تفتیش جاری رہنی چاہئے۔ تم لوگوں کے حوصلے کہاں گئے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ بعض نظر بند ابھی تک پاؤں کے بل چل پھر رہے ہیں؟"

احمد صالح داؤد کے دورہ کے بعد تعذیب کی مردانگن چکی پھر چل پڑی، جو افسروں کی باہم ملاقات کے دوران کچھ دیر کے لئے رُک گئی تھی اب اس چکی کی سنگینی اور درندگی اور زیادہ بڑھ گئی تھی، تاکہ آئندہ کوئی پاؤں کے بل بھی نہ چل سکے، یہ لوگ تمام نظر بندوں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئے تھے ـــــ گویا ان...

روز ہائے سیاہ میں زمانے کی رفتار تھم چکی تھی!!
تفتیشی بیرک اندر میں تین روز پڑا رہا کبھی میں تہذیب کا نشانہ بنا دیا جاتا اور کبھی مجھے فراموش کر بیٹھتے۔ وہ جب مجھے بھول جاتے تو میں اس وقت بیرک کے فرش پر ننگ دھڑنگ بیٹھا ہوتا یقین جانیے، مادر زاد ننگا۔

(باقی)

چند مفید اور قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۶/-	تصوف کی حقیقت	۶/-	مولانا عبید اللہ سندھی	۶/-
بلاغ المبین	۶/۵۰	سیرت ختم الرسلؐ	۳/-	درس عبرت	-/۷۵
فتوح الغیب	۶/-	عہد نبوی کے میدان جنگ	۳/۵۰	گلدستۂ حدیث	۲/۵۰
شرک اور بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰	جنت اور دوزخ	۲/-	مختصر احکام حج	۲/-
روح تصوف	۹/۵۰	مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۱/۷۵	راہ حق کے دو مسافر	۲/-
آداب زیارت قبور	-/۸۰	صراطِ مستقیم	۶/-	دائیٔ اعظم	۹/-
اسلامی خطوط نویسی	۱/۲۰	صدائے جمہور	۱/۵۰	چٹکتی کلیاں	-/۷۵
بیمۂ زندگی	-/۶۰	شیر شاہ سوری	۱/۵۰	شہسوار	۲/-
اپنی اصلاح آپ	-/۶۰	ٹیپو سلطان	۱/۵۰	اسلامی معاشرہ	۶/-
تقلید کیا ہے؟	-/۸۰	محمد ابن قاسم	۱/۵۰	خطبات حنفیہ	۱/۵۰
اسلامی نظام ہی کیوں؟	-/۶۰	طارق ابن زیاد	۱/۵۰	خطبات غوث اعظم	۱/۵۰
عورت کیا کچھ کرسکتی ہے؟	۲/-	داتا گنج بخش	۱/۵۰	حیات طیبہ	۹/-
قرآن وحدیث	۴/-	حضرت موسیٰ علیہ السّلام	۱/۵۰	کتاب الصوم	۶/۵۰
تلاش راہِ حق	۴/۵۰	حضرت عیسیٰ علیہ السّلام	۱/۵۰	اسلامی فقہ مکمل	۲۵/-
کثرت آبادی کا علاج	-/۶۵	مہاتما بدھ	۱/۵۰	ورق ورق روشن	۳/-
قافلہ سخت جاں	-/۵۰	جہانگیر	۱/۲۰	فیوض یزدانی	-/۲۵
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	-/۲۵	نور جہاں	۱/۲۰	تیسیر القرآن اول	۳/-
مولانا مودودی سے ملئے	۱/۵۰	زرتشت	۱/۲۰	کلید تیسیر القرآن اول	۱/-
مولانا مودودی ۸۰ علماء کی نظر میں	۳/-	خالد ابن ولید	۲/۵۰	سیکولرزم جمہوریت اور اسلام	۳/-
حدیث دفاع	۱۲/-	توضیح البیان	۱/۵۰	خدا کا انکار کیوں؟	۱/۲۰
مکتوبات حضرت علیؓ	۹/-	سکھ اور جنگِ آزادی	۴/-	خدا ہے	۱/۲۰

کتاب	قیمت
کیا خدا کی ضرورت نہیں؟	۱/۲۰
ملحدین کے شبہات	۱/۲۰
خداپرستی ملحدین کی نظر میں	۱/۲۰
دعوت حق غیرمسلموں میں	۱/۲۰
بچوں کے لئے اقبال کی نظمیں	-/۴۰
سیرت رسالتمآب	۲۰/-
مخزن معلومات	۲۰/-
اصلاح انقلاب	۱۶/-
ولی کامل	۶/۵۰
حیات امام اعظمؒ	۱۰/-
تذکرہ مولانا محمد یوسفؒ	۹/-
تفسیر رشیدی	۲/-
مخدوم صابر کلیریؒ	۲/-
اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰/-
قصص الانبیاء	۶/-
حضرت حسنؓ	۲/-
حضرت حسینؓ	۲/-
تعلیم ہدایت	۶/-
ترجمہ کا فن اور روایت	۲۵/-
فریب تمدن	۱۰/-
صحیفۂ ابرار	۲۵/-
مومن اور مطالعہ مومن	۳۶/-
تاریخ محمودی	۱۰/-
صحائف معرفت	۸/۵۰
رمضان کیا ہے؟	۲/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/-
طب روحانی	۵/-
شریعت اور تصوف اول	۸/-
شریعت اور تصوف دوم	۹/-
ذکر الٰہی	۲/-
ذکر النبی	۲/-
صراط مستقیم	۱۰/-
مقبول نماز مترجم. مجلد ریگزین	۱۰/-
قبر کا عالم	-/۸۰
کیا تبلیغ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے؟	۱/-
حیات جاوید	۱۵/-
توحید و معرفت	۱۵/۹۵
اورنگ زیب اور شیکھر جی	۹/-
دیوان حالی مع شرح	۲۰/-
یاد اقبال	۶/-
اقبال اور تصوف	۷/۵۰
مقامات اقبال	۱/۵۰
عرفان اقبال	۱۰/-
ذکر اقبال	۱۲/۵۰
ولی سے اقبال تک	۹/-
پیام اقبال	۱۰/-
ترقی پسند ادیب	۶/-
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء	۱۲/۵۰
اردو کی تین مثنویاں	۶/-
یادگار غالب	۴/۵۰
داستان زبان اردو	۷/۵۰
آپ تقریر کیسے کریں؟ مکمل	۳/۵۰
التوحید	۴/-
وسیلہ کی حقیقت	۹/۵۰
سیرت خلفاء راشدین	۵/-
تجرید بخاری شریف	۱۴/-
ترمذی شریف اردو	۲۵/-
مشکوٰۃ شریف اردو	۳۲/-
مسلم شریف	۱۸/-
موطا امام مالکؒ اردو	۱۰/-
انتخاب صحاح ستہ اردو	۸/-
شیطان کی سوانح عمری	۴/۵۰
جنات کے پُراسرار حالات	۴/۵۰
آسمانی سفرنامہ	۴/۵۰
غیبی آواز	۴/۵۰
خواجہ غریب نواز	۴/۵۰
روح تصوف	۴/-
نقاد اللغات	۱۰/-
فتویٰ آستانہ مکمل	۹/-
واقعات الصالحین	۴/۵۰
تاریخ اسلام	۱۵/۵۰
بہادر شاہ کی کنیز	۳/-
دارا شکوہ کی رقاصہ	۳/-
فرعون کا معاشقہ	۳/-
اسپین کا مرد مجاہد	۳/-
صحبت با اولیاء	۷/۵۰
مکتوبات خواجہ معصوم	۷/-
طریق القلندر	۱/۵۰
طہارت	۱/۲۵
حضرت ابوبکر صدیقؓ	-/۷۵
حضرت عمر فاروقؓ	۱/۵۰
حضرت عثمانؓ	-/۷۵
حضرت علیؓ	-/۷۵
مقدمہ شعر و شاعری	۴/۵۰
رحمت عالم	۴/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	۴/-
ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	۲/۷۰
مبادیات فقہ	۱/۵۰
العون الکبیر	۱۵/-

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

یہ مت سوچئے کہ خدا نخواستہ جب آنکھوں پر کسی مرض کا حملہ ہو جائے گا یا بینائی کم ہونے لگے گی۔ اس وقت دُرِّ نجف استعمال کریں گے۔
دور اندیشی اور دانش مندی کی بات یہ ہے کہ ابھی سے (دُرِّ نجف) کے استعمال کو معمول بنائیے تاکہ ممکنہ امراض کے لئے آپ کی بینائی کے خزانے میں بیش از بیش قوتِ مدافعت جمع ہوتی جائے اور داخلی یا خارجی اثرات اگر کبھی آنکھوں پر حملہ آور ہوں تو جمع شدہ قوتِ مدافعت انھیں پیچھے دھکیل دے،

بڑا زریں مقولہ ہے

قدرِ نعمت بعد زوالِ نعمت

ایک جانا پہچانا قدیمی سرمہ جسے ہزاروں آدمی روزانہ استعمال کرتے ہیں۔

ایک تولہ	چھ ماشہ	ڈاک خرچ
نو روپے	چار روپے	تین روپے

تین شیشیاں ایک ساتھ طلب کرنے والوں کو محصول ڈاک معاف

بازار میں عام طور پر ملنے والی سلائیاں عموماً ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا جستی کیمیائی سلائی بھی صرف ۳۰ میں طلب فرمائیے۔

دار الفیض رحمانی دیوبند (یو پی)

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچو اور اپنے اہل عیال کو بچاؤ
قرآن کریم کی یاد دلانے والی للکار
اور ساتویں صدی کے امام نوویؒ کی دلدوز پکار

مجموعہ حدیث ریاض الصالحین مترجم اردو

شارح مسلم امام وقت علامہ نووی کی بے نظیر تالیف، ترغیب و ترتیب اور اصلاح تربیت سے متعلق چار سو سے زائد آیاتِ قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیث نبویؐ کا مجموعہ۔ الحاد و فساد کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن و سکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب۔ کسی دل گداز واعظ کے پُرتاثیر وعظ کی طرح دلنشیں۔ مقدس و متبرک الفاظ احادیث، خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح، دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسول سے لبریز کر دینے والا انداز بیان الحاد و دہریت کے اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کیلئے آج ہی اس کا مطالعہ فرمائیں۔ دو جلدوں پر مشتمل۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ مجلد رنگین جلد اول صفحات ۵۴۰ ہدیہ تیس روپے جلد دوم صفحات ۵۰۰ تیس روپے محصولڈاک بذمہ ادارہ دونوں جلدیں ایک ساتھ منگانے والے حضرات کو ۶۰/- روپے کے بجائے ۵۵/- روپے کا وی پی ارسال ہوگا۔ اس مبارک مجموعہ حدیث کی اشاعت میں تعاون ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ کارڈ لکھ کر طلب فرمائیں۔

ادارہ درس قرآن کا ایک جدید سلسلہ مع تاریخی پروگرام
علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی نہایت اور مستند تالیف

تاریخ الخلفاء (اردو)

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹۰۳ھ تک تقریباً نو سو سالہ مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ خلفائے راشدین (مدینہ منورہ کوفہ) خلفاء بنوامیہ (دمشق) خلفائے بنوامیہ (سپین) خلفائے بنو عباس (بغداد) خلفائے بنو عباس (قاہرہ) خلفائے عبیدی (افریقہ) فاطمی خلفائے مصر کی مکمل تاریخ اس اہم اور نادر کتاب میں موجود ہے۔ تاریخ اسلام کے شاندار دور کی پوری تاریخ اور اسی دور کے تمام حوادث و واقعات اور تمدنی حالات کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے گھروں میں اسلامی جذبات، نوجوانوں میں اعمال صالحہ اور بچوں میں خالدؓ و طارقؒ کی اسپرٹ پیدا ہوگی۔ تاریخ الخلفاء ..۔ صفحات پر مشتمل ہے جسکو ادارہ چار حصوں میں شائع کر رہا ہے۔ پروگرام عظیم تاریخ چار حصوں پر مشتمل ہوگی ہدیہ فی حصہ دس روپے۔ ممبران کے لئے بذمہ ادارہ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھ دیجئے۔ آپکو ہر تیسرے ماہ دس روپے کی وی پی ارسال ہوگی جسکا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا ایک عظیم اور مکمل اسلامی تاریخ کی اشاعت۔ ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قرآنی جواہر پارے جو امت محمدیہ کے لئے مینارۂ نور اور سرمایہ سعادت ہیں

چودہ سو برس کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباسؓ اردو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی وہ پُر نور تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے، قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے۔ ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں، اردو زبان میں یہ نادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کیساتھ پیش کی جا رہی ہے، متن قرآن شریف ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ صحابی رسولؐ کی مقدس تفسیر آیات قرآنی کا دلنشیں شان نزول جامع اور اثرانگیز عنوانات طریق اشاعت ہر ماہ ایک پارہ شائع ہو رہا ہے۔ ہدیہ فی پارہ چار روپے محصولڈاک بذمہ ادارہ۔ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھئے آپکو ہر دو ماہ چار روپے کی وی۔ پی سے ارسال ہوگی پانچ پارے یکجا مجلد ہدیہ ۲۰/- روپے دس پارے یکجا مجلد رنگین ۴۰/- محصولڈاک بذمہ ادارہ۔ ایک صحابی رسول کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمائیے۔ خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے۔

ادارۂ درس قرآن دیوبند یوپی

مولانا منظور نعمانی

معاملات اور معاشرت

معاملات اور معاشرت کا تعلق اور اصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں بھی احکام مرتب کئے اور ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں جیسے قرض، امانت، خرید، فروخت، نوکری، مزدوری وغیرہ۔ اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا برتاؤ ہے۔ جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے۔ خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو۔ جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور دوسرے اقارب اور میاں بیوی کا، یا گھر کے برابر رہنے والے پڑوسی کا۔ اور خواہ عارضی اور وقتی ہو۔ جیسا کہ مثلاً سفر کے رفیقوں کا یا مدرسہ یا کارخانے کے ساتھیوں کا وغیرہ

دین میں معاملات اور معاشرت کی خصوصی اہمیت

اخلاق کی طرح دین میں ان دونوں شعبوں کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ بلکہ ان کو دوسرے شعبوں کے مقابلے میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان میں اپنی دنیوی منفعت اور مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ کے احکام کی کشمکش دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے۔ مثلاً کاروبار میں منفعت نظر آتی ہے۔ اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے۔ بلکہ جیسا موقعہ ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی امید ہو وہ کر گزرا جائے۔ لیکن اللہ کا دین یہ کہتا ہے۔ کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو رہا ہے یا بالکل دوالہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو اور صرف اس طریقے سے کاروبار کرو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اسی طرح معاشرت یعنی آپس کے برتاؤ کا حال ہے۔ اس میں بھی خواہش نفس اور اللہ کے حکم کے درمیان اکثر مقابلہ اور تصادم رہتا ہے اس لئے بندہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا سب سے زیادہ سخت امتحان معاملات اور معاشرت کے احکام میں ہے۔

معاملات اور معاشرت کی اہمیت کا ایک دوسرا پہلو۔

اور دوسرا پہلو ان شعبوں کی اہمیت کا یہ ہے کہ ان کا تعلق اللہ کے بندوں کے حقوق سے بھی ہے۔ یعنی نماز روزہ اگرچہ ارکانِ دین ہیں اور اس حیثیت سے ایمان کے بعد انہی کا درجہ ہے لیکن وہ صرف حق اللہ ہیں اور جو شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے استغفار اور توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرا لے تو اللہ تعالےٰ کے کرم سے معافی ہی کی امید ہے۔
لیکن معاملات اور معاشرت میں اگر گڑبڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی اور بندے تو عموماً۔ بلکہ جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہیں، وہ تو قیامت میں اپنی پوری

کوڑی بھی نہ چھوڑیں گے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ بعض لوگ نماز، روزہ اور صدقہ خیرات کی قسم کی بہت سی نیکیاں یہاں سے کما کے لے جائیں گے۔ لیکن ان کے معاملات اور ان کی معاشرت خراب ہوگی۔ کسی کا حق مارا ہوگا۔ کسی کا دل دکھایا ہوگا۔ کسی کی غیبت کی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ محشر میں مقام حساب میں پہنچیں گے تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہوجائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوادی جائیں گی۔ اور جب ان نیکیوں سے بھی ان لوگوں کے پورے حقوق ادا نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لاد دیئے جائیں گے اور بالآخر یہ لوگ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے"۔

رواہ مسلم مشکوٰۃ

بہرحال اس پہلو سے معاملات اور معاشرت کی بڑی اہمیت ہے اور غالباً اسی حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح کو صراحتہً نماز روزہ اور صدقہ وخیرات سے افضل بتایا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف میں نقل کی گئی ہے۔ اس کے راوی حضرت ابوالدرداء کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے فرمایا۔

الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ ؟۔

"کیا میں تمہیں وہ چیز بتاؤں جو روزہ صدقہ نماز سے بھی افضل ہے"۔

ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: حضرت وہ چیز ضرور بتلایئے آپ نے ارشاد فرمایا:

قال اصلاح ذات البین ... ھی الحالقۃ

(رواہ الترمذی وابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی مونڈ دینے والا استرا ہے (بال مونڈنے والا استرا نہیں بلکہ دین کا صفایا کر دینے والا استرا) ان دو ہی حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کی کتنی اہمیت ہے۔ افسوس آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے، معاملات اور برتاؤ ان کے بھی اسلامی نہیں۔ ایسی حالت میں عبادتیں اور دعائیں کیا قبول ہوں

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسند احمد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے (جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا ہوا تھا) تو جب تک وہ شخص اس کپڑے کو پہنے رہے گا، اس کی کوئی نماز بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث سنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر سامعین سے فرمایا کہ بہرے ہو جائیں میرے کان اگر میں نے حضورؐ سے یہ بات نہ سنی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا

اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور صرف پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے پھر اس کے بعد آپ نے رزق طیب حاصل کرنے کی تاکید فرمائی۔

حسن سلوک

مولانا حبیب اللہ ضیا

"خدا کے بندو! اپنے خدا سے ڈرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا رویّہ اختیار کرو"۔ پوری انسانیت کا دینی و اخلاقی اثاثہ ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات ملاحظہ فرمائیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ (النساء - ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے،

ہم سب ایک رب کے بندے اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ہمارے مابین بہت گہرے اور مضبوط رشتے ہیں۔ ہم اپنے رشتوں کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھیں، انہیں قائم رکھیں، ٹوٹنے نہ دیں، ان کے حقوق ادا کرتے رہیں اس تصور کے ساتھ کہ ہمارا رب ہر آن ہمیں دیکھ رہا ہے،

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ○ لا الَّذِىْ خَلَقَ... الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ

بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں کائنات کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو۔ تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے اور

الْغَفُوْرُ (الملک ۱-۲) وہی زبردست اور مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہ اچھے کام جن میں ہماری جانچ ہے یہی تو ہیں کہ ہم اللہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا	اور اللہ کی بندگی کرو
تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا	اور اس کا شریک کسی
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	کو نہ ٹھیراؤ اور ماں باپ
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	سے بھلائی کرو اور رشتہ
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ	داروں اور یتیموں اور
ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ	محتاجوں اور پاس کے
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ	ہمسایے اور دور کے
بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ	ہمسائے اور ساتھی اور راہ
وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ	گیر اور اپنی باندی غلام سے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ	بے شک اللہ کو خوش نہیں
كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا	آتا کوئی اترانے والا،
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْ	ڈینگ مارنے والا، جو خود
مُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ	بخل کریں اور دوسروں
وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ	سے بخل کرنے کو کہیں اور
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ	اللہ نے جو انہیں اپنے فضل
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا	سے دیا ہے اسے چھپائیں
مُّهِيْنًا ۝	اور کافروں کیلئے ہم نے
	ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

اللہ کا حق یہ ہے کہ ہم اس کی بندگی کریں، اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ احسان کریں بھلائی کا رویہ اختیار کریں۔ اترانے والے ڈینگ مارنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں جو خود بھی بخل کرنے والے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی دولت کو چھپاتے ہیں۔ یہی کافر اور ان بھلائیوں کے انکاری ہیں، ان کے لئے اللہ نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے جس سے وہ ایک دن دوچار ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو! رکوع
ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا	اور سجدہ کرو اور اپنے
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ	رب کی بندگی کرو اور
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ...	بھلے کام کرو امید ہے کہ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	تم فلاح پاؤ گے

(الحج ۷۷)

اسلام کی بنیادی تعلیم اور فلاح و کامرانی کی واحد راہ یہی ہے کہ اللہ کی بندگی کی جائے اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کا برتاؤ کیا جائے۔

	بیشک اللہ حکم فرماتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ	انصاف کا حسن سلوک کا
وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ	اور رشتہ داروں کو دینے
ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى	اور منع فرماتا ہے بےحیائی
عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَ	اور بری بات اور سرکشی
الْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ	سے، تمہیں نصیحت فرماتا ہے
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝	کہ تم دھیان کرو۔

(النحل ۹۰)

بندوں کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہو؟ عدل کا احسان کا، ان کی خدمت کا، اور بےحیائی، برائی اور سرکشی سے اجتناب کا، اللہ نے ہمیں ان باتوں کی تاکیدی نصیحت فرمائی ہے،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خاص انداز میں تلقین فرمائی کہ جو لوگ نماز روزہ اور زکوٰۃ کی تو پابندی کرتے ہیں، لیکن بندوں کے حقوق پامال کرتے ہیں اور ان کے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن میری امت کے مفلس اور کنگال ہوں گے، ان کے ہاتھ نیکیوں سے خالی ہوں گے سر سے پاؤں تک گناہوں میں ملوث ہونگے

وہ سر کے بل جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

یہ ہیں اسلام کی بنیادی ہدایات، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! تم اپنے خدا سے ڈرو اور بندگانِ خدا کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا رویہ اختیار کرو، دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہوں گے آپ دنیا کے کسی بھی مذہب یا کسی بھی شریف انسان کے قلب و ضمیر کو جھانک کر دیکھیں تو آپ کو ہر جگہ یہی پاکیزہ تعلیم ملے گی بلکہ حد تو یہ ہے کہ بندوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ لوٹنے کھسوٹنے والے افراد اور گروہ بھی انہیں نیکیوں اور بھلائیوں کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ خوش آئند وعدوں کے سبز باغ دکھا کر... قوموں اور گروہوں کو کلی تباہی و ہلاکت کی راہوں پر لگاتے ہیں۔ آپ ایک طرف ان تعلیمات کو نگاہ میں رکھیں اور دوسری طرف بندوں کے عمومی حالات اور ان کے سنگین مسائل کو دیکھیں، فقر و فاقہ، گرانی و قحط سالی، غربت و افلاس اور عام پسماندگی، تشدد و لاقانونیت کی بڑھتی ہوئی لہر، مرض و جہالت، ظلم و ناانصافی معاشی استحصال، اونچ نیچ، منافرت، عدم رواداری، طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں خصوصاً نئی نسل میں اخلاقی انارکی، نفس پرستی، اباحیت و خدا فراموشی اور آخرت سے غفلت وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں ان بنیادی پاکیزہ تعلیمات کو خلوص کے ساتھ اپنانے والے کون لوگ ہوں گے؟ کہاں سے آئیں گے؟ کیا اسی طرح پوری انسانیت تباہ ہوتی رہے گی، اور ہم تماشا دیکھتے رہیں گے؟ کیا اس صورت میں ہم اپنے آپ کو اس کلی تباہی سے بچا سکیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے اور ایسے تباہ ہوں گے کہ نہ تو ہمارے حال پر کوئی ترس کھائے گا اور نہ کوئی آنکھ روئے گی، یہ انجام تو اس دنیا کا ہو گا۔ آخرت میں جب اللہ کے حضور پیشی ہو گی تو ہم وہاں مجرم ہوں گے، ہمارا دل مجرم ہو گا۔ جس طرح ہمیں اللہ کے بندوں پر رحم نہیں آیا ہے، اللہ بھی ہم پر رحم نہیں فرمائے گا۔ ہمارے حق میں دردناک عذاب کا فیصلہ ہو گا، ہم دہکتی ہوئی آگ کے حوالے ہوں گے اور اس سے نکلنا نصیب نہ ہو گا۔

آیئے ہم اپنے فرض کو پہچانیں، اپنے آپ کو اور اپنے نونہالوں کو دنیا و آخرت کے بھیانک انجام سے بچانے کی فکر کریں، بھلائیوں کا نعرہ لگانے والے اور رنگین فلاح و بہبود کے وعدوں کے سبز باغ دکھانے والے تو بہت ہیں۔ لیکن اپنے خدا سے ڈرنے والے، انسانیت کے حقیقی خیر خواہ انہیں دنیا و آخرت کی کامل فلاح و بہبود سے ہم کنار دیکھنے کی آرزو رکھنے والے، سچے دل سے ان کے دکھ درد میں ہاتھ بٹانے والے، ان کی خدمت اور بھلائی کے کاموں میں مل جل کر لپٹ جانے والے، اس مشترک اور عالمی سچائی کا پیکر اور نمونہ بننے والے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انسانیت اس وقت اس بات کی محتاج ہے کہ تمام خیر پسند بھائی اس فرض کی ادائے گی کے لئے کھڑے ہو جائیں، اور مل جل کر اس ذمہ داری کو ادا کریں۔ درج ذیل کام ہماری اوّلین توجہ کے طالب ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے غربت و افلاس اور عام پسماندگی کو لیجئے۔ باشندگانِ ملک کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ان آفات و مصائب کو دور کرنے کے کام سے کوئی عملی دلچسپی نہیں رکھتی۔ ان کے نزدیک یہ کام حکومت کا ہے اور یہ بات کسی حد

تک ہے بھی درست ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس ضمن میں ہم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں

ہر معاملہ میں حکومت پر ہی بھروسہ کرنا تنہا ہمارے ہی ملک کی ہی خصوصیت نہیں ہے ایشیا اور افریقہ کے تمام نو آزاد اور ترقی پذیر ممالک کے باشندوں کا یہی حال ہے چونکہ دور غلامی میں یہ ممالک استحصال کا شکار اور نہایت پسماندہ تھے آزادی کے بعد ان کے وسائل و ذرائع بھی بڑھے اور ترقی یافتہ ممالک سے امداد اور قرض لے کر اپنی پسماندگی دور کرنے کے انہیں مواقع ملے۔ فلاحی ریاست کے تصور سے عوام کو حکومت سے زیادہ توقعات ہوگئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں مغربی ملکوں کے مقابلہ میں رضاکار، رفاہی تنظیمیں بہت کم ہیں سب کچھ حکومتوں ہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کوئی حکومت خواہ کتنی ہی فرض شناس اور نیک نیت ہو، اس کے وسائل و ذرائع اور افرادی قوت بہت ہو پھر بھی وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے عملہ اور پبلک کے بھرپور تعاون کی بہرحال محتاج ہوتی ہے اگر باشندگان ملک ان مسائل میں دلچسپی نہ لیں اور رائے عامہ کا دباؤ نہ ہو تو نہ حکومت کی مشینری چوکس رہ سکتی ہے اور نہ فلاحی ریاست کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں، بلکہ عام لوگ تو محروم رہ جائیں گے اور چند خوش حال اور حکام رس لوگ ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی خوش حالی میں مزید اضافہ کرلیں گے۔

یہ راز کس سے پوشیدہ ہے کہ کمیونٹی ڈولپمنٹ سوشل ویلفیئر اور پسماندہ طبقات کو اونچا اٹھانے کے لئے قومی سرمایہ سے ہر پانچ سالہ منصوبے میں اربوں روپے رکھے جاتے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کی متعدد رفاہی و فلاحی ایجنسیاں اس سلسلے میں طرح طرح سے امداد کرتی ہیں۔ لیکن یہ سارا کام بھی سرکاری و نیم سرکاری مشینری کے ذریعہ ہی انجام دیا جاتا ہے۔ مگر ہماری ان مسائل سے عدم دلچسپی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کاموں میں کوئی برکت نظر نہیں آتی، غیر مستحق لوگ ناجائز فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور اپنے بہتر سرمایہ اور وسائل و ذرائع سے بھی غریبی، پسماندگی دور کرنے اور عوام خصوصاً دیہاتوں کو بڑی اکثریت کی مصیبتیں دور کرنے میں وہ مدد نہیں ملتی جو ملنی چاہیئے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ قومی مصیبتوں اور قحط و قلت کے مواقع پر بھی مدد، خدمت اور ہمدردی کا جذبہ ابھرنے کے بجائے کچھ افراد اور گروہوں میں اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی تحریک بڑھتی ہے وہ اپنی حرکتوں سے اس مصیبت میں اضافہ کا موجب بنتے ہیں حالانکہ یہ مواقع اپنے ذاتی اور گروہی مفادات سے بلند ہوکر مصیبت زدہ بھائیوں کو راحت پہنچانے کے لئے کچھ کر گزرنے کا ہر فرد اور گروہ سے تقاضہ کرتے ہیں۔

ہمیں مل جل کر ملک میں ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آئیں اور ناگہانی اور قومی مصیبتوں کا مل جل کر مقابلہ کریں۔

۲۔ دوسرا اہم کام ملک میں تشدد کی بڑھتی ہوئی لہر اور لاقانونیت کے روکنے کا ہے اجتماعی زندگی میں لوگوں کو ایک دوسرے سے شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ ہر شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے یا اپنا جائز و ناجائز فائدہ منوانے کے لئے تشدد پر اتر آئے، یہ نہایت خطرناک رجحان ہے۔ اس سے ظلم و تشدد اور توڑ پھوڑ، جانی و مالی نقصان کے علاوہ ملک کی تعمیر و ترقی کے کاموں

کو شدید نقصان پہنچاتا ہے ہم کو مل جل کر اس فضا کو بدلنے اور باہمی خیرسگالی اور مفاہمت کے جذبات اُبھارنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ ہر فرض شناس کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کے لئے آمادہ کرنا چاہیئے ہر جگہ خیر پسندوں کا ایک گروہ تیار کرنا چاہیئے جو تشدد اور لاقانونیت کی روک تھام کے سلسلے میں بروقت فکر کرسکے اور ان اسباب کے ازالے کی پیشگی فکر کرے، تاکہ اس کی نوبت نہ آنے پائے، نئی نسل میں یہ رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے ہمیں انکی قوتوں کو تخریب کے بجائے تعمیر کی طرف لگانا چاہیئے

ایک نہایت زریں اصول جو اجتماعیت کی جان ہے اور جس کی دنیا کے تمام مذاہب نے نہایت پُر زور الفاظ میں تعلیم دی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کی فکر کرنی چاہیئے، دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، ساتھ ہی یہ احساس بھی زیادہ سے زیادہ بیدار رکھنا چاہیئے کہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" ہمیں بہرحال اپنے کرتوتوں کا نتیجہ بھگتنا ہی پڑے گا، تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں بھی بُرے کرتوتوں کا بدلہ اچھا نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں جو نتائج رُونما ہوں گے وہ اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

۳۔ تیسرا اہم کام۔ نئی نسل میں بڑھتی ہوئی انار کی اور اباحیت پر روک لگانے اور ان کا رُخ تعمیر کی طرف موڑنے کا ہے ہمارا ملک اپنے محل وقوع، اپنے وسائل و ذرائع اور اپنی افرادی قوت کے لحاظ سے دنیا کے چند بڑے ملکوں میں سے ایک ہے، ہمارے بزرگوں کی انتھک کوششوں اور ایثار و قربانی سے ملک کی باگ ڈور باشندگانِ ملک کے ہاتھ میں آئی ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی اور باشندگانِ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے مل جل کر کوشش کریں اور افراد اور جماعتیں انفرادی و اجتماعی طور پر اس کی خدمت اور اسے مثالی بنانے کے لئے جد و جہد میں اپنا حصہ ادا کریں ہمارے ملک کا مستقبل ہماری نئی نسل کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے یہی نوجوان اس ملک کے معمار اور کرتا دھرتا بننے والے ہیں۔ ان سے بجا طور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی قابلیت، فنی صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ کر کے ملک کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیں، مگر اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان کی بڑی تعداد میں ایسے رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں، جو نہایت درجہ تشویشناک ہیں۔ ان کو نہ خدا کا خوف ہے نہ قانون کا ڈر نہ ملک اور باشندگانِ ملک کا درد ہے، نہ ان کی خدمت کا شوق، نہ دین و ایمان کا پاس و لحاظ ہے اور نہ والدین کی پسند و ناپسند کا خیال۔ وہ کسی اصول و ضابطے کی پابندی گوارا کرنے کے لئے تیار نظر نہیں آتے، ان حرکات و سکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی کی کوئی پروا نہیں جو جی چاہے گا کریں گے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لاڈلوں سے باشندگانِ ملک کی آنکھیں ٹھنڈی ہونے کے بجائے انہیں دکھ پہنچتا ہے یہ ملک کی کیا خدمت کرسکیں گے، خود اپنی صحت و اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں اور اپنے حرکات و سکنات سے امن و سکون کو درہم برہم کرنے کے ساتھ تعمیری کوششوں کو بھی شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس خطرناک رجحان کو بدلنے اور ہمدردی و دل سوزی سے ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو تعمیر کی طرف لگانے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیئے،۔۔۔۔۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کی فکر کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے عزیز و اقارب اپنے دوست احباب اور اپنے پڑوسیوں کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھ کر ان کے سدھارنے اور محبت و پیار سے انہیں سیدھی راہ لگانے کی کوشش

کرنی چاہئے۔ اس طرح نئی نسلوں کے کام میں ایک
دوسرے کے ساتھ جو تعاون بھی ممکن ہو کرنا چاہئے۔

۴۔ چوتھا اہم ترین کام۔ بھلائیوں کو عام کرنے
رواج دینے اور غالب کرنے کا اور برائیوں کو دور
کرنے اور مٹانے کا ہے دنیا میں کون ہے جو اپنے
لئے برائی کو پسند اور بھلائی کو ناپسند کرتا ہو؟
یا وہ کون سا دین و مذہب ہے جو برائی کی تعلیم دیتا
اور بھلائی سے روکتا اور منع کرتا ہو؟ یا وہ کونسی
انجمن، جماعت اور پارٹی ہے جو برائی کو فروغ
دینے اور بھلائی کو مٹانے کے نام سے وجود میں آئی
ہو؟ آپ کا ایک ہی جواب ہوگا کہ نہیں، کبھی ایسا
نہیں دیکھا گیا، پھر ایسا کیوں ہے کہ آج ہمارا معاشرہ
برائیوں کو اختیار کرنے میں بے حد جری ہو گیا ہے
کیا اس کی فطرت بدل گئی ہے یا وہ اپنی جان کا دشمن
بن گیا ہے؟ ایک صاحب کہنے لگے کہ چمڑے کے
پرانے جوتے جمع کیے جاتے ہیں، انہیں پکایا جاتا ہے
ان کا برادہ بنایا جاتا ہے، پھر انہیں چائے کے رنگ
میں رنگ کر چائے میں ملا دیا جاتا ہے پھر وہی ڈبوں
کے اندر بھر کر بازار میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہی برادہ
چائے کے نام پر ہم اور آپ پیتے ہیں۔ یہ ایک ادنیٰ
مثال ہے۔ یہی حال تقریباً تمام ہی استعمال کرنے اور
برتنے کی چیزوں میں ہو رہا ہے ملاوٹ، گرانی، قتل
وغارت گری، بے حیائی و بدکاری، جوا، شراب
نوشی، وسود خوری، رشوت ستانی، غرض ہر
بڑی برائی کا سیلاب ہے جو پورے معاشرے کو
اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

خدا کو بھول جانے اور شیطان کی پیروی
اختیار کر لینے کا انجام ہمیشہ یہی ہوا ہے اور آج بھی
ہو رہا ہے، شیطان ہمارا دشمن ہے وہ ہمیں برائی
سکھاتا ہے اور برائی کی راہ پر ڈالتا ہے، ہماری
دنیا بھی تباہ کر دینا چاہتا ہے اور آخرت بھی، وہ
وہ ہمارے ہاتھوں کے کرتوتوں سے دنیا کو بدامنی اور
فساد سے بھرا دیکھنا چاہتا ہے تاکہ ہم دنیا میں بھی اس
کے کڑوے کسیلے پھل چکھیں اور جب اپنے خدا کے
حضور جائیں تو وہاں باغی اور مجرم قرار پائیں، اپنے
جرائم کے حقیقی انجام سے دوچار ہوں۔ وہ انجام انتہائی
المناک اور بھیانک ہوگا، دہکتی آگ ہوگی جو چاروں
طرف سے چھائی ہوگی، اس سے نکلنے کا موقع نہ
ہوگا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور اس
میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ بھلائی کا انجام
اچھا اور برائی کا انجام برا ہوتا ہے، ہم بھلائیوں کے
اختیار کرنے اور برائیوں کے چھوڑ دینے کا تہیہ کرلیں
اور پھر مل جل کر بھلائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں
کے مٹا دینے کی منظم کوشش کریں، خدا نے اپنے
بندوں کو پیدا کیا ہے اُسے ان سے محبت ہے، وہ
ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا، جیسا ہم اس
کے بندوں کے ساتھ کریں گے۔ ہم ان سے محبت
کریں گے، رحم کریں گے تو وہ بھی رحم کرے گا۔ ان
کی ضرورت پر کام آئیں گے تو وہ بھی ہماری ضرورت
پر کام آئے گا۔ آج بندگانِ خدا کی سب سے بڑی
ضرورت یہ ہے کہ ہم انھیں شیطان کے پھندے سے
نکال کر انہیں ان کے خدا سے جوڑ دیں، وہ ہوش
میں آجائیں، ان کے اندر برائی بھلائی کا امتیاز پیدا ہو جائے
وہ بھلائی کو سینے سے لگائیں، برائی سے بھاگیں
جیسے کوئی آگ سے بھاگتا ہے، شیطان کی راہ پر ڈالنے
والے بہت ہیں۔ منظم ہیں، پورے سماج پر چھائے
ہوئے ہیں، خدا کی راہ پر لگانے والے ٹھیک ٹھیک
جائزہ لیں، صحیح صورتِ حال سے لوگوں کو آگاہ
کریں، آج انسانی دل و دماغ پر شیطان نے
قابو پا لیا ہے انھیں کھلی تباہی کی راہ لگا دیا ہے وہ
پوری تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے چلے جا رہے

ہیں۔ ہر آنے والا دن نئی نئی برائیوں کو جنم دیتا ہے بہت
جلد وہ وقت آنے والا ہے جب لوگ عام طور پر برائی
کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھیں گے، انسانی فطرت
مسخ ہو جائے گی۔ اور بھلائی سے ویسی نفرت پیدا ہو
جائے گی۔ جیسی برائی سے ہونی چاہئے۔ پھر لوگ
عام طور پر بھلائی کے نام پر برائی کریں گے، بھلائی
کو برائی سمجھ کر چھوڑ دیں گے۔ اور اس طرح انسان
ایک دن اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لے گا۔

مسلمانوں پر بحیثیت ملت یہ فرض عائد ہوتا
ہے کہ وہ نوع انسان کو برائیوں کے یلغار سے بچائیں
شیطان کے چنگل سے انہیں بچائیں، برائی کی آگ پورے
ملک اور اس کی ایک ایک آبادی کو اپنی لپیٹ میں
لے چکی ہے۔ انسانی معاشرے کا ہر حصہ دھڑا دھڑ جل
رہا ہے ایسے مواقع پر آپ اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات
کو بھلا دیں، ملک ملک کے گوشے گوشے سے اپنے خیر
پسند بھائیوں کو ڈھونڈیں۔ تلاش کریں۔ انہیں اس
آگ کے ٹھنڈا کرنے پر آمادہ کریں، متحد اور منظم
ہو جائیں، پوری قوت کے ساتھ اس محاذ پر ڈٹ
جائیں، خیر کی ساری بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کر کے
ترتیب دیں اور اس کا بہ خیر کی انجام دہی میں لگا
دیں، یہ کام اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ تنہا کوئی
ایک جماعت محض اپنے وسائل و ذرائع سے کام
لے کر انجام نہیں دے سکتی۔ ضرورت ہے ہر جماعت
اور تنظیم، ہر طبقہ اور فرقہ، عوام و خواص سے تعلق
رکھنے والے خیر پسند بھائی اس کام کے لئے ایک
ہو جائیں، باہمی اشتراک و تعاون سے کام لیتے ہوئے
ایک عظیم اجتماعی قوت بنیں اور کام کو کما حقہ انجام
دیں، اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے لئے
بے حد ضروری ہے کہ ہمارے دلوں میں خدا کا ڈر
ہو، محبت ہو، اسے راضی کرنے اور خوش کرنے
کی تڑپ ہو، آخرت میں اپنے خدا کے حضور جو
ابدہی کا احساس ہو۔ اس کے بغیر مال کی ہوس
اور شیطان کے بہلاوے سے نجات پانا مشکل ہے،

آج اس گئے گزرے دور میں بھی ہمارے ملک
اور معاشرے میں خیر پسند بھائیوں کی کمی نہیں ہے
آپ شہروں کی سر بفلک عمارات سے لے کر دیہات
کی ایک خستہ جھونپڑی تک، ہر گھر میں جھانک کر
دیکھیں۔ آپ کو ایک بہت بڑی تعداد ملے گی جو
نیکی اور بناؤ کو دل سے پسند کرتی ہے، برائی اور
بگاڑ سے اسے شدید نفرت ہے یہی انسان کی فطرت
ہے۔ ابھی ان کی فطرت بدلی نہیں ہے لیکن یہ سب
کے سب منتشر ہیں، بکھرے ہوتے ہیں، برائی اور
بگاڑ کے بڑے ہمہ گیر اور بھیانک طوفان کو دیکھ
کر مبہوت ہو گئے ہیں۔ ڈرے، سہمے اور مبہوت
کھڑے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں، اس
طوفان سے اپنا بچاؤ کیسے کریں؟ مادی تعمیر و ترقی
معیار زندگی کی بلندی، دولت بڑھانے اقتدار
پر قبضہ پانے ملکی وسائل کو ہاتھ میں لینے اور حسب
منشا استعمال کرنے کی آوازیں ہر طرف سے اٹھ
رہی ہیں، ان کے لیے تنظیمیں بنتی ہیں، پارٹیاں وجود
میں آتی ہیں، زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے
اور لذت دنیا سے لطف اندوز ہونے کی ایک
ہوا چل رہی ہے، ہر فرد ایک دوسرے سے آگے
بڑھ جانے کی فکر میں ہے، اس لیے ڈھینگا مشتی
اکھاڑ پچھاڑ، اور ایک دوسرے کو گرانے اکھاڑنے
کے ہنگامے برپا ہے لیکن نیک نیتی کے ساتھ محض
نیکی اور بناؤ کو پروان چڑھانے اور برائی اور
بگاڑ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے وسیع پیمانے
پر کوئی منظم کوشش نہیں ہو رہی ہے اس صورت
حال کو دیکھ دیکھ کر خیر پسندوں کی روح لرزتی
ہے اور وہ دن بدن مستقبل سے مایوس ہوتے
چلے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر اگر آپ آگے بڑھیں

سکوت توڑیں، نیکی اور بناؤ سے محبت رکھنے والوں کو آوازیں دیں۔ انہیں اطمینان دلائیں کہ ہم خدا کے واسطے اس نیکی اور بناؤ کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو آپ کے دل کی آواز ہے اور جس سے آپ کو قلبی لگاؤ ہے اس برائی اور بگاڑ کو مٹانا چاہتے ہیں جس سے آپ کی فطرت انکار کرتی ہے اور جس سے آپ کو شدید نفرت ہے اس کے سوا اور ہماری کوئی غرض نہیں ہے کہ ہم سے ہمارا خدا راضی اور خوش ہو، ہمیں اور تمام ہی بندگانِ خدا کو دنیا میں بھی امن چین اور انصاف نصیب ہو اور اپنے خدا کے حضور بھی ہم خیر پسند اور نیکو کار بن کر پیش ہوں وہ ہمیں اپنے لازوال انعامات سے نوازے اس کی پکڑ اور دردناک سزا سے ہم بچ جائیں، اس مقصد کے حصول کے لئے ہمارا ایک عزم، ایک مقصد اور ایک کام ہو، اس کے لئے ہم پورے ملک میں.. ایک تحریک چلائیں، مہم لے کر اٹھیں، انجمنیں جماعتیں اور پارٹیاں بنائیں، ہر خیر پسند کو اپنے ساتھ لیں، ہر جگہ ایک اجتماعی طاقت بن کر کھڑے ہو جائیں، برائی اور بگاڑ کا ڈٹ کر مقابلہ کریں نیکیوں اور بھلائیوں کا ایک سیلاب ہو، جو برائیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے، آپ خیر پسندوں کے اندر امنگ اور حوصلہ پیدا کریں، ان کے خوف و ہراس کو دور کریں، ان کی مایوسیوں کو امید سے بدل دیں، انہیں محسوس ہونے لگے کہ خدا کے حق پرست نیکوکار بندوں نے جھرجھری لی ہے بیدار ہوئے ہیں اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے گلے مل رہے ہیں، سینے سے لگا رہے ہیں، دلوں کے میل کچیل دھل رہے ہیں۔ باہمی شکوہ و شکایت کا دور ختم ہو رہا ہے، یہ ایک خدا کے بندے، ایک ماں باپ کی اولاد تھے، بچھڑ گئے تھے، پھر ایک ہو رہے ہیں۔ یہ حق پرستی اور نیکی کے علمبردار ہوں گے، منظم ہوں گے، حرکت میں آئیں گے، ایک دوسرے کو سہارا دیں گے ڈھارس بندھائیں گے۔ آگے بڑھیں گے، ملک، معاشرہ اور ایک ایک گھر کو نیکیوں سے بھر دیں گے، حق اور نیکی کا سورج پوری آب و تاب سے روشن ہوگا۔ باطل، جھوٹ اور برائی کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ جائیں گی، ہوا میں تحلیل ہو کے رہیں گی۔ آپ کی آواز میں زور ہو آپ کی پشت پر عظیم اجتماعی طاقت ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ ملک کے گوشے گوشے سے خیر پسند فوج در فوج کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ آپ کو ملک کے جنگل و بیابان سے بھی اپنی تائید ملے گی۔ حق اور نیکی میں بے پناہ طاقت اور کشش ہے ایک مرتبہ آپ اسے بے نقاب کر کے میدان میں لے آئیں، پھر دیکھیں کہ جھوٹ، برائی، اور بگاڑ کس طرح میدان چھوڑتے ہیں،

یہ ہم وہ چند اہم کام جو اپنی انجام دہی کے لئے ہماری غیر معمولی توجہ چاہتے ہیں، جماعت اسلامی انہیں زیر عمل لانے کے لئے کوشاں ہے مگر اس طرح کے ملک گیر کام تنہا کسی ایک گروہ کی محدود کوششوں سے انجام نہیں پا سکتے بلکہ ملک کے جملہ بہی خواہ اور خیر پسند حضرات کی اجتماعی کوششوں سے کچھ ہو سکے گا، تنہا کوئی جماعت یا گروہ انہیں کامیابی کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکتا۔

به سلسلۂ قادیانیت

اِفہام و تفہیم

تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کی آیت " ماکان محمدؐ ا..... وخاتم النبین " کی تشریح میں جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے ایک ضمیمہ شامل کیا تھا جو قادیانی حضرات کے اس دعوے کی تردید کرتا تھا کہ "میں آنحضرتؐ کے بعد نبوت کو جاری و ساری بتایا گیا ہے، یہ ضمیمہ بعد میں ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا، اس رسالہ کی تردید کیلئے قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے ایک رسالہ موسومہ به "علمی تبصرہ" شائع کرایا جس میں قاضی صاحب نے اقوالِ بزرگانِ دین، احادیث رسول صلعم اور متعدد آیاتِ قرآنی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ حضرت محمدؐ کے بعد نبوت بند نہیں بلکہ جاری و ساری ہے اسی سلسلہ میں چونکہ مجھے قاضی صاحب سے شدید اختلاف ہے خاص طور پر قرآنِ کریم کی آیت خاتم النبین کی تشریح سے، اس لئے میں نے مقامی قادیانی حضرات سے اس پر گفتگو کی۔ انھوں نے مجھے مولوی محمد ایوب صاحب سابق مبلغ... مالیر کوٹلہ حال مظفر نگر سے ملایا، ایوب صاحب نے فرمائش کی کہ میں قاضی محمد نذیر صاحب کی مذکورہ بالا تشریح پر اپنے اشکال تحریر کردوں تاکہ وہ بذریعہ ڈاک ان کے حل ارسال کرسکیں، ایوب صاحب کا جواب آنے پر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ موصوف نے میرے اعتراضات کا جواب نہ دے کر قطعی غیر متعلق بحث چھیڑ دی ہے، میں نے قادیانی حضرات سے شکایت کی تو انھوں نے شبیر صاحب سکریٹری نشر و اشاعت جماعت احمدیہ میرٹھ سے ملنے کا مشورہ دیا، شبیر صاحب کو جب تمام امور سے آگاہ کیا گیا تو کچھ بحث و تمحیص کے بعد انھوں نے مشورہ دیا کہ میں جناب شریف احمد صاحب امینی انچارج احمدیہ مشن بمبئی سے رجوع کردوں،

چنانچہ میں نے بذریعہ ڈاک امینی صاحب کو لکھا کہ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے قرآن کریم کی آیت خاتم النبین کی تفسیر اور تشریح

کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے مجھے اس میں یہ اور یہ اشکال درپیش ہیں، مہربانی فرما کر ان کو حل فرمائیں ذیل میں ان اشکال کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے... تفصیلات بخوفِ طوالت نقل نہیں کی جارہی ہیں۔

اشکال ۱: قاضی صاحب نے اپنے رسالہ "عملی تبصرہ" میں سورہ احزاب کی آیت "ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم وخاتم النبیین" کی تشریح میں فرمایا ہے کہ حضرت زینبؓ سے آنحضرت کے نکاح پر جب کفار نے اعتراض کیا کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لیا ہے تو صفائی میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا پہلا فقرہ "ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم" نازل فرمایا یعنی یہ بتایا کہ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کا بھی باپ نہیں ہے۔ اس فقرہ سے یہ الزام تو ختم ہو گیا کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لیا ہے لیکن ایک دوسرا یہ عیب آپؐ کی ذات میں ثابت ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا کہ جب محمد کے کوئی بیٹا نہیں ہے تو وہ معاذ اللہ ابتر اور لاوارث ہے چنانچہ اسی شبہ کے ازالہ کے لئے اس آیت کا اگلا فقرہ "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" نازل فرما کر یہ بتایا کہ اگرچہ محمد کی صلب سے کوئی بیٹا نہیں ہے مگر یہ مت خیال کرو کہ وہ لاوارث اور ابتر ہے وہ اللہ کا رسول ہے اس لئے اپنی امت کا روحانی باپ ہے اور اس سے بھی آگے وہ خاتم النبیین ہے اس طرح وہ آئندہ پیدا ہونے والے انبیاء کا بھی روحانی باپ ہے پھر قاضی صاحب نے کافی زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا ہے کہ خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ ہی ہوتا ہے۔

مجھے قاضی صاحب کے اس خیال پر یہ اشکال درپیش ہے کہ اگر ان کی بات کو درست مانا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

بیٹا نہ ہونا یا پیدا ہو کر کم سنی میں مرجانا کوئی عیب نہ تھا، کہ خدا کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہوتی۔ بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا الزام تو ایک گھناؤنا الزام ہے جس کی صفائی ضروری تھی۔ لیکن بیٹا نہ ہونے کا الزام یا عیب تو ایک بے وزن اور بے ہودہ بات ہے خدا تعالیٰ نے تعالیٰ نے اس کو اہمیت دینے کی غلطی کیوں کی؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بقول قاضی صاحب حضرت محمدؐ کی ذات میں جو عیب ثابت ہوتا تھا وہ نطفہ سے بیٹا نہ ہونے کا عیب تھا، یہ عیب روحانی بیٹوں یا دوسرے لفظوں میں شاگرد و متبعین نہ ہونے کا نہیں تھا، ایسی صورت میں روحانی بیٹے یا شاگرد ثابت کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے روحانی بیٹے یا شاگرد ثابت کر کے خفت مٹانے کی ناکام کوشش کی تھی؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا خاتم النبیین کے لفظ سے کوئی معترض اور مخالف یہ سمجھ سکا ہوگا کہ محمدؐ کو خاتم النبیین کہہ کر ان کو آئندہ پیدا ہونے والے انبیاء کا روحانی باپ قرار دیا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہرگز نہ سمجھ سکا ہوگا، کیوں کہ خاتم خواہ کسی معنے میں بولا اور لکھا جاتا رہا ہو "روحانی باپ" کے معنی میں ہرگز ہرگز استعمال نہیں ہوا۔ اور جب استعمال نہیں ہوا تو کوئی بھی نہ سمجھ سکا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو خاتم النبیین کہہ کر آئندہ پیدا ہونے والے انبیاء کا روحانی باپ ثابت کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ پر غلط زبان استعمال کرنے اور اپنے مقصد

میں ناکام ہو جانے کے عیوب ثابت ہوتے ہیں۔ امینی صاحب نے میرے اس عریضہ کے جواب کو مع اس کے ضروری حصے کے بدر قادیان مورخہ ۵ر اگست ۶۷ء میں شائع کرادیا، میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مولوی ایوب صاحب ساکن سردٹ گیٹ مظفر نگر کی طرح امینی صاحب نے بھی اصل سوالات سے تقریباً صرف نظر ہی کیا ہے اگرچہ عنوانات اس طرح .... قائم کئے ہیں کہ دیکھنے میں یہ معلوم ہو کہ ہر اشکال کو الگ الگ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بدر مورخہ ۵ر اگست ۶۷ء کے اس مضمون کو پورا نقل کرنے سے یہ مضمون بہت طویل ہو جائے گا، اس لئے میں اپنے اس خط کو نقل کر رہا ہوں جو ۵ر اگست کے جواب کو پڑھ کر اس نے امینی صاحب کو لکھا تھا، میرا یہ آخری خط درج ذیل ہے۔

"اخبار بدر مورخہ ۵ر اگست ۶۷ء میں اپنے میرے اعتراضات کے جو جوابات شائع کرائے ہیں پہلے میں نے ان کو جز جز کر کے پڑھا پھر کئی بار تمام مضمون پر یکجائی نظر ڈالی افسوس کہ میرا احساس یہ ہے کہ:-

(۱) آپ بار بار اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ آیت خاتم النبین اس تشریح کو جو آپ آپ صاحبان کرتے ہیں، میں نے درست فرض کر لیا ہے، پھر وہ سوالات یا اشکال پیش کئے ہیں۔ جو آپ نے ہفت روزہ بدر قادیان میں نقل فرمائے ہیں۔

(۲) یہی وجہ ہے کہ آپ نے بار بار وہ دلائل یا بنیادیں فراہم کی ہیں، جن کی بنا پر لفظ **خاتم النبین کے معنی انبیاء کا روحانی باپ** کئے جا سکتے ہیں حالانکہ تقریباً یہ تمام یہ دلائل قاضی صاحب لائلپوری پیش کر ہی چکے ہیں۔

میرے پہلے عریضہ کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر آیت خاتم النبین کی وہ تشریح درست ہے جیسے قاضی صاحب نے پیش کیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ:-

(۱) نطفہ سے بیٹا نہ ہونے سے کیا کسی کی شخصیت ناقص اور کردار داغدار ہو جاتا ہے؟ عقل کہتی ہے کہ ہرگز نہیں، اب اگر کوئی بازاری لفنگا بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت محمدؐ کی پھبتی اڑاتا تھا تو کیا وہ منہ لگانے کے قابل تھا؟ خدا تعالیٰ نے اسے منہ لگانے کی غلطی کیوں کی؟

(۲) اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ بیٹا نہ ہونا واقعی عیب ہی ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ محمد متعدد انبیاء کا روحانی باپ ہے تب یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ عیب **روحانی بیٹا نہ ہونا نہیں تھا۔ بلکہ جسمانی بیٹا نہ ہوتا تھا۔** اس صورت میں روحانی بیٹے یعنی شاگرد ثابت کرنے سے کیا فائدہ؟ **جسمانی بیٹے** نہ ہونے کا عیب تو پھر بھی باقی رہ گیا۔

(۳) اگر یہ بات درست ہے کہ حضرت محمدؐ کو خاتم النبین قرار دینے سے خدا تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ کفار سمجھ لیں کہ محمدؐ بہت سے انبیاء کا روحانی باپ ہے اس طرح بیٹا (sons) نہ ہونے کا عیب اس کی ذات میں نہیں ہے تو اس کو (خدا کو) خاتم النبین کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ [کیونکہ یہ لفظ خاتم + النبین سے مل کر بنا ہے جس کا ترجمہ ہوا انبیاء کا خاتم] اگر خاتم کبھی عربی زبان میں **روحانی باپ** کے لئے بولا اور لکھا گیا ہوتا تو اس آیت کے پڑھنے اور

سننے والے سمجھ سکتے تھے کہ خاتم النبیین کہہ کر محمدؐ کو انبیاء کا روحانی باپ بتایا جارہا ہے مگر جب یہ لفظ کبھی اس معنیٰ میں لکھا اور بولا ہی نہیں گیا تو کوئی بھی نہ سمجھ سکا ہوگا۔ اس طرح خدا تعالےٰ پر غلط زبان استعمال کرنے اور اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے عیوب ثابت ہوتے ہیں۔

ان تین نہایت واضح اشکال کو حل کرنے کی بجائے جناب نے پھر سے وہ ہی دلائل پیش فرما دیئے، جن کو قاضی محمد نذیر صاحب پیش فرما چکے تھے،

"اشکال اوّل کا حل" کے عنوان سے بدر میں آپ نے جو کچھ تحریر* فرمایا ہے وہ ان بنیادی نکات پر مشتمل ہے:-

(۱) مکہ میں حضرت قاسم کی وفات پر کفار نے آنحضرتؐ کو ابتر کہا۔

(۲) خدا تعالےٰ نے ابتر کے طعنہ کو اہمیت دی۔

(۳) اس طعنہ کی تردید میں خدا تعالےٰ سورۃ کوثر نازل فرمائی۔

(۴) سورۃ کوثر میں خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ ہم تجھے کثیر روحانی اولاد عطا کریں گے۔

(۵) اس کے بعد مدینہ میں خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ رسم لے پالک ناجائز ہے یعنی لے پالک آئندہ بیٹا نہیں سمجھا جائے گا۔

(۶) اس حکم سے حضرت زیدؓ حضرت محمدؐ کے بیٹے نہ رہے۔ اور چونکہ حضرت محمدؐ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی تو کفار نے اپنے سابقہ طعن کو دہرایا کہ (معاذ اللہ) اب تو محمدؐ پکا ابتر ہو گیا ہے،

مندرجہ بالا مقدمات یا بنیادیں فراہم کرکے آپ فرماتے ہیں کہ اس طعنہ کے جواب میں خدا تعالےٰ نے آیت خاتم النبیین نازل فرما کر یہ بتایا کہ اگرچہ محمدؐ کے نطفہ سے کوئی بیٹا نہیں ہے تاہم چونکہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اپنی اُمت کا روحانی باپ ہے، اور اس سے آگے وہ خاتم النبیین ہے، اس طرح وہ انبیاء تک کا روحانی باپ ہے،

ان سات نکات پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے روحانی باپ والی تفسیر کی وکالت تو کی ہے اس پر میرے اشکال یا اعتراض اول کا جواب نہیں دیا ہے۔ امینی صاحب! اگر میرا اعتراض یہ ہوتا کہ آپ صاحبان کن وجوہ سے لفظ خاتم النبیین کی تفسیر انبیاء کا روحانی باپ کرتے ہیں، تو آپ کی یہ ساری کوشش غیر متعلق نہ ہوتی۔ لیکن جب میرا یہ اعتراض ہے ہی نہیں، بلکہ میں تو آپ صاحبان کی یہ تفسیر درست فرض کرتے ہوئے یہ اعتراض کرتا ہوں کہ نطفہ سے بیٹا نہ ہونا کوئی عیب کی بات ہے ہی نہیں اگر کوئی بازاری لفنگا ابتر کی پھبتی اڑاتا ہے تو وہ منہ لگانے کے قابل نہیں ہے خدا تعالےٰ نے یہ حماقت کیوں کی کہ ایک بے ہودہ بازاری پھبتی کی صفائی پر اتر آیا۔ (معاذ اللہ)

تو امینی صاحب کیا آپ کی یہ ساری بحث غیر متعلق نہیں ہے؟

اس کے بعد میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے فراہم کردہ نکات پر [جو قاضی محمد نذیر صاحب کے دلائل کی تکرار رہی ہے] مختصرا تبصرہ بھی پیش کر دوں۔ [اگرچہ اس کی زیادہ اہمیت اس موقعہ پر نہیں ہے،]

آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک غیر مسلم قاضی صاحب کے اخذ کردہ نتائج پر اعتراض کر رہا ہے از راہِ کرم از سر نو جواب عنایت فرمائیں

اس سلسلے میں جملہ اسلامی لٹریچر میرے خلاف اسی طرح حجت ہوگا، جس طرح کسی مسلمان کے خلاف حجت ہوتا ہے،

اب اپنے فرمودات پر میرا تبصرہ ملاحظہ کیجئے،

آپ کا بیان فرمودہ نکتہ ۲،۳ یہ ہے کہ ابتر کے طعن کو خدا تعالےٰ نے اہمیت دی اور سورہ کوثر نازل فرمائی۔

میں عرض کروں گا کہ یہ سراسر غلط بات ہے اتنی بات تو درست ہے کہ سورہ کوثر کے نزول سے قبل کفار نے حضرت محمدؐ کو ابتر کہا تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکلتا کہ یہ سورۃ ابتر کے طعنہ کی تردید کے لئے نازل ہوئی تھی آپ سوال کریں گے۔ کہ پھر کس لئے نازل ہوئی تھی، اس کا شانِ نزول کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ مکہ میں آنحضرتؐ پر ہر قسم کے ظلم کئے جا رہے تھے، طرح طرح سے انھیں جسمانی اور روحانی (نفسیاتی) تکالیف دی جا رہی تھیں۔ ان حالات میں جب آنحضرتؐ کے صاحبزادہ قاسم نے انتقال کیا۔ اور کفار نابہنجار نے ابتر کی پھبتی چسپت کی تو آپ پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپؐ کی دل شکستگی کا اندازہ ہر وہ شخص کرتا ہے جس کی نگاہ میں اس وقت کے تفصیلی حالات ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالےٰ نے سورۂ کوثر نازل فرمائی، جس میں آنحضرتؐ کی تسلی و تشفی کے لئے فرمایا کہ اے محمدؐ دل شکستہ نہ ہو ہمنے تجھے کوثر عطا کر دیا ہے پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔ تیرے یہ دشمن ہی گمنام رہیں گے یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ جب کفار نے ابتر کا طعنہ دیا تو خدا تعالےٰ نے بھی کسی بھٹیاری کی طرح پلٹ کر جواب میں ان کو ابتر کہہ دیا۔ (معاذ اللہ)

آپ کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورہ میں فرمایا کہ اے محمدؐ ہم تجھے کثیر روحانی اولاد عطا کریں گے۔ گویا آپ کے نزدیک کوثر کے معنی "کثیر روحانی اولاد" ہوتا ہے لیکن خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کوثر نام کا ایک حوض حشر میں میرے تحت و تصرف میں ہوگا۔ اور کہ اس نام کی ایک نہر جنت میں میرے کنٹرول میں دی جائے گی۔ اس مضمون کی دو چار نہیں دسیوں روایتیں بخاری، مسلم، مسند احمد وغیرہ کتبِ احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ امینی صاحب تو یہ بتائے کہ اگر کوثر کے معنیٰ کثیر روحانی اولاد کے ہو سکتے ہیں تو کثیر جسمانی اولاد کے کیوں نہیں ہو سکتے؟

آپ کا فرمودہ نکتہ ۵ یہ ہے کہ جب لے پالک ناجائز ہو گئے تو کفار نے اپنے سابقہ طعن کو پھر دہرایا، [کہ معاذ اللہ اب تو ابتریت مکمل ہو گئی۔]

امینی صاحب کیا آپ تاریخی ثبوت پیش کریں گے۔ کہ جب سورہ احزاب کی آیت "جن کو تم بیٹا کہہ کر پکارتے ہو خدا نے ان کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" نازل ہوئی اور اس طرح لے پالک ناجائز ہو گئے تو کفار نے اپنے سابقہ طعن کو دہرایا۔ بظاہر حالات کوئی احمق ہی ایسا کہہ سکتا ہے، ورنہ ایسا کہنے کا کوئی موقعہ نہ تھا کہ محمد اب پکا ابتر ہو گیا ہے اول اس وجہ سے کہ کوئی ذریعہ یہ معلوم کرنے کا نہیں تھا کہ آئندہ محمد کے بیٹا پیدا نہ ہوگا۔ دوسرے

اس وجہ سے کہ تمام عرب دیکھ رہا تھا کہ کس طرح محمدؐ اپنے دشمنوں کو شکست دے رہے ہیں اور ایمان لانے والوں کی تعداد اور جانثاری کا کیا حال ہے۔ بہرحال آپ کو اس کا کوئی تاریخی ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔

آپ کا فرمودہ نکتہ ۶ یہ ہے کہ اس مکمل ابتریت کے طعنہ کی زد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حالانکہ اسی مضمون میں آپ خود ہی تسلیم فرما چکے ہیں کہ یہ آیت حضرت زینب رضؓ سے نکاح کے اثرات کے ازالہ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ [بدر ۵ اگست ۱۹۷۶ء ص۶ کالم ۱ و ۲ اور ص۹ کالم ۱۴] لیکن اس مضمون کی ضرورت کے لئے یہ اختلاف بیانی زیادہ اہم نہیں ہے صحیح اور درست بات وہی ہے جو آپنے بدر کالم ۲-۱ ص۶ اور کالم ۱۴ ص۹ میں نے تسلیم فرمایا ہے اور جسے قاضی محمد صاحب نے بھی درست مانا ہے [علمی تبصرہ ص۵۳]

اشکال ۲ جواب کے عنوان سے آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا حصّہ وہ ہے جسے آپ نے پیراگراف اوّل میں تحریر کیا ہے دوسرا حصہ وہ ہے جس کی ابتداء آپ نے اس جملہ سے کی ہے "ہم تجمل حسین صاحب کے علم و اطلاع کے لئے.."

پہلے حصے میں آپ نے میرے اشکال ۲ سے متعلق گفتگو کی کوشش کی ہے. لیکن دوسرے میں نہیں کی ہے اس لئے دوسرے حصے پر میں کوئی خاص گفتگو نہیں کروں گا۔

پہلے حصے میں آپ نے فرمایا:-

(۱) کیوں کہ جسمانی بیٹا کافر اور بدقماش بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا۔

(۲) لیکن روحانی بیٹا کافر نہیں ہوسکتا اس طرح روحانی بیٹے ثابت ہونے سے جسمانی بیٹے نہ ہونے کا عیب دور ہوگیا۔

امینی صاحب آپ صاحبان کا کہنا یہی تو ہے کہ کفار جسمانی بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو ابتر کا طعنہ دیتے تھے. اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اگر محمدؐ کے نطفہ سے کوئی بیٹا ہوتا تو کفار کو لئے آپ کو ابتر کہنے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہ جاتا۔ اب غور کیجئے کہ روحانی بیٹا نہ ہونا تو طعنہ کی بنیاد نہیں تھا۔ پھر آخر روحانی بیٹے یعنی شاگردو متبعین کے اثبات کا کیا موقعہ تھا؟ جسمانی بیٹا نہ ہونے کے عیب کی تردید کے لئے کیا یہ جواب خاصے سنجیدہ لوگوں کو ہنسنے پر مجبور نہ کردے گا کہ "اگرچہ محمدؐ کے نطفہ سے کوئی بیٹا نہیں ہے لیکن اس کے روحانی بیٹے بکثرت ہیں۔ اس کے روحانی بیٹوں میں تو انبیاء تک ہوں گے" ظاہر ہے کہ.. کفار آنحضرت کو نبی اور رسول تسلیم نہیں کرتے تھے پھر وہ کیوں نہ اس قول پر ٹھٹھا لگائیں گے کہ محمد کے شاگردوں میں تو انبیاء بھی پیدا ہوں گے، وہ اس کو خفت مٹانے کی کوشش قرار دینے میں حق بجانب ہوں گے، درست اور صحیح بات وہی ہے کہ نطفہ سے بیٹا نہ ہونا کوئی عیب ہوتا ہی نہیں۔ اس سے کار نبوت و رسالت ہرگز ہرگز متاثر نہیں ہو سکتے تھے. خدا تعالےٰ کو ایسی بیہودہ باتوں میں نہ الجھنا چاہیئے تھا (معاذاللہ) اور اگر واقعی بیٹا نہ ہونا عیب اور خرابی ہی کی بات ہوتی ہے تو پھر سیدھی سی بات

یہ تھی کہ آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں
سے کسی کو بیٹے کا حمل دے کر اعلان کردیا
جاتا کہ یہ لڑکا ہوگا۔ پھر وہ لڑکا پیدا ہوکر
زندہ رہتا۔ پھولتا پھلتا اور صالح ہوتا۔
روحانی بیٹوں یعنی شاگردوں کا اثبات
تو ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت کا اثبات
تھا۔ جس کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا تھا۔
بلکہ اس کا تو ذکر تک نہیں تھا۔ (معاف
کیجئے اسے تو زبردستی بگڑی بات بنانے
کے لئے درمیان میں لایا گیا ہے)

رہا دوسرا حصہ۔ اس حصے میں آپ
نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے
کہ آنحضرت صلعم کے نزدیک خاتم النبیین کے
معنے یہ تھے کہ آپ کے بعد کوئی شارع
نبی نہیں آسکتا۔ وغیرہ ظاہر ہے کہ اس کا
میرے پیش کردہ اشکال نمبر ۲ سے کوئی
تعلق نہیں ہے کیوں کہ میرا کہنا یہ ہے کہ
متبعین کا ہونا کوئی خوبی ہوسکتا ہے بیٹا
نہ ہونے کے عیب کو دور نہیں کرسکتا۔

"اشکال نمبر ۳ کا جواب" کے عنوان
سے ابتدا میں آپ نے وہی غیر ضروری
بحث کی ہے کہ خاتم النبیین کے معنے
انبیاء کا روحانی باپ ہی ہوتا ہے، اس
غرض کے حصول کے لئے آپ نے ایک
بار پھر ایک قرآنی آیت کا معنوی حلیہ
بگاڑ دیا ہے۔

یعنی آیت "ومن یطع اللہ والرسول۔۔
۔۔۔۔۔تا حسن اولئک رفیقا" لیکن میں
فی الحال اس پر کچھ عرض نہیں کروں گا
کیوں کہ یہ ایک غیر متعلق بحث ہوگی البتہ
اس پر الگ سے بحث ہوسکتی ہے۔ آخیر
میں آپ نے اصل موضوع کی طرف رجوع
فرمایا ہے، اس حصے میں آپ کے فرمودات
کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر ابراہیم
زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی بن جاتا۔
اگر سنہ ۵ھ میں آیت خاتم النبیین کے
ذریعہ نبوت بند ہونے کا اعلان ہوگیا
ہوتا تو سنہ ۱۰ھ میں وفات حضرت ابراہیم
کے وقت آنحضرت صلعم یہ فرماتے کہ "اگر
ابراہیم زندہ رہتا تو بھی نبی نہیں بن سکتا
تھا، کیوں کہ ۵ سال قبل اللہ تعالیٰ نبوت
کی بندش کا اعلان کرچکا ہے"۔ پس۔۔
ثابت ہوا کہ لفظ خاتم النبیین کا مطلب آنحضرت
نے انبیاء کا روحانی باپ ہی سمجھا۔

(۲) حضرت محمد صلعم نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء
ہوں اور اے علی! تو خاتم الاولیاء اس
روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رض
نے خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی
باپ ہی سمجھا۔

(۳) حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ لوگو یہ
تو کہا کرو کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں لیکن یہ
مت کہا کرو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ
ہوگا۔

اس روایت سے ثابت ہوتا کہ
حضرت عائشہ رض نے بھی لفظ خاتم النبیین
کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ ہی سمجھا۔

(۴) جب حضرت علی رض، حضرت عائشہ رض
اور خود آنحضرت نے لفظ خاتم النبیین کا مطلب
انبیاء کا روحانی ہی سمجھا اور خوب صحیح اور
برحق سمجھا تو ہم یہی کہیں گے منکر اسلام عربی
لوگ بھی ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ خدا محمد صلعم

کو خاتم النبیین کہہ کر آپ کو انبیاء کا روحانی باپ بتا رہا ہے،

آپ کے فرمودہ نکتہ نمبر ۱ کے متعلق عرض ہے کہ اس روایت کی صحت اور عدم صحت سے قطع نظر جو بات اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت محمد صلعم خود کو آخری نبی نہیں سمجھتے تھے اس سے یہ بات تو ہرگز نہیں نکلتی کہ آپ بلفظ خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ سمجھتے تھے۔

نکتہ نمبر ۲ کے متعلق گزارش ہے کہ اس روایت سے، جسے آپ نے شیعہ حضرات کی کتاب تفسیر صافی سے نقل کیا ہے، [دیکھو تقریر مولوی جلال الدین شمس صاحب بر موقعہ جلسہ قادیان مؤرخہ 27 12/60 مندرجہ کتاب "اسلام کا عالمگیر غلبہ" صفحہ ۲] صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح حضرت محمد صلعم خاتم النبیین ہیں اسی طرح حضرت علی رض خاتم الاولیاء ہیں۔ روایت کے الفاظ سے ہو کوئی بات ہرگز نہیں نکلتی، چنانچہ اگر کسی شخص کا خیال یہ ہو کہ حضرت علی کے بعد مرتبہ ولایت جاری و ساری ہے بند نہیں ہے اسی طرح حضرت علی رض کے خاتم الاولیاء ہونے کے باوجود مرتبہ ولایت بند نہیں ہے، اسی طرح حضرت محمد صلعم کے خاتم النبیین ہونے کے باوجود مرتبہ نبوت بھی بند نہیں ہو گیا ہے بلکہ جاری ہے، اس کے برخلاف اگر کسی کا خیال یہ ہو کہ اب ولایت کا مرتبہ بند ہو گیا ہے تو وہ یہ سمجھے گا کہ جس طرح حدیث خاتم الاولیاء سے ولایت بند ہو گئی ہے اسی طرح خاتم الانبیاء سے نبوت بند ہو گئی ہے، تفسیر صافی سے جو روایت آپ نے نقل فرمائی ہے اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت علی رض اپنے بعد ولایت کو بند مانتے تھے یا جاری خیال فرماتے تھے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ سلسلۂ نبوت کو بند نہیں مانتے نہیں مانتے تھے، بلکہ جاری مانتے تھے، لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت علی ولایت اور نبوت دونوں کو جاری مانتے تھے تب بھی یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ سمجھتے تھے۔

آپ کا فرمودہ نکتہ نمبر ۳ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ لوگو یہ مت کہا کرو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس نکتہ سے متعلق بھی یہی عرض کرنا ہے کہ اس روایت سے [جسے آپ نے لغوت کی کتاب سے نقل کیا ہے اور جس کی کوئی سند بھی موجود نہیں ہے،] صرف اتنی بات نکلتی ہے حضرت عائشہ رض حضرت محمد صلعم کو آخری نبی نہیں مانتی تھیں۔ مگر یہ بات تو ہرگز نہیں معلوم ہوتی کہ وہ خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ سمجھتی تھیں۔

آپ کا فرمودہ چوتھا نکتہ یہ ہے کہ جب یہ تینوں بزرگ یعنی حضرت علی رض حضرت عائشہ رض اور خود حضرت محمد صلعم سمجھ گئے کہ خاتم النبیین کا مطلب انبیاء کا روحانی باپ ہی ہوتا ہے تو ہم تو یہ ہی کہیں گے کہ منکرین اسلام عرب بھی ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔

ایمنی صاحب! اس آخری نکتہ کی بابت کیا عرض کروں۔ اس نکتہ میں جو استدلال

آپ نے اختیار کیا ہے اس کی منطق میری سمجھ سے اونچی ہے۔ ایک بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے ایک بات یہ اور فرض کر لی جائے کہ حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور آنحضرت کے مقابلہ میں منکرین اسلام عرب زیادہ سمجھدار اور عقلمند تھے، تب آپ کا یہ استدلال منطقی ہو جائے گا کہ جب حضرت محمدؐ وغیرہ تینوں کم سمجھ لوگ تو منکرینِ اسلام عرب جو زیادہ سمجھ دار اور عقل والے تھے ضرور سمجھ گئے ہوں گے (معاذ اللہ) مگر میں خوب جانتا ہوں کہ آپ ایسی واہیات بات کا تصوّر تک نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ نکتہ میرے لئے معمّہ ہی بنا ہوا ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت علیؓ عائشہؓ اور حضرت محمد خاتم النبیین کا مطلب "انبیاء کا روحانی باپ" سمجھتے تھے تو بھی یہ کیسے سمجھا جائے کہ ابتر کی پھبتی چست کرنے والے کفار بھی ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔ از راہِ عنایت اس کی وضاحت فرمائی جائے۔ میں اور میرے ساتھ کچھ احمدی اور غیر احمدی دوست آپ کی وضاحت کے منتظر ہیں۔

۵ر اگست کے بدر کے اس مضمون میں آپ نے ایک نئی دلیل یہ دی ہے کہ سورہ احزاب میں کیونکہ خدا تعالےٰ نے حضرت محمد کی بیویوں کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا ہے اس لئے لامحالہ محمدؐ مسلمانوں کے باپ ہوئے۔ اب آگے اسی سورہ میں خدا نے فرمایا کہ محمد کسی مرد کا بھی باپ نہیں ہے تو فوراً یہ سوال پیدا ہو گیا کہ پہلے جو خدا نے محمدؐ کو مسلمانوں کا باپ قرار دیا تھا وہ محض آپ کے رسول ہونے کی وجہ سے تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کسی مرد کا بھی باپ نہیں ہے تو کیا آپ اب نبوت و رسالت سے معزول کر دیئے گئے؟ اس وسوسہ کو صاف کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے آگے فرمایا کہ وہ رسول اللہ و خاتم النبیین ہے یہ کہ اگرچہ محمدؐ کے کوئی جسمانی بیٹا نہیں ہے لیکن یہ خیال مت کرو کہ وہ اب نبی اور رسول نہیں، بلکہ وہ بدستور رسول اللہ ہے اور اس طرح بدستور امت کا روحانی باپ ہے اس سے بھی آگے وہ خاتم النبیین ہے اس طرح وہ انبیاء تک کا روحانی باپ ہے۔

آپ کا یہ استدلال بھی میرے خیال ناقص میں قطعی بے وزن اور لوچ ہے لیکن میں اس جگہ اس پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس پر بھی الگ سے گفتگو ہو سکتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں اور میرے ساتھ چند احمدی و غیر احمدی احباب بھی کہ آپ ضرور، بالضرور جواب سے نوازیں گے۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو میرے اس عریضہ کو مع جواب بدر قادیان میں شائع کرا دیں تاکہ دوسرے بھی استفادہ کر سکیں، اس صورت میں منیجر بدر قادیان سے سفارش کر دیں کہ وہ ایک پرچہ مجھے بھی درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔ خواہ بذریعہ وی۔ پی ہی ہو۔ میرے مذکورہ بالا عریضہ کا جو جواب املینی صاحب نے دیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب میں بدر ۵ میں شائع کرا چکا ہوں۔ اب آپ نے پھر وہی اشکال دہرائے ہیں۔ جن کے جوابات میں پیش کر چکا ہوں، یہ بحث برائے بحث ہے جس کا کوئی

فائدہ نہیں ہے۔

آپ نے اپنے خط محررہ [illegible] میں لکھا ہے کہ "جملہ اسلامی لٹریچر اسی طرح میرے خلاف حجّت ہو گا، جس طرح کسی مسلمان پر حجّت ہوتا ہے (ص ۱)" چنانچہ جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں خاتم النبین کی جو تشریح فرمائی ہے، وہ غلام احمد کی تصریح کے عین مطابق ہے، تو آپ کے اپنے قول کے مطابق نانوتوی صاحب کا قول آپ کے خلاف حجت ہے تاہم اگر آپ کو کوئی اشکال در پیش ہے تو علماء دیوبند کی طرف رجوع فرمائیں تاکہ وہ آپ کے پیش آمدہ اشکالات کا کوئی حل پیش کر سکیں۔

~~~~~~~~

امینی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ وہ جیسے کج بحث سے گفتگو جاری رکھنا پسند نہیں فرماتے، کیوں کہ بحث سے میرا مقصد افہام و تفہیم نہیں۔ بلکہ بحث کو جاری رکھنے کی غرض سے میں بار بار ان ہی باتوں کو دھرائے جا رہا ہوں جن کے تسلی بخش جوابات موصوف مرحمت فرما چکے ہیں۔ مجھ سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے موصوف نے ایک راستے کی طرف میری رہ نمائی بھی کر دی ہے۔ تاکہ میری کج بحثی کا رُخ ادھر گھوم جائے اور وہ راستہ یہ ہے کہ میں اپنے اشکال کو علمائے دیوبند کے نام پیش کر دوں تاکہ وہ حضرت نانوتوی کے خیال کی وکالت کرتے ہوئے میرے اشکال کا حل کریں۔

لیکن امینی صاحب مجھ سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں یہ بات بھول گئے کہ اگر کسی عالم دیوبند نے تسلیم کر لیا کہ حضرت نانوتوی کا یہ خیال غلط ہے تو اس سے حضرت نانوتوی کے علم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ حضرت نانوتوی کی آراء میں درست اور نادرست دونوں کا احتمال ہے لیکن مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ نبوّت و رسالت کے غلط ہو جانے سے ان پر کذب علی اللہ کا سنگین الزام آئے گا۔ امینی صاحب کو اس آسانی سے وہ راستہ نہیں کھولنا چاہیئے تھا۔ جس کے ذریعہ مرزا غلام احمد صاحب اللہ پر جھوٹ بولنے والے ثابت ہو جائیں۔

میں اس تحریر کے ذریعہ جملہ قادیانی حضرات سے درخواست کروں گا کہ وہ پہلے بدر مورخہ ۶ راگست ۱۹۷۶ء میں میرے اشکال اور امینی صاحب کے جوابات کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ۵ راگست ۱۹۷۷ء کو میں نے اپنے خط میں اسکا جو خلاصہ درج کیا اور امینی صاحب کے جوابات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ درست ہے یا میں نے اس میں بد دیانتی کی ہے اگر وہ محسوس فرمائیں کہ میں یعنی یہ خاکسار بحث برائے بحث کیلئے حل شدہ اشکال کو دھرا رہا ہے اور امینی صاحب کی اس تجویز کے بارے میں بھی غور فرمائیں کہ میں ان اشکال کو علماء دیوبند کے سامنے برائے حل پیش کر دوں اور امینی صاحب کا مغز نہ چاٹوں۔

اگر ان کی یہ رائے ہو کہ امینی صاحب نے اپنے آخری خط میں غلط روش اختیار کی ہے تو وہ امینی صاحب پر دباؤ ڈالیں کہ

بقیہ صفحہ ٦٠ پر
~~~~~~~~

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از ملّا ابن العرب مکی

تصویر اگر گندی ہے تو قصور کیمرے یا فوٹو گرافر کا نہیں خود تصویر کا ہے

(ویسے)

اِس مضمون کی کوئی علمی واخلاقی ذمہ داری ایڈیٹر تجلّی پر نہیں ہے

حضرت قطب القوا طیب قبلۃ الاتقیار شاہ کرامت علی حنفی مجددی قادری طبریزی یاناالبندی کی دعا سے اب کی اِس احقر کو بھی پیرانِ کلیر کے عرس میں جانیکی سعادت نصیب ہوئی اور وہ وہ مناظر دیکھے کہ ایک ایک سانس میں سلوک و طریقت کی ہزار ہزار منزلیں طے ہو گئیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اکثر ناظرین تجلّی تو خوب جانتے ہیں کہ پیرانِ کلیر کا عرس کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ وہ بارہا عاجز کی زبانِ خوش گفتار سے اسکا ذکر شریف سن چکے ہیں لیکن بعض بچارے معصوم ناظرین ایسے بھی ہیں جنھیں بسبب ناخریدگی کے خرید نے تجلّی میں اس ذکر شریف کی سماعت و قرارت کا موقع نہیں ملا لہٰذا انکی معلومات کیلئے عرض ہیکہ یہ عرس سال بہ سال نہایت شان سے ہوتا ہے اور اسکی معروف خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) طوائفیں یعنی وہ پاک دامن عورتیں جنھیں صوفی حضرات "زنانِ عاشقانِ اولیار" کہتے ہیں۔

(۲) شراب یعنی وہ مقدس پانی جسکا ہر قطرہ قوالوں کی آواز میں رس اور صوفیوں کے قلب میں گداز پیدا کرتا ہے۔

(۳) جوا یعنی تجارت کا وہ بیش بہا طریقہ جسمیں ہلدی لگتی ہے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آتا ہے۔

خصوصیات تو اور بھی ہیں لیکن ان تین بنیادی خصوصیات کے بعد مزید کچھ کہنا گویا کہ اللہ کی ناشکری کرنا ہے جس اللہ نے پیرانِ کلیر کے مزاراتِ مقدسہ کے طفیل یہ نعمتیں عطا فرمائیں وہ اور کیا کچھ نہیں دے سکتا۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔ اور اگر قیاس کی ہمت نہیں ہے تو اگلے سال خود ہی عرسِ کلیر میں تشریف لے جائیے گا۔ چودہ طبق نہ روشن ہو جائیں تو فدوی کو پھانسی چڑھا دیجئے گا۔

بندۂ عاجز نے وہاں جو کچھ دیکھا اور جن جن فیوض و برکات سے قلب و روح کی کثافتوں کو دھویا اسکا مختصر بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہیکہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے ——— ایک چشم دید شاہد جناب نسیم احمد نسیم کی کچھ سطریں ہدیۂ ناظرین کر دوں تاکہ ایمان تازہ ہوں اور سماعتیں تر ہو جائیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"پچھلے دو تین برسوں سے میلہ کی پرانی شان و شوکت اور خصوصیات میں بتدریج اضافہ "زندہ دلان قوم" کیلئے موجب صد مسرت تھا۔ اس سال ۲۵ رتاریخ کو میلے میں اتنا عظیم اجتماع ہو چکا تھا کہ پچھلے کئی برسوں میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ پاکستان سے بھی تقریباً ۲۰۰ زائرین تشریف لا چکے تھے۔ ہزاروں ڈیڑوں چھولداریوں، اور سینکڑوں دوکانوں کا ایک شہر آباد ہو چکا تھا۔ دور دراز علاقوں سے ان گنت مہ وشانِ شعلہ رخ "شاہدانِ بازاری" اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلووں کے ساتھ تسکینِ ذوق و تسکینِ نظر کا سامان لئے نغمہ خواں ہیں کہ "رحمت باری" ابر و باراں کی شکل میں نمودار ہوئی اور کالی گھٹائیں وہ ٹوٹ کر برسیں کہ ۲۴ گھنٹے میں جل تھل ایک ہو گئے ۲۶ اور ۲۷ کی رات میں بارش کے ساتھ ہوا کے طوفان نے بہت سے ڈیروں کو سربسجود کر دیا۔ سینکڑوں چھولداریاں زمین بوس ہو گئیں۔ اور سڑکوں پر اب بجائے ٹخنوں تک کیچڑ کے گھٹنوں تک پانی جمع ہو گیا۔

جن لوگوں [illegible] سے اندھی [illegible] تھے انہوں
نے تمام [illegible] سردیوں [illegible] آسمان کے
سائے تلے بھیگتے گزاری [illegible] نے بہت سے لوگوں کو
سردی میں کانپتے اور بخار میں تپتے ہوئے جائے
پناہ تلاش کرتے دیکھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہیکہ
اسوقت بھی ان ڈیروں میں جو نسبتاً اونچی جگہ کی
باعث محفوظ تھے دسر دو کی محفلیں جمی ہوئی تھیں
ضرورتمند اور پریشان لوگوں کیلئے وہاں کوئی جگہ
نہیں تھی ایک طرف پریشانی اور مصیبت تھی اور
دوسری طرف مسرت اور شادمانی ۔ ایک طرف جسم
سردی سے کانپ رہے تھے اور دوسری طرف گھنگھروؤں
سے کارگ اڑائے جا رہے تھے۔ ایک طرف بچوں
کی چیخیں تھیں دوسری طرف قہقہے، غرض تمام
عیاشیاں اور تمام غیر اخلاقی حرکتیں اسوقت بھی
شباب پر تھیں جبکہ چند قدم پر کچھ لوگوں کیلئے
ایک قیامت صغریٰ درپیش تھی۔ جس قوم کے
کردار اور افعال اس نہج پر پہونچ چکے ہوں اس
قوم کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بات قوم کے
فرزند ہی سوچ سکتے ہیں۔"

اہل دل حضرات کی عاقبت روشن کرنے کے لئے تو یہ سرسری
خاکہ ہی شاید کافی سے زیادہ ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس خاکہ
کی حیثیت اس تصویر سے زیادہ نہیں ہے جو تیز اڑتے
ہوئے ہوائی جہاز سے لی گئی ہو۔ اس میں اصل حقیقت
کا عشرِ عشیر بھی نہیں آیا ہے۔ آئیے ہوائی جہاز سے نیچے اتریں
اور پیدل چلکر کچھ دیکھیں دکھائیں۔ ویسے تو بہت اندھیرا ہے
اور بارش نے سارا مزا کرکرا کر دیا ہے لیکن آپ مجھ نالائق
یعنی ملا ابن العرب مکی کے کاندھے پر چڑھ کر بیٹھ جائیے اور
صرف آنکھیں کھولے رکھئے۔ میں پیر رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ
اور شاہ کرامت علی کے فیضِ صحبت سے اندھیرے میں
بھی بہت دور کی دیکھ لیتا ہوں۔

پچھلے مہینے کی بات ہے: جمعرات کی شام کو شاہ کرمان
[illegible] اختیاری کے مزے سے قوالی وغیرہ کو لوٹا اور راستے
[illegible] میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیب صاف ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے
[illegible] لوٹا تو بیوی نے تین روپے ساٹھ پیسے دیے تھے کہ آٹا
اور دال بالکل ختم ہے پہلے یہ لا دو پھر کہیں جانا۔ ساتھ ہی یہ
بھی بتا دیا تھا کہ یہ تنخواہ کے آخری روپے ہیں بلکہ ایک روپیہ
ابھی قرض لیا ہوا ہے مہینہ ختم ہونے میں ابھی سات دن
باقی تھے۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بنئے کی دکان پر پہنچا اور
تین روپے کا آٹا دینے کیلئے۔ جب اس نے ترازو میں باٹ
رکھے تو میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"تین آنے کا نہیں مانگ رہا ہوں، تین روپے کا ....."

"اجی مولوی جی تین ہی روپے کا دے رہا ہوں۔ ایک سیر کا ہے"
وہ دانت نکال کر بولا۔

"ایک سیر کا!" میں غرایا "مذاق کرتا ہے"

بات آگے بڑھ جاتی مگر ایک اور شخص آپہنچا اور بلا تکلف
ایک روپے کا ایک سیر لیکے چلتا بنا۔ تب میں نے ڈاڑھی سہلائی
اور کتری ہوئی مونچھوں کے ننھے ننھے بالوں کو تاؤ دینے کی
کوشش کی۔ بنیا اسطرح مسکرائے جا رہا تھا جیسے میری بے
بسی کا مذاق اڑا رہا ہو۔ میں نے خیال کیا کہ چلو قوالی تو سن
آئیں آٹا دال لوٹ کر لیں گے۔ ویسے بھی مجھے کچھ نہ کچھ پیسوں
کی شدید ضرورت تھی کیونکہ آٹھ آنے تو درگاہ کے چھوٹے
سجادہ شاہ امرود علی کو دینے تھے۔ کل بدھ کے دن انہوں
نے کہا تھا کہ جمعرات کو آٹھ آنے تو ہم تمہیں ایسا تعویذ دیں
گے کہ تمہاری روزی میں برکت ہوتی چلی جائیگی اور مس زہرہ
جان آگرہ والی سے تمہارا معاشقہ کامیاب ہوگا۔ اور ایک
دو روپیہ محفل سماع کیلئے بھی درکار تھا کیونکہ شاہ موصوف
نے بتایا تھا کہ آج کی محفل میں لکھنؤ سے ایک غضب کا
لڑکا آ رہا ہے جسکی عمر سولہ سال ہے، قیامت کا گلا رکھتا ہے
بہت پہنچا ہوا ہے۔ اسے سن لوگے تو عرش کے پائے نظر آجائیں
گے۔ اور دس پانچ نچھاور کر دیئے تو ساری عمر کی زکوٰۃ
ادا ہو جائیگی۔ اب ظاہر ہے دس پانچ کی استطاعت نہ ہو تو
ایک دو تو ہوں۔ آٹا دال تو روز روز کے ہیں۔ یہ موقعہ روز

کہاں آتے ہیں۔

لڑکا واقعی آیا اور حق یہ ہے کہ کیا سیرت کیا صورت ہر لحاظ سے بے مثال تھا۔ جالی کے بنیان پر باریک وائل کی قمیص، چوڑی دار پائجامہ۔ گوٹے کی کناری والی رامپوری ٹوپی گٹھا ہوا بدن، بے ریش و بروت سفید چہرہ۔ ناظرین تجلّی سے کیا پردہ۔ واقعہ یہ ہے کہ اسے دیکھکر بے اختیار دلمیں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں لڑکی ہوتا اور کٹر ڈوڑ جان سے اس پر فدا ہو جاتا۔ یہ آرزو اسقدر طوفانی تھی کہ دبے دبے زبان تک بھی آگئی اس پر شاہ امرود علی نے چٹکی لیکے کہا۔

ارے بدذوق کیا بکتے ہو۔ اہل دل فدا ہونے میں لڑکی لڑکے کے فرق کو نہیں دیکھتے۔ کیا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کو بھول گئے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

میری داڑھی کے بال کھڑے ہو گئے۔ یہ اسوقت کھڑے ہوتے ہیں جب عقل پر ضرورت سے زیادہ بوجھ پڑجاتا ہے کیونکہ ایسے عالم میں وہ حلق کی طرف دوڑنے لگتی ہے۔ شاہ صاحب کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہ بڑی خمار آگیں نظروں سے لڑکے کی طرف دیکھ رہے تھے جو کچھ فاصلہ پر چند پروانوں کے درمیان بیٹھا بڑے حشر آفریں دلبرانہ انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ آخرکار قوالی شروع ہوئی اور لڑکے نے "بیجو باورا" کے کئی گانوں کی ایسی کامیاب نقلیں کیں کہ رفیع اور لتا کے چھکے چھوٹ گئے چند لوگوں کو حال آرہے تھے اور لڑکا جب بھاؤ بتا کے یہ شعر پڑھتا۔

تو گنگا کی موج میں جمنا کا دھارا۔ رے

رہے گا ملن۔ ہمارا تمہارا۔

تو صوفیوں میں ایک زلزلہ سا دوڑ جاتا۔ وہ ناچتے تھرکتے لڑکے کی طرف بڑھتے اور جسکا موقع پڑتا اسے سینے سے لگا لیتا۔ ایک صاحب نے تو جب دیکھا کہ دوسرے صاحب معانقہ سے فارغ ہی نہیں ہو رہے تو فرط شوق میں اچھلکے برخوردار کی پیشانی چوم لی اور رخسار بھی چومنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ پیچھے سے عاجز نے ٹانگ کھینچ لی۔ وہ منہ کے بل زمین پر آرہے مگر ہونٹوں پر برابر یہی الفاظ رقصاں تھے

تو گنگا کی موج میں جمنا کا دھارا۔ رے

رہے گا ملن ہمارا تمہارا۔

اسی گھپڑ چوند میں کسی نے میری جیب صاف کر لی اور گھر جو پہنچا ہوں تو بیوی نے وہ مزاج پرسی کی کہ جو حال درگاہ میں نہ آسکا تھا وہ گھر میں آگیا۔ میں نے بمشکل خود کو ہارٹ فیل ہونے سے بچایا اور عرض کیا کہ اے نیک بخت! تو کھانا گرم کر کے لا اسکے بعد میں تجھے قوالی کے فوائد و برکات پر بیش بہا تقریر سناؤں گا۔ اس نے منہ لٹکا کے جواب دیا۔

"کھانا کہاں سے لاؤں آٹا دوپہر ہی ختم ہو چکا تھا"

"ارے تو محلے سے ادھار مانگ لیا ہوتا"

"محلے والوں کا پہلے ہی کئی سیر چڑھ رہا ہے۔ پڑوسن تقاضا کر رہی تھی"

"معاذ اللہ! ایڈیٹر تجلّی کے یہاں سے لے آتی"

"گئی تھی مگر وہاں تو سب کا روزہ ہے"

"تب تو آٹے کے ساتھ کچھ افطاری بھی لے آئی تھی"

"بھاڑ میں جائیں آپکی باتیں۔ خبر بھی ہے تین دن سے وہاں دن اور رات کا مسلسل روزہ چل رہا ہے۔ بڑی بیگم کہہ رہی تھیں کہ بس بچوں کیلئے روٹی یا چاول پک جاتے ہیں۔ اور بڑے چائے بسکٹ اور کیلے کھا کر گذارا کرتے ہیں"

حاصل یہ کہ رات کو بھوکا سونا پڑا اور بھوک میں جتنے نفیس خواب آتے ہیں انکا اندازہ آپ یعنی ناظرین تجلّی نہیں کر سکتے کیونکہ آپ نہ کبھی بھوکے سوئے ہیں۔ نہ کسی نے آپکی جیب کاٹی ہے۔ صبح چائے پکی تو شکر نہیں تھی۔ بیوی نے چونی نکال کر دی کہ شکر لے آیئے۔ میں اسوقت تو بے چوں و چرا شکر لے آیا مگر جب چائے کی پیالی نے دل و دماغ میں جان ڈالدی تو اچانک ایک خیال دھم سے کودا۔

"کیوں صاحب!" بیوی سے کہا "یہ چونی موجود تھی تو رات اسی کا آٹا کیوں نہ منگالیا۔ کم سے کم فاقہ تو نہ کرنا پڑتا"

"یہ رات کہاں تھی..... ابھی آپکے اٹھنے سے پہلے لائی ہوں یا

"کہاں سے؟"

"بڑی دیگچی گروی رکھ کے سامنے والے قصائی کی بیوی سے دو روپے لئے ہیں۔ دونوں کی ریزگاری ہی تھی"

میں دم بخود رہ گیا۔ جی میں آئی لوہے کی پھونکنی اٹھا کے بیوی کے سر میں ماروں۔ پھر خیال آیا اپنے ہی سر میں ماروں پھر دونوں ارادوں کو ملتوی کرنا پڑا کیونکہ سر بیوی کا پھٹتا یا میرا ہر صورت میں وہ پونے دو روپے جو باقی تھے مرہم پٹی کی نذر ہو جاتے۔ صبر کی سِل سینے پر رکھکر گھر سے نکلا۔ صوفی قدرت اللہ راستے ہی میں مل گئے۔ بہت شاداں نظر آرہے تھے۔ کہنے لگے۔

"اماں روہانی صورت کیوں بنا رکھی ہے"

"بیوی کا انتقال ہو گیا ہے"

"اماں چھوڑو بیوی تو آنی جانی چیز ہے پیران کلیر نہیں چل رہے"

"وہاں آٹا کیا بھاؤ ہے؟"

"استغفر اللہ آٹا داٹا کیا لگایا ـــ چلو لطف رہے گا"

میں نے جیب سے ایک بیڑی نکالی

"دیکھ رہے ہیں ـــ یہ آخری بیڑی ہے" میں نے کہا "اور اسے بھی جلانے کیلئے ماچس نہیں ہے"

وہ مسکرائے اور سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"تم تو ملّا وہابیت کے چکر میں پھنس گئے ورنہ صابر کی قسم وہ مزے کرتے کہ بس کیا کہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ"

میں دم دبائے انکے ساتھ ہو لیا۔ یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ سچ مچ احساسِ کمتری کے عالم میں مجھے ایسا ہی محسوس ہوا کہ میرے ایک دُم ہے اور وہ دب گئی ہے۔ صوفی صاحب نے راستہ میں پوچھا۔

"تاش کھیلنا جانتے ہو؟"

میں چونک گیا

"آپ سنجیدہ ہیں؟"

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے" وہ بولے "تاش تو سبھی جانتے ہیں"

"چلئے میں بھی جانتا ہوں۔ پھر؟"

"اپنا سردار حسن ہے نا۔ اسکے داہنے ہاتھ تم بیٹھ جانا اور"

انہوں نے مجھے تاش کاٹنے کے کچھ ایسے گر سمجھائے کہ زبان سے بے اختیار جزاک اللہ نکل گیا۔ وہ سینہ تان کے بولے۔

"ارے تم جزاک اللہ لئے پھرتے ہو قسم رب کی یہ معمولی شعبدے ہیں۔ وہ وہ داؤ بتا دونگا کہ عمر بھر مزے کرو گے۔ خیر تو وہی کرنا جیسا سمجھایا ہے۔ جیب میں اَدھے اودہ۔"

"منظور ہے ـــ مگر آپ کھیل میں شریک نہ ہوں گے؟"

"ارے واہ! ہم شریک ہو گئے تو بھرم کیا رہا تم ہماری فکر نہ کرو"

اگلے دن ہم اسکیم کے مطابق پیران کلیر پہنچ گئے۔ ہم سے مطلب ہے میں۔ سردار حسن اور میاں قادر بیگ چشتی صوفی قدرت اللہ ہمارے ساتھ نہیں گئے بلکہ اپنے ہم مشرب اور ہم پلہ خواجہ بدر الدجیٰ کے ساتھ علیحدہ گئے۔ ایک چھولداری ہمارے ساتھ تھی۔ اسے مناسب جگہ نصب کیا اور اسی روز ٹھیک مغرب کی اذان پر تاش کا کھیل شروع ہو گیا۔ چھ نئے آدمی اس میں شریک تھے۔ یہ بس میرے ہی لئے نئے تھے ورنہ میاں قادر بیگ اور سردار حسن تو ان سے پہلے ہی سے واقف معلوم ہوتے تھے۔ انکی باہمی گفتگو سے پتا چلا کہ پچھلے سال بھی چوکڑی جمی تھی۔ خیر کھیل جما اور خوب جما۔ بارہ بجے تک میری اور سردار حسن کی جیبوں میں تقریباً آٹھ سو روپے آچکے تھے۔ ٹھیک سوا بارہ بجے ایک صاحب چھولداری میں تشریف لائے اور سردار حسن سے فرمانے لگے۔

"اب کھیل چھوڑیئے۔ منجھلے پیر کی فاتحہ شروع ہونے والی ہے میاں صاحب نے یاد فرمایا ہے"

کھیل ختم ہو گیا۔ شرکاء چلے گئے۔ بس ہم اپنے ہی اپنے باقی رہ گئے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ آنے والے صاحب آنکھوں ہی آنکھوں میں سردار حسن کو کچھ اشارہ کر رہے ہیں۔ سردار حسن نے یکلخت مجھ سے کہا

"تم ملّا یہیں ٹھیرو۔ ہم ابھی آتے ہیں"

"مجھے بھی لے چلئے۔ منجھلے پیر کی فاتحہ کا تو مجھے بھی بے حد شوق ہے"

"نہیں نہیں۔ وہاں بعد میں چلیں گے ذرا ہم ایک کام ہو آئیں"
ان لفظوں میں خاصی بیتابی کی جھلک تھی ویسے بھی بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ۔ فدوی نے سردار حسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے ذومعنی انداز میں کہا
"یار ہم سے بھی پردہ رکھتے ہو۔ ہم تم تو اب ایک ہی استاد کے پیر بھائی ہیں"
سردار حسن نے ان صاحب کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ گفتگو ہوئی اور آخر کار میاں قادر بیگ چشتی بولے۔
"ارے ملا صاحب تو اپنے ہی ہیں۔ ان سے گھبرانے کی کیا بات ہے"
سردار حسن کا تامل ختم ہو گیا۔ آنے والے صاحب بھی۔ جنکا نام پھلو میاں تھا۔ کچھ راضی ہوئے اور ہم تینوں پھولداری سے نکلے۔ قادر بیگ وہیں رہ گئے۔ باہر خاصا اندھیرا تھا۔ ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ سامنے کچھ فاصلے پر خیموں کا جنگل آباد تھا۔ ہم تینوں اسی طرف چلے جا رہے تھے۔ میں خاموش تھا وہ دونوں برابر باتیں کر رہے تھے۔ انکی باتوں سے پتہ چلا کہ دراصل انہوں نے میلے ہی میں کئی اور خیمے نصب کر رکھے ہیں جن سے خاص قسم کے کام لئے جاتے ہیں۔ آجکا کارنامہ یہ تھا کہ پھلو میاں نے ایک ایسی عورت کو خیمہ نمبر ۲ میں پناہ دی تھی جو بغیر کسی مرد کے صرف اپنے چھ سالہ لڑکے کے ساتھ عرس میں آئی تھی اور بارش کی وجہ سے سر چھپانے کی جگہ ڈھونڈ رہی تھی۔ جب ہم اس خیمہ میں پہنچے تو دیکھا کہ کم و بیش ۲۵ سال کی ایک عورت خیمہ کے فرش پر سکڑی سمٹی بیٹھی ہے اور ایک نوعمر بچہ اسکے زانوں پر سر رکھے پڑا کراہ رہا ہے۔ یہ بخار سے جل رہا تھا۔ سردار حسن نے پھلو میاں سے دبی آواز میں کہا کہ تم دروازے پر رہو اور خود کونے میں رکھا ہوا ایک لیمپ روشن کیا لیمپ کی روشنی میں جو کچھ میں نے دیکھا شاید عمر بھر نہ بھولونگا۔ عورت کی آنکھوں میں دہشت، مایوسی اور اضطراب کے گہرے آثار تھے۔ بدن ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا۔ لباس کافی بھیگ گیا تھا جسمیں سے اسکا بدن جھلکنے لگا تھا

"گھبراؤ مت بہن" سردار حسن اسکے قریب بیٹھتے ہوئے بولے
"اس خیمے میں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور بچے کا دوا علاج بھی ہو جائیگا۔ درگاہ والوں نے یہ خیمے اس لئے لگوائے ہیں کہ ضرورت مند فائدہ اٹھائیں"
وہ جواب دینے کی بجائے رونے لگی۔ میں نے اپنے بھنّائے ہوئے دماغ کو بمشکل قابو میں رکھتے ہوئے تلخ لہجے میں پوچھا۔
"تم میلے میں تنہا آئی ہو؟"
"نہیں" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی "میری بہن بھی ساتھ تھی بوند پڑنے پر جو بھاگ دوڑ مچی وہ جانے کہاں گم ہو گئی"
"گویا مرد کوئی ساتھ نہیں ہے"
"نہیں"
"چھوڑو ملا" سردار حسن نے جھنجلا کے کہا "اسوقت انھیں پریشان نہ کرو۔ ہم ان کی بہن کو بھی تلاش کر دیں گے"
اب سردار حسن جلدی سے اٹھکے دروازے پہ آئے میں بھی ساتھ ہی لپکا۔ انہوں نے پھلو میاں سے کہا
"وہ کہتی ہے ایک بہن بھی میرے ساتھ تھی؟"
پھلو میاں مسکرائے اور بڑے فخریہ انداز بولے
"ارے اسے کیا میں چھوڑنے والا تھا۔ بھائی گلزار علی کے ٹینٹ میں پہونچا دیا ہے"
"کیوں" سردار حسن کی آواز میں غصہ تھا "شیخ قربان کو جو دلا تھا"
"ان کے لئے ایک اور گھیر لی ہے۔ آپ بے فکر رہیں کوئی نامراد نہیں لوٹے گا"
"ہوں...... اور مرزا اصغر نے سَو دیدیئے تھے؟"
"کیسے نہ دیتے۔ پار سال کے مزوں کا اب تک چٹخارا لے رہے ہیں"
"اچھا اب تم یاروں میں جاؤ اور فتّو کو ادھر بھیجدو۔ ایسا بارش کا چانس پھر نہیں ملے گا"
پھلو میاں تیز تیز چلدیئے۔ سردار حسن اندر لوٹنے لگے کہ میں نے روکا۔
"یار یہ سب کیا ہے؟"
انہوں نے مجھے گلے سے لپٹا لیا اور ہنس کر بولے

مزے ۔۔۔ دنیا میں جنت کے مزے ۔۔۔ دیکھ نہیں رہے ہو کس غضب کی ہے. قسم اللہ کی اگر اچھے کپڑے پہنا دو تو فلم ایکٹرسوں کے کان کاٹے گی۔"

"اس کا بچہ بخار میں جل رہا ہے۔"

"یہی تو اور اچھا ہے. اسکی وجہ سے وہ کم سے کم اس رات فرار کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتی. آؤ اندر آؤ۔"

میرے خیالات کی رو نہ جانے کہاں پہنچ گئی تھی. بے شعوری طور پر ان کے ساتھ اندر پہنچا. عورت بچے کی پیشانی دبا رہی تھی. مجھے محسوس ہوا کہ ایک ہولناک طوفان میرے اندر انگڑائیاں لے رہا ہے. غیرت اور غصے کا طوفان. جیسے ایک آگ ہو جو اچانک جل گئی ہو، بھڑک گئی ہو اور مجھے تڑپائے دے رہی ہو. میں نیم دیوانگی کے عالم میں عورت کے قریب پہنچا اور اسکے چہرے پر نظریں گاڑ کر چیخا۔

"احمق لڑکی تم جانتی ہو کہاں آ پھنسی ہو ؟"

اس نے میری طرف دیکھا اور کانپ کر رہ گئی.

"یہ کیا بدتمیزی ہے" سردار حسن مجھ پر برس پڑے مگر میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کڑوے لہجے میں کہا.

"بدبخت لڑکی. تو یہاں کیوں آئی. کیا تو جانتی ہے اب تیرے ساتھ کیا ہوگا ؟"

"نہ.... نہ نہیں" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"بیوقوف. پگلی ۔ اٹھ اگر آبرو پیاری ...."

میں جملہ پورا نہ کر سکا کیونکہ سردار حسن نے میرا منہ دبا دیا تھا لیکن اگلے ہی ثانیے میں انہیں چیخ مار کے اپنا پیٹ پکڑ لینا پڑا کیونکہ ایسے موقع پر گھونسے کے استعمال میں میں بخل نہیں کرتا. ایک سڑی ہوئی گالی دیکر وہ دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہوئے لیکن انکا گھونسہ میری بجائے ٹینٹ کی دیوار پر پڑا اور وہ جھول گئے میں نے صرف ایک ٹھوکر پر اکتفا کرتے ہوئے عرض کیا۔

"سردار صاحب! تمہیں میں کچا چبا سکتا ہوں لیکن پہلے اس گدھے کی بچی سے پوچھ لوں کہ اسے بھی اپنی آبرو پیاری ہے یا نہیں۔"

[illegible] دیکھنے کی چیز ہے

سمجھ ہی نہیں رہی ہو کہ کیا ہو رہا ہے ۔

"بولو. احمق زادی بولو. نکلنا چاہتی ہو یہاں سے" میں نے جھنجھوڑا اس نے اثبات میں گردن ہلائی. زبان شاید فرط دہشت سے گنگ ہو گئی تھی.

"تم خبیث اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔"

یہ سردار حسن کے الفاظ تھے. وہ خیمے کی ایک آہنی میخ تولتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے.

"فضول ہے" میں نے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے کہا: "یہ میخ تمہارے ہی حلق سے اتر کر ایڑی سے نکل جائیگی. تم مجھے نہیں جانتے نہیں جانتے ......"

لیکن انہوں نے ہاتھ چھوڑ دیا. محرم کے اکھاڑوں میں سیکھے ہوئے پینتروں سے کام لینے کا یہی وقت تھا. ذرا سی جھونک میں وار خالی گیا اور پھر ان کی چیخ سے خیمہ گونج گیا تھا. ساتھ ہی لڑکی بھی چیخی تھی. باہر بارش کی وجہ سے افراتفری نہ مچی ہوتی تو ان چیخوں کو سنکر ضرور کوئی آ پہنچتا. سردار حسن اب اٹھنے کے قابل نہ رہے تھے.

"یہ دلندیزی گھونسے مجھے پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمائے تھے تم بارہ گھنٹے تک اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکو گے۔"

اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک تن و مند آدمی یہ کہتا ہوا اندر داخل ہوا.

"سردار بھائی میں آگیا...."

میرے لئے بڑا نازک وقت تھا. خیمہ کی صورتِ حال کو سمجھ لینے کے بعد یقیناً وہ میری ہڈیاں چبا جانے کا ارادہ کرتا. خیریت اسی میں تھی کہ اسے مہلت نہ دی جائے. بس اگلے ہی ثانیے میں اسکے سینے پر سوار تھا. وہ حیرت کے عالم میں پہلے تو بوکھلا گیا پھر گالی دیکر مجھے الٹ دینا چاہا. واقعی وہ طاقتور تھا. مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ اسکے ہاتھ میرے سینے کی ہڈیاں توڑ دیں گے اور اسکی گردن مجھے چھوڑنی ہوگی لیکن یکلخت وہ بری طرح چیخا اور ڈھیلا پڑ گیا. سردار حسن نے جو میخ پھینک کر میرے ماری تھی. وہ اسکے بائیں پہلو میں پیوست ہو گئی تھی. میں کود کر اٹھا اور لڑکی کے سامنے

"میں بچے کو اٹھاتا ہوں۔ تم میری گردن پر سوار ہو جاؤ — جلدی کرو"

لڑکی سراسیمہ تھی۔ میں نے اسے گھسیٹ کر گردن پہ چڑھایا۔ بچے کو گود میں لیا اور داہنا ہاتھ فارغ رکھا کیونکہ سردار اور نو آمد دونوں ہی زندہ تھے۔ خیمہ سے باہر ہوتے ہوئے ایک لات نو آمد کی کھوپڑی پر اور رسید کرنی پڑی کیونکہ وہ حائل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

بارش تیز ہو چکی تھی۔ لوگ ادھر اُدھر سر چھپاتے پھر رہے تھے شور شر سے فضا گونجی ہوئی تھی جب میں ڈیڑھ من بوجھ اٹھائے بستی میں خالہ رحمانی کے گھر پہنچا تو وہ حیران رہ گئی۔

"نہ نہ..... پوچھنا گچھنا بعد میں" میں نے اسکی آنکھوں میں ابلتے ہوئے سوالات کو بریک لگایا "پہلے کپڑوں کا انتظام کرو۔ آگ جلاؤ چائے پکاؤ......"

نصف گھنٹے بعد خالہ رحمانی، خالو شفیق اور میں ایک آرام دہ کمرے میں بیٹھے ہوئے چائے پیتے ہوئے لڑکی کی کہانی سن رہے تھے۔

"میرا نام فہمین ہے......"

"تمہارا نام احمقوں کی خالہ ہے....." میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لڑکی سٹ پٹا گئی۔ خالہ خالو کو کافی ناگوار گزرا

"چپ بھی رہو ملّا۔ ہاں بیٹی تم سناؤ" خالو نے کہا

"ضرور سناؤ۔ مگر یہ نام میں برداشت نہیں کر سکتا" میں جھلّایا

"تمہارا نام کریمن ہے، نصیبن ہے۔ دیہاتن ہے اور جو چاہے رکھ لو مگر فہمین نہیں۔ چلو سناؤ"

"میں میرٹھ سے آئی ہوں۔ میرے ساتھ میری بہن بھی تھی....."

"اس کا نام عقیلن ہوگا"

"چپ بھی رہو بیٹے"، خالہ نے بدمزگی سے کہا "ہاں بیٹی تم کہو یہ تو باؤلا ہے"

"میرے میاں سال بھر سے مجھ سے فرنٹ ہو گئے ہیں۔ ایک سائیں بابا نے مجھے بتایا تھا کہ کلیر کی ڈیوڑھی پر سجدے گذارو تب مراد پوری ہوگی۔ میں نے بہن سے مشورہ کیا اور ہم دونوں آگئے"

میں پھر کچھ بولا۔ خالہ خالو پھر تلملائے۔ اسی طرح کافی دیر میں کہانی پوری ہو سکی جس کا حاصل یہ تھا کہ لڑکی کا باپ زندہ ہے مگر ماں سوتیلی ہے جس نے باپ کو بیٹی سے بیزار کر دیا ہے۔ لڑکی کا شوہر احمد بخش نامی ایک جاہل نوجوان ہے جس کے ساتھ وہ ماں باپ سے علیحدہ رہتی ہے۔ وہ پہلے تو برف فیکٹری میں ملازم تھا اور بیوی بچے کا عاشق تھا۔ پھر ایک صوفی صاحب اسکی زندگی میں داخل ہوئے اور اسنے نوکری چھوڑ کر درویشی لے لی۔ پیر منگلے والے کی درگاہ میں پڑا رہتا۔ قوالی سنتا، چرس پیتا۔ ان چیزوں کو تو فہمین.. .. توبہ نصیبن نے کچھ برا نہ سمجھا کیونکہ وہ خود جاہل بنت جاہل تھی۔ یہ سب اس کیلئے مقدس ہی تھا لیکن جلدی ہی ایک ایسی صورت حال پیدا ہوئی جو اسکی برداشت سے باہر تھی۔ چھوٹو قوال کی ٹولی میں ایک سترہ سال کا لڑکا تھا۔ احمد بخش اسکے ہاتھ پر بیعت ہو گیا اور اس کی وہ تمام چاہت، محبت اور شفقت جو بیوی بچے سے وابستہ تھی آندھی کی رفتار سے پیر صاحب یعنی اس لڑکے کی طرف منتقل ہو گئی۔ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر جذبۂ رقابت پر قابو نہیں پا سکتی۔ نصیبن کے ہی بیان کے مطابق احمد بخش لڑکے کو گھر بھی لانے لگا اور گرمی کی وہ لمبی دوپہریں جنھیں نصیبن اپنے شوہر کے سر میں تیل ملتی اور ٹانگیں دبا کر اسے سلا دیا کرتی تھی اس سے چھن گئیں۔ گھر ہی کی ایک کوٹھری میں اس کا شوہر تمام دوپہر اپنے نو عمر پیر سے تصوف و طریقت کا سبق پڑھا کرتا اور نصیبن دالان میں بیٹھی کڑھا کرتی۔ پھر یہ مکتب تصوف راتوں میں بھی چالو ہونے لگا۔ نصیبن اب برداشت نہ کر سکی اور شوہر سے لڑ پڑی۔ اسے امید تھی کہ وہ شرمندہ ہو جائے گا اور آگے کو توبہ کر لے گا۔ لیکن وہ حیران رہ گئی جب اس نے ایک مغلظ گالی دیکر اس کے چانٹا رسید کر دیا۔ چانٹے کی جسمانی تکلیف اسے اتنی نہ ہوئی تھی جتنی روحانی تکلیف اس عجیب احساس سے ہوئی تھی کہ کل تک، جو شوہر اس کے پیر دھوتا تھا آج چانٹا مار سکتا ہے۔

اسی پر بس نہیں ہوئی۔ ایک دن احمد بخش نے اس سے کہا کہ جان میاں (وہی لڑکا) اور میں دو نہیں ہیں۔ جو حق میرا تم پہ ہے وہی اس کا بھی ہے۔ کل میں ڈیوڑھی میں سوؤں گا اور وہ یہاں اندر سوئے گا۔

عورت [illegible]
اکی فطرت ہی میں ودیعت ہوتا ہے۔ نصیبن تڑپ اٹھی پھر
گئی۔ صاف انکار کر دیا۔ احمد بخش شاید جبر سے بھی گریز نہ کرتا
لیکن عین وقت پر نصیبن کی بہن مجیدن ٹھیلے سے آ اتری اور
احمد بخش بڑبڑاتا ہوا گھر سے چلا گیا۔ پھر وہ دو دن بعد آیا تو ناراض
ہی تھا۔ بیوی نے بہت کوشش کی کہ راہ راست پر لے آئے
مگر اس نے صاف کہدیا کہ میں تم سے نفرت کرنے لگا ہوں تم
نافرمان ہو۔

انہی دنوں کسی سائیں بابا نے نصیبن کو کلیر کی درگاہ میں
سجدہ ریزی کی بشارت دی اور تصوف کی ماری نصیبن بہن
کو ساتھ لے، بچے کو گود میں چڑھا کلیر پہنچ لی۔

یہ تھی اس کی داستان۔ خاتمہ پر وہ اپنی گم شدہ بہن کیلئے
رونے لگی اور اس کی آنکھیں ایک خاموش التجا لئے میری
طرف بار بار اٹھ رہی تھیں۔

"تمہاری بہن بڑے مزے میں ہوگی۔ آدھی درجن صوفی اسے
سلوک کی منزلیں طے کرا رہے ہوں گے۔ کہو تو تمہیں بھی
وہیں لوٹا آؤں"

"کیا بکواس ہے" خالو دہاڑے "تمہیں شرافت برتنی چاہیئے"

"آجکل شریفوں اور گدھوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا" میں
چلایا "اس عرسِ مبارک کی مقدس فضاؤں میں ایک
انکی بہن ہی نہیں سینکڑوں مجیدنیں اور نصیبنیں ہوا کے گھوڑے
پر اڑ رہی ہیں۔ میں کس کس کی لگام پکڑوں گا"

"تو بہت بہادر ہے بیٹا" خالہ نے چمکارا "تو ضرور اسکی بہن
کو ڈھونڈ کے لا سکتا ہے"

"لا سکتا ہوں مگر نہیں لاؤں گا" میں نے کہا "عرس میں میں لڑنے
بھڑنے نہیں آیا۔ ابھی مزار شریف پہ سجدہ باقی ہے۔ قوالی بھی
نہیں سن سکا ہوں۔ جہنم میں جائے ان کی بہن .... میں چلا"

اور واقعی میں اٹھکر باہر نکل آیا۔ بارش برابر ہو رہی تھی
مگر نہ جانے کونسی بھٹی میرے اندر سلگ رہی تھی کہ نہ تو سردی
لگی نہ نمونیہ کا خوف ہوا۔

درگاہ بھری ہوئی تھی۔ آدمی پہ آدمی سوار تھا۔ وہ جو کتابوں
میں آیا ہے کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے تو یہاں بھی
بفضلہ تعالیٰ عورت مرد ایک گھاٹ پانی پی رہے تھے۔ پسینہ
پسینہ تھا۔ ایک لاکھ سے اوپر انسانوں کا مجمع اور سر چھپانے کی
جگہ اتنی کم کہ کاندھے جوڑ کر کھڑے ہو جائیں تب بھی سب سر نہ
چھپا سکیں بارش نہ ہوئی تو اللہ کی .... نہ توبہ صابر پیا کی زمین
کافی تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے گھاس پر ریت پر اور کنکروں پر
حسب معمول بچھونے لگ جاتے اور تاروں کی نرم چھاؤں میں
وہ سب کچھ ہوتا جو مرد و زن کے مخلوط مجمعوں میں ہونا ہی چاہیئے
لیکن اب کی تو صابر پیا کو ایسا غصہ تھا کہ بارش بند ہی نہیں
کر رہے تھے گھلاچ مچ گیا تھا۔ تاہم ٹھیلے اور گڑبڑ کے اس ماحول
میں کتنے ہی ڈیرے ایسے بھی تھے جو ہر طرح کے فکر و غم سے بے نیاز
اپنے دائمی معمول کے مطابق گھنگروں کی جھنکار، طبلے کی دھما دھم،
ہارمونیم کی لہکار اور گانے کی آواز سے گونجے ہوئے تھے۔

میں مختلف محفلوں میں اس خیال سے پھرتا پھرا کہ سردار حسن کے
ٹولے کا کوئی جانا پہچانا آدمی نظر آجائے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ
جس محفل میں بھی پہنچا قدم جم کے رہ گئے۔ دل کہتا تھا کہ بیٹھ کے
رہ جا۔ کس حماقت میں سر مارتا پھرے گا۔ طوائفیں تو ہر سال ہی
آتی ہیں مگر اب کی تین چار ایسی نظر پڑیں کہ طوائفیں کہنا انکو ناز
بسکہ حرام ہوگا۔ کوہ قاف کی پریاں تھیں۔ جنت کی حوریں تھیں۔
پیرس کی لیڈیاں تھیں۔ اندر سبھا کی گل بکاؤلیاں تھیں۔ وغیرہ وغیرہ
صوفی، درویش، قلندر سب نچھاور ہو رہے تھے جیسا کہ حق ہے
نچھاور ہونے کا۔ آوازیں ایسی کہ شمشادیں اور لتائیں قبروں
میں پچھاڑیں کھائیں، تھرکنے کا انداز ایسا کہ زمین و آسمان
سر دھنیں۔ میں نے باوجود ضبط کے درجنوں ٹھنڈی سانسیں
لیں اور کس کس کے آنکھیں ماریں مگر کسی نے توجہ نہیں دی۔ البتہ
ایک دفعہ جو سو کا نوٹ نکال کے بڑھایا ہے تو سارے مجمع کی
نظریں مجھ پر اٹھ گئیں اور پری وش رقاصہ نے بڑی ادا سے
ہاتھ آگے بڑھایا۔ ایک لمبی داڑھی اور گھونگریالے پٹھوں
والے صوفی صاحب نے اپنے قریب جگہ بناتے ہوئے
تپاک سے کہا۔

"ارے صاحب آیئے آیئے.....".

مگر اگلے ہی لمحے محفل کا رنگ بدل گیا تھا کیونکہ وہ نوٹ رقاصہ کے ہاتھ میں جانے کی بجائے میری ہی جیب میں واپس ہو گیا تھا۔

"بول نہیں" میں نے بلند آواز سے کہا "جوانی والا بند ایک دفعہ اور پڑھو۔ ہائے کیا بات ہے۔

در خواجہ پہ میں اٹھتی جوانی لیکے آئی ہوں

مجمع میں بھنبھناہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن رقاصہ نے فوراً ہی میری عرضداشت قبول کر لی اور سب گول ہو گئے۔ وہ ایڑی کو ٹھوکا دیکر گا رہی تھی۔

یہ میرے عارضِ گل فام یہ مکھڑے کی رعنائی
یہ میرا قدِ رعنا یہ تنِ سیمیں کی زیبائی
یہ میرا حسن یہ ناز و ادا یہ جلوہ آرائی
عطا مجھ کو میرے خواجہ نے کیا کیا چیز فرمائی

در خواجہ پہ میں اٹھتی جوانی لیکے آئی ہوں
جوابِ صنعتِ بہزاد و مانی لیکے آئی ہوں

حاضرین بے خود ہو گئے۔ ہو حق کے شور سے خیمے کی چھت اڑنے لگی۔ میں نے جیب سے نوٹ نکال کر بڑھایا اور چھلانگ لگا کے باہر آیا چھلانگ اس لئے لگائی کہ دیا ہوا نوٹ سو سے گھٹ کر دس کا رہ گیا تھا۔

ایک اور خیمے میں داخل ہوا۔ یہاں مس طمنچہ بائی کانپور والی کے گھنگروؤں کی جھنکار پر ایک نوعمر لڑکا تان اڑا رہا تھا۔ ویسے تو سبھی شعر اچھے تھے مگر دو شعروں پر تو قیامت ہی برپا ہو گئی ایک سوا دو بالشت کی داڑھی والے صوفی صاحب مارے وجد کے لڑکے پر جا پڑے۔ اس نے دھکا دیا تو مس طمنچہ سے جا ٹکرائے۔ دونوں ہی نے برا نہیں مانا کیونکہ ہر ٹکراؤ کے ساتھ صوفی صاحب دس کا نوٹ بڑھانا نہیں بھولے تھے۔ خیر۔ آپ شعر سنئے۔

دونوں جہاں آپکے قبضے میں کیوں نہ ہوں ۔ دیکھو خدا کی ذات کا پھر خواجہ کے سر پہ تاج
جو عرش پر مقیم تھا کلیر میں آگیا ۔ تجھکو نظر نہ آئے تو اندھوں کا کیا علاج

یہاں سے چلکر میں ایک اور پڑاؤ پہ پہنچا۔ یہاں ایک کی بجائے دو زنانِ عاشقانِ اولیا رقص میں تھیں اور آگے کے حلقے میں دو بغیر داڑھی کے صوفی یہ تماشہ کر رہے تھے کہ جہاں کوئی کاٹنے کا شعر آیا اور وہ ایک دوسرے سے لپٹے اور اس طرح رونا شروع کر دیا جیسے ایک دوسرے کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ رہے ہوں۔ وہ دو شعر جن پر ان کی چیخیں نکل گئیں اور بار بار پڑھوائے آپ بھی سنئے۔

خدا تو سات پردوں میں چھپا ہے اس کو کیا مانگیں
ہمیں تو ہاتھ پھیلانا ہے خواجہ آپ کے در پر
طواف کعبہ کی حسرت اسے پھر کس لئے ہوگی
لگایا آپکے روضے کا جس نے ایک بھی چکر

صوفیوں کو بغلگیر چھوڑ کر میں یہاں سے بھی رخصت ہوا اور دوسرے ٹینٹ میں پہنچا۔ یہاں قوال دھوم مچا رہے تھے انکے بیچ میں ایک ایسا لڑکا بھی تھا جو ہو سکتا ہے لڑکی رہا ہو۔ اسکی آواز اور سر کے بالوں کی تراش قطعاً لڑکیوں جیسی تھی ادائیں بھی نسوانی ہی تھیں مگر لباس لڑکوں والا تھا۔ اگر وہ لڑکی ہی تھی تو اسے لڑکا شاید صوفیوں کی عام نفسیات کی رعایت سے بنایا گیا ہو۔ سمجھدار لوگ اس نکتے سے بے خبر نہیں ہیں کہ پہنچے ہوئے اہل دل طریقت کے سفر میں صحبت ہم جنس کو زیادہ مرغوب رکھتے ہیں اور ان کا مقولہ ہے کہ صحبتِ ناجنس میں دل کی یکسوئی کہاں۔

بہرحال وہ کوئی بھی رہا ہو یا رہی ہو آواز بیحد پیاری تھی۔ میرا بدن تو خیر دیوبند کی مٹی سے بنا ہے نغمہ کے تیر کھال کے اندر کیا گھستے مگر دیگر حاضرین کا یہ حال تھا کہ جب وہ نوعمر درویش یا درویشنی کان پہ ہاتھ رکھکر قوالوں کی تان پہ انترا اٹھاتا یا اٹھاتی تو صاف نظر آتا کہ موسیقی کے تیر دل و جگر کے آرام پار ہوئے جا رہے ہیں "بچو بادرا" کے توڑ پر ایک چیز چل رہی تھی۔ نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اے خواجہ گیسو والے ـــــ سن درد بھرے مرے نالے
رات اندھیری ندیا گہری دور پڑا ہے کنارا
تو ہے کہاں کلیر کے دولہا دے نیا کو سہارا
لے ہم نے تجھے پکارا

جلدی آجا ڈوب نہ جائیں تیرے چاہنے والے
سن درد بھرے میرے نالے۔ اے خواجہ گیسو والے سن درد بھری

میں بھوندو قوال بچارا ہجر میں تیرے روؤں
تڑپوں گاؤں گاؤں تڑپوں نا جاگوں نا سوؤں
دُکھ درد دیکھتی ہوؤں
جام پلا دے گھر آئے ہیں بادل کالے کالے
سن درد بھرے میرے نالے۔ اے خواجہ گیسو والے۔ سن درد بھرے

"کیسا واہیات ہے؟"

یہ ایڈیٹر تجلی کی آواز تھی ــــ چونکیے نہیں۔ بات کلیر سے ہٹ کر دفتر تجلی میں آپہنچی ہے۔ دراصل یہ نغمہ قلمبند کرتے ہوئے میں ایسا بے خود ہوا کہ خود گانے لگا۔ خیال ہی نہیں رہا کہ دفتر تجلی میں بیٹھا ہوں اور ایڈیٹر تجلی بھی قریب ہی میں موجود ہیں۔

"جی کچھ نہیں ...... یوں ہی ذرا ....." میں نے بوکھلا کے کہا۔

"کیا یونہی ذرا ..... شرم نہیں آتی ..... لاؤ بہت لکھ چکے صفحے زیادہ نہیں ہیں"

"مگر .... ارر .... ابھی تو چھ قوالیوں کے نمونے باقی ہیں"

"بکو مت .... پھر ناول لکھا ہوگا ..."

"نعوذ باللہ۔ یہ فلمی گانا نہیں تھا۔ قوالی تھی۔ آپ بیتی لکھ رہا ہوں ...."

"ہاں .... کوئی کہہ رہا تھا تم نے کلیر میں جوا کھیلا ہے؟"

"آپ عرس کی توہین کر رہے ہیں .... م ... میرا مطلب یہ ہے کہ عرس کے دنوں میں جو کھیل کھیلا جائے وہ جوا کیسے ہو سکتا ہے"

"میں تمہاری کھال ادھیڑ دونگا .... میرٹھ کیوں گئے تھے؟"

"جی .... وہ دراصل دو یتیم بہنوں کو یتیم خانے داخل کرانا تھا"

"اور میں تمہیں مویشیوں کے ہسپتال میں داخل کرانے والا ہوں" وہ بھنا گئے۔

"واللہ ضرور کرائیے" میں اکدم خوش ہو کے بولا "چارہ تو ملے گا۔ میرے بیوی اور بچوں کا نام لکھوا دیجئے گا انھیں کئی وقت سے چنے بھی نصیب نہیں ہیں"

"سچ؟" ان کے منہ سے بے اختیار نکلا مگر فوراً ہی نادم ہو گئے۔ "لاحول ولا قوۃ۔ تم گدھے مجھے بھی فقروں میں اڑاتے ہو"

"خدا کی قسم بالکل نہیں۔ یقین کیجئے آٹے دال کا بھاؤ اب اپنے بس سے باہر ہو گیا ہے۔ میں جے دن کلیر شریف اور میرٹھ کے سفر میں رہا بال بچوں نے یا تو فاقے کئے ہیں یا باجرے کی روٹی چٹنی سے کھائی ہے۔ اب بیوی کی تجویز یہ ہے کہ چھتوں پر جو گھس کبرا اگ آیا ہے اسے ترکاری کی جگہ استعمال کیا جائے"

"اور تم ان حالات میں سیر سپاٹے کر رہے ہو؟"

"کمانے ہی گیا تھا ــــ کمائے بھی تھے مگر ...... دل نہ مانا کہ عرس شریف کی کمائی دیوبند لاؤں۔ وہیں زنان عاشقان اولیا اور نغمہ نوازوں کی نذر کر دی۔ میرٹھ کا سفر بے ٹکٹ ہی ہوا ہے"

"ڈوب مرو ...."

"یہ بھی کوشش کر چکا ہوں۔ فہیمن کی بہن مجیدن کو گلے گلے پانی میں لاد کر لایا تھا ...."

"بس ختم کرو" وہ بگڑ گئے "تمہارا اچپنا کبھی نہیں جائیگا۔ لاؤ مضمون مجھے دو ــــ"

"جی ابھی بہت ضروری حصہ باقی ہے۔ تیز بارش کا حال مجیدن کی تلاش۔ صوفیوں سے مڈبھیڑ ......"

"بکواس بند .... دفع ہو جاؤ"

اور انہوں نے مضمون میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

اب ظاہر ہے جتنا لکھ چکا ہوں وہ تو از روئے معاہدہ انھیں چھاپنا ہی پڑے گا۔ لیکن آگے کا حال لکھنے کی اجازت شاید حشر سے پہلے نہ مل سکے۔ ویسے بھی توقع نہیں ہے کہ ایک سیر کے آٹے کی جونک اگلا مہینہ پکڑنے دیگی۔ ناظرین دعائے مغفرت فرمائیں۔ ابھی سے مانگنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ میں بھی آمین کہوں گا۔ زندہ رہا تو پھر ملیں گے۔ ■■

عامرؔی

پندرہ روزہ خبرنامہ کا تحریک اسلامی نمبر

ایڈیٹر:۔ احمد اللہ صدیقی

کتابت عمدہ، طباعت نفیس، کاغذ معیاری، صفحات ۳۰۰ قیمت بہت کم یعنی ۵/-

پتہ:۔ پندرہ روزہ خبرنامہ، ایس۔ آئی۔ ایم شمشاد مارکیٹ علی گڑھ۔

یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے جس بندے سے اور جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ اس کے یہاں کسی دارالعلوم کے فارغ مولوی یا کسی عظیم فاضل کی کوئی قید نہیں ہے۔

دنیائے اسلام کے معروف اسلامی مبلّغ جناب محمد پالن حقانی گجراتی کی مثال بالکل سامنے کی ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جسکی زندگی کا بیشتر حصہ لہو لعب، بلکہ داری اور قوالی بازی میں صرف ہوا جب اللہ کو اس سے اپنے دین کا کام لینا منظور ہوا تو ایسا لیا کہ آج کے درجنوں سند یافتہ عالموں، محدثوں اور مبلغوں کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا اس طرح کی اور بھی بہت سی سینکڑوں مثالیں تاریخ کے صفحات میں بآسانی فراہم ہوسکتی ہیں۔

ایس۔ آئی۔ ایم (student islamic movment of India) بھی اسی نوع کی ایک دینی و اصلاحی تنظیم ہے۔ جس کے ارکان کی اکثریت ان نوجوانوں پر مشتمل ہے جو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ یا دوسری کسی معیاری یونیورسٹی یا کالج کے طالب علم ہیں۔

تبصرہ نگار نے ایس، آئی، ایم کے کئی اجتماعات میں شرکت کی ہے۔ نوجوان رفقار کی سوز و کیف میں ڈوبی ہوئی تقریریں سننے اور انھیں بہت قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔

اس بنیاد پر یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر دین پسند طبقے کی طرف سے قوم کے ان نوجوان اور فعال کارکنوں کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی ہوئی تو لاریب ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہی چند نوجوان پورے ملک میں اقامتِ دین اور غلبۂ حق کے صحیح اور سچے علم بردار ثابت ہونگے۔

ان حق پسند نوجوانوں نے اپنے کام کو مزید پھیلانے اور وسیع پیمانے پر انجام دینے کی غرض سے محض اپنی چھوٹی سی تنظیم کے بل بوتے پر علیگڈھ سے "خبرنامہ" نامی ایک سنجیدہ اور وقیع پندرہ روزہ اخبار جاری کیا ہے۔ جو کفر و ضلالت کے اس دور میں دینِ حق کو سربلند اور غالب کرنے اپنی مشن جدوجہد کر رہا ہے۔ جون ۱۹۷۷ء میں سرزمین علیگڈھ پر

ایس، آئی، ایم کے منتخب کارکنوں کا ایک ہفت روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا تھا جس میں ایس، آئی، ایم کے نوجوانوں اور اسلام پسند طلباء کے علاوہ جماعت اسلامی کے بعض اہل علم اور تجربہ کار حضرات نے بھی شرکت کی تھی۔ مثلاً:—

مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا سید حامد علی مولانا عروج قادری، مولانا محمد یوسف اصلاحی، انعام الرحمان خاں، مولانا جلال الدین انصر، ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی، محمد فاروق خاں، بھائی ارشاد حسین جعفری، م نسیم اور معروف اسلامی شاعر حفیظ میرٹھی۔

"خبر نامہ" کا زیر تبصرہ شمارہ اسلامی تحریک نمبر اسی ہفت روزہ اجتماع میں پڑھے جانے والے مقالوں اور مذاکراتی تقریروں کا مجموعہ ہے۔

سب سے پہلا مقالہ مولانا عروج قادری ایڈیٹر "زندگی" رام پور کا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "انبیائی تحریکوں کا مطالعہ" محترم عروج قادری کا یہ مقالہ مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ایک وقیع اور پر مغز مقالہ ہے "مختلف انبیاء کی دعوتیں کن ماحول میں شروع ہوئیں، ان کا طریقہ کار کیا تھا، اسلامی تحریک کو کس قسم کے امکانی حالات سے واسطہ پڑ سکتا ہے،—— ان حالات میں کیا مناسب طرز عمل ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے موجودہ حالات کس نبی کی تحریک سے مماثلت رکھتے ہیں—— "یہ مقالہ تقریباً ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے غیر معمولی افادیت کا حامل ہے—— دوسرا مقالہ "ہندوستانی طلباء میں تحریکِ اسلامی کا کام" کے زیر عنوان ایس، آئی، ایم کے خاص کارکن اور خبر نامہ کے ایڈیٹر جناب احمد اللہ صدیقی کا ہے۔ جس میں موصوف نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ نوجوانوں کے سامنے اپنا مقصد اور لائحہ عمل پیش کیا ہے اور تاریخی حقائق و براہین کا ڈھیر لگا کر اپنی گفتگو کو مدلل اور موثر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

تیسرا مقالہ جناب محمد رفعت صاحب کا (ہندوستان میں طلباء کی کمیونسٹ تحریکیں) اور چوتھا مقالہ جناب امان اللہ خاں صاحب کا (دوسرے ملکوں میں طلباء کی اسلامی تحریکیں) کا ہے۔ یہ دونوں نوجوان بھی ایس، آئی، ایم سے باضابطہ طور پر منسلک ہیں۔

صفحہ ۹۵ سے صفحہ ۱۰۲ تک پر جناب مولانا سید حامد علی صاحب کی ایک مذاکراتی گفتگو بکھری ہوئی ہے۔ جس میں موصوف نے تحریکِ اسلامی سے اپنی وابستگی کے دورِ اوّل، مولانا مودودی سے اپنے مراسم کا ذکر اور تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کی ذمہ داری پر نہایت موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

جناب مولانا جلال الدین انصر کا مقالہ "فکری دنیا میں اسلام کی مطلوبہ تبدیلی کس طرح لائی جائے" ایک پر مغز اور غیر معمولی افادیت کا حامل مقالہ ہے۔

صفحہ ۱۷۱ سے صفحہ ۱۸۲ تک اسی اجتماع میں ہونے والی ایک ادبی نشست کی مختصر رپورٹ اور اس میں پڑھی جانے والی شعری و نثری تخلیقات درج ہیں۔

ضیافتِ طبع کے طور پر چند اچھے شعر درج کئے جا رہے ہیں:—

پاسباں آنکھیں ملے، انگڑائی لے، آواز دے
اتنے عرصے میں تو اپنا کام کر جاتی ہے آگ
آنسوؤں سے کیا بجھے گی دوستو دل کی لگی
اور بھی پانی کے چھینٹوں سے بھڑک جاتی ہے آگ
جب کوئی آغوش کھلتی ہی نہیں اس کے لئے
ڈھانپ کر منہ راکھ کے بستر پہ سو جاتی ہے آگ
(حفیظ میرٹھی)

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے
یہ ناچتی گاتی ہوئی اس دور کی تہذیب
کیا جانئے کس کرب کا اظہار کرے ہے

شرماتا ہوں فنکار سمجھتے ہوئے خود کو۔
جب جھوٹی خوشامد کوئی فنکار کرے ہے۔
حفیظ میرٹھی۔

کسی دیوانے نے سیلِ جنوں روکا نہیں ابتک
کوئی مجنوں یہ مصرع لکھ گیا دیوارِ زنداں پر
عروج قادری

اس نشست میں پڑھی جانے والی باقی تخلیقات کے بارے میں تبصرہ نگار کا خیال ہے کہ مرتب نے انھیں خواہ مخواہ اور نمبر کی ضخامت میں اضافہ کرنے کی غرض شامل اشاعت کر لیا۔

زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے —— یہاں ہم صرف دو تخلیقات کے سلسلہ میں کچھ عرض کریں گے۔
ص۱۴۸ پر درج شدہ تجمّل حسین تمنّا کی نظم "تلاشِ حق" جو کہ پندرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی ایک بند بھی ایسا نہیں ہے جو موٹی موٹی اور جلی غلطیوں سے خالی ہو۔ مثلاً:۔

ہر ایک چراغ بجھ گیا تھا راستہ دھواں دھواں
فضا کہر میں غرق تھی میں چل دیا جہاں جہاں

دوسرے مصرع لفظ "کہر" کی ہا کو متحرک استعمال یا۔ اور میں "جہاں جہاں گیا" کے محل پر "میں یا جہاں جہاں" استعمال کیا گیا ہے۔

نہ جلوہ ہائے روبرو، نہ وہ نشاط میں دتو

لوہائے روبرو" کیا چیز ہے۔؟ "نشاط میں دتو" ت ہوئی۔ خیر چلئے اگر یہاں کھینچا تانی کرکے " اط" کا محل تسلیم بھی کر لیا جائے تو لفظ "میں دتو" رسے میں قارئین کیا کہیں گے۔

نہ جلوہ ہائے رنگ و بو، نہ نغمہ ہائے من بہ تو۔

اس مصرع میں بھی وہی بات ہے۔ "من بہ تو" اں کیا محل تھا۔

بھٹک گیا ہوں دربدر، کبھی ادھر کبھی اُدھر

یہاں شاعر صاحب کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ میں دربدر بھٹک رہا ہوں، کبھی یہاں اور کبھی وہاں۔
گویا۔ دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں۔
ایک جگہ رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں۔

لیکن موصوف اپنے اس خیال کو شعری جامہ پہنانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔

ے کہ ناگہاں وہ دور پر جو پڑ گئی میری نظر

یہاں بھی ان سے بڑی بھونڈی غلطی سرزد ہوگئی، اور "دور" کے ساتھ وزن کو پورا کرنے کے لئے "پر" لگا دیا۔

تھا کارل جس کا باغباں وہ مزدوروں کا گلستاں

یہ مصرع وزن سے خالی ہے —— غرضکہ یہ پوری کی پوری نظم ناقص اور اغلاط سے بھری ہوئی ہے — محترم شاعر کو چاہیئے کہ اپنی تخلیقات کسی رسالے میں چھپوانے یا کسی مجلس میں سنانے سے پہلے کسی شاعر کو دکھا لیا کریں۔ اگر ایسا کر لیا تو توقع ہے کہ مستقبل میں وہ اچھے شاعر ہو جائیں گے۔

دوسری گزارش ہمیں بھائی م۔ نسیم صاحب کے مضمون "دعا فروش" کے بارے میں کرنی ہے وہ یہ کہ محترم بھائی م۔ نسیم صاحب بیشک اچھے انشا پرداز اور بہترین خاکہ نگار ہیں۔ ان کا یہ مضمون بھی زبان وانشا کے لحاظ سے اپنی جگہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس نمبر میں اسے قطعی نہ شائع کرنا چاہیئے تھا۔

یہ تحریکِ اسلامی نمبر جس میں کہ حدیث و قرآن کا درس اور سوز و کیف میں ڈوبی ہوئی دعوتی تقریریں اور مقالے درج ہیں — اس مزاحیہ مضمون کی اشاعت اس میں قطعی زیب نہیں دیتی۔

آخری صفحات میں خواتین اور طالبات کے سلسلہ میں چند اچھے اور مفید مضامین بھی شامل ہیں۔

تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی نمبر ایک

وسیع اور عمدہ کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اپنے ایڈیٹر کی غیر معمولی محنت اور حسن ترتیب کا مظہر ہے۔
اور شائقین کے لئے پانچ روپے میں یہ نمبر قطعی گراں نہیں ہے۔
(تابش عامری)

بدعات کی رد اور سنتوں کے اثبات میں چار بہترین مقالے جن میں ایک مقالہ مولانا عامر عثمانیؒ کا بھی ہے۔ نیاز، فاتحہ، تیجہ، چہلم اور قبوری شریعت کے تمام مسائل وعقائد پر علم شریعت کا محاکمہ۔ اس کتاب کے مدلل مقالات اس درجہ مفید ثابت ہوئے ہیں کہ اس پر اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر کیا جائے کم ہے۔

ترجمان السنہ کے شہرۂ آفاق مؤلف مولانا بدر عالم صاحبؒ کا نصیحت نامہ بھی شامل۔ اسکا لفظ لفظ دینی دردمندی خلوص اور سوز وگداز کا مرقع ہے۔ کئی سال سے یہ کتاب ختم تھی۔ اب بڑے ہی اہتمام کے ساتھ اس کا نیا ایڈیشن چھاپا گیا ہے۔

شائقین حضرات فوراً توجہ فرمائیں۔

قیمت مجلد نو روپے پچاس پیسے۔

ناشر:- مکتبہ تجلی دیوبند۔